بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓمّٓ

تفسیرِ مُبین

خلاصۃُ التفاسیر

پارہ نمبر (۱)

مختلف مکاتبِ فکر، قدیم وجدید، اہم تفاسیر کا خلاصہ
اور آسان اُردو ترجمہ

از

ڈاکٹر محمد حسن رضوی

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب۔۔۔

فہرست مضامین

عنوانات	نمبر شمار
سُوْرَۃُ الْفَاتِحَہ	10
ترجمہ	10
سورۂ فاتحہ کی تفسیر	11
سورۂ فاتحہ کی فضیلت	11
آیت نمبر ۱	12
فوائد	12
معنی	12
الفاظ کی تشریح	13
آیت نمبر ۲	13
رَبِّ	14
الْعٰلَمِیْنَ ۝۱	14
آیت نمبر ۴	15
آیت ۵	15
آیت نمبر ۶	17
آیت نمبر ۷	18
صاحبانِ نعمت بندے کون ہیں؟	19
سورۂ فاتحہ کے نتائج وتعلیمات کا خلاصہ	21
تشکیل کردار پر اس کا اثر	21
جنت کے آٹھ دروازوں پر کیا لکھا ہے؟	24
سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ	26
مع مختصر تفسیر	26
آیت نمبر ۱ تا ۴	27
ترجمہ	27
آیت نمبر ۵ تا ۷	28
ترجمہ	28
آیت نمبر 2	29
آیت نمبر 3	29
غیب کے معنی	29
آیت نمبر ۸ تا ۱۰	29
ترجمہ	30
آیت ۷	30
آیت ۸	31
آیت ۹	31
آیت نمبر ۱۱ تا ۱۳	32
ترجمہ	32
تفسیر	32
آیت ۱۰	32
آیت ۱۱	33
آیت نمبر ۱۴ تا ۱۶	33
ترجمہ	33
تفسیر	34
آیت ۱۴	34
آیت ۱۶	34
آیت نمبر ۱۷ تا ۱۹	35
ترجمہ	35
تفسیر	36
آیت ۱۷	36

آیت ۱۸	36
آیت ۱۹	36
آیت نمبر ۲۰ تا ۲۲	36
ترجمہ	37
تفسیر	37
آیت ۲۱	37
آیت نمبر ۲۳ تا ۲۵	38
ترجمہ	39
تفسیر	39
آیت ۲۳	39
آیت نمبر ۲۶	40
ترجمہ	40
تفسیر	40
آیت ۲۴	40
آیت ۲۵	41
آیت ۲۶	41
آیت نمبر ۲۷۔۲۸	41
ترجمہ	42
تفسیر	42
آیت ۲۷	42
آیت نمبر ۲۹۔۳۰	43
ترجمہ	43
تفسیر	44
آیت ۲۹	44
آیت ۳۰	44
آیت نمبر ۳۱۔۳۲	45
ترجمہ	45
تفسیر	45
آیت ۳۱	45
آیت نمبر ۳۳	46
ترجمہ	46
تفسیر	47
آیت ۳۲	47
آیت ۳۳	47
آیت نمبر ۳۴۔۳۵	47
ترجمہ	48
تفسیر	48
آیت ۳۴	48
''یہاں سجدے سے مراد	48
آیت ۳۵	49
اور ظلم'' کے معنی	49
آیت نمبر ۳۶۔۳۷	50
ترجمہ	50
تفسیر	50
آیت ۳۷	50
آیت نمبر ۳۸۔۳۹	51
ترجمہ	51
تفسیر	52
آیت ۳۸	52
حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت	52

آیت نمبر ۴۰۔۴۱	52
ترجمہ	52
تفسیر	53
آیت ۴۰	53
آیت ۴۱	53
آیت نمبر ۴۲ تا ۴۵	54
ترجمہ	54
تفسیر	55
آیت ۴۲	55
آیت ۴۳	55
تفسیر آیت ۴۵	55
آیت نمبر ۴۶۔۴۸	56
ترجمہ	56
تفسیر	56
تفسیر آیت ۴۷	56
آیت ۴۸	57
آیت نمبر ۴۹۔۵۰	57
ترجمہ	58
تفسیر	58
آیت ۴۹	58
آیت ۵۰	58
آیت نمبر ۵۱ تا ۵۴	59
ترجمہ	59
تفسیر	60
آیت ۵۱	60
آیت ۵۴	60
آیت نمبر ۵۵ تا ۵۷	61
ترجمہ	61
تفسیر	62
آیت ۵۵	62
آیت ۵۶	62
آیت ۵۷	62
آیت نمبر ۵۸۔۶۰	62
ترجمہ	63
تفسیر	64
آیت ۵۸	64
آیت ۵۹	64
آیت نمبر ۶۱	64
ترجمہ	65
تفسیر	65
آیت ۶۱	65
آیت نمبر ۶۲ تا ۶۴	66
ترجمہ	66
تفسیر	67
آیت ۶۲	67
آیت نمبر ۶۵ تا ۶۷	67
ترجمہ	68
تفسیر	68
آیت ۶۵	68
آیت ۶۷	69

آیت نمبر ۶۸۔۷۰	69
ترجمہ	69
تفسیر	70
آیت نمبر ۷۱۔۷۳	70
ترجمہ	71
تفسیر	71
آیت ۷۱	71
آیت نمبر ۷۴۔۷۵	72
ترجمہ	72
تفسیر	73
آیت ۷۴	73
آیت نمبر ۷۶ تا ۷۸	73
ترجمہ	74
تفسیر	74
آیت ۷۸	74
علماء کی تقلید	74
آیت نمبر ۷۹۔۸۰	75
ترجمہ	75
تفسیر	76
آیت ۷۹	76
آیت نمبر ۸۱۔۸۲	76
ترجمہ	76
تفسیر	77
آیت ۸۱	77
آیت نمبر ۸۳	77
ترجمہ	78
تفسیر	78
آیت ۸۳	78
والدین کے بارے میں لکھا ہے	78
رشتہ داروں کے بارے میں فرمایا	78
آیت نمبر ۸۴	79
ترجمہ	79
آیت ۸۳ ''یتیم'' سے مراد	80
* مساکین سے مراد	80
آیت نمبر ۸۵۔۸۶	81
ترجمہ	81
تفسیر	82
آیت ۸۵	82
آیت نمبر ۸۷۔۸۸	82
ترجمہ	83
تفسیر	83
آیت ۸۷	83
آیت ۸۸	83
آیت نمبر ۸۹۔۹۰	84
ترجمہ	84
تفسیر	85
آیت ۸۹	85
آیت ۹۰	85
آیت نمبر ۹۱۔۹۳	85
ترجمہ	86

آیت نمبر ۹۴۔۹۶	87
ترجمہ	87
تفسیر	88
آیت ۹۴	88
آیت ۹۵	88
آیت ۹۶	88
آیت نمبر ۹۷۔۹۹	88
ترجمہ	89
تفسیر	89
آیت ۹۷	89
آیت ۹۸	90
آیت نمبر ۱۰۰۔۱۰۱	90
ترجمہ	90
تفسیر	91
آیت ۱۰۰	91
آیت نمبر ۱۰۲	91
ترجمہ	92
تفسیر	93
آیت ۱۰۲	93
آیت نمبر ۱۰۳۔۱۰۶	94
ترجمہ	94
تفسیر	95
آیت ۱۰۶	95
آیت نمبر ۱۰۷۔۱۰۹	96
ترجمہ	96
تفسیر	97
آیت ۱۰۸	97
آیت ۱۰۹	97
آیت نمبر ۱۱۰۔۱۱۱	97
ترجمہ	98
تفسیر	98
آیت ۱۱۰	98
آیت ۱۱۰	98
آیت نمبر ۱۱۲۔ ۱۱۳	99
ترجمہ	99
تفسیر	100
آیت ۱۱۲	100
آیت نمبر ۱۱۴۔۱۱۵	100
ترجمہ	101
تفسیر	101
آیت ۱۱۴	101
آیت ۱۱۵	101
آیت نمبر ۱۱۶ تا ۱۱۸	102
ترجمہ	102
تفسیر	103
آیت ۱۱۶	103
آیت ۱۱۸	103
آیت نمبر ۱۱۹۔۱۲۱	103
ترجمہ	104
تفسیر	104

آیت ۱۲۱	104
آیت نمبر ۱۲۲ تا ۱۲۴	105
ترجمہ	105
تفسیر	106
آیت ۱۲۴	106
آیت نمبر ۱۲۵	107
ترجمہ	107
تفسیر	107
آیت ۱۲۵	107
آیت نمبر ۱۲۶۔۱۲۷	108
ترجمہ	108
تفسیر	109
آیت ۱۲۶	109
آیت ۱۲۷	109
آیت نمبر ۱۲۸۔۱۲۹	109
ترجمہ	110
تفسیر	110
آیت ۱۲۸	110
آیت ۱۲۹	110
آیت نمبر ۱۳۰۔۱۳۲	111
ترجمہ	111
تفسیر	112
آیت ۱۳۰	112
آیت نمبر ۱۳۳۔۱۳۴	112
ترجمہ	113
تفسیر	113
آیت ۱۳۳	113
آیت ۱۳۴	113
آیت نمبر ۱۳۵۔۱۳۶	114
ترجمہ	114
تفسیر	115
آیت ۱۳۵	115
آیت نمبر ۱۳۷ تا ۱۳۹	115
ترجمہ	116
تفسیر	116
آیت ۱۳۸	116
آیت ۱۳۹	116
آیت نمبر ۱۴۰۔۱۴۱	117
ترجمہ	117
تفسیر	118
آیت ۱۴۰	118
آیت ۱۴۱	118



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پارہ نمبر ۱

سُوْرَةُ الْفَاتِحَه

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ② الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ③ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ④ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ⑤ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ⑥ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۧ⑦

ترجمہ

اللہ کے نام کی مدد مانگتے ہوئے (شروع کرتا ہوں) جو سب کو فیض اور فائدے پہنچانے والا بڑا ہی مہربان ہے۔(۱)

ہر ایک تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جو تمام کائنات کا پالنے والا مالک ہے۔(۲) سب کو فیض پہنچانے والا، مسلسل بیحد رحم کرنے والا۔(۳) جزا اور سزا کے دن کا مالک ہے۔(۴) ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور بس تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔(۵) بتلاتا رہ ہم کو سیدھا راستہ۔(۶) اُن لوگوں [1] کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔نہ اُن کا (راستہ) جن پر (تیرا) غضب ہے اور نہ اُن کا جو بھٹکے ہوئے ہیں۔(۷)

---

[1] تفسیر: اس سورے کے کئی نام ہیں۔سورہ فاتحہ، ام الکتاب، سبع مثانی، کافیۃ الوافیہ (یعنی مکمل اساس، جڑ، بنیاد سورہ الکنز (یعنی خزانہ)، شفاء الشافیہ، ام القرآن اور فاتحۃ الکتٰب۔فاتحہ کے معنی (یعنی انبیاء، صدقین) (صدیقین یعنی جو قول اور عمل میں سچے ہیں) شہداء اور صالحین (صالحین یعنی نیک بندے)

سورۂ فاتحہ کی تفسیر

فاتحہ کے معنی ایسی چیز جس سے شروع کیا جائے۔ کیونکہ قرآن مجید کا آغاز اسی سورہ سے ہوتا ہے اس لیے اس کو ''فَاتِحَةُ الكتاب'' کہا جاتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ سورہ دو مرتبہ نازل ہوا ہے۔ ایک مرتبہ مکّہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ میں۔ لیکن حقیقتاً یہ مکی سورہ ہے۔ صرف سورۂ ''عَلَق'' کی ابتدائی پانچ آیتیں اس سے پہلے اُتری تھیں۔

اس سورے کے کئی نام ہیں۔ ☆ اُمُّ الکتاب اور اساس۔ ''یعنی قرآن مجید کی بُنیاد''

☆ الشفاء: یعنی: آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ''یہ سورہ موت کے علاوہ ہر مرض کے لیے شفاء ہے۔''

☆ السَّبع: اس سورہ میں کل آیتیں سات (۷) ہیں۔ اور سبع کے معنی بھی سات (۷) ہیں۔

☆ مَثَانِي: یعنی: (۱) یہ سورہ دو ۲ مرتبہ نازل ہوا۔ (۲) یہ سورہ ہر نماز میں دو ۲ مرتبہ پڑھا جاتا ہے۔

☆ اَلْحَمد''، یعنی، اس سورہ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان ہوتی ہے اس لئے اس کو ''سورۃ الحمد'' کہا جاتا ہے۔

☆ الوافیہ: یعنی پورا۔ کیونکر ہر نماز میں، سنت ہو یا واجب، اس سورے کا پورا پڑھنا لازم ہے۔

☆ کافیہ: یعنی: یہ سورہ سنتی نماز میں تنہا کافی ہوتا ہے اور بعض مواقع پر واجبی نمازوں میں بھی تنہا کافی ہوسکتا ہے۔

☆ سورۃ الکنز: یعنی: اس سورہ میں 'علم و معرفت کے ''خزانے'' پوشیدہ ہیں۔

سورۂ فاتحہ کی فضیلت

''انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں'' ہے کہ: ''حمد خدا کی یہ زبردست مناجات سلیس اتنی کہ مزید تشریح سے بے نیاز، اس پر معنویت سے لبریز۔'' (جلد ۱۵ ص ۹۰۳۔ اشاعت ۱۱)

امیر المومنین ابوالائمہ حضرت علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام نے اس سورہ کی فضیلت میں فرمایا ہے کہ: ''تمام آسمانی کتابوں کا علم قرآن مجید میں ہے اور پورے قرآن مجید کا علم سورۂ فاتحہ میں ہے اور جو کچھ سورہ فاتحہ (سورۂ حمد) میں ہے وہ سب کا سب آیہ ''بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' میں ہے۔ اور جو کچھ آیۃ ''بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' میں ہے وہ ''ب'' (باءِ) بِسْمِ اللهِ میں ہے' اور جو کچھ ''ب'' (باء) میں ہے وہ سب ''با'' کے نیچے نقطے میں ہے اور ''میں'' ''ب'' کے نیچے کا نقطہ ہوں''۔ (ینابیع المودہ ص ۵۷، ۵۸) خزینۃ الجواہر ص ۴۳۶)

آیت نمبر ا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

حضورؐ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ '' جہنم کی آگ کے لیے ''ڈھال'' ہے'' قرآن مجید میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ'' ۔عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾ ''اُس (جہنم) پر اُنیس (۱۹) فرشتے نگراں ہیں (''سورہ مدثر پارہ (۲۹)۔آیت ۳۰'')اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے حروف بھی اُنیس (۱۹) ہیں۔اس لیے اس کے پڑھنے سے اس کا ہر ہر حرف جہنم کی آگ سے نجات دلاتا ہے۔

''حضرت علیؑ ہر سورہ سے پہلے اس آیت کو ہر نماز میں بآوازِ بلند تلاوت فرماتے۔''

(تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی)

یہ آیت اتنی ہی مرتبہ اُتری ہے کہ جتنے سورے اُترے ہیں' سوائے سورہ توبہ کے۔اور آئمہ اہل بیتؑ کے نزدیک یہ آیت ہر سورے کا جزو ہے سوائے سورہ توبہ کے قاریانِ کوفہ اور امام شافعی بھی اسی کے قائل ہیں۔(غرائب القرآن نیشاپوری جلد نمبر ا ص ۲۸)

فوائد:

ہر کام کی ابتداء اس آیت سے کرنے سے (۱) خدا کی تائید و مدد حاصل ہو جاتی ہے۔(۲) غرور و نخوت کا سر جھکتا ہے۔(۳) دلوں کی ہمتیں بلند ہوتی ہیں۔(۴) خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔(۵) خود اعتمادی اور خدا اعتمادی دونوں کو ملاتی ہے۔(۶) اسی طرح خودی اور بے خودی دونوں کو سمو دیا گیا ہے۔(۷) خدا سے نیاز مندی کا اظہار ہوتا ہے۔(۸) خداوند عالم کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

معنی:

بِسْمِ اللّٰهِ کے معنی امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے یہ بتائے ہیں کہ''استعين على أمور كلها بالله''۔(یعنی میں اپنے تمام معاملات میں خدا سے مدد طلب کرتا ہوں) (کتاب التوحید شیخ صدوقؒ)

الفاظ کی تشریح:

''اللہ'' کا لفظ، خدا کا اسمِ ذات ہے جو اس کے تمام صفات کا جامع ہے۔ اور رحمٰن ورحیم خدا کی اہم ترین صفات ہیں ''جو'' رحم'' سے مشتق ہے۔ اور مبالغہ ہے۔ یعنی وصف کی شدّت اور قوت کو بتاتے ہیں۔ (مجمع البیان)

''رَحْمٰنِ'' کا اطلاق صرف ذات خدا پر ہوتا ہے اور ''رحیم'' کا اطلاق غیر خدا پر بھی ہوسکتا ہے۔'' (امام راغب اصفہانی)

''رحمٰن'' بتقاضائے رُبوبیت تمام کائنات سے متعلق ہے، جس میں مومن وکافر میں کوئی فرق نہیں، اور ''رحیم'' اُس رحمت کے اظہار کے لیے ہے جو خاص توجہ اور عنایت سے متعلق ہوتی ہے۔ اس لیے صرف مومنین سے مخصوص ہے جس کا پورا اظہار آخرت میں ہوگا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''رحمٰن'' اسم خاص ہے صفتِ عام کے لیے اور ''رحیم'' اسم عام ہے صفتِ خاص کے لیے۔'' (مجمع البیان)

☆ ''گویا ''رحمٰن'' کے معنی ''سب کو فیض پہنچانے والا۔'' اور ''رحیم'' کے معنی ''خاص کر مومنین پر بے حد مسلسل رحم کرنے والا''۔ (ملخص از ''فصل الخطاب'')

☆ یہ بات بہت پُرمعنیٰ ہے کہ قرآن میں اسم ذات ''اللہ'' کے بعد جو سب سے پہلا اسم صفاتی ارشاد ہوا وہ صفتِ رحمانیت کا مظہر ہے۔ لین پول لکھتا ہے۔ ''جو لوگ یہ بات برابر بھول جاتے ہیں کہ قرآن میں وصفِ رحمت پر کتنا زور دیا گیا ہے۔ جبکہ مسیحیت کا افتتاحی فقرہ یہ ہے کہ ''شروع باپ بیٹے اور روح القدس کے نام سے''۔ یہاں آغاز ہی سے تثلیث کا گورکھ دھندا سامنے آجاتا ہے جس کا سمجھنا سمجھانا عقل کو خیر باد کہے بغیر ممکن ہی نہیں۔''

آیت نمبر ۲

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۲﴾

حمد

عربی میں ''مدح'' اور حمد'' میں فرق ہے''۔ ''مدح'' غیر ذی شعور چیزوں کی بھی ہوسکتی ہے۔ جیسے موتیوں کی چمک، سبزہ کی لہک، پانی' کی روانی حسین جوانی، سورج کی درخشانی وغیرہ۔ یہ تعریفیں ''مدح'' ہیں، ''حمد'' نہیں کیونکہ حمد'' صرف ایسی ذات ہی کی ہوسکتی ہے جس کے افعال اختیاری ہوں۔ اور شکر کے معنی تعریف کے نہیں بلکہ اس کے معنی

''احسان'' کا اعتراف، اور ''نعمت کی قدر کرنا ہوتا ہے، خواہ قولی ہو یا فعلی ہو۔ اگر یہ اعتراف تعریف کی شکل میں ہو تو کہا جائے گا ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ شُکْرًا'' یعنی اُس اللہ کی تعریف کرتا ہوں، اُس کے احسانات کا اعتراف [1] کرتے ہوئے۔ یہ کہنا کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔'' اس لیے درست ہے کہ ہر حسن ہر کمال، ہر جمال کا اصل خالق و مالک خدا ہی ہے کسی شاعر کے شعر کی تعریف بھی حقیقتاً خدا ہی کی تعریف ہے، کیونکہ اُس نے ہی شاعر کو یہ صلاحیت عطا فرمائی کہ وہ ایسے حسین شعر کہہ سکا۔ بقول میر انیس:

ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں 'بو تیری ہے

رَبِّ

''رَبِّ'' اسم صفت ہے جس کے معنی بتدریج کسی چیز کو اُس کے حال کے مناسب حدِ کمال تک پہنچانا ہے۔ خالق کی صفت خدا کے سبب وجود ہونے کو بتاتی ہے اور رب کا لفظ اُس کے سببِ بقا ہونے کو بتاتا ہے۔ عیسائیوں نے خدا کے لیے، باپ، کا لفظ اختیار کیا، مگر قرآن نے ''رب'' کا لفظ اختیار کیا جو ہر ہر لمحہ اُس کے فیض و کرم کے جاری و ساری رہنے کا پتہ دے رہا ہے۔

الْعٰلَمِیْنَ ①

''عالم'' کے معنی میں اللہ کے سوا ہر چیز داخل ہے۔ جدید تحقیقات کی روشنی میں جتنے سورج اور اُن کے نظام ہیں، سب عَالَمِیْنَ میں شامل ہیں۔ اب بہت سی دُنیاؤں (عالمین) کا تصوّر سمجھنا آسان ہو گیا ہے۔

☆ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''خدا نے ہزار ہزار عالم پیدا کیے ہیں اور ہزار ہزار آدمؑ بھی''۔ (الخصال۔ شیخ صدوق)

☆ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ نے ایک لاکھ آدم پیدا کیے..... اور اٹھارہ ہزار عالَم پیدا کیسے اور تمہاری دُنیا اُن میں کا ایک عالم ہے۔'' (محاجزۃ الاوائل ص ۲۳۶۔ مصر)

☆ ''یہ ہمارا سورج کروڑ در کروڑ سورجوں میں کا ایک ہے جن میں ہر ایک سورج کا دوسرے سورج سے فاصلہ روشنی کی رفتار سے کئی کئی سال کا ہے۔ خود کہکشاں اپنے پورے احاطے کے ساتھ کروڑ در کروڑ عالموں میں ایک ہے جن میں ہر ایک کا طول و عرض ہزار ہزار سال کی مسافت پر ہے''۔ (رسالہ العلم والحیاۃ)

---

[1] نیشاپوری از فصل الخطاب۔ علامہ علی نقی مرحوم (نقن)

''رحمٰن ورحیم'' کی تفسیر گذشتہ صفحات پر تحریر کی جا چکی ہے۔

آیت نمبر ۴

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۴

''يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۴ ''''دین'' کے یہاں معنیٰ ''بدلہ'' کے ہیں۔یعنی اعمال کا بدلہ۔اچھے عمل کے بدلے کو جزاء'' اور بُرے عمل کے بدلے کو ''سزا'' کہتے ہیں۔جزاء اور سزا کا نظام، نظامِ رُبوبیت اور رحمانیت کا تقاضا ہے۔یہ حکمت اور عدالت کا بھی تقاضا ہے۔تاکہ مومنین اور اطاعت کرنے والوں کو خصوصی توجہ عطا ہو سکے۔نیکوں اور بُروں کا فرق معلوم (ظاہر) ہو سکے۔نیکی کا اچھا بدلہ اور بُرائی کا بُرا بدلہ مل سکے۔

دنیا میں بھی خدا ہی مالک ہے مگر یہاں محدود پیمانے پر مخلوق بھی مالکیت کا دعویٰ کر سکتی ہے لیکن قیامت کے دن کوئی دوسرا مالک ہونے کا دعویدار بھی نہ ہوگا، وہاں وہی (خدا) فیصلہ کرنے والا ہوگا۔اس لیے کسی قسم کی کوئی زیادتی کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

آیت ۵

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۵

عبادت کے معنیٰ اظہار انکساری وتذلل اور حکم ماننے سے ہیں۔اگر کسی کی تعظیم اس لیے کی جائے کہ خدا نے حکم دیا ہے تو اُس شخص کی تو وہ تعظیم ہوگی، مگر یہ عبادت خدا قرار پائے گی نہ اُس کی عبادت۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ مدد صرف اللہ ہی سے مانگنی چاہیے کیونکہ وہی حقیقی مددگار ہے۔لیکن خدا کے بندوں سے یہ سمجھ کر مدد مانگنا کہ یہ خدا ہی کے پیدا کیے ہوئے اسباب ہیں، جائز ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں سے مدد مانگتے ہیں۔''مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ'' (کون ہے جو اللہ کی راہ میں میری مدد کرے؟) (آلِ عمران۔۵۲)

پھر خود خدا وند عالم مومنوں سے مدد کا طالب ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ (سورہ محمد۔۷)

یعنی: ''اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا۔غور طلب مسئلہ ہے کہ جب خود

اللہ مومنوں سے مدد کا طالب ہے جبکہ اُسے قطعاً کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم یہ بھی سبب اور ذریعہ مدد ہے جو ہمارے لیے حجت ہے کہ ہم بھی اللہ کے بندوں سے مدد مانگ سکتے ہیں۔ یعنی جب عام لوگوں یا مومنوں سے اسباب اور سنت خدا سمجھ کر مدد مانگنا جائز ہے تو انبیاء کرامؑ اولیاءؑ اور اوصیاءؑ خدا سے مدد مانگنا تو عین خدا سے مدد مانگنے کے مترادف ہے''۔

غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست یا
مشغولِ حق ہوں بندگی ،بوتراب میں

''صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں''۔ کا مطلب یہ ہے کہ ''تجھ سے بے نیاز ہوکر ہم کسی کو اپنا مددگار نہیں سمجھتے۔ یعنی جس سے بھی مدد مانگ رہے ہیں اُس کو صرف اور صرف ظاہری سبب سمجھ کر، جس کو خدا ہی نے ایک سبب قرار دیا ہے۔ جیسے پیاس لگتی ہے تو وہ چشمے اور پانی سے مدد طلب کرتا ہے۔ مگر پس پردہ دل کی گہرائیوں میں ایک حقیقی طاقت کا احساس زندہ رہتا ہے کہ اُس نے چشمے اور پانی کو یہ صلاحیت عطا فرمائی کہ وہ پیاس بُجھانے کا سبب قرار پائے۔

اِسی لیے مسلمان پانی پی کر ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' کہتا ہے۔ کہ یہ وسائل تو اللہ کے مقرر کردہ ہیں اور اصل مرکزِ اعانت ذاتِ خدا ہے۔ غرض عالم اسباب میں اسباب کی نفی خدا کے منصوبے کو رد کرنے کے مترادف ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ۔ ''جس وقت بندہ یہ آیت نماز میں پڑھتا ہے تو اس وقت خدا اور بندے کے درمیان جس قدر بھی حجابات ہوتے ہیں وہ سب کے سب درمیان سے اُٹھا دیے جاتے ہیں۔''

اسی لیے ''حمد وثنا کے بعد اب وہ مخاطب کے صیغے استعمال کرتا ہے۔ یعنی یہ کہتا ہے کہ: ''ہم صرف تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔''

نیز ملاحظہ فرمائیں کہ مسلمان خدا کی بارگاہ میں ''میں'' نہیں کہتا'' بلکہ'' ہم'' کہتا ہے۔ اس میں تمام عالمِ انسانیت کی نمائندگی بھی ہے۔ اور اپنی انانیت کی نفی بھی۔ اپنی ذات کو قابلِ ذکر تک نہ قرار دے کر انتہائی عجز وانکساری بھی ہے اور خود غرضی کی نفی بھی۔ اور عبادت کے ذکر کے فوراً بعد مدد طلب کرنے کے معنی یہ بھی ہیں کہ ہم تیری عبادت میں بھی تیری توفیق، تیری ہی مدد اور دستگیری کے محتاج ہیں۔ مگر پہلے بندگی کا ذکر کر کے پھر مدد طلب کرنا بتاتا ہے کہ پہلے امکانی کوشش بندہ خود کرے پھر خدا سے طالب امداد ہو۔ محققین نے نتیجہ نکالا کہ انسان مجبورِ محض نہیں ہے۔ اور نہ بالکل مطلق العنان ہیں۔ یہ جبر واختیار کا درمیانی نقطہ ہے۔ نہ جبر ہے نہ اختیار۔ معاملہ دونوں کے درمیان ہے۔

آیت نمبر ٦

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ﴿٦﴾

عربی زبان میں کسی کھڑے ہوئے انسان کو ''قم'' کہنے کے معنی ''کھڑے رہو'' ہوتے ہیں۔ اور کھاتے ہوئے آدمیوں سے ''کُلُوْا'' کہنے کے معنی ''کھاتے رہو'' کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ''اِهْدِ'' ہدایت فرما کے معنی ''ہدایت فرماتا رہ''۔ امیر المومنین بابِ مدینۃ العلم حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: ہدایت فرما کے معنی ''ہمیں سیدھے راستے پر قائم رکھ''۔

حضرت امام علی الرضا علیہ السلام نے فرمایا: ''اس میں تین باتوں کے لیے دعا کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ (۱) خدا کے دین کی طرف ہدایت کرنے کی۔ (۲) خدا تک پہنچنے کا ذریعہ عطا کرنے کی۔ (۳) خدا کی ذات اور اُس کی کبریائی کی عظمت کی معرفت میں ترقی دینے کی۔ (تفسیر برہان جلد نمبر ۱ ص ۳۲)

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا: ''اِهْدِنَا'' کے معنی ''اپنی اُس توفیق کو آئندہ بھی میرے ساتھ باقی رکھنا جس کے سبب سے میں نے آج تک تیری فرمانبرداری کی۔'' یہی وہ توفیق ہے جس کے سبب سے بندہ ہر چیز اور ہر کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ اب بھی راستے پر چلنا خود اُس کا ہی ذاتی عمل ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ'' سے مراد (۱) ''وہ راستہ جو خدا کی محبت تک لے جانے والا ہے (۲) خدا کی جنت تک پہنچانے والا ہے۔ اور (۳) جو ہم کو ہر اُس بات سے روکنے والا ہے کہ جس کے سبب سے ہم اپنی بری نفسانی خواہشوں کی پیروی کر کے رحمتوں اور مشقتوں میں گرفتار ہو جائیں، اور اپنی اپنی رائے پر چل کر ہلاک ہو جائیں۔ (۴) یہ وہ راستہ ہے جو معرفتِ خداوندی تک پہنچانے والا ہے۔ (۵) اس راستے سے مراد وہ امام ہے جس کی اطاعت اللہ کی طرف سے فرض ہے۔ یعنی امام کی معرفت کا راستہ''

(٦) حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام نے فرمایا: سیدھے راستے سے مراد وہ راستہ جو غُلو کی حد سے پیچھے ہو اور کمی کے راستے سے بلند ہو۔''

(۷) حضرت ابوجعفر امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ''الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' سے مراد ''حضرت علیؑ اور اُن کی معرفت ہے۔'' (تفسیر علی ابن ابراہیم)

حقیقتاً یہ سب کے سب معنی ایک ہی معنی کی مختلف تعبیریں ہیں اور سب کی حقیقت ایک ہی ہے۔ (غرائب القرآن)

(۸) کیونکہ کمال کی انتہا نہیں ہوتی اس لیے رسول اکرم ﷺ نے بھی اللہ تعالیٰ کی فرمائش پر یہ دعا مانگی۔ ''رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا'' ''یعنی: ''میرے پالنے والے میرا علم بڑھا دے۔'' اس لیے کہ ہر بلند تر مقام منزل صراط مستقیم ہی کا ایک درجہ ہے۔ لہٰذا یہ دعا بھی مسلسل ہوگی کہ بلند سے بلند تر منزل کی ہدایت فرماتا رہ۔ تاکہ عبدیت کی اعلیٰ سے اعلیٰ منزل تک یہ سفرِ تکامل جاری وساری رہے۔

آیت نمبر ۷

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۧ ۷

''اُن لوگوں [1] کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا: نہ اُن کا (راستہ) جن پر (تیرا) غضب ہے اور نہ اُن کا جو بھٹکے ہوئے ہیں۔

* خلاصہ یہ ہے کہ صراطِ مستقیم یعنی سیدھا راستہ'' سے مراد صاحبانِ نعمت تک رسائی، اُن سے محبت، اُن کی معرفت، قلبی اور عملی وابستگی اور اُن کے طریقہ زندگی کو اختیار کرنا ہے۔

محققین نے یہ نتیجہ نکالا کہ: ہدایت کے لیے قرآن کافی نہیں، صاحبانِ نعمت کا دامن پکڑنا (عملی وابستگی) ہی ہدایت ہے۔ اس لیے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں تم میں دو (۲) گراں قدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں (۱) قرآن جو اللہ کی کتاب ہے۔ (۲) میری عترت (اولاد) اہل بیت۔ جب تک تم ان دونوں سے تمسک اختیار کیے رہو گے تو میرے بعد ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور یہ دونوں کبھی ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر پلٹ آئیں۔'' (صحیح مسلم شریف)

غرض ''نعمت'' سے مراد جاہ ومالِ دنیا یا زر، زمین، زن نہیں، نعمت سے مراد وہ ہدایت اور توفیق ہے جو خدا کے اطاعت گزاروں کے شاملِ حال رہی ہے۔ (معانی الاخبار حدیث از علی ابنِ ابیطالبؑ)

یہی صاحبانِ نعمت بندے، خدا اور بندے کے درمیان واسطہ ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سورۂ حمد میں عبد ومعبود کے درمیان خدا ان بندوں کا ذکر نہ فرماتا۔ اسی لیے مرشد تھانوی نے لکھا۔ ''صراط مستقیم میسر نہیں ہوتا بغیر اس کے کہ

---

[1] (یعنی انبیا صدقین یعنی جو قول وعمل میں سچے ہیں) شہدا اور صالحین (صالحین یعنی نیک بندے)

پیروی اہل صراط مستقیم کی کی جائے اور اس کے لیے محض اوراقِ کتب کافی نہیں۔'' (تفسیر ماجدی)

صاحبانِ نعمت بندے کون ہیں؟

خداوندِ عالم ایسے بندوں کی نشاندہی قرآن مجید میں اس طرح فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾

''اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کریں تو یہ اُن کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام واحسان کیا ہے ① انبیا ② صدیقین ③ شہدا۔ ④ صالحین۔'' (نساء۔۶۹)

پھر ہدایت صرف صاحبان نعمت تک رسائی ہی کا نام نہیں، ثباتی پہلو کے ساتھ ساتھ سلبی پہلو بھی ضروری ہے۔ یعنی اُن اشخاص اور جماعتوں سے بیزاری اور قطع تعلق بھی ضروری ہے جو صراطِ مستقیم سے دوری کا باعث ہیں۔ انہی صاحبانِ نعمت سے تعلق جوڑے رہنے کو دین کی اصطلاح میں ''تولا'' اور اللہ کے مغضوب اور گمراہ لوگوں سے قطع تعلق کو ''تبرّ'' کہتے ہیں۔ حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ''یعنی جن پر خدا کا غضب ہوا'' سے مراد اہل بیت رسولؐ سے دشمنی کا اظہار کرنے والے ہیں۔ اور ضَآلِّيْنَ ''یعنی۔ گمراہوں سے مراد وہ شکوک واوہام میں مبتلا لوگ ہیں جو معرفتِ امام نہیں رکھتے۔ (تفسیر علی ابن ابراہیم)

*بعض روایات میں ''مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ''سے مراد، یہودی اور ''ضَّآلِّيْنَ'' گمراہوں سے مراد، نصرانی بھی ہیں۔ غرض صاحبانِ نعمت چار (۴) قسم کے لوگ ہیں۔ (۱) ''نبیّین'' جو خدا کے پیغام لانے والے اور اُس کا پیغام پہنچانے والے ہیں۔ خدا اپنے علم کی بنا پر اُن کا اِنتخاب فرماتا ہے۔ (۲) ''صدیقین'' جو قول وعمل کے سچے اور کھرے ہیں۔ ہمیشہ ہر بات سچ اور ہر کام سچائی وخلوصِ دل سے انجام دیتے ہیں۔ اُن کے سید وسردار حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں، جنہوں نے کبھی غیر اللہ کے سامنے سر نہ جھکایا اور قول وعمل کے ایسے سچے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کل میں اُس کو علم دوں گا جو مرد ہوگا۔ جو خدا اور اُس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہوگا اور خدا اور اُس کا رسولؐ اُس کو دوست رکھتے ہوں۔'' (صحیح بخاری شریف)۔ اور حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

علی کا ذکر کرنا بھی عبادت ہے۔'' (صواعق محرقہ) یہ حدیث غیر مشروط ہے۔ یعنی علیؑ کا کوئی عمل ایسا نہیں جو خدا کی مرضی کے خلاف ہو۔ اگر ایک قول یا عمل بھی خدا کی مرضی کے خلاف ہوتا تو مطلقاً علیؑ کا ذکر عبادت نہ قرار پا سکتا تھا۔ اسی لیے تو امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''اَنَا صِدِّيق الاکبر ''یعنی'' میں صدیق اکبر ہوں''

عالم اسلام آج بھی صرف حضرت علی علیہ السلام کو کرم اللہ وجھہ کہتا ہے۔یعنی اللہ نے اُن کے چہرے کو غیر اللہ کے سامنے جھکنے سے محفوظ اور مکرم رکھا۔اعلیٰ ترین معنی میں تو صدیق کے مصداق حضرت علیؑ اور أئمہ معصومین ہیں۔ لیکن ہر وہ شخص جو قول و فعل میں جتنا سچا ہوگا اتنا ہی صدیق ہوگا۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بندہ سچ بولتا رہتا ہے، سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ خدا اُس کو صدیقین میں لکھ دیتا ہے'' خاص کر کاروباری معاملات میں سچ بولنے والا یقیناً صدیق ہے۔ کیونکہ وہ انقصان اُٹھا کر سچ بولتا ہے۔(۳) تیسرا گروہ ''شہدا'' کا ہے۔ جو خدا کی راہ میں جان دیکر اپنے خون سے اپنی گواہی کو ثابت کرتے ہیں۔اس گروہ میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو مالی، جسمانی اور دماغی قربانیاں حق کے لیے دیتے ہیں اور (۴) ''صالحین'' سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے نیک اعمال اُن کے برے اعمال پر غالب ہوں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد رب العزت ہے: ''جس کے نیک عمل (بُرے اعمال پر) بھاری ہوں گے وہ اُس زندگی میں ہوگا جس سے وہ خوش ہوگا۔'' (قرآن)

شہدأ کے سید و سردار حضرت حمزہ امام حسنؑ و امام حسینؑ ہیں کیونکہ اُن کی شہادت گویا رسولؐ کی شہادت ہے اور اُن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''جنت کے جوانوں کے سردار'' فرمایا ہے۔اُن کی بیش بہا قربانیاں عالمین میں آشکار ہیں۔ خدا نے قربانی کا معیار یہ پیش فرمایا ہے: ''لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ'' (آل عمران آیت ۹۲) یعنی تم ہرگز ہرگز نیکی تک نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ تم اُس شے میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کردو جو تمہیں محبوب ہے حضرت امام حسین علیہ السلام نے ''اُس میں سے کچھ ''نہیں بلکہ'' سب کچھ'' اللہ کی راہ میں قربان کر دیا۔گویا قرآنی معیار سے بھی اُن کی قربانی بلند تر ثابت ہوئی۔ بقول شاعر

اہل بیت پاک کے ہر سانس کو اے مدّعی
ہاں ملا کر دیکھ لے آیاتِ قرآنی کے ساتھ

اور تمام اُمت کے صالحین کے سید و سردار اہل بیتؑ رسولؐ کے امام ہیں، کیونکہ وہ معصوم ہیں اور منصوص من اللہ ہیں وہ ہر گناہ سے پاک ہیں اُن کی نیکیاں ضرب المثل ہیں۔ ''صاحبِ تحفہ اثنا عشریہ'' تک نے لکھا ہے۔'' اگر امام کے معنی سب سے آگے ہونے کے ہیں تو اس معنی میں ''آل محمدؐ'' ہی ساری اُمت کے امام ہیں اس لیے کہ ہر نیکی میں وہ ساری اُمت سے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔''

سورۂ فاتحہ کے نتائج وتعلیمات کا خلاصہ

حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کا سبب انسان کی تین خصلتیں ہیں۔(۱) شہوت، اس کی وجہ سے بخل اور حرص پیدا ہوتے ہیں۔(۲) غضب: اس سے تکبر اور خود پسندی پیدا ہوتی ہیں۔(۳) ہوائے نفس:۔اس سے کفر و بدعت وجود میں آتی ہیں۔ جب انسان سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت یعنی بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ '' کی تلاوت کرتا ہے تو یہ تینوں بد خصلتیں ختم ہوجاتی ہیں۔پس بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے تینوں اسمائے طاہرہ ہر سہ صفاتِ بد، یعنی شہوت، غضب اور ہوائے نفس کے دور کرنے کے کفیل ہیں اور یہی روحانی امراض کی جڑیں ہیں اور تمام بُرے افعال انہی کی شاخیں اور نتیجہ ہیں۔(ملخص از تفسیر انوار النجف جلد ۲ ص ۴۴۔۴۵)

تشکیل کردار پر اس کا اثر:

(۱) جو شخص خدائے رحمٰن ورحیم کے نام سے کسی کام کو شروع کرتا ہے وہ عملاً اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ ''میرا ضمیر پاک ہے، میری نیت صاف خالص ہے۔میرا مقصد اعلیٰ ہے میں ایک خدا کا سچا پرستار ہوں اور الحاد وشرک سے بیزار ہوں۔

(۲) بِسْمِ اللّٰہِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ پڑھنے والا ہر طاقت اور ہر سہارے سے قطع نظر کر کے صرف اور صرف خدائے یکتا پر توکل کرتا ہے اور جو کچھ اُسے عطا ہوتی ہے اُس پر راضی ہو کر شکر ادا کرتا ہے تو شہوت کافور ہوجاتی ہے۔

(۳) رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (عالمین کا پالنے والا) مالک کہہ کر خدا کو یاد کرنے والا ساری مخلوق کو اللہ کے حوالے سے دیکھتا ہے۔اُس کی نگاہ میں ساری مخلوق اللہ کی عیال بن جاتی ہے۔اس لیے وہ خدا دوستی کے ساتھ ساتھ انسان دوستی کا مظہر بن جاتا ہے۔پھر ایسا انسان، لوگوں کی گروہ بندی، تعصب، ظلم اور انسان دشمنی سے سخت بیزار ہوتا ہے۔ وہ اِن اختلافات کو صرف اور صرف انسان کو پہچان کا ایک ذریعہ سمجھتا ہے یا اِن کو خدا کی قدرت اور حکمت کی ایک نشانی سمجھتا ہے۔پھر وہ اپنی ضروریات سے زیادہ کا حرص نہ کرے گا۔اور جمع شدہ پر بخل نہ کریگا۔

(۴) الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ: خدا کی سب سے اہم اور غالب صفت ''رحمانیت'' اور ''رحیمیت'' ہے۔اس لیے انسان کی بھی سب سے غالب صفت رحم وکرم اور دوسروں پر مہربانی ہونی چاہیے۔کیونکہ دوسروں کو فائدہ پہنچانے سے بڑی کوئی عبادت نہیں۔جب انسان میں جذبہ خدمت پیدا ہوجائے گا تو صفتِ ''غضب'' دور ہوجائے گی۔

(۵) مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ: (بدلے کے دن کا مالک) کہنے سے اِنسان میں خدا کے قانونِ مکافات کا تصور

اُجاگر ہوتا ہے جس سے اُس میں احساسِ ذمّے داری پیدا ہوتا ہے۔ پھر وہ زندگی کا ہر قدم پھونک پھونک کر رکھتا ہے۔ کسی پر ظلم یا زیادتی کرنے کا تصوّر بھی نہیں کرسکتا اور اسطرح اُس کی زندگی بامعنی بن جاتی ہے اُس کا تصورِ حیات نہایت وسیع ہوجاتا ہے۔

(۶)اِیَّاکَ نَعْبُدُ: (میں فقط تیری غلامی کرتا ہوں) پڑھنے سے تکبر کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ کیونکہ خدا کی عبدیت کا اعتراف انسان کی خودی کی بھی نفی کرنا ہے۔ اور اثبات بھی۔ نفی اس لیے کہ اب وہ خود کو مستقل وجود جو ہر چیز سے بے نیاز ہو نہیں سمجھتا اور اثبات اس لیے کہ خدا کا بندہ وفرمانبردار ہوکر وہ ہر کسی کی غلامی سے آزاد ہوجاتا ہے پھر اُس میں بلا کی خوداعتمادی خدا اعتمادی اور، قوتِ ایمانی پیدا ہوجاتی ہے''

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات''

(۷)وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ: (میں فقط تجھے ہی مدد طلب کرتا ہوں) اس کو پڑھنے سے خود پسندی ختم ہوجاتی ہے۔ اور خدا کی مدد طلب کرنے سے انسان میں یہ اعتماد پیدا ہوجاتا ہے کہ کائنات کی سب سے بڑی طاقت اُس کی پشت پنا ہ ہے۔ پھر اُس میں اکیلے پن اور بے یارومددگار ہونے کا احساس ہی باقی نہیں رہتا۔ وہ لاکھوں تنہائیوں میں بھی خود کو تنہا محسوس نہیں کرتا، یہاں تک کہ موت بھی اُس کے لیے آسان ہوجاتی ہے۔ اس لیے کہ موت کے وقت بھی وہ خدا کی مدد کے سائے میں ہوتا ہے اور بے خوف ہوتا ہے۔ بقول اقبال۔

نشانی مردِ مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلبِ اوست
مرگِ مومن چیست، ہجرت سوئے دوست
ترکِ دنیا اختیارِ کوئے دوست

(۸)اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ'': ((میں سیدھا راستہ دکھا تا رہ) خدا سے سیدھے راستے پر قائم رہنے کی مسلسل ہدایت وقیام کی دعا کرتے رہنے کی وجہ سے مومن طلبِ حق یعنی خدا کی ہدایتوں کی تلاش میں رہتا ہے اور ہر ہدایت پر عمل کرکے خدا سے اپنے تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر کرتا چلا جاتا ہے اور اسی کو سب سے بڑی نعمت سمجھتا ہے اور اس طرح سیر تکامل کی انتہا تک پہنچ جاتا ہے۔ اور ہوائے نفس'' (بری خواہشات) کا خاتمہ ہوجاتا ہے اپنے دل پسند راستے پر چلنے سے گریز کرکے اللہ سے صراطِ مستقیم پر قائم رہنے اور عُلوِ مرتبہ کی دعا کرتا ہے۔

(۹)صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ'': (ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا) کے پڑھنے

سے کفر رفع ہوجاتا ہے''۔سیدھے راستے کی دعا مانگنے کے بعد وہ یہ جان لیتا ہے کہ خدا کی سب سے بڑی نعمت اُس کی ہدایتیں ہیں، اُس کے انبیاء اولیاء اور اوصیاء کی رفاقت ہے۔اُس طرح اُس کا محبوب یا آئیڈیل پھر نہ تو کوئی آمر ،جابر، سرمایہ دار، وزیر، سردار، کھلاڑی، ایکٹر ہوتا ہے بلکہ اُس کے لیے نمونہ عمل انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین اور ان کی سیرت بن جاتی ہے، کیونکہ یہی صاحبانِ نعمت ہیں، انہی کی رفاقت کی طلب اُس کی زندگی کا اصل ہدف اور ماحصلِ حیات بن جاتا ہے جو اُن کی محبت اور عملی پیروی سے حاصل ہوسکتی ہے۔

اس طرح اُس کے عمل کی اصلاح کا بہترین سامان فراہم ہوجاتا ہے اور حیات ابدی کے لیے راہ عمل بھی متعین ہوجاتی ہے پھر اُس کی قدریں مادّی نہیں، بلکہ ابدی حقیقتیں اُس کے پیمانے اور قدریں بن جاتی ہیں۔

پھر کیونکہ وہ اس ہدایت کو خدا کی دین وعطا سمجھتا ہے۔اسی لیے تو وہ خدا سے دعا مانگتا رہتا ہے، قیام، بقا اور ثابت قدمی کی، تاکہ اس میں نیکیاں بجالانے کے بعد غرور زُہد نہ پیدا ہوسکے، ہر نیکی کے بعد اس کے اندر احساسِ شکر بڑھ جاتا ہے کہ خدا نے مجھ پر اور زیادہ احسان فرمایا کہ اپنی توفیقات سے نوازا اور اس طرح میں کارِ خیر انجام دے سکا یا بُرائی سے بچ سکا، غرورِ زہد تمام نیکیوں کو برباد کردینے والی زہریلی چیز ہے جس کی سب سے بڑی اور واضح مثال ابلیس (شیطان) ہے، اور دوسری مثال ہر وہ زاہد ہے جو اپنی نیکیوں پر مغرور ہو۔بقولِ اقبال:

غرورِ زُہد نے سمجھا دیا ہے مُلا کو
کہ مردِ سادہ پہ اپنی زباں دراز کرے

(۱۰)غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ:(ان لوگوں کا راستہ نہیں جو تیرے غیض وغضب کا شکار ہوئے اور نہ ان کا جو گمراہ یا بھٹکے ہوئے ہیں۔) کے پڑھنے سے بدعات کا طریقہ ختم ہوجاتا ہے۔(ملخص از تفسیر صدرا) اس میں خدا کے مغضوب اور اس کی راہ سے منحرف گمراہوں سے اجتناب اور قطع تعلق کی دعا اُس کی برائی سے بچانے کی ضمانت بن جاتی ہے۔ ہر ظالم وجابر سے نفرت اور ہر اچھے انسان کی محبت میں سرشار ہوجاتا ہے۔ وہ جابروں گمراہوں، بدکاروں اور ظالم بہ کار امیروں سے قطع تعلق کرنے کی جرأت پیدا کرکے اُن کے خلاف اعلانِ جہاد کرسکتا ہے اور انبیاء صدیقین، شہدا اور صالحین کے مقصد کو آگے بڑھانے کے لیے اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کرسکتا ہے۔وہ ظلم وجبر کے خلاف از سرتا پا احتجاج بن جاتا ہے اور آخر کار جہاد اور شہادت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

شہادت ہے مطلوب ومقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

(اقبال)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے افضل جہاد ظالم وجابر کے سامنے کلمہ حق ادا کرنا ہے''۔ یہ جرأت یہ کردار اسی برات اور ظالمین، مغضوبین اور ضالین سے نفرت اور تبرا کرنے ہی سے پیدا ہوسکتی ہے جو سورۂ حمد کی معراج ہے۔

جنت کے آٹھ دروازوں پر کیا لکھا ہے؟

بحار الانوار جلد ۳ ص ۲۹۴ پر عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہے:

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے شب معراج جنت کی سیر کرائی گئی تو میں نے دیکھا کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور ہر دروازے پر کلمہ کے بعد چار باتیں تحریر ہیں کہ اُن کے ہر ایک جاننے والے اور اُن پر عمل کرنے والے کے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

* پہلے دروازے پر لکھا ہے: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ۔ ہر شے کے لیے حیلہ ہوتا ہے اور آرام کی زندگی کے چار ۴ حیلے ہیں: (۱) قناعت (۲) بجا خرچ (۳) کینے کا ترک کرنا (۴) نیکوں کی صحبت۔

* دوسرے دروازے پر تحریر ہے: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ: آخرت کی خوشی کے چار حیلے ہیں (۱) یتیموں کے سر پر ہاتھ پھیرنا (۲) بیواؤں پر رحم کرنا (۳) مومنین کی حاجات میں سعی کرنا (۴) فقرأ و مساکین کی خبر گیری

* تیسرے دروازے پر مرقوم ہے: ''لا الہ اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ:'' ہر شے کے لیے حیلہ ہوتا ہے۔ اور دنیاوی تندرستی کے چار حیلے ہیں (۱) کم بولنا (۲) کم سونا (۳) کم چلنا (۴) کم کھانا

* چوتھے دروازے پر لکھا ہے: ''لا الہ اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ:'' جو شخص اللہ اور یوم قیامت پر یقین رکھتا ہے اُس کو چاہیے کہ: مہمان کی عزت کرے۔ ہمسائے کا خیال رکھے۔ والدین کا احترام کرے۔ نیکی کی بات کہے ورنہ چُپ رہے۔

* پانچویں دروازے پر مکتوب ہے: ''لا الہ اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ:''

(۱) جو شخص یہ چاہے کہ کوئی اُس پر ظلم نہ کرے، وہ دوسروں پر ظلم سے اجتناب کرے۔

(۲) جو خود کو گالی دیا جانا پسند نہ کرے، وہ خود بھی کسی کو گالی نہ دے۔

(۳) جو اپنی ذلت نہ چاہیے، وہ کسی دوسرے کو بھی ذلیل نہ کرے۔

(۴) جو دنیا و آخرت میں (خدا اور رسول سے) مضبوط تعلق سے وابستہ ہونا چاہیے۔ وہ اس کلمہ کو پڑھے: ''لا الہ اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ:''۔

* چھٹے دروازے پر منقوش ہے: ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہِ:''

(۱) جو قبر میں کشادگی کا متمنی ہو، وہ مساجد کی بِنا کرے۔

(۲) جو قبر میں اپنے جسم کی بوسیدگی نہ چاہیے۔ پس وہ (عبادتِ خدا کے لیے) مساجد میں سکونت کرے۔

(۳) جو چاہے کہ قبر میں اُسے کیڑے مکوڑے نہ کھائیں، تو وہ (یادِ خدا کے لیے) مساجد میں بسر کرے۔

(۴) جو جنت میں اپنا گھر دیکھنا چاہے پس وہ (ذِکرِ خدا کے لیے) مساجد میں رہے۔

* ساتویں دروازے پر درج ہے: ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہِ:''

دل کی نورانیت چار باتوں میں ہے:

(۱) بیمار کی مزاج پرسی (۲) مشایعتِ جنازہ (۳) کفن کو خرید کر رکھنا (۴) قرض کا ادا کرنا۔

* آٹھویں دروازے پر ثبت ہے۔ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہِ:''

جو شخص جنت کے ان دروازوں سے گذرنے کا خواہشمند ہو اُس کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر یہ چار خصلتیں پیدا کرے۔

(۱) سخاوت۔ (۲) خوش خُلقی۔ (۳) صدقہ۔ (۴) اللہ کے بندوں کی ایذا رسانی سے پرہیز (تفسیر انوار النجف جلد ۲ ص ۳۲۔۴۳)

سورۂ فاتحہ کے بارے میں مختصراً ہدیہ مومنین کیا جا سکا ہے۔ خداوندِ عالم قبول فرمائے اور ہم سب کو ہدایات پر مسلسل گامزن رہنے کی مزید توفیق عطا فرمائے۔

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ

مع مختصر تفسیر

سورہ بقرہ میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کو ملا کر ۲۸۷ آیتیں ہیں جو سب مدنی ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص سورۂ بقرہ کی ابتدائی چار آیتیں اور آیۃ الکرسی ''خالدون'' تک آخری تین آیتوں کی تلاوت کرے گا تو وہ (انشاءاللہ) اپنے جان و مال اور عیال کو محفوظ سمجھے، شیطان کے وساوس سے بھی محفوظ رہے گا اور قرآن مجید کو نہ بھولے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران بروزِ محشر اپنے قاری پر سایہ فگن ہوں گی۔

حضرت امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''جو شخص ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھتا ہے تو اُس کے جنت میں داخل ہونے میں صرف اُس کی موت حائل ہوتی ہے''۔

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ (رکوع ۴)

آیت نمبر ۱ تا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾

ترجمہ

اللہ کے نام کی مدد مانگتے ہوئے (شروع کرتا ہوں) جو سب کو فیض اور فائدے پہنچانے والا بڑا ہی مہربان ہے۔ (۱) الف۔لام۔میم۔[1] (۲) یہ (اللہ کی) خاص کتاب، اس میں کوئی شک وشُبہ نہیں،

---

[1] تفسیر: ایسے حروف کو حروفِ مقطعات کہتے ہیں۔ یہ بہت سے سوروں کے شروع میں آتے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''یہ حروف اللہ کے اسم اعظم کے حروف ہیں جو ہر اسم اعظم سے ایک ایک کر کے جُدا کر لیے گئے ہیں ان میں سے حرف کو ایکدوسرے سے خاص ترکیب سے ملانے کا حق صرف نبیؐ یا امام معصوم کو ہوتا ہے اور جب وہ ان حروف کو ملا کر اُن کے ذریعے سے دُعا کرتا ہے تو وہ دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ (تفسیر بُرہان جلد ص ۳۳) * اگر ان حروف میں سے مکرّر حروف کو گرا کر جوڑا جائے تو یہ فقرہ بنے گا۔ صراط علیٍ حق تمسکه ''یعنی علیؑ کی راہ حق ہے ہم اس کو اختیار کرتے ہیں۔'' دوسرے یہ کہ ان حروف کی تعداد بھی چودہ (۱۴) ہے (ملّا محسن کی تفسیر صافی ص ۲۱۰) غرض یہ حروف خدا کے اسرار ہیں جن کی حقیقت خدا اس کا رسولؐ اور وہ لوگ جانتے ہیں جن کو خدا نے اپنے علم خاص نوازا ہے۔'' تفسیر علی ابن ابراہیم'' میں بھی یہی ہے۔

یہ ہدایت ہے اُن برائیوں سے بچنے والوں اور فرائض الٰہیہ کے ادا کرنے والوں کے لیے جو ابدی تباہیوں سے۔ بچنا چاہتے ہیں (۳) جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے خیرات کرتے ہیں۔ (۴) اور جو ایمان رکھتے ہیں اُس پر جو آپ پر نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ آپؐ سے پہلے نازل کیا گیا تھا اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

آیت نمبر ۵ تا ۷

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧﴾

ترجمہ

(۵) یہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی ہدایت پر قائم ہیں اور یہی وہ ہیں جو ہر حیثیت سے کامیابی اور بہتری پانے والے ہیں۔

(۶) بلاشُبہ جن لوگوں نے کُفر اِختیار کیا (یعنی۔ ابدی حقیقتوں کو ماننے سے اِنکار کر دیا) اُن کے لیے برابر ہے، خواہ آپؐ اُنہیں انجامِ کار سے ڈرایئے یا نہ ڈرایئے، بہرحال وہ تو ماننے والے نہیں۔

(۷) اللہ نے اُن کے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر مہر لگا دی ہے۔ اور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔ اور اُن کے لیے بہت ہی سخت سزا ہے۔

آیت نمبر 2

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۲﴾

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: متقی علی کے شیعہ ہیں۔ اور وہ لوگ متقی ہیں جو حضرت قائم آلِ محمدؐ کی آمد پر ایمان لائیں اور اس کو حق سمجھیں۔ اور بعض نسخوں میں ہے کہ جو قیامِ حضرت قائم علیہ السلام کا اقرار کریں۔ جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ جناب رسولؐ نے ارشاد فرمایا: اس حدیث میں بارہ اماموں کا بھی ذکر فرمایا ہے اور حضرت قائمؑ کا بھی اس میں نام لیا ہے کہ طوبیٰ (جنت) ہے اُن لوگوں کے لیے جو امام مہدیؑ کی غیبت میں صبر کریں اور طوبیٰ (جنت) ہے ان متقین کے لئے جو اُن کی محبت پر ثابت قدم رہیں۔ خداوندِ عالم نے اپنی کتاب میں اُنہیں کا ذکر فرمایا ہے کہ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (جو غیبت مراد چھپی ہوئی چیزوں کو عقل کی بنا پر سمجھ کر مانتے ہیں) پھر ارشاد فرمایا: وہی اللہ کی فوج ہیں اور یقیناً اللہ کی فوج ہی غلبہ حاصل کرنے والی ہے۔ (تفسیر انوار النجف جلد ۲ ص ۵۲)

دوسری نشانی متقین کی یہ ہے کہ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ: جو نماز کو ہمیشہ بروقت اور پوری حدود کے ساتھ خشوع وخضوع سے ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ اقامت الصّلوٰۃ کے معانی ہیں۔ ۱۔ ہمیشہ ادا کرنا۔ ۲۔ بروقت ادا کرنا (انوار النجف ص ۵۲)

آیت نمبر 3

غیب کے معنی

''غَيْبِ'' یعنی وہ چیزیں جو آنکھوں سے پوشیدہ وچھپی ہوں جیسے: وجودِ خدا، جنت، جہنم، قیامت کا دن، حساب وکتاب اور امام مہدیؑ جو ہمارے زمانے کے امامؑ ہیں اور غائب ہیں۔ ابوبصیر سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''خدا کا بیان ہماری غیبت (غائب امام) پر ایمان رکھنے والوں کے لیے ہے کیونکہ غیب سے مراد'' وہ حجت خدا بھی ہے جو غائب ہے'' (تفسیر انوار القرآن ص ۳۴)

آیت نمبر ۸ تا ۱۰

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا

هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨﴾ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩﴾ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿١٠﴾

ترجمہ

(۸) اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لا چکے ہیں، (یعنی عقل سے سمجھ کر مان چکے ہیں) حالانکہ وہ مومن ہی نہیں ہیں۔

(۹) وہ اللہ اور ایمان والوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ خود اپنے سوا کسی کو دھوکہ نہیں دیتے مگر اُنہیں اس کا احساس یا سمجھ نہیں۔

(۱۰) اُن کے دلوں میں ایک خاص طرح کی بیماری ہے، جسے اللہ نے اور زیادہ بڑھا دیا۔ اور جو جھوٹ وہ بولتے ہیں اُس کی وجہ سے اُن کے لیے دردناک سزا ہے۔

آیت ۷:

خَتَمَ: نشانی یا مہر یا ٹھپہ، کی تفسیر میں حضرت امام رضاؑ نے فرمایا: خَتَمَ یعنی نشانی سے مراد وہ نشانی ہے جو خدا نے منکرینِ حق کے دلوں پر لگا دی ہے، اُن کو سزا دینے کے لیے چھاپے کے طور پر۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے۔ ''بلکہ اللہ نے اُن کے اِنکارِ حق کے سبب اُن کے دلوں پر چھاپا لگا دیا ہے پس وہ ایمان نہ لائیں گے لیکن بہت ہی کم۔'' (سورۂ نساء آیت ۱۵۵) یہ مہر یا نشانی پہچان کے لیے ہے جسے اولیاء خدا اور ملائکہ اچھی طرح پہچانتے ہیں (بحارالانوار)

اصل میں جب خط کو بند کر دیا جاتا تھا تو اُس پر مُہر لگا دی جاتی تھی تاکہ کوئی دوسرا کھولے تو معلوم ہو جائے۔ مہر لگانے کے بعد خط کے مضمون میں کوئی چیز بڑھائی گھٹائی نہیں جا سکتی تھی کیونکہ خط کھولا ہی نہیں جا سکتا تھا اس لیے

دلوں پر نیز مہر لگانے کے معنی یہ ہیں کہ اب یہ دل طلب حق کیلئے نہیں کھل سکتے کیونکہ ان میں حق کی طلب ہی نہیں ہے۔اس لیے اب ان میں ایمان کا اضافہ ممکن نہیں۔

آیت ۸:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ یہ آیت منافقوں کے بارے میں ہے جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تو اپنا ایمان ظاہر کر دیا مگر جب کفار کے پاس جاتے تو کہتے ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔خدا نے اُن کا مذاق اس طرح اڑایا کہ اُن کو اُن کی گمراہیوں میں سرگرداں چھوڑ دیا۔(تفسیر برہان جلد ا ص ۳۷)

آیت ۹:

ابن بابویہ قمیؒ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت امامؑ نے فرمایا کہ: میرے والد بزرگوار سے کسی نے پوچھا کہ قیامت کے دن نجات کس چیز میں ہے؟ میرے پدرِ گرامی نے فرمایا: نجات اس میں ہے کہ خدا کو دھوکہ دینے کی کوشش نہ کرو۔ پوچھا گیا کہ خدا کو دھوکہ دینے کی کوشش کس طرح کی جاسکتی ہے؟ فرمایا خدا کے حکم پر اس طرح عمل کرنا کہ لوگ دیکھیں اور تعریف کریں۔لہٰذا عبادتوں میں ریا کاری یعنی دکھاوے سے بچتے رہو۔کیونکہ یہ بھی خدا کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ایسے دکھاوے کرنے والے قیامت کے دن چار ناموں سے پکارے جائیں گے (۱) کافر (۲) فاجر (بدکار) (۳) غادر (دھوکے باز یا بے وفا) (۴) خاسر (گھاٹا اُٹھانے والے) اُن سے کہا جائے گا تیرا عمل برباد ہوا اور تیرا ثواب مٹ گیا، آج تیرے لیے ثواب کا کوئی حِصہ نہیں۔جس کے لیے تو نے عمل کیا تھا اُسی سے اپنا ثواب مانگ۔'' (تفسیر صافی ص ۲۲ تفسیر میزان جلد ا ص ۳۸) غرض خدا کو دھوکہ کون دے سکتا ہے، وہ خود کو دھوکہ دے کر خود کو تباہ کرتا ہے (مجمع البیان) مگر اس دھوکہ دینے کی کوشش کے سبب اُس کی سزا کفار ومشرکین سے بھی بڑھ جاتی ہے۔اسی لیے خدا نے فرمایا: ''منافقین جہنم کی سب سے نچلی تہوں میں ہوں گے۔'' (سورۂ نسآ) خدا کو دھوکہ یا تو نفاق کے ذریعے سے دینے کی کوشش کی جاتی ہے یا ریا کاری کے ذریعے سے یہ دونوں امراض قلب کے ہیں۔(تفسیر صافی ص ۲۲) اسی لیے فرمایا: ''ان کے دلوں میں بیماری ہے'' اور دلوں کا علاج۔ (۱) خدا اور رسولؐ کی صحیح معرفت ہے۔یا (۲) خدا سے ملاقات اور آخرت کی زندگی کا خیال کرنا ہے۔(۳) مادی فوری فائدوں کی حقیقت اور کم مائیگی کو سمجھنا ہے۔

آیت نمبر ۱۱ تا ۱۳

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑬

ترجمہ

(۱۱) اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ دُنیا میں خرابیاں نہ پھیلاؤ، تو وہ کہتے ہیں کہ ارے! ہم تو صرف اِصلاح کرنے والے ہیں۔

(۱۲) یاد رہے کہ درحقیقت یہی لوگ خرابیاں پھیلانے والے ہیں۔ لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔

(۱۳) اور جب اُن سے کہا جاتا ہے ''جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں، اُسی طرح تم بھی ایمان لے آؤ'' تو وہ کہتے ہیں: ''کیا ہم بے وقوفوں کی طرح سے ایمان قبول کرلیں'' یاد رہے کہ درحقیقت یہ خود بے وقوف ہیں۔ مگر وہ یہ بات جانتے سمجھتے نہیں ہیں۔

تفسیر

آیت ۱۰:

اور خدا کا فرمانا کہ ''خدا نے اُن کی بیماریوں کو بڑھا دیا'' تو یہ خدا کی طرف سے سزا ہے۔ خود اُن لوگوں کے نفاق یا ریاکاری کی۔ اس لیے اس زیادتی کے اصل محرک خود یہی لوگ ہیں، خدا کی جانب سے اس کی نسبت صرف

مجازی ہے۔جیسا کہ زبور میں ہے کہ خدا نے فرمایا: ''بنی اسرائیل نے مجھے نہ چاہا تب میں نے اُن کے دلوں کی سرکشی کے بس میں چھوڑ دیا (زبور۔۸۱،۱۰،۱۱) ''پس خدا نے منہ موڑ کر اُنہیں چھوڑ دیا (اعمال ۷:۴۲) خدا نے اُن کے دلوں کی خواہشوں کے مطابق اُنہیں ناپاکی میں چھوڑ دیا'' (رومیوں ۱:۲۴) (زبور)

آیت ۱۱:

زمین میں خرابیاں پھیلانے میں وہ برے کام داخل ہیں جو دوسروں کو نقصان پہنچائیں (امام رازی) کفر شرک یا ایسے بُرے کام جو صرف اپنی ذات تک محدود ہوں، فساد میں داخل نہیں۔ البتہ، اگر اُن کاموں کے لیے دوسروں کو بھی دعوت دی جانے لگے تو پھر یہ کام فساد میں داخل ہوں گے۔

آیت نمبر ۱۴ تا ۱۶

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۱۴ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۱۵ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۪ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۱۶

ترجمہ

(۱۴) جب یہ لوگ ایمانداروں سے ملتے ہیں ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو ایمان لا چکے ہیں، اور جب اپنے شیطانوں کے ساتھ اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ حقیقت میں تو ہم تمہارے ساتھی ہیں۔ ہم تو محض مذاق کر رہے ہیں۔

(۱۵) (وہ بھلا کیا مذاق کریں گے، اصل میں تو) خدا اُن سے مذاق کر رہا ہے۔ اور اُن کو ڈھیل دیتا جا رہا ہے۔

(۱۶) یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو خرید لیا مگر یہ سودا نہ تو خُود اُن کے لیے نفع بخش ثابت ہوا اور نہ اُنہوں نے ہدایت پائی۔

تفسیر

آیت ۱۴:

منافقین کی تعریف: آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: ''اے علیؑ! تیرے ساتھ نہ محبت کریگا مگر مومن، اور تجھ سے نہ بغض رکھے گا مگر منافق'' حضرت اُم سلمہؑ، حضرت ابوذرؓ، حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ وغیرہ معترف تھے کہ: ''ہم منافق کو حضرت علیؑ کا ذکر کر کے پہچان لیا کرتے تھے''

آجکل اسی کو سیاست کہتے ہیں کہ دونوں مخالف گروپوں سے اندر ہی اندر ملے رہو تا کہ جس کو غلبہ حاصل ہوا اُسی سے نفع حاصل کیا جا سکے اور اسطرح چت بھی اپنی اور پٹ بھی اپنی ایسے لوگ کسی ایک طریقہ زندگی یا اصول کو اپنانے والوں کو احمق سمجھتے ہیں لیکن حقیقی عقلمندی یہ ہے کہ ابدی اور دائمی زندگی کو وقتی زندگی کے لیے قربان نہ کیا جائے۔ ایسی سیاست اور منافقت آخرت کی تباہی ہی تباہی ہے۔

آیت ۱۵:

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ ''اللہ اُن کا از خود مذاق نہیں اُڑاتا، بلکہ اُن کے مذاق اڑانے کی سزا دیتا ہے۔ (روایت شیخ صدوقؒ) یہ مسخرے کو مسخرے پن کی سزا دینا ہے۔'' (تاج العلماء)

* اللہ نے اُن کے مذاق پر یہ سزا دی کہ اُن پر اسلام کا ظاہری حکم تو جاری کر دیا، لیکن آخرت میں کافروں سے بھی زیادہ سخت سزا دی، تو اب سوچئے کہ کون بے وقوف تھا اور کس کا مذاق اڑا؟'' (بلاغی) اللہ ایسے ظالموں کو مہلت پر مہلت دیا کرتا ہے: بقول میر انیسؒ

سچ ہے حرامزادے کی رسی دراز ہے

آیت ۱۶:

یہ آیت انسان کے اختیار کی اور مجبور نہ ہونے کی بالکل واضح دلیل ہے اور فلاح کے معنی دنیا اور آخرت کی بھرپور ابدی اور حقیقی کامیابی ہے۔ (التفسیر انوار النجف جلد ۲ ص ۲۵۔۶۶)

آیت نمبر ۱۷ تا ۱۹

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا
حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا
يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾ اَوْ
كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ
يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ
الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ

(۱۷) اُن کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص آگ روشن کرے، اور جب آگ سارے ماحول کو روشن کر دے تو اللہ اُن کی (آنکھوں کی) روشنی کو سلب کر لے اور اُن کو اندھیروں میں چھوڑ دے۔ اس حال میں کہ اب اُنہیں کچھ بھی دکھائی نہ دے۔

(۱۸) یہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں۔ اَب یہ ''اپنی گمراہی سے'' باز نہیں آسکتے۔

(۱۹) (یا پھر اُن کی مثال یہ ہے کہ) جیسے آسمان سے زور کی بارش ہو رہی ہو اور اُس کے ساتھ ساتھ اندھیری گھٹا، کڑک اور چمک بھی ہو، اور وہ بجلی کے کڑاکے سُن کر مرنے کے ڈر سے اپنے کانوں میں اُنگلیاں دے لیتے ہوں۔ حالانکہ خدا اُن منکرینِ حق کو ہر طرف سے گھیرے میں لیے ہوئے ہیں۔

تفسیر

آیت ۱۷:

جب حضور اکرمؐ نے اعلان نبوت فرمایا تو اُس کی روشنی سے فائدہ اُٹھانا کافرین ومنافقین کے لیے بہت آسان تھا۔مگر اُنہوں نے حق پر غور ہی نہ کیا اس لیے اس نور کی چمک اُن کی آنکھوں پر تھوڑی دیر کے لیے تو پڑی مگر غور نہ کرنے اور ضد کرنے کے سبب وہ نور اُن کے سامنے سے غائب ہو گیا۔(بلاغی)

آیت ۱۸:

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ:''منکرین حق جنہوں نے دنیا میں آنکھ، کان اور زبان سے حق کو نہ تو دیکھا نہ سنا، نہ مانا'' آخرت میں جہنم کے بھڑکتے ہوئے طبقوں میں پہنچ کر بہرے، گونگے اور اندھے ہو جائیں گے۔جیسا کہ خود خدا نے فرمایا ہے۔''ہم اس دن اُنہیں منہ کے بل محشور کریں گے اور وہ اس وقت اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے، اُن کی جگہ جہنم ہوگی، جب بھی جہنم کی آنچ دھیمی پڑے گی ہم اُن پر اُس کو اور بھڑکا دیں گے''(بنی اسرائیل'')(تفسیر برہان جلد ا ص ۱۴)

آیت ۱۹:

منافقین جب عذاب کی آیتیں سنتے تو کانوں میں اُنگلیاں ڈال لیتے تھے تاکہ خوف سے اُن کے چہروں کے رنگ نہ بدل جائیں۔(تفسیر صافی ۲۳)

آیت نمبر ۲۰ تا ۲۲

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا
فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ
بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۚ﴿۲۰﴾

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ﴿۲۱﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴿۲۲﴾

ترجمہ

(۲۰) قریب ہے کہ بجلی کی چمک ان کی بصارت ہی کو اُچک لے جائے۔ جب اُنہیں ذرا کچھ روشنی دکھائی دی، تو اُس میں کچھ دور چلنے لگتے ہیں اور جب اُن پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اگر خدا چاہتا تو اِن سے دیکھنے اور سننے کی طاقتوں ہی کو چھین لیتا۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(۲۱) اَے انسانو! بندگی اختیار کرو (غلامی، اطلاعت) اپنے اُس پالنے والے کی جس نے تمہیں اور جو لوگ تم سے پہلے گذرے ہیں، اُن سب کو پیدا کیا، عجب نہیں کہ اسطرح تم اپنے کو (اللہ کے عذاب سے) بچا لے جاؤ۔

(۲۲) وہی (خدا) تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش بچھایا، آسمان کی چھت بنائی اور آسمان سے پانی برسایا اور اس طرح اُس نے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لیے رزق فراہم کیا۔ پس جب تم (یہ سب کچھ) خوب جانتے ہو تو کسی دوسرے کو اللہ کا ہمسر یا مدمقابل نہ ٹھہراؤ۔

تفسیر

آیت ۲۱:

خدا کا تمام انسانوں کو خطاب کرنا بتاتا ہے کہ عبدیت الٰہی کا یہ پیغام تمام عالمِ انسانیت کو دیا جا رہا ہے۔ اور

اس عبدیت کا نتیجہ تقویٰ ہوتا ہے۔یعنی فرائض الٰہی کے ادا کرنے کی فکر اور برائیوں سے خود کو بچائے رکھنے کا اہتمام۔

حضرت امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ ''خدا نے زمین کو تمہاری طبیعتوں کے مطابق اور جسموں کے موافق بنایا، کہ اُس کو نہ تو بہت زیادہ گرم بنایا کہ تمہیں جلا دے اور نہ بہت زیادہ ٹھنڈا بنایا کہ تمہیں جکڑ دے۔زیادہ تیز خوشبودار بھی نہ بنایا کہ جس سے تمہارے سروں میں درد ہونے لگے اور نہ بدبودار بنایا کہ جس سے تم کو تکلیف ہو۔نہ پانی کو اتنا ڈھیلا بنایا کہ تم ڈوب ہی جاؤ (اور تیر نہ سکو۔دلدل کی طرح) اور نہ اتنا سخت بنایا کہ تم عمارتیں یا قبریں بھی نہ بنا سکو۔تمہارے سروں پر آسمان کو چھت بنایا جو گرنے یا خراب ہونے سے محفوظ ہے اور اس میں تمہارے فائدے کے لیے آفتاب ومہتاب اور ستاروں کو بھر دیا اور بلندی سے پانی کو برسایا تا کہ پانی اونچے سے اونچے پہاڑوں تک پہنچ جائے اور ٹیلوں، گڑھوں میں پہنچ جائے۔پھر بارش کی شکل میں ہلکا برسایا، تا کہ تمہاری زمین اچھی طرح سیراب ہو اور تمہاری کھیتیاں خراب نہ ہوں۔پھر زمین سے وہ چیزیں پیدا کیں جو تمہارا رزق بنیں۔پس خدا کو مثل بتوں کے قرار نہ دو، جو نہ سمجھتے ہیں نہ کسی چیز پر قدرت رکھتے ہیں'' یاد رہے کہ سَمَآءٌ عربی میں بلندی کے رُخ کی ہر شے کو کہتے ہیں۔'' (تفسیر برہان جلد ا ص ۲۴)

آیت نمبر ۲۳ تا ۲۵

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ
مِّنْ مِّثْلِهٖ ص وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ
الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾
وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ط كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ
رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ

مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ

(۲۳) اگر تمہیں اس بات پر شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اُتاری ہے۔ یہ ہمارا کلام ہے کہ نہیں تو اس کے مانند تم ایک ہی سورت بنالاؤ۔ ایک اللہ کو چھوڑ کر جس جس کو چاہو اپنے سارے مددگاروں کو بُلالو، اور اُن سے مدد بھی لے لو، اگر تم سچے ہو (تو ذرا یہ کام کر کے تو دکھاؤ۔)

(۲۴) لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا اور یقیناً ایسا ہرگز نہ کرسکو گے، تو پھر ڈرو اور بچنے کا سامان کرو اُس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر بنیں گے اور جو منکرین حق کے لیے تیار کی گئی ہے۔

(۲۵) جو لوگ (اس کتاب پر) ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک کام بھی کیے تو اُن کے لیے جنت کے گھنے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جب اُنہیں اُن باغات کا کوئی پھل کھانے کو ملے گا تو وہ کہیں گے کہ یہ تو وہی پھل ہیں جو پہلے دنیا میں ہم کو دیئے جاتے تھے۔ کیونکہ اِن باغوں کے پھل دنیا کے پھلوں سے ملتے جلتے ہوں گے (نیز) اُن کے لیے وہاں پاک و پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر

آیت ۲۳:

یہ چیلنج رسولِ خداؐ کی زبانِ مبارک سے نہیں دیا گیا، تاکہ انانیت کا کوئی پہلو نہ نکلے۔ نیز یہ بھی کہ رسولِ خداؐ تو صرف واسطہ ہیں، کلام تو خدا کا ہے، پھر عربوں کی حمیت پر کاری ضرب اس طرح بھی لگائی کہ چلو پوری کتاب کا جواب نہ سہی ایک سورہ ہی اس جیسا بنالاؤ۔ پھر اس میں بھی طویل سورے کی قید نہیں لگائی، کسی بھی سورے کا جواب لانے کا چیلنج دیا۔ اور خطاب سارے عالم سے کیا گیا ہے۔

آیت نمبر ۲۶

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ﴿۲۶﴾

ترجمہ

(۲۶) بیشک خدا اس بات سے ہرگز نہیں شرماتا کہ مچھر یا اُس سے بھی کسی حقیر تر چیز کی مثال دے۔ پس جو لوگ حق بات کو قبول کرنے والے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے جو اُن کے پروردگار کی طرف سے آیا ہے۔ اور وہ جو حقیقتوں کو ماننے والے نہیں ہیں، وہ ان (مثالوں) کو سن کر کہنے لگتے ہیں کہ بھلا اللہ کا ایسی مثال سے کیا مطلب ہوسکتا ہے؟ اس طرح ایسی مثالوں کے ذریعے اللہ بہت سوں کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور بہت سوں کو راہ راست دکھا دیتا ہے۔ اور گمراہی میں چھوڑتا بھی ہے تو (صرف) ایسے ہی بدکاروں کو۔

تفسیر

آیت ۲۴:

جہنم کی سزا تو نافرمانوں کے لیے ہے۔ مگر کافروں ومشرکوں کی اس سے بڑھ کر توہین کیا ہوگی کہ جن پتھروں کو وہ پوجتے تھے وہ بھی ان کے ساتھ آگ میں جھونک دیے جائیں گے (امام رازی) ان پتھروں کے

خداؤں کے لیے تو ان کا خیال تھا کہ وہ خدا سے ہماری سفارش کریں گے۔ اب وہ سفارشی خود ہی جہنم میں جھونک دیے جا رہے ہیں تو کافروں کی حالتِ زار کیا ہوگی!

آیت ۲۵:

جنتیوں نے یہ نہ کہا کہ یہ وہی پھل میں جو دنیا میں تھے۔ بلکہ کہا کہ اِن سے ملتے جُلتے ہیں'' یعنی حقیقت اور لطف کے لحاظ سے تو بہت بہترین مگر شکل وصورت اُن کی جیسی ہے۔

آیت ۲۶:

کافر مچھر کی مثال کا مذاق اڑاتے تھے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: خدا نے مچھر کی مثال اس لیے دی کہ ہاتھ جیسی بڑی چیز میں جتنے اعضاء ہیں، مچھر کے چھوٹے سے جسم میں وہ تمام اعضا بھی ہیں اور اُن کے علاوہ دو اعضا اور بھی ہیں جو ہاتھی میں نہیں (یعنی ہاتھی کے چار (۴) پاؤں ہوتے ہیں جبکہ مچھر کے چھ (۶) ہوتے ہیں اور چار (۴) پر بھی ہوتے ہیں) پھر ہاتھی کے سونڈ میں ایسا سوراخ نہیں ہے جس سے کھانا اُس کے پیٹ تک پہنچ سکے جبکہ مچھر کی سونڈ میں ایسا سوراخ موجود ہے۔ خدا نے مومنین کو اپنی قدرت بتائی کہ وہ ایسی باریک نازک عجیب مخلوق بھی پیدا فرماتا ہے''۔ (تفسیر برہان جلد اص ۴۵: تفسیر مجمع البیان وتفسیر انوار القرآن وتفسیر صافی ۲۵) اور خدا کا یہ فرمانا کہ ''یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ '' جس کا ترجمہ بعض مفسرین نے یہ کیا ہے کہ ''خدا بہت سوں کو گمراہ کرتا ہے۔ ''غلط'' ''ضلال'' کے عربی میں کئی معنی ہیں۔ اور ''ضائع کرنا'' بھی اس کے معنی ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں فرمایا: ''اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ '' (پارہ ۶۲ سورہ ۴۷ محمد آیت ۸) یعنی اُن کے اعمال ضائع یا برباد کرے گا۔ گمراہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو پہلے مخالف پر تُلے ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ خود اپنے اختیار سے گمراہی کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ (مجمع البیان) اس لیے آخر میں فرمایا: ''وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ '' یعنی اور وہ (خدا) گمراہی میں نہیں چھوڑتا سوا برے کام والوں کے'' اس معنی نے واضح کر دیا کہ گمراہ کرنے کی نسبت اللہ کی طرف پھیرنے سے ''عقیدۂ جبر'' ثابت نہیں ہوتا۔ (تفسیر کبیر، امام رازی)

آیت نمبر ۲۷۔۲۸

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ

(۲۷) جو اللہ سے کیے ہوئے عہد و پیمان یا معاہدہ کو مضبوط باندھ لینے کے بعد بھی توڑ دیتے ہیں۔ اور اللہ نے جن (تعلقات) کے جوڑنے کا حکم دیا ہے اُسے کاٹ دیتے ہیں، اور زمین میں فساد برپا کرتے پھرتے ہیں، حقیقت میں یہی لوگوں نقصان اُٹھانے والے ہیں۔

(۲۸) آخر تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو جب کہ تم بالکل بے جان تھے تو اُسی نے تمہیں زندگی عطا کی، پھر وہی تم کو مار ڈالے گا، پھر وہی تمہیں دوبارہ (قیامت میں) زندگی عطا کریگا۔ پھر اُسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

تفسیر

آیت ۲۷:

یہ معاہدہ یا عہد، عہد فطرت ہے جو کہ انسان فطرتاً اپنی عقل وضمیر کے تقاضے رکھتا ہے جن کے خلاف عمل کرنا خدا کے عہد کو توڑنے کے مترادف ہے۔ (تفسیر مجمع البیان)

پھر اس عہد کی تجدید انبیاء اور خدا کی کتابوں کی بھرپور دلیلوں سے ہوتی ہے۔ بائبل کا تو نام ہی یہودی ونصرانی اصطلاح میں ''پرانا عہد نامہ'' اور ''نیا عہد نامہ'' ہے۔

رشتہ اور تعلق توڑنے سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ کے حقوق ادا نہ کیے تو اللہ سے رشتہ توڑا، اور جب بندوں کے حقوق نہ ادا کیے تو بندوں سے تعلق توڑا۔ (تفسیر مجمع البیان)

آیت نمبر ۲۹۔۳۰

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰۤی
اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ
عَلِیْمٌ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ
خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ
الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ
اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ

(۲۹) وہی تو (خدا) ہے جس نے تمہارے فائدے کے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔ پھر اُوپر کی طرف توجہ فرمائی اور سات آسمان درست کیے۔ اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔

(۳۰) اور اُس وقت کا ذرا تصور تو کرو کہ جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں زمین پر اپنا ایک جانشین یا نائب ''خلیفہ'' مقرر کروں گا۔ تو اُنہوں نے عرض کی کہ کیا تو زمین میں ایسا نائب بنائے گا جو زمین میں فساد اور خرابی پھیلائے اور خون خرابہ کرے۔ حالانکہ ہم تو تیری تعریف کے ساتھ تسبیح بھی کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی کو سراہتے رہتے ہیں۔ اس پر خدا نے فرمایا یقین جانو کہ میں جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔

تفسیر

آیت ۲۹:

انسان نے خود کو ہر چیز کا محتاج دیکھا تو ہر چیز کے سامنے سر جھکانے لگا۔ ایسے انسان کو بتایا جا رہا ہے کہ یہ سب چیزیں تو پیدا ہی تیرے لیے کی گئی ہیں۔ سر اُس کے سامنے جھکاؤ جس نے یہ سب چیزیں پیدا کر کے تمہارے قبضہ اختیار میں دے دیا۔

آیت ۳۰:

''اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً ؕ'' یہ استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی: میں ہمیشہ زمین پر خلیفہ مقرر کیا کرونگا۔ یعنی زمین کبھی حجت خدا سے خالی نہ رہے گی۔ نیز اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ خدا کے سوا کسی کو خلیفہ خدا بنانے کا حق نہیں۔ خدا نے اور واضح طور پر اس طرح فرمایا: ''پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے۔ لوگوں کو اختیار نہیں کہ (خدا کے خلیفہ کا) انتخاب کر لیں۔'' (پارہ ۲۰ قصص) خدا نے فرمایا: ''اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا'' (پارہ ۲۳ ص ع ۲)

حضرت موسیٰؑ نے خدا سے دعا کی۔ ''میرے اہل سے میرا وزیر قرار دے'' (پارہ ۱۶۔ طٰہٰ ع ۳) معلوم ہوا کہ خدا اپنا نائب اور خلیفہ خود مقرر فرماتا ہے، اُس کے بندوں یا اُمتِ رسول کو حق نہیں کہ خدا یا رسول کا خلیفہ بنا لے۔

خلافت یا جانشینی کے معنی خدا کی صفات کا مظہر ہونا ہے۔ صرف اِنسان کامل ہی خدا کے فیوض کو پوری طرح حاصل کر کے خدا کا نمائندہ بن کر خدا کی طرف سے کارِ ہدایت انجام دے سکتا ہے۔ اور اس طرح وہ مخلوقات پر خدا کی حجت ہوتا ہے اور خدا کی حجت کو تمام کرتا ہے۔ سب سے پہلے خدا کا خلیفہ نبی ہوتا ہے پھر خدا کا بنایا ہوا نبی کا جانشین ہوتا ہے۔

*حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے۔ ''خدا کا خلیفہ تمام زمین پر خدا کی مخلوق کے مقابلے میں خدا کی حجت کے تمام ہونے کا ذریعہ ہوتا ہے''

* وہ اللہ کا جانشین اس لیے ہوتا ہے کہ وہ زمین میں خدا کے احکام کو قائم کرتا ہے اور اس کے مطابق فیصلے جاری کرتا ہے۔ (معالم ' صافی)

*اسی طرح خدا نے ہر پیغمبر کو اپنا خلیفہ بنایا تا کہ زمین آباد ہو، لوگوں میں نظم و نسق قائم ہو۔ اور ان کے نفوس کمال کی منزلوں پر فائز ہوں اور خدا کے احکامات لوگوں میں جاری اور نافذ ہوں۔'' (بیضاوی) اگر خلافت کا منصب ملائکہ کی نگاہ میں بہت

بلند نہ ہوتا تو وہ ملک ہوتے ہوئے اس کی آرزو کیوں کرتے؟ رہا ملائکہ کا سوال تو اس کا جواب قدرت نے اس وقت دینا مناسب نہ سمجھا۔ شاید اس لیے کہ قدرت کو خلیفہ کے تعین کے معاملے میں کسی کی کسی طرح کی شرکت قبول نہ تھی۔ (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۳۱۔۳۲

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾

ترجمہ

(۳۱) اس کے بعد اللہ نے آدمؑ کو وہ تمام نام سکھا دیئے پھر اُن ''اشخاص'' (محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ) کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا ''اگر تم سچے ہو (کہ تم خلافتِ الٰہیہ کے اہل ہو) تو ذرا اِن (اشخاص) کے نام تو بتاؤ۔؟

(۳۲) اُنہوں نے عرض کی کہ ہر عیب سے پاک تو آپ کی ہی ذات ہے۔ ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ نے ہم کو عطا فرمایا ہے۔ حقیقت میں آپ ہی بڑے جاننے والے اور مصلحتوں کو پہچاننے والے ہیں۔

تفسیر

آیت ۳۱:

خدا کا فرمانا کہ ''پھر ان اشخاص کو پیش کیا۔'' تو ''ھُم'' کی ضمیر صاحبان عقل افراد کے لیے ہی استعمال ہوتی

ہے۔ نیز لفظ ''ھٰؤلآءِ'' یہ یعنی ''یہ'' سے معلوم ہوا کہ صرف اسماءَ کے مسمیات (وہ لوگ جن کے نام تھے) بطور اشباح سامنے موجود کر کے دکھائے گئے۔ کتنے عالی اشخاص ہوں گے کہ جنکی معرفت معیارِ خلافت قرار پائی۔ ان اسماءَ سے مراد ''محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنین اور ائمہ اہل بیتؑ ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''خدا کی قسم! وہ اَسماءَ ہم ہیں۔ کسی انسان کا کوئی عمل ہماری معرفت کیے بغیر قبول نہ ہوگا۔''[1]

*عقلاً یہ اسماءَ تمام چیزوں کے نام نہیں ہو سکتے۔ اس لیے وہ چیزیں تو ابھی پیدا ہی ہوئی تھیں۔ یہ صاحبان عقل شخصیتوں کے نام تھے۔ جنکے نام سن کر ملائکہ نے تسلیم کر لیا کہ یقیناً ایسے پاک انسان خلافت الٰہیہ کے سزاوار ہیں۔

آیت نمبر ۳۳

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ

(۳۳) (پھر اللہ نے) کہا: اے آدمؑ! تم اِن (فرشتوں) کو اِن (اشخاص) کے نام بتا دو۔ پس جب اُس (آدم) نے اُن کو سب کے نام بتا دیئے۔ تو (اللہ نے فرشتوں سے) فرمایا میں تم سے نہ کہتا تھا کہ یقیناً میں آسمانوں اور زمین کی ساری چھپی ہوئی حقیقتوں کو جانتا ہوں اور میں وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے تھے اور وہ بھی جو تم (دلوں میں) چھپائے ہوئے تھے۔

---

[1] تفسیر المیزان۔ فصل الخطاب۔ البلاغی) ۱۔ تفسیر صافی ۷ ۲، تفسیر بُرہان

تفسیر

آیت ۳۲:

آدم اور ملائکہ کا اصل امتحان کہ ملائکہ اور آدمؑ کو ان اشخاص کے نام تو پہلے ہی سے معلوم تھے۔ اب خدا نے ان اشخاص کو ملائکہ اور آدمؑ کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ ان اشخاص اور ان کے ناموں کو دیکھ کر یہ بتاؤ کہ کونسا نام کس شخص کا ہے؟ یعنی مسمیات اور اَسماءَ کی تطبیق کرو۔ یہ حافظہ کا امتحان نہیں تھا، بلکہ ذہانت کا امتحان تھا جس سے آدمؑ، ملائکہ سے افضل ثابت ہوئے۔'' (البلاغی۔ ملخص حدیث از امام جعفر صادق علیہ السلام)

اگر بتائی ہوئی چیزوں کے صرف نام بتانے کا سوال ہوتا تو ملک ہرگز اعتراف نہ کرتے کیونکہ فرشتے بھولا نہیں کرتے۔ مگر یہاں تو ذہانت اور تطبیق اسماءَ کا سوال تھا۔ یعنی نتیجے نکالنا اور تحقیق کرنا۔ اس سے ملک عاجز ہوئے اور کہا: بس ہمیں تو اتنا ہی علم ہے جتنا کہ آپ نے ہم کو بتا دیا ہے۔'' ہم اُس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتے۔ پھر خدا پر اعتراض بھی نہ کیا، بلکہ کہا: ''تو حکیم ہے۔ یعنی تیرا ہمیں یہ صلاحیت نہ دینا حکمت پر مبنی ہے اور بالکل ٹھیک ہے۔

آیت ۳۳

آدمؑ نے اسماءَ کو دیکھا، پھر جن کے نام تھے اُن کو دیکھا۔ مناسبتوں کا لحاظ کیا اور غور و فکر سے کام لیا۔ بالآخر یہ بتا دیا کہ یہ نام اِن کا ہے اور وہ نام اُن کا ہے۔'' اس پر ملائکہ نے مان لیا کہ آدمؑ کی صلاحتیں ہم سے اعلیٰ اور برتر ہیں اور اسی موقع پر خدا نے اُن کو یاد دلایا کہ دیکھو! میں نہ کہتا تھا کہ ''جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔'' یعنی اب تو تم سمجھ گئے کہ میں نے تمہیں چھوڑ کر آدمؑ کو خلیفہ کیوں منتخب کیا۔ (تفسیر فصل الخطاب)

آیت نمبر ۳۴۔۳۵

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا

حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ

(۳۴) اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو اُن سب نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے اِنکار کیا اور اُس نے تکبر کیا اور وہ تو حقیقت میں کافروں (منکروں) میں سے تھا۔

(۳۵) پھر ہم نے آدمؑ سے کہا کہ تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو اور یہاں جیسا تمہارا دل چاہے مزے اور بے فکری کے ساتھ جو چاہو کھاؤ، مگر اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم حد سے آگے بڑھ جانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

تفسیر

آیت ۳۴:

”یہاں سجدے سے مراد

پیشانی جھکانا ہے۔“ (قولِ امام جعفر صادق علیہ السلام از تفسیر مجمع البیان) یہ لفظیں بھی یہی بتاتی ہیں۔ کیونکہ سجدہ کی اضافت ”لام“ سے کی گئی ہے۔ (لِاٰدَمَ) جو سجدہ کا پتہ دیتی ہے۔ اگر قبلہ بنایا جاتا تو اِلیٰ آنا چاہیے تھا۔ یہ طریقہ تعظیم پہلے ممنوع نہ تھا لیکن اب کسی غیر اللہ کی اس طرح سے سر جھکا کر تعظیم کرنے کی ممانعت ہے۔ (جامع البیان للطبری، نیشاپوری)

شیطان ایک مخلوق ہے جو آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔

ذی شعور و ذی حیات ہے، سوچتا سمجھتا ہے، شیاطین ہم کو دیکھتے ہیں مگر ہم اُن کو نہیں دیکھ سکتے۔ شیطان کی اولاد ہوتی ہے۔ پہلے جنات کے ساتھ یہ زمین پر تھی مگر جب زمین کو جنات سے پاک کیا گیا تو اس کو اس کے ذاتی کردار اور عبادت کی وجہ سے جنوں سے الگ کر کے ملائکہ کی جماعت میں پہنچا دیا گیا تھا۔ اس میں تکبر پیدا ہوا اور انجام کار تباہ و برباد ہوا۔ (فصل الخطاب)

آیت ۳۵:

حضرت امام علی رضاؑ نے فرمایا: حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا سے کوئی گناہ منافی عصمت نہیں ہوا۔ خدا نے ان کو درخت کے قریب جانے سے روکا تھا۔ یہ نہیں فرمایا تھا کہ اُس درخت کی جنس کی کوئی چیز نہ کھانا۔ آدمؑ وحوا اُس درخت کے قریب ہرگز نہیں گئے۔ البتہ شیطان کے دھوکے اور قسم کھانے کی وجہ سے اُسی جنس کے ایک درخت سے کچھ کھایا۔ لہٰذا کوئی گناہ نہیں ہوا (تفسیر صافی ص ۱۹ بحوالہ عیون الاخبار الرضا)

*حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''جنت سے یہاں مراد دنیا کا ایک باغ تھا جس میں سورج، چاند طلوع ہوتے تھے'' لیکن ممکن ہے کہ دنیا سے مراد کوئی اور سیارہ ہو جہاں چاند اور سورج طلوع ہوتے ہوں (البلاغی) مگر وہاں محنت اور مشقت نہ تھی، اور خدا کا خاص درخت سے روکنا صرف ایک ناصحانہ مشورہ تھا جس کے نہ ماننے سے کچھ منطقی نتائج اور نقصانات لازمی تھے۔ جیسے ڈاکٹر مریض سے کچھ چیزوں کو کھانے سے منع کردے۔ اب اگر وہ نہ مانے گا تو لازمی طور پر کچھ تکالیف میں مبتلا ہوگا۔ اسی لیے خدا نے آدم سے پہلے کہا تھا ''دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ (درخت کے پاس جانا) تم دونوں کو بہشت سے نکالنے کا باعث ہوجائے جس کی وجہ سے تم مشقت میں گرفتار ہوجاؤ۔ یہاں تو تمہارے لیے یہ ہے کہ تم بھوکے بھی نہیں ہوتے اور برہنہ بھی نہیں ہوتے، پیاس بھی نہیں لگتی اور دھوپ کی تکلیف بھی نہیں اُٹھانی پڑتی۔''

اور ظلم'' کے معنی

قرآن نے بتائے ''اللہ کی مقرر کردہ حدود سے قدم بڑھانے والے ظالمین ہیں'' مگر دیکھنا ہوگا کہ ''حد'' بطور واجب کے لازم کی گئی ہے یا بطور ارشاد، ہدایت یا نصیحت کے۔ اگر یہ ''حد'' بطور واجب ہوگی تو اُس سے تجاوز کرنا گناہ ہوگا جو عصمت کے منافی ہے لیکن آدمؑ کے لیے یہ حد بطور نصیحت کے تھی اگر ''یہ حد'' بطور واجب ہوتی تو اُس سے تجاوز کرنا گناہ ہوتا جو عصمت کے منافی ہے۔ لیکن آدمؑ کے لیے یہ حد بطور نصیحت کے تھی۔ اس لیے نہ گناہ ہوا نہ عصمت کی نفی ہوئی۔ یہ ترکِ اولیٰ تھا۔ یعنی بہتر کام کا ترک کرنا یعنی راحت وآرام کو چھوڑ کر تکلیف میں مبتلا ہونا۔ (نیشاپوری، بلاغی، فصل الخطاب،)

حضرت آدمؑ کے عمل کا منطقی ضرر یہ ہوا کہ اُن کی اس جنت سے نکلنا پڑا۔ اگر یہ گناہ ہوتا تو خدا اپنی ناراضگی کو بیان فرماتا۔ اور خود قدم پھسلنے کا لفظ بتا رہا ہے کہ آدمؑ کا عمل کوئی خدا کی مخالفت کے ارادے سے نہ تھا۔ اس لیے خدا نے اپنی ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا، بلکہ یہ فرمایا کہ آدمؑ جس آرام گاہ میں تھے وہاں سے نکال دیئے گئے۔ اسی نقصان سے

بچانے کے لیے یہ نصیحت کی گئی تھی کہ ''اس درخت کے قریب نہ جانا۔''

آیت نمبر ۳۶۔۳۷

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾

ترجمہ

(۳۶) آخر کار شیطان نے اُن دونوں کا قدم پھسلا کر اُنہیں اس حالت سے کہ جس میں وہ تھے نکلوا کر ہی چھوڑا۔ تو ہم نے حکم دیا کہ اب تم سب یہاں سے اُتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ اور تمہیں ایک خاص وقت تک زمین پر (امتحاناً) ٹھہرنا ہے۔ اور وہیں تمہیں فائدہ اُٹھانے کا ایک وقت اور موقع ہوگا۔

(۳۷) اس کے بعد آدم نے اپنے پالنے والے سے کچھ کلمات سیکھ لیے (اور توبہ کی) تو خدا نے اُن کی توبہ قبول کر لی کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا، بڑا رحم فرمانے والا ہے۔

تفسیر

آیت ۳۷:

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا: وہ کلمات یہ تھے ''اللھم بجاہِ محمدٍ وعلی وفاطمہ والحسن والحسین والطیبین من اٰلھم۔'' یعنی اے اللہ! محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ اور اُن کی طیب آلؑ کے واسطے سے میری رجوع قبول فرمایا'' (تفسیر صافی ص ۲۹ بحوالہ کافی۔ و درِ منثور امام سیوطی ص ۱۶ سطر ۱ ج ۱)

*حضرت آدمؑ کی بے چینی اُس ترک اولیٰ پر بھی اتنی شدید تھی اور خدا کی عظمت کا اتنا احساس تھا کہ بے حد روئے۔ یہ ذوقِ عبدیت کی بلندی تھی کہ دل ہی دل میں اپنے اس عمل پر آدمؑ کڑھتے تڑپتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کی مہربانیوں نے ہاتھ تھاما۔ حضرت آدمؑ کو خود توبہ کا طریقہ سکھایا۔ آدمؑ کو ایک مرتبہ بلند سے پیچھے رہ جانے کا شدید احساس ہوا، جس نے توبہ کا عزم دیا۔ اور یہ توبہ صرف حضرت آدمؑ نے کی حوّاؑ نے نہ کی۔ اگر آدمؑ کا فعل، فعلِ حرام ہوتا تو جناب حوا کو بھی توبہ کے الفاظ سکھائے جاتے۔ معلوم ہوا کہ یہ عمل فعلِ حرام نہ تھا۔ کیونکہ یہ حضرت آدمؑ کا ترک اولیٰ تھا۔ صرف حضرت آدمؑ کے اعلیٰ مرتبے کے مناسب نہ تھا۔ اس لیے آدمؑ ہی کو توبہ سکھانے کی ضرورت ہوئی۔

آیت نمبر ۳۸۔۳۹

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ

(۳۸) (پھر) ہم نے کہا کہ تم سب یہاں سے اُتر جاؤ۔ پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی، اُن کے لیے نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ اُنہیں کوئی رنج پہنچے گا۔

(۳۹) اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے، اور ہماری نشانیوں کو جھٹلائیں گے، وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں، جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر

آیت ۳۸:

حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت

قبول توبہ کے بعد آدمؑ کو زمین پر اُترنے کا حکم دینا، بتاتا ہے کہ آدمؑ وحوّا کا زمین پر آنا بطور سزا نہ تھا۔ ورنہ توبہ کے قبول ہونے کے بعد سزا کا کیا سوال؟ یہ تو درخت کے قریب جانے کا منطقی نتیجہ تھا۔ آدمؑ کو اِس زمین کے لیے ہی پیدا کیا گیا تھا۔ شروع دن سے فرمایا تھا: ''اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط ۔''یعنی میں زمین پر ایک خلیفہ (جانشین) قرار دینے والا ہوں'' درخت سے کھالینا زمین پر اُترنے کا فوری سبب قرار پایا۔ ورنہ بعد میں زمین پر تو آنا ہی تھا کیونکہ یہی آدمؑ کی غرض تخلیق تھا۔ اور خدا کا یہ فرمانا کہ ''ان کو کوئی خوف ورنج نہ ہوگا'' اس کا تعلق دنیا سے نہیں اسکا تعلق آخرت سے ہے۔ دنیا میں تو صاحبان ایمان کا امتحان خوف ورنج سے لیا ہی جاتا ہے۔ (مجمع البیان، فصل الخطاب)

آیت نمبر ۴۰۔۴۱

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِکُمْ ج وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ وَلَا تَکُوْنُوْٓا اَوَّلَ کَافِرٍ بِهٖ ص وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ز وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾

ترجمہ

(۴۰) اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت تو یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی (اِس لیے) میرے ساتھ

جوتمہارا معاہدہ ہے اُسے پورا کرو۔(تا کہ) میں اپنا وہ معاہدہ پورا کروں جو میں نے تم سے کیا تھا۔اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔(یعنی میرے قانون مکافات سے ڈرتے رہو)

(۴۱) اور میں نے جو کچھ بھیجا ہے اُس پر ایمان لاؤ۔یہ (قرآن) اُس کی تائید کرتا ہے جو تمہارے پاس پہلے سے موجود ہے۔لہٰذا سب سے پہلے تم ہی اُس کے منکر نہ بنو۔اور میری آیتوں کو ذرا سی قیمت پر نہ بیچ ڈالو۔ورنہ پھر مجھ سے (میری سزا اور ناراضگی سے) بچنے کی فکر کرلو۔

تفسیر

آیت ۴۰:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ جبکہ خداوند عالم نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ ''تم مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا'' مگر ہم دعا مانگتے ہیں لیکن قبول نہیں ہوتیں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: ''تم نے خدا سے جو عہد کیے ہیں تم اُن کو پورا نہیں کرتے، حالانکہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے۔''اَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ'' یعنی تم میرا عہد پورا کرو، میں تمہارا عہد پورا کروں گا'' (تفسیر صافی) (یعنی تم نے خدا کی توحید اور اطاعت کا کلمہ پڑھا ہے اس کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے۔خدا کی نافرمانیاں کرتے رہتے ہو)

حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام ہوئے۔اور حضرت اسحاقؑ کے بیٹے جناب یعقوبؑ ہوئے جو اسرائیل کہلائے۔عبرانی زبان میں ایلؔ'' اللہ کو کہتے ہیں اور ''اسراءؔ'' کے معنی قوت کے ہوتے ہیں۔اس طرح ''اسرائیلؔ'' کے معنی اللہ کی قوت'' خدا نے بنی اسرائیل کو پیغمبری کی نعمت بھی دی اور حکومت و بادشاہت کی نعمت بھی دی تھی۔(سورہ مائدہ ۲)

آیت ۴۱:

یہ آیت یہودی علماءؔ کے لیے خاص طور پر اُتری ہے۔وہ لوگوں سے غلّہ و مال وصول کر کے اُن آیتوں کو چھپا دیتے تھے جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات اور نشانیاں بیان کی گئی تھیں۔اُن کو خوف تھا کہ اگر لوگ حضور اکرمؐ کو مان لیں گے تو ہماری آمدنی بند ہو جائیگی۔قلیلؔ'' یعنی کم قیمت اس لیے فرمایا کہ خدا کی آیتوں کی قیمت میں اگر ساری کائنات کو بھی قیمتاً لگا دیا جائے تو کم ہی قرار پائے گی۔(تفسیر صافی ص ۳۰، تفسیر مجمع البیان، کشاف)

آیت نمبر ۴۲ تا ۴۵

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ

(۴۲) اور حق کو باطل کے ساتھ خَلط مَلط نہ کرو۔ اور نہ حق کو جانتے بوجھتے چھُپانے کی کوشش کرو۔

(۴۳) اور نماز کو ہمیشہ بروقت قائم رکھو، زکوٰۃ دیتے رہو۔ اور جو لوگ میرے سامنے جھک رہے ہیں اُن کے ساتھ تم بھی جھک جاؤ۔

(۴۴) تم دوسروں کو تو نیکی کرنے کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم اللہ کی کتاب پڑھتے رہتے ہو، کیا تم عقل سے بالکل ہی کام نہیں لیتے ؟

(۴۵) اور صبر اور نماز سے مدد لو۔ بیشک نماز ایک مشکل کام ہے، مگر اُن فرماں برداروں کے لیے نہیں جو عظمتِ خداوندی سے متاثّر ہو کر جھک جانے والے ہیں۔

تفسیر

آیت ۴۲:

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''اگر باطل حق کی ملاوٹ سے صاف ہوتو حق کے طلبگاروں پر باطل پوشیدہ نہ رہے اور اگر حق باطل سے بالکل الگ ہوتو دشمنوں کی زبانیں اُس پر نکتہ چینی سے بند ہو جائیں۔لیکن ہوتا یہی ہے کہ ایک مٹھی حق کی لی جاتی ہے اور ایک مٹھی باطل کی ،اور پھر ملا کر سامنے لایا جاتا ہے۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شیطان اپنے دوستوں پر قابو پالیتا ہے'' (نہج البلاغہ)

حقیقت یہ ہے کہ ہر مذہب کے عوام تو سادہ مزاج ہوتے ہیں اور علماءٔ گرفتار اغراض ہوتے ہیں۔عوام تو اَن جانے میں باطل کو اختیار کر لیتے ہیں مگر علماءٔ حقیقت سے واقف ہوتے ہیں مگر اپنے مفادات اور چودھراہٹ کو بچانے کے لیے حق کو چھپاتے ہیں۔بقول اقبال:

دینِ مرداں فکر وتدبیر وجہاد
دینِ مُلّا، فی سبیل اللہ فساد

آیت ۴۳:

یہاں زکوٰۃ سے مراد فطرہ ہے۔کیونکہ جس وقت یہ آیت اُتری تھی مسلمانوں کے پاس زکوٰۃ دینے کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔(بروایت حضرت امام موسیٰ کاظمؑ از تفسیر صافی ص ۲۰ بحوالہ کافی)

*فقہاءٔ نے اس بحث سے نتیجہ نکالا کہ نماز جماعت میں شامل ہونے کا آخری موقع رکوع ہے۔

تفسیر آیت ۴۵:

مومن کا ایک سہارا اُس کے قلب کی اندرونی قوت، برداشت کی قوت ہے جس کو صبر کہا گیا ہے اور دوسرا سہارا بیرونی قوت ہے جو پردہ غیب میں ہے یعنی خدا کی مدد جس سے مدد لینے کا طریقہ نماز کو بتایا گیا ہے کیونکہ صبر کی قوت کو روز سے تقویت دی گئی ہے۔اس لیے صبر سے مراد ''روزہ'' بھی لیا گیا ہے۔(تفسیر صافی) صبر کے ذریعہ انسان میں استقلال اور ثبات قدم پیدا ہونا اور نماز کے ذریعہ رجوع الی اللہ اور خدا کی طرف سے توفیقات کا حاصل ہونا یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لیے:۔

آیت نمبر ۴۶۔۴۸

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ

(۴۶) جو یہ سمجھتے ہیں کہ آخر کار اُنہیں اپنے پروردگار کا سامنا کرنا ہے اور اُنہیں اُسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

(۴۷) اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت تو یاد کرو جس سے میں نے تم کو نوازا تھا اور تمہیں دنیا کی ساری قوموں سے زیادہ عطا کیا تھا۔

(۴۸) اور اُس دن سے بچنے کا سامان کرو جب نہ کوئی دوسرے کو کوئی فائدہ ہی پہنچا سکے گا اور نہ کسی کی سفارش قبول کی جائے گی، اور نہ کسی کو فدیہ لے کر چھوڑا جائیگا، اور نہ اُن (مجرموں) کو کہیں سے بھی کوئی مدد مل سکے گی۔

تفسیر

تفسیر آیت ۴۷:

ان نعمتوں سے مراد ''نبوت''، مَن وسلوٰی، پتھر سے پانی کا نکلنا، دریائے نیل میں راستے کا بننا،

دشمنوں سے نجات، دشمنوں کا دریا میں ڈبو دینا وغیرہ وغیرہ اور یہاں ''فضیلت'' سے مراد ''دولت کی فراوانی ہے۔ مرتبہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ (فصل الخطاب)

* کیونکہ ''فضل'' سے مراد قرآن میں دولت کو بھی لیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا: ''فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰی مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ ..... الخ یعنی'' تو جنہیں زیادہ رزق دیا گیا وہ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ اُس کا پلٹا دیں اُن کی طرف جو (غلام) اُن کی ملکیت میں ہیں'' (۱۶ نحل آیت ۷۱) عالمین پر فضیلت دی کا مطلب کثرت سے مال و دولت عطا کیا۔ اور یاد کرو کہہ کر بتا دیا کہ ''یہ ماضی کا ذکر ہے''۔

آیت ۴۸:

تفسیر بُرہان میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ یہاں جس دن سے ڈرایا گیا ہے اُس سے مراد ''موت کا دن ہے'' کیونکہ موت سے نہ کوئی دوسرے کی مدد کر سکتا ہے اور نہ سفارش کا مقام ہے اور نہ فدیہ دیکر اس کو روکا جا سکتا ہے۔ اس دن سے قیامت سے مراد نہیں ہے کیونکہ اُس دن تو ہم اپنے شیعوں کی مدد کریں گے۔ اعراف پر حضرت محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ اور انکی طاہر اولاد موجود ہوں گے۔ محشر میں جب مومنین پر سختی دیکھیں گے تو ہر زمانے کے نیک اور اخیار شیعوں کو اُن کی نجات کے لیے روانہ کریں گے جو گنہگار شیعوں کو جھپٹ کر اُٹھا کر جنت میں داخل کریں گے۔ (بحوالہ تفسیر انوار النجف جلد ۲ ص ۱۰۴)

آیت نمبر ۴۹۔۵۰

وَاِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ﴿۴۹﴾ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

ترجمہ

(۴۹)اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے تم کو فرعونیوں کی غلامی سے نجات دی جو تمہیں سخت تکلیفیں دیتے تھے ۔تمہارے لڑکوں کو ذبح کرتے تھے ۔اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔ اور اُس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی۔

(۵۰)اور یاد کرو جب ہم نے دریا کو پھاڑ کر تمہارے لیے راستہ بنایا اور اس طرح تمہیں اُن سے چھُٹکارا دلایا اور پھر وہیں فرعونیوں کو تمہاری آنکھوں کے سامنے ڈبو دیا۔

تفسیر

آیت ۴۹:

فراعنہ کی نسل قومِ عاد سے لیکر حضرت موسیٰؑ کے زمانے کے فرعون (جس کا نام ولید تھا) پر ختم ہوئی۔(تفسیر بیضاوی ۲۷ مطبوعہ لاہور)

مختصر قصّہ یہ ہے کہ فرعون مصر نے خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے آگ کا ایک شعلہ بھڑکا جس نے مصر تک کے تمام گھر جلا دیے لیکن بنی اسرائیل کے گھر بالکل محفوظ رہے۔ نجومیوں نے یہ تعبیر بتائی کہ بنی اسرائیل کے گھروں میں سے کسی گھر میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو فرعون کی سلطنت کو تباہ و برباد کر دے گا۔فرعون کو جب اس تعبیر کا علم ہوا تو اُس نے حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہوا اس کو ذبح (قتل) کر دیا جائے۔مگر خداوند عالم نے حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل میں پیدا کر کے خود ان کی حفاظت کی اور فرعون کے گھر میں پہنچا کر اُس کے ذریعے ہی حضرت موسیٰؑ کی پرورش کروائی۔

*محققین نے نتیجہ نکالا کہ خداوندِ عالم، ظالم کو صرف تھوڑی دیر کیلئے مہلت اور اختیار دیتا ہے۔اس لیے ظالم اپنے ظلم کا خود ذمہ دار ہوتا ہے اور خدا کا ظالموں کو مسلط کرنا، کبھی بطور سزا اور کبھی بطور امتحان ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل پر خدا نے ظالم فرعون کو بطور امتحان مسلط کیا تھا۔

آیت ۵۰:

جب فرعون کے ظلم حد سے بڑھے تو خدا نے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰؑ کی معیت میں مصر سے نکلنے حکم دیا۔وہ

اپنے آبائی وطن شام وفلسطین روانہ ہوگئے۔فرعون لشکر جرار لیکر پیچھے آیا۔یہ لوگ رات کی تاریکی کی وجہ سے راستہ بھول کر دریا کے کنارے آ گئے۔حضرت موسیٰؑ نے خدا کے حکم سے دریا پر عصا مارا تو دریا پھٹ گیا۔حضرت موسیٰؑ تمام بنی اسرائیل کو لیکر دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔فرعون نے جو دریا کو پھٹا ہوا دیکھا تو مع اپنی تمام فوج کے دریا میں گھُس گیا جب درمیان دریا پہنچا تو قدرتِ خدا سے پھٹا ہوا پانی مل گیا اور فرعون مع اپنی فوج غرق ہوگیا۔(تفسیر صافی ص ۳۱)

* اب یہ کہنا کہ دریا کیسے الگ ہوگیا؟ تو جو خدا دریا وسمندروں کو پیدا کرسکتا ہے جو کہیں زیادہ حیرتناک ہے اسلئے وہ اسکو جدا بھی کرسکتا ہے اور ملا بھی سکتا ہے۔علاوہ ازیں بحری زلزلوں سے بھی ایسا ہوسکتا ہے۔

آیت نمبر ۵۱ تا ۵۴

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

ترجمہ

(۵۱) اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ کے لیے چالیس ۴۰ راتوں کی معیاد (مدت) مقرّر کی۔مگر تم اُن

کے پیچھے ایک بچھڑے کو اپنا معبود (خدا) بنا بیٹھے۔ اُس وقت تم نے بڑی زیادتی کی تھی۔
(۵۲) مگر اُس پر بھی ہم نے تمہیں معاف کر دیا۔ کہ شاید اَب تم شکر گذار بن جاؤ۔
(۵۳) اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرقان (حق و باطل کی تمیز) عطا کی تا کہ تم ہدایت پاسکو۔
(۵۴) اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا ''تم نے بچھڑے کو اپنا معبود بنا کر اپنے اوپر بڑی زیادتی کی ہے۔ لہٰذا تم لوگ اپنے خالق سے توبہ کرو، اس طرح کہ اپنے آدمیوں کو خود قتل کرو، اسی میں تمہارے خالق کے نزدیک تمہاری بہتری ہے۔ اُس وقت تمہارے خالق نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔ بیشک وہ بڑا ہی معاف کرنے والا اور بڑا ہی رحم فرمانے والا ہے۔

تفسیر

آیت ۵۱:

(فرعون سے) آزادی ملنے کے بعد خدا نے بنی اسرائیل کو ایک مکمّل نظامِ زندگی شریعت کی شکل میں دینا چاہا۔ اس لیے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا گیا کہ تیس (۳۰) دن کو کوہِ طُور پر عبادت اور دُعاء میں صَرف کریں۔ پھر دس دن اور بڑھا دیے گئے۔ اس تبدیلی کو اصطلاحِ شریعت میں ''بدی'' کہتے ہیں ''بدٰی'' کہتے ہیں۔ یعنی کسی مصلحت کے سبب کوئی تبدیلی واقع ہونا۔'' اگرچہ اس تبدیلی کا وقوع علم خدا میں پہلے ہی سے ہوتا ہے۔ یہاں مصلحت یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی قوم کا امتحان لے لیا جائے۔

آیت ۵۴:

جو لوگ شرک سے تو الگ رہے مگر برائی کو دیکھتے رہے۔ اُن کو یہ سزا دی گئی کہ ان کا جو عزیز شرک کا مرتکب ہوا ہے اسکو اپنے ہاتھوں سے قتل کریں۔ (تفسیر صافی ص ۳۲، بلاغی)

* روایت اہل بیت میں ہے کہ بارہ ہزار آدمیوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی تھی اور چھ لاکھ نے کی تھی ستر ہزار آدمی جب قتل کر دیئے گئے تو باقی مشرکوں نے محمدؐ و آلِ محمدؐ کا واسطہ دیا اللہ نے بقایا مشرکوں کی دعاء قبول کر لی تو وہ قتل سے بچ گئے۔ (تفسیر انوار النجف جلد ۲ ص ۱۰۹)

آیت نمبر ۵۵ تا ۵۷

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝۵۵ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝۵۶ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۝۵۷

ترجمہ

(۵۵) اور وہ وقت بھی یاد کرو جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا کہ ہم تو تمہاری بات ہرگز نہ مانیں گے جب تک کہ اللہ کو اپنی آنکھوں سے ظاہر بظاہر نہ دیکھ لیں۔ اس پر تمہارے دیکھتے دیکھتے ایک زبردست بجلی نے تمہیں آن پکڑا۔

(۵۶) پھر تمہارے مرنے کے بعد ہم نے تمہیں دوبارہ زندہ کر دیا، تاکہ اب تو تم شکر گذار بن جاؤ۔

(۵۷) اور ہم نے تم پر اَبر کا سایہ کیا ''من وسلویٰ'' (تازہ پرندوں کا گوشت وحلوا) تم پر اُتارا تاکہ تم اُن پاک چیزوں کو کھاؤ جو ہم نے تمہیں بخشی ہیں۔ مگر اُنہوں نے اِس (ناشکری) سے ہمارا کچھ نقصان نہ کیا، بلکہ وہ حقیقت میں برابر خود اپنے ہی اوپر ستم ڈھاتے رہے۔ (خود اپنا ہی نقصان کرتے رہے۔ معلوم ہوا کہ خدا کی نافرمانی کا آخری نتیجہ خود گناہگار کا نقصان ہوتا ہے)

تفسیر

آیت ۵۵:

خدا کے جلال وغضب کا مظاہرہ یہ بتا رہا ہے کہ خدا کو دیکھنے کا مطالبہ خدا کی عظمت اور شان کے کس قدر خلاف تھا۔ ثابت ہوا کہ خدا کو دیکھنا محال ہے۔ عظمت خدا کے منافی ہے۔ تو خدا کو نہ تو دنیا میں دیکھا جا سکتا ہے نہ آخرت میں۔ کیونکہ قیامت کے آنے سے خدا کی عظمت میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔ اگر آخرت میں خدا کا دیدار ممکن ہوتا تو خدا جواب میں یہ فرماتا کہ ''ابھی صبر کرو'' جنت میں دیدار ہو جائے گا۔

حقیقت میں کسی چیز کو دیکھنا اُسی وقت ممکن ہے جب وہ کسی سمت میں مقید ہو'' زمان ومکان میں مقید ہو جسم رکھتا ہو۔ اور خدا ان تمام باتوں سے بلند اور منزّا ہے۔ (خدا کا دیدار عقل بصیرت ایمان اور دل کی آنکھوں سے کیا جا سکتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام)

آیت ۵۶:

معلوم ہوا کہ وہ عذاب تباہ کرنے والا عذاب نہ تھا بلکہ عذابِ تنبیہ تھا۔ جیسے بیماری، بلائیں وغیرہ۔

آیت ۵۷:

اہل لغت نے لکھا ہے کہ ''مَنّ'' ایک میٹھی چیز تھی اور شبنم کی طرح درختوں پر گرتی تھی اور بہت لذیذ تھی۔ اور ''سَلوٰی'' بٹیر کی شکل کا ایک چھوٹا سا پرندہ تھا۔

آیت نمبر ۵۸۔۶۰

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

قَوْلًا غَيْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ۝۵۹ وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ۝۶۰

ترجمہ

(۵۸) پھر یاد کرو جب ہم نے کہا تھا کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور یہاں خوب مزے سے کھاؤ پیو، مگر بستی کے دروازے سے سجدۂ (شکر) کرتے ہوئے جانا (تاکہ تکبّر اور نافرمانی نہ کرنے لگو) اور کہتے جانا، گناہوں کی توبہ، تو ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور اچھے کام کرنے والوں کو بہت زیادہ عطا کریں گے۔

(۵۹) مگر اُن ظالموں نے اُس بات کے بجائے جو اُنہیں بتائی گئی تھی ایک دوسری بات بدل کر کہہ دی۔ تو ہم نے بھی آخر کار ظلم کرنے والوں پر آسمان سے عذاب نازل کیا۔ اِس لیے کہ وہ برابر نافرمانی ہی کرتے رہتے تھے۔

(۶۰) اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی کی دعاء مانگی تو ہم نے کہا کہ آپ اپنا عصا چٹان پر مار دیں۔ فوراً اُس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ اس طرح کہ ہر قبیلے نے یہ تک جان لیا کہ کونسی جگہ اُس کے پانی لینے کی ہے۔ (تو ہم نے ہدایت کی کہ) اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ پیو اور زمین پر فساد (خرابیاں) نہ پھیلاتے پھرو۔

تفسیر

آیت ۵۸:

''حِطَّةٌ'' کے معنی گرانے کے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ ''اے خدا! ہمارے گناہوں کا بوجھ گرادے، معاف کردے''۔ بنی اسرائیل نے حطّہ کہنے کے بجائے ''حنطہ'' یعنی، گندم، کہا (یہ اُن کی فطرت تھی کہ حکم کچھ تھا، کہا کچھ)

آیت ۵۹:

معلوم ہوا کہ وہ گناہوں کی معافی کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے، پیٹ بھرنا اُن کا اصل مقصد تھا۔ پھر خدا کا یہ فرمانا کہ سزا اس لیے دی گئی کہ ''وہ برابر نافرمانی کرتے رہتے تھے'' ظاہر ہوا کہ اُن کا یہ فعل کوئی وقتی شرارت نہ تھی بلکہ اُن کا طریقہ ہی یہ تھا۔

آیت نمبر ۶۱

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا
رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا
وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ
هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا
سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ
بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا

يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾

ترجمہ

(٦١) اور یاد کرو جب تم نے کہا۔ اے موسیٰ! ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔ اپنے پروردگار سے دُعاء کرو کہ ہمارے لیے زمین کی پیداوار، ساگ، ترکاریاں، گیہوں، لہسن، پیاز، دال وغیرہ پیدا کرے (تو موسیٰ نے) کہا کہ ''کیا تم ایک بہتر چیز کے بدلے پست چیزیں لینا چاہتے ہو؟'' اچھا تو پھر کسی شہر میں جا اُترو۔ وہاں تمہیں جو مانگے ہو سب کچھ مل جائے گا۔ آخر کار اُن پر ذلّت اور محتاجی کی مار پڑی، اور وہ اللہ کے غضب میں گھِر گئے۔ یہ اس لیے ہوا کہ وہ اللہ کی نشانیوں دلیلوں (احسانات) کا برابر انکار کرتے رہتے تھے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کر ڈالتے تھے۔ یہ نتیجہ تھا اُن کی نافرمانیوں، برابر ظلم وستم کرنے اور حد سے بڑھ جانے کا۔

تفسیر

آیت ٦١:

توریت میں ہے: ''اور بنی اسرائیل بھی پھرے اور روتے ہوئے بولے پس دے تو ہمیں گوشت کھانے کو۔ ہم کو تو وہ مچھلی یاد آتی ہے جو ہم مفت مصر میں کھاتے تھے اور کھیرے اور خربوزے اور وہ گندم، وہ پیاز، وہ لہسن۔ اُن پر تو اب ہماری جان خشک ہو چلی۔ یہاں ہمارے سامنے کچھ بھی تو نہیں ہے مگر یہ 'مَن'۔'' (گنتی ١١، ٤، ٦)

* اصل میں بنی اسرائیل سزا کے طور پر صحرا نوردی پر مجبور کیے گئے تھے، تو سزا اُٹھاتے ہوئے نخرے دکھانا کتنی بے موقع بات تھی۔ جو مل رہا تھا اُسے غنیمت سمجھتے۔ لیکن یہ لوگ فطری طور پر شرارت پسند اور ناشکرے واقع ہوئے ہیں۔

یاد رہے کہ قرآن نے کہیں نہیں کہا کہ یہودیوں کو حکومت کبھی نہ ملے گی۔ صرف ذلت اور محتاجی کا ذکر ہے۔ سودِ خور ظالم قوم حکومت حاصل کرنے کے بعد بھی اپنی پست عادات کی وجہ سے ذلیل وخوار ہی رہتی ہے۔

آیت نمبر ۶۲ تا ۶۴

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ
مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ
اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ
الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْ لَا
فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ

(۶۲) یقین جانو کہ جو لوگ (نبیؐ خاتم پر) ایمان لائے ہوں یا یہودی، عیسائی یا صابی ہوں، جو بھی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لائے گا اور نیک کام بھی کرے گا اُس کا اَجر اُس کے پروردگار کے پاس (محفوظ) ہے اور اُس کے لیے کوئی خوف اور رنج نہ ہوگا۔

(۶۳) اور یاد کرو جب ہم نے (کوہِ) طُور کو تم پر اُٹھا کر تم سے پختہ عہد لیا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اُسے مضبوطی سے تھامنا اور جو کچھ اس (کتاب) میں ہے اُسے یاد رکھنا۔ شاید اس طرح تم تقویٰ کی راہ اختیار کرسکو۔ [1]

(۶۴) مگر تم اس کے بعد بھی اپنے عہد سے پھر گئے۔ پھر بھی اگر اللہ کا خاص فضل و کرم اور رحمت کا

---

[1] یعنی: (فرائض کو ادا کرو اور برائیوں سے بچو۔)

سلوک تم پر نہ ہوتا تو تم سخت گھاٹا اُٹھانے والوں میں سے ہوتے۔

تفسیر

آیت ۶۲:

خداوندِ عالم نے سارے مذاہب کے لیے ایک ہی معیارِ نجات بتایا ہے۔ آخرت کی نجات کا دارومدار ایمان باللہ، آخرت پر یقین اور عمل صالح پر ہے''۔ ایسے لوگوں کا اجر وثواب اللہ کے نزدیک ثابت ہے۔ وہ قیامت کے دن خوف حزن سے محفوظ رہینگے۔

*بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت اُن لوگوں کے لیے ہے جو قبلِ بعثتِ پیغمبر آخرالزمان حضرت محمدؐ سے ''پہلے یعنی'' انبیاءِ ماسبق کے دین پر تھے۔ اور جناب رسالت مآبؐ پر غائبانہ ایمان رکھتے تھے۔ پھر اُن میں سے کچھ لوگوں نے حضور اکرمؐ کا زمانہ بھی دیکھا اور ''ایمان'' بھی لائے۔ جیسے: سلمانؓ اور ابوذرؓ وغیرہ اور کئی آنحضرتؐ کی بعثت سے پہلے انتقال کر گئے۔ (تفسیر انوار النجف جلد ۲ ص ۱۱۹)

آیت نمبر ۶۵ تا ۶۷

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿۶۵﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ

(۶۵)اور تمہیں اپنی قوم کے اُن لوگوں کا قصّہ تو معلوم ہی ہے جنہوں نے ''سبت'' (یعنی ہفتے کے دن مچھلی شکار نہ کرنے) کا قانون توڑا تھا۔ ہم نے حکم دے دیا کہ ذلیل بندر بن جاؤ۔

(۶۶)اس طرح ہم نے اُن کے انجام کو اُس زمانے کے لوگوں اور بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے عبرت (سبق)، اور فکر نجات رکھنے والوں کے لیے (سامانِ) نصیحت بنا دیا۔

(۶۷) اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے، تو اُنہوں نے کہا کہ آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟ موسیٰ نے کہا'' میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں کہیں جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔

تفسیر

آیت ۶۵:

''سَبْتِ''، یعنی ہفتہ کا دن یہودیوں کے لیے عبادت اور ذکر الٰہی کے لیے مخصوص تھا۔ اس دن کسی اور کام کی ممانعت تھی۔ مگر یہودی اس حکم کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ اس لیے ان کو خدا نے بندوں کی شکل میں مسخ کر دیا تھا۔

*تفسیر بُرہان میں حضرت علیؑ ابن الحسینؑ سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک قوم شہر ''ایلہ'' جو دریا کے کنارے آباد تھا، میں رہتی تھی اور باوجود ممانعت کے ہفتہ کے روز مچھلی کا شکار کرتی تھی۔ وہ لوگ تعداد میں ستر ہزار تھے۔ شہر کے باقی دس ہزار آدمی ان کو منع کرتے تھے کہ ایسا نہ کرو ورنہ عذاب خدا میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ لیکن وہ لوگ نہ مانے تو ان دس ہزار نصیحت کرنے والوں نے شہر سے ہجرت کی، اسی رات ستر ہزار نافرمانوں کو اللہ نے بندر کی شکلوں میں مسخ کر دیا تھا.....الخ

* روایات میں اس مقام کا نام جہاں یہ عذاب آیا ''ایلہ'' ہے جو دریا کے کنارے تھا۔ (طبرسی) اسی جگہ تورات میں ''ایلات کہا گیا ہے جو فلسطین کے جنوب میں عرب کی شمالی سرحد پر (قدیم علاقہ روم میں) بحرِ قلزم پر لبِ ساحل واقع ہے۔ آجکل اس کو ''عقبہ'' کہتے ہیں۔ (تفسیر نور الثقلین)

* انسانوں کے بندر بن جانے کو ''تناسخ'' نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ روح نکل کر کسی دوسرے جسم میں نہیں گئی بلکہ ان کے جسموں کی شکلیں بدل گئیں۔ اسے ''قلب ماہیت'' تو کہہ سکتے ہیں لیکن ''تناسخ'' نہیں کہہ سکتے۔ (فصل الخطاب)

آیت ٦٧:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''بنی اسرائیل کے ایک نیک آدمی کو اُس کے ایک عزیز نے قتل کر ڈالا اور خود ہی اُس کے خون کا دعوادار بن بیٹھا۔ خدا نے اُس قاتل کا پتہ لگانے کے لیے گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ (طبرسی)

آیت نمبر ٦٨۔٧٠

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ط قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ط عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ط فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ط قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ لا فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ لا اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ط وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿٧٠﴾

ترجمہ

(٦٨) وہ لوگ بولے، اچھا اپنے رَب سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمیں اُس گائے کی کچھ تفصیل بتائے کہ وہ کیسی ہو؟ (موسیٰ نے) کہا ''وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے ایسی ہو کہ جو نہ بوڑھی ہی ہو نہ بچھیا۔ بلکہ

درمیانی عمر کی ہو۔لہٰذا اب جو حکم دیا جارہا ہے اُسے پورا کرو‘‘(بجالاؤ)

(۶۹) وہ پھر کہنے لگے، ہماری طرف سے اپنے رب سے عرض کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بھی بتادے کہ اُس کا رنگ کیسا ہو؟ (موسیٰ نے) کہا، وہ فرماتا ہے کہ ’’زرد رنگ کی گائے ہونی چاہیے، جس کا رنگ ایسا شوخ ہو کہ دیکھنے والوں کا دل خوش ہوجائے۔‘‘

(۷۰) پھر کہنے لگے اپنے پروردگار سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمارے لیے مزید توضیح کرے۔اس لیے کہ گائیں تو ہمیں ملتی جُلتی نظر آتی ہیں۔اللہ نے چاہا تو ہم اُس کا پتہ پالیں گے۔

تفسیر

* یہ گائے ایک جوان صالح کی تھی۔خدا کو اُسے مالی نفع پہنچانا مقصود تھا۔(صافی) بظاہر قتل کا پتہ لگانے سے گائے کے ذبح کرنے کا کوئی تعلق نہ تھا، اس لیے قوم والے خوب ہنسے، اس لیے کہا، کونسی گائے؟ کیسی گائے؟ کس رنگ کی؟ کس نسل کی؟ وغیرہ۔قتل کے مقدمے کے موقع پر ایسا مذاق جہالت کے سوا کیا تھا۔اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ’’پناہ بخدا کہ میں جاہلوں میں سے ہوجاؤں‘‘۔یعنی ایسے مذاق کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

آیت نمبر ۷۱۔۷۳

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْىِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾

ترجمہ

(۷۱) (موسیٰ نے) جواب دیا''۔(اللہ) فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہے جس سے خدمت نہیں لی جاتی، وہ نہ زمین جوتتی ہے، نہ پانی کھینچتی ہے۔صحیح سالم اور بے داغ ہے۔''اس پر وہ پکار اُٹھے کہ ہاں، اب آپ نے ٹھیک پتہ بتا دیا۔ پھر اُنہوں نے اُسے ذبح کیا، ورنہ وہ ایسا کرتے معلوم تو نہ ہوتے تھے۔

(۷۲) اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، پھر تم اُس کے بارے میں جھگڑ رہے تھے اور اللہ کو اس بات کو ظاہر کرنا منظور تھا جسے تم چھُپا رہے تھے۔

(۷۳) تو ہم نے کہا کہ گائے کا ایک ٹکڑا لے کر مقتول کی لاش پر مارو (دیکھو) اس طرح اللہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔اور تم کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

تفسیر

آیت ۷۱:

بنی اسرائیل میں ایک بہت خوبصورت عورت تھی اُسے ایک نیک مالدار آدمی نے شادی کا پیغام دیا اُس آدمی کے ایک چچازاد بھائی نے بھی اُسی عورت کو اپنی شادی کا پیغام دیا۔لیکن عورت نے اُس نیک آدمی کا پیغام منظور کرلیا۔اور اُس سے شادی کرلی۔اس پر اُس نیک آدمی کے چچازاد بھائی نے موقع پا کر اُسے قتل کر دیا اور اُس کی لاش محلے کی مسجد کے دروازے پر ڈال دی اور صبح کو خود ہی اُس کے خون کا دعویدار بن گیا۔خدا نے حکم دیا کہ ایک گائے کو ذبح کر کے اُس کے گوشت کا ٹکڑا مقتول کی لاش پر مارا جائے گا تو مقتول زندہ ہوکر بتا دے گا کہ اُس کا قاتل کون ہے؟ بنی اسرائیل نے گائے کے سلسلے میں کٹ حجتیاں کیں کیونکہ وہ ایسا کرنا نہ چاہتے تھے۔بالآخر ایسا ہی کیا اور قاتل کا پتہ چل گیا۔(طبری، صافی ص ۲۴)

* وہ گائے ایک ایسے نوجوان کی تھی جو محمدؐ وآلِ محمدؐ پر درود بھیجتا تھا جس کی برکت سے اللہ نے اُسے گائے کی قیمت میں پچاس لاکھ دینار بنی اسرائیل سے دلائے''تفسیر برہان''میں ہے کہ جب مقتول زندہ ہوگیا تو اُسے اپنے دو قاتلوں کی نشاندہی کی۔اُن کو قصاص میں قتل کر دیا گیا۔مقتول نے جب دُرود کی برکت دیکھی تو محمدؐ وآلِ محمدؐ پر درود

پڑھ کر اپنی طولِ حیات کی دعاء مانگی تو وحی کے ذریعے اسکی اصل حیات میں ستر برس کا اضافہ کر دیا گیا۔ جب بنی اسرائیل نے دورد پڑھ کر دعاء کی تو اُنہیں گائے کی ادا کردہ قیمت سے دوگنی دولت عطا فرمائی۔ (تفسیر برہان)

آیت نمبر ۷۴۔۷۵

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

ترجمہ

(۷۴) پھر (ایسی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی) تمہارے دل سخت ہی رہے، پتھروں کی طرح سخت، بلکہ اُن سے بھی زیادہ کرخت۔ کیونکہ پتھروں میں تو ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن میں سے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں اور اُن میں ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو پھٹ جاتے ہیں تو اُن میں سے پانی نکل آتا ہے۔ اور اُن میں ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو خدا کے خوف سے لرز کر گر پڑتے ہیں۔ اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اُس سے بے خبر نہیں۔

(۷۵) کیا تم اُن لوگوں سے یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ تمہارے کہنے پر ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ ان

میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ جو اللہ کا کلام سنتے ہیں اور پھر خوب سمجھ لینے کے بعد بھی اُس میں جان بوجھ کر تحریف (ردّوبدل) کر دیتے ہیں۔

تفسیر

آیت ۷۴:

روایت اہل بیتؑ میں ہے کہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کی نبوت کی تصدیق کے بارے میں عرض کیا کہ اگر آپؐ کی تصدیق پہاڑ کر دے تو ہم مان لیں گے۔ پس حضور اکرمؐ ان کو لیکر ایک پہاڑ کے پاس پہنچے اور اُس سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''اے پہاڑ! بحق محمدؐ والہ الطیبین جن کے نام کی برکت سے عرش الٰہی کا بوجھ ہلکا ہوا، آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی اور جنکی بدولت ادریسؑ کو جنت میں اُٹھا لیا گیا تو محمدؐ کی سچائی کی گواہی دے''۔ پس اُس پہاڑ سے پانی جاری ہو گیا اور اُس سے ندا آئی اشھد انك رسول رب العالمین۔ ''اللھم صلی علی محمد والِ محمد (تفسیر برہان بحوالہ انوار النجف ج ۲ ص ۱۲۷)

آیت نمبر ۷۶ تا ۷۸

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۷۶ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝۷۷ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝۷۸

ترجمہ

(۷۶) اور جب ایمان داروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی تو ماننے والے ہیں۔ اور جب آپس میں ایک دوسرے سے اکیلے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تم مسلمانوں کو وہ باتیں کیوں بتاتے ہو جو (معلومات) اللہ نے تم پر (توریت میں) ظاہر فرمائی ہیں۔ تاکہ یہ (مسلمان) خود تمہارے خلاف خدا کے سامنے حجت پیش کریں؟ آخر تم لوگ عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟

(۷۷) کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ وہ لوگ جو کچھ چھپاتے ہیں یا ظاہر کرتے ہیں، اللہ کو تو سب کچھ معلوم ہی ہے؟

(۷۸) اور اُن میں کچھ ایسے بھی اَن پڑھ لوگ ہیں جو کتاب کا تو کچھ علم نہیں رکھتے، بس اپنی بلند وبالا بے بنیاد توقعات (آرزوؤں) کو لیے بیٹھے ہیں اور محض خام خیالیوں یا بے بنیاد وہم وگمان میں مبتلا ہیں۔

تفسیر

آیت ۷۸:
علماء کی تقلید

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ کتاب (قرآن) کے معانی کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے صرف پڑھ لینا کافی نہیں اور علماءَ پر کتاب کی حجت قائم ہے۔

*حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ''عوام یہود کو معلوم تھا کہ اُن کے علماءَ جھوٹ بولتے ہیں، حرام کھاتے ہیں، رشوت لیتے ہیں، اور رشتہ داروں اور سفارشوں کی بناءَ پر احکام خدا کو تبدیل کر دیتے ہیں، لوگوں سے ناراض ہو کر اُن کو حقوق سے محروم کر دیتے ہیں، اور اگر اُن سے راضی ہوں تو اُن کو ناحق اموال دلواتے ہیں وغیرہ۔ لہٰذا اللہ نے اس طرح کے علماءَ کی اندھی تقلید کی مذمت فرمائی ہے۔ اسی طرح ہمارے عوام بھی اگر اپنے علماءَ کو فاسق، کنبہ پرور، مالِ دنیا کے طالب اور حرام خور پائیں، کہ جس سے راضی ہوں اُسے ناحق مال دلوائیں اور جس سے ناراض ہوں اُس کو اُس کے جائز حقوق سے بھی محروم کر دیں۔ غرضیکہ بد یانت ہوں، تو ایسے علماءَ کی تقلید کرنے میں ہمارے عوام اور

یہود کے عوام میں کوئی فرق نہیں ہے۔لیکن ''فقہاء میں سے جو شخص اپنے نفس کو حرام سے بچانے والا اپنے دین کا محافظ، خواہشِ نفس کا مخالف اور اپنے مولا کے فرمان کا مطیع ہو۔پس عوام کے لیے اُس کی تقلید کرنا ضروری ہے۔'' (یہ طویل روایت ہے...مختصر نقل کردی گئی ہے۔انوار النجف جلد اول کے مقدمہ میں مکمل روایت موجود ہے۔(بحوالہ از تفسیر امام حسن عسکریؑ)

آیت نمبر ۷۹۔۸۰

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾

ترجمہ

(۷۹) پس وائے ہو اُن لوگوں پر جو اپنے ہاتھوں سے جعلی کتاب لکھتے ہیں، پھر لوگوں سے کہتے پھرتے ہیں کہ یہ خدا کے ہاں سے (آئی) ہے۔تاکہ اُس کے بدلے میں تھوڑا سا معاوضہ حاصل کرلیں۔پس افسوس ہے اُن پر کہ وہ ایسی کمائی کرتے ہیں جو اُن کے لیے موجبِ ہلاکت ہے۔

(۸۰) اور (اس پر) کہتے ہیں کہ ہمیں دوزخ کی آگ گنتی کے چند دنوں کے سوا چھوئے گی ہی نہیں۔ان سے پوچھو، کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد نامہ لکھوالیا ہے جس کی خلاف ورزی وہ کبھی نہیں کریگا؟ یا تم خود بے سمجھے بوجھے (ایسی بات) اللہ کے ذمے ڈال کر کہہ دیتے ہو۔

تفسیر

آیت ۷۹:

توریت میں تحریف اب کوئی اختلافی یا نزاعی مسئلہ نہیں۔ دوست و دشمن سب ہی کو اب یہ تسلیم ہو چکا ہے کہ یہ کلام الٰہی نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ خدا رسیدہ انسانوں کی تصنیف ہے، کسی جامد سے جامد یہودی میں اب یہ ہمت باقی نہیں کہ تورات کو قرآن مجید کی طرح تنزیل لفظی قرار دے.....خدا کی جانب اس کا انتساب صرف مجازاً یا بالواسطہ ہے.....اسی لیے بائیبل پر تنقید اب ایک مستقل فن کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ ہر شاخ کے الگ الگ ماہرین پیدا ہو رہے ہیں۔عرب کے امی کے لائے ہوئے کلام کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے تیرا سو سال پہلے ہی بائیبل کو محرف اور نا قابلِ اعتماد قرار دے دیا تھا۔(ماجدی)

آیت نمبر ۸۱۔۸۲

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٨١﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٨٢﴾

ترجمہ

(۸۱) (آخر تمہیں دوزخ کی آگ کیوں نہ چھُوئے گی)؟ ہاں (حقیقت یہ ہے کہ) جو بھی بُرا کام کریگا، اور اُس کے گناہوں نے اُسے چاروں طرف سے گھیر لیا ہوگا، یا اُس کے گناہ اُس پر حاوی ہو جائینگے، تو ایسے ہی لوگ تو دوزخ والے ہونگے جو وہاں ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہینگے۔

(۸۲) اور جو لوگ ایمان لائیں گے اور اچھے اعمال بجالائیں گے، وہی لوگ جنتی ہیں اور وہ وہاں پر

ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر

آیت ۸۱:

''مَنۡ كَسَبَ سَيِّئَةً'': روایاتِ اہل بیتؑ میں ہے کہ سیئۃ سے مراد ''انکار ولایت علی ابن ابی طالب بھی ہے۔ جناب رسالت مآبؐ سے ''اصحاب النار'' کے بارے میں سوال کیا گیا تو آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ''وہ جو علیؑ سے جنگ کریں'' اور حضرت علیؑ سے فرمایا: ''یاعلی حربك حربی وسلمك سلمی'' ''اے علیؑ! تیرے ساتھ لڑائی، میرے ساتھ لڑائی ہے اور تیرے ساتھ صلح میرے ساتھ صلح کرنا ہے۔'' (تفسیر انوار النجف جلد ۲ ص ۱۲۹۔۱۳۰)

* خدا کے ہاں ہمارے گھڑے ہوئے نظریات اور بنائے ہوئے فرقے اسی طرح کھوٹے قرار پائیں گے جیسے کھوٹے سکے۔ یا ایک ملک کے سکے جو دوسرے ملک میں کھوٹے ہوجاتے ہیں۔ اللہ کے ہاں نیکیوں کے سکے چلیں گے۔ اور خدا اور رسولؐ اور آخرت پر ایمان بھی ایک ایسی بنیادی نیکی ہے جس پر نجاتِ آخرت کا انحصار ہے۔ مگر اعمالِ نیک کے بغیر ایمان کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ نجات کا اصل راز ایمان اور عملِ صالح میں مضمر ہے خواہ وہ کسی نسل وگروہ سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ آیت ۲۷ میں بیان کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ''اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰىكُمۡ'' (بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ متقی ہی عزت ومرتبہ والا ہے) (قرآن)

* حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا: ''برائی جو کسی شخص کا احاطہ کر لیتی ہے۔ وہ ایسی برائی ہے جو انسان کو دین سے خارج کر دے (۲) یا محمدؐ آلِ محمدؐ کی محبت سے ہٹا دے یا (۳) خوفِ خدا کو اُس کے دل سے نکال دے (۴) یا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور اُن کے جانشینوں کی ولایت سے انکار کرا دے۔ ایسی برائیاں تمام اعمال کو باطل کر دیتی ہیں۔ (تفسیر صافی ص ۳۷) (۱ سورہ ۴۹ حجرات آیت ۱۳)

آیت نمبر ۸۳

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ لَا تَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ ؕ

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ

(۸۳) اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے (پختہ) عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ، رشتے داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا، لوگوں سے (ہمیشہ) اچھی طرح (نرمی سے) بھلی بات کرنا اور نماز کو قائم رکھنا، اور زکوٰۃ دیتے رہنا۔ مگر چند لوگوں کے سوا تم سب کے سب اپنے عہد سے پھر گئے۔

تفسیر

آیت ۸۳:

''میثاق'' اہل کتاب کی اصطلاح میں آج تک بائیبل کو ''عہد نامہ'' تورات کو ''عہد قدیم'' اور انجیل کو ''عہد جدید'' کہا جاتا ہے۔ آج بھی ایسی باتیں تورات میں موجود ہیں۔ مثلاً۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو'' مثلاً فرمایا: ''میرے حضور تیرے لیے دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لیے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت.... مت بنا۔ تو اُن کے آگے اپنے کومت جھکا۔ اور نہ اُنکی عبادت کر۔'' (خروج ۲۰: ۲۔۵) اور استثناء ۵: ۷:۸)

والدین کے بارے میں لکھا ہے

تو اپنے ماں باپ کو عزت دے۔ (خروج ۲۔۱۲) (استثناء ۵۔۱۶)

رشتہ داروں کے بارے میں فرمایا:

اور اپنے مفلس بھائی کی طرف اپنے ہاتھ مت بند کیجیو، بلکہ تو اس پر اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو۔ (استثناء ۱۵: ۸۔۹)

نیزفرمایا: اورمسافراوریتیم اور بیوہ جوتیرے پھاٹکوں کے اندرآویں توکھاویں اورسیرہوویں ۔ (استثناء ۱۴۔۲۹)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جس طرح تم خوداپنے ساتھ گفتگو پسند کرتے ہو،اسی طرح دوسروں سے گفتگوکرو۔(تفسیرصافی بحوالہ کافی وتفسیرعیاشی)

*حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا:جہنم میں ہمیشہ کے لیے کفارومشرکین کورکھا جائے گا کیونکہ خدانے فرمایا ہے کہ وہ مشرک کوکبھی نہیں بخشتا۔کیونکہ کافراورمشرک کی نیت بھی یہی ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ کافریامشرک رہے گا۔اسی لیےان کو ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہناہوگا۔(تفسیرلوامع القرآن ص۱۶)

* حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: والدین کے ساتھ نیکی یہ ہے کہ (۱) اُنکا ادب کیا جائے (۲) جس چیز کی اُن کوضرورت ہواُن کے مانگے بغیرفراہم کی جائے،خواہ وہ مالدارہی کیوں نہ ہوں (۳) اُن کوکچھ مانگنے کی تکلیف بھی نہ دو۔(۴) اُن کی آواز پراپنی آواز کو بلند نہ کرو۔(۵) اُن کے آگے نہ چلو(۶) اُن کی طرف تیزغصہ یانفرت کی نگاہ سے نہ دیکھو(۷) اگرماریں توکہوخداآپ کوبخش دے اوراگرتنگ کریں تواُف تک نہ کہو"۔

* جوشخص اپنے والدین کےعزیزوں کےحقوق ادا کریگا۔اُس کو جنت میں ایک ہزاردرجے عطا ہوں گے (الحدیث)بحارجلد ۷ ص۹۷وتفسیربُرہان ا ص۸۷وتفسیرصافی ۷۳)

آیت نمبر ۸۴

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ﴿۸۴﴾

ترجمہ

(۸۴)اورپھرہم نےتم سے(مضبوط)عہدلیاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کاخون تو نہ بہانا،اورنہ تم

ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر کرنا۔تم نے اس کا بھی اقرار کرلیا تھا جس پر تم خود گواہ ہو۔

آیت ۸۳: ''یتیم'' سے مراد:

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا: ''آگاہ ہو کر ہمارے شیعوں میں سے جو شخص ہمارے علوم کا عالم ہو اور ہماری شریعت سے جاہل کو علم سکھائے جو ہماری زیارت سے محروم ہے، چونکہ وہ جاہل اُس عالم کی گود میں (ہمارا) یتیم ہے۔پس وہ عالم جو اُس کی ہدایت کرے اور ہماری شریعت کی اُس کی تعلیم دے، وہ رفیقِ اعلیٰ میں ہمارے ساتھ ہوگا۔(رفیق اعلیٰ سے مراد مقامِ جنت میں قرب الٰہی ہے) آپؑ نے فرمایا کہ یہ حدیث میرے آباءِ طاہرین نے جناب رسول پاکؐ سے بیان فرمائی۔(انوار النجف)(ملخص)

* امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا: ''جو شخص ہمارے شیعوں میں سے ہماری شریعت کا عالم ہو وہ ہمارے کمزور شیعوں کو ان کی جہالت کی تاریکی سے نکال کر اُن کو علم کی روشنی تک پہنچائے جو ہماری طرف سے اُس کو پہنچا ہے تو جب وہ وارد محشر ہوگا تو اس کے سر پر ایک نورانی تاج ہوگا جس سے تمام محشر منور ہو جائے گا اور اس کو حلہ بہشتی پہنایا جائے گا جس کے ایک ادنیٰ تار کی قیمت ساری دنیا نہیں ہو سکتی۔اور پھر اللہ کی جانب سے منادی ندا کریگا۔اے بندگانِ خدا! یہ آلِ محمدؐ کے شاگردوں میں سے ایک ہے۔پس جس کسی کو دنیا میں اس نے جہالت کی تاریکی سے نکالا تھا وہ اس کے نور کے ساتھ تمسک اختیار کرلیں تا کہ یہ عالم اُس کو عرصہ محشر کی تاریکی کی حیرت سے نکال کر باغاتِ جنت میں پہنچا دے۔پس جن لوگوں نے دنیا میں اُس عالم سے کسبِ فیض کیا ہوگا، وہ سب اُس کے ہمراہ جنت میں داخل ہوں گے۔(ملخص حدیث از تفسیر انوار النجف ج ص ۱۳۴)

* مساکین سے مراد:

(خلاصہ بحدیث) حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا: ''جو شخص مساکین کی اپنے زائد مال سے خبر گیری کریگا۔خداوندِ عالم جنت میں اُس کو وسیع مقام عطا فرمائے گا۔اور اُس کو اپنی رضامندی و مغفرت سے لذت اندوز فرمائے گا'' پھر آپؑ نے فرمایا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی مرتضےٰ علیہ السلام کے محب مسکین ہیں۔ان کی ہمدردی عام فقراءِ و مساکین کی ہمدردی سے افضل ہے.....جو شخص دشمنانِ دین (ناصبی اور باطنی دشمن شیطان) کے اعتراضات سے بچا کر ہمارے مساکین کو ایسی دینی تعلیم دے کہ وہ مخالفوں کو منہ توڑ جواب دے کر لاجواب کردیں اور اپنے دینی اُمور میں قوی ہو جائیں اور اُن کی دینی مسکینی دور ہو جائے۔تو حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''جب وہ عالم قبر میں سوئے گا تو خود خداوند عالم اُس کی قبر میں اپنی زبانِ قدرت سے اُس کی تلقین پڑھے گا.....پس فرمائے گا کہ تیرے لیے جنت کے

بلند درجات میں نے واجب کیے ہیں'' اُسی وقت اسکی قبر بہترین گلزار ہوجائے گی۔(تفسیر انوار النجف جلد ۲ ص ۱۳۴)

آیت نمبر ۸۵۔۸۶

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا
مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ
عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ
وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ
اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى
اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ
عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾

ترجمہ

(۸۵) مگر آج تم خود ہی ایک دوسرے کو قتل بھی کرتے ہو۔اپنے بھائی بندوں میں سے کچھ لوگوں کو گھر سے بے گھر بھی کر دیتے ہو۔اور ان کے خلاف گناہ اور ظلم کے ساتھ متفقہ طور پر سازشیں کرتے ہو۔اور جب وہ قید ہو کر تمہارے پاس آتے ہیں تو ان کیلئے فدیہ کا لیں دین بھی کرتے ہو۔حالانکہ انہیں ان کے گھروں سے نکالنا ہی سرے سے تم پر حرام تھا۔تو کیا تم کتاب کے کسی حصے پر تو ایمان

لاتے ہواور دوسرے حصے کا انکار کرتے ہو؟ تو کیا سزا ہے اس کی جو تم میں سے ایسا کرے؟ سوا اس کے کہ وہ دنیا کی زندگی میں تو ذلیل خوار ہو کر رہیں اور قیامت کے دن وہ شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیے جائیں اللہ ان حرکتوں سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔

(۸۶) یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کی زندگی بیچ کر دنیا کی زندگی خرید لی۔ لہٰذا ان کی سزا میں نہ تو کوئی کمی ہوگی اور نہ ہی انہیں کوئی مدد مل سکے گی۔

تفسیر

آیت ۸۵:

جب یہ آیت یہودیوں کے بارے میں آئی تو حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: ''میں تم کو اپنی اُمت کے یہودیوں کی خبروں؟'' سب حاضرین نے عرض کیا۔ ضرور۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: '' وہ لوگ میری اُمت میں سے ہوں گے جو میری طاہر پاک اولاد کو قتل کریں گے، میری شریعت کو بدل ڈالیں گے۔ میرے، فرزندوں حسنؑ و حسینؑ کو قتل کریں گے۔ جس طرح یہودیوں نے زکریاؑ اور یحییٰؑ کو قتل کیا تھا۔ یاد رکھو! اللہ نے اُن پر لعنت کی ہے۔ اور اللہ قیامت سے پہلے حسینؑ کی اولاد میں سے ایک ھادی و مہدیؑ کو بھیجے گا، جس کے دوستوں کی تلواریں اُن قاتلوں کو جہنم میں پہنچا دیں گی''۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۱۹۵)

آیت نمبر ۸۷۔۸۸

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ
بِالرُّسُلِ ۡ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ
بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى
اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا

تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

ترجمہ

(۸۷) ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور اُن کے بعد لگا تار پیغمبر بھیجے اور (یہاں تک کہ) مریم کے بیٹے عیسیٰ کو ہم نے روشن نشانیاں، نمایاں معجزے دے کر بھیجا۔ اور روح القدس (مقدس روح) کے ذریعے اُن کی مدد کی (تو پھر یہ تمہارا کیا انداز ہے کہ) جب بھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس اِن باتوں کو لے کر آتا ہے جن کو تمہارے نفوس پسند نہیں کرتے تو تم اُن کے مقابلے میں ہمیشہ اکڑتے ہو۔ تم نے کسی کو تو جھٹلایا اور کسی کو قتل کر ڈالا۔

(۸۸) اور (اس پر) وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر (قدرتی) غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ اُن کے کفر کی وجہ سے اللہ نے اُنہیں (اپنی) رحمت سے دور کر دیا ہے۔ (اس لیے) اب وہ کم ہی ایمان لائیں گے۔

تفسیر

آیت ۸۷:

''اَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ'' حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس آیت کی باطنی تفسیر یہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے پاس وہ چیز لائے جس کو تمہارے دل نہ چاہتے تھے یعنی ولایت علیؑ، اسلئے تم اکڑ گئے اور آل محمدؐ میں سے بعض کو جھٹلا دیا اور بعض کو قتل کر ڈالا۔ (تفسیر بُرہان) اور محمد یعقوب کلینی سے بھی یہی معنی منقول ہے۔ (الکافی)

اس کی ظاہری تفسیر یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفیٰؐ کو جھٹلایا اور حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ کو قتل کر دیا۔

آیت ۸۸:

''غُلْفٌ'' (یعنی دلوں پر چڑھے ہوئے) غلاف.....اور ''لعنهم الله'' یہاں پر لعنت سے مراد ایمان حاصل کرنے کی صلاحیت کا کم ہونا اور خدا کی توفیقات کا سَلب ہونا ہے۔ (نیشاپوری)

آیت نمبر ۸۹۔۹۰

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

ترجمہ

(۸۹) اور جب اُن کے پاس اللہ کی طرف سے ایک کتاب آئی جو اُن کے پاس والی کتاب کی تصدیق کرنے والی بھی ہے، تو اسکے باوجود یکہ اس کتاب کی آمد سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں (اسی کتاب کے واسطے سے) فتح ونصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ یا فتح وظفر، کا اعلان کرتے تھے، مگر اَب جب وہ (کتاب) اُن کے پاس آ گئی جسے وہ پہلے سے جانتے بھی تھے، تو وہ خود اُس کے منکر ہو گئے۔ پس خدا کی لعنت ہو منکرین (حق) پر۔

(۹۰) کیسا بُرا ہے وہ سامان جس کے عوض وہ لوگ اپنی جانیں بیچے بیٹھے ہیں[1] وہ انکار کرتے ہیں اُس کا جسے اللہ نے نازل کیا ہے، صرف اس بات کی ضد میں (کہ کیوں) اللہ نے اپنے فضل وکرم (وحی ورسالت) سے اپنے جس بندے کو چاہا نواز دیا؟ لہٰذا اب یہ اللہ کے دوہرے غضب کے مستحق ہو گئے اور ایسے منکروں کے لیے سخت ذلّت آمیز سزا مقرر ہے۔

تفسیر

آیت ۸۹:

اہل کتاب رسول اکرمؐ کی بعثت سے پہلے مدینے کے کافر مشرکوں سے تو یہ کہتے تھے کہ ابھی تم جو چاہو کر لو مگر جب محمدؐ مبعوث ہوں گے تو پھر تمہارا نام ونشان بھی نہ رہیگا۔ مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو مدینے کے باشندے اوس وخزرج جو کافر ومشرک تھے، وہ تو حضورؐ پر ایمان لے آئے، مگر اہل کتاب حضورؐ کے دشمن ہو گئے۔ (فصل الخطاب بحوالہ بلاغی) ''فلعنة'' محققین نے یہ نتیجہ نکالا کہ مستحق لعنت پر لعنت بھیجنا خدا کی سنت ہے۔

آیت ۹۰:

مطلب یہ ہے کہ انسان کو نجات کے لیے ایمان اور خدا کی اطاعت کا سامان مہیا کرنا چاہیے مگر علماء یہود کفر اور حق دشمنی کا سامان جمع کر رہے ہیں۔ (امام رازی)

آیت نمبر ۹۱۔ ۹۳

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۚ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ

---

[1] (یعنی جس سے یہ لوگ اپنے لیے تسلی حاصل کرتے ہیں اور جس کو اپنے بچنے کا سامان سمجھتے ہیں) (از تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی)

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ
اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا
مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ
بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۚ وَاُشْرِبُوْا فِيْ
قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ
اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ

(۹۱) اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے، اُس پر ایمان لاؤ، تو وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہم (بنی اسرائیل) پر نازل ہوا ہے، ہم (صرف) اُسی پر ایمان لائے ہیں اور جو کچھ اُس کے علاوہ ہے، اُس کے وہ منکر ہیں م حالانکہ وہ حق (سچی حقیقت) ہے اور اُن کے پاس والی (کتاب) کی تصدیق کرنے والا ہے۔ (اچھا) کہو: اگر تم اُسی (کتاب) پر ایمان رکھتے ہو تو پھر تم انبیاء خدا کو اس سے قبل کیوں قتل کرتے رہے؟

(۹۲) بیشک تمہارے پاس موسیٰ روشن نشانیاں (کھلے ہوئے معجزات) لیکر آئے۔ پھر بھی تم ایسے حد سے بڑھے ہوئے تھے کہ تم بچھڑے کو اپنا معبود (خدا) بنا بیٹھے۔

(۹۳) پھر ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر کوہِ طُور کو بلند کیا، تا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اُسے تم مضبوطی سے پکڑ لو اور کان لگا کر سنو۔ (اس پر) اُنہوں نے کہا کہ سُن تو لیا ہم نے۔ مگر ہم مانیں گے نہیں، اور اُن کے اِنکار کا سبب یہ تھا کہ اُن کے دلوں میں بچھڑے کی محبت بسی ہوئی تھی۔ کہو: اگر تم مومن ہو تو یہ تمہارا (عجیب) ایمان ہے، جو ایسی بُری حرکتوں کا تم سے تقاضا کرتا ہے۔

آیت نمبر ۹۴۔۹۶

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚۛ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

ترجمہ

(۹۴) (ان سے) کہو کہ اگر واقعی اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر تمام انسانوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے ہی لیے مخصوص ہے، تب تو تمہیں موت کی آرزو کرنی چاہیے۔ اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو۔

(۹۵) (یقین جانو کہ یہ) کبھی ہرگز موت کی تمنّا نہ کریں گے اُن گناہوں کے سبب جو وہ اپنے ہاتھوں سے کر چکے ہیں، اور اللہ (ایسے) ظالموں (حدود سے تجاوز کرنے والوں) کو خوب اچھی طرح جانتا ہے۔

(۹۶) اور یقیناً تم اُنہیں سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر زندہ رہنے کا حریص پاؤ گے (حتّٰی کہ) مشرکین سے بھی (زیادہ)، اُن میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ کاش اُسے ہزار برس کی عمر ملتی

،حالانکہ اتنی لمبی عمر بھی اُسے عذابِ (خدا) سے نہیں بچا سکتی ،اور جیسے یہ اعمال کر رہے ہیں، اللہ اُنہیں خوب دیکھ رہا ہے۔

تفسیر

آیت ۹۴:

تمام انسانوں اور مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ نجات اُخروی کسی قوم یا نسل میں پیدا ہونے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اسکے لیے ایمان وعمل صالح شرط ہیں۔

آیت ۹۵:

ظالم کبھی موت کی تمنا نہیں کرسکتا۔مومن پاکباز ہی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال سکتا ہے۔علامہ اقبال کہتے ہیں:

نشانی مردِ مومن باتو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلبِ اُوست"

یعنی: مومن کی نشانی میں تجھے بتاتا ہوں کہ جب موت آتی ہے تو اُس کے ہونٹوں پر تبسم ہوتا ہے۔

امیر المومنین حضرت علیؑ نے فرمایا:"مجھے موت سے اتنی ہی رغبت ہے جتنی ایک بچے کو اپنی ماں کے پستان سے۔مجھے پروانہیں کہ موت مجھ پر آپڑے یا میں موت پر جا پڑوں۔

آیت ۹۶:

یہودیوں پر ضرب لگائی ہے کہ آخرت کو مانتے ہوئے بھی وہ زندگانی دنیا کے کتنے حریص ہیں۔مشرک اگر ایسا کریں تو خیر کیونکہ وہ آخرت کو مانتے ہی نہیں

آیت نمبر ۹۷۔۹۹

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ

اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ﴿۹۹﴾

ترجمہ

(۹۷) آپ کہہ دیجئے کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہے، (اُسے معلوم ہو) کہ اُس نے اس (قرآن) کو اللہ ہی کی اجازت سے آپؐ کے قلب پر اُتارا ہے۔ جو پہلے آتی ہوئی (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے اور مومنوں کے لیے ہدایت اور (کامیابی کی) خوشخبری (بشارت) بن کر آئی ہے۔

(۹۸) (پس) جو اللہ کا، اُس کے فرشتوں، اُس کے رسولوں، اور جبریلؑ ومیکالؑ (میکائیلؑ) کا دشمن ہے تو (وہ سن لے کہ خود) اللہ بھی کافروں (منکرینِ حق) کا دشمن ہے۔

(۹۹) اور (درحقیقت) ہم نے آپؐ پر بہت ہی واضح طور پر (صاف صاف حق کا اظہار کرنے والی) آیتیں اُتاری ہیں اور اُن کا اِنکار بدکردار و بداعمال لوگوں کے سوا کوئی کر ہی نہیں سکتا۔

تفسیر

آیت ۹۷:

یہودیوں کا خیال تھا کہ جبرئیل ہم پر کتنی مرتبہ خدا کا عذاب لا چکے ہیں۔ جب حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ قرآن لے کر آئے ہیں تو یہودی بہت ہی بگڑے اور کہنے لگے کہ جبرئیل تو ہمارا پرانا دشمن ہے۔ اس لیے وہ ہمارے خلاف ایسی آیتیں لاتا ہے۔ حالانکہ اُن کو تو سمجھنا چاہیے تھا کہ جبریل تو ایک نوری مخلوق فرشتہ ہے، وہ تو حکم خدا کا پابند

ہے۔اپنی طرف سے کوئی کام نہیں کرتا۔

جبریل کے معنی عبرانی زبان میں ''خادمِ خدا'' کے ہوتے ہیں اور یہ دولفظوں سے ملکر بنا ہے ''جبر'' (عبرانی میں) ''خادم'' اور ''ایل'' کے معنی ''خدا'' اس لیے جبریلؑ کے معنی: خدا کا خادم:

آیت ۹۸:

محققین نے نتیجہ نکالا ہے کہ اولیاءِ خدا سے دشمنی خدا سے دشمنی کے مترادف ہے۔(طبری)

* اگرچہ جبریلؑ ومیکائیلؑ ملائکہ میں شامل ہیں مگر علیحدہ سے اُن کے نام اس لیے گئے تا کہ اُن کا اعلیٰ مقام معلوم ہوجائے۔(مجمع البیان)

آیت نمبر ۱۰۰۔۱۰۱

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۘ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ

(۱۰۰) (کیا ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا رہا ہے کہ) جب بھی اُنہوں نے کوئی عہد کیا تو اُن میں سے ایک گروہ نے اُسے ضرور پسِ پشت ڈال دیا؟ بلکہ اُن میں اکثر ایمان نہیں لاتے۔

(۱۰۱) اور جب اُن کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی پیغمبر اس کتاب کی تصدیق کرتا ہوا آیا، جو اُن کے پاس پہلے سے موجود تھی، تو اِن (اہل کتاب) کی ایک جماعت نے اللہ کی کتاب کو اس

طرح پسِ پشت ڈال دیا، جیسے کہ وہ اسے جانتے ہی نہ تھے۔

تفسیر

آیت ۱۰۰:

روایاتِ اہل بیت علیہم السّلام میں ہے کہ اس آیت کا تعلق بظاہر تو یہود سے ہے لیکن اس کا باطن اور تاویل اطاعتِ اہل بیت کا عہد ہے جس کو جناب رسالت مآبؐ نے اپنی اُمت کے سامنے بار بار دہرایا۔ اور اگر بالغرض روایات میں نہ بھی ہوتا۔ تب بھی عقل سلیم اس امر کی گواہی دیتی ہے کہ گذشتہ انبیاءؑ سے اُن کی اُمتوں کی عہد شکنی اگر انسان کو دائرۂ ایمان سے سے خارج کرسکتی ہے، تو سیّد الانبیاءؐ کے ''عہد'' ولایتِ علیؑ یوم غدیر کو اُمت کا توڑ دینا کیوں نہ عہد توڑنے والوں کو ایمان سے خارج کرے گا؟ اور نیز قرآن اور اہل بیتؑ سے تمسک کا فرمان نبویؐ جو تواتر سے منقول ہے اس کو نظر انداز کرنے والے کس طرح دعوائے اسلام کرنے کا حق رکھتے ہیں؟ پس جس طرح جبریلؑ و میکالؑ میں فرق کرنا یہودیوں کے لیے ندامت کا باعث ہے اسی طرح قرآن اور اہل بیت میں سے ایک کو سینے سے لگانا اور دوسرے کو چھوڑ دینا بھی منافی اسلام ہے اور جس طرح جبرئیلؑ سے دشمنی کے ساتھ میکالؑ (میکائیلؑ) سے دوستی فائدہ مند نہیں، اسی طرح اہل بیت رسولؐ کے ساتھ دشمنی رکھ کر قرآن کی دوستی کا دعویٰ عبث اور فضول ہے۔ (تفسیر انوار النجف جلد ۲ ص ۱۴۸)

(یہ بالکل بے کار الفاظ کو سینے سے لگالیا، اور معانی و مطالب کو ٹھکرا دیا)

آیت نمبر ۱۰۲

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۚ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ

فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

ترجمہ

(۱۰۲) اور وہ لوگ پیروی کرنے لگے اُس چیز کی جو شیاطین سلیمانؑ کی سلطنت میں پڑھ کر سنایا کرتے تھے جبکہ سلیمان نے کبھی کفر نہیں کیا تھا، بلکہ کفر تو شیطانوں نے پھیلایا تھا (کیونکہ وہ لوگوں کو جادو کی تعلیم دیتے تھے۔ نیز اُنہوں نے پیروی کی) اُس کی جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اُتارا گیا تھا (یعنی جادوگروں کے زور کو توڑنے کے طریقے) اور وہ (فرشتے) جب بھی کسی کو (جادو توڑنے کے طریقے) تعلیم کرتے تو صاف طور پر بتادیتے کہ ہم تو صرف ایک آزمائش (کا ذریعہ) ہیں۔ تو تم کہیں کافر ہی نہ ہو جانا مگر وہ لوگ اُن سے وہ سیکھتے تھے جس کے ذریعے شوہر اور بیوی میں جدائی ڈال دیں۔ حالانکہ خدا کی اجازت کے بغیر وہ اس کے ذریعے سے کسی کو بھی نقصان تک نہ پہنچا سکتے تھے۔ مگر وہ ایسی ہی باتیں سیکھتے تھے جو خود اُن کے لیے مفید نہ تھیں، بلکہ مُضر تھیں۔ اور وہ یہ بھی خوب جانتے تھے کہ جو بھی اِن چیزوں کا خریدار بنا اُس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں کتنی بُری قیمت پر اُنہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا، کاش وہ اس بات کو جان لیتے۔

تفسیر

آیت ۱۰۲:

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ: ''حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد شیطان نے جادو کا علم ایجاد کر کے اُسے کتاب میں لکھا اور اُس کتاب پر یہ لکھا کہ ''یہ خزائن علم کا ذخیرہ ہے''۔ پھر اُس کتاب کو تختِ سلیمانؑ کے نیچے دفن کر دیا اور پھر لوگوں پر ظاہر بھی کر دیا۔ پھر کفار اس کتاب کو پڑھتے تو یہ سمجھتے کہ سلیمانؑ بھی اسی جادو کی وجہ سے حکومت کرتے تھے۔ خدا نے بتا دیا کہ جادو سیکھنا سکھانا شیطان کا کام ہے۔ (تفسیر صافی ص ۴۲، تفسیر عیاشی و تفسیر قمی)

*حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''جادو کا زور ہو گیا تو اللہ نے ہاروت و ماروت (پھاڑنے والے) نامی دو فرشتوں کو بھیجا۔ تاکہ وہ اُس زمانے کے لوگوں کو جادو کے اثرات ختم کرنے کا طریقہ بتا دیں۔ کیونکہ اس تعلیم سے جادو کا طریقہ بھی آ جاتا ہے اس لیے وہ لوگوں سے پہلے ہی کہہ دیتے کہ جادو کرنا حرام ہے''۔ (صرف جادو کا توڑ نا جائز ہے) (باقی اس قسم کی روایات کہ وہ دونوں فرشتے ایک زہرہ نامی طوائف پر عاشق ہو گئے تھے اور شراب پی کر زنا کرتے تھے'' یہ سب جھوٹی باتیں ہیں۔) (عیون الاخبار الرضاؑ ص ۱۴۹)

* بائیبل میں بھی یہ وضاحت کی گئی ہے کہ شہر کالڈیا (کلدانیہ) کے لوگوں میں بہت سی خراب عادتیں تھیں جن میں سرفہرست جادوگری تھی۔ بائیبل کے الفاظ یہ ہیں۔ تیرے سوداگر زمین کے امیر تھے اور تیری جادوگری سے زمین کی ساری قومیں گمراہ ہوئیں اور نبیوں اور مقدسوں اور زمین کے سب مقتولوں کا خون اس میں بہایا گیا۔'' (مکاشف ۱۸: ۲۳، ۲۴)

''اس آیت سے جادوگری کے بھیانک نتائج معلوم ہوتے ہیں'' ''پرانے کتبوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ''بابل'' کے کلچر میں جادو، کہانت، جنتر منتر، ٹونے ٹوٹکے بڑے زور شور سے رائج تھے۔ بابلی مذہب کا جزو اعظم جادو اور کہانت ہیں۔ مذہب کی کتابوں کو اُٹھا کر دیکھئے تو ہر طرف کہانت کے جنتر منتر ہی نظر آئیں گے۔'' (انسائیکلو پیڈ آف ریلجن اینڈ ایتھکس جلد ۲ ص ۱۱۲)

''بابل و نینوا والوں کے مذہب کا جزو اعظم بھوت پریت کا اُتارنا جھاڑنا تھا۔ (''راجوس کی ریلیجن آف بابیلونیا اینڈ اینڈ ایریا ص ۱۴۵)

''بابل کے میل جول سے اسرائیل متاثر ہوئے۔ خود یہودی اس کے معترف ہیں۔ بابل والوں کا مذہب کا احترام ہر خطے کے یہود میں قائم رہا'' (جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ۶ ص ۴۱۲)

خداوند عالم نے فلسطینیوں کے جادوگری کے قصوں میں حضرت سلیمانؑ پر بہتان کی نفی کی اور بابل کے قصّوں میں ہاروت و ماروت فرشتوں کی شرافت اور عصمت کی وضاحت فرمائی اور جادو کی برائی بتائی۔

''چنانچہ ذکر بھی جادو اور زنا کاری کا ہمیشہ ساتھ ہی ساتھ آتا ہے۔(جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ۸ ص ۶۵۵)

''جادو کا اثر اس کی حقانیت کی دلیل تھی۔مگر اثر تو زہر میں بھی ہوتا ہے جبکہ یہ عمل بُرا نا جائز ہے۔اس لیے تورات میں بھی اس کی ممانعت ہے تو جادوگری کو لینے مت دے۔''(خروج ۲۲:۱۱) اور جادو نہ کر اور ساعتوں کا لحاظ مت کرو''۔(احبار ۱۶:۲۶)

آیت نمبر ۱۰۳۔۱۰۶

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۳ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۰۴ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۱۰۵ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۰۶

ترجمہ

(۱۰۳) اگر وہ ایمان لاتے اور اپنے بچاؤ کا بندوبست کرتے ،تو اللہ کے ہاں جو اس کا اُنہیں ذرا

سا بھی بدلہ ملتا، وہ کہیں بہتر ہوتا۔ کاش وہ اس بات کو سمجھتے۔

(۱۰۴) اے ایمان والو! ''رَاعِنَا ①'' مت کہا کرو، بلکہ ''انظرنا'' کہا کرو، اور (نبی کی بات کو توجہ سے) سنا کرو۔ (کیونکہ) منکرین حق کیلئے دردناک عذاب ہے۔

(۱۰۵) منکرین حق خواہ وہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکوں میں سے ہوں، وہ ہرگز پسند نہیں کرتے کہ تمہارے رَب کی طرف سے تم پر کوئی بھی بھلائی نازل ہو، مگر اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کر کے چُن لیتا ہے اور وہ بڑا ہی فضل و کرم والا ہے۔

(۱۰۶) ہم اپنی جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا وہ بھُلا دی جاتی ہے، تو ہم اُس سے بہتر یا اُس جیسی دوسری (آیت) نازل کر دیتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے۔

تفسیر

''راعنا'' کے معنی، ہمارا لحاظ کیجئے اور اس جملے کو دُہرا دیجئے'' جب آنحضرتؐ خطاب فرماتے تو مسلمان تو ادب سے راعنا کا لفظ کہتے تھے تا کہ دوسری مرتبہ بھی خطاب سن لیں، لیکن یہودیوں کی زبان میں ''راعنا'' کے معنی یہ تھے کہ ''(سُن تجھے سننا نصیب نہ ہو) اس طرح اُنہیں ''راعنا'' کے کہنے سے حضورؐ کی تضحیک کا موقع ظاہراً مل گیا۔ ''اسی بناء پر اللہ نے اس لفظ کو بدل کر ''اُنظرنا'' فرمایا:

آیت ۱۰۶:

حضرت امام حسن عسکریؑ سے روایت ہے کہ ''خدا نے حضور اکرمؐ سے ارشاد فرمایا: ''کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اس طرح ''ننسخ'' منسوخ کرنے اور تبدیل کرنے پر بھی قادر ہے''۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے روایت ہے کہ: ''دوسری آیت، جو منسوخ شدہ آیت کے بجائے آتی ہے اُس میں تمہارے لیے زیادہ فائدے ہیں اور اصطلاحِ شرع میں اس کو ''بَدَاءَ'' کہتے ہیں۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ''خدا کا کسی مصلحت کے سبب سے کسی حکم کو تبدیل یا منسوخ کر دینا۔ بداء کہلاتا ہے۔ ''جیسے حضرت یونسؑ کی قوم پر پہلے عذاب آنے والا تھا کیونکہ ان سب کے سب نے سچے دل سے توبہ کر لی تو خدا نے رحمت فرمائی اور عذاب ہٹا لیا۔ (تفسیر نور الثقلین)

آیت نمبر ۱۰۷۔۱۰۹

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا
لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۱۰۷ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ
تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ
يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝۱۰۸ وَدَّ
كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ
كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ
لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۰۹

ترجمہ

(۱۰۷) کیا تمہیں خبر نہیں کہ یہ یقیناً آسمانوں اور زمین کی حکومت اللہ ہی کے لیے ہے اور اُس کے سوا کوئی تمہاری خبر گیری اور تمہاری مدد کرنے والا (ولی) نہیں ہے؟

(۱۰۸) (پھر) کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسولؐ سے ویسا ہی مطالبہ یا سوال کرو جیسا کہ اس سے پہلے موسیٰ سے کیا گیا تھا؟ حالانکہ جو شخص بھی ایمان کے عوض کفر (وانکار کا طریقہ) اختیار کرے گا، وہ یقیناً سیدھے راستے سے بھٹک گیا ہے۔

(۱۰۹) اہل کتاب میں سے اکثر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح تمہیں ایمان (کے راستے) سے پھیر کر، دوبارہ تمہیں کفر کیطرف پلٹا لے جائیں، اُس حسد کے سبب جو اُن کے نفوس (دلوں) میں ہے،

باوجود اس کے کہ حق اُن پر ظاہر ہو چکا ہے۔ مگر تم اُن کو معاف کرتے رہو یہاں تک کہ اللہ خود اپنا حکم (عذاب) بھیج دے۔ (مطمئن رہو) یقیناً اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

تفسیر

آیت ۱۰۸:

کتنی عجیب بات ہے کہ خدا کے اس انتباہ کے باوجود بھی مسلمانوں کے بہت سے فرقے قیامت کے دن خدا کے دیدار کے قائل ہیں۔ وہ بھی ظاہری مادی آنکھوں سے۔

آیت ۱۰۹:

جنگِ اُحد کے بعد یہودیوں نے حضرت عمارؓ اور حذیفہؓ سے کہا کہ اگر تمہارے نبیؐ سچے ہوتے تو شکست نہ ہوتی، اب تو کہا مانوں اور ہمارے دین میں چلے آؤ۔ حضرت عمارؓ نے فرمایا ''مادّی فتح وشکست کبھی حق کا معیار نہیں ہوتی۔'' جب حضورؐ کو یہ خبر ملی تو آنحضرتؐ نے جناب عمارؓ کے حق میں دعاء فرمائی۔ (القرآن المبین)

*قرآن کا تجزیہ کتنا فطری اور عمیق ہے کہ اہل کتاب کی اسلام دشمنی کا واحد سبب ''حسد'' ہے۔ یہی حال اُن تمام لوگوں کا ہوتا ہے کہ جو اپنی کم عقلی اور بے عملی کی وجہ سے کمال حاصل نہیں کرتے تو دوسرے بلند مرتبہ لوگوں کو کھینچ کر نیچے لانے کی سعی کرتے ہیں۔ اس طرح نفسیاتی علاج کے طور پر خدا نے مسلمانوں کو اہل کتاب کا حقیقی مرض بتلا کر ان کے غیض وغضب کو روک دیا۔

آیت نمبر ۱۱۰۔۱۱۱

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ
مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾
وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ
تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

صٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۱﴾

ترجمہ

(۱۱۰) اور تم نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو (اس لیے کہ) تم جو کچھ بھی نیک کاموں کا ذخیرہ آگے بھیج دو گے، اُسے اللہ کے ہاں موجود پاؤ گے۔ بیشک تم جو کچھ بھی کرتے ہو، سب اللہ کی نظر میں ہے۔
(۱۱۱) اور اُن کا کہنا ہے کہ ہرگز کوئی شخص بھی جنت میں نہ جائے گا مگر وہی کہ جو یا تو یہودی ہو یا (عیسائیوں کے بقول) عیسائی ہو۔ یہ سب اُن کی اپنی تمنائیں ہیں (جو بول رہی ہیں) اُن سے پوچھو کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اپنی کوئی دلیل پیش کرو۔

تفسیر

آیت ۱۱۰:

''وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ'' تفسیر بُرہان میں جناب رسالت مآبؐ سے ایک حدیث میں مروی ہے کہ ''نماز کی کنجی طہارت ہے اور وہ بڑی طہارت جس کے بغیر نماز اور دیگر تمام عبادتیں نا قابلِ قبول ہیں، وہ ولایت محمدؐ و آلِ محمدؐ اور ان کے دوستوں سے دوستی اور اُن کے دشمنوں سے دشمنی رکھنا ہے۔ (تفسیر انوار النجف ج ۲ ص ۱۵۵)

آیت ۱۱۰:

محققین نے اس آیت سے یہ نتیجہ نکالا، کہ ''خدا نے مسلمانوں کو اہل کتاب سے انتقام لینے سے روکا۔، زمانہ صلح یا خاموشی میں عام فرائض الٰہیہ اور حقوق النّاس ادا کرتے رہنا بھی جہاد ہے۔ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام، جب جنگ سے واپس تشریف لاتے اور کوفے کے دور دیوار دکھائی دیتے تو آپؑ یہ فرمایا کرتے: ''اب ہم چھوٹے جہاد سے، بڑے جہاد کی طرف آ رہے ہیں''۔
یعنی: شہری زندگی نفس (بری خواہشات) سے جہاد کرنے کا نام ہے۔ جو تلوار کے جہاد سے بڑا جہاد ہے۔

بڑے موذی کا مارا نفس امارہ کو گر مارا
نہنگ دازدھا و شیر نر مارا تو کیا مارا

آیت نمبر ۱۱۲۔ ۱۱۳

بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ
رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَقَالَتِ
الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى
لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَىْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ
كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ
يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ

(۱۱۲) حق بات تو یہ ہے کہ جو اپنی ہستی کو اللہ کی اطاعت میں سونپ دے، اور عملاً نیک روش پر چلے، تو ضرور اُس کے لیے اُس کے پروردگار کے پاس اُس کا اجرِ (عظیم) ہے۔ اور اُنہیں نہ تو کوئی خوف ہی ہوگا اور نہ (کبھی کوئی حزن وملال) یا افسوس ہوگا۔

(۱۱۳) یہودی کہتے ہیں: عیسائیوں کا مذہب کچھ بھی تو نہیں۔ اور عیسائی کہتے ہیں: یہودیوں کے پاس کچھ بھی نہیں۔ حالانکہ یہ دونوں ایک ہی کتاب پڑھتے ہیں۔ اسی قسم کے دعوے اُن لوگوں کے بھی ہیں جن کے پاس کتاب کا علم نہیں ہے (یعنی منکرین، مشرکین، کافرین) اِن تمام اختلافات کا فیصلہ جن میں یہ لوگ مبتلا ہیں، اللہ قیامت کے دن کر دے گا۔

تفسیر

آیت ۱۱۲:

قرآن نے بتادیا کہ نجاتِ انسانی کا دارومدار فرقہ بندی اور گروہی تعصب میں نہیں ہے بلکہ نجات کا دارومدار(۱) خدا کے سامنے سرِ اطاعت جھکانے اور(۲) اچھے کام کرنے میں ہے۔ خدا نے اسلام کے بجائے ''اَسْلَمَ'' جو''فعل'' ہے استعمال فرمایا۔ مطلب یہ نکلا کہ نجات کا دارومدار مسلمان کہلوانے یا رسمی طور پر کسی جماعت میں شامل ہونا نہیں، بلکہ خدا کی اطاعت کرنا۔ اگر کوئی خدا کی اطاعت کرتا ہے تو وہ مسلم ہے۔ (ملخص از فصل الخطاب)

اس آیت سے خاص طور پر مسلمانوں اور متعصب تنگ نظر پیشہ ور ملاؤں کو سبق سیکھنا چاہیے جو زندگی بھر کسی ایک فرد کو بھی مسلمان تو نہیں بنا سکے، مگر لاکھوں مسلمانوں کو کافر ہونے کے فتوے ضرور صادر کرتے رہتے ہیں اور یہ فتوے بالکل ''لایعنی'' مہمل، بے کار بحثوں اور اختلافات پر ہوتے ہیں۔ آج بالکل یہی حال مسلمانوں کا ہے جو خدا نے اس آیت میں اہلِ کتاب کا بتایا ہے۔ بقول اقبال:

دینِ مرداں فکر و تدبیر جہاد
دینِ ملّاں فی سبیل اللہ فساد

آیت نمبر ۱۱۴۔۱۱۵

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ

(۱۱۴) اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا، جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ ہی کا نام لیے جانے سے روکے اور اُن کی بربادی اور ویرانی کی کوشش کرے۔ ایسے لوگ تو اسی قابل ہیں کہ (ان مسجدوں میں) قدم نہ رکھیں، اور اگر وہاں جائیں بھی تو ڈرتے ڈرتے چوری چھپے۔ ان کے لیے تو دُنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں تو اُن کے لیے بڑا ہی سخت تکلیف دینے والی عذاب ہے۔

(۱۱۵) اور مشرق و مغرب (سب) اللہ ہی کے تو ہیں۔ تو تم جس طرف بھی رُخ کرو گے، اُسی طرف اللہ کا رُخ ہے۔[1] یقیناً اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

تفسیر

آیت ۱۱۴:

اگرچہ یہ آیت مشرکین قریش کے بارے میں نازل ہوئی تھی مگر اس کا حکم عام ہے جیسے اور اسی قسم کی تمام آیتوں کا حال ہے۔ یعنی جو شخص جہاں کہیں خدا کی عبادت سے روکے (یا مساجد تعمیر کرنے میں رکاوٹ پیدا کرے) وہ سب سے بڑا ظالم ہے کیونکہ حدیثِ رسولؐ ہے کہ ''زمین خدا کی عبادت ہی کے لیے ہے'' (بلاغی) علاوہ ازیں قرآن میں یہ بھی ہے کہ ''اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ﴿۵۶﴾'' (عنکبوت۔۵۶)

''بے شک میری زمین وسیع ہے پس میری ہی عبادت کرو''

آیت ۱۱۵:

یہ آیت نوافل (نمازِ نافلہ) کے بارے میں ہے کیونکہ حالتِ سفر میں جس طرف انسان جا رہا ہو اُسی طرف منہ کر کے نافلہ نماز ادا کر سکتا ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے خیبر کو جاتے ہوئے اور مکہ سے واپس مدینہ آتے ہوئے سواری پر نوافل ادا کیے حالانکہ آپؐ کی پشت قبلہ کی طرف تھی (انوار النجف ج ۲ ص ۱۵۷)

*حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''نافلہ نمازوں کو تو جدھر کو سواری جا رہی ہو اُدھر منہ کر کے پڑھ سکتے ہیں لیکن واجب نماز قبلہ کی طرف رُخ کر کے پڑھو۔ سوائے حالتِ خوف کے۔ رہی (کشتی، ریل، ہوائی

---

[1] نماز میں قبلہ رُخ ہونا خدا کے حکم کی تعمیل ہے ورنہ اللہ تو ہر سمت میں موجود ہے۔

جہاز) تو اس میں کوشش کر کے قبلہ رُخ کھڑے ہو کر فرض نماز پڑھو۔ پھر اگر وہ کسی طرف مُڑ جائے تو کچھ پرواہ نہیں۔''

الفقیہ'' میں ہے کہ یہ آیت اُس وقت کے لیے بھی ہے کہ جب قبلہ کی سمت پہچاننا ممکن نہ ہو۔

*خود قبلہ ہی کو دیکھئے کہ کسی ملک میں مشرق میں ہوگا کسی میں مغرب کی سمت میں ہوگا صرف یگانگت کے لیے کعبہ کی سمت مقرر کی گئی ہے۔

آیت نمبر ۱۱۶ تا ۱۱۸

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ

(۱۱۶) اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو اپنا بیٹا بنالیا ہے۔ اللہ تو پاک ہے اِن باتوں سے۔ بلکہ آسمانوں اور زمین کی تمام موجودات خدا کی ملکیت ہیں۔ سب کے سب اُس کے سامنے جھکے ہوتے ہیں۔ (پھر اسے کسی کو بیٹا بنانے کی کیا ضرورت)

(۱۱۷) وہی آسمانوں اور زمین کا ایجاد کرنے والا ہے، اور جس بات کو وہ طے کر لیتا ہے تو اُس کے لیے

بس یہ کہہ دیتا ہے کہ ''ہوجا'' اور وہ ہوجاتی ہے۔(پھر اسے کسی کو بیٹا بنانے کی کیا ضرورت ہے)
(۱۱۸) اور نادان کہتے ہیں کہ آخر اللہ ہم سے (خود) بات کیوں نہیں کرتا؟ یا اُس کی کوئی آیت (نشانی) ہمارے پاس کیوں نہیں آتی؟ ایسی ہی باتیں اُن سے پہلے کے لوگ بھی کیا کرتے تھے۔ان سب کی ذہنیتیں ایک ہی جیسی ہیں (بہرحال) یقین لانے والوں کے لیے تو ہم اپنی نشانیاں صاف صاف نمایاں بیان کر چکے ہیں۔

تفسیر

آیت ۱۱۶:

مطلب یہ ہے کہ اگر تم مسیح کو خدا کا بیٹا اس طرح سمجھتے ہو کہ وہ خدا کا جزو ہیں تو یہ بات خدا کی شان کے خلاف ہے۔وہ اس قسم کے تعلقات سے بلند اور پاک ہے۔اسی لیے ''سبحٰنَهٗ'' فرمایا۔اور اگر تم مسیح کو اس لیے خدا کا بیٹا کہتے ہو کہ وہ خدا کے فرمانبردار تھے،تو یہ کوئی صرف اُن کی ہی خصوصیت تو نہیں،زمین وآسمانوں کی ہر چیز خدا کی فرمانبردار ہے(فصل الخطاب)

آیت ۱۱۸:

کافروں کا یہ کہنا کہ خدا ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ''اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کس جگہ قرار دے''۔یعنی ہر انسان میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ خدا سے ہم کلام ہو سکے۔دوسرا مطالبہ کافروں کا یہ تھا کہ ہمارے پاس کوئی نشانی آئے۔یہ مطالبہ درست تھا،لیکن حضور اکرمؐ کئی معجزات ودلائل پیش کر چکے تھے مگر یہ لوگ مانتے ہی نہ تھے اور خواہ مخواہ کی رٹ لگائے رہتے تھے،غور وفکر کرنے کی تیاری نہ تھے۔

آیت نمبر ۱۱۹۔۱۲۱

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا

النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

ترجمہ

(۱۱۹) حقیت یہ ہے کہ ہم نے تم کو (علم) حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔اور (اب اس کے بعد) جہنم والوں کی ذمے داری (جوابدہی) آپؐ پر نہیں ہے۔

(۱۲۰) یہودی اور عیسائی تو آپؐ سے کبھی ہرگز راضی نہ ہوں گے۔آپؐ (صاف صاف) کہہ دیں کہ (اصل) ہدایت تو بس اللہ کی ہدایت ہے، اور اگر اس علم کے بعد بھی جو تمہارے پاس آچکا ہے، تم نے اُن کی خواہشات کی پیروی کی، تو پھر اللہ کی پکڑ سے بچانے والا نہ کوئی تمہارا یار ہی ہوگا نہ مددگار۔

(۱۲۱) جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس کے، پڑھنے کا حق ادا کرتے ہوئے اس کو پڑھتے ہیں، اور سچے دل سے ایمان لاتے ہیں۔اور جو اس سے انکار کرتے ہیں تو وہی اصل میں نقصان اُٹھانے والے ہیں۔

تفسیر

آیت ۱۲۱:

پڑھنے کا حق ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ صرف (عربی کے) الفاظ زبان پر جاری نہیں کرتے یا اُنہیں (بے سمجھے) رٹ نہیں لیتے، بلکہ ان کے معانی پر غور وفکر کرتے ہیں اور پھر ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے

ہیں۔(بلاغی۔فصل الخطاب)

*امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:''تلاوت بغیر غور وفکر کے نہیں ہوتی''۔(نہج البلاغہ)

*مولوی فلسفہ یہ ہے کہ بغیر سمجھے عربی کے الفاظ کو زبان پر جاری کیے جاؤ، تاکہ دین کا فہم ودرک ہرگز پیدا نہ ہو سکے۔اس طرح چودھراہٹ بھی خوب چلے گی اور جو چاہیں قوم کو پٹی پڑھا کر مال ودولت، عزت، نام ونمود بھی حاصل کر سکیں گے۔

آیت نمبر ۱۲۲ تا ۱۲۴

يٰبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّيۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا لَّا تَجۡزِيۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَيۡـًٔا وَّلَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّلَا تَنۡفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابۡتَلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّيۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِيۡ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهۡدِى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۲۴﴾

ترجمہ

(۱۲۲) اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت کو یاد کرو جس سے میں نے تم کو نوازا تھا اور تحقیق میں نے تمہیں عالمین پر فضیلت دی (یعنی سب لوگوں سے زیادہ عطا کیا تھا)

(۱۲۳) اور ڈرو اُس دن سے، جس دن کوئی کسی کے ذرا بھی کام نہ آئے گا، نہ کسی سے کوئی معاوضہ لیا

جائیگا اور نہ کوئی سفارش کسی کو کچھ فائدہ پہنچا سکے گی ۔(معلوم ہوا کہ ناشکرے، منکرحق کو شفاعت فائدہ نہ دیگی)

(۱۲۴)اور وہ وقت یاد کرو کہ جب ابراہیم کو ان کے پالنے والے مالک نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ اُن سب باتوں میں پورے اُترے ۔تو (خدا نے) فرمایا: ''میں تم کو (تمام) لوگوں کا امام (پیشوا) بناتا ہوں'' (ابراہیم نے دعاءً) عرض کی: اور میری اولاد میں سے (بھی امام مقرر فرما'') (خدا نے) فرمایا: ''میری طرف کا عہدہ ظالموں تک نہیں پہنچے گا''۔

تفسیر

آیت ۱۲۴:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: ''خداوندِ عالم نے حضرت ابراہیمؑ کو نبی بنانے سے پہلے اپنا عبد بنایا، اور رسول بنانے سے پہلے نبوت عطا فرمائی ۔ پھر اُن کو اپنا خلیل یعنی دوست بنانے سے پہلے رسول بنایا۔اور امام بنانے سے پہلے خلیل بنایا۔ جب خلیل کا عہدہ حاصل کر چکے تو اللہ نے فرمایا ''اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ ''یعنی ''اب میں تم کو (تمام) انسانوں کے لیے امام بناتا ہوں) (عطائے عہدہ کی ترتیب سے معلوم ہوا کہ سارے عہدوں میں سب سے افضل عہدہ، امامت'' کا عہدہ ہوتا ہے کیونکہ وہ سب سے آخر میں عطا ہوا۔)اسی لئے اس عہدہ امامت کی حضرت ابراہیمؑ کے دل میں اتنی عظمت تھی کہ آپؑ نے اسی عہدے کیلئے اپنی اولاد کے لیے خدا سے درخواست کی ۔خدا نے ارشاد فرمایا: ''یہ میرا عہدہ ظالموں (غیر معصوموں) کو نہیں ملے گا۔'' (تفسیر صافی ص ۴۶ بحوالہ کافی)

*علم کلام کے ماہرین نے یہ نتائج اخذ کیے کہ: (۱) امام خدا متعین فرماتا ہے۔(۲) کوئی غیر معصوم، گنہگار یا ظالم امام نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ خدا نے فرمایا: ''وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴿۲۲۹﴾ ''(بقرہ ۔آیت ۲۲۹) (یعنی اور جو لوگ خدا کی مقرر کی ہوئی حدیں توڑتے ہیں وہ ظالم ہیں'') اس آیت نے ہر اُس شخص کی امامت کو باطل کر دیا جس کے دامن پر ظلم یا گناہ کا ایک چھینٹا بھی ہو۔(۳) جس نے کفر یا شرک کا ارتکاب کیا ہو وہ ہرگز امام نہیں ہوسکتا۔(۵) محققین نے نتیجہ نکالا کہ جب ابراہیمؑ کو نبی رسول اور خلیل ہونے کے باوجود ''امامت'' امتحان کے بعد ملی، تو ثابت ہوا کہ اگرچہ لغوی معنی ہیں تو ہر نبی امام ہے لیکن منصب کے اعتبار سے امامت ایک خاص عہدہ ہے

جو نبوت اور رسالت کے لیے لازمی نہیں۔ (۶) معلوم ہوا کہ امامت نبی کی اولاد کو ملتی ہے اصحاب کو نہیں اسی لیے حضرت ابراہیمؑ نے اولاد کے لیے دعاء فرمائی، اصحاب یا امت کے لیے نہ فرمائی۔ (تفسیر فصل الخطاب از مولانا علی نقی، تفسیر مجمع البیان)

آیت نمبر ۱۲۵

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

ترجمہ

(۱۲۵) اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے اس گھر (کعبہ کو) لوگوں کا مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ ابراہیمؑ جہاں عبادت کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اُس مقام کو مستقل نماز کی جگہ بنالو۔ اور ابرہیمؑ و اسمٰعیلؑ کو حکم دیا تھا کہ میرے اس گھر کو طواف، اعتکاف رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھنا۔

تفسیر

آیت ۱۲۵:

خدا کا کعبہ کو ''اپنا گھر'' فرمانا' یا اپنی طرف نسبت دینا اظہارِ شرف اور فضیلت کے بیان کرنے کے لیے ہے جیسے۔ حضرت آدمؑ کے لیے ارشاد فرمایا: فَاِذَا نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ ''پس جب میں اس میں اپنی روح پھونکوں'' یا حضرت عیسیٰؑ کو ''روح اللہ'' یعنی اللہ کی روح، فرمایا۔ ان تمام نسبتوں کا مقصد عظمت اور فضیلت کو بیان کرتا ہے

۔ یہاں جسمیت کا تصوّر دور دور تک نہیں ہوتا۔

آیت نمبر ۱۲۶۔۱۲۷

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾

ترجمہ

(۱۲۶) اور (وہ وقت بھی یاد کرو کہ) جب ابراہیمؑ نے دعاء کی: اے میرے پالنے والے مالک! اس شہر (مکہ) کو امن کا شہر بنادے۔ اور اس کے رہنے والوں میں سے جو خدا اور یومِ آخرت کو دل سے سمجھ کر مانیں، اُنہیں (ہر قسم کے) پھلوں کی روزی عطا فرما" (اللہ نے) فرمایا: "جو (مجھے اور یومِ آخرت کو) نہ مانے گا، میں اُسے بھی کچھ فائدہ دوں گا، پھر اُسے "زبردستی" عذابِ جہنم کی طرف گھسیٹوں گا، اور وہ تو بدترین ٹھکانا ہے"۔

(۱۲۷) اور (یاد کرو وہ وقت) جب ابراہیمؑ واسمٰعیلؑ اس گھر (کعبہ) کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے (اور یہ دعاء بھی کررہے تھے کہ) "اے ہمارے پالنے والے! ہم سے (یہ خدمت) قبول فرمالے۔ بیشک تو (سب کی) سننے والا (اور سب کچھ) جاننے والا ہے۔

تفسیر

آیت ۱۲۶:

جناب رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا: ''ابتدائے خِلقت سے مکہ احترام کی جگہ رہا ہے'' دوسری حدیث میں ہے ''ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم بنایا اور ہم نے مدینے کو حرم بنایا ہے۔'' (تفسیر انوار النجف جلد ۲ ص ۱۷۲)

آیت ۱۲۷:

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ ''آسمان سے پہلی چیز جو نازل ہوئی وہ یہی ''بیت اللہ'' ہے جو مکہ میں رکھا گیا اور یہ یاقوتِ سُرخ کا تھا۔ جب نوح علیہ السلام کی قوم نے فسق و فجور کیا تو اسے اُٹھا لیا گیا۔ اور حضرت ابراہیمؑ نے اسی کی بنیادوں پر تعمیرِ نو کا کام شروع کر دیا[1]

کعبہ کی قدامت کو غیروں نے بھی تسلیم کیا ہے ''یہ وہ معبد ہے جس کی قدامت عہد تاریخ سے پہلے کی ہے۔'' (محمد اینڈ محمدازم ص ۱۶۶)

* حضرت ابراہیمؑ کی دعاء کہ مالک تو اپنے فضل و کرم سے اس حقیر عمل کو قبول فرمالے ''یہی باطنی احساس مومن کے عمل کو معراجِ قبول تک پہنچا دیا کرتا ہے'' (ملخّص، از فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۲۸۔۱۲۹

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً
لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ
الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا
عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ

---

[1] تفسیر انوار النجف ج ۲۔ص ۱۷۸

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾

ترجمہ

(۱۲۸) اے ہمارے پالنہار! ہم دونوں کو اپنا ''مُسلم'' (مطیع وفرماں بردار) بنادے۔ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی قوم کو اُٹھا (پیدا کر) جو تیری ''مسلم'' (فرماں بردار) ہو۔ اور ہمیں اپنی اطاعت کے طریقے (آنکھوں سے) دکھادے۔ اور ہماری طرف خصوصی توجہ مبذول فرما۔ یقیناً تو بڑا توجہ فرمانے والا مہربان ہے۔

(۱۲۹) اے ہماری پرورش کرنے والا مالک! اور اُن میں سے خود اُنہیں میں کا ایک ایسا رسولؐ بھیجنا جو اُنہیں تیری آیتیں پڑھ (پڑھ) کر سُنائے، اُن کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور اُن کے اخلاق کو بھی دُرست کر کے اُن کی زندگیاں سنوار دے۔ بیشک تو زبردست اقتدار والا، بڑا حکمت والا ہے۔

تفسیر

آیت ۱۲۸:

''مُسْلِمَ'' کے معنی ''سراطاعت سے جھکا دینے والا'' اور ''مَنَاسِكَ'' کے معنی ''تمام عبادت کے طریقے'' اور ''توبہ'' کے معنی خدا کی طرف توجہ کرنا'' کیونکہ گناہ بھی خدا ہی کی توجہ سے معاف ہوتا ہے اس لیے گناہ کی معافی مانگنے کو بھی توبہ کہتے ہیں۔ لیکن جب کوئی بے گناہ توبہ کرتا ہے تو اس کا مطلب خاص توجہ، اخلاصِ عبدیت، رحمتِ خصوصی اور توجہ کی زیادتی کے ہوتے ہیں۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی توبہ کے یہی معنی ہیں۔ (فصل الخطاب)

آیت ۱۲۹:

''رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا'' اس سے مراد حضرت محمد مصطفٰے ﷺ ہیں کیونکہ دعاء مانگنے والے حضرت ابراہیمؑ وحضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد سے سوائے آنحضرتؐ کے اور کوئی نبی ہوا ہی نہیں اور حضورؐ کا ارشاد بھی ہے کہ میں ابراہیمؑ کی دعا اور عیسیٰؑ کی بشارت کا مصداق ہوں۔ (تفسیر انوار النجف جلد ۲۔ص ۱۷۸)

*محققین نے نتیجہ نکالا ہے کہ (۱) نبیؐ (معاذ اللہ) صرف ڈاکیہ نہیں ہوتا بلکہ مبلغِ اعظم، معلمِ اعظم، حکمت

ودانائی کی انتہا پر رہنمائے اعظم، مصلحِ اعظم ہوتا ہے۔(۲) نیز ہدایت کے لیے کتاب کافی نہیں ہوتی۔(معلمِ کتاب کا ہونا ضروری ہے)(تفسیر ماجدی)

آیت نمبر ۱۳۰۔۱۳۲

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

ترجمہ

(۱۳۰) اب کون ہوگا جو ابراہیمؑ کے طریقے سے نفرت کرے؟ سوا اُس کے جس نے خود کو بیوقوف بنا رکھا ہو۔(ابراہیمؑ تو وہ شخص ہیں) جنہیں ہم نے دنیا میں اپنے کام کے لیے چُن لیا تھا اور آخرت میں تو اُن کا شمار صالحین (نیک لوگوں) میں ہوگا۔

(۱۳۱) (ابراہیمؑ کی فرماں برداری کا یہ حال تھا کہ) جب اُن کے پروردگار نے اُن سے کہا ''مسلم'' ہو کر سر جھکا دو'' تو اُنہوں نے فوراً عرض کیا: میں نے مسلم ہو کر اپنا سر تمام جہانوں کے مالک پالنے والے کے لیے جھکا دیا''۔

(۱۳۲) اور ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو بھی اسی طریقے پر چلنے کی ہدایت کی تھی اور اسی بات کی وصیّت یعقوبؑ بھی اپنی اولاد کو کر گئے تھے کہ اے میرے بیٹو! بیشک اللہ نے تمہارے لیے یہی

دین (اسلام) پسند فرمایا ہے۔اس لیے مرتے دم تک ''مسلم'' (خدا کے فرماں بردار) رہنا۔

تفسیر

آیت ۱۳۰:

(وَمَنْ یَّرْغَبُ) اس آیت میں ملت ابراہیمؑ کی پیروی کی دعوتِ عام ہے کیونکہ اس ملت میں نفوس اِنسان کی تربیت کا ایسا مکمل طریقہ ہے کہ جس سے اعراض کرنا کسی صاحبِ عقل سلیم کے لیے جائز نہیں ہے۔اس مقام پر بنی اسرائیل کو بالخصوص متوجہ کیا گیا ہے کہ اپنے باپ کی ملّت کو چھوڑ کر کس طرف جاتے ہو؟ حالانکہ وہ مصطفٰے (اللہ کے منتخب ہیں) اور صالحین میں بھی اُن کا شمار ہے۔اسی طرح سرکارِ ردوعالم جناب رسالت مآبؐ کی طرف خطاب کا رُخ موڑ کر اللہ نے تا قیامت مسلمانوں کو بھی پیغام ہدایت دیا ہے کہ خبردار ملّتِ ابراہیمؑ کو نہ چھوڑ دینا۔''سَفِهَ نَفْسَهٗ'' یعنی ملت ابراہیمؑ سے اعراض کرنے والے سوائے بیوقوفوں اور اپنے نفوس کو ہلاک کرنیوالوں کے اور کون ہوسکتا ہے۔جبکہ ابراہیمؑ اور یعقوبؑ اپنے بیٹوں، ذریت، کو اس کی وصیت بھی فرمارہے ہیں کہ اس دین اسلام کو موت تک نہ چھوڑنا۔(تفسیر انوار النجف ج ۲۔ص ۱۸۱۔ملخص)

آیت نمبر ۱۳۳۔۱۳۴

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

ترجمہ

(۱۳۳) کیا تم لوگ اُس وقت موجود تھے کہ جب یعقوبؑ پر موت کا وقت تھا، جب اُنہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ اُنہوں نے جواب دیا ''ہم اُسی خدا کی عبادت کریں گے جو آپ کا معبود ہے اور آپ کے باپ، دادا، ابراہیم، اسمٰعیل اور اسحاق کا بھی معبود واحد اور یکتا ہے اور ہم اُسی کے 'مسلم' (اطاعت گذار) ہیں۔

(۱۳۴) یہ کچھ (عظیم) لوگ تھے جو گذر گئے۔ اُنہوں نے جو کمایا (عمل کیا) وہ اُن کے لیے ہے، اور تم جو کچھ کماؤ گے وہ تمہارے لیے ہوگا۔ اور تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کچھ کیا کرتے تھے؟

تفسیر

آیت ۱۳۳:

''اِلٰهَ اٰبَآئِكَ'' جب حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو جمع کر کے دریافت فرمایا تھا کہ تم کس کی عبادت کرو گے بعد میرے؟ تو اُنہوں نے عرض کیا تھا کہ آپ کے معبود کی اور آپ کے ''آباء'' باپ دادا ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ کے معبود کی۔ یہاں لفظ آباء سے مراد باپ، دادا اور چچا لیے گئے ہیں کیونکہ حضرت ابراہیمؑ حضرت یعقوبؑ کے دادا تھے اور حضرت اسماعیلؑ اُن کے چچا تھے اور حضرت اسحٰقؑ اُن کے والد تھے۔ پس قرآن کی اس اصطلاح سے معلوم ہوا کہ باپ (اَب) کا لفظ دادا، چچا اور باپ، ہر ایک کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا مذہب امامیہ کا اعتقاد ہے کہ نبی و امام کے والدین کافر نہیں ہو سکتے۔ پس جن مقامات پر حضرت ابراہیمؑ کا ''اَب'' آذر'' بتلایا گیا ہے جو ''مشرک اور بُت پرست تھا، اُس سے ''چچا'' مراد ہے اور آذر'' حضرت ابراہیمؑ کا نسب میں چچا تھا، اُن کے والد کا نام ''تارخ'' تھا۔ (تفسیر انوار النجف جلد ۲ ص ۱۸۲)

آیت ۱۳۴:

''تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ'' اس آیت میں ان لوگوں کے عقیدے کی تردید ہے جو اپنے باپ، دادا کے کارناموں پر فخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُن کا عمل ہمارے بخشوانے کے لیے کافی ہے۔ ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمے دار ہے۔ اور تفسیر بیضاوی میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''ایسا نہ ہو کہ بروزِ محشر باقی لوگ اپنے اعمال کو ساتھ

لائیں اور تم اپنے انساب کا سہارا لے آؤ''(بحوالہ انوار النجف ج ص ۱۸۳) محققین نے نتائج اخذ کیے ہیں کہ(۱) بزرگانِ دین سے صرف تعلق جو بغیر اتباع کے ہو بیکار ہے(۲) انسان اچھے بُرے اعمال کا خود ذمے دار ہے۔(۳۱) اچھے برے عمل انسان انجام دیتا ہے خدا نہیں۔(۴) انسان کی اصل کمائی اُس کا عمل ہے، مال و دولت، اولاد یا نام و نمود نہیں۔

آیت نمبر ۱۳۵۔۱۳۶

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

ترجمہ

(۱۳۵) اور وہ (یہودی اور نصرانی) کہتے ہیں کہ ''یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو سیدھے راستے پر آ جاؤ گے۔ اُن سے کہہ دیجئے۔ نہیں، بلکہ ابراہیمؑ کا سیدھا سچا راستہ۔ اور (ابراہیمؑ) شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔

(۱۳۶) کہہ دو کہ ہم تو ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اُس پر جو ہمارے اوپر نازل کیا گیا ہے، اور اُس پر، جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اَسباط (اولاد یعقوب) پر اُتارا گیا تھا۔ اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا تھا، اور جو دوسرے انبیاءؑ کو اُن کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا تھا ہم تو ان سب کے

درمیان کوئی تفریق (فرق) ہی نہیں کرتے۔ اور ہم تو اللہ کے ''مسلم'' (یعنی اطاعت گذار، تابعِ فرمان) ہیں۔

تفسیر

آیت ۱۳۵:

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ: ''حنیف'' میں طہارت بھی ہے اور دس ۱۰ باتیں بھی ہیں۔ پانچ سر سے متعلق ہیں۔ (۱) لبیں کتروانا (۲) داڑھی نہ منڈوانا (۳) بال کتروانا۔ (۴) مسواک کرنا (۵) خِلال کرنا۔ (دانٹ صاف رکھنا) اور باقی پانچ جو جسم سے متعلق ہیں یہ ہیں۔ (۱) تمام جسم کے بال صاف کرنا (۲) ختنہ کرانا (۳) ناخن کٹوانا (۴) غسلِ جنابت کرنا (۵) پانی سے استنجاء کرنا (تفسیر عیاشی)

حنیف کے معنی: (۱) جو شخص گمراہی سے منہ پھیر کر ہدایت کی طرف توجہ کرے۔ (۲) سیدھا راستہ (۳) اسلام کی طرف پوری پوری توجہ کرنا۔ (۴) یکسوئی۔ یعنی ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف خدا کی اطاعت اور غلامی اختیار کرنا۔

آیت نمبر ۱۳۷ تا ۱۳۹

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۠ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

ترجمہ

(۱۳۷) اب اگر وہ اسی طرح ایمان لے آئیں جیسے تم ایمان لائے، تو وہ بھی ہدایت پا جائیں گے۔ اور اگر وہ اس (اسلام کے راستے) سے منہ پھیر لیں تو لازمی طور پر وہی پھوٹ ڈالنے والے، ہٹ دھرمی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس صورت میں اللہ اُن کے مقابلے میں تمہاری مدد کے لیے کافی ہے۔ اور وہ تو بڑا سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ (یعنی اسلام خدا کی اطاعت)

(۱۳۸) (غرض) ہم تو اللہ کے رنگ پر ہیں۔ اور اللہ سے اچھا کس کا رنگ ہوگا؟ اور ہم تو اُسی کی بندگی کرنے والے اطاعت گذار ہیں۔

(۱۳۹) کہہ دیجئے کہ کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ وہی تو ہمارا بھی پالنے والا ہے اور تمہارا بھی پالنے والا مالک ہے۔ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں۔ بیشک ہم تو اُس کی خالص بندگی (غلامی۔ اطاعت) کرنے والے ہیں۔

تفسیر

آیت ۱۳۸:

عیسائی اپنے بچے کو بتسمہ دیتے ہیں جو غسل ہوتا ہے زرد رنگ کے پانی سے اگر اس غسل کے بغیر بچہ مر جائے تو عیسائیوں کے قبرستان میں دفن نہیں کرتے کیونکہ وہ عیسائی نہیں سمجھا جاتا۔ مگر اسلام کیونکہ دین فطرت ہے اس لیے ہر بچہ ہمارے نزدیک مسلمان پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ خدا کا دیا ہوا رنگ ہے۔ جس طرح رنگ کا اثر رنگی ہوئی چیز پر ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح محمدؐ و آلِ محمدؐ کی محبت کا رنگ محبت کرنے والوں کے طرزِ عمل سے ظاہر ہوتا ہے (صافی ص ۴۸)

مطلب یہ ہے کہ عیسائیوں کی طرح کسی خاص منصوعی رنگ میں رنگا جانا کوئی دین کی ضرورت نہیں۔ ہمیں ایسے کسی مصنوعی رنگ کی ضرورت نہیں۔ رنگ کے معنی اثرات ہیں۔ یعنی اللہ کے ماننے کے بعد جو اثرات فکر و عمل پر مرتب ہوتے ہیں وہی اللہ کا رنگ ہے۔ جو مکارم اخلاق یعنی کردار کی بلندی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

آیت ۱۳۹:

نَحْنُ لَهُ مُخْلِصُوْنَ: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ: خالص عمل وہ ہے جس سے تجھے دوسرے

کی رضا مندی مطلوب نہ ہو، بلکہ صرف اللہ کی رضا مندی ہی مقصود خاطر ہو۔ (تفسیر انوار النجف ج ۲ ص ۱۸۴)

آیت نمبر ۱۴۰۔۱۴۱

اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطَ كَانُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى ؕ قُلۡ ءَاَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَتَمَ شَهَادَةً عِنۡدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَلَكُمۡ مَّا كَسَبۡتُمۡ ۚ وَلَا تُسۡـَٔـلُوۡنَ عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۱﴾

ترجمہ

(۱۴۰) (پھر) کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب اور اسباطِ (اولادِ یعقوب) یہودی یا عیسائی تھے؟ کہہ دیجئے کہ تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اُس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جس کے ذمّے اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو، اور وہ اُسے چھُپائے؟ جبکہ اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے۔

(۱۴۱) وہ کچھ لوگ تھے، جو گذر چکے، اُن کے لیے وہ ہے جو اُنہوں نے کیا اور تمہارے لیے وہ ہے جو تم کرو گے تم سے اُن کے اعمال کے بارے میں کوئی سوال ہی نہیں کیا جائے گا۔ (لہٰذا) [1]

---

[1] (اُن کے بارے میں جھگڑتے رہنے سے کیا حاصل؟ تم اپنی فکر کرو اور اللہ کی گواہی دے کر اُس کی بندگی کی زندگی اختیار کرو۔ تم صرف اُن کی اولاد ہونے کی بناءِ پر نجات نہیں پا سکتے)

تفسیر

آیت ۱۴۰:

''سبْطَ'' کی جمع ''اَسْبَاط'' ہے۔اس کے معنی پھیلاؤ کے ہوتے ہیں۔لمبے بالوں کو ''سبط'' کہتے ہیں۔سخی اسی لئے ''سبط الکفین'' لمبے ہاتھوں والا کہتے ہیں۔پوتے و نواسے کو بھی ''سبط'' کہتے ہیں۔کیونکہ بیٹوں کے بیٹے ہونا اولاد کا پھیلاؤ ہے اس لیے ''اسباط'' کے معنی پوتوں ونواسوں کے ہوتے ہیں (القرآن المبین) (سبط۔زیادہ تر نواسے کے لیے مخصوص ہے جس طرح ''حفِیدٌ'' پوتے کے لیے مخصوص ہے۔) المنجد۔

آیت ۱۴۱:

دوبارہ اس حقیقت کو بتایا گیا ہے کہ اسلاف کے کارناموں پر فخر کرنا اور اُن کے کردار کی بلندی کی بیساکھیوں پر خود کو بلند کرنے کی کوششیں کرنا بیکار ہے۔تم کو تمہارے کارناموں کے مطابق اَجر ملے گا۔بقول اقبال:

تھے تو آباءَ وہ تمہارے ہی ، مگر تم کیا ہو؟
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو

(بحمداللہ پہلا پارہ مع ترجمہ ومختصراً تفسیر ختم ہوا)



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سَیَقُوۡلُ

تفسیرِ مُبین

خلاصۃُ التفاسیر

پارہ نمبر (۲)

مختلف مکاتبِ فکر، قدیم وجدید، اہم تفاسیر کا خلاصہ
اور آسان اُردو ترجمہ

از

ڈاکٹر محمد حسن رضوی

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب۔۔۔

فہرست مضامین

عنوانات	نمبر شمار
سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ	11
آیت نمبر ۱۴۲	11
ترجمہ	11
تفسیر	11
آیت نمبر ۱۴۲:	11
آیت نمبر ۱۴۳	12
ترجمہ	12
تفسیر	13
آیت ۱۴۳:	13
آیت نمبر 144	14
ترجمہ	14
تفسیر	15
آیت ۱۴۴:	15
آیت نمبر ۱۴۵	15
ترجمہ	15
تفسیر	16
آیت ۱۴۵:	16
آیت نمبر ۱۴۶۔۱۴۷	16
ترجمہ	16
تفسیر	17
آیت ۱۴۶:	17
آیت نمبر ۱۴۸	17
ترجمہ	17
تفسیر	17
آیت ۱۴۸:	17
آیت نمبر ۱۴۹۔۱۵۰	18
ترجمہ	18
تفسیر	19
آیت ۱۵۰:	19
آیت نمبر ۱۵۱	19
ترجمہ	20
تفسیر	20
(آیت ۱۵۱):	20
آیت نمبر ۱۵۲	20
ترجمہ	20
تفسیر	20
آیت ۱۵۲:	20
آیت نمبر ۱۵۳	21
ترجمہ	22
تفسیر	22
آیت ۱۵۳:	22
آیت نمبر ۱۵۴	23
ترجمہ	23
تفسیر	23
آیت ۱۵۴:	23

آیت نمبر ۱۵۵	23
ترجمہ	24
تفسیر	24
آیت ۱۵۵:	24
آیت نمبر ۱۵۶	25
ترجمہ	25
تفسیر	25
آیت ۱۵۶:	25
آیت نمبر ۱۵۷	26
ترجمہ	26
تفسیر	26
آیت ۱۵۷:	26
آیت نمبر ۱۵۸	27
ترجمہ	27
تفسیر	27
آیت ۱۵۸:	27
آیت نمبر ۱۵۹	28
ترجمہ	28
تفسیر	28
آیت ۱۵۹:	28
آیت نمبر ۱۶۰۔۱۶۱	29
ترجمہ	30
تفسیر	30
آیت ۱۶۱:	30
آیت نمبر ۱۶۲	30
ترجمہ	31
تفسیر	31
آیت ۱۶۲:	31
آیت نمبر ۱۶۳	31
ترجمہ	31
تفسیر	32
آیت ۱۶۳:	32
آیت نمبر ۱۶۴	32
ترجمہ	32
تفسیر	33
آیت ۱۶۴	33
آیت نمبر ۱۶۵	34
ترجمہ	35
تفسیر	35
آیت ۱۶۵:	35
آیت نمبر ۱۶۶	35
ترجمہ	36
تفسیر	36
آیت ۱۶۶:	36
آیت نمبر ۱۶۷۔۱۶۸	37
ترجمہ	37
تفسیر	37
آیت ۱۶۸:	37

آیت نمبر ۱۶۹	38
ترجمہ	38
تفسیر	38
آیت ۱۶۹:	38
آیت نمبر ۱۷۰	38
ترجمہ	39
تفسیر	39
آیت ۱۷۰:	39
آیت نمبر ۱۷۱	39
ترجمہ	40
تفسیر	40
آیت ۱۷۱:	40
آیت نمبر ۱۷۲	40
ترجمہ	41
تفسیر	41
آیت ۱۷۲:	41
آیت نمبر ۱۷۳۔ ۱۷۴	41
ترجمہ	42
تفسیر	42
آیت ۱۷۴:	42
آیت نمبر ۱۷۵ تا ۱۷۷	42
ترجمہ	43
تفسیر	44
آیت ۱۷۷:	44
آیت نمبر ۱۷۸۔ ۱۷۹	46
ترجمہ	46
تفسیر	47
آیت ۱۷۹:	47
آیت نمبر ۱۸۰	47
ترجمہ	47
تفسیر	48
آیت ۱۸۰:	48
آیت نمبر ۱۸۱	48
ترجمہ	48
تفسیر	48
آیت ۱۸۱؛	48
آیت نمبر ۱۸۲	49
ترجمہ	49
تفسیر	49
آیت ۱۸۲:	49
آیت نمبر ۱۸۳	50
ترجمہ	50
تفسیر	50
آیت ۱۸۳:	50
آیت نمبر ۱۸۴	51
ترجمہ	51
تفسیر	51
آیت ۱۸۴:	51

آیت نمبر ۱۸۵	52
ترجمہ	52
تفسیر	53
آیت ۱۸۵:	53
آیت نمبر ۱۸۶	54
ترجمہ	54
تفسیر	54
آیت ۱۸۶:	54
آیت نمبر ۱۸۷	55
ترجمہ	55
تفسیر	56
آیت ۱۸۷:	56
آیت نمبر ۱۸۸	57
ترجمہ	57
تفسیر	57
آیت ۱۸۸:	57
آیت نمبر ۱۸۹	58
ترجمہ	58
تفسیر	58
آیت ۱۸۹:	58
آیت نمبر ۱۹۰۔۱۹۱	59
ترجمہ	60
تفسیر	60
آیت ۱۹۱:	60
آیت نمبر ۱۹۲۔۱۹۳	61
ترجمہ	61
تفسیر	61
آیت ۱۹۳:	61
آیت نمبر ۱۹۴۔۱۹۵	62
ترجمہ	62
تفسیر	63
آیت ۱۹۵:	63
آیت نمبر ۱۹۶	63
ترجمہ	64
تفسیر	64
آیت ۱۹۶:	64
آیت نمبر ۱۹۷	65
ترجمہ	65
تفسیر	65
آیت ۱۹۷:	65
آیت نمبر ۱۹۸	66
ترجمہ	66
تفسیر	66
آیت ۱۹۸:	66
آیت نمبر ۱۹۹	67
ترجمہ	67
تفسیر	67
آیت ۱۹۹:	67

آیت نمبر ۲۰۰	68
ترجمہ	68
تفسیر	68
آیت ۲۰۰:	68
آیت نمبر ۲۰۱ تا ۲۰۳	69
ترجمہ	69
تفسیر	70
آیت ۲۰۳:	70
آیت نمبر 204	70
ترجمہ	70
تفسیر	71
آیت ۲۰۴:	71
آیت نمبر ۲۰۵	71
ترجمہ	71
تفسیر	71
آیت ۲۰۵:	71
آیت نمبر ۲۰۶۔۲۰۷	72
ترجمہ	72
تفسیر	72
آیت ۲۰۷:	72
آیت نمبر ۲۰۸	73
ترجمہ	73
تفسیر	73
آیت ۲۰۸:	73
آیت نمبر ۲۰۹۔۲۱۰	73
ترجمہ	74
تفسیر	74
آیت ۲۱۰:	74
آیت نمبر ۲۱۱	74
ترجمہ	74
تفسیر	75
آیت ۲۱۱:	75
آیت نمبر ۲۱۲	75
ترجمہ	76
تفسیر	76
آیت ۲۱۲:	76
آیت نمبر ۲۱۳	76
ترجمہ	77
تفسیر	77
آیت ۲۱۳:	77
آیت نمبر ۲۱۴	78
ترجمہ	78
تفسیر	79
آیت ۲۱۴:	79
آیت نمبر ۲۱۵	79
ترجمہ	80
تفسیر	80
آیت ۲۱۵:	80

آیت نمبر ۲۱۶	80	آیت نمبر ۲۲۹	90
ترجمہ	81	ترجمہ	91
تفسیر	81	تفسیر	91
آیت ۲۱۶:	81	آیت ۲۲۹:	91
آیت نمبر ۲۱۷	81	آیت نمبر ۲۳۰۔۲۳۱	92
ترجمہ	82	ترجمہ	92
تفسیر	82	تفسیر	93
آیت ۲۱۷:	82	آیت ۲۳۱:	93
آیت نمبر ۲۱۸۔۲۱۹	83	آیت نمبر ۲۳۲	93
ترجمہ	83	ترجمہ	94
تفسیر	84	تفسیر	94
آیت ۲۱۹:	84	آیت ۲۳۲:	94
آیت نمبر ۲۲۰ تا ۲۲۳	85	آیت نمبر ۲۳۳	94
ترجمہ	86	ترجمہ	95
تفسیر	87	تفسیر	96
آیت ۲۲۳:	87	آیت ۲۳۳:	96
آیت نمبر ۲۲۴ تا ۲۲۷	88	آیت نمبر ۲۳۴	96
ترجمہ	88	ترجمہ	97
تفسیر	89	تفسیر	97
آیت ۲۲۷:	89	آیت ۲۳۴:	97
آیت نمبر ۲۲۸	89	آیت نمبر ۲۳۵	97
ترجمہ	89	ترجمہ	98
تفسیر	90	تفسیر	98
آیت ۲۲۸:	90	آیت ۲۳۵:	98

آیت نمبر ۲۳۶	98
ترجمہ	99
تفسیر	99
آیت ۲۳۶:	99
آیت نمبر ۲۳۷۔۲۳۸	100
ترجمہ	100
تفسیر	101
آیت ۲۳۸:	101
آیت نمبر ۲۳۹۔۲۴۰	101
ترجمہ	102
تفسیر	102
آیت ۲۴۰:	102
آیت نمبر ۲۴۱	102
ترجمہ	103
تفسیر	103
آیت ۲۴۱:	103
آیت نمبر ۲۴۲۔۲۴۳	103
ترجمہ	104
تفسیر	104
آیت ۲۴۳:	104
آیت نمبر ۲۴۴۔۲۴۵	104
ترجمہ	105
تفسیر	105
آیت ۲۴۵:	105
آیت نمبر ۲۴۶	105
ترجمہ	106
تفسیر	106
آیت ۲۴۶:	106
آیت نمبر ۲۴۷	107
ترجمہ	107
تفسیر	107
آیت ۲۴۷:	107
آیت نمبر ۲۴۸ تا ۲۵۱	108
ترجمہ	109
تفسیر	110
آیت ۲۵۱:	110
آیت نمبر ۲۵۲	111
ترجمہ	111

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پارہ نمبر ۲

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ

آیت نمبر ۱۴۲

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾

ترجمہ

بہت جلد بے وقوف لوگ کہیں گے کہ، آخر کس چیز نے ان لوگوں کو اس قبل کی طرف سے پھیر دیا جس پر لوگ (پہلے) تھے؟ کہہ دیجئے کہ مشرق و مغرب سب اللہ ہی کے ہیں۔ وہ (اللہ) جسے چاہتا ہے سیدھے راستے پر لگا دیتا ہے۔

تفسیر

آیت نمبر ۱۴۲:

بے عقلوں کے معنی (۱) بدعقل، کم عقل (راغب)

(۲) احکامِ الٰہی پر اعتراض کرنے والے۔ (۳) یہودی (بخاری شریف) (۴) منافقین (ابن جریر عن سدی) تمام کفار (تفسیر کبیر)

حضرت امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکریؑ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ مکہ میں بیت المقدس کی سمت رُخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے، اِس طرح کہ کعبہ کو درمیان لے لیا کرتے تھے مدینہ پہنچ کر بھی ۱۷ مہینے تک بیت المقدس ہی کی سمت نماز پڑھتے رہے آپؐ نے سمت نماز کے بدلنے کی دعا کی، ابھی دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ یہ حکم پہنچا کہ ''اے رسولؐ

! ہم تمہارا آسمان کی طرف چہرے کے رُخ کرنے کو ضرور دیکھ رہے ہیں'' جب حضورؐ نے عالمِ نماز میں بیت المقدس سے مکہ کی طرف رخ فرمالیا تو یہودیوں نے یہی اعتراض کیا جس کا ذکر اِس آیت یں ہے۔ خدا نے جواب دیا کہ ''سب مشرق ومغرب اللہ ہی کے تو ہیں۔'' تو وہ جس سمت کو چاہے قبلہ مقرر فرمائے۔ یہ قبلہ کا تعین مرکزیت کے لیے تھا ورنہ خدا کوئی جسم نہیں رکھتا کہ اُسکی طرف رُخ کیا جائے۔ (احتجاج طبرسیؒ)

☆ تحویلِ قبلہ کا یہ حم پیر کے دن ۲ھ بدر کی لڑائی سے دو ماہ قبل آیا۔ اُس وقت رسولؐ خدا مدینہ سے ۱/۲ ۱ کوس دور ایک مسجد میں نماز جماعت پڑھا رہے تھے حضورؐ نے اپنا رُخ کعبہ کی طرف موڑ لیا۔ آپؐ کے ساتھ حضرت علیؑ اور بعض دیگر اصحاب نے بھی پہلی دو رکعتیں بیت المقدس کی طرف اور بقیہ دو رعتیں کعبہ کی طرف پڑھیں اسی لیے اس مسجد کو ذو قبلتین یعنی دو قبلوں والی مسجد کہتے ہیں (تفسیر صافی ص ۲۹)

آیت نمبر ۱۴۳

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

ترجمہ

اور اسی طرح ہم نے تمہیں عدل وانصاف پر مبنی راہِ عمل اختیار کرنے والا قرار دیا۔ تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہوں۔ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم پر گواہ ہوں، اور آپ پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے صرف اس

لئے مقرر کیا تھا کہ کون (ہمارے) رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیروی کرتا ہے اور کون اپنے الٹے پاؤں پھر جاتا ہے؟ یہ امتحان تھا تو بڑا مشکل مگر اُن لوگوں کے لیے نہیں جنہیں اللہ نے ہدایت (و معرفت) سے نوازا، اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تمہارا ایمان (یونہی) ضائع کردے، بیشک اللہ لوگوں پر بڑی شفقت فرمانے والا مہربان ہے۔

تفسیر

آیت ۱۴۳:

اُمۃ: لغت میں اُمۃ کے معنی گروہ کے ہیں اور قرآن میں اُمۃ کا لفظ ایک شخص کے لیے بھی بولا گیا ہے۔ اور امام کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ مثلاً ارشاد ہوا: اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ (سورۃ نحل آیت ۱۲۰)

یعنی ''بیشک ابراہیمؑ ایک امت تھے خدا کے فرمانبردار مخلص تھے (یا) ابراہیمؑ امام تھے۔'' اور وسط کے معنی معتدل آدمی کے ہیں۔ یعنی جو افراط سے پاک ہوں۔ نہ وہ حق سے منحرف ہو اور نہ باطل کی طرف مائل ہونے والے ہوں۔ یہی صفت حضرت رسولِ خداؐ کی امت کے لیے واجب کی گئی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس کا حقیقی اور اولین معنی میں اطلاق پوری امت پر نہیں ہوسکتا۔ کونکہ امت میں ہر قسم کے لوگ ہیں۔ نیک بھی ہیں اور بد بھی اس لیے اس امۃ وسطا یعنی ''معتدل گروہ'' یا عدو انصاف پر مبنی راہِ عمل اختیار کرنے والا'' کا اطلاق اولین اور مکمل طور پر ان لوگوں پر ہوگا جن کی زندگی کا ہر قول اور ہر عمل افراط و تفریط سے بالکل پاک ہوگا وہی معصوم بھی ہوں گے اور امام بھی، اور اُنھیں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ امت کے اعمال پر گواہ بھی ہوں اور حضرت رسولِ خداؐ اُن پر گواہ ہوں۔ (اصول ۱۱۳ طبع نولکشور)

تفسیر لوامع التنزیل جلد ۲۔ بروایت حضرت علیؑ و سلیم بن قیس الہلالی)

امت وسط کے دوسرے معنی ہیں، ایسا گروہ جو معتدل طریقہ زندگی رکھتا ہو۔ جو ہر کجی، اور افراط و تفریط سے پاک ہو۔ عربی زبان میں معتدل گروہ تعریف کے لیے آتا ہے۔ (ابن جریر۔ بیضاوی)

عرفا و فقہاء نے نتیجے نکالے (۱) تمام اہل قبلہ درجہ ضروری تک راہِ ہدایت پر ہیں۔ (۲) اہل قبلہ کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔ (۳) قبلہ کوئی ہو اصل ثواب تعمیلِ حکم پر ملتا ہے۔ جنہوں نے اس سے پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی وہ بھی درست تھی کہ اُس وقت بیت المقدس ہی کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم تھا۔ (۴) کوئی سمت مقدس نہیں۔ صرف حکم خدا مقدس ہے۔ بقول اقبالؔ

مومن تو فقط حکم الٰہی کا ہے پابند
تقدیر کے پابند نباتات و جمادات

(۵) اور آخر میں خدا کا خود کو نہایت شفیق اور بے حد رحم کرنے والا فرمانا ہے کہ قبلہ کی تبدیلی کا حکم خدا کی رحمت سے ہے۔

آیت نمبر 144

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

ترجمہ

(اے حبیب!) ہم بار بار آپ کے رُخِ انور کا آسمان کی طرف پلٹنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم ضرور بالضرور آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں، پس آپ اپنا رخ ابھی مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیجئے، اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو پس اپنے چہرے اسی کی طرف پھیر لو، اور وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی ہے ضرور جانتے ہیں کہ یہ (تحویلِ قبلہ کا حکم) ان کے رب کی طرف سے حق ہے، اور اللہ ان کاموں سے بے خبر نہیں جو وہ انجام دے رہے ہیں۔

تفسیر

آیت ۱۴۴:

۱۔ عرفاء نے نتیجہ نکالا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بار بار آسمان کو دیکھنا بتاتا ہے کہ اگر چہ خدا کسی سمت میں نہیں ہے مگر خدا کی خاص تجلیات کا تعلق آسمان سے ہے۔ محققین نے لکھا کہ ''سخت بے چینی کے وقت آسمان کی طرف منہ کر کے دعاء کرنا موجباتِ قبول میں سے ہے''۔

آیت نمبر ۱۴۵

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

ترجمہ

اور اگر آپؐ اہلِ کتاب کے سامنے سارے ہی معجزے کیوں نہ پیش کر دیں پھر بھی وہ آپؐ کے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ آپؐ ہی اُن کے قبلے کی پیروی کرنے والے ہیں اور وہ خود بھی ایک دوسرے کے قبلے کے پیرو نہیں۔ اور اِس علم کے بعد جو ہمارے پاس آ چکا ہے اگر آپؐ نے اُن کی خواہشات کی پیروی کی، اے تو بِلاشُبہ آپؐ حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہوں گے۔

تفسیر

آیت ۱۴۵:

محققین نے نتیجہ نکالا کہ (۱) اللہ کے قانون میں کسی کے لیے رورعایت نہیں ہوتی۔ (۲) انبیاءؑ کے نفس میں بھی گناہوں کی صلاحیت ہوتی ہے مگر کیونکہ اُن کا تعلق خدا سے ہمہ وقت منسلک رہتا ہے اِس لیے خطا سے محفوظ اور گناہ سے معصوم ہوتے ہیں (۳) امام رازی نے نکتہ نکالا: کہ عالم کی سزا غیرِ عالم سے کہیں زیادہ ہے۔ (تفسیر کبیر)

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ:

بظاہر تو خطاب جناب رسالت مآبؐ سے ہے۔ مگر مراد تمام اُمتِ اسلامیہ ہے۔ (تفسیر انوار النجف ص ۱۹۳ جلد ۲)

آیت نمبر ۱۴۶۔۱۴۷

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۴۷﴾

ترجمہ

اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا فرمائی ہے وہ اس رسول (آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی شان وعظمت) کو اسی طرح پہچانتے ہیں جیسا کہ بلاشبہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، اور یقیناً انہی میں سے ایک طبقہ حق کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے۔

(اے سننے والے!) حق تیرے رب کی طرف سے ہے سو تو ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

تفسیر

آیت ۱۴۶:

حضرت امام جعفر صادق علہ السلام سے روایت ہے کہ ''یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی' کیونکہ توریت اور انجیل میں حضرت رسولِ خداؐ کے سچے ہونے اور ہجرت فرمانے کا ذکر آچکا تھا۔ اِس لیے وہ لوگ حضرت رسولِ خداؐ کو بہت اچھی طرح سے پہچانتے تھے۔'' (تفسیر قمیؒ)

آیت نمبر ۱۴۸

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾

ترجمہ

اور ہر ایک کے لئے توجہ کی ایک سمت (مقرر) ہے وہ اسی کی طرف رُخ کرتا ہے پس تم نیکیوں کی طرف پیش قدمی کیا کرو، تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تم سب کو جمع کر لے گا، بیشک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔

تفسیر

آیت ۱۴۸:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''یہ آیت (اولین معنی میں) قائم آلِ محمدؐ (حضرت امام مہدیؑ) کے اصحاب کی شان میں نازل ہوئی، جو رات کو اپنے اپنے بستروں پر غائب ہو جائیں گے اور صبح کو مکہ میں ہوں گے۔ اور اُن میں سے بعض دن دہاڑے بادلوں کی (جیسی) سواریوں پر جائی گے۔ اور ہم اُن میں سے ہر

ایک کے نام اور اُن کے باپ کا نام اُن کی صورت شکل حسب نسب پہچانتے ہیں۔" (تفسیر صافی ص ۵۰)

(نوٹ) اِس حدیث میں ہوائی سفر کا واضح حوالہ موجود ہے۔

غرض تکوین اور تشریعی دونوں حیثیتوں سے اللہ نے انسان کے حالات مختلف رکھے ہیں جس طرح دنیا کے لوگ بھی مختلف پیشے اور کام اختیار کیے ہوئے ہیں اسی طرح دینی خدمات میں بھی کوئی علم حدیث پر کام کر رہا ہے، تو کوئی تفسیر قرآن پر، تو کوئی فقہی مسائل اخذ کر رہا ہے تو کوئی اصولِ دین کی ترجمانی کر رہا ہے۔ یہ سب مختلف طریقے ہی اللہ کی طرف۔ اب جو شخص جس طریقے سے بھی اللہ کی خوشی کی خاطر کام کرے گا اللہ اُس کو اُس کی نیت اور کوشش کے مطابق اجر دے گا (ماجدی)

آیت نمبر ۱۴۹۔۱۵۰

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَإِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ لا لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ق إِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ق فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ق وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

ترجمہ

اور تم جدھر سے بھی (سفر پر) نکلو اپنا چہرہ (نماز کے وقت) مسجدِ حرام کی طرف پھیر لو، اور یہی تمہارے رب کی طرف سے حق ہے، اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔

اورتم جدھر سے بھی (سفر پر) نکلو اپنا چہرہ (نماز کے وقت) مسجدِ حرام کی طرف پھیرلو، اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہوسو اپنے چہرے اسی کی سمت پھیرلیا کروتا کہ لوگوں کے پاس تم پر اعتراض کرنے کی گنجائش نہ رہے سوائے ان لوگوں کے جوان میں حد سے بڑھنے والے ہیں، پس تم ان سے مت ڈرو مجھ سے ڈرا کرو، اس لئے کہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کردوں اور تا کہ تم کامل ہدایت پاجاؤ۔

تفسیر

آیت ۱۵۰:

ازہری نے لکھا کہ ''وہ دلیل جس سے انسان کو کامیابی حاصل ہو اُس کو حجت کہتے ہیں۔ اور دلیل کو حجّت اس لیے کہتے ہیں کہ اُس کے ذریعے دشمن پر کامیابی حاصل ہوتی ہے آیت میں الفاظ کی تکرار (۱) تاکیداً ہے جو اہلِ عرب کا عام دستور ہے (کورت تاکیداً)۔ (بحر) ''من حیث۔۔۔'' اس کے بارے میں بعض نے لکھا ہے کہ پہلا حکم ''عام حکم'' ہے یعنی سفر یا حضر جہاں جس حال میں ہو نامز کعبہ کی طرف پڑھو۔ دوسرا حکم مکان کے لیے ہے یعنی دور، نزدیک، حاضر، غائب جہاں بھی ہو توجہ کعبہ کی طرف کرو۔

اہلِ لطائف اور اشارات نے لکھا ہے کہ ہر بار کے حکم سے ایک خاص اشارہ مقصود ہے (۱) پہلی بار سے مطلقِ حکم وجوب مراد ہے (۲) دوسری بار سے تقسیمِ آلات یعنی سفر ہو یا حضر (۳) تیسری بار سے تعمیمِ مکان یعنی نزدیک ہو یا دور (۴) چوتھی بار سے تعلیم ادب یعنی قبلہ رُو رہنے کا استحباب (۵) پانچویں بار سے توجہ قبلی مراد ہے (۶) چھٹی بار سے تاکید یعنی یہ حکم منسوخ ہونے والا نہیں۔

آیت نمبر ۱۵۱

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

ترجمہ

اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تمہیں میں سے (اپنا) رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں (نفسًا وقلبًا) پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ (اَسرارِ معرفت وحقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے،

تفسیر

(آیت ۱۵۱):

عرفاء نے نتیجہ نکالا کہ (۱) رسولؐ کی حیثیت صرف ڈاکیے کی نہیں ہوتی بلکہ پاک کرنے والے، معلم شارح، نمونہ عمل اور حاکم کی ہوتی ہے (۲) رسولؐ کی رسائی عالمِ حقیقت کی ان گہرائیوں تک ہوتی ہے جو علم وعقل، کشف و اشراق سب سے ماوراء ہیں۔ (مدارک)

آیت نمبر ۱۵۲

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾

ترجمہ

سو تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کیا کرو اور میری ناشکری نہ کیا کرو۔

تفسیر

آیت ۱۵۲:

امیر المومنین حضرت علیؑ ابنِ ابی طالبؑ نے ارشاد فرمایا: ''تم خدا کو ہر جگہ یاد کرو کیونکہ وہ ہر جگہ تمھارے ساتھ موجود ہے۔'' (الخصال)

☆ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ: ''خدا نے ارشاد فرمایا: ''اے آدمؑ کے بیٹے! تو میرا ذکر اپنے مجمع میں کر، میں تیرا ذکر اُس سے بہتر مجمع میں روں گا۔ یعنی فرشتوں کے مجمع میں۔ (تفسیر صافی ص ۵۰)

☆ ابوالائمہ حضرت علیؑ اور امام زین العابدین علیہما السلام سے روایت ہے کہ: ''جس نے الحمدللہ (سمجھ کر دل و دماغ سے) کہا، اُس نے خدا کی تمام نعمتوں کا (زبانی) شکر ادا کر دیا اور ہر نعمت کا (حقیقی اور عملی) شکر یہ ہے کہ خدا کی طرف سے جو کچھ حرام ہے اُس سے بچا جائے۔'' (تفسیر صافی ص ۵۰)

☆ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ: ''جو بلا خدا کی طرف سے نازل ہو اُس پر صبر واجب ہے اور جو فیصلہ خدا نے فرما دیا اُس کو تسلیم کرنا واجب ہے اور جو نعمت خدا کی طرف سے ملی اُس کا شُکر ادا کرنا واجب ہے۔'' (الخصال)

غرض کہ طاعت و عبادت کے ذریعے سے بندے کا اپنے مالک کو یاد کرنا یادِ الٰہی کو خاص وقت کے ساتھ محدود نہیں کرتا۔ بولتے، چلتے، کھاتے، پیتے، ملتے جلتے، سوتے جاگے، لیتے دیتے ہر حال میں رضائے الٰہی کو مقدم رکھنا سب سے بڑی یادِ الٰہی ہے۔

☆ اس کے علاوہ خدا کی آیتوں پر غور و فکر کرنا اور خدا کی عظمت و قدرت کا تفکر بھی خدا کو یاد کرنا ہے (امام جعفر صادق۔ خصائل)

اور خدا کا اپنے بندوں کو یاد کرنا یہی ہے کہ اُن پر دنیا و آخرت میں اپنے خاص فضل و کرم کی بارش کرے بندہ ادھر سے یاد میں لگا رہے، تو اُدھر سے سرفرازی ہوتی رہے گی۔ یہی اصل ثمرہ اور انعام ہے ذکر الٰہی کا۔ اگر یہ بات ہر وقت یاد رہے تو کبھی ذاکر و شاغل کو تشویش یا شکایت نہ ہوگی۔ (تھانوی)

خدا کے شکر ادا کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ: اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اللہ ہی کے کاموں اور اطاعتوں پر لگایا جائے۔ اور کفرِ نعمت کے معنی شرک و الحاد، شک، فسق و فجور، گناہ اور بدعت ہے۔ یہی ناشکری اور کفرانِ نعمت ہے۔ یعنی اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اُس کی نافرمانی میں لگانا۔

آیت نمبر ۱۵۳

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾

ترجمہ

اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے (مجھ سے) مدد چاہا کرو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ (ہوتا) ہے۔

تفسیر

آیت ۱۵۳:

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ: ''حضورِ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''جو شخص اپنی آبرو جانے یا اپنی بات کے بگڑ جانے پر مجبوراً صبر کرے اور لوگوں سے اُس کی شکایت نہ کرے' تو وہ عام صبر کرنے والوں میں شمار ہوگا اور اُس کا حصہ اِس بشارت میں (بقدرِ صبر) ہوگا۔ اور جو شخص خدا کی نازل کی ہوئی بلاء کو خوشی سے قبول کرے گا اور سکون وقرار کے ساتھ صبر کرے گا' اُس کا شمار خواص میں ہوگا اور اس کا (بڑا) حصہ اس خوشخبری میں ہوگا۔

نیز امامؑ نے رمایا: ''صبر سے مراد روزہ بھی ہے''۔ (مصباح الشریعۃ۔ تفسیر صافی ص ۵۰)

مقصد یہ ہے کہ ہجومِ مشکلات میں خدا سے تعلق جوڑے رکھو' اُس پر بھروسہ رکھو اُس کے آگے جُھکتے گرتے رہو۔ تجربہ اور مشاہدہ گواہ ہے کہ کسی طاقتور ہستی سے تعلق قائم ہونے پر دل کو زبردست تقویت ہوتی ہے۔ مثلاً خطرے کے وقت پولیس یا محافظ پہنچ جائے تو دل کو ڈھارس بندھ جاتی ہے۔ شدید بیماری کے وقت ڈاکٹر کے آنے سے ٹوٹی ہوئی آس پھر بندھ جاتی ہے۔

☆ صبرؔ کے معنی، تنگی وناخوشگواری میں خود کو ایسے اُمور سے روکے رکھنا جو خدا کو ناپسند ہیں (راغب)

صبرؔ اصطلاحِ شریعت میں نفس کو عقل پر غالب آنے سے روکنا ہوتا ہے۔ یعنی کسی حال میں دائرہ شریعت سے قدم باہر نہ نکالا جائے (راغب) مطلب یہ ہے کہ ہجومِ مشکلات میں گھبرا نہ جاؤ، دل کو قابو میں رکھو، دل کے بس میں نہ آجاؤ۔

صبرؔ ایک سلبی کیفیت ہے اور نمازؔ ایک ایجابی عمل ہے۔ غرض انفرادی اور اجتماعی دونوں کی فلاح کا راز ان دو چیزوں میں ہے کہ گناہ سے روکا جائے اور حکمِ خدا کی اطاعت کی جائے۔

☆ اور خدا کا یہ فرمانا کہ وہ صابرین کے ساتھ ہے، اِس حقیقت کے مراقبے سے بڑھ کر نہ تو روح

کے لیے کوئی لذیذ غذا ہوسکتی ہے اور نہ جراحتِ قلب کا اِس سے بہتر کوئی مرہم ہوسکتا ہے۔ خدا کی معیت جب صابروں کے یے ہے تو غازیوں کے لیے تو بدرجۂ اولیٰ ہوگی (روح)

آیت نمبر ۱۵۴

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

ترجمہ

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مت کہا کرو کہ یہ مُردہ ہیں، (وہ مُردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن تمہیں (ان کی زندگی کا) شعور نہیں۔

تفسیر

آیت ۱۵۴:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مومنین کی روح کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا: ''وہ جنت مین اپنی اصلی صورت جیسے جسموں میں اِس طرح رہتی ہیں کہ اگر تم اُن کو دیکھ لو تو پہچان لو گے۔'' (تفسیر صافی ص ۵۱)

اِس آیت کے اولین اور کامل ترین مصداق امام حسین علیہ السلام اور اُن کے ساتھی ہیں جو آیت کے ہر ہر لفظ سے ثابت ہے۔

آیت نمبر ۱۵۵

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ

الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۙ﴿۱۵۵﴾

ترجمہ

اور ہم ضرور بالضرور تمہیں آزمائیں گے کچھ خوف اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے، اور (اے حبیب!) آپ (ان) صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیں۔

تفسیر

آیت ۱۵۵:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جن آزمائشوں کا ذکر ہے وہی قائم آلِ محمدؐ کے ظہور کی علامتیں ہیں۔ اُن کے ظہور سے پہلے مومنین کا اِنھیں چیزوں سے امتحان ہوگا۔ خوف یعنی بنی اُمیہ کے جیسے بادشاہوں کا ہونا، بھوک، اُس زمانے کی منگائی ہوگی، نقصان تجارت اور فصلوں کے خراب اور کم ہو جانے کا نام ہے۔ موت طرح طرح کی ہوگی۔ پھلوں کا نقصان زراعت کے نقصان سے عبارت ہے۔ خوش خبری اُن لوگوں کے لیے جو اُن مصیبتوں کے علم میں قائم آلِ محمدؐ (امام مہدیؑ) کے ظاہر ہونے کا انتظار کریں گے۔ یہ جو ہم نے بیان کیا' یہ اِس آیت کی تاویل ہے (یعنی اولین معنی میں) اور خدا فرماتا ہے کہ: ''اس کی تاویل نہیں جانتا مگر اللہ اور وہ جو راسخون فی العلم یعنی علم میں انتہائی مضبوط ہیں۔'' (تفسیر صافی ص ۵۰)

برزخی زندگی تو ہر مومن کے لیے ہے مگر شہداء کے لیے وہ زندگی امتیازی اور خصوصی ہوگی ان میں آثارِ حیات دوسروں سے کہیں زیادہ ہوں گے۔ اس کی اس حیات کا ایک اثر جسدِ ظاہری تک بھی پہنچتا ہے اور یہ زندگی انبیاؑ اور ائمہؑ کے لیے اور بھی زیادہ مؤثر ہوگی حیاتِ شہداء کے معتقد یہود کے بعض فرقے بھی ہیں۔ (جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ۶ ص ۵۶۶)

☆ بعض عرفاء نے اِس آیت سے نتیجہ نکالا کہ شہید کے لیے غسل اور نمازِ جنازہ غیر ضروری ہیں کیونکہ اُن کی تطہیر تو شہادت سے ہو چکی (ابن عربی)

☆ مومنین کو بتایا جا رہا ہے کہ ان کی مصیبتیں عذاب نہیں' امتحان ہیں' اور امتحان بھی بہت سخت نہ ہوگا بشیء یعنی کچھ کہہ کر بتا دیا کہ جزو، قلیل سے متعلق ہوگا کل سے متعلق نہ ہوگا۔ ''خوف'' کے معنی مال عزت بلکہ ہر چیز کے ضائع ہونے کا خوف و ہراس۔ ''بھوک'' کے امتحان سے مراد: ہر حرام مال سے بچنا اور فقر و فاقے سے نہ ڈرنا۔

مالؔ کے امتحان سے مراد: رشوت، سود، خیانت اور غیر شرعی معاملات سے دُور رہنا۔ موت، بیماری، جہاد اور حادثات میں صبر سے کام لینا۔ ثمراتؔ سے مراد: اولاد بھی ہے اور تجارت و زراعت کے نقصانات بھی ہیں۔

☆ محققینؔ نے لکھا کہ عوام کا امتحان شرکِ جلی سے متعلق ہوتا ہے اور خواص کا امتحان شرکِ خفی سے ہوتا ہے۔ عرفاءؔ نے لکھا کہ ثابت ہوا کہ مجاہدہ اضطراری بھی نافع ہوتا ہے۔

نوٹ:۔ صبرؔ کے معنی: بے حس یا غم کو محسوس نہ کرنا نہیں ہوتا۔ صبر یہ ہے انتہائی غم میں بھی عقل کو نفس پر غالب رکھے، زبان سے خدا پر اعتراض نہ کرے'' نظر سبب اور اسباب پر، اُسکی مصلحت و حکمت پر اور اُسکی رحمت و شفقت پر رکھے۔ ؎

غم میں بھی قانونِ فطر سے میں کچھ بدظن نہیں
یہ سمجھتا ہوں کہ میرا دوست ہے دشمن نہیں

(اکبر)

آیت نمبر ۱۵۶

الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

ترجمہ

جن پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہتے ہیں: بیشک ہم بھی اللہ ہی کا (مال) ہیں اور ہم بھی اسی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں۔

تفسیر

آیت ۱۵۶:

''مصیبت'' کے معنی: ہر وہ چیز جو مسلمان کو ناگوار ہو۔ غرض ہر چھوٹا بڑا ناخوشگوار واقعہ اس میں داخل ہے۔

بیماری، مالی نقصان، دوستوں، عزیزوں کی موت ہر قسم کی بے عزتی چاہے چھوٹی ہو یا بڑی (بحر)

☆ اور جب یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ ہم خود بھی اور ہماری ہر چیز ہماری نہیں ہے: ''جو کچھ ہے سب خدا کا' وہم وگمان ہمارا''۔ تو پھر انسان کے سارے رنج وغم۔ درد وحسرت دُور ہو جاتے ہیں یہ تصور دل کو امن وسکون دے کر غم کو دُور یا ہلکا کر دیتا ہے۔ یہ عارفانہ تیر بہ ہدف نسخہ ہے جس کا کوئی جواب ممکن نہیں۔ اگر پورے قرآن میں صرف یہی آیت ہوتی تو خدا کے کلام ہونے کو ثابت کر دیتی۔ (ماجدی۔ تھانوی)

☆ ا۔ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں لکھا ہے کہ ہر مشکل امر اور مصیبت پر ناگواری اور تکلیف (کے وارد ہونے) پر یہی کلمہ زبان پر جاری فرماتے۔''

عرفاء نے لکھا کہ جس میں یہ اوصاف ہوں وہ اللہ کے نورِ اعظم میں ہوتا ہے۔ ا۔ توحید ورسالت سے تمسک ہو۔ ۲۔ مصیبت کے وقت کہنا۔ ۳۔ نعمت ملنے پر حمدِ خدا پڑھنا۔ ۴۔ گناہ سرزد ہونے پر استغفار پڑھنا۔ (تفسیر برہان)

آیت نمبر ۱۵۷

اُولٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌ‌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾

ترجمہ

یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے پے در پے نوازشیں ہیں اور رحمت ہے، اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

تفسیر

آیت ۱۵۷:

یعنی یہ لوگ عنایتِ خاصہ کے مستحق ہوں گے، اب جس نے خدا کی رحمتِ عامہ اور خاصہ کو پالیا تو اُس کے لیے دنیا اور آخرت کی کونسی نعمت بچ گئی؟ (روح) حضرت امام جعفر صادق ؑ نے فرمایا: ''خدا نے صابروں سے تین

چیزوں کا وعدہ فرمایا ہے۔(۱) صلوات یعنی خاص رحمتیں (۲) رحمت (۳) ہدایت یہ تینوں نعمتیں اتنی عظیم ہیں کہ ان میں سے ایک نعمت بھی عرش کے ملائکہ کو مل جائے تو وہ راضی ہو جائیں، پھر کچھ طلب نہ کریں۔'' (نور الثقلین)

آیت نمبر ۱۵۸

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ

بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، چنانچہ جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان دونوں کے (درمیان) چکر لگائے، اور جو شخص اپنی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو یقیناً اللہ (بڑا) قدر شناس (بڑا) خبردار ہے۔

تفسیر

آیت ۱۵۸:

''صفا'' کے معنی ہیں صاف پتھر یا خالص چٹان۔ اور مروۃ کے معنی ہیں سفید نرم پتھر۔ اور شعائر اللہ کے معنی اللہ کے دین کی خالص نشانیاں یا علامتیں (مدارک، کبیر) یا اس سے مراد: مناسکِ حج کی علامتیں ((ابنِ عربی)

''شاکر'' کا لفظ جب اللہ کے لیے آتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ بندے کی تھوڑی سی اطاعت پر بے حد و حساب معاوضہ دیتا ہے (معالم)

☆ صبر کے ذکر کے فوراً بعد حج کا ذکر شاید اس لیے بھی ہے کہ حج صبر کی مشق ہے۔

☆ حضرت امام صادقؑ سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: ''صفا اور مروہ دو پہاڑیوں کے

نام ہیں۔ایام جاہلیت میں مشرکین مکہ نے ان پر دو بُت رکھے تھے۔صفاؔ پر آساف نامی بُت رکھا رہتا تھا اور مروہؔ پر نائلہؔ نامی۔اس لیے لوگوں کو خیال ہوا کہ ان پہاڑیوں پر دوڑنا کہیں گناہ نہ ہو۔؟ تو اس پر یہ آیت اُتری (الکافی)

☆ حضرت امام محمد باقرؑ نے اس دوڑنے کا فلسفہ بتایا کہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا خدا نے گردن کشوں کی شان کم کرنے کے لیے قرار دیا ہے۔ یہ دوڑنا مناسکِ حج میں داخل ہے۔ اور یہ حضرت ہاجرہؑ (حضرت اسمٰعیلؑ کی والدہ) کے دوڑنے کی یادگار بھی ہے۔(الکافی)

☆ غرض 'حج' عباداتِ اسلامی کا رکن' دنیائے اسلام کی سالانہ بین الاقوامی کانفرنس ہے قیامت کے منظر کی یاد اور محبتِ الٰہی میں جذبۂ قربانی کے اُبھارنے یعنی توجہ دلانے کا بہترین طریقہ ہے۔'مناسک' حج کی علامتوں کو کہتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۵۹

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡبَیِّنٰتِ وَالۡهُدٰی مِنۡۢ بَعۡدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الۡکِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَلۡعَنُهُمُ اللّٰهُ وَیَلۡعَنُهُمُ اللّٰعِنُوۡنَ ۙ﴿۱۵۹﴾

ترجمہ

بیشک جو لوگ ہماری نازل کردہ کھلی نشانیوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لئے (اپنی) کتاب میں واضح کر دیا ہے تو انہی لوگوں پر اللہ لعنت بھیجتا ہے (یعنی انہیں اپنی رحمت سے دور کرتا ہے) اور لعنت بھیجنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔

تفسیر

آیت ۱۵۹:

محققین نے نتیجہ نکالا کہ حق کے چھپانے والے بھی خدا کی لعنت کے مستحق ہیں تو حق بات کی مخالفت کرنے

والے ظالم کس قدر خدا کی لعنت کے مستحق ہوں گے قرآن مجید میں صرف دو ہی ایسے عمل بتائے گئے ہیں جو عمل خدا بھی اپنے بندوں کے ساتھ انجام دیتا ہے (یا) بندے اللہ کے ساتھ ان دو اعمال میں شریک ہوتے ہی۔ ایک درود، جس کے لیے خدا نے ارشاد فرمایا: ''یقیناً اللہ اور اُس کے ملائکہ نبیؐ پر درود پڑھتے ہیں، اے صاحبانِ ایمان! تم بھی اُن پر درود بھیجو اور اُن کی عظمت کو تسلیم کرو جیسا کہ اس کو تسلیم کرنے کا حق ہے۔'' (سورۃ احزاب آیت ۵۶) اور دوسرا عمل لعنت بھیجنے کا عمل ہے۔ غرض، بہت بلند ہیں وہ لوگ جو مستحقینِ دُرود پر درود اور سلام بھیجتے ہیں اور مستحقینِ لعنت پر لعنت ملامت کرتے ہیں۔

نوٹ: یاد رہے کہ لعنت بھیجنا گالی گلوچ کے مترادف نہیں۔ ایسا ہوتا تو ایسے گھٹیا عمل کو خدا خود انجام نہ دیتا۔ لعنت بھیجنے کے معنی خدا کی نسبت سے تو یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے۔ اور ہمارے حوالے سے لعنت بھیجنے معنی، ایسی بددعا کرنے کے یں کہ جس میں قابل لعنت لوگوں کو خدا کی رحمت سے دور رکھنے کی بددعا کی جائے۔ (القران المبین)

☆ حضرت علی علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ انبیاء اور ائمۃ اہل بیت کے بعد سب سے افضل کون لوگ ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: علماء، بشرطیکہ صالح اور گناہ سے بچنے والے ہوں پھر پوچھا گیا کہ بدترین مخلوق کون ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: علماء جبکہ وہ بدکار ہوں، باطل کو ظاہر کرنے والے اور حق کو چھپانے والے ہوں۔ (احتجاج طبرسی)

☆ حضرت رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: جس شخص سے کوئی علم کے متعلق سوال کرے اور وہ اُسے جان بوجھ کر چھپائے تو قیامت کے دن جہنم کی آگ کی لگام اُس کے منہ پر چڑھائی جائے گی۔ جس وقت میری اُمت میں بدعتیں ظاہر ہوں تو علماء پر حقیت کا اظہار لازم ہوگا۔ اور جو ایسا نہ کریں گے اُن پر خدا کی لعنت ہوگی۔ (تفسیر صافی ص ۵۱)

آیت نمبر ۱۶۰۔۱۶۱

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَیْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶۰﴾

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ

اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۙ﴿۱۶۱﴾

ترجمہ

مگر جو لوگ توبہ کر لیں اور (اپنی) اصلاح کر لیں اور (حق کو) ظاہر کر دیں تو میں (بھی) انہیں معاف فرما دوں گا، اور میں بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں۔

بیشک جنہوں نے (حق کو چھپا کر) کفر کیا اور اس حال میں مرے کہ وہ کافر ہی تھے ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔

تفسیر

آیت ۱۶۱:

اللہ کی لعنت سے مراد یہ ہوتی ہے کہ خدا ملعون بندوں کو دنیا میں اپنی رحمت، اپنے فضل و کرم اور اپنی توفیقات سے محروم اور دور کر دیتا ہے، اور آخرت میں اپنی سزا کے حوالے کر دیتا ہے۔ (روح۔ راغب)

☆ اور مخلوق کا لعنت کرنا یہ ہے کہ وہ خدا سے دعاء کرتے ہیں کہ اُن لوگوں کو خدا اپنی رحمت، اپنے فضل و کرم سے دور رکھے اور اپنی سزا کا مزا چکھائے۔ (روح۔ راغب)

☆ لعنت کا لفظ اور لعنت کرنے کی سنت پرانے صحیفوں سے چلی آ رہی ہے۔ توراۃ میں استثناء ۱۱، ۲۶، ۲۷، ۲۸ اور انجیل میں یوحنا ۷:۴۹۔

☆ فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ عالم دین پر تبلیغ حق اور اپنے علم کا بیان کرنا واجب ہے خاص طور پر اُس وقت جب لوگ گمراہ ہو رہے ہوں۔ (ابن عربی)

آیت نمبر ۱۶۲

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ

يُنْظَرُوْنَ﴿۱۶۲﴾

ترجمہ

وہ ہمیشہ اسی (لعنت) میں (گرفتار) رہیں گے، ان پر سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔

تفسیر

آیت ۱۶۲:

محققین نے لکھا کہ جن گنا ہوں میں صرف حقوقِ خداب کی خلاف ورزی ہوتی ہے اُن کی قضا اور توبہ استغفار کافی ہے کیونکہ اُن کا تعلق خدا کی صفت رحمانیت اور رحیمیت سے ہے، لیکن جن گنا ہوں سے انسانوں کی حق تلفی ہوتی ہے۔ مثلاً چوری، رشوت، جھوٹ، غیبت، تہمت، غصب، قتل، فساد، زنا، بدامنی، سودخوری، غلط عقیدوں کا پھیلانا، اُن کے لیے تدراک، نیز معافی اور استغفار سب درکار ہوتے ہیں اس لیے کہ اُن گنا ہوں کا تعلق خدا کی صفتِ عدل سے ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۱۶۳

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾

ترجمہ

اور تمہارا معبود خدائے واحد ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہ) نہایت مہربان بہت رحم فرمانے والا ہے۔

تفسیر

آیت ۱۶۳:

خدا نے خود کو رحمٰن و رحیم کہہ کر گمراہ قوموں کے اس عقیدے کو باطل کر دیا کہ قانونِ مکافاتِ عمل جسکو 'کرم' کہتے ہیں، ہر صورت میں اپنا عمل کر کے رہتا ہے اور کوئی قوت اُس پر غالب نہیں آ سکتی۔ اور صفتِ عدل کو بیان کر کے خدا نے واضح کر دیا کہ مسیحی جو یہ سمجھتے ہیں کہ معافی دلوانے کے لیے کفارہ اور کفارہ دینے والا ضروری ہے، یہ تصور غلط ہے۔

آیت نمبر ۱۶۴

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

ترجمہ

بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کی گردش میں اور ان جہازوں (اور کشتیوں) میں جو سمندر میں لوگوں کو نفع پہنچانے والی چیزیں اٹھا کر چلتی ہیں اور اس (بارش) کے پانی میں جسے اللہ آسمان کی طرف سے اتارتا ہے پھر اس کے ذریعے زمین کو مُردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے (وہ زمین) جس میں اس نے ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے ہیں اور ہواؤں کے رُخ بدلنے میں اور اس بادل

میں جو آسمان اور زمین کے درمیان (حکمِ الٰہی کا) پابند (ہوکر چلتا) ہے (ان میں) عقلمندوں کے لئے (قدرتِ الٰہی کی بہت سی) نشانیاں ہیں۔

تفسیر

آیت ۱۶۴

☆ ان سارے مظاہرِ فطرت کا تسلسل، جاری وساری رہنا، مسلسل عمل اور استمرار اُن کی ہم آہنگی اور یک رنگی، اُن کی باقاعدگی اور نظم وضبط، ہر عقلِ سلیم کو یہ ماننے پر مجبور کر دیتا ہے کہ اس کے پیچھے ایک ذی اختیار فعال ہاتھ کام کر رہا ہے۔ جب ایک معمولی سی گھڑی بغیر کسی ماہرِ فن صناع اور گھڑی ساز کے نہیں بن سکتی تو یہ پوری کائنات بغیر کسی صناع کے کیسے بن گئی اور باقاعدگی سے کام کر رہی ہے، یہ سب چیزیں مخلوق ہیں معبود نہیں۔ خدا نے ایک لفظ خلق سے بتا دیا کہ یہ تمام عظیم چیزیں ایک معمولی ذرے کی طرح مخلوق اور عاجز ہیں جن کا کوئی خالق اور چلانے والا موجود ہے، اِس لیے کہ آخر چاند سورج، ستاروں، سیاروں کے درمیان فاصلے کا ایک خاص تناسب کس نے قائم کر رکھا ہے؟ اُن کی رفتار کی ایک خاص شرح کس نے معین کی ہے؟ آفتاب سے ایک خاص مقدار میں روشنی اور گرمی کون پہنچا رہا ہے؟ چاند سے روشنی اور خُنکی ایک متعین حساب کے مطابق کون لائے جا رہا ہے؟ خلاء کی یہ وضع، ساخت، ترکیب، ہیئت کس نے بنائی ہے؟ گنتی وشمار سے باہر یہ ثوابت وسیاروں میں سکون وحرکت کا نظام کون قائم رکھے ہوئے ہے؟ ستاروں کی روشنی اور اُن کے طلوع وغروب کی یہ باقاعدگی کس کے حکم سے قائم ہے؟ ستاروں کی روشنی اور اُن کے طلوع وغروب کی یہ باقاعدگی کس کے حکم سے قائم ہے؟ نظام فلکی کے یہ بے شمار اجزاء اور اُن کے عناصر میں یہ ترتیب اور باہمی تناسب کس کی حکمت وقدرت کے دم سے قائم ہے؟ رات اور دن کس طرح ایک برتر قانون کے اندر جکڑے نظر آ رہے ہیں؟ گرمی سردی برسات کا مناسب اوقات میں وقفے وقفے سے بار بار آنے جانے کا بندوبست کون کر رہا ہے؟ مختلف ملکوں میں طلوع وغروب کے اوقات کس طرح کس نے باندھ رکھے ہیں؟ یہ بحر زخار جو خشکی سے چار گنا بڑا ہے کس طرح انسان کے قبضہ قدرت میں آ گیا ہے؟ آخر کس طرح لکڑی اور لوہے کے ٹکڑوں کو جوڑ جوڑ کر، اُن میں لوہے کی کیلیں ٹھونک ٹھانک کر انسان سمندر کے لمبے چوڑے فاصلے طے کر لیتا ہے؟ سمندروں کو مدوجذر کے قانون سے کس نے باندھ رکھا ہے؟ کون سمندروں کو اپنی بے پناہ غضبناک تندی کے باوجود ایک خاص رقبے کے حدود سے آگے نہیں بڑھنے دیتا؟ کون ہے جو خاص موسموں میں ایسے فضائی تغیرات پیدا کرتا ہے کہ سمندروں

کے بخارات خاص گرمی پا کر ہوا میں اُڑنے لگتے ہیں اور ایک خاص فاصلے پر اوپر جا کر خاص درجے کی سردی پاتے ہی منجمد ہو کر بادل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ پھر ایسے بھاری بوجھل بادلوں کو ہوا سنبھالے ایسے علاقوں میں لے جاتی ہے جہاں اُن کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر بندھی ہوئی تعداد مین ایک متعین مدت کے اندر وہ برس پڑتے ہیں۔ جس سے خشک زمین میں جان پڑ جاتی ہے یہ سارے تغیرات، انتظامات، بندوبست کسی حکیم کی حکمت، کسی آمر کی حکومت، کسی قادر کی قدرت کی کھلی شہادت نہیں دیتے؟ پھر حیاتِ نباتی اور حیاتِ حیوانی کو دیکھئے۔ کتنے کتنے عجائب وغرائب کے مجموعے میں ہر زندہ جسم بے شمار ذروں اور خلیوں کا مجوعہ ہے، ان کی ایک مخصوص ترتیب اور متعین ترکیب ے۔ ایک خاص درجے کی حرارت ہے جس پر زندگی قائم ہے پھر ان میں نظام ہضم، نظام اعصاب، نظامِ تناسل اور اُس کے اپنے باریک قاعدے ضابطے کس کی حکمت مشیت، قدرت اور عظمت کا پتہ دے رہے ہیں؟ اگر ان سوالوں ہی پر غور کر کے تو انسان ے دل میں خدا اور توحید کا نقش پوری طرح بیٹھ جائے (ماجدی) غرض اس آیت میں مصنوعات سے صانع پر استدلال کیا گیا ہے اور یہی اصل ہے مراقبۂ صوفیاء اور عرفاء کی۔ (تھانوی)

☆ محققین نے نتیجہ نکالا کہ علومِ کائنات کا مطالعہ عبادت ہے۔ کیونکہ اِس آیت میں تمام علومِ کائنات کی طرف اشارہ موجود ہے۔ مثلاً آسمانوں کے پیدا کرنے سے علم الافلاک کی طرف اشارہ ہے۔ اس میں علم ہیت اور علمِ نجوم بھی شامل ہیں۔ زمین کی پیدائش سے جیولوجی اور جیوگرافی یا علم طبقات الارض کی طرف اشارہ ہے رات دن کے آنے جانے سے فزیکل جیوگرافی اور کشش کے ذکر سے علم جہاز رانی اور سمندر کے ذکر سے علم البحر اور ہر چیز کو پھیلانے سے چاند، مریخ، مشتری اور سیاروں میں جاندار آبادی کی طرف لطیف اشار ہے۔ بادلوں سے علمِ موسمیات اور ان سارے علوم سے اعلیٰ علم توحید کی طرف واضح اشارہ پایا جاتا ہے۔ (القران المبین)

آیت نمبر ۱۶۵

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ

شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾

ترجمہ

اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کے غیروں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اور ان سے "اللہ سے محبت" جیسی محبت کرتے ہیں، اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ (ہر ایک سے بڑھ کر) اللہ سے بہت ہی زیادہ محبت کرتے ہیں، اور اگر یہ ظالم لوگ اس وقت کو دیکھ لیں جب (اُخروی) عذاب ان کی آنکھوں کے سامنے ہوگا (تو جان لیں) کہ ساری قوتوں کا مالک اللہ ہے اور بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

تفسیر

آیت ۱۶۵:

عرفاء نے نتیجہ نکالا کہ غیر اللہ سے محبت کرنا ممنوع نہیں۔ ماں باپ، بھائی بہنوں اولاد سے محبت تو فطری حقیقت ہے یہ محبت سنت بھی ہے اور واجب بھی ائمہ شریعت وطریقت سے محبت رکھنا مستحب بلکہ واجب ہے البتہ جو محبت حرام ہے، وہ محبوب کو درجہ ربوبیت والوہیت تک جا پہنچانے والی محبت ہے (ماجدی)

☆ امام محمد باقر علیہ السلام نے اِس آیت کے پہلے الفاظ ومن الناس۔۔۔کی تفسیر مین فرمایا: بخدا اس سے مراد فُلاں فُلاں کے دوست ہیں جنہوں نے اُن کو امام تسلیم کیا اور اُس امام کو چھوڑ دیا جس کو خدا نے عہدہ امامت عطا فرمایا تھا پھر آپؑ نے اس آیتِ مجیدہ کی تلاوت فرمائی اور فرمایا اے جابر! بخدا اس سے مراد ظالم امام اور اُن کے پیروکار ہیں (برہان)

آیت نمبر ۱۶۶

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾

ترجمہ

(اور) جب وہ (پیشوایانِ کفر) جن کی پیروی کی گئی اپنے پیروکاروں سے بے زار ہوں گے اور (وہ سب اللہ کا) عذاب دیکھ لیں گے اور سارے اسباب ان سے منقطع ہو جائیں گے۔

تفسیر

آیت ۱۶۶:

مفسرین نے نتیجہ نکالا کہ خود ساختہ پیشواؤں کی جو بُری حالت قیامت میں ہوگی اُس کا حال یہاں بیان کیا گیا ہے جن کی اطاعت کا خدا نے تو حکم ہی نہ دیا تھا، وہ جبرا یا کسی چالاکی و مکاری سے حاکم بنے اور احمقوں نے اُن کی حکومت کو مانا۔ روزِ قیامت وہی حکام جو را اپنے ہی ماننے والوں پر تبرا کریں گے اور اُن ے ماننے والوں کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل جائے گی کہ واہ:

دیکھا کر جو تیر دیکھا کے کمین گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگئی

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ بروز محشر حق سبحانہٗ کی جانب سے ندا آئے گی: این خلیفة الله فی ارضه (کہاں ہے وہ جس کو اللہ نے اپنی زمین پر عہدہ خلیفہ خدا عطا کیا تھا) پس حضرت امیر المومنینؑ کھڑے ہوں گے پھر ندا آئے گی اے گروہِ مخلوق! یہ علیؑ بن ابی طالبؑ زمین پر اللہ کا خلیفہ اور بندوں پر خدا کی حجت موجود ہے پس جس نے دنیا میں ان سے تمسک پکڑا تھا وہ اب بھی ان کے دامن سے وابستہ ہو جائے اور انکی نورانیت سے فیضیاب ہو کر جنت کے بلند درجات کی طرف ان کے پیچھے چلا جائے۔ پس وہ لوگ جنھوں نے دنیا میں ان کا دامن پکڑا ہوگا وہ ان کے پیچھے جنت کی طرف چلا جائے۔ پس وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں ان کا دامن پکڑا ہوگا وہ اُن کے پیچھے جنت کی طرف چلیں گے۔ اِس کے بعد ندا آئے گی کہ دنیا میں جس نے جس امام کی پیروی کی تھی وہ اُس کے پیچھ ہو جائے جہاں اُس کا امام جائے گا اس کو بھی وہاں جانا پڑے گا۔ پس اُس وقت لوگ اپے اپنے اماموں سے بیزار ہوں گے اور کہیں گے: کاش! ہمیں ایک دفعہ دنیا کی طرف پلٹنے کا اجازت ہوتی تو ہرگز ان کے پیچھے نہ چلتے۔ ان آیات میں خداوند کریم اُنہیں لوگوں کا تذکرہ فرما را ہے کہ محشر میں یہ سماں ہوگا۔ (برہان)

آیت نمبر ۱۶۷۔۱۶۸

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾

ترجمہ

اور (یہ بیزاری دیکھ کر مشرک) پیروکار کہیں گے: کاش! ہمیں (دنیا میں جانے کا) ایک موقع مل جائے تو ہم (بھی) ان سے بیزاری ظاہر کر دیں جیسے انہوں نے (آج) ہم سے بیزاری ظاہر کی ہے، یوں اللہ انہیں ان کے اپنے اعمال انہی پر حسرت بنا کر دکھائے گا، اور وہ (کسی صورت بھی) دوزخ سے نکلنے نہ پائیں گے۔

اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال اور پاکیزہ ہے کھاؤ، اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

تفسیر

آیت ۱۶۸:

حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ صحابی رسولؐ سعد ابنِ ابی وقاصؓ نے آنحضرتؐ سے عرض کی کہ مجھے کوئی طریقہ ایسا بتا دیں کہ میری ہر دعاء قبول ہو جایا کرے۔ رسولؐ خدا نے جواب میں ارشاد فرمایا ''لقمۂ حلال کے سوا

کچھ نہ کھاؤ، خود بہ خود ہر دعا قبول ہوگی۔'' یہ ہے اسلام میں اک؛ حلال کی اہمیت۔ (تفسیر ابنِ عباسؓ)

آیت نمبر ۱۶۹

اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴿۱۶۹﴾

ترجمہ

وہ تمہیں بدی اور بے حیائی کا ہی حکم دیتا ہے اور یہ (بھی) کہ تم اللہ کی نسبت وہ کچھ کہو جس کا تمہیں (خود) علم نہ ہو۔

تفسیر

آیت ۱۶۹:

محققین نے نتیجہ نکالا کہ بغیر علم کچھ کہنے کو خدا نے شیطان کی تقلید سے تعبیر کیا ہے۔

☆۲۔ حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا: ''دو باتوں سے بچو۔ ایک یہ کہ کبھی اپنی رائے سے فتویٰ نہ دو۔ دوسرے یہ کہ جس بات کو نہیں جانتے ہو اُس کو دین نہ قرار دو۔'' امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ ''تمہارا فرض ہے کہ جس بات کو جانتے ہو اُسے کہو اور جو نہ جانتے ہو اُس سے زبان کو بند رکھو۔'' (الکافی و تفسیر صافی ص ۵۲)

آیت نمبر ۱۷۰

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ

اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

ترجمہ

اور جب ان (کافروں) سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں: (نہیں) بلکہ ہم تو اسی (روش) پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ عقل رکھتے ہوں اور نہ ہی ہدایت پر ہوں۔

تفسیر

آیت ۱۷۰:

بعض کم نظر اُلٹا اِسی آیت سے فقہاء کی تقلید کا عدمِ جواز ثابت کرتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی مریض سے یہ کہا جائے کہ تم نے یہ کیا حماقت کی کہ ایک اناڑی نیم حکیم ڈاکٹر کا علاج شروع کر دیا، تو اِس جملے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ علاج کروانا ہی بُری بات ہے اِس میں اناڑی ڈاکٹر، نیم حکیم، سے علاج کروانے کی مذمت نکل رہی ہے مطلق علاج کرانے کی مذمت نہیں کی جا رہی ے بلکہ اس جملے نے تو نفسِ علاج کی اہمیت کو اور بڑھا دیا ہے۔ یعنی علاج تو ضرور کراؤ لیکن مستند ڈاکٹر یا حکیم سے۔

☆ مزید برآں اِس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جہاں باپ دادا، خدا اور رسولؐ کے خلاف چلنے کا حکم دیں تو اولاد پر اُس معاملے میں باپ دادا (یا کسی اور شخص) کی اطاعت واجب نہیں، بلکہ حرام ہے۔ (تفسیر انوار النجف)

آیت نمبر ۱۷۱

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا

دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

ترجمہ

اوران کافروں (کو ہدایت کی طرف بلانے) کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو کسی ایسے (جانور) کو پکارے جو سوائے پکار اور آواز کے کچھ نہیں سنتا، یہ لوگ بہرے، گونگے، اندھے ہیں سو انہیں کوئی سمجھ نہیں۔

تفسیر

آیت ۱۷۱:

کافر کیونکہ حقیقتوں کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے اس لیے انکو جانور کہا گیا ہے۔ ورنہ حقیقتاً وہ جانوروں سے بدتر ہیں اس لیے کہ جانور حقیقتوں کو سمجھنے کی قابلیت ہی نہیں رکھتے، مگر حق کے منکر اگرچہ سمجھنے کی قابلیت رکھتے ہیں، مگر اُس کو استعمال نہیں کرتے۔ اِس لیے عملاً وہ جانور ہیں، بلکہ اُن سے بدتر ہیں، اس لیے ان کو اندھے، بہرے، گونگے بھی کہا گیا کہ وہ اپنی آنکھیں، کان، زبان کو حق کی طرف سے بند کئے رہتے ہیں۔ (القرآن المبین) بہرے اس لیے کہا کہ آوازِ حق نہیں سنتے۔ گونگے اس لیے کہا کہ حق کے اقرار کرنے سے زبان گونگی ہے۔ اندھا اس لیے کہا کہ خود اپنے نفع اور نقصان کو نہیں دیکھ رہے ہیں۔ (ابن جریر، ابن قتادہ)

☆ توریت میں بھی ایک ایسی ہی آیت ہے۔ ''وہ نہیں جانتے اور نہیں سمجھتے (کیا) ان کی آنکھیں لپیی گئیں۔ سو وہ دیکھتے نہیں اور اُن کے دل بھی، سو وہ سمجھتے نہیں۔'' (یسعیاہ ۴۴:۱۸)

آیت نمبر ۱۷۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

ترجمہ

اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم صرف اسی کی بندگی بجالاتے ہو۔

تفسیر

آیت ۱۷۲:

محققین نے کہا کہ خداوندِ عالم کا یہ خاص فضل وکرم ہے اور یہ اُس کی حکمت کاملہ کا عظیم نمونہ ہے کہ اُس نے پاک، صاف، مفید چیزیں پیدا کیں اور اُن کو حلال قرار دیا ان میں اور ہمارے جسم میں ایک تعلق رکھا تاکہ وہ چیزیں ہمارے جسم کے خرچ شدہ اجزاء کو دوبارہ پیدا کر کے جسم کی کمی کو پورا کر دیں اور جسم توانا و تندرست ہو کر کام کرنے کے لائق بن جائے۔

آیت نمبر ۱۷۳۔۱۷۴

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیۡکُمُ الۡمَیۡتَۃَ وَالدَّمَ وَلَحۡمَ الۡخِنۡزِیۡرِ وَمَاۤ اُہِلَّ بِہٖ لِغَیۡرِ اللّٰہِ ۚ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَیۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۷۳﴾

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ الۡکِتٰبِ وَیَشۡتَرُوۡنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ۙ اُولٰٓئِکَ مَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیۡہِمۡ ۪ وَلَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۷۴﴾

ترجمہ

اس نے تم پر صرف مُردار اور خون اور سؤر کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو حرام کیا ہے، پھر جو شخص سخت مجبور ہو جائے نہ تو نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر (زندگی بچانے کی حد تک کھا لینے میں) کوئی گناہ نہیں، بیشک اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔ بیشک جو لوگ کتابِ (تورات کی ان آیتوں) کو جو اللہ نے نازل فرمائی ہیں چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے حقیر قیمت حاصل کرتے ہیں، وہ لوگ سوائے اپنے پیٹوں میں آگ بھرنے کے کچھ نہیں کھاتے اور اللہ قیامت کے روز ان سے کلام تک نہیں فرمائے گا اور نہ ہی ان کو پاک کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

تفسیر

آیت ۱۷۴:

نفعِ دنیا کتنا بھی زیادہ ہو، نفعِ آخرت کے مقابلے میں بہرحال قلیل ہوگا۔ اور ایسا نفع جو خدا کی ناراضگی کے ساتھ ملے، کتنا زیادہ کیوں نہ ہو، بہرحال بہت ہی کم ہے اِس لیے کہ اُس کا نقصان کہیں زیادہ ہے۔ (جس کا تصور بھی محال ہے۔)

آیت نمبر ۱۷۵ تا ۱۷۷

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

ترجمہ

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی اور مغفرت کے بدلے عذاب، کس چیز نے انہیں (دوزخ کی) آگ پر صبر کرنے والا بنا دیا ہے۔

یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ نے کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی، اور بیشک جنہوں نے کتاب میں اختلاف ڈالا وہ مخالفت میں (حق سے) بہت دور (جا پڑے) ہیں۔

نیکی صرف یہی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور جب کوئی وعدہ کریں تو اپنا وعدہ پورا کرنے والے ہوں، اور سختی (تنگدستی) میں اور مصیبت

(بیماری) میں اور جنگ کی شدّت (جہاد) کے وقت صبر کرنے والے ہوں، یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۔

تفسیر

آیت ۱۷۷:

محققین نے نتیجہ نکالا کہ:۔ (۱) اصل میں قبلہ کس سمت میں ہو اُس کا تعلق خدا کی مرضی سے ہے۔ (۲) اللہ نے نیکی کو ایمان کے علاوہ کن چیزوں پر منحصر کیا ہے، اُس کی تفصیل اِس آیت میں موجود ہے۔ (۳) خاص طور پر حقوق العباد کی رعایت رکھی گئی ہے۔ (۴) اس آیت میں متقین کی علامات بیان کی گئی ہیں جو عملی ہیں اور انسانی قدروں کو اجاگر کرتے ہیں۔ (۵) عمل کی جان اور روح محبت الٰہی کو قرار دیا گیا ہے۔ (۶) کوئی سمت لائق پرستش نہیں۔ صرف حکم خدا قابلِ اطاعت ہے۔

☆ مکاتبت، ایک معاملہ ہے جو غلام اور آقا کے درمیان قرار پاتا ہے کہ اگر غلام اس قدر رقم ادا کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا۔

☆ حضرت امام جعفر صادقؑ سے پوچھا گیا کہ اگر غلام کُل رقم نہ ادا کر سکے اور کچھ ادا کر چکا ہو تو کیا کیا جائے؟ فرمایا: ''تم صدقات کے مال میں سے اس کو دو اور بقیہ رقم ادا کر کے اُس کو آزاد کراؤ۔'' پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (التہذیب)

ملائکہ یا فرشتوں کو ماننے کے معنی اُن نورانی مجرد مخلوقات کو ماننا ہے جو خدا کے قاصلہ، خادم، نوکر، کارندے ہیں جو خدا کے حکم کے عین مطابق کائنات کے نظام کو چلانے کا کام انجام دیتے ہیں۔ یہ کوئی خود مستقل قوت، فاعل، عامل مالک نہیں، نہ ان سے دعا مانگی جا سکتی ہے۔ یہ نہ تو دیوتا ہیں اور نہ دیویاں۔ صرف خدا کے خادم اور ادنیٰ کارکن ہیں۔ خداؑ کی کتاب کے ماننے کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف کو خدا کی وحی سمجھا جائے جس میں شک، شبہ یا غلطی کا کوئی امکان ہی نہیں۔ نبیوںؑ پر عقیدے کے معنی یہ ہیں کہ یہ مانا جائے کہ خدا نے اپنے خاص بندوں کو اپنا پیغام لانے والا بنایا ہے۔ نہ تو خدا اُن میں داخل ہوا ہے اور نہ خدا مجسم ہو کر اُن کی شکل میں آیا ہے نبیین کو خدا کی طرف سے خبریں سنانے والے کہہ کر خدا نے تردید کر دی اوتار پرستی کی، فرشتہ پرستی کی، اور تجسم کی۔ اوتار کے مقابلے میں پیغمبر کہہ کر ہر قسم کے شرک کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔

عرفاء نے نتیجہ نکالا کہ مال اصل مطلوب نہیں۔مقصود ومطلوب صرف وہ مال ہے جو اللہ کی راہ میں، اللہ کی خوشی حاصل کرنے کے لیے، اللہ کے دین یا مخلوق کی خدمت کے لیے صرف کیا جائے، یا فرائضِ الٰہیہ میں خرچ کیا جائے۔ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ سال کی بچت میں سے اللہ کی راہ میں صرف کیا جائے یعنی مال کی اُس کو ضرورت ہو، اُس کی خواہشات زندہ ہوں اپنی ذات اور مرغوبات پر خرچ کرنا چاہتا ہو، لیکن حکم خدا کے سامنے اپنی گردن جھکا دے، اپنی خواہشوں کو دبا دے، اپنے ذوق وشوق کو حکمِ خدا پر قربان کر دے۔وہاں خرچ کرے جہاں خدا کی شریعت بتاتی ہے۔

دوسرا نتیجہ یہ نکالا کہ سب سے پہلا حق رشتے داروں کا ہے۔یہ نہ ہو کہ ایک بھائی عیش کر رہا ہے اور دوسرے بھائی کے بچے روٹیوں، تن پوشی، اور تعلیم کو ترس رہے ہیں۔اس کے بعد محلہ اور بستی کے یتیم بچوں کا نمبر ہے جن کا کوئی والی ووارث نہ ہو۔اس کے بعد کا درجہ اُمت کے عام مفلسوں، محتاجوں، مسافروں، راہ گیروں کا ہے۔آخرت میں اہلِ حاجت اور سوالی ہیں۔اِس انتظام پر ساری اُمت باقاعدگی سے عمل کرنے لگے تو اُمت میں کہیں مفلسی اور بے روزگاری کا وجود باقی نہ رہے۔

تیسرا نتیجہ یہ نکالا کہ عبادات کی بڑی تقسیم عبادات بدنی اور عبادات مالی ہیں۔خدا نے نماز اور زکوٰۃ کا ذکر کر کے دونوں قسموں کو بیان کر دیا۔(ماجدی)

☆ عبادات وعقائد کے بعد اب ذکر اخلاق کا شروع ہوا۔یعنی عہد کو پورا کرنے والے۔یہ فقرہ ہر قسم کے معاہدات کا جامع ہے۔چاہے وہ معاہدہ بندے کا خدا سے ہو، یا بندے کا بندے سے ہو۔(قرطبی)

☆ ''بأساء'' مصیبت، تنگدستی، اور ''بأس جنگ کو کہتے ہیں۔یعنی دشمن کے مقابلے کے وقت صبر کرنا۔(بیضاوی)

☆ اور ''ضراء'' بیماری کی تکلیفوں یا ہر جسمانی آزار کو کہتے ہیں۔(قرطبی، بیضاوی، الازہری)

☆ سیرت اور مردانگی کی چمک دکھانے کے یہی تین خاص مواقع ہوتے ہیں اسی لیے محققین نے لکھا کہ جس شخص نے اس آیت پر عمل کر لیا اُس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا۔(قرطبی)

☆ عرفاء اور صوفیاء نے لکھا کہ یہ آیت اصل ومدار ہے شریعت وطریقت کی۔اس لیے کہ آیت سے ثابت ہوگا کہ مومن کے لیے فقط باطنی اعتقاد رکھنا کافی نہیں اور نہ فقط ظاہری عمل کافی ہے، بلکہ دل میں ایمان ہونا بھی لازمی ہے اور خدا کے احکامات کی ظاہری اطاعت بھی ضروری ہے۔مشہور پادری وہیری (Wherry) جنہوں نے اپنے بال اسلام دشمنی میں سفید کیے، لکھتے ہیں۔آیت ۱۷۷ ''قرآن مجید کی بلند ترین آیتوں میں سے ہے۔ذاتِ خدا پر ایمان، نوعِ

انسانی کے ساتھ حُسنِ سلوک کو اِاس میں مذہب کا اصل جوہر بتایا گیا ہے۔اس میں لُبِ لباب عقائد واعمال کا آ گیا۔"

آیت نمبر ۱۷۸۔۱۷۹

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ
اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ
مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ
ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ
فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾
وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ
تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

ترجمہ

اے ایمان والو! تم پر ان کے خون کا بدلہ (قصاص) فرض کیا گیا ہے جو ناحق قتل کئے جائیں، آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت، پھر اگر اس کو (یعنی قاتل کو) اس کے بھائی (یعنی مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ (یعنی قصاص) معاف کر دیا جائے تو چاہئے کہ بھلے دستور کے موافق پیروی کی جائے اور (خون بہا کو) اچھے طریقے سے اس (مقتول کے وارث) تک پہنچا دیا جائے، یہ تمہارے رب کی طرف سے رعایت اور مہربانی ہے، پس جو کوئی اس کے بعد زیادتی کرے تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اور تمہارے لئے قصاص (یعنی خون کا بدلہ لینے) میں ہی زندگی (کی ضمانت) ہے اے عقلمند لوگو!

تا کہ تم (خوں ریزی اور بربادی سے) بچو۔

تفسیر

آیت ۱۷۹:

قانونِ قصاص عینِ عدل ومساوات کا قانون ہے نظام اجتماعی میں قانون کی حفاظت کا ضامن ہے۔ جب اس قانون پر عمل ایک عرصے تک رہے گا اور اِس کی روح اُمت میں سرایت کر جائے گا، تو ساری قوم کا مزاج امن پسند ہو جائے گا۔ امن پسند، باہمی صلح صفائی، خدمت و و معاونت جزو زندگی بن جائے گی۔ اُمت صالحین کی جماعت اور امت عادلہ کہلانے کی مستحق بنا جائے گی۔

آیت نمبر ۱۸۰

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝١٨٠ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝١٨٠

ترجمہ

تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت قریب آ پہنچے اگر اس نے کچھ مال چھوڑا ہو، تو (اپنے) والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں بھلے طریقے سے وصیت کرے، یہ پرہیزگاروں پر لازم ہے۔

تفسیر

آیت ۱۸۰:

اسلام نے مرنے سے پہلے وصیت کرنے کو واجب قرار دیا ہے تا کہ مرنے والے کے وارثوں میں دولت کی تقسیم پر خوں ریزی نہ ہو، اور مرنے والے کو اپنی دولت میں سے ایک تہائی حصے تک کی وصیت کا حق دیا ہے کہ جس کو چاہے بطور وصیت دے سکتا ہے۔ اِسی طرح اگر بیٹا مر چکا ہے تو پوتوں کے لیے وصیت کر سکتا ہے۔ حضرت علیہ السلام سے روایت ہے کہ: ''جس شخص نے اپنی موت سے پہلے اپنے ایسے (غریب) رشتے داروں کے لیے جن کو کوئی ورثہ نہ پہنچے گا، کوئی وصیت نہ کی تو اُس نے اپنے اعمال کا خاتمہ نافرمانی پر کیا۔'' (تفسیر عیاشی و تفسیر مجمع البیان)

آیت نمبر ۱۸۱

فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَاۤ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾

ترجمہ

پھر جس شخص نے اس (وصیّت) کو سننے کے بعد اسے بدل دیا تو اس کا گناہ انہی بدلنے والوں پر ہے، بیشک اللہ بڑا سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

تفسیر

آیت ۱۸۱:

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''جسے کوئی مرنے والا کچھ دینے کی وصیت کر گیا ہو اُسے دو، خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی۔'' پھر آپؑ نے اس آیت ی تلاوت فرمائی۔''

آیت نمبر ۱۸۲

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾

ترجمہ

پس اگر کسی شخص کو وصیّت کرنے والے سے (کسی کی) طرف داری یا (کسی کے حق میں) زیادتی کا اندیشہ ہو پھر وہ ان کے درمیان صلح کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بیشک اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر

آیت ۱۸۲:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ: ''جب کوئی وصیت کر جائے تو وصی کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ اس کی وصیت میں کوئی تبدیلی کرے سوا اس صورت کے اگر وصیت کرنے والے نے خدا کے حکم کے خلاف وصیت کی ہو، اور اپنی وصیت کے ذریعے سے کسی پر ظلم کیا ہو، یا اس وصیت کے ذریعے سے وصیت کرنے والے کو گناہ ہو ایسی صورت میں وصی کو جائز ہے کہ وصیت بدل دے۔ تاکہ تمام معاملہ حق ہو جائے اور ناحق کچھ نہ رہے۔ (تفسیر قمی)

☆ ۱۔ ''خاف'' عربی میں فقط ڈرنے ہی کے معنی میں نہیں آتا، بلکہ ''علم'' کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور یہاں یہی مراد ہے (تفسیر کبیر۔ روح)۔ (خصائص)

☆ اور ''اثم'' ۲۔ اُس گناہ کو کہتے ہیں جو جان بوجھ کر کیا جائے۔ (تفسیر کبیر از ابن عباس)

☆ ہر مومن کو چاہیے کہ اپنی موت سے قبل اپنے مال میں سے کچھ بطور صدقہ جاریہ کے وصیت کر جائے۔

آیت نمبر ۱۸۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ﴿۱۸۳﴾

ترجمہ

اے ایمان والو! تم پر اسی طرح روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

تفسیر

آیت ۱۸۳:

جدید وقدیم اطباء اور ماہرین اخلاق اس پر متفق ہیں کہ روزہ جسمانی، ذہنی، اعصابی، اخلاقی بیماریوں کا بہترین علاج ہے جسم انسانی کے لیے بہترین مصلح ہے۔ ضبطِ نفس کی روح پیدا کرنے کی سالانہ مشق ہے۔ اس لیے ہر مذہب میں روزہ کسی نہ کسی شکل میں پایا جاتا ہے (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۹ ص ۱۰۲ اور جلد ۱۰ ص ۱۹۲)

☆ ا۔ تقویٰ نفس کی ایک ایسی مستقل کیفیت کا نام ہے جس سے نفس بُرائی سے بچا رہتا ہے جیسے جسم کو اگر مضر غذاؤں سے بچائے رکھا جائے تو جسمانی صحت درست ہوجاتی ہے اور جسم مادی لذتوں سے لطف اُٹھانے کے قابل ہوجاتا ہے۔ خون صالح پیدا ہوتا رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح اگر اخلاقی روحانی برائیوں سے بچا جائے گا تو انسان عالم آخرت کی لذتوں ونعمتوں سے لطف اُٹھانے کے قابل ہوجائے گا۔

☆ یہود کی قاموس اعظم ''جیوش انسائیکلو پیڈیا'' میں پرانی زمانے میں روزہ یا تو بطورِ علامت ماتم کے رکھا جاتا تھا اور یا جب کوئی خطرہ درپیش ہوتا تھا، یا پھر جب سالک اپنے اندر قبولِ الہام کی صلاحیت پیدا کرنا چاہتا تھا۔ (جلد ۵ ص ۳۲۷) جبکہ اسلام میں اس کا مقصد تقویٰ کی صلاحیت پیدا کرنا ہے غرض اسلام میں روزہ نام ہے اپنے قصد وارادے سے صبح صادق سے رات تک اپنی جائز اور طبعی خواہشوں کی تکمیل سے دستبرداری کا۔

آیت نمبر ۱۸۴

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

ترجمہ

(یہ) گنتی کے چند دن (ہیں)، پس اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں (کے روزوں) سے گنتی پوری کر لے، اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو ان کے ذمے ایک مسکین کے کھانے کا بدلہ ہے، پھر جو کوئی اپنی خوشی سے (زیادہ) نیکی کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے، اور تمہارا روزہ رکھ لینا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تمہیں سمجھ ہو۔

تفسیر

آیت ۱۸۴:

حضرت امام جعفر صادقؑ سے پوچھا گیا کہ وہ حد کیا ہے جہاں تک بیمار روزہ چھوڑ دینا چاہیے اور کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھنی چاہیے؟ امامؑ نے فرمایا: ''خدا فرماتا ہے کہ انسان اپنے نفس کی حالت سے خوب واقف ہے۔'' یعنی وہ خوب جانتا ہے کہ اُس میں روزہ رکھنے یا نماز کھڑے ہو کر پڑھنے کی قوت ہے یا نہیں۔'' (کافی۔التہذیب، الفقیہ)

اے آیت میں طاقۃ کا مادہ استعمال ہوا ہے۔ یعنی ''وہ لوگ جو بہت تکلیف سے روزہ رکھ سکیں'' مثلاً بوڑھے یا حاملہ عورتیں۔ (تفسیر کبیر) جنکو سخت مشقت برداشت کرنی پڑے۔ (روح۔کشاف)

آیت نمبر ۱۸۵

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

ترجمہ

رمضان کا مہینہ (وہ ہے) جس میں قرآن اتارا گیا ہے جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور (جس میں) رہنمائی کرنے والی اور (حق و باطل میں) امتیاز کرنے والی واضح نشانیاں ہیں، پس تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پالے تو وہ اس کے روزے ضرور رکھے اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں (کے روزوں) سے گنتی پوری کرے، اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے دشواری نہیں چاہتا، اور اس لئے کہ تم گنتی پوری کرسکو اور اس لئے کہ اس نے تمہیں جو ہدایت فرمائی ہے اس پر اس کی بڑائی بیان کرو اور اس لئے کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

تفسیر

آیت ۱۸۵:

۱۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ: ''رسولؐ خدا نے سفر کی حالت میں روزہ خود افطار فرمایا اور نماز کو قصر کیا اور اپنے ساتھ والوں کو بھی افطار اور قصر کا حکم دیا۔ جب کچھ اصحاب نے عمل نہ کیا تو رسولؐ خدا نے اُن کو نافرمان ہونے کا خطاب دیا اور فرمایا کہ ''یہ لوگ قیامت تک نافرمان رہیں گے۔ (التہذیب)

۲۔ حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضورِ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: ''نماز عید میں سب سے زیادہ تکبیریں اس لیے رکھی گئی ہیں کہ اِس آیت میں ایسا ہی حکم دیا گیا ہے۔ (صافی ص ۵۶) نوٹ: کل قرآن کا نزول تو بتدریج ۲۲ سال میں ہوا لیکن اس کے نزول کی ابتداء ماہِ رمضان میں ہوئی۔ قرآن کی سب سے پہلی آیتیں سورۃ علق کا ابتدائی حصہ غارِ حرا میں اسی مہینے میں نازل ہوا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس ماہِ رمضان میں پورا قرآن آسمان دنیا (سب سے نیچے والے آسمان) پر اُترا۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ اس ماہ میں پورا قرآن قلبِ رسولؐ پر مفہوم کی شکل میں اترا۔

۳۔ ☆ شکر گذار بن جانے کا آسان نسخہ نعمتوں کو یاد رکھنا ہے۔

☆ کتاب ''عمدۃ البیان'' میں جناب رسول خداؐ سے ماہِ رمضان کے ہر روزے کے ثواب اور فضیلت کا ذکر منقول ہے جس میں سے چند روزوں کے بارے میں مختصراً ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے:

- پہلی ماہ رمضان کو خداوندِ کریم میری اُمت کے گناہ بخشتا ہے اور ہزار ہزار درجات بلند فرماتا ہے۔
- پانچویں روزے کے بدلے میں جنت الماوٰی میں خدا ہزار ہزار شہر عطا فرمائے گا کہ ہر شہر میں ستر ہزار گھر اور ہر گھر میں ستر ہزار دسترخوان اور ہر دسترخوان پر ستر ہزار خوانچوں میں ستر ہزار قسم کے کھانے ہوں گے جو ایک دوسرے کے مشابہ نہ ہوں گے۔
- بارہویں روزے کے عوض خدا روزے دار کے گناہوں کو بخشتا اور نیکیوں کو ہزار گنا کرتا ہے۔
- چودہویں روزے کے رکھنے والے کی خدا دنیاوی و اُخروی حاجات قبول فرماتا ہے اور حاملانِ عرش اُس کے لیے بخشش طلب کرتے ہیں اور روزِ محشر خدا اُس کو چالیس نور عطا فرمائے گا، جو ہر چہار طرف سے روزے دار کا احاطہ کیے ہوں گے۔ (عمدۃ البیان بحوالہ انوار النجف ص ۲۲۳)

آیت نمبر ۱۸۶

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

ترجمہ

اور (اے حبیب!) جب میرے بندے آپ سے میری نسبت سوال کریں تو (بتا دیا کریں کہ) میں نزدیک ہوں، میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے، پس انہیں چاہئے کہ میری فرمانبرداری اختیار کریں اور مجھ پر پختہ یقین رکھیں تاکہ وہ راہِ (مراد) پا جائیں۔

تفسیر

آیت ۱۸۶:

گمراہ قوموں نے خدا کے وجود کا اقرار تو کیا مگر اسے اپنی ذات سے اس قدر دور سمجھا کہ وہاں تک بندوں کی رسائی کو ناممکن جانا۔ لیکن اسلام نے خدا کو اتنا قریب بتایا کہ جب چاہو اُس کا پکار لو وہ جواب دیگا۔

اہل اشارات نے نتیجہ نکالا کہ قرب وقبول طلب پر موصوف ہے اور خدا نے آپؐ فرما کر رسولؐ سے اس لیے خطاب فرمایا ہے کہ دعاء بغیر رسولؐ کے توسط کے قبول نہیں ہوگی۔ اور خدا نے خود کو قریب باعتبارِ علم اور باعتبارِ قبولیتِ دعاء فرمایا ہے۔ (ابن عباسؓ۔ مدارک)

اے یعنی خدا تم سے اتنا قریب ہے کہ اُس سے تمھاری جوی بات حتیٰ کہ تمھارے دل کی آواز بھی دور نہیں (معالم) غرض قریب ہونے سے قربِ معنوی مراد ہے یعنی خدا تمہارے حالات اور اقوال سے خوب واقف ہے (بیضاوی)

☆ رسولِ خدا نے فرمایا: ''جس کے لیے دعا کا دروازہ کھل جاتا ہے یعنی جسے دعا کی توفیق مل جاتی ہے اُس کے لیے رحمت کا بھی دروازہ کھل جاتا ہے اور جو لوگ خدا کی دعوت ایمان واطاعت کو قبول کرتے ہیں تو خدا اُن کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔'' (مدارک)

آیت نمبر ۱۸۷

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۪ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

ترجمہ

تمہارے لئے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے، وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو، اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنے حق میں خیانت کرتے تھے سو اس نے

تمہارے حال پر رحم کیا اور تمہیں معاف فرما دیا، پس اب (روزوں کی راتوں میں بیشک) ان سے مباشرت کیا کرو اور جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے چاہا کرو اور کھاتے پیتے رہا کرو یہاں تک کہ تم پر صبح کا سفید ڈورا (رات کے) سیاہ ڈورے سے (الگ ہو کر) نمایاں ہو جائے، پھر روزہ رات (کی آمد) تک پورا کرو، اور عورتوں سے اس دوران شب باشی نہ کیا کرو جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو، یہ اللہ کی (قائم کردہ) حدیں ہیں پس ان (کے توڑنے) کے نزدیک نہ جاؤ، اسی طرح اللہ لوگوں کے لئے اپنی آیتیں (کھول کر) بیان فرماتا ہے تاکہ وہ پرہیزگاری اختیار کریں۔

تفسیر

آیت ۱۸۷:

ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ نمازِ مغرب کے بعد نماز عشاء تک کھانے پینے اور جماع کی اجازت تھی مگر نماز عشاء کے بعد یا سو جانے کے بعد سب حرام ہو جاتا تھا۔ کسی صحابی نے نماز عشاء کے بعد جماع کیا اور شرماتے ہوئے رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ اُن جیسے اور بھی ہیں۔ سب نے اپنے اپنے گناہ کا اقرار کیا۔ اس پر یہ آیت اتری۔

۱۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ اس سے مراد صبح کی سفیدی اور رات کی سیاہی ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ یہاں صبح سے مراد صبح صادق ہے۔ جس میں کوئی شک نہ ہو (کافی)

۲۔ روزہ ختم ہونے کا وقت لیل یعنی رات کو بتلایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ رات اور چیز ہے اور غروب آفتاب اور چیز ہے۔ رات جب ہوتی ہے کہ جب مشرق کی سُرخی جاتی رہے اور رات کی سیاہی ادھ اُدھر سے پھلتی ہوئی سر سے گذر جائے۔

☆ سر ولیم میور نے لکھا ''روزے کی سختیاں بدستور قائم ہیں، خواہ ماہ رمضان کسی موسم میں پڑے مشرق کے میدانوں میں چلچلاتی ہوئی دھوپ ہو یا جھلساتی ہوئی گرم ہوائیں، لمبے لمبے دن ہوں، مگر محمدؐ کے پیرو صبح سے رات تک پانی کا ایک قطرہ حلق کے نیچے نہیں اُتارتے۔ اتنی سخت ریاضت قوتِ ایمانی اور ضبطِ نفس کا پورا پورا امتحان ہے''۔ (لائف آف محمد ص ۱۹۲)

۴۔ عورتوں کو مردوں کا لباس کہنا اس لیے ہے کہ (۱) مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں۔ (۲) لباس عیبوں کو چھپاتا ہے اور انسان کے حسن وخوبی کو اُبھارتا ہے۔ گویا میاں بیوں کو ایک دوسرے کے عیوب کی پردہ پوشی کرنی چاہیے اور ایک دوسرے کی زینت کو بڑھانا چاہیے۔ (۳) لباس انسان کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ اس طرح مرد عورت کے لیے اور عورت مرد کی ضرورت ہے۔

آیت نمبر ۱۸۸

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

ترجمہ

اور تم ایک دوسرے کے مال آپس میں ناحق نہ کھایا کرو اور نہ مال کو (بطورِ رشوت) حاکموں تک پہنچایا کرو کہ یوں لوگوں کے مال کا کچھ حصہ تم (بھی) ناجائز طریقے سے کھا سکو حالانکہ تمہارے علم میں ہو (کہ یہ گناہ ہے)

تفسیر

آیت ۱۸۸:

حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابوبصیر سے فرمایا: ''اے ابوبصیر! تحقیق، اللہ کو علم تھا کہ امت میں حکام جور ہوں گے۔ پس اس آیت میں تحقیق حکام سے مراد حکامِ جور ہیں، نہ کہ حکامِ عدل۔'' (کافی۔ تفسیر عیاشی۔ تفسیر انوار النجف ص ۲۴۱)

آیت نمبر ۱۸۹

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰی ۚ وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

ترجمہ

(اے حبیب!) لوگ آپ سے نئے چاندوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، فرما دیں: یہ لوگوں کے لئے اور ماہِ حج (کے تعیّن) کے لئے وقت کی علامتیں ہیں، اور یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم (حالتِ احرام میں) گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آؤ بلکہ نیکی تو (ایسی الٹی رسموں کی بجائے) پرہیزگاری اختیار کرنا ہے، اور تم گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

تفسیر

آیت ۱۸۹:

۱۔ خدا اور خوف خدا کے درمیان کوئی ضد کی نسبت نہیں ہوتی۔ خدا کا خوف ویسا خوف نہیں ہوتا جو خوفناک چیز سے دور کر دیتا ہے۔ یہ خوف اصل میں وہ خوف اور رعب و داب ہے جو کسی چیز کی عظمت، قوت اور اختیارات دیکھ کر دل میں پیدا ہوتا ہے یہ خوف اُس چیز سے ہمیں دور نہیں کرتا جس سے ہم اُس کی عظمت کی وجہ سے مرعوب ہوتے ہیں، بلکہ اصل میں یہ خوف تو دل میں اور کشش پیدا کرتا ہے کہ ایسی عظیم چیز سے کسی نہ کسی طرح قربت حاصل کی جائے۔ جیسے کوئی بہت بااعتبار افسر ہو، اور جس کے اختیارات سے ہم مرعوب ہوں تو دل میں ہم اُس کے

قریب ہونے کے لیے ایک زبردست کشش محسوس کرتے ہیں خدا سے اسی قسم کا خوف درکار ہے جو اس کی عظمت سے متاثر ہو کر پیدا ہو۔ یہ خوف دہشت کی ضد ہے۔ جبکہ احساسِ عظمت قریب کھینچنے والی چیز ہے۔

☆ اور خدا کا یہ فرمانا کہ ''گھروں میں دروازوں سے آؤ'' کے سلسلے میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''خدا نے علم کے اہل مقرر فرمائے ہیں اور ان علماء کی اطاعت اپنے تمام بندوں پر واجب قرار دی ہے۔ اور خدا کا یہ فرمانا کہ ''گھروں میں دروازوں سے داخل ہو، تو اس آیت میں گھروں سے مراد ''علم کے گھر'' ہیں۔ وہ علم کے گھر انبیاء ہیں جن کو خدا نے اپنا علم سپرد فرمایا ہے۔ اور اُن گھروں کے دروازے ان انبیاء کے اوصیاء ہیں۔''

☆ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہم ہی وہ گھر ہیں جن کے دروازوں سے آنے کا خدا نے حکم دیا ہے۔ اور ہم ہی خدا کا دروازہ ہیں جن کے ذریعے سے خدا کے پاس آنا چاہیے۔ غرض جس نے ہماری متابعت کی اور ہماری ولایت یعنی دوستی اور سرپرستی کا اقرار کیا، تو وہ بیشک علم کے گھروں میں اُن کے دروازوں سے داخل ہوا۔ اور جس نے ہماری مخالفت کی اور ہمارے غیر کو ہم پر فضیلت دی' وہ گھروں میں اُن کے پچھواڑے سے آیا۔'' (تفسیر صافی ص ۵۷)

نوٹ: بالکل ظاہر ہے کہ گھروں سے مراد مادی گھر اور اُن کے دروازے نہیں ہو سکتے اس لیے کہ جاہل سے جاہل آدمی بھی گھروں میں دروازوں ہی سے آتا ہے۔

☆ نیز یہ کہ رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہے۔'' (احتجاج طبرسی)

آیت نمبر ۱۹۰۔۱۹۱

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۹۰﴾
وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ
اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ

عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾

ترجمہ

اور اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں (ہاں) مگر حد سے نہ بڑھو، بیشک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

اور (دورانِ جنگ) ان (کافروں) کو جہاں بھی پاؤ مار ڈالو اور انہیں وہاں سے باہر نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا اور فتنہ انگیزی تو قتل سے بھی زیادہ سخت (جرم) ہے اور ان سے مسجدِ حرام (خانہ کعبہ) کے پاس جنگ نہ کرو جب تک وہ خود تم سے وہاں جنگ نہ کریں، پھر اگر وہ تم سے قتال کریں تو انہیں قتل کر ڈالو، (ایسے) کافروں کی یہی سزا ہے۔

تفسیر

آیت ۱۹۱:

امام رازی نے خوب لکھا کہ ''پچھلی آیت میں تقویٰ کی تاکید کی گئی ہے۔ اسی مناسبت سے تقویٰ کی شدید ترین قسم قتال و جہاد کا ذکر شروع کیا گیا۔ (تفسیر کبیر)

وضاحت: دنیاوی مادی فاتحین کی جنگوں اور اسلامی اور قرآنی جنگوں میں سب سے برا فرق مقصد اور طریقے کا ہوتا ہے۔ (۱) اسلامی جنگیں دفاعی نوعیت کی ہوتی ہیں جیسا کہ آیت کے شروع کے الفاظ سے بالکل واضح ہے کہ جہاں سے اُنھوں نے تمھیں نکالا ہے، تم بھی انھیں نکالو۔''

معلوم ہوا کہ جنگ دشمن نے شروع کر کے پہلے مسلمانوں کو نکال دیا ہے۔ اب ان کے اس عمل کی سزا کے طور پر جنگ کی جارہی ہے۔ (۲) دوسرا فرق یہ ہے کہ اسلامی جنگیں فتنہ و فساد ظلم و ستم کو دور کرنے کے لیے کی جاتی ہیں علاقے فتح کرنے کے لیے نہیں کی جاتیں، جیسا کہ آیت میں ارشاد فرمایا: ''فتنہ تو قتل سے بھی زیادہ سخت تر چیز ہے۔'' (۳) اسلامی جنگوں میں خدا کے قانون کی پابندیاں کی جاتی ہیں، جو دل چاہے وہ نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ اِس آیت میں ارشاد

فرمایا: ''ان سے مسجدِ حرام کے قریب قتال نہ کرو، جب تک وہ خود تم سے قتال نہ کریں۔ ہاں اگر وہ خود تم سے قتال کریں تو تم انھیں قتل کرو۔'' اس سے یہ پھر واضح ہو گیا کہ اسلامی جنگیں دفاعی نوعیت کی جنگیں ہوتی ہیں (۴) اسلامی جنگوں کو اپنی مرضی سے طول نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے ارشاد فرمایا: ''اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فساد باقی نہ رہ جاتے۔'' معلوم ہوا کہ فساد کے ختم ہوتے ہی جنگ ختم کرنی ہوگی۔ (۵) اسلامی جنگوں میں دشمن پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ واضح طور پر ارشاد فرمایا گیا۔ ''جو کوئی تم پر زیادتی کرے، تو تم بھی اُس پر زیادتی کرو۔ جیسی اُس نے تم پر زیادتی کی ہے۔ اور اس معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ بُرائی سے بچنے والوں کے ساتھ ہے۔''

آیت نمبر ۱۹۲۔ ۱۹۳

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

ترجمہ

پھر اگر وہ باز آ جائیں تو بیشک اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔

اور ان سے جنگ کرتے رہو حتّٰی کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین (یعنی زندگی اور بندگی کا نظام عملاً) اللہ ہی کے تابع ہو جائے، پھر اگر وہ باز آ جائیں تو سوائے ظالموں کے کسی پر زیادتی روا نہیں۔

تفسیر

آیت ۱۹۳:

حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا کہ: ''جب امام مہدیؑ ظاہر ہوں گے تو وہ قاتلانِ حسینؑ کی اولاد کو ان کے باپ دادا کے عوض قتل کریں گے۔'' کسی نے عرض کیا کہ خدا تو فرماتا ہے کہ

''کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔''؟ امامؑ نے فرمایا: ''خدا کا قول برحق ہے۔ لیکن امام حسینؑ کے قاتلوں کی اولاد اپنے باپ دادا کے اس فعل پر راضی ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ اور جو شخص کسی کے فعل سے راضی ہوگا وہ ایسا ہی ہوگا کہ جیسے اس نے وہ فعل خود کیا ہو۔ یہاں تک کہ اگر ایک شخص مشرق میں قتل کیا جائے اور دوسرا شخص مغرب میں اس کے قتل پر راضی ہو تو خدا کے نزدیک وہ راضی ہونے والا قاتل کا شریک ہے، اسی لیے امام مہدیؑ امام حسینؑ کے خون کا بدلہ اُن کے قاتلوں کی اولاد (یعنی امام حسینؑ کے قتل پر راضی ہونے والوں) سے لیں گے۔'' (تفسیر صافی ص ۵۷، تفسیر عیاشی)

آیت نمبر ۱۹۴۔۱۹۵

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾
وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛۚ وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾

ترجمہ

حرمت والے مہینے کے بدلے حرمت والا مہینہ ہے اور (دیگر) حرمت والی چیزیں ایک دوسرے کا بدل ہیں، پس اگر تم پر کوئی زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو مگر اسی قدر جتنی اس نے تم پر کی، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہی ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اور نیکی اختیار کرو، بیشک اللہ نیکوکاروں سے محبت فرماتا ہے۔

تفسیر

آیت ۱۹۵:

جان اور مال خدا کی دی ہوئی چیزیں ہیں۔اس لیے مالک کی مرضی کے بغیر اُن کو استعمال کرنا جائز نہیں۔مال وہیں خرچ کیا جائے جہاں خرچ کرنے کا حکم یا اجازت خدا نے دی ہو۔اسی سے خدا کی خوشی حاصل ہوسکتی ہے۔پس اگر جان و مال کو اُ کے علاوہ خدا کی مرضی کے خلاف استعمال کیا جائے گا تو یہ خود کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہوگا۔جان اگر چہ خدا کی راہ میں دی جائے یعنی دین کی حفاظت کے لیے،تو یہ خدا کی رضا اور خوشنودی کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔لیکن اگر یہی جان ذاتی رنجش یا خودکشی کے ذریعے دے دی جائے تو یہ ہلاکت ہے۔(القرآن المبین)

آخر میں خدا کا ارشاد فرمانا کہ:''وہ اچھے کام کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' بتاتا ہے کہ اسلام اور قرآن میں جس خدا کی معرفت کرائی گئی ہے وہ ایک زندہ، بیدار، حساس، فعال، متحرک، خوش اور ناراض ہونے والا خدا ہے۔ لوگوں سے محبت بھی کرتا ہے اور اُن کے افعال و اعمال کی وجہ سے ان سے نفرت بھی کرتا ہے۔سزا بھی دیتا ہے، جزا بھی دیتا ہے۔''اگر تم اپنے اچھے اعمال کو اچھے طریقے سے ادا کرو گے تو وہ تم سے محبت فرمائے گا۔''(قرطبی۔بیضاوی)

آیت نمبر ۱۹۶

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ۪ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ

عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾

ترجمہ

اور حج اور عمرہ (کے مناسک) اللہ کے لئے مکمل کرو، پھر اگر تم (راستے میں) روک لئے جاؤ تو جو قربانی بھی میسر آئے (کرنے کے لئے بھیج دو) اور اپنے سروں کو اس وقت تک نہ منڈواؤ جب تک قربانی (کا جانور) اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے، پھر تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو (اس وجہ سے قبل از وقت سر منڈوالے) تو (اس کے) بدلے میں روزے (رکھے) یا صدقہ (دے) یا قربانی (کرے)، پھر جب تم اطمینان کی حالت میں ہو تو جو کوئی عمرہ کو حج کے ساتھ ملانے کا فائدہ اٹھائے تو جو بھی قربانی میسر آئے (کر دے)، پھر جسے یہ بھی میّسر نہ ہو وہ تین دن کے روزے (زمانۂ) حج میں رکھے اور سات جب تم حج سے واپس لوٹو، یہ پورے دس (روزے) ہوئے، یہ (رعایت) اس کے لئے ہے جس کے اہل و عیال مسجدِ حرام کے پاس نہ رہتے ہوں (یعنی جو مکہ کا رہنے والا نہ ہو)، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

تفسیر

آیت ۱۹۶:

متبرک مقامات پر جس طرح خدا سے قریب ہونے اور اس کے اجر پانے کے مواقع بہت زیادہ ہوتے ہیں، اسی طرح بے ادبی پر سزا کا خطرہ بھی بہت زیادہ ہوتا ہے کیونکہ خدا نے اس موقع پر خود کو ''سخت گرفت کرنے اور سزا دینے والا'' ارشاد فرمایا ہے۔

آیت نمبر ۱۹۷

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۝۱۹۷

ترجمہ

حج کے چند مہینے معیّن ہیں (یعنی شوّال، ذوالقعدہ اور عشرہءذی الحجہ)، تو جو شخص ان (مہینوں) میں نیت کر کے (اپنے اوپر) حج لازم کر لے تو حج کے دنوں میں نہ عورتوں سے اختلاط کرے اور نہ کوئی (اور) گناہ اور نہ ہی کسی سے جھگڑا کرے، اور تم جو بھلائی بھی کرو اللہ اسے خوب جانتا ہے، اور (آخرت کے) سفر کا سامان کر لو، بیشک سب سے بہتر زادِ راہ تقویٰ ہے، اور اے عقل والو! میرا تقویٰ اختیار کرو۔

تفسیر

آیت ۱۹۷:

خدا کا فرمانا کہ ''حج میں نہ کوئی فحش بات ہونے پائے اور نہ کوئی بے حکمی یا جھگڑا ہونے پائے۔'' اسلامی رسومات کو میلوں ٹھیلوں میں بدکاری کی گرم بازاری کو روکنا ہے جبکہ جاہلیت کے حج میں بدکاری اور فحش حرکات شامل تھیں۔ اسلامی اجتماعی عبادات ہر قسم کی بدکاری اور فحاشی سے پاک ہوتی ہیں۔

☆ حج کے مہینے، شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ ہیں۔

☆ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ: ''رفث'' سے مراد جماع ہے ''فسوق'' سے مراد جھوٹ بولنا اور گالیاں بکنا ہے ''جدال'' سے مراد بے فائدہ قسمیں کھانا ہے۔

جو جدال کرے وہ ایک بکری کفارے میں دے۔ جو فسوق کا مرتکب ہو وہ ایک گائے دے، اور جو حالتِ احرام میں رفث یعنی جماع کرے تو اُس کا حج ہی باطل ہے۔ (تفسیر عیاش، کافی)

آیت نمبر ۱۹۸

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾

ترجمہ

اور تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں اگر تم (زمانۂ حج میں تجارت کے ذریعے) اپنے رب کا فضل (بھی) تلاش کرو، پھر جب تم عرفات سے واپس آؤ تو مشعرِ حرام (مُزدلفہ) کے پاس اللہ کا ذکر کیا کرو اور اس کا ذکر اس طرح کرو جیسے اس نے تمہیں ہدایت فرمائی، اور بیشک اس سے پہلے تم بھٹکے ہوئے تھے۔

تفسیر

آیت ۱۹۸:

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: ''یہاں فضلِ خدا'' سے مراد رزق ہے۔ جو شخص حج سے فارغ ہو جائے، اُس کو حج کے میلے میں خرید و فروخت کا پورا پورا اختیار ہے۔ (تفسیر عیاشی)

☆ سارے مفسرین نے اتفاق کیا ہے کہ یہاں ''فضلِ خدا'' سے مراد تجارت کا مالی نفع ہے (راغب، کشاف)

☆ لوگ سمجھتے تھے کہ حج کے موقعے پر تجارت حرام ہے۔ جہاں تجارت ہوگی وہاں عبادت ختم ہوئی

خدا نے اس مغالطہ کو رد کر دیا۔ (تفسیر کبیر، ابن عربی، جصاص)

پھر بات میں بات پیدا کرنا، یہ قرآن کا اندازِ بیان ہے ایک لفظ یہ فرما کر کہ: ''تمہارے رب کی طرف سے'' یاد دلا دیا کہ تجارتی نفع بھی تو خدا کی دین ہے اور حج بھی خدا کی عبادت ہے، اس لیے اس میں کوئی تضاد نہیں۔ بشرطیکہ خدا کے مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر کی جائے اور اس کا مقصد خدا کی اطاعت اور حقوق ادا کرنا ہو،

☆ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں یوم عرفہ سے زیادہ بندے جہنم کی آگ سے آزاد کیے جاتے ہوں۔ (الحدیث)

☆ پھر حج کے پورے ذکر میں قدم قدم پر تزکیۂ قلب کا بیان ملے گا۔ عام لباس اُتروا دیا جاتا ہے۔ نہ سر پر ٹوپی نہ پگڑی۔ جسم پر نہ سوٹ بوٹ نہ شیروانی۔ جتنی چیزیں دل کو لبھانے والی تھی حرام ہوگئیں۔ بابار لبیک کہلوا کر خدا کی یاد تازہ کرادی۔ خدا کے دربار کی حاضری سامنے آ گئی۔ آخر میں خدا نے خود کو غفور فرما کر توجہ دلائی کہ اُس وقت اپنے سب سے بڑے مسئلے یعنی اپنے گناہوں کو معاف کرالو۔

آیت نمبر ۱۹۹

ثُمَّ اَفِیۡضُوۡا مِنۡ حَیۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۹۹﴾

ترجمہ

پھر تم وہیں سے جا کر واپس آیا کرو جہاں سے (اور) لوگ واپس آتے ہیں اور اللہ سے (خوب) بخشش طلب کرو، بیشک اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر

آیت ۱۹۹:

کچھ لوگ عرفات سے روانہ ہونے کے بجائے حرم میں جمع ہو کر روانہ ہوتے تھے۔ خدا نے حکم دیا کہ جس

طرح حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ اور ان کے تابعدار لوگ عرفات سے روانہ ہوتے تھے اسی طرح تم بھی عرفات میں جمع ہوکر، وہاں سے روانہ ہوا کرو۔

آیت نمبر ۲۰۰

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾

ترجمہ

پھر جب تم اپنے حج کے ارکان پورے کر چکو تو (منیٰ میں) اللہ کا خوب ذکر کیا کرو جیسے تم اپنے باپ دادا کا (بڑے شوق سے) ذکر کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ شدّتِ شوق سے (اللہ کا) ذکر کیا کرو، پھر لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں (ہی) عطا کر دے اور ایسے شخص کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

تفسیر

آیت ۲۰۰:

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام روایت ہے: ''جاہلیت میں بھی حج کا رواج تھا۔ اُن دنوں ایک میلہ لگتا تھا اور جب حج ہو چکتا تو لوگ جمع ہوکر اپنے اپنے باپ داداؤں کی شان میں قصیدے پڑھتے اور سنتے اور آپس میں مقابلے کرتے۔ آج بھی عربی ادب کی کتابوں میں وہ قصائد موجود ہیں۔ خدا نے فرمایا: وہ عام لوگ تھے۔ تم ان کی مدح کرتے ہو تو خیر، اُن سے زیادہ اپنے پالنے والے مالک کی مدح کرو اور یہ مدح وثناء انکی مدح وثناء سے زیادہ زور دار ہونی چاہیے۔ (تفسیر مجمع البیان)

آیت نمبر ۲۰۱ تا ۲۰۳

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

ترجمہ

اور انہی میں سے ایسے بھی ہیں جو عرض کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں (بھی) بھلائی عطا فرما اور آخرت میں (بھی) بھلائی سے نواز اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ان کی (نیک) کمائی میں سے حصہ ہے، اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔

اور اللہ کو (ان) گنتی کے چند دنوں میں (خوب) یاد کیا کرو، پھر جس کسی نے (منیٰ سے واپسی میں) دو ہی دنوں میں جلدی کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جس نے (اس میں) تاخیر کی تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، یہ اس کے لئے ہے جو پرہیزگاری اختیار کرے، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم سب کو اسی کے پاس جمع کیا جائے گا۔

تفسیر

آیت ۲۰۳:

یہ تکبیریں منیٰ سے مکہ تک کی نمازوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ یہ دو دن بھی پڑھی جا سکتی ہیں اور تین دن بھی۔ اسی لیے خدا نے اجازت دیدی کہ تم تین دن کے بجائے دو دن میں ادا کرلو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ تم پرہیزگار ہو۔ یہی تین دن ایام تشریق کہلاتے ہیں۔ یہ ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ ذی الحجہ کے دن ہیں۔ یہ خاص تکبیریں اُن ہی دنوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ ان دنوں ''منیٰ'' میں قیام ہوتا ہے۔ منیٰ، مکہ سے ۴ میل دور ہے یہ پہلے ایک میدان تھا مگر اب یہاں عالیشان عمارتیں بن چکی ہیں۔

تشریق کے معنی قربانی سکھانے کے ہیں۔ کیونکہ حاجیوں کو ۱۲ ذی الحجہ کی شام تک یہاں قیام کرنا پڑتا ہے۔ یہیں قربانی دینا، سر کے بال اُتروانا، تین شیطانوں کو کنکریاں مارنا، جامۂ احرام اُتارنا، ذکرِ الٰہی کرنا، تکبیر کی کثرت، منیٰ کے قیام کے اجزاء ہیں۔ ان ہی دنوں کو اس آیت میں ''چند دن'' کہا گیا ہے۔ اس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے۔ (قولِ حضرت علیؓ۔ ابن عباسؓ، از جصاص)

آیت نمبر 204

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾

ترجمہ

اور لوگوں میں کوئی شخص ایسا بھی (ہوتا) ہے کہ جس کی گفتگو دنیاوی زندگی میں تجھے اچھی لگتی ہے اور وہ اللہ کو اپنے دل کی بات پر گواہ بھی بناتا ہے، حالانکہ وہ سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔

تفسیر

آیت ۲۰۴:

شانِ نزول میں آیا ہے کہ ''قبیلہ'' ثقیف کا ایک شخص بڑا خوش منظر اور خوش تقریر تھا جب حضور اکرمؐ کے پاس آتا تو بڑے لمبے چوڑے ایمان کے دعوے کرتا۔ بات بات پر خدا کو گواہ بناتا لیکن جانے کے بعد ہر طرح کی شرارتوں میں مصروف ہو جاتا اس کا نام اخنس بن شریق ثقفی تھا۔ (ابن جریر، تفسر کبیر)

آیت نمبر ۲۰۵

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾

ترجمہ

جب بھی اسے حکومت مل جائیگی تو دنیا میں دوڑتا پھرے گا۔ تا کہ دنیا میں فساد برپا کرے۔ اور کھیتی اور نسل انسانی کو تباہ و برباد کر دے۔ حالانکہ خدا فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا

تفسیر

آیت ۲۰۵:

محققین نے نتیجہ نکالا کہ: ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بھی ایسے لوگ تھے اور اُن کا حضور اکرمؐ کو علم تھا۔ اسی لیے آپؐ نے حدیث حوض میں ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن میرے کچھ صحابیوں کو میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا میں کہوں گا ''یارب اصحابی'' اے میرے مالک! یہ تو میرے صحابی ہیں۔ خدا فرمائے گا۔ ''ٹھیک ہے، لیکن آپؐ یہ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپؐ کے بعد کیا کچھ کیا ہے۔ ''میں کہوں گا۔'' دوری ہو دوری ہو اُن کو

جنہوں نے اللہ کے دین کو بدل دیا تھا۔'' (بخاری شریف)

''سعیٰ'' کے معنی سرگرمِ عمل ہونا، دوڑ دھوپ کرنا۔ (ابن جریر۔ بحر)

''نسل'' سے، ہر قسم کے جانور اور چلنے پھرنے والے مراد ہیں (ابن عباسؓ۔ ابن جریر، مجاہد)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ''حرث'' یعنی کھیتی سے مراد دین ہے ''اور نسل'' سے مراد انسان ہے۔ (روح)

آیت نمبر ۲۰۶۔۲۰۷

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

ترجمہ

اور جب اسے اس (ظلم وفساد پر) کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو اس کا غرور اسے مزید گناہ پر اکساتا ہے، پس اس کے لئے جہنم کافی ہے اور وہ یقیناً برا ٹھکانا ہے۔

اور (اس کے برعکس) لوگوں میں کوئی شخص ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنی جان بھی بیچ ڈالتا ہے، اور اللہ بندوں پر بڑی مہربانی فرمانے والا ہے۔

تفسیر

آیت ۲۰۷:

یہ آیت شبِ ہجرت حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی جب حضورؐ کی فرمائش پر آپؑ بسترِ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سوئے، اور اس طرح رسولِ خداؐ کی جان کفار کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچائی۔ جبرائیلؑ رات بھر (حضرت علی مرتضیٰؑ کی) مدح خوانی کرتے رہے۔ اور آپؑ کے سرہانے کھڑے رہے۔ (از احیاء العلوم، امام غزالی)، (تفسیر المیزان، تفسیر درِ منثور)

آیت نمبر ۲۰۸

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾

ترجمہ

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

تفسیر

آیت ۲۰۸:

یہاں ''سلم'' سے مراد حضرت علیؑ اور آپ کی اولاد طاہرینؑ کی ولا کا اقرار ہے اور ''خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ'' سے مراد اہل بیتؑ کے دشمنوں کی ولا ہے۔ (یہ باطنی تفسیر ہے) (از تفسیر برہان)

آیت نمبر ۲۰۹۔۲۱۰

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾

ترجمہ

پس اگر تم اس کے بعد بھی لغزش کرو جب کہ تمہارے پاس واضح نشانیاں آ چکیں تو جان لو کہ اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔

کیا وہ اسی بات کے منتظر ہیں کہ بادل کے سائبانوں میں اللہ (کا عذاب) آ جائے اور فرشتے بھی (نیچے اتر آئیں) اور (سارا) قصہ تمام ہو جائے، تو سارے کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

تفسیر

آیت ۲۱۰:

تفسیر آئمہ اہل بیتؑ میں ہے کہ یہ آیت رجعت کے متعلق ہے۔ (تفسیر انوار انجف ص ۳۱)

آیت نمبر ۲۱۱

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

ترجمہ

آپ بنی اسرائیل سے پوچھ لیں کہ ہم نے انہیں کتنی واضح نشانیاں عطا کی تھیں، اور جو شخص اللہ کی نعمت

کو اپنے پاس آ جانے کے بعد بدل ڈالے تو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

تفسیر

آیت ۲۱۱:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ: ''کچھ لوگ تو ان آیتوں پر ایمان لائے اور کچھ نے ان کا انکار کیا اور کچھ نے اقرار کیا اور کچھ نے ان کو بدل ڈالا۔'' (کافی)

اللہ کی نعمتوں کو بدل دینے سے مراد یہ بھی ہے کہ (۱) جو چیزیں ہدایت اور فائدے حاصل کرنے کے لیے تھیں اُن کو خدا کی معصیت اور فسق و فجور میں استعمال کیا جائے (۲) جو کلام باعثِ ہدایت ہوتا ہے اس کو بدل کر دوسرے معنی پہنا دیے جائیں۔ (۳) صحیح باتوں کی غلط تاویل یا اُلٹا مطلب بتایا جائے۔ (بیضاوی)

اور خدا کی نعمتوں میں ہر نعمت شامل ہے۔ اب ہم خود سوچ لیں کہ کون سی نعمت ایسی ہے جس کی روح کو ہم نے نہیں بدل ڈالا۔ مثلاً نماز کی نعمت ہی کو لیجیے بقول اقبالؒ

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

(اقبالؔ)

اخلاق و اتحاد کی نعمت کو ہم نے فرقہ واریت سے بدل دیا۔ دنیا کی نعمتوں و فسق و فجور پر خرچ کر کے اُس کی روح کو بدل دیا، قرآن کی نعمت کی غلط تاویلیں کر کے اس میں خیانت کی۔ بقولِ اقبالؒ:

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

آیت نمبر ۲۱۲

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ

مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

ترجمہ

کافروں کے لئے دنیا کی زندگی خوب آراستہ کر دی گئی ہے اور وہ ایمان والوں سے تمسخر کرتے ہیں، اور جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا وہ قیامت کے دن ان پر سربلند ہوں گے، اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب نوازتا ہے۔

تفسیر

آیت ۲۱۲:

مکہ کے مالدار کفار جیسے ابوجہل، ہشام، غریب مومنین مثلاً عمارؓ، حبیبؓ، بلالؓ سلمانؓ وغیرہ کو جب دیکھتے تھے تو ان کا مذاق اُڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر محمدؐ سچے ہوتے تو عرب کے اشراف یعنی بڑے اور مالدار لوگ اُن کی پیروی کرتے۔ تم جیسے کنگال لوگوں کا اُن کو مان لینا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ یہ آیت (۲۱۲) ان ہی لوگوں کے قول وعقیدے کی رد میں نازل ہوئی ہے۔

آیت نمبر ۲۱۳

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى

اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

ترجمہ

(ابتداء میں) سب لوگ ایک ہی دین پر جمع تھے، (پھر جب ان میں اختلافات رونما ہو گئے) تو اللہ نے بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبروں کو بھیجا، اور ان کے ساتھ حق پر مبنی کتاب اتاری تا کہ وہ لوگوں میں ان امور کا فیصلہ کر دے جن میں وہ اختلاف کرنے لگے تھے اور اس میں اختلاف بھی فقط انہی لوگوں نے کیا جنہیں وہ کتاب دی گئی تھی، باوجود اس کے کہ ان کے پاس واضح نشانیاں آ چکی تھیں، (اور انہوں نے یہ اختلاف بھی) محض باہمی بغض وحسد کے باعث (کیا) پھر اللہ نے ایمان والوں کو اپنے حکم سے وہ حق کی بات سمجھا دی جس میں وہ اختلاف کرتے تھے، اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرما دیتا ہے۔

تفسیر

آیت ۲۱۳:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ: ''یہ ذکر حضرت نوحؑ کے آنے سے پہلے کا ہے اُس وقت سب لوگ گمراہی میں تھے اور اوصیاء، آدمؑ تک خوف سے تقیہ کرتے تھے، دینِ حق کا اظہار نہ کرتے تھے کیونکہ حضرت آدمؑ کے بڑے بیٹے قابیل (جو اپنے بھائی حضرت ہابیلؑ کا قاتل تھا) کی طرف سے اوصیاء کو قتل کی دھمکی دی جاتی تھی۔ آخر کار مجبور ہو کر (حضرت شیثؑ اور) حضرت نوحؑ کے اوصیاء ایک جزیرے میں علیحدگی اختیار کر کے خدا کی عبادت کرنے چلے گئے تھے۔'' (تفسیر عیاشی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام، امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے، آپؑ نے فرمایا کہ ''حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیان والے گونہ کافر تھے اور نہ مومن تھے، بلکہ مذبذب تھے پس انبیاءؑ اُن کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے اور اُن کو صحیح اسلام کے راستے کی دعوت دی گئی۔''

وَمَا اخْتَلَفَ فِیْهِ: یعنی جن لوگوں کے پاس کتاب آجاتی تھی تو پھر وہ جان بُوجھ کر اس میں اختلاف ڈال دیتے تھے جس طرف یہودی علماء نے حضرت رسالت مآبؐ کے اوصاف (جو توریت میں موجود تھے) کو تبدیل کر کے عوام کو اختلاف و گمراہی میں ڈال دیا۔ (انوار النجف ص ۳۴)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ: اختلاف کبھی رحمت نہیں ہوسکتا۔ اس لیے یہ حدیث جو بہت مشہور ہے صحیح نہیں ہے کہ ''میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔'' اختلاف رحمت نہیں ہوتا۔ (اگر یہ حدیث صحیح ہے تو) اس کے معنی امام رضاؑ نے بتلاء ہیں کہ ''اختلاف کے معنی یہاں آنا جانا ہے''۔ جیسے کہ قرآن میں اختلافِ الیل و النہار، دن رات کے آنے جانے کو بیان کیا ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ امت کا ہمارے (محمد وآلِ محمدؐ کے) پاس علم حاصل کرنے کے لیے آنا جانا ''رحمت ہے۔''

آیت نمبر ۲۱۴

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ﴿۲۱۴﴾

ترجمہ

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم (یونہی بلا آزمائش) جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر تو ابھی ان لوگوں جیسی حالت (ہی) نہیں بیتی جو تم سے پہلے گزر چکے، انہیں تو طرح طرح کی سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور انہیں (اس طرح) ہلا ڈالا گیا کہ (خود) پیغمبر اور ان کے ایمان والے ساتھی (بھی) پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ آگاہ ہو جاؤ کہ بیشک اللہ کی مدد قریب ہے۔

تفسیر

آیت ۲۱۴:

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''تم لوگ بہت امن میں ہو۔تم سے پہلے کے لوگ اگر دین حق کو قبول کر لیتے تھے تو اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹے جاتے تھے، اور اُن کو صلیب پر کھینچا جاتا تھا۔'' (اخراء، الجرائح)

اس آیت سے مراد یہ نہیں کہ کوئی مومن ایمان اور عملِ صالح اور فضلِ خداوندی کے سبب جنت ہی میں داخل نہ ہو سکے گا جب تک کہ مجاہدات شدیدہ کی منزل سے نہ گزرے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ درجاتِ عالیہ بغیر سخت امتحانات کے نہیں ملتے۔ بقول میر انیسؔ

گذرِ منزل ِ تسلیم و رضا مشکل ہے
جن کے رُتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے

مجاہدہ تو ہر مومن اپنی بساط کے مطابق ہی کر سکتا ہے اور ہر مومن کو امتحان کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ (تھانوی)

☆ زبور میں ہے کہ ''صادق پر بہت سی مصیبتیں ہوتی ہیں'' (زبور ۳۴:۱۹)

بقول عرفیؔ

گفتارِ صدق مایہ آزار می شود
چوں حرفِ حق بلندشود دار می شود

یعنی سچ بات تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ جب حق بات کہی جاتی ہے تو سولی اس کے لیے تیار ہوتی ہے۔

☆ زبور میں ہے: ''ضروری ہے کہ ہم بہت سی مصیبتیں برداشت کرنے کے بعد خدا کی بادشاہت (جنت) میں داخل ہوں'' (اعمال ۱۴:۲۲)

☆ عرفاء نے نتیجہ نکالا کہ حالاتِ مخالف کے ہجوم سے فطرت کے تقاضے کے سبب بے چینی تو کاملین کو بھی ہوتی ہے۔ مگر ثابت قدمی اور خدا کے احکام کی پیروی کے سبب نصرتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے۔

آیت نمبر ۲۱۵

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ

فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

ترجمہ

آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں، فرما دیں: جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے)، مگر اس کے حق دار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں، اور جو نیکی بھی تم کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے۔

تفسیر

آیت ۲۱۵:

محققین نے نتیجہ نکالا کہ مال سب سے پہلے ماں باپ پر خرچ کرنا چاہیے۔ اس کے بعد قریبی رشتے داروں میں غریب یتیم بیوہ کو دیا جائے۔ اُن کے بعد عام یتیم مسکین اور مسافروں کو دیا جائے ایسا نہ ہو کہ مستحق کو محروم کر کے غیر مستحق کو مال دے دیا جائے۔ ایسی صورت میں دینے کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ خدا نے واضح طور پر بتلا دیا کہ جو کچھ دو ہمارے حکم کے مطابق حقداروں کو دو (القرآن المبین)

آیت نمبر ۲۱۶

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾

ترجمہ

(اللہ کی راہ میں) قتال تم پر فرض کر دیا گیا ہے حالانکہ وہ تمہیں طبعاً ناگوار ہے، اور ممکن ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ (حقیقتاً) تمہارے لئے بہتر ہو، اور (یہ بھی) ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ (حقیقتاً) تمہارے لئے بری ہو، اور اللہ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

تفسیر

آیت ۲۱۶:

محققین نے لکھا کہ ''یہ حقیقت ہے کہ عقلِ انسانی خواہ کتنی ہی بلند ہو، ایک حد پر پہنچ کر رُک جاتی ہے۔ اس مقام سے انبیاءؑ ہی کی ہدایت کام آتی ہے۔ مسائل شرعیہ عام ادراک سے بالاتر ہوتے ہیں ان کی مصلحت کو خدا ہی خوب جانتا ہے۔ اسی لیے خدا نے امورِ شرعی میں انسان کو دخل دینے سے روک دیا ہے۔

☆ دوسرا نتیجہ یہ نکالا کہ خدا کا علم کامل ہے۔ ظاہر و باطن پر محیط ہے۔ اس لیے اس کے احکامات میں بے شمار مصلحتیں اور حکمتیں ہوتی ہیں۔ جبکہ انسان کا علم ناقص ہے۔ اس لیے انسان کا فائدہ اسی میں ہے کہ خدا کے احکامات کی تعمیل میں کیوں اور کس لیے نہ کرے۔ (ماجدی)

آیت نمبر ۲۱۷

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۫ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ

دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

ترجمہ

لوگ آپ سے حرمت والے مہینے میں جنگ کا حکم دریافت کرتے ہیں، فرما دیں: اس میں جنگ بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس سے کفر کرنا اور مسجدِ حرام (خانہ کعبہ) سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک (اس سے بھی) بڑا گناہ ہے، اور یہ فتنہ انگیزی قتل وخون سے بھی بڑھ کر ہے اور (یہ کافر) تم سے ہمیشہ جنگ جاری رکھیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اگر (وہ اتنی) طاقت پا سکیں، اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے اور پھر وہ کافر ہی مرے تو ایسے لوگوں کے دنیا و آخرت میں (سب) اعمال برباد ہو جائیں گے، اور یہی لوگ جہنمی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر

آیت ۲۱۷:

گویا کافروں کے اعتراض کے جواب میں دو باتیں ارشاد ہوئی:۔ (۱) یہ کہ مسلمانوں سے حرمت کے مہینوں میں قتل کرنے کا جرم عمداً نہیں ہوا۔ (۲) اور بالفرض اگر ایسا ہو بھی جاتا تو تمھارے جیسے بڑے بڑے سخت جرائم سے اِس گناہ کا کیا مقابلہ؟ (ماجدی)

☆ توریت میں ہے: ''اگر تیرا بھائی جو تیری ماں کا بیٹا ہے، یا تیرا بیٹا یا تیری جورو یا تیرا دوست جو تجھے جان کی برابر عزیز ہے تجھے چھپ کر پھسلا دے اور کہے کہ آج خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کی پرستش کریں، جن سے تو اور تیرا باپ دادا واقف نہیں تھے، تو تُو اُس سے موافق نہ ہونا۔ اس کی بات نہ سننا۔ اس پر رحم کی نگاہ نہ رکھنا،

اس کی رعایت نہ کرنا، اُسے پوشیدہ نہ رکھنا۔ بلکہ اسے ضرور قتل کرنا۔'' (استثناء ۱۳، ۱۲، ۱۰)

مرتد کی قسمیں:

مرتد کی دو قسمیں ہیں۔

ایک قسم وہ ہے جو کافر والدین کے گھر پیدا ہو کر مسلمان ہو جائے اور پھر کفر کی طرف پلٹ جائے۔

دوسری قسم وہ ہے جو مسلمان والدین کے ہاں پیدا ہوا اس کے والدین میں سے کوئی ایک انعقادِ نطفہ کے وقت مسلمان ہو لیکن بعد میں وہ عقیدہ چھوڑ کر کفر میں داخل ہو جائے۔

آیت نمبر ۲۱۸۔۲۱۹

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ز وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾

ترجمہ

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کے لئے وطن چھوڑا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں، اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے،

آپ سے شراب اور جوئے کی نسبت سوال کرتے ہیں، فرما دیں: ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ (دنیوی) فائدے بھی ہیں مگر ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑھ کر ہے، اور

آپ سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ فرمادیں: جوضرورت سے زائد ہے (خرچ کردو)، اسی طرح اللہ تمہارے لئے (اپنے) احکام کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم غوروفکر کرو۔

تفسیر

آیت ۲۱۹:

''خمر'' اصل میں انگور کے کچے پانی کا نام ہے اسی کو خمیر دے کر خمر بنایا جاتا ہے۔ خمیر دینے سے وہ نشہ آور ہوجاتا ہے اسی لیے ثانوی طور پر ہر نشہ آور چیز کو خمر کہتے ہیں۔ (تاج العروس شرح قاموس)

چونکہ انگور کے پانی میں جب جوش پیدا ہوجاتا ہے اور جھاگ اُٹھنے لگتے ہیں تو اُس کو خمر کہتے ہیں۔ ''خمر'' کا لفظ مخامرہ سے نکلا ہے جس کے معنی چھپا لینے کے ہیں۔ کیونکہ خمر انسان وغیرہ کے ہوش وحواس، عقل وفراست اور فہم کو چھپا لیتی ہے اس لیے اس کو خمر کہتے ہیں۔ اس کو ام الخبائث بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی ساری برائیوں کی جڑ کہلانے کی مستحق ہے۔

حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے، کہ: ''شراب ہر گناہ کی جڑ اور ہر بدی کی کنجی اور ہر عیب کی سردار ہے۔ خدا نے بدی کے بہت سے قفل مقرر فرمائے ہیں اور ان سب کی کنجی شراب ہے۔ شراب پینے والے سے زیادہ نافرمان کوئی نہیں ہوتا، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ شراب پی کر بے ہوشی کے عالم میں نماز نہ پڑھے اور اپنی ماں بیٹی کے ساتھ بدکاری کرے۔ نیز یہ کہ شراب پینے والا بے نمازی سے بدتر ہے۔ کیونکہ شراب پی کر انسان خدا کی معرفت سے بے بہرہ ہوجاتا ہے جبکہ بے نمازی نماز نہ پڑھ کر خدا کی معرفت سے بے بہرہ نہیں ہوتا۔ خدا ماہ رمضان میں سب کے گناہ بخش دیتا ہے سوا تین قسم کے آدمیوں کے۔ (۱) شراب پینے والا (۲) شطرنج کھیلنے والا ((۳) ایسی بدعت پھیلانے والا جس سے نااتفاقی بڑھے۔'' (الکافی)

''میسر'' سے مراد 'جوا' ہے چاہے وہ جس طرح بھی کھیلا جائے۔

حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا: ''ہر وہ چیز جو ذکرِ خدا یعنی خدا کی یاد یا خدا کے فرائض کی یاد سے غافل کردے وہ ''میسر'' ہے''۔

(نتیجہ) فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ: ''شراب کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔ کیونکہ قرآن نے شراب اور جُوئے دونوں کے لیے گناہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ (جصاص)

☆ غرض شراب اور جوا تمام نیکیوں سے روک دیتا ہے۔ (راغب)

☆ سر ولیم میور نے لکھا: ''اسلام فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ترکِ مئے کشی کرانے میں جیسا وہ کامیاب ہوا کوئی اور مذہب نہیں ہوا۔ (لائف آف محمدؐ ص ۵۲۱)

☆ لندن میں چرچ کانگریس کے ایک جلسے میں ممتاز پادری، اسحاق ٹیلر نے کہا ''دنیا میں شراب نوشی کو روکنے کی سب سے بڑی انجمن خود اسلام ہے، برخلاف اس کے یورپین تجارت کے قدم جہاں جہاں پہنچتے جاتے ہیں، شراب نوشی، بدکاری اور لوگوں کی اخلاقی پستی بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔''

☆ انگلستان کے بارے میں تخمینہ ہے کہ کم از کم دس کروڑ پونڈ سالانہ کی رقم جواریوں کے ہاتھ میں پہنچتی رہی ہے۔ (انسائیکو پیڈیا آف ریلیجن جلد ۶ ص ۱۶۴)

یہ تخمینہ جنگِ عظیم سے قبل کا ہے۔ وہ بھی صرف انگلینڈ (انگلستان) کا ہے۔ اب اس کا تخمینہ کیا ہوگا، اس کا حساب تو بس اللہ ہی کر سکتا ہے

☆ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''شطرنج کا بیچنا، اس کی قیمت کا کھانا حرام ہے، اُس کا خریدنا کفر ہے، اس کا کھیلنا شرک ہے، اس کو چھونا ایسا ہے جیسا کہ سور کے گوشت کو چھونا۔ بغیر ہاتھ پاک کیے وضو یا نماز ادا نہیں کی جا سکتی۔ شطرنج کی طرف نظر کرنا ایسا ہے جیسا کہ اپنی ماں کی شرمگاہ کی طرف نظر کرنا۔ (تفسیر انوار النجف ص ۴۹)

آیت نمبر ۲۲۰ تا ۲۲۳

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى

يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ
اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ
وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا
النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا
تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى
شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ
مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

ترجمہ

(تمہارا غور وفکر) دنیا اور آخرت (دونوں کے معاملات) میں (رہے)، اور آپ سے یتیموں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، فرما دیں: ان (کے معاملات) کا سنوارنا بہتر ہے، اور اگر انہیں (نفقہ وکاروبار میں) اپنے ساتھ ملا لو تو وہ بھی تمہارے بھائی ہیں، اور اللہ خرابی کرنے والے کو بھلائی کرنے والے سے جدا پہچانتا ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا، بیشک اللہ بڑا

غالب بڑی حکمت والا ہے،(۲۲۰)

اورتم مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح مت کرو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں، اور بیشک مسلمان لونڈی (آزاد) مشرک عورت سے بہتر ہے خواہ وہ تمہیں بھلی ہی لگے، اور (مسلمان عورتوں کا) مشرک مردوں سے بھی نکاح نہ کرو جب تک وہ مسلمان نہ ہوجائیں، اور یقیناً مشرک مرد سے مؤمن غلام بہتر ہے خواہ وہ تمہیں بھلا ہی لگے، وہ (کافر اور مشرک) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں، اور اللہ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے، اور اپنی آیتیں لوگوں کے لئے کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔(۲۲۱)

اور آپ سے حیض (ایامِ ماہواری) کی نسبت سوال کرتے ہیں، فرما دیں: وہ نجاست ہے، سو تم حیض کے دنوں میں عورتوں سے کنارہ کش رہا کرو، اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جایا کرو، اور جب وہ خوب پاک ہو جائیں تو جس راستے سے اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے ان کے پاس جایا کرو، بیشک اللہ بہت توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے اور خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔(۲۲۲)

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں پس تم اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو آؤ، اور اپنے لئے آئندہ کا کچھ سامان کرلو، اور اللہ کا تقوٰی اختیار کرو اور جان لو کہ تم اس کے حضور پیش ہونے والے ہو، اور (اے حبیب!) آپ اہلِ ایمان کو خوشخبری سنا دیں (کہ اللہ کے حضور ان کی پیشی بہتر رہے گی)(۲۲۳)

تفسیر

آیت ۲۲۳:

اس سے پہلے کی آیت ۲۲۲ میں حالتِ حیض میں عورتوں کے پاس جانے کو منع فرمایا گیا ہے۔ظاہر ہے کہ جس جگہ کی بندش تھی اُسی جگہ کی اجازت دی جائے گی (کہ اب اُس جگہ جاسکتے ہو) اور کسی مقام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پھر کھیتی کا لفظ بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ اس جگہ جماع کی اجازت نہیں جاں سے بچے کی ولادت کا سوال ہی نہیں ہوتا اس لیے کہ کھیتی کا مقصد فصل پیدا کرنا ہوتا ہے۔اس آیت سے غیر فطری مطلب کا نکالنا مسخ شدہ دماغوں کا کام ہے۔

بہر حال عورت اور مرد کی ازدواجی زندگی کا انحصار صرف شہوت رانی پر نہیں ہے بلکہ اُن کی نگاہ ایک اعلیٰ اور

بلند مقصد پر ہونی چاہیے تا کہ اُن کی زندگی خوشگوار ہو اور بہترین اولاد اُن کی نسل سے دنیا میں آئے تا کہ درندگی کی جگہ انسانیت نشوونما پائے اور بے اطمینانی کی جگہ امن واطمینان حاصل ہو۔

آیت نمبر ۲۲۴ تا ۲۲۷

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

ترجمہ

اور اپنی قسموں کے باعث اللہ (کے نام) کو (لوگوں کے ساتھ) نیکی کرنے اور پرہیزگاری اختیار کرنے اور لوگوں میں صلح کرانے میں آڑ مت بناؤ، اور اللہ خوب سننے والا بڑا جاننے والا ہے۔ (۲۲۴)

اللہ تمہاری بے ہودہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں فرمائے گا مگر ان کا ضرور مؤاخذہ فرمائے گا جن کا تمہارے دلوں نے ارادہ کیا ہو، اور اللہ بڑا بخشنے والا بہت حلم والا ہے (۲۲۵)

اور ان لوگوں کے لئے جو اپنی بیویوں کے قریب نہ جانے کی قسم کھالیں چار ماہ کی مہلت ہے پس اگر وہ (اس مدت میں) رجوع کر لیں تو بیشک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ (۲۲۶)

اور اگر انہوں نے طلاق کا پختہ ارادہ کر لیا ہو تو بیشک اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔(۲۲۷)

تفسیر

آیت ۲۲۷:

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے: ''ایلا'' کا مطلب یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی سے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھائے۔ پھر اُس پر صبر کرے تو خیر اور اگر اس مسئلے کو امام کے سامنے پیش کرے تو امام اُس کو چار ماہ کی مہلت دے گا کہ یا تو اپنی بیوی کے پاس جائے یا اسے طلاق دے۔ اگر شوہر دونوں باتوں سے انکار کرے گا تو اُسے قید کر دیا جائے گا۔(تفسیر قمی)

آیت نمبر ۲۲۸

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾

ترجمہ

اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں، اور ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اسے چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا فرما دیا ہو، اگر وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں، اور اس مدت کے اندر ان کے شوہروں کو انہیں (پھر) اپنی زوجیت میں لوٹا لینے کا حق زیادہ ہے

اگر وہ اصلاح کا ارادہ کرلیں، اور دستور کے مطابق عورتوں کے بھی مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر، البتہ مردوں کو ان پر فضیلت ہے، اور اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔

تفسیر

آیت ۲۲۸:

اس آیت میں طلاق شدہ عورت کے عدہ میں بیٹھنے کی مدت بتائی گئی ہے۔ اگر عورت کو عادی طریقوں پر حیض آتا ہو تو اُس کی مدت تین طہر (پاکی) ہے۔ طہر سے مراد وہ وقفہ ہے جو دو حیضوں کے درمیان پاک رہنے کا زمانہ ہے لیکن اگر عورت کا زمانہ حیض مقرر نہ ہو تو طلاق کی مدت عدۃ تین ماہ ہوگی اگر مطلقہ حاملہ ہوگی تو اس کی عدت وضع حمل تک ہوگی۔ (دَرَجَةٌ: کا مطلب یہ ہے کہ ''عورت پر مرد کی اطاعت واجب ہے۔'' (من لایحضرہ الفقیہ)

آیت نمبر ۲۲۹

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

ترجمہ

طلاق (صرف) دو بار (تک) ہے، پھر یا تو (بیوی کو) اچھے طریقے سے (زوجیت میں) روک لینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے، اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ جو چیزیں تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لو سوائے اس کے کہ دونوں کو اندیشہ ہو کہ (اب رشتۂ زوجیت برقرار رکھتے ہوئے) دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، سو (اندریں صورت) ان پر کوئی گناہ نہیں کہ بیوی (خود) کچھ بدلہ دے کر (اس تکلیف دہ بندھن سے) آزادی لے لے، یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں، پس تم ان سے آگے مت بڑھو اور جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں سو وہی لوگ ظالم ہیں۔

تفسیر

آیت ۲۲۹:

''طلاق'' کے معنی قید سے آزاد کر دینا، یا ''چھوڑ دینا''۔ شریعت میں نکاح کے معاہدے کو زائل کر دینے کے معنی ہوتے ہیں۔ اسلام میں طلاق کی چند شرائط ہیں۔ (۱) طلاق دینے والا بالغ (۲) عاقل (۳) بااختیار ہو (۴) اپنے قصد و ارادے سے سمجھ بوجھ کر طلاق دے (۵) طلاق دینے پر مجبور نہ کیا جائے (۶) طلاق دیتے وقت طلاق دینے والا ہوش و حواس میں ہو غصے کے عالم میں نہ ہو (۷) عورت حالتِ حیض مین نہ ہو (۸) جس طہر میں طلاق دی جائے اسمیں جماع نہ کیا ہو (۹) زوجہ معین کی جائے (۱۰) صیغہ طلاق عربی میں عالم دین ادا کرے (۱۱) دو عادل گواہوں کے سامنے صیغہ طلاق پڑھا جائے (التعریفات، علامہ شریف جرجانی)

☆ حضور اکرمؐ نے فرمایا: ''جائز چیزوں میں اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند چیز طلاق ہے۔ (متفق علیہ)۔ لیکن حقیقت ہے کہ بعض صورتوں میں شوہر و زوجہ میں اس قدر نااتفاقی بڑھ جاتی ہے کہ علیحدگی کے سوا کوئی چارہ ہی نہین رہتا۔ جس طرح بعض صورتوں میں آپریشن کر کے اعضاء کو کاٹ دینا ہی ضروری ہوتا ہے اسی طرح طلاق بھی کبھی ضروری ہو جاتا ہے کیونکہ اسلام فطری مذہب ہے اس لیے اسلام میں اس فطری ناہمواری کا علاج طلاق سے کیا گیا ہے

آیت نمبر ۲۳۰۔۲۳۱

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۠ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾

ترجمہ

پھر اگر اس نے (تیسری مرتبہ) طلاق دے دی تو اس کے بعد وہ اس کے لئے حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ کسی اور شوہر کے ساتھ نکاح کر لے، پھر اگر وہ (دوسرا شوہر) بھی طلاق دے دے تو اب ان دونوں (یعنی پہلے شوہر اور اس عورت) پر کوئی گناہ نہ ہوگا اگر وہ (دوبارہ رشتۂ زوجیت میں) پلٹ

جائیں بشرطیکہ دونوں یہ خیال کریں کہ (اب) وہ حدودِ الٰہی قائم رکھ سکیں گے، یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدود ہیں جنہیں وہ علم والوں کے لئے بیان فرماتا ہے۔

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت (پوری ہونے) کو آ پہنچیں تو انہیں اچھے طریقے سے (اپنی زوجیّت میں) روک لو یا انہیں اچھے طریقے سے چھوڑ دو، اور انہیں محض تکلیف دینے کے لئے نہ روکے رکھو کہ (ان پر) زیادتی کرتے رہو، اور جو کوئی ایسا کرے پس اس نے اپنی ہی جان پر ظلم کیا، اور اللہ کے احکام کو مذاق نہ بنالو، اور یاد کرو اللہ کی اس نعمت کو جو تم پر (کی گئی) ہے اور اس کتاب کو جو اس نے تم پر نازل فرمائی ہے اور دانائی (کی باتوں) کو (جن کی اس نے تمہیں تعلیم دی ہے) وہ تمہیں (اس امر کی) نصیحت فرماتا ہے، اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا ہے۔

تفسیر

آیت ۲۳۱:

اس آیت میں طلاق شدہ عورتوں کے حقوق واضح کیے گئے ہیں:۔(۱) عدت کے ایام میں عورت کو گھر میں رکھنا ہوگا (۲) عورت کی تمام ضروریات پوری کرنی ہوں گی (۳) عدت کے اندر صرف ارادہ کر کے عورت کی طرف رجوع کرسکتا ہے یا عدت کے بعد عزت و آبرو کے ساتھ رخصت کرسکتا ہے۔

آیت نمبر ۲۳۲

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا

تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾ ۔

ترجمہ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت (پوری ہونے) کو آ پہنچیں تو جب وہ شرعی دستور کے مطابق باہم رضامند ہو جائیں تو انہیں اپنے (پرانے یا نئے) شوہروں سے نکاح کرنے سے مت روکو، اس شخص کو اس امر کی نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ پر اور یومِ قیامت پر ایمان رکھتا ہو، یہ تمہارے لئے بہت ستھری اور نہایت پاکیزہ بات ہے، اور اللہ جانتا ہے اور تم (بہت سی باتوں کو) نہیں جانتے۔

تفسیر

آیت ۲۳۲:

اس آیت میں اس بات سے سختی سے منع کیا گیا ہے کہ طلاق دے کر عورتوں کو دوسرے نکاح سے نہ روکا جائے اور گھروں میں بند نہ کر دیا جائے۔ یہ انتہائی ظلم ہے اور اُن کے جائز حقوق سے محروم کرنے اور ان کی آزادی پر ڈاکہ ڈالنے کے مترادف ہے۔

فقہاء نے ان الفاظ سے کہ ''جبکہ وہ آپس میں شرافت کے ساتھ راضی ہوں'' نتیجہ نکالا کہ ایجاب وقبول نکاح کا رکن ہے،۔ یہ اور بات ہے زوجین کے بجائے یہ ایجاب وقبول زوجین کے وکیل انجام دیں۔ شرافت کے ساتھ کہ کر یہ تاکید کر دی کہ کوئی ادانیٰ ادنیٰ بات بھی دین، اخلاق، قانون الٰہی کے خلاف نہ ہونے پائے۔

دوسرے مذہبوں کے برعکس اسلام جس نظام کو لیکر آیا وہ محض صوفیوں راہبوں، جوگیوں، فلسفیوں کے لیے نہیں۔ صرف نفس کو مار دینے والی ریاضت کرنے والوں کے لیے نہیں (روح)

آیت نمبر ۲۳۳

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ

اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ
بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ
بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ
فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

ترجمہ

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں یہ (حکم) اس کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے، اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور پہننا دستور کے مطابق بچے کے باپ پر لازم ہے، کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہ دی جائے، (اور) نہ ماں کو اس کے بچے کے باعث نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اس کی اولاد کے سبب سے، اور وارثوں پر بھی یہی حکم عائد ہوگا، پھر اگر ماں باپ دونوں باہمی رضامندی اور مشورے سے (دو برس سے پہلے ہی) دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں، اور پھر اگر تم اپنی اولاد کو (دایہ سے) دودھ پلوانے کا ارادہ رکھتے ہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ جو تم دستور کے مطابق دیتے ہو انہیں ادا کر دو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان لو کہ بیشک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔

تفسیر

آیت ۲۳۳:

حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عورت اپنے بچے کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کی جائے گی۔ البتہ عورت اگر اپنی خواہش اور خوشی سے اپنے بچے کو دودھ پلانے چاہے تو اس کو روکا نہیں جائے گا، کیونکہ یہ اُس کا حق ہے'' (کافی)

☆ پھر ایک مقام پر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ''بچے کے لیے اُس کی ماں سے بہتر کوئی دودھ نہیں ہوسکتا''۔

☆ امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا: ''کوئی دودھ بچے کے لیے اُس کی ماں کے دودھ سے زیادہ نفع بخش نہیں''۔

☆ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بچے کو دو سال سے کم دودھ پلانا اُس پر ظلم کرنا ہے۔ اگر ماں مطلقہ ہے تو باپ کو حق نہیں کہ دو سال سے پہلے بچے کو اُس کی ماں سے جدا کرے۔ اگر ماں دودھ پلانے کی اجرت طلب کرے تو باپ پر لازم ہے کہ وہ اس کو اجرت دے، ورنہ کسی دایہ (دودھ پلانے والی) کا انتظام کرے۔ لازم ہے کہ دایہ کے انتخاب کے وقت اُس کے خاندان، اوصاف، اخلاق و عادات کو دیکھے بھالے، کیونکہ دودھ کا اثر بچے میں ضرور ہوتا ہے۔'' (الفقیہ)

☆ جنگِ جمل میں حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بیٹے جناب محمدؑ حنفیہ جب تیروں کی بارش میں آگے بڑھنے سے رُک گئے تھے تو حضرت علی علیہ السلام نے اُن کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا تھا ''ھذا من عرق امك'' یہ تیری ماں کے دودھ کا اثر ہے۔ (ناسخ التواریخ)

آیت نمبر ۲۳۴

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۲۳۴

ترجمہ

اورتم میں سے جوفوت ہو جائیں اور (اپنی) بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنے آپ کو چار ماہ دس دن انتظار میں روکے رکھیں، پھر جب وہ اپنی عدت (پوری ہونے) کو آ پہنچیں تو پھر جو کچھ وہ شرعی دستور کے مطابق اپنے حق میں کریں تم پر اس معاملے میں کوئی مؤاخذہ نہیں، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے اچھی طرح خبردار ہے۔

تفسیر

آیت ۲۳۴:

مطلقہ عورت کے بعد بیوہ عورت کا مسئلہ بہت اہم ہے بیوہ عورتوں کے مسئلے پر دوسرے مذاہب نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ بلکہ بعض مذہبوں نے تو ان پر بڑا ظلم کیا۔ جبکہ اسلام نے سہاگنوں کی طرح اُن کو زندہ رہنے کا حق عطا کیا۔ چار ماہ دس دن کی عدت کے بعد بیوہ عورت کے لیے بناؤ سنگھار سب جائز ہے۔ بیوہ اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضعِ حمل تک نہ ہوگی بلکہ چار ماہ دس دن گذارنے کے بعد عدت ختم ہوگی، اور اگر اس مدت میں وضعِ حمل نہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل کے بعد مکمل ہوگی۔

آیت نمبر ۲۳۵

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاۗءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ ۭ

وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾

ترجمہ

اور تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ (دورانِ عدت بھی) ان عورتوں کو اشارۃً نکاح کا پیغام دے دو یا (یہ خیال) اپنے دلوں میں چھپا رکھو، اللہ جانتا ہے کہ تم عنقریب ان سے ذکر کرو گے مگر ان سے خفیہ طور پر بھی (ایسا) وعدہ نہ لو سوائے اس کے کہ تم فقط شریعت کی (رُو سے کنایۃً) معروف بات کہہ دو، اور (اس دوران) عقدِ نکاح کا پختہ عزم نہ کرو یہاں تک کہ مقررہ عدت اپنی انتہا کو پہنچ جائے، اور جان لو کہ اللہ تمہارے دلوں کی بات کو بھی جانتا ہے تو اس سے ڈرتے رہا کرو، اور (یہ بھی) جان لو کہ اللہ بڑا بخشنے والا بڑا حلم والا ہے۔

تفسیر

آیت ۲۳۵:

یعنی جب تک عورت کی عدت کی مدت پوری نہ ہو جائے، مرد کے لیے جائز نہیں کہ وہ عزم بالجزم کرے کہ اُسی عورت سے نکاح کرے گا۔ ایسا کرنے سے پہلے اُسے عدت کی مدت ختم ہو جانے کا انتظار کرنا ضروری ہے۔

آیت نمبر ۲۳۶

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ

وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾

ترجمہ

تم پر اس بات میں (بھی) کوئی گناہ نہیں کہ اگر تم نے (اپنی منکوحہ) عورتوں کو ان کے چھونے یا ان کے مہر مقرر کرنے سے بھی پہلے طلاق دے دی ہے تو انہیں (ایسی صورت میں) مناسب خرچہ دے دو، وسعت والے پر اس کی حیثیت کے مطابق (لازم) ہے اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے مطابق، (بہرطور) یہ خرچہ مناسب طریقہ پر دیا جائے، یہ بھلائی کرنے والوں پر واجب ہے۔

تفسیر

آیت ۲۳۶:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ: ''اگر کوئی شخص طلاق دیدے تو اپنی (مطلقہ) زوجہ کے ساتھ کچھ سلوک بھی کرے؟'' فرمایا: ''ضرور۔ اتنا سلوک کرے کہ محسنین میں ہو جائے۔ ورنہ کم سے کم اتنا ضرور کرے کہ متقین میں گنا جائے۔'' (الکافی۔ تفسیر عیاشی)

☆ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''جن عورتوں سے نکاح کیا جائے اور مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور مباشرت سے پہلے ہی اُن کو طلاق دیدی جائے تو اس سے اُن کو سخت رنج پہنچتا ہے۔ دشمن طعنے دیتے ہیں جبکہ خدا حیادار لوگوں کو دوست رکھتا ہے اور تم میں زیادہ عزت والا خدا کے نزدیک وہ ہے جو عورتوں کے ساتھ زیادہ نیکی کا برتاؤ کرے۔ اس لیے تم پر لازم ہے کہ جس قدر تم سے ممکن ہو اُن کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ غنی کے واسطے مکان دینا یا کوئی لباس اور ادنیٰ درجے والے کو کچھ روپیہ یا انگوٹھی دینی چاہیے۔ (التہذیب)

آیت نمبر ۲۳۷۔۲۳۸

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِیْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾

ترجمہ

اور اگر تم نے انہیں چھونے سے پہلے طلاق دے دی درآنحالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو اس مہر کا جو تم نے مقرر کیا تھا نصف دینا ضروری ہے سوائے اس کے کہ وہ (اپنا حق) خود معاف کر دیں یا وہ (شوہر) جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے معاف کر دے (یعنی بجائے نصف کے زیادہ یا پورا ادا کر دے)، اور (اے مَردو!) اگر تم معاف کر دو تو یہ تقویٰ کے قریب تر ہے، اور (کشیدگی کے ان لمحات میں بھی) آپس میں احسان کرنا نہ بھولا کرو، بیشک اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔

سب نمازوں کی محافظت کیا کرو اور بالخصوص درمیانی نماز کی، اور اللہ کے حضور سراپا ادب و نیاز بن کر قیام کیا کرو۔

تفسیر

آیت ۲۳۸:

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ: ''درمیان والی نماز (صلوٰۃ الوسطیٰ) سے مراد نمازِ ظہر ہے۔ وہ پہلی نماز ہے جو رسولؐ خدا نے پڑھی۔ ظہر کا وقت دن کا اوسط ہے۔ اور دن کی دو نمازیں یعنی نماز صبح اور نمازِ عصر اس (نماز ظہر) کے اِدھر اُدھر ہیں۔ آیت ۲۳۸ جمعہ کے دن نازل ہوئی جبکہ رسول خدا سفر کے عالم میں تھے۔ پس رسولؐ خدا نے اس نماز میں دعائے قنوت پڑھی اور پھر سفر و حضر میں ہر نماز میں دعائے قنوت پڑھتے رہے۔'' (الکافی، التہذیب)

☆ قنوت کے معنی اطاعت بھی ہیں اور نماز کے لیے کھڑا ہونا بھی ہے۔ اور دعا کرنا بھی۔ (القرآن المبین)

''حٰفِظُوْا'': محققین نے حفاظت نماز کے تین درجے قرار دیے ہیں۔ (۱) ''ادنیٰ'' یہ کہ نماز وقت پر پڑھی جائے اور فرائض و واجبات ترک نہ کیے جائیں (۲) ''اوسط'' یہ ہے کہ جسم ہر قسم کی طہارت ظاہری سے پاک ہو اور طبیعت اکل حلال کی خوگر ہو۔ دل میں خدا کی عظمت کے احساس کے سبب انکساری ہو اور مستحبات پورے پورے ادا ہوں۔ (۳) سب سے اعلیٰ درجہ نماز کی حفاظت کا یہ ہے کہ بندہ یہ سمجھے کہ خدا کے سامنے رُوبرُو کھڑا ہے۔ دل بالکل حاضر ہے۔

ایک شخص نے حضرت علیؑ کو نماز پڑھتے دیکھا کہ اس طرح کانپ رہے تھے کہ وہ حیران ہو گیا۔ نماز کے بعد اُس نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ: ''کیا آپ نے خدا کو دیکھ لیا ہے۔؟ فرمایا: علی کسی ایسی ذات کی عبادت نہیں کرتا جسے اُس نے دیکھا نہ ہو۔'' وہ شخص حیران ہو گیا اور اُس نے کہا: ''پھر مجھے بھی دکھا دیں۔'' فرمایا: ''اُس کو ان ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ اُس کو ایمان کے ذریعے قلب و عمل کی بصیرت کی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔'' (الکافی)

آیت نمبر ۲۳۹۔۲۴۰

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٤٠﴾

ترجمہ

پھر اگر تم حالتِ خوف میں ہو تو پیادہ یا سوار (جیسے بھی ہو نماز پڑھ لیا کرو)، پھر جب تم حالتِ امن میں آ جاؤ تو انہی طریقوں پر اللہ کی یاد کرو جو اس نے تمہیں سکھائے ہیں جنہیں تم (پہلے) نہیں جانتے تھے۔ اور تم میں سے جو لوگ فوت ہوں اور (اپنی) بیویاں چھوڑ جائیں ان پر لازم ہے کہ (مرنے سے پہلے) اپنی بیویوں کے لئے انہیں ایک سال تک کا خرچہ دینے (اور) اپنے گھروں سے نہ نکالے جانے کی وصیّت کر جائیں، پھر اگر وہ خود (اپنی مرضی سے) نکل جائیں تو دستور کے مطابق جو کچھ بھی وہ اپنے حق میں کریں تم پر اس معاملے میں کوئی گناہ نہیں، اور اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔

تفسیر

آیت ۲۴۰:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''یہ آیت منسوخ ہے، چار مہینے دس دن والے حکم سے۔۔اور نفقہ منسوخ ہے آیتِ میراث سے۔'' (تفسیر، مجمع البیان)

آیت نمبر ۲۴۱

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٤١﴾

ترجمہ

اور طلاق یافتہ عورتوں کو بھی مناسب طریقے سے خرچہ دیا جائے، یہ پرہیزگاروں پر واجب ہے۔

تفسیر

آیت ۲۴۱:

مطلب یہ ہے کہ جن عورتوں کو طلاق دی جائے اُن پر کسی قسم ظلم یا زیادتی نہ کی جائے نہ اُن کو گھر سے نکالا جائے۔ بلکہ ایک مدت تک اُن کی آسائش کا خیال اور ضرورتوں کی کفالت شوہر کے ذمے ہے۔

فقہاء نے حدیث وسنت کی روشنی میں تین مہینے کی مدت مقرر کی ہے کہ اتنی مدت تک کھانے پینے، رہنے سہنے کا انتظام شوہر پر ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ طلاق کی آیتوں میں بار بار خدا کا یہ فرمانا کہ ''اللہ سے ڈرو۔ اللہ کے حدود کا خیال رکھو، اللہ بڑا سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ اللہ بڑا زبردست طاقت والا اور حکمت والا ہے خوب اچھی طرح سے دیکھنے والا اور ہر چیز سے خوب باخبر ہے۔'' یہ الفاظ بار بار کہنے کے معنی یہ ہیں کہ یہ سب احکامات واجب ہیں شریعت کا مقصود ہیں۔ محض مشورہ نہیں۔ ان مین ترمیم کا ہم کو حق نہیں۔ اِن کی تعمیل پوری پوری ہونی چاہیے۔ (تھانوی)

آیت نمبر ۲۴۲۔۲۴۳

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۖ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۫ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾

ترجمہ

اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنے احکام واضح فرماتا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔
(اے حبیب!) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل گئے حالانکہ وہ ہزاروں (کی تعداد میں) تھے، تو اللہ نے انہیں حکم دیا: مرجاؤ (سو وہ مرگئے)، پھر انہیں زندہ فرمادیا، بیشک اللہ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے مگر اکثر لوگ (اس کا) شکر ادا نہیں کرتے۔

تفسیر

آیت ۲۴۳:

یہ واقعہ حضرت حزقیلؑ نبی کے وقت کا ہے جو حضرت موسیٰؑ کے وصی تھے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''یہ لوگ شام کے شہروں میں سے ایک شہر کے رہنے والے تھے اور یہ ستر ہزار گھرانے تھے۔ اِن کے شہروں میں طاعون کی وبا آتی رہتی تھی۔ ایک سال جب سخت طاعون پھیلا تو مالدار لوگ اپنے گھروں سے نکل کر غیر آباد مقامات پر چلے گئے۔ اور غریب لوگ اپنے گھروں میں رہے امیروں کو خدا نے حکم دیا کہ ''مرجاؤ'' وہ ستر ہزار فوراً مرگئے۔ اور اُن کی صرف ہڈیاں رہ گئیں۔ حضرت حزقیلؑ نبی کا اُدھر سے گذر ہوا' تو آپؑ نے اُن کے دوبارہ زندہ ہونے کی دعا مانگی کہ اے خدا اِن کی خطا معاف کردے اور ان کو زندگی بخش دے۔ اب یہ تیری عبادت کریں گے اور تیری تسبیح بجا لائیں گے۔ ان سے تیرے اور بندے پیدا ہوں گے جو تجھ پر ایمان لائیں گے''۔ خدا نے دعا قبول فرمالی اور حکم دیا کہ اِن پر پانی چھڑکو۔ حضرت حزقیلؑ جیسے جیسے پانی چھڑکتے جاتے تھے لوگ زندہ ہوتے جاتے تھے۔ یہ واقعہ نوروز کے دن ہوا۔'' (الکافی)

آیت نمبر ۲۴۴۔۲۴۵

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾
مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ

اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

ترجمہ

(اے مسلمانو!) اللہ کی راہ میں جنگ کرو اور جان لو کہ اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔
کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے پھر وہ اس کے لئے اسے کئی گنا بڑھا دے گا، اور اللہ ہی (تمہارے رزق میں) تنگی اور کشادگی کرتا ہے، اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

تفسیر

آیت ۲۴۵:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''جب یہ آیت اُتری کہ ''جو ایک نیکی بجالائے گا اُسے اُس سے بہتر معاوضہ دیا جائے گا۔'' تو حضرت رسولِ خداؐ نے دعا کی کہ مالک! مجھے اس سے زیادہ عطا فرما: ''خدا نے ارشاد فرمایا: جو شخص نیک کام کرے گا میں اُسے دس گُنا بدلہ دوں گا۔'' حضرت رسولِ خداؐ نے عرض کی، مالک! اور اضافہ فرما۔'' اس پر خدا نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص خدا کو قرض حُسنہ دے گا' خدا اُس کو بہت زیادہ اضافہ کر کے خوب بڑھائے گا۔'' اس پر حضرت رسولِ خداؐ سمجھ گئے کہ خدا جسے کثیر (بہت زیادہ) ارشاد فرمائے' اُس کے اضافے کی کوئی انتہا ہی نہیں ہوسکتی۔'' (تفسیر مجمع البیان)

آیت نمبر ۲۴۶

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾

ترجمہ

(اے حبیب!) کیا آپ نے بنی اسرائیل کے اس گروہ کو نہیں دیکھا جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد ہوا، جب انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تا کہ ہم (اس کی قیادت میں) اللہ کی راہ میں جنگ کریں، نبی نے (ان سے) فرمایا: کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر قتال فرض کر دیا جائے تو تم قتال ہی نہ کرو، وہ کہنے لگے: ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ نہ کریں حالانکہ ہمیں اپنے گھروں سے اور اولاد سے جدا کر دیا گیا ہے، سو جب ان پر قتال فرض کر دیا گیا تو ان میں سے چند ایک کے سوا سب پھر گئے، اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔

تفسیر

آیت ۲۴۶:

ملاء کے اصل معنی بھر دینے کے ہیں۔ کیونکہ بڑے آدمیوں کے آنے سے مجلس بھر جاتی ہے یا اس لیے کہ وہ پیسے سے بھرے ہوتے ہیں، اِس لیے بڑے لوگوں کو بھی ملاء کہتے ہیں۔

(معلوم ہوا کہ خدا کے مقابلے میں بادشاہ مقرر کرنے کا جمہور کو کوئی حق نہیں۔ یہ حق جمہور کو صرف اُسی وقت مل سکتا ہے جب خدا کا مقرر کیا ہوا کوئی حاکم یا اولوالامر ظاہر میں موجود نہ ہو۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ حاکم خدا اُس کو بناتا ہے جو علم اور جسم یعنی شجاعت میں سب پر فوقیت رکھتا ہو۔ وہی سرداری یا امامت کا مستحق ہے۔ یہ خدائی معیار ہے۔ اور کیونکہ ملک بھی خدا ہی کا ہے اِس لیے وہ جسے چاہے اور جو معیار چاہے مقرر فرمائے۔)

آیت نمبر ۲۴۷

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾

ترجمہ

اوران سے ان کے نبی نے فرمایا: بیشک اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرّر فرمایا ہے، تو کہنے لگے کہ اسے ہم پر حکمرانی کیسے مل گئی حالانکہ ہم اس سے حکومت (کرنے) کے زیادہ حق دار ہیں اسے تو دولت کی فراوانی بھی نہیں دی گئی، (نبی نے) فرمایا: بیشک اللہ نے اسے تم پر منتخب کرلیا ہے اور اسے علم اور جسم میں زیادہ کشادگی عطا فرما دی ہے، اور اللہ اپنی سلطنت (کی امانت) جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا خوب جاننے والا ہے۔

تفسیر

آیت ۲۴۷:

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: ''یہ نبی شموائیلؑ تھے۔ جس کو عربی زبان میں اسماعیل کہتے ہیں۔'' دوسری روایت کے مطابق ارمیاؑ تھے۔ اُس زمانے میں نبوت اور سلطنت ایک گھرانے میں جمع نہیں تھی۔ نبوت لاوی ابنِ یعقوبؑ کی اولاد میں تھی اور حکومت حضرت یوسف کی اولاد میں تھی۔ یہ

حضرت شموائیل حضرت ہارونؑ کی اولاد میں سے تھے۔لیکن بنی اسرائیل اُن کو نبی نہیں مانتے تھے۔اُس زمانے میں عمالقہ قوم کا بادشاد جالوت تھا۔ جو بنی اسرائیل کو سخت تکلیفیں دیتا تھا۔آخر کار لوگ مجبور ہو کر حضرت شموائیل نبی کے پاس آئے اور عرض کی کہ ہمارے لیے ایسا حاکم مقرر کریں جس کے ساتھ ہم متحد ہو کر جالوت سے جہاد کریں۔حضرت شموائیلؑ نے خدا سے دعا کی،تو ارشاد ہوا کہ ہم نے طالوت کو ان کا امیر مقرر کیا۔حضرت طالوتؑ حضرت یوسفؑ کے بھائی بنیامین کی اولاد میں سے تھے۔(تفسیر مجمع البیان)

نوٹ:غور طلب بات یہ ہے کہ جہاد کے لیے حاکم بھی قوم نے خود منتخب نہ کیا اور نہ نبی نے اُن کو منتخب کرنے کی اجازت دی۔تو کب فقط جہاد کے لیے حاکم خدا مقرر فرماتا ہے تو سارے دین اور امت کی حفاظت کے لیے نبی یا وصی، نبی کے ہوتے ہوئے قوم کو کسی کے انتخاب کا کیا حق ہوسکتا ہے۔دوسری بات یہ کہ خدا نے مال و دلت کی بنیاد پر طالوت کو منتخب نہ فرمایا تھا بلکہ علم اور جسم (شجاعت) کی بنیاد پر منتخب فرمایا۔معلوم ہوا کہ خدا کے نزدیک علم،شجاعت، صبر ہی انسان کی فضیلت اور انتخاب کا معیار ہیں۔حضور اکرمؐ نے حضرت علیؑ کے لیے فرمایا:''میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔''اور حضرت علیؑ کی شجاعت کے بارے میں فرمایا:''کل میں اُس کو علم دونگا جو مرد ہوگا بڑھ بڑھ کر حملے کرنے والا ہوگا،اللہ اور اُس کا رسول اُس سے محبت کرنے والے ہوں گے اور وہ خدا اور رسولؐ سے محبت کرنے والا ہوگا۔''(بخاری شریف)

آیت نمبر ۲۴۸ تا ۲۵۱

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ﴿۲۴۸﴾

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ

بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ
مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا
مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا
طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ
اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ
بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾
وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا
صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾
فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ
الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ
بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ
عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾

ترجمہ

اور ان کے نبی نے ان سے فرمایا: اس کی سلطنت (کے مِن جانبِ اللہ ہونے) کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس صندوق آئے گا اس میں تمہارے رب کی طرف سے سکونِ قلب کا سامان ہوگا اور کچھ

آلِ موسیٰؑ اور آلِ ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہوں گے اسے فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہوگا، اگر تم ایمان والے ہو تو بیشک اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے۔(۲۴۸)

پھر جب طالوت اپنے لشکروں کو لے کر شہر سے نکلا، تو اس نے کہا: بیشک اللہ تمہیں ایک نہر کے ذریعے آزمانے والا ہے، پس جس نے اس میں سے پانی پیا سو وہ میرے (ساتھیوں میں) سے نہیں ہوگا، اور جو اس کو نہیں پیئے گا پس وہی میری (جماعت) سے ہوگا مگر جو شخص ایک چُلّو (کی حد تک) اپنے ہاتھ سے پی لے (اس پر کوئی حرج نہیں)، سو ان میں سے چند لوگوں کے سوا باقی سب نے اس سے پانی پی لیا، پس جب طالوت اور ان کے ایمان والے ساتھی نہر کے پار چلے گئے، تو کہنے لگے: آج ہم میں جالوت اور اس کی فوجوں سے مقابلے کی طاقت نہیں، جو لوگ یہ یقین رکھتے تھے کہ وہ (شہید ہو کر یا مرنے کے بعد) اللہ سے ملاقات کا شرف پانے والے ہیں، کہنے لگے: کئی مرتبہ اللہ کے حکم سے تھوڑی سی جماعت (خاصی) بڑی جماعت پر غالب آ جاتی ہے، اور اللہ صبر کرنے والوں کو اپنی معیّت سے نوازتا ہے۔(۲۴۹)

اور جب وہ جالوت اور اس کی فوجوں کے مقابل ہوئے تو عرض کرنے لگے: اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر میں وسعت ارزانی فرما اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں کافروں پر غلبہ عطا فرما۔(۲۵۰)

پھر انہوں نے ان (جالوتی فوجوں) کو اللہ کے امر سے شکست دی، اور داؤد (علیہ السلام) نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے ان کو (یعنی داؤد علیہ السلام کو) حکومت اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں جو چاہا سکھایا، اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے نہ ہٹاتا رہتا تو زمین (میں انسانی زندگی بعض جابروں کے مسلسل تسلّط اور ظلم کے باعث) برباد ہو جاتی مگر اللہ تمام جہانوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے۔(۲۵۱)

تفسیر

آیت ۲۵۱:

حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''خدا نے بنی اسرائیل کے نبی کو وحی فرمائی کہ جالوت کو وہ قتل کرے گا جس کے جسم پر حضرت موسیٰؑ کی زرہ ٹھیک آئے گی۔ اور وہ شخص لاوی بن

یعقوب کی اولاد سے ہے۔ (چنانچہ) وہ زرہ حضرت داودؑ کے جسم پر پوری آئی۔ اس لیے حضرت طالوت نے حضرت داؤدؑ کو جالوت کے مقابلے پر بھیجا۔ حضرت داؤد نے ایک پتھر گوپھن میں رکھ کر جالوت کی طرف پھینکا تو وہ جالوت کی پیشانی پر گا اور (پیشانی کو توڑتا ہوا) پیچھے سے نکل گیا۔ اور بھی کئی آدمیوں کو زخمی کیا۔ یہ دیکھ کر فوج کے قدم اکھڑ گئے اور طالوت کو نمایاں فتح حاصل ہوئی (تفسیر قمی)

آیت نمبر ۲۵۲

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

ترجمہ

یہ اللہ کی آیتیں ہیں ہم انہیں (اے حبیب!) آپ پر سچائی کے ساتھ پڑھتے ہیں، اور بیشک آپ رسولوں میں سے ہیں۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَهُوَ حَسْبِيْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

(۱۸۔ ماہ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ۔ 13 مارچ 1993ء شنبہ 12 بجے دن



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تِلۡكَ الرُّسُلُ

تفسیرِ مُبین

خلاصۃُ التفاسیر

پارہ نمبر (۳)

مختلف مکاتبِ فکر، قدیم وجدید، اہم تفاسیر کا خلاصہ
اور آسان اُردو ترجمہ

از

ڈاکٹر محمد حسن رضوی

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب۔۔۔

فہرست مضامین

عنوانات	نمبر شمار
آیات نمبر ۲۵۳	13
ترجمہ	13
تفسیر	14
آیت ۲۵۳ کی وضاحت	14
انبیاءؑ کے اوصاف	15
آیت نمبر ۲۵۴	15
ترجمہ	16
تفسیر	16
آیت ۲۵۴ کی وضاحت	16
آیۃ الکرسی کے خواص	17
آیت نمبر ۲۵۵	17
ترجمہ	18
تفسیر	18
آیت ۲۵۵	18
☆ ''کُرسی''	18
اَسماءِ الٰہی	19
آیت نمبر ۲۵۶	20
ترجمہ	20
تفسیر	20
آیت۔۲۵۶	20
شان نزول	21
آیت کا پیغام	21
نتائج	22
آیت نمبر ۲۵۷	22
ترجمہ	22
تفسیر	23
آیت نمبر ۲۵۷	23
نور سے مراد محمدؐ و آل محمدؐ ہیں	23
آیت نمبر ۲۵۸	25
ترجمہ	25
تفسیر	25
آیت نمبر ۲۵۸	25
آیت نمبر ۲۵۹	26
ترجمہ	26
تفسیر	27
آیت نمبر ۲۵۹	27
حیات امام مہدیؑ پر دلیل قرآن	27
آیت نمبر ۲۶۰	28
ترجمہ	28
تفسیر	29
آیت نمبر ۲۶۰	29
اعتراض	29
سوال کا مقصد	30
آیت نمبر ۲۶۱	30
ترجمہ	30
تفسیر	31
آیت نمبر ۲۶۱	31

آیت نمبر ۲۶۲	32	ترجمہ	40
ترجمہ	32	تفسیر	40
تفسیر	32	آیت نمبر ۲۶۸	40
آیت نمبر ۲۶۲۱	32	آیت نمبر ۲۶۹	41
آیت نمبر ۲۶۳	33	ترجمہ	42
ترجمہ	33	تفسیر	42
تفسیر	33	آیت نمبر ۲۶۹	42
آیت نمبر ۲۶۳	33	آیت نمبر ۲۷۰	43
آیت نمبر ۲۶۴	34	ترجمہ	43
ترجمہ	34	تفسیر	44
تفسیر	35	آیت نمبر ۲۷۰	44
آیت نمبر ۲۶۴	35	آیت نمبر ۲۷۱	44
آیت نمبر ۲۶۵	35	ترجمہ	45
ترجمہ	35	تفسیر	45
تفسیر	36	آیت نمبر ۲۷۱	45
آیت نمبر ۲۶۵	36	آیت نمبر ۲۷۲	45
آیت نمبر ۲۶۶	37	ترجمہ	46
ترجمہ	37	تفسیر	46
تفسیر	38	آیت نمبر ۲۷۲	46
آیت ۲۶۶	38	آیت کا پیغام	47
آیت نمبر ۲۶۷	39	آیت نمبر ۲۷۳	47
ترجمہ	39	ترجمہ	48
تفسیر	39	تفسیر	48
آیت نمبر ۲۶۷	39	آیت نمبر ۲۷۳	48
آیت نمبر ۲۶۸	40	آیت نمبر ۲۷۴	49

ترجمہ	49	ترجمہ	57
تفسیر	49	تفسیر	57
آیت نمبر ۲۷۴	49	آیت نمبر ۲۸۰	57
آیت نمبر ۲۷۵	50	آیت نمبر ۲۸۲	58
ترجمہ	50	ترجمہ	59
تفسیر	51	تفسیر	60
آیت نمبر ۲۷۵	51	آیت نمبر ۲۸۲ کی وضاحت	60
ے جھوٹا جواز	52	آیت نمبر ۲۸۳	62
آیت نمبر ۲۷۶	52	ترجمہ	62
ترجمہ	53	تفسیر	62
تفسیر	53	آیت نمبر ۲۸۳ کی وضاحت	62
آیت نمبر ۲۷۶	53	آیت نمبر ۲۸۴	63
آیت نمبر ۲۷۷	53	ترجمہ	63
ترجمہ	54	تفسیر	63
تفسیر	54	آیت نمبر ۲۸۴ کی وضاحت	63
آیت نمبر ۲۷۷	54	آیت نمبر ۲۸۴ کی وضاحت	64
آیت نمبر ۲۷۸	55	آیت نمبر ۲۸۵	64
ترجمہ	55	ترجمہ	65
تفسیر	55	تفسیر	65
آیت نمبر ۲۷۸	55	آیت نمبر ۲۸۵	65
آیت نمبر ۲۷۹	56	آیت نمبر ۲۸۶	65
ترجمہ	56	ترجمہ	66
تفسیر	56	تفسیر	66
آیت نمبر ۲۷۹	56	آیت نمبر ۲۸۶	66
آیت نمبر ۲۸۰۔۲۸۱	57	آیت نمبر ۲۸۶ کی وضاحت	66

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرَانَ	68	تفسیر	75
آیت نمبر ۱۔۲	68	آیت نمبر ۸ کی وضاحت	75
ترجمہ	68	آیت نمبر ۹ تا ۱۲	75
تفسیر	68	ترجمہ	76
آیت نمبر ۱	68	تفسیر	76
آیت نمبر ۲ کی وضاحت	69	آیت نمبر ۱۲ کی وضاحت	76
آیت نمبر ۳	69	آیت نمبر ۱۳	77
ترجمہ	69	ترجمہ	77
تفسیر	69	تفسیر	78
آیت نمبر ۳ کی وضاحت	69	آیت نمبر ۱۳ کی وضاحت	78
آیت نمبر ۴	70	آیت نمبر ۱۴	78
ترجمہ	70	ترجمہ	78
تفسیر	70	تفسیر	79
آیت نمبر ۴	70	آیت نمبر ۱۴ کی وضاحت	79
آیت نمبر ۴ کی وضاحت	71	آیت نمبر ۱۵	80
آیت نمبر ۵۔۶	71	ترجمہ	80
ترجمہ	71	تفسیر	80
تفسیر	72	آیت نمبر ۱۵ کی وضاحت	80
آیت نمبر ۶ کی وضاحت	72	آیت نمبر ۱۶	81
آیت نمبر ۷	72	ترجمہ	81
ترجمہ	72	تفسیر	82
تفسیر	73	آیت نمبر ۱۶ کی وضاحت	82
آیت نمبر ۷ کی وضاحت	73	آیت نمبر ۱۷	82
آیت نمبر ۸	74	ترجمہ	82
ترجمہ	74	تفسیر	83

آیت نمبر ۱۷ کی وضاحت	83
آیت نمبر ۱۸	83
ترجمہ	84
تفسیر	84
آیت نمبر ۱۸ کی وضاحت	84
آیت نمبر ۱۹	85
ترجمہ	85
تفسیر	85
آیت نمبر ۱۹ کی وضاحت	85
آیت نمبر ۲۰	86
ترجمہ	86
تفسیر	87
آیت نمبر ۲۰ کی وضاحت	87
آیت نمبر ۲۱	87
ترجمہ	87
تفسیر	88
آیت نمبر ۲۱ کی وضاحت	88
آیت نمبر ۲۲	88
ترجمہ	88
تفسیر	89
آیت نمبر ۲۲ کی وضاحت	89
آیت نمبر ۲۳	89
ترجمہ	89
تفسیر	89
آیت نمبر ۲۳ کی وضاحت	89
آیت نمبر ۲۴	90
ترجمہ	90
تفسیر	90
آیت نمبر ۲۴ کی وضاحت	90
آیت نمبر ۲۵	91
ترجمہ	91
تفسیر	91
آیت نمبر ۲۵ کی وضاحت	91
آیت نمبر ۲۶	92
ترجمہ	92
تفسیر	92
آیت نمبر ۲۶ کی وضاحت	92
آیت نمبر ۲۷	93
ترجمہ	93
تفسیر	93
آیت نمبر ۲۷ کی وضاحت	93
آیت نمبر ۲۸	95
ترجمہ	95
تفسیر	95
آیت نمبر ۲۸ کی وضاحت	95
اعتراض	96
تقیہ کا جواز	96
آیت نمبر ۲۹۔۳۰	97
ترجمہ	97
تفسیر	98

آیت نمبر ۳۰ کی وضاحت	98
آیت نمبر ۳۱	98
ترجمہ	98
تفسیر	99
آیت نمبر ۳۱ کی وضاحت	99
آیت نمبر ۳۲۔۳۳	101
ترجمہ	101
تفسیر	102
آیت نمبر ۳۲ کی وضاحت	102
آیت نمبر ۳۳ کی وضاحت	102
آیت نمبر ۳۴۔۳۵	103
ترجمہ	103
تفسیر	103
آیت نمبر ۳۴ کی وضاحت	103
آیت نمبر ۳۵ کی وضاحت	104
آیت نمبر ۳۶	104
ترجمہ	104
تفسیر	105
آیت نمبر ۳۶ کی وضاحت	105
آیت نمبر ۳۷	105
ترجمہ	106
تفسیر	106
آیت نمبر ۳۷ کی وضاحت	106
فضیلت	107
آیت نمبر ۳۸	107
ترجمہ	107
تفسیر	108
آیت نمبر ۳۸ کی وضاحت	108
آیت نمبر ۳۹	108
ترجمہ	109
تفسیر	109
آیت نمبر ۳۹ کی وضاحت	109
نتیجہ	109
آیت نمبر ۴۰۔۴۱	109
ترجمہ	110
تفسیر	110
آیت نمبر ۴۰ کی وضاحت	110
آیت نمبر ۴۱ کی وضاحت	110
آیت نمبر ۴۲	111
ترجمہ	111
تفسیر	111
آیت نمبر ۴۲ کی وضاحت	111
آیت نمبر ۴۳	112
ترجمہ	112
تفسیر	113
آیت نمبر ۴۳ کی وضاحت	113
آیت نمبر ۴۴	113
ترجمہ	113
تفسیر	114
آیت نمبر ۴۴ کی وضاحت	114

آیت نمبر ۴۵	114
ترجمہ	115
تفسیر	115
آیت نمبر ۴۵ کی وضاحت	115
آیت نمبر 46	115
ترجمہ	115
تفسیر	116
آیت نمبر ۴۶ کی وضاحت	116
آیت نمبر ۴۷	116
ترجمہ	117
تفسیر	117
آیت نمبر ۴۷ کی وضاحت	117
آیت نمبر ۴۸	117
ترجمہ	118
تفسیر	118
آیت نمبر ۴۸ کی وضاحت	118
آیت نمبر ۴۹	118
ترجمہ	119
تفسیر	119
آیت نمبر ۴۹ کی وضاحت	119
آیت نمبر ۴۹ کی وضاحت	120
آیت نمبر ۵۰۔۵۱	120
ترجمہ	121
تفسیر	121
آیت نمبر ۵۰	121
آیت نمبر ۵۱	121
آیت نمبر ۵۲	121
ترجمہ	122
تفسیر	122
آیت نمبر ۵۲ کی وضاحت	122
آیت نمبر ۵۳	123
ترجمہ	123
تفسیر	123
آیت نمبر ۴۳ کی وضاحت	123
آیت نمبر ۵۴	124
ترجمہ	124
تفسیر	124
آیت نمبر ۵۴ کی وضاحت	124
آیت نمبر ۵۵	125
ترجمہ	125
تفسیر	126
آیت نمبر ۵۵ کی وضاحت	126
آیت نمبر ۵۶۔۵۷	127
ترجمہ	128
تفسیر	128
آیت نمبر ۵۶ کی وضاحت	128
آیت نمبر ۵۷ کی وضاحت	128
آیت نمبر ۵۸۔۵۹	128
ترجمہ	129
تفسیر	129

آیت نمبر ۵۸ کی وضاحت	129	ترجمہ	136
آیت نمبر ۵۹ کی وضاحت	129	تفسیر	136
آیت نمبر ۶۰	130	آیت نمبر ۶۷ کی وضاحت	136
ترجمہ	130	آیت نمبر ۶۸ کی وضاحت	137
تفسیر	130	آیت نمبر ۶۹۔۷۰	137
آیت نمبر ۶۰ کی وضاحت	130	ترجمہ	137
آیت نمبر ۶۱	130	تفسیر	138
ترجمہ	131	آیت نمبر ۶۹ کی وضاحت	138
تفسیر	131	آیت نمبر ۷۰ کی وضاحت	138
واقعہ مباہلہ	131	آیت نمبر ۷۱۔۷۲	138
آیت نمبر ۶۱ کی وضاحت	131	ترجمہ	139
آیت نمبر ۶۲۔۶۳	133	تفسیر	139
ترجمہ	133	آیت نمبر ۷۱ کی وضاحت	139
تفسیر	133	آیت نمبر ۷۲ کی وضاحت	139
آیت نمبر ۶۲ کی وضاحت	133	آیت نمبر ۷۳	140
آیت نمبر ۶۳ کی وضاحت	133	ترجمہ	140
آیت نمبر ۶۴	134	تفسیر	140
ترجمہ	134	آیت نمبر ۷۳ کی وضاحت	140
تفسیر	134	آیت نمبر ۷۴ تا ۷۶	141
آیت نمبر ۶۴ کی وضاحت	134	ترجمہ	14
آیت نمبر ۶۵۔۶۶	135	تفسیر	142
ترجمہ	135	آیت نمبر ۷۵ کی وضاحت	142
تفسیر	135	آیت نمبر ۷۶ کی وضاحت	142
آیت نمبر ۶۵ کی وضاحت	135	آیت نمبر ۷۷	143
آیت نمبر ۶۷۔۶۸	136	ترجمہ	143

تفسیر	143
آیت نمبر ۷۷ کی وضاحت	143
آیت نمبر ۷۸	144
ترجمہ	144
تفسیر	145
آیت نمبر ۷۸ کی وضاحت	145
آیت نمبر ۷۹	145
ترجمہ	145
تفسیر	146
آیت نمبر ۷۹ کی وضاحت	146
آیت نمبر ۸۰	146
ترجمہ	146
تفسیر	147
آیت نمبر ۸۰ کی وضاحت	147
آیت نمبر ۸۱	147
ترجمہ	148
تفسیر	148
آیت نمبر ۸۱ کی وضاحت	148
آیت نمبر ۸۲۔۸۳	148
ترجمہ	149
تفسیر	149
آیت نمبر ۸۳ کی وضاحت	149
آیت نمبر ۸۴ تا ۸۶	149
ترجمہ	150
تفسیر	151
آیت نمبر ۸۷ کی وضاحت	151
آیت نمبر ۸۸۔۸۹	151
ترجمہ	152
تفسیر	152
آیت نمبر ۸۵ کی وضاحت	152
آیت نمبر ۹۰	152
ترجمہ	153
تفسیر	153
آیت نمبر ۹۰ کی وضاحت	153
آیت نمبر ۹۱	153
ترجمہ	154
تفسیر	154
آیت نمبر ۹۱ کی وضاحت	154



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

پارہ نمبر ۳

آیات نمبر ۲۵۳

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

ترجمہ

یہ سب رسول ہیں جن کو ہم نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مرتبے عطا کیے ان میں سے کوئی تو ایسا تھا جس سے خدا خود ہمکلام ہوا، اور کسی کے درجے بلند کیے (مثلاً) عیسیٰ ابن مریم کو روشن اور واضح نشانیاں عطا کیں اور روح القدس (پاک روح) کے ذریعے ان کی مدد بھی۔ اور اگر اللہ چاہتا تو جو لوگ ان (رسولوں) کے (آنے کے) بعد ہوئے، وہ آپس میں نہ لڑ مرتے، جبکہ وہ روشن نشانیاں دیکھ چکے تھے، مگر انہوں نے اختلاف کیا۔ پھر ان میں سے کوئی تو ایمان لایا اور کسی نے کفر و انکار کا راستہ اختیار کیا۔ (ہاں) اگر اللہ چاہتا تو وہ ہرگز ایک دوسرے سے نہ لڑتے، مگر اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔

تفسیر

آیت ۲۵۳ کی وضاحت:

رسول اور نبی اس حیثیت سے تو برابر ہوتے ہیں کہ سب خدا کے بھیجے ہوئے ہیں۔لیکن درجات کے لحاظ سے کچھ کو کچھ پر فضیلت حاصل ہے۔مثلاً تمام انبیاء میں پانچ انبیاء اولوالعزم ہیں۔اوران پانچ میں ہمارے رسولؐ خاتم النبیین .....اور.....رحمۃ للعالمین ہیں۔یعنی دوسرے تمام انبیاء اور مرسلین کسی خاص علاقے کے لیے نبی تھے لیکن ہمارے رسولؐ کی رسالت عالمین پر محیط ہے۔حتیٰ کہ تمام پچھلے انبیاء میثاق کے اعتبار سے آپؐ کی اُمت میں شامل ہیں۔یا جیسا کہ آیت میں مثال دی گئی کہ خدا نے حضرت موسیٰؑ سے کوہ طور پر کلام فرمایا،لیکن آپؐ کو عرش معلّیٰ پر بلا کر کلام فرمایا۔آپ کو جن و انس سب کے لیے بھیجا،پھر آپ کو قرآن جیسا معجزہ عطا فرمایا۔حضرت موسیٰؑ سے طور پر کلام فرمایا،مگر حضورؐ کو معراج پر بلا کر عرشِ الٰہی کی عزت عطا فرمائی۔نیز یہ کہ آپؐ کو خاتم النبیین قرار دیا۔(مجمع البیان،بقول مجاہد،تفسیر کبیر،مدارک)

☆ اہل اشارات نے نتیجہ نکالا کہ انبیاء کے نائبین اولیاء کاملین کے مدارج میں بھی فرق ہوتا ہے۔حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:''حسنؓ اور حسینؓ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں،مگر اُن دونوں کے والد اُن دونوں سے افضل ہیں۔''(متفق علیہ)

☆ دوسرا نتیجہ یہ نکالا کہ انبیاءؑ اور اولیاء کے فضائل بیان کرنا خدا کی سنت اور عین عبادت ہے۔

☆۲۔آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر خدا اپنی جبری طاقت استعمال فرماتا تو کافر کا وجود تک نہ ہوتا۔کافر کا موجود ہونا دلیل ہے کہ انسان اپنے عمل میں مختار ہے۔اسی طرح اگر خدا مجبور کر کے سب کو مومن بنا دیتا تو کوئی اختلاف ہی باقی نہ رہتا اور نہ آپس میں لوگ ایک دوسرے کو قتل کرتے۔مگر جبر کرنا خدا کے قانونِ عدل کے خلاف ہوگا۔اسی لیے ہر انسان کو اختیار ہے کہ چاہے تو ایمان لا کر نیک آدمی بن جائے یا حق کا منکر ہو کر بُرا آدمی بن جائے۔(مجمع البیان)

بقیہ ا۔: خدا کا ارشاد فرمانا کہ''ان میں سے بعض کے درجے خدا نے بلند کیے'' سے اشارہ حضور اکرمؐ کی طرف ہے۔کیونکہ وہؐ تمام انبیاءؑ کے کمالات کے جامع ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔(روح،کشاف)

☆ زمخشری نے نکتہ نکالا کہ''جہاں مراتب کی شناخت میں ذلت نہ ہو وہاں صرف اشارہ تفصیلات بیان کرنے سے زیادہ مؤثر اور بلیغ ہوتا ہے۔ (زمخشری)

☆ حضرت عیسیٰؑ کو ابن مریمؑ اس لیے فرمایا کہ خدا کے بیٹے ہونے کی تردید ہو جائے۔اور بیّنات سے مراد

وہ تمام چیزیں ہیں جن کو دیکھ کر عقل سلیم حقائق کی قائل ہو جائے۔ (روح)

انبیاءؑ کے اوصاف:

اصبغ نباتہ سے منقول ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے ایک روایت میں فرمایا کہ خداوند عالم نے انبیاءؑ میں پانچ روحیں خلق فرمائی ہیں (۱) روح القدس (۲) روح الایمان (۳) روح الشہوۃ (۴) روح القوّۃ (۵) روح البدن۔ پس روح القدس کے ذریعے سے ان کو نبوت و رسالت عطا ہوئی اور اسی کی بدولت ان کو چیزوں کا علم مرحمت ہوا۔

روح الایمانؔ کے ذریعے سے انہوں نے اللہ کی عبادت کی اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا۔

روح القوۃؔ کے ذریعے سے وہ دشمنوں سے جہاد کرتے رہے اور اسی سے اپنے معاشیات کا انتظام فرماتے تھے۔

روح الشہوۃؔ کی وجہ سے انہوں نے بعض اوقات اچھا کھانا بھی کھایا اور جوان عورتوں سے نکاح بھی کیا۔

روح البدنؔ کے ذریعے سے اُن کے جسم کا نشوونما ہوا۔ وہ پیدا ہوئے اور بڑے ہوئے (تفسیر برہان)

اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے امیر المومنینؑ سے پوچھا کہ یہ فرمائیے کہ جن سے ہم لوگ جنگ کر رہے ہیں ان کا اور ہمارا دین ایک، رسولؐ ایک، نماز، حج ایک تو ہم ان کے متعلق کیا اعتقاد رکھیں؟ آپؑ نے فرمایا: جب اختلاف واقع ہو گیا تو چونکہ ہم خدا اور رسولؐ کے ساتھ اولیٰ ہیں لہٰذا ہم الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا کے مصداق ہیں اور وہ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کے مصداق ہیں پس ان لوگوں سے لڑنا مشیت و ارادۂ خداوندی سے ہے۔ یہ سن کر اس نے کہا کہ کعبہ کی قسم وہ لوگ یقیناً کافر ہیں۔ یہ کہا ان سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گیا۔ (برہان میں امالی شیخ سے)

آیت نمبر ۲۵۴

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

ترجمہ

اے ایمان لانے والو! وہ رزق جو کچھ ہم نے تم کو بخشا ہے اس میں سے کچھ (راہ خدا میں) خرچ کرو اس سے پہلے کہ وہ دن آن پہنچے جس دن نہ تو کوئی (خریدو) فروخت ہی ہو سکے گی اور نہ کوئی دوستی کام آئے گی، اور نہ ہی کوئی سفارش چلے گی۔ اور وہی لوگ ظالم ہوتے ہیں جو (قیامت کے دن کے لیے راہ خدا میں خرچ کرنے سے) انکار کرتے ہیں۔

تفسیر

آیت ۲۵۴ کی وضاحت:

''اس دن'' سے مراد قیامت ہے۔ (مجمع البیان)

☆ اس دن خرید فروخت کے ذریعے سے عمل صالح حاصل نہیں کیا جا سکے گا اور نہ دولت خرچ کر کے عذاب خدا سے نجات حاصل ہو سکے گی۔ دوسری جگہ قرآن نے اس بات کو یوں کہا کہ ''وہاں فدیہ کا کوئی امکان نہ ہوگا۔'' (تفسیر صافی)

مقصد یہ ہے کہ صرف دنیا میں خیرات کر کے عمل کا ذخیرہ جمع کیا جا سکتا ہے اگر یہ موقع کھو دیا۔ تو پھر پچھتانے اور عذاب الٰہی کو بھگتنے کے سوا کوئی اور راستہ باقی نہ رہے گا۔ جیسا کہ خدا نے ارشاد فرمایا۔

''دنیا داری کی دوستیاں دشمنی بدل جائیں گی۔ سوائے متقین کے'' سورۂ۔ الزخرف ۴۳۔ ۶۷)

☆ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس دن دوستی کام نہ آئے گی اس لیے کہ ہر ایک کو خود اپنی پڑی ہوگی۔ (مجمع البیان)

☆ جس سفارش کی یہاں نفی ہو رہی ہے، یہ وہ سفارش ہے جس کو خدا نے اجازت نہ دی ہو۔ ورنہ دوسری جگہ قران میں بتایا گیا ہے کہ: ''کون ہے جو اس کے یہاں سفارش کرے 'مگر خدا کی اجازت سے۔'' (البقرۃ۔ ۲۵۵) (جلالین)

آیۃ الکرسی کے خواص:

کتاب ''عمدۃ البیان'' میں ہے کہ:

(۱)۔ ہر نماز کے بعد پڑھنا رزق کی زیادتی کا موجب ہے۔ (ہر نماز سے مراد نماز فریضہ پنجگانہ ہے)

(۲)۔ صبح وشام پڑھنا' چور' ڈاکو' آتش زنی وغیرہ سے حفاظت کا موجب ہے۔

(۳)۔ ہر روز نماز فریضہ کے بعد پڑھنا سانپ بچھو' جن وانس کے شر سے حفاظت کا تعویذ بھی ہے۔

(۴)۔ اگر اس کو لکھ کر کھیت میں دفن کیا جائے تو کھیت چوری اور ہر قسم کی آفات سے محفوظ رہے گا۔

(۵)۔ دکان میں لکھ کر رکھی جائے تو باعث برکت ہے۔

(۶)۔ گھر میں لکھ کر رکھی جائے تو چوری سے حفاظت اور جنت میں اپنی جگہ دیکھے۔

(۷)۔ سوتے وقت ہر روز پڑھنا فالج سے حفاظت کا باعث ہے۔

آیت نمبر ۲۵۵

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾

ترجمہ

اللہ وہ پائندہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ ہے اور کائنات کا سنبھالنے والا ہے نہ وہ سوتا ہے اور نہ اسے اونگھ آتی ہے ① زمین و آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے سب اسی کا ہے ایسا کون ہے جو اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کر سکے ②؟ جو کچھ ان (بندوں) کے سامنے ہے اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ ان سے چھپا ہوا اس سے بھی (واقف ہے) اور اس کے علم میں سے کسی چیز کا بھی لوگ احاطہ نہیں کر سکتے سوا اس کے کہ وہ خود اس میں سے کسی چیز کا علم اُن کو دے دے۔ اُس کی کرسی ③ (حکومت) سب آسمانوں اور زمین پر پھیلی ہوئی ہے اور اُن سب کی حفاظت اُس کے لیے (کوئی مشکل یا) تھکا دینے والا کام نہیں ہے۔ (کیونکہ) وہ ذات ہی بہت بڑی، بلند مرتبہ اور عظیم الشان ہے.....(۲۵۵)

تفسیر

آیت ۲۵۵

جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''ایک دفعہ موسیٰؑ کی قوم نے موسیٰؑ سے پوچھا کہ کیا خدا سوتا ہے؟ موسیٰؑ نے یہی سوال خدا سے پوچھا۔ تو خدا نے موسیٰؑ کو حکم دیا کہ دو بوتلیں ہاتھوں میں لیے رہو اور ہرگز نہ سونا۔ حضرت موسیٰؑ نے ہر چند ضبط کیا لیکن نیند غالب آ گئی اور بوتلیں گر کر ٹوٹ گئیں۔ خدا نے فرمایا: ''موسیٰ! تم نیند میں دو بوتلوں کی حفاظت نہ کر سکے، اگر میں سو جاؤں تو ساری کائنات کی حفاظت کون کرے گا؟''

☆ ''کُرسِی''

سے مراد اقتدار ہے۔ علم مراد لیا گیا ہے۔

(قاموس۔ لسان العرب جلد ۸۔ منتہی الادب۔ بیان اللسان۔ ۶۴۵)

☆ خدا کے زندہ ہونے کے معنی جسم رکھنے کے نہیں بلکہ زندگی کے تقاضے ہیں۔ مثلاً وہ علم ارادہ قدرت

رکھتا ہے اس لیے اس کو زندہ کہا گیا۔ (تفسیر صافی) اور قیوم شاید قائم کا مبالغہ ہے تو اس کے معنی زندہ اور برقرار رہنے والے کے ہیں (شاہ رفیع الدین و تاج العلماء) ''الْقَيُّوْمُ'' کے دوسرے معنی کائنات کا نظام برقرار رکھنے والا کائنات کو سنبھالنے والا بھی لکھے گئے ہیں۔ (شاہ ولی اللہ۔ جلالین۔ تفسیر صافی۔ مجمع البیان)

☆ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ''یہودیوں کا خیال تھا کہ خدا زمین و آسمان کو پیدا کرنے کے بعد تھک کر کرسی پر ٹیک لگا کر ایک خاص انداز سے بیٹھ گیا اور آرام کرنے لگا قرآن نے اس تصور کی نفی کی، فرمایا ''اور ہمیں تھکن کچھ بھی نہیں ہوئی'' (الذاریات ۵۱۔۳۸)

۲۔ اس آیت سے شفاعت واضح طور پر ثابت ہے۔ کیونکہ شفاعت کی نفی کے ساتھ ساتھ ''اِلَّا بِمَا شَآءَ'' کا استثناء موجود ہے۔ (مجمع البیان)

اب صرف وہی لوگ شفاعت کر سکیں گے جن کو خدا نے لوگوں کے حالات کا علم اپنی طرف سے عطا فرمایا ہوگا۔ اس لیے محقّقین نے اس آیت سے انبیاء ؑ اور اولیّاء کے علم غیب کو بھی ثابت کیا ہے۔ (فصل الخطاب۔ مجمع البیان)

☆ آیت میں ''آگے اور پیچھے'' سے مراد ماضی اور مستقبل کا علم ہے۔ (البلاغی)

۳۔ ''کرسی'' کے معنی میں اختلاف ہے احادیث میں ''کرسی'' کے معنی علم بیان کیے گئے ہیں (تفسیر صافی و مجمع البیان از امام محمدّ باقر علیہ السلام)

☆ دوسرے معنی یہ ہیں کہ عالم میں سب بلند مرکز عرش ہے۔ اب اس کے نیچے جو ہے وہ کرسی ہے۔ (مجمع البیان)

☆ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم نہ کرسی کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ عرش کی۔ اصل مقصد خدا کے احاطۂ علم کی وسعت کو بیان کرنا ہے اور اس طرح خدا کی عظمت اور کبریائی کا اظہار مقصود ہے (زمخشری، نیشاپوری، البلاغی)

اَسماءِ اِلٰہی:

آیۃ الکرسی میں خدا کے چند خاص اسماء بہت اہم ہیں۔ (۱) ''حَیٌّ'' یعنی زندہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا مستقلاً زندہ ہے۔ ازلی و ابدی ہے۔ صفت حیات اس کی جزو ذات ہے۔ (۲) ''قَيُّوْمُ'' کے معنی وہ جو نہ صرف اپنی ذات سے قائم ہو بلکہ دوسروں کے قیام اور قائم رہنے کا سبب ہو۔ سب کو سنبھالے ہوئے ہو۔ سب اس کے محتاج ہوں، وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ (راغب، تاج العلماء، ابن کثیر)۔ (۳) عَلِیٌّ یعنی بلند یعنی تمام نقائص سے بلند اور پاک۔ شریک سے بلند۔ چیزوں کی مانند ہونے سے بلند (۴) عظیم یعنی جس کے مرتبے کی نہ حد ہو نہ اس تک کوئی پہنچ سکے۔ (روح۔ بحر)۔ آیۃ الکرسی نے شفاعت کو بھی ثابت کر دیا، عیسائیوں نے نجات کا دارومدار ہی شفاعت

پر رکھا تھا اور مشرکوں نے خدا کے قانون مکافات (کرم) کے ضابطوں میں نجات کو بالکل جکڑ دیا تھا۔ اسلام نے درمیانہ راستہ اختیار کیا۔ عمل بھی ضروری ہے اور شفاعت کی امید بھی۔

آیت نمبر ۲۵۶

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

ترجمہ

دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے (دین تو یہ ہے کہ) ہدایت کی بات کو گمراہی سے بالکل الگ کر کے ظاہر کر دیا گیا ہے۔ اب جو کوئی بھی ''طاغوت'' (ظالم وسرکش) کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، تو اس نے وہ مضبوط رسی پکڑ لی جو کبھی ٹوٹ ہی نہیں سکتی اور اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

تفسیر

آیت۔ ۲۵۶

اسلام کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ وہ دین کے معاملے میں کسی قسم کا جبر و اکراہ جائز نہیں سمجھتا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خداوند متعال اسلام کو تلوار کے زور پر پھیلانا نہیں چاہتا اس لیے کہ کسی کو خوف زدہ کر کے کسی نظریہ کا قائل کرنا درست نہیں کیونکہ تلوار سے سر تو جھک سکتا ہے لیکن دل نہیں جھک سکتا۔ اسی لیے کئی دیگر آیتوں میں بھی اس حقیقت کو بیان فرما دیا گیا ہے۔ مثلاً خداوند عالم کا ارشاد ہے: اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾ ''(سورۃ الدھر آیت۔ ۳)

ترجمہ (یقیناً ہم نے اسے سیدھی راہ دکھا دی خواہ وہ شکر گزار بنے یا کافر و منکر بنے۔)

دوسری جگہ ارشاد ہوا: ''فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۔(الکہف پ ۱۵۔ ع ۴)

۲۔طاغوت'' سے اولین معنی میں وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے حضرت محمدؐ و آلِ محمدؐ کا حق غصب کیا۔ (تفسیر صافی ص ۷)

اور''عُرْوَةُ الْوُثْقٰى ''یعنی''مضبوط رسّی'' سے اوّلیں معنی میں مراد آل محمدؐ کی محبت ہے جس کے لیے ٹوٹنا ہے ہی نہیں۔کیونکہ: جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا:''جو کوئی یہ چاہے کہ وہ ایسی رسّی یا حلقے کو پکڑے جو کبھی نہ ٹوٹے' تو اسے چاہیے کہ میرے بھائی اور میرے وصی علیؑ ابن ابی طالبؑ کی ولایت (یعنی) سرپرستی' دوستی' محبت اور اطاعت سے تعلق پیدا کرے۔کیونکہ جو ایسا کرے گا خدا اُسے ہلاک نہیں ہونے دے گا۔اور جو علیؑ سے دشمنی رکھے گا اسے نجات نہ دے گا۔'' (تفسیر صافی۔ص ۸۱)

شانِ نزول:

''اس آیت کے' شانِ نزول میں اختلاف ہے۔کوئی کہتا ہے کہ کچھ انصار مسلمان ہو گئے تھے اور ان کی کچھ اولادیں مسلمان نہیں ہوئی تھیں تو وہ انصار جبراً اپنی اولادوں کو مسلمان بنانا چاہتے تھے۔جس سے ان کو روک دیا گیا۔(جلالین)

☆کوئی کہتا ہے کہ انصار اپنے حبشی غلاموں کو جبراً مسلمان بنانا چاہتے تھے خدا نے ایسا کرنے سے روک دیا۔(مجمع البیان)

آیت کا پیغام:

غرض آیت کی تعلیم یہ ہے کہ خدا زبردستی مسلمان بنانے کو پسند نہیں فرماتا۔کیونکہ اسلام تلوار سے پھیلانا جائز ہی نہیں۔اس لیے مسلمانوں پر یہ الزام غلط ہے کہ انہوں نے اسلام کو تلوار سے پھیلایا۔اگر کسی نے ایسا کیا' تو اس کی ذمے داری اسلام پر عائد نہ ہوگی۔(فصل الخطاب)

''عَلِيْمٌ'' آخر میں خدا کا خود کا عَلِيْمٌ یعنی ہر چیز کا جاننے والا فرمانا' بتاتا ہے کہ خدا کا علم انسان کے تمام اعمال پر پوری طرح حاوی ہے۔اس لیے اس کو شفاعت کرنے والوں کی ضرورت اس لیے نہیں کہ اس کا علم ناقص ہے۔شفاعت کی اجازت دینا یہ صرف خدا کے فضل وکرم اور رحمت کا اظہار ہے۔خود کرسی سے مراد بھی علم الٰہی کو لیا گیا ہے۔

(ابن جریر از ابن عباسؓ۔کشاف' قاموس' راغب' تفسیر کبیر' معالم)

نیز یہ کہ کرسی سے مراد سلطنت، قدرت اور ملک بھی ہے۔ (تفسیر کبیر، معالم، کشاف)

نتائج:

(۱) دین کے معنی عقیدہ قلب۔ اور دل پر جبر کیا ہی نہیں جا سکتا۔ ثابت ہوا کہ ایمان کا تعلق اپنے ارادے اور اختیار سے ہے۔ دین و ایمان میں جبر نہیں۔ (کشاف، روح، بحر)

(۲) عروۃ الوثقیٰ، یعنی مضبوط حلقہ (۱) خدا کا دین بھی مراد ہے جو نبی اور امام ہی کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے۔ (۲) خدا سے تعلق بھی مراد ہے جو خدا، رسولؐ، اور امامؑ کی اطاعت ہے۔

(۳) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت رسول خداؐ اپنی اُمت میں ایک کتاب خدا اور دوسرے اپنا وصی علیؑ ابن ابی طالبؑ کو چھوڑ گئے۔ جو امیر المومنین، امام المتقین، حبل اللہ المتین العروۃ الوثقیٰ اور عہد مؤکدہ ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مصداق ہے۔ (تفسیر برہان)

بطریق اہل سنت۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو فرمایا۔ ''انت العروۃ الوثقیٰ'' ''تم ہی مضبوط رسی یا حلقہ ہو۔'' (الحدیث) (تفسیر برہان)

آیت نمبر ۲۵۷

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۵۷

ترجمہ

اللہ تو اُن لوگوں کا سرپرست، حامی اور مددگار ① ہے جو (اُس پر) ایمان لے آئے۔ وہ اُن کو

(گمراہی کی) تاریکیوں سے (ہدایت کی) روشنی میں نکال لاتا ہے، اور جو لوگ (خدا کے) انکار و کفر کا راستہ اختیار کرتے ہیں اُن کے سرپرست، حامی اور مددگار ''طاغوت'' ہیں جو انہیں (ہدایت کی) روشنی سے (گمراہی اور سرکشی کے) اندھیروں میں کھینچ لے جاتے ہیں۔② یہی لوگ تو جہنمی ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔(۲۵۷)

تفسیر

آیت نمبر ۲۵۷:

نور سے مراد محمدؐ و آل محمدؑ ہیں

☆ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا ''نور'' یعنی روشنی اولین معنی میں مراد محمدؐ و آل محمدؐ ہیں اور اندھیروں سے مراد اُن کے دشمن یا اُن سے دشمنی ہے۔'' (تفسیر صافی ص ۱۷، بحوالہ الکافی)

☆ ۱۔ ''ولی'' کے معنی رفیق، دوست، پشت پناہ، سرپرست، متولی، مددگار کے ہیں۔(بیضاوی، ابن جریر، روح)

☆ غرض ولی اتنا جامع لفظ ہے کہ اس کا ترجمہ سرپرست پورا مفہوم ادا نہیں کرتا.....

ولی کے مصدر کے معنی ایسی نزدیکی کے ہیں جس میں کوئی فاصلہ نہ ہو۔ اور ولی وہ ہے جو دوسروں سے اولیٰ ہو اور ان کے انتظام اور سرپرستی کا زیادہ حقدار ہو۔ یہ لفظ واؤ۔لام۔ی سے مشتق ہے۔اس سے ''والی'' بھی نکلا ہے جس کے معنی حاکم اور صاحب اختیار کے ہوتے ہیں۔''متولی'' بھی اسی سے بنا ہے جس کے معنی انتظام کے ذمے دار بنانا ہوتے ہیں۔(مجمع البیان از علامہ طبرسی)

☆ یہاں ''ولی'' کے معنی بگڑی بنانے والا، آڑے وقت کام آنے والا، کے بھی ہیں جو اللہ ہی ہے۔ (ماجدی)

۲۔ اللہ کا اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لانے کے معنی مجبور کرنا نہیں، بلکہ نیکی کے محرکات اور ہدایات فراہم کرنے کے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ خدا نے مومنین کو کفر و ظلم کے اندھیروں سے بچایا اور طاغوت نے انہیں یہ نور

حاصل نہ کرنے دیا۔جس طرح کہ عرب کہتے ہیں ''اسے اس کے باپ نے میراث سے نکال دیا۔'' یعنی اس کو میراث نہ ملنے دی۔ (مجمع البیان۔فصل الخطاب)

☆محققین نے نتیجہ نکالا کہ خدا کا ہر بندہ اگر ایک لمحے کے لیے بھی خدا کی توفیقات اور توجہات سے محروم ہوجائے تو وہ جہالتوں اور گمراہیوں کے اندھیروں میں کھوجائے گا۔خدا کی توفیقات ان اندھیروں کو دور کرتی ہیں یا ہٹا دیتی ہیں۔جیسا کہ خود قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

''تم جہنم کی آگ کے کنارے پر تھے تو خدا نے تم کو بچالیا۔''.....ظاہر ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ نہیں کہ تم جہنم کے اندر تھے۔اسی طرح خدا کا مومنوں کو اندھیروں سے نکالنے کے معنی یہ نہیں کہ وہ اندھیروں میں تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ خدا نے مومنوں کو کفر وگمراہی کے اندھیروں سے بچائے رکھا۔

پیغمبر اسلامؐ نے کسی آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ:''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں''''فرمایا: یہ فطرت کے تقاضوں پر قائم ہے۔'' پھر اس شخص نے کہا:''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔'' تو رسول خداؐ نے فرمایا:''بس یہ آگ سے نکل آیا۔'' ظاہر ہے کہ وہ آگ کے اندر تو نہ تھا۔(غرائب القرآن،علامہ نیشاپوری)

☆''طاغوت'' کا اُردو ترجمہ مشکل ہے۔قریب ترین لفظ شیطان کا ہے۔لیکن اس میں ہر معبود باطل، حاکم جابر اور سرکش ظالم شامل ہے۔(راغب،روح،بحر)

☆عبداللہ ابن ابی یعفور نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ جو لوگ آپ سے تولّا نہیں کرتے اور فلاں فلاں سے دوستی رکھتے ہیں ان میں امانت،سچائی اور وفاداری پائی جاتی ہے جبکہ آپ سے تولّا رکھنے والوں میں یہ اوصاف نہیں ہیں۔راوی کہتا ہے کہ یہ سنتے ہی امامؑ سیدھے ہو بیٹھے اور غصے سے میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا:''جو شخص ظالم امام کی ولایت کا قائل ہو، جو خدا کی طرف سے نہیں ہے، اُس کا کوئی دین نہیں ہے اور جو شخص امامِ عادل منصوص من اللہ کی ولایت کا قائل ہو اس پر کوئی عتاب نہیں خدا اُن کو گناہ کی تاریکیوں سے نکال کر توبہ اور بخشش کی نورانیت کی طرف منتقل کردیتا ہے کیونکہ وہ امام عادل سے تولّا رکھتے ہیں جو امام اللہ کی طرف سے منصوص تھا۔اور خدا فرماتا ہے''وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا.....مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ''۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ پہلے نورِ اسلام میں تھے لیکن جب انہوں نے امامِ ظالم کو اپنا امام مان لیا جو اللہ کی طرف سے نہ تھا۔تو وہ اُن کو ولایت کی وجہ سے نور اسلام سے نکل کر کفر کی تاریکی میں چلے گئے۔پس خدا نے کفار کے ساتھ ان پر بھی جہنم واجب کردیا پس وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا سے مراد عام کافر نہیں ہیں۔

آیت نمبر ۲۵۸

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ﴿۲۵۸﴾

ترجمہ

کیا تم نے اُس شخص ① (کی حالت) کو نہیں دیکھا، جو ابراہیمؑ سے ان کے رب کے بارے میں جھگڑا ؟ (صرف اس لیے) کہ اُس کو خدا نے حکومت دے دی تھی۔ جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا پالنے والا تو وہ ہے جو زندگی اور موت پر اختیار رکھتا ہے۔ تو اس نے جواب دیا، میں بھی زندگی اور موت پر اختیار رکھتا ہوں۔ ابراہیمؑ نے کہا، اچھا، خدا تو وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تو ذرا اس کو مغرب سے نکال کر لے آ۔ (یہ سن کر) وہ منکرِ حق ہکا بکا رہ گیا۔ (مگر ایمان نہ لایا) خدا ظالموں کو ہدایت (کی توفیق ہی) ہی نہیں دیتا.....(۲۵۸)

تفسیر

آیت نمبر ۲۵۸:

یہ نمرود تھا جو خدائی کا دعویٰ کیے ہوئے حضرت ابراہیمؑ سے بحث کر رہا تھا۔ (مجمع البیان، برہان)

☆ حضرت ابراہیمؑ نے اس سے سورج کو مغرب سے نکالنے کا ایسا مطالبہ کیا جس میں وہ کوئی دھاندلی نہیں کرسکتا تھا اور اس طرح اُس کو لاجواب ہوکر مبہوت ہونا پڑا۔ (آلاء الرحمٰن)

آخر میں جو ظالمین کی ہدایت کی نفی ہورہی ہے۔ تو یہاں ہدایت کے معنی راستہ دکھانے کے نہیں، بلکہ اس کے معنی، منزل تک پہنچانے کے ہیں۔ ظالموں کو اُن کے ظلم کی وجہ سے ایسی توفیقات سے محروم کردیا جاتا ہے کہ جن کے سبب وہ نجات کی منزل تک پہنچ سکیں۔ خدا نے فرمایا: ''جو ہمارے راستے میں جدوجہد کرتے ہیں، ہم خود اُنہیں اپنے راستوں پر لگادیتے ہیں۔'' (سورۃ الروم۔ ٦٩)

☆ یہ خود بہت بڑا ظلم ہے کہ نبیؑ کی بات نہ سنیں اور اس کا مذاق اڑائیں۔ (بلاغی)

☆ محققین نے نتیجہ نکالا کہ ضرورت کے وقت مناظرہ جائز ہے۔ (جصاص)

آیت نمبر ۲۵۹

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۵۹﴾

ترجمہ

(پھر) اُس شخص کی طرح جو ایک بستی سے گزرا، جو (بستی) اپنی چھتوں پر اوندھی گری پڑی تھی تو اس

نے کہا: ''یہ (آبادی جو) مرچکی ہے اسے اللہ کیسے دوبارہ زندہ کرے گا؟'' اس پر اللہ نے اُس کو موت دے دی اور وہ سو برس تک (مردہ حالت میں) پڑا رہا۔ پھر اس کو زندہ کر اٹھایا، پھر اُس سے پوچھا: ''تم کتنی دیر پڑے رہے ہو؟'' اُس نے عرض کیا: ایک دن یا ایک دن سے بھی کم'' خدا نے فرمایا: (نہیں) بلکہ تم پر تو سو ۱۰۰ برس گزر چکے ہیں۔ ذرا اپنے کھانے اور پانی کو دیکھو کہ وہ ذرا بھی خراب نہیں ہوئے ہیں، جبکہ اپنے گدھے کو دیکھ (وہ سڑ گل کر خاک ہو چکا ہے) اور یہ سب ہم نے اس لیے کیا ہے تا کہ ہم تم کو لوگوں کے لیے اپنی ایک نشانی بنا دیں۔ اچھا اب ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم اُن کو اس طرح اٹھا کر اس پر گوشت (پوست) چڑھاتے ہیں۔ جب یہ (سب کچھ) اُس پر ظاہر ہو گیا تو وہ پکار اٹھا: ''اب میں پوری طرح جان گیا کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (۲۵۹)

تفسیر

آیت نمبر ۲۵۹:

یہ واقعہ حضرت ارمیاؑ کا ہے۔ (تفسیر قمی، تفسیر مجمع البیان از امام محمد باقر در روح)

☆ یہ واقعہ حضرت عزیرؑ سے متعلق ہے۔ (تفسیر برہان، ابن جریر، قتادہ، سدی، از ابن عباس و عبداللہ بن سلام)

☆ ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ دو ۲ دفعہ ہوا ہو۔ (تفسیر صافی ص ۷۳)

☆ نیز اس واقعے کی نسبت یروشلم بیت المقدس سے ہے جو بخت نصر کے ہاتھوں تباہ ہوا تھا ۵۸۶ ق م (بحر)

☆ واقعہ یہ ہے کہ جب بخت نصر نے یہودیوں کا قتل عام کیا تو حضرت ارمیاؑ یا حضرت عزیرؑ، کا اُدھر سے گزر ہوا، تو انہوں نے دل میں سوچا کہ ایسا اُجڑا ہوا شہر بھی بھلا کبھی آباد ہوسکتا ہے؟ اس پر اللہ نے اُن پر موت وارد کر دی۔ وہ ''سو سال تک مرے رہے۔ جب زندہ ہوئے تو بیت المقدس آباد ہو چکا تھا۔ گھر آئے تو اُن کے پوتے بوڑھے ہو چکے تھے اس طرح خدا نے اُن کو بتایا کہ خدا قیامت کے دن سب کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ (تفسیر قمی، تفسیر مجمع البیان، تفسیر برہان و تفسیر کبیر)

حیات امام مہدیؑ پر دلیل قرآن:

مذکورہ بالا قصہ جس کو قرآن نے بیان فرمایا ہے اس قدر یقینی ہے کہ جس قدر قرآن۔ نبی کے نام میں اختلاف

ضرور ہے۔خواہ وہ حضرت عزیرؑ ہوں یا حضرت ارمیاہؑ ہوں۔بہرحال ''سوسال مردہ رہنے کے بعد زندہ ہوئے،خداوند عالم کوقدرت حاصل ہے کہ ایک طویل عرصے تک مردہ رکھنے کے بعد کسی کو زندگی بخشے جو خدا ابتداً تمام کائنات کو بغیر مادہ کے پیدا کرنے پر قادر ہے اس کے لیے دوبارہ زندہ کرنا،کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ایسے واقعات سے عقیدۂ رجعت کو بھی تقویت ملتی ہے۔علاوہ ازیں اصحاب کہف جو ابھی تک زندہ ہیں تو حضرت امام مہدیؑ کی طویل حیات پر شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

☆انسائیکلو پیڈیا بڑٹانیکا کے سب سے آخری یعنی چودھویں ایڈیشن میں یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ نصف صدی پہلے ان قصوں کو جیسا بے اصل اور نامعتبر سمجھ لیا گیا تھا،یہ خیال اب مزید تحقیق سے باقی نہیں رہا۔نمرود سے متعلق قصہ بھی اب ثابت ہو چکا ہے۔(جلد ۱۳،ص ۱۶۵،انسائیکلو پیڈیا بڑٹانیکا)

آیت نمبر ۲۶۰

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىِٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶۰﴾

ترجمہ

(یا پھر وہ واقعہ یاد کرو) جب ابراہیمؑ نے کہا (تھا) ''میرے پالنے والے! مجھے دکھادے کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کر دیتا ہے؟ (خدا) ''نے فرمایا:'' کیا تم کو اس کا یقین نہیں؟'' (ابراہیمؑ) نے عرض کی:'' (یقین تو) ہے مگر اس لیے کہ میرے دل کو پورا اطمینان ہو جائے۔'' (خدا نے) فرمایا: ''اچھا تو چار پرندے لو اور ان کو اپنے پاس منگوالو، پھر (ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے) ان کا ایک ایک

ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دو۔اس کے بعد ان کو بلاؤ تو وہ تمہارے پاس دوڑتے چلے آئیں گے (اور (اس طرح) سمجھ لینا کہ خدا بیشک بڑا غالب اقتدار والا' حکمت و دانائی والا ہے۔(۲۶۰)

تفسیر

آیت نمبر ۲۶۰:

اہل لطائف واشارات نے حضرت ابراہیمؑ کے قصّے سے درج ذیل نتائج اخذ فرمائے:

(۱) اللہ تعالیٰ سے کشف حقائق کا سوال جائز ہے (۲) مقبولین کو جو مشاہدات ہوتے ہیں ان سے مراتب عرفان میں ترقی ہوتی ہے (۳) جس کے نتیجے میں خدا سے تقرب اور اعزاز میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔(۴) ایسے سوالات ہمیشہ بے اعتقادی یا ایمان کی کمی سے پیدا نہیں ہوتے (۵) ایمان و یقین میں اضافہ ممکن ہے (۶) ایمان بڑھتے بڑھتے اطمینان قلب پیدا ہو جاتا ہے (۷) ترقی کبھی مشاہدے اور معائنے سے ہوتی ہے اور کبھی محض وجدان سے (۸) عدم سکون کی کیفیت ایمان و عرفان کے منافی نہیں۔''بقیہ از صفحہ ۲۰۱: (۹) حضرت ابراہیمؑ کو طمانینت کا وہ درجہ درکار تھا جو درجہ نبوت و امامت کے مناسب ہو۔ورنہ صدیقیّت اور ولایت کے درجے کی طمانینت تو ان کو پہلے ہی سے حاصل تھی۔

اعتراض:

حضرت امام رضا علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے دل میں کچھ شک تھا؟ فرمایا: ''نہیں، حضرت ابراہیمؑ کو یقین تھا کہ اللہ مردوں کو زندہ کرے گا مگر انہوں نے یہ چاہا کہ خدا ان کے یقین کو اور زیادہ مضبوط کر دے۔'' (تفسیر صافی۔ص ۳۷۔بحوالہ تفسیر عیاشی)

☆ حضرت ابراہیمؑ کو مردوں کے زندہ ہونے کے اصل عقیدے میں کوئی شک نہ تھا' بلکہ اس کیفیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا مقصود تھا۔(مجمع البیان)

☆ خدا نے سوال و جواب کر کے اس حقیقت کو واضح کر دیا۔ (جلالین)

☆ خدا کے سوال و جواب سے ظاہر ہو گیا کہ اطمینان اور یقین کے مراتب ہوتے ہیں اور یقین میں اضافے کی خواہش شان نبوّت کے خلاف نہیں۔یہاں تک کہ جناب رسولؐ خدا کی یہ دعا تھی کہ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا مالک! میرا علم بڑھا دے۔ (فصل الخطاب)

سوال کا مقصد:

تاج العلماء نے لکھا کہ حضرت ابراہیمؑ کا مقصد یہ تھا کہ ''میرا دل مطمئن ہوجائے کہ تو نے مجھے اپنا دوست بنایا کہ نہیں۔(تاج العلماء)

☆ سارے مفسّرین کا اتفاق ہے کہ یہاں ذبح کرکے پارہ پارہ کرنا مراد ہے۔

(تفسیر کبیر، بحر از ابن عباسؓ، حسن بصری، سعید بن جبیر و اکثر تابعین۔ابن کثیر)

آیت نمبر ۲۶۱

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾

ترجمہ

جولوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خیرات کرتے ہیں ان کی (خیرات کی) مثال ایک دانے کی سی ہے (جب اسے بویا جائے تو) اس سے سات ۷ بالیاں نکلیں اور ہر ہر بالی میں سو ۱۰۰ (سو ۱۰۰) دانے ہوں۔اسی طرح اللہ جسے چاہتا ہے بڑھا چڑھا کر عطا فرماتا ہے ① خدا تو بڑی وسعت دینے والا واقف کار ہے۔② (۲۶۱)

تفسیر

آیت نمبر ۲۶۱:

اس آیت سے اہل لطائف واشارات نے دو ۲ نکتے پیدا کیے ہیں۔(۱)اپنے مصارف خیر کی حفاظت بھی اہل زراعت کی طرح کرتے رہنا چاہیے۔ریاکاری،نمائش،تکبر،تکلیف پہنچانے،احسان رکھنے سے اپنے نیکیوں کو بچائے رہنا ضروری ہے(۲)جس طرح زراعت میں پیداوار مختلف ہوتی ہے اسی طرح اجر بھی حسن قبول کے درجات میں مختلف ہوتا ہے۔

☆ خدا کی یہ مثال بالکل فرضی بھی نہیں ہے۔کیونکہ خدا نے گیہوں کی مثال نہیں دی،اس میں ہر قسم کا غلہ شامل ہے۔بعض اجناس میں سو ۱۰۰ کے لگ بھگ دانوں کی تعداد مشاہدے میں آئی ہے(نیشاپوری)

۱۔اور خدا کا یہ فرمانا کہ ''اللہ جس کے لیے چاہتا ہے اور بڑھاتا ہے'' تو خدا کا چاہنا بلا وجہ نہیں ہوتا،اس لیے کہ وہ حکیم بھی ہے۔خدا کے بڑھانے کا تعلق ہمارے خلوص دل،موقع کی نزاکت،کام کی اہمیت اور مشکلات اور نتائج سے ہوتا ہے۔کیونکہ خدا استحقاق کے مطابق بڑھاتا ہے۔ (تفسیر صافی)

۲۔اسی لیے آخر میں خدا نے اپنے لیے دو ۲ الفاظ فرمائے (۱)وَاسِعٌ (۲)عَلِیْمٌ ''وَاسِعٌ'' کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے۔وہ جتنا چاہے بڑھا سکتا ہے اور علیم کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمارے درجۂ استحقاق سے واقف ہے،ہماری نیتوں،ارادوں،مشکلوں کو جانتا ہے۔اس لیے یہ چاہتا ہے کہ کس کا انفاق کتنے اضافے کا حقدار ہے۔ (مجمع البیان)

اللہ ''وَاسِعٌ'' ہے یعنی اس کی سعتوں کی کوئی انتہا نہیں،اس لیے یہ کبھی نہ سمجھنا چاہیے کہ عطا اور بخششوں سے خدا کے خزانوں میں کوئی کمی ہو جائے گی اور ''عَلِیْمٌ'' یعنی ہر چیز کا جاننے والا۔اس لیے کبھی یہ نہ سمجھنا کہ کوئی بھی مستحق اپنے اجر سے ذرہ برابر بھی محروم رہ جائے گا۔

اس سلسلے میں ایک روایت کی تلخیص پیش خدمت ہے۔(از تفسیر انوار النجف۔ص ۱۵۴۔جلد ۳)

حضرت امیر المومنینؑ نے عبداللہ بن عوف سے ایک دینار بطور قرض طلب فرمایا،انہوں نے سو ۱۰۰ دیناروں کی ایک تھیلی بطور صدقہ کے پیش کی۔آپؑ نے فرمایا کہ جناب رسولؐ خدا کا ارشاد ہے کہ ''دینے والا ہاتھ لینے والے سے بہتر ہے۔'' پس میں کسی کا احسان مند نہیں ہونا چاہتا۔تم مجھے قرض دے دو کیونکہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ صدقے کا ثواب ایک کا دس گنا ہے اور قرضے کا ثواب اٹھارہ گنا ہے پس آپؑ ان سے ایک دینار قرض لے کر روانہ ہو گئے،راہ میں مقداد سے ملاقات ہوگئی۔آپؑ نے پوچھا اے مقداد!ایسی گرمی میں کیسے گھر سے نکلنا ہوا؟ عرض

کیا کہ حضورؐ چار روز سے فاقہ ہے۔ چنانچہ آپؐ نے وہ دینار مقداد کے حوالے کیا کہ تم مجھ سے زیادہ مستحق ہو۔ میرے گھر تین دن سے فاقہ ہے۔ دوسرے دن ایک سوار آیا' حضرت علیؑ کو ایک تھیلی پیش کی اور غائب ہو گیا آپؐ وہ تھیلی لے کر آنحضرتؐ کی خدمت پیش ہوئے اور ماجرا کہہ سنایا۔ اس تھیلی میں سات سو دینار تھے آنحضرتؐ نے فرمایا "اے علی! جبریل بحکم خدا آئے تھے اور یہ تھیلی اس ایک دینار کا عوض ہے جو تم نے کل مقداد کو دیا تھا۔" اس کے آپؐ نے ایک دینار قرض خواہ کو واپس کر دیا۔ اور باقی اہل بیت اور فقرا پر تقسیم کر دیا۔ (تفسیر انوار النجف)

آیت نمبر ۲۶۲

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾

ترجمہ

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس (خیرات) کے بعد احسان نہیں جتاتے اور نہ (ان کو) ستاتے ہیں۔ ① تو ان کا اجر (وثواب) ان کے ربّ کے پاس ہے' تو ان کے لیے نہ تو کوئی خوف ہی ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ (۲۶۲)

تفسیر

آیت نمبر ۲۶۲: ۱

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ: "جس شخص نے کسی مومن کے ساتھ نیکی کی اور پھر اس کا احسان جتلایا یا کچھ کہہ کر اس کی دل آزادی کی' تو اللہ اس کے اس صدقے یا نیکی کو برباد کر دے گا۔" (تفسیر مجمع البیان' تفسیر صافی، صفحہ ۷۴، تفسیر قمی)

☆نیکی کر کے احسان جتانا یعنی اس کے منہ پر یا کسی سے یہ کہ دینا کہ ہم کیسے برے وقت کام آئے تھے‘اس نیکی کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔(تفسیر صافی)

☆اس سے بُری صورت یہ ہے کہ جس کے ساتھ نیکی کی تھی اس کا دل کسی طرح سے دکھایا جائے۔ مثلاً ایسے لوگوں کے سامنے اپنی نیکی کا ذکر کیا جائے جن پر وہ اپنی حالت کو ظاہر ہونا پسند نہیں کرتا‘ان پر اپنی عزت قائم رکھے ہوئے ہے۔(تفسیر صافی‘مجمع البیان‘فصل الخطاب)

آیت نمبر ۲۶۳

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

ترجمہ

نرمی سے جواب دینا① اور کسی کو معاف کر دینا اس خیرات سے (کہیں) بہتر ہے جس کے بعد تکلیف دی جائے (کیونکہ) اللہ غنی (بے نیاز‘بے پرواہ) ہے’’اور‘‘ برداشت کرنے والا بھی ہے۔(۲۶۳)

تفسیر

آیت نمبر ۲۶۳:

قول معروف یعنی اچھی بات‘معذرت کے نرم الفاظ کہو۔اس کے اصرار کو معاف کر دو محققین نے نتیجہ نکالا کہ خیرات مقصود بالذّات نہیں۔مقصود قلب کی اصلاح ہے۔

☆آیت کا مطلب یہ ہے کہ سوال کرنے والے کا سوال اگر پورا نہیں کر سکتے تو اچھی سی کوئی بات ہی کہہ دو مناسب الفاظ میں معذرت کر لو۔اس کے اصرار اور سختی کو برداشت کرتے ہوئے معاف ہی کر دو۔ایسی معذرت اور برداشت مغفرت گناہ کا باعث ہوتی ہے اور اس احسان سے بہرحال بہتر ہے کہ جس کے بعد اس کا دل دکھایا جائے۔(بلاغی۔فصل الخطاب)

☆ مطلب یہ ہے کہ اللہ کو ایسی خیرات کی ضرورت ہی نہیں جس کے بعد سائل کا دل دکھایا جائے اس لیے خدا ایسی خیرات یا نیکی کو قبول ہی نہ کرے گا' البتہ وہ برداشت کرنے والا بھی ہے اس لیے کہ تمہارے اس جرم پر فوراً سزا نہیں دیتا کہ شاید تم اپنے اس عمل پر شرمندہ ہو کر اپنی اصلاح کر لو (مجمع البیان)

۲۔ اہل اشارات نے نتیجہ نکالا کہ خدا حلم سے کام لے کر تمہاری غلطیوں کو معاف کرتا ہے۔ اس لیے تمہیں بھی سائل کی تلخ کلامی کو معاف کر دینا چاہیے۔ (بلاغی)

☆ غنی وہ ہوتا ہے جو تمہارا مال تمہارے ہی فائدے کے لیے خرچ کرتا ہے اور جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے وہ اپنے ہی دائمی نفع کے لیے خرچ کرتا ہے ورنہ خدا ہمارے مال کا محتاج نہیں اور خدا کے حلیم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ قانون توڑنے والوں' خیرات نہ دینے والوں' حقوق غصب کرنے والوں اور دولتمندوں کی کنجوسی اور بد دماغی کو ایک مدّت تک معاف کرتا رہتا ہے اور ان کو اصلاح کی مہلت پر مہلت دیتا رہتا ہے۔

آیت نمبر ۲۶۴

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾

ترجمہ

اے ایمان لانے والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور (سائلوں کو) اذیّت دے کر' اس شخص کی طرح برباد نہ کر دو جو اپنا مال صرف لوگوں کے دکھاوے کے لیے خیرات کرتا ہے اور نہ تو اللہ پر ہی ایمان رکھتا ہے اور نہ آخرت پر۔ اس کی خیرات کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان، جس پر مٹی کی تہ جمی

ہوئی ہو، اس پر جب زور کی بارش برسی تو تمام مٹی بہ گئی اور صاف چکنی چٹان رہ گئی۔ ایسے لوگ جو نیکی بھی کماتے ہیں اس سے ان کو کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا، تو ایسے منکرین حق کو خدا (بے ریا اور خلوص دل سے خیرات کرنے) ہدایت ہی نہیں کرتا۔ (۲۶۴)

تفسیر

آیت نمبر ۲۶۴:

احسان جتانے اور دل دکھانے کے بعد خیرات یا نیکی کو باطل کر دینے والی تیسری چیز لوگوں کو دکھانے کی نیت سے اچھے اچھے کام انجام دینا ہے۔ کیونکہ ریاکاری ایمان کے تقاضے کے خلاف ہے (تفسیر صافی) کیونکہ اگر کوئی شخص واقعاً خدا اور آخرت کو دل سے مانتا ہے، تو کسی اور مقصد کو سامنے نہیں رکھ سکتا ہے۔ (فصل الخطاب)

☆ دکھاوے کے عمل کو پتھر کے غبار سے تشبیہ دی ہے کہ بارش سے وہ غبار غائب ہو جاتا ہے، اسی طرح دکھاوے کا عمل آخرت میں غائب ہو جائے گا۔

آیت نمبر ۲۶۵

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

ترجمہ

اور جو لوگ خدا کی خوشی کی تلاش میں اپنے مال خیرات کرتے ہیں ان کی مثال (ایسے ہرے

بھرے) باغ کی سی ہے جو بلندی پر ہو اور اس پر اگر زور سے پانی برسے تو دو (۲) گنا پھل دے اور اگر زور کی بارش نہ بھی ہو تو صرف ایک ہلکی سی پھوار ہی (اس کے پھلنے پھولنے کے لیے) بہت کافی ہو۔ (غرض) تم جو کچھ بھی کرتے ہو وہ (سب کا سب) اللہ کی نظر میں ہے۔ (۲۶۵)

تفسیر

آیت نمبر ۲۶۵:

یہ مومن مخلص کے اعمال کی ایک مثال ہے کہ جس طرح بلند خطہ کی بہتر زمین کا باغ ہر حال میں خوب پھلتا ہے خواہ بارش کم ہو یا زیادہ ایسے ہی با اخلاص مومن کا صدقہ اور انفاق خواہ کم ہو یا زیادہ ہو اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاتا ہے اور تمہاری نیت و اخلاص کو جانتا ہے۔ (قرآن عظیم احمد رضا خاں بریلوی)

☆ برائی کی طرح اچھائی کی بھی یہ خصوصیت ہے کہ ہر اچھائی دوسری اچھائیوں کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔ ایک نیکی انجام دینے کے بعد دوسری نیکی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے۔ ہر عمل کی تکرار سے فطرت انسانی میں ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے اور بار بار تکرار سے وہ ملکہ راسخ ہوتا چلا جاتا ہے اور اس اچھے کام سے روکنے والی طاقت کمزور پڑ جاتی ہے۔

محققین نے نتیجہ نکالا کہ عمل صالح سے جس طرح حصول اجر مقصود ہوتا ہے اسی طرح اصلاح نفس بھی مقصود ہوتی ہے۔ خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے سے ایمان' ثابت قدمی اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

☆ دوسرے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ ان کے دل اللہ کے فضل و کرم اور ثواب پر مطمئن ہیں۔ وہ مال دینے کو نقصان نہیں سمجھتے۔

☆ امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا کہ ''یہ آیت (حضرت) علیؑ کی شان میں اتری ہے۔'' (تفسیر عیاشی و تفسیر صافی۔ صفحہ ۷۴)

☆ ''وَابِلٌ'' موٹے موٹے قطروں والی تیز بارش کو کہتے ہیں اور ''طَلٌّ'' ہلکی بارش کو کہتے ہیں۔ (اقرب)

☆ ''اپنے کو ثابت قدم رکھنے'' کے معنی اپنی قوت ارادی کو مضبوط رکھنا ہے کہ یہ کوئی ایسی بات نہ کریں گے جس سے ہمارا عمل برباد ہو جائے۔ مثلاً احسان جتانا' اس شخص کے سامنے اپنی بڑائی دکھانا جس پر احسان کیا ہے یا کسی طرح دل دکھانا' یا دکھاوا کرنا وغیرہ وغیرہ (تفسیر صافی، فصل الخطاب)

☆ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ دینی اجرت اور ضمیر کی قوت پر خود کو ثابت قدم رکھے (مجمع البیان)

☆ باغ کا اونچائی پر ہونا اس لیے بیان ہوا کہ پہاڑوں پر جو باغات ہوتے ہیں وہ زیادہ خوشنما اور سرسبز ہوتے ہیں۔ وہاں کی فضا بھی بہت خوشگوار ہوتی ہے۔ (بلاغی)

☆ خیرات یا نیکی جو بڑی مقدار میں ہو وہ بڑی بوندوں والی برسات کی طرح ہے جس سے پیداوار لازمی طور پر بہت ہوتی ہے۔ اور ہلکی پھوہار کم خیرات کی طرف اشارہ ہے' جو اگر صدق دل سے ہو تو آخرت کے نفع کی شکل میں سامنے آئے گی (تفسیر صافی)

☆ تمثیل کی زبان میں اس حقیقت کا بیان ہو رہا ہے۔

غرض محض ایمان اور کسی پر احسان نہ جتانا اور کسی کو احسان کرنے کے بعد تکلیف نہ پہنچانا بھی خیرات کو مقبول بنا دینے کے لیے کافی ہیں۔ اور آخر میں خدا کا ''خوب دیکھنے والا'' فرمانا بتاتا ہے کہ خدا کافر، مومن، مخلص، غیر مخلص سب کے اعمال کے محرکات اور نیتوں کو ان کے اخلاص اور عدمِ اخلاص کو خوب جانتا ہے۔ (ماجدی)

آیت نمبر ۲۶۶

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝٢٦٦

ترجمہ

کیا تم میں سے کوئی یہ بات پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس ایک ہرا بھرا کھجوروں اور انگوروں اور ہر قسم کے پھلوں سے لدا ہوا باغ ہو، جس کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں اور اس باغ کے مالک

پر بڑھاپا آچکا ہواوراس کے(چھوٹے چھوٹے) کمزور بچے ہوں' اور اچانک اس باغ پرایک تیز آگ کا بگولا آپڑے اوروہ باغ جل بھن کررہ جائے۔اس طرح اللہ (اپنی باتیں) تمہارے سامنے صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم غوروفکر کرو.....(۲۶۶)

تفسیر

آیت ۲۶۶

ذرا اس حسرتناک وقت اور منظر کا تصور فرمائیں کہ ایک شخص کی عمر کی کمائی ایک باغ ہے۔خوب ہر بھرا، پھلوں سے لدا پھندا اور باغ کا مالک بوڑھا ہو چکا ہے اور بچے ابھی بہت چھوٹے ہیں اور یکا یک اُسے معلوم ہوا کہ باغ پر بجلی گری اور وہ جل کر راکھ ہوگیا۔اب اس باغ کے مالک کی حالت کا اندازہ فرمائیں، اُس سے لاکھ گنا بُری حالت اُس آدمی کی ہوگی جس نے خوب دنیا کمائی، سجائی، بنائی، اور ساری اُمیدیں اس مال و دولت سے وابستہ رکھیں کہ اچانک موت سر پر آموجود ہوئی۔ اب جو دیکھا تو کوئی چیز اُس کے دفترِ عمل میں موجود نہ تھی جو اس کے کچھ کام آسکے۔اب کون ایسے شخص کی بری حالت کا اندازہ کرسکتا ہے؟ جس کے سامنے ابدی تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہ ہو۔''امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ:''تم اس دنیا میں آزمائے جارہے ہو،لیکن پیدا کسی اور جہان کے لیے کئے گئے ہو، بلاشبہ جب انسان مرتا ہے تو لوگ پوچھتے ہیں کہ مرنے والا کیا چھوڑ کر گیا ہے اور فرشتے پوچھتے ہیں کہ تو کیا لے کر یہاں آیا ہے، کچھ تو نے پہلے سے یہاں کی ابدی حیات کے لیے بھی بھیجا تھا؟''(نہج البلاغہ)

☆ عمدۃ البیان میں جناب امیرالمومنینؑ سے منقول ہے کہ جوانمردی چار چیزوں میں ہے۔

(۱) غنی ہوتے ہوئے تواضع کرنا۔(۲) باوجود قدرت کے انتقام نہ لینا۔(۳)۔باوجود دشمنی کے خیرخواہی کرنا۔(۴)۔احسان جتلائے بغیر کسی کو کچھ دینا۔

☆ نیز آپؑ نے فرمایا:''سخی لوگ دنیا و عقبےٰ کے سردار ہیں۔''

☆ پھر فرمایا:''تعجب ہے اُن لوگوں پر جو غلام خرید کر آزاد کرتے ہیں۔بھلا وہ احسان کر کے آزاد لوگوں کو اپنا دائمی غلام کیوں نہیں بنا لیتے۔''

''بہشت سخی لوگوں کے لیے ہے۔''(از انوار النجف جلد ۳ ص ۱۵۸)

آیت نمبر ۲۶۷

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۡ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝۲۶۷

ترجمہ

اے ایمان لانے والو! اپنی (حلال) پاک کمائی میں سے، اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لیے نکالا ہے، اُس کا بہترین حصہ خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ (خدا کی راہ میں) بُری سے بُری چیز چھانٹنے کی کوشش کرنے لگو، حالانکہ اگر وہی چیز تمہیں دی جائے تو تم ہرگز اسے لینا تک گوارا نہ کرو۔① سوا اس کے چشم پوشی کر جاؤ۔ جان لو کہ بیشک خدا بے نیاز (جسے کسی چیز کی ضرورت ہی نہ ہو) اور نہایت ہی قابل تعریف ہستی ہے۔ (۲۶۷)

تفسیر

آیت نمبر ۲۶۷

ا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آباء طاہرین سے روایت فرمائی کہ جناب رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا ”کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے ایامِ جاہلیت میں بُرے وحرام پیشوں سے مال کمایا۔ پھر جب وہ ایمان لے آئے تو انہوں نے چاہا کہ اُس گندے مال سے صدقہ نکالیں تو اللہ نے منع فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ صدقہ صرف اُسی مال سے نکالو جو جائز پیشوں سے کمایا گیا ہو۔“ (تفسیر صافی ص ۷۴، بحوالہ کافی)

☆محققین نے نتیجہ نکالا وہ خیرات اتنی افضل نہیں جو دوسروں کی کمائی سے کی جائے۔افضل خیرات وہ ہے جو اپنے دست و بازو سے کی جائے۔(مجمع البیان)

☆آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ بے حد خراب کھجوریں زکوٰۃ میں دے دی جاتی تھیں۔آیت میں اس بات کی ممانعت کی گئی۔(کافی۔تفسیر عیاشی)

آیت نمبر ۲۶۸

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾

ترجمہ

شیطان تو تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور بے شرمی و بے حیائی ① کے کاموں کی ترغیب دیتا ہے، جب کہ اللہ تم سے اپنی بخشش، معافی اور فضل و کرم کا وعدہ کرتا ہے (کیونکہ) خدا بڑی وسعت دینے والا اور سب باتوں کا جاننے والا ہے۔(۲۶۸)

تفسیر

آیت نمبر ۲۶۸

ا۔عربی میں فحش کے معنی بہت شدید برائی اور ہر بُری صفت کے ہوتے ہیں چاہے وہ کوئی بُرا قول ہو یا فعل (تاج) لیکن بخل پر فاحش کا اطلاق خاص طور پر ہوتا ہے۔(قاموس۔تاج۔راغب، کشاف۔جصاص)

☆غرض اس آیت میں فحش سے مراد بخل ہے۔کیونکہ عرب بخیل کو فاحش کہتے ہیں کیونکہ شیطان اُن کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ اگر مال خدا کی راہ میں خرچ کر دو گے تو محتاج ہو جاؤ گے ایسے خیالات دل میں ڈال کر شیطان اُن کو بخیل بنا دیتا ہے۔(تفسیر صافی ۷۴)

☆ مطلب یہ ہے کہ شیطان یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ اگر خیرات کرو گے تو فقیر ہو جاؤ گے۔ (تفسیر صافی)

☆ یہ مطلب بھی ہے کہ شیطان گھٹیا خراب مال یا چیزیں خیرات میں دینے کی ترغیب دیتا ہے۔ (مجمع البیان)

☆ جبکہ خدا کا وعدہ یہ ہے کہ خیرات کرو گے تو وہ خیرات دینے پر دنیا میں بھی مال میں برکت عطا کرے گا اور آخرت میں گناہوں سے معافی۔ (نیشاپوری)

☆ محققین نے لکھا کہ خدا نے بتا دیا کہ کس قسم کے خیالات شیطان کی طرف سے آتے ہیں اور ہمیں خدا کے وعدے پر بھروسہ کر کے خیرات کرنی چاہیے۔ ''جب یہ خیال آئے گا کہ خیرات سے گناہ بخشے جائیں گے اور اللہ مجھے یہیں جو چاہے گا دے گا تو جان لے کہ یہ خیال اللہ کی طرف سے آیا ہے۔'' (موضح القرآن)

☆ اور اگر کنجوسی اور خوفِ فقر کا خیال خیرات کے وقت آئے تو سمجھ لو کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے اور دھوکا ہے۔ (بلاغی)

☆ خدا نے سخاوت پر دو (۲) وعدے فرمائے ہیں۔ (۱) مغفرت یعنی گناہوں سے معافی۔ (۲)۔ دوسرے فضل و کرم۔ ہوسکتا ہے کہ مغفرت کا وعدہ آخرت سے متعلق ہو اور فضل و کرم کا وعدہ دنیا سے متعلق ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں وعدے دونوں جہانوں سے متعلق ہوں۔ ماحصل یہ ہے کہ اگر خدائی احکام پر چلو گے تو دنیا و آخرت دونوں میں فلاح پاؤ گے اور اگر شیطان کی راہ پر چلو گے تو دونوں جگہ بربادی کے سوا کچھ نہ پاؤ گے۔

آخر میں خدا نے خود کو واسع فرمایا کہ نیکی پر میرے پاس انعام و اکرام کی کوئی کمی نہ ہوگی، اور ''علیم'' یعنی ہر چیز کا جاننے والا فرمایا کہ میرا علم کامل ہے اور عمل کرنے والوں کے عمل سے، اُن کی نیتوں سے خوب اچھی طرح واقف ہوں۔ (ماجدی)

☆ جناب رسول خداؐ سے مروی ہے کہ رزق کے دس حصوں میں سے نو حصے تجارت میں ہیں اور ایک حصہ باقی کسبوں (پیشوں) میں ہے۔

☆ آپؐ سے پاکیزہ رزق کے متعلق دریافت کیا گیا تو ارشاد فرمایا: ''اس سے مراد ہے انسان کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور نیکی سے خرید و فروخت کرنا۔'' (جو چیز کسی کو دو اچھی دو) (انوار النجف جلد ۱۶۰۳)

آیت نمبر ۲۶۹

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا

كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

ترجمہ

وہ جس کو چاہتا ہے حکمت ① (یعنی) دانائی، بصیرت، صحیح قوتِ فیصلہ نتیجتاً سخاوت اور فکرِ آخرت عطا فرماتا ہے اور جسے حکمت دی گئی، اُسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی، اور عقل مندوں کے سوا کوئی (بھی ایسی) نصیحت سے سبق نہیں سیکھتا۔

تفسیر

آیت نمبر ۲۶۹

ا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرینؑ کے حوالے سے روایت کی کہ: جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''حکمت سے مراد اللہ کی اطاعت، امام وقت کی معرفت اور اُن گناہوں سے بچنا ہے جن پر خدا نے جہنم کی سزا مقرر فرمائی ہے۔ حکمت سے اصل مراد معرفت اور دین میں گہری سمجھ پیدا کرنا ہے۔ پس جس نے یہ علم حاصل کیا وہ ''حکیم'' ہے۔ اور شیطان ایسے فقیہ کی موت پر سب سے زیادہ خوش ہوتا ہے۔

دوسرے یہ معلوم ہوا کہ حکمت خدا ہی عطا فرماتا ہے، اور جسے خدا حکمت عطا فرماتا ہے اُسے خیر کثیر دے دیتا ہے۔'' (تفسیر عیاشی، تفسیر صافی ص ۷۵ بحوالہ الکافی)

☆ جناب رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا: ''میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہیں۔''

☆ محققین نے نتیجہ نکالا کہ حقیقی حکمت علیؑ اور آلِ علیؑ کے سوا کہیں سے نہیں مل سکتی اس لیے کہ گھر میں جو کچھ ہوتا ہے دروازے میں سے ہی باہر آتا ہے۔ اس لیے جسے خیر کثیر حاصل کرنا ہے اسے آلِ محمدؐ کے دروازے سے کسب فیض کرنا ہوگا۔

☆ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ: ''حکمت کے معنی'' اللہ کی اطاعت اور امام کی معرفت ہے۔'' نیز عملی حکمت کے معنی فرمائے کہ: ''بڑے گناہوں سے بچنا جن پر جہنم کا وعدہ کیا گیا ہے۔'' حکمت کے تیسرے معنی امامؑ نے فرمائے ''حکمت معرفت کا نام ہے۔ یعنی دین کی گہری سمجھ۔ جو شخص تم میں دین کی گہری سمجھ

رکھتا ہو، وہ حکیم ہے۔''

☆ اور عقل والے (اولوالالباب) وہ ہیں جو عقل سے کام لیں۔ عقل کو ''لُب'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ انسان کا اصل مغز ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ صرف چھلکا ہے۔

☆ غرض حکمت امورِ دین میں صحیح اور گہرے فہم کا نام ہے جس کا لازمی منطقی نتیجہ بخل سے نفرت اور سخاوت کی طرف رغبت ہے۔ یہ حکمت خدا اُسی کو دیتا ہے جو اس کا اہل ہوتا ہے۔ اور اس کا سچے دل سے طالب ہوتا ہے۔ بہرحال یہ حکمت نہیں کہ جو کمایا سب کا سب دنیا کی لذتوں پر اُڑا دیا۔ عقل و حکمت کا تقاضا ہے کہ آج سے کل کا بندوبست کیا جائے۔ آج بیج بو کر کل فصل کاٹ لو۔ اس لیے دنیا میں رہ کر آخرت کے لیے خرچ کرنا عین حکمت ہے۔ اہل لطائف اشارات نے کہا کہ آیت میں شیطانی وسوسوں کا علاج علم و حکمت سے کام لینے کو بتایا ہے۔ (ماجدی)

☆ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ: ''حکمت، معرفت کا نور، تقویٰ کی میراث، سچائی کا پھل ہے۔ اگر میں کہوں کہ نعماتِ خداوند عالم میں سے کوئی نعمت، نعمت حکمت سے زیادہ قیمتی اور بلند تر نہیں ہے تو بجا ہوگا۔''

☆ جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ ''خدا نے مجھے قرآن و حکمت عطا فرمائی ہے اور جس گھر میں حکمت نہیں وہ گھر برباد ہے۔ اللہ سے ڈرو، فقہ حاصل کرو اور علم سیکھو تا کہ جاہل ہو کر نہ مرو۔'' (تفسیر، انوار النجف، جلد ۳، ص ۱۶۱)

آیت نمبر ۲۷۰

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾

ترجمہ

اور تم نے جو کچھ بھی خیر خیرات کیا ہو، یا جو بھی نذر مانی ہو، خدا اُس کو ضرور جانتا ہے۔ اور ظالموں کا (یعنی خیرات نہ کرنے والوں، نذریں توڑنے والوں، اور حقوق ادا نہ کرنے والوں کا قیامت میں) کوئی مددگار نہ ہوگا۔ (۲۷۰)

تفسیر

آیت نمبر ۲۷۰

''نذر'' کے معنی وہ چیز جسے انسان اپنے اوپر از خود واجب کر لے، اور جو خود واجب نہ ہو۔ (اقرب)

☆''اللہ جانتا ہے'' کا مفہوم یہ ہے کہ ہر خیرات کا اجر ضرور ملے گا۔ (مجمع البیان)

☆اور ''ظالمین'' سے یہاں مراد وہ لوگ ہیں ' جو زکوٰۃ نہ دیں، غلط، فضول کاموں پر روپیہ خرچ کریں، نذریں کریں مگر اُن کو پورا نہ کریں۔ (جلالین)

☆اور آخر میں ظالموں کے جتھے بندی پر چوٹ کی گئی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ مصیبت میں پارٹی والے مدد کے لیے آ پہنچیں گے۔ وہاں کوئی پارٹی والا مدد کو نہ آئے گا۔ سب اپنی اپنی مصیبتوں میں گرفتار اپنے گناہوں کو بھگت رہے ہوں گے۔ (فصل الخطاب)

☆''نذر'' کے معنی منت ماننا فقہ میں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ کوئی شخص اپنی مراد پوری ہونے پر اپنے اوپر کوئی ایسی چیز واجب کر لے جو اس پر واجب نہ ہو (روح۔ تفسیر کبیر) یہ نذر جسمانی بھی ہو سکتی ہے اور مالی بھی۔ خدا کا فرمانا کہ ''وہ جانتا ہے'' یہ بتانے کے لیے ہے کہ وہ خوب جانتا ہے کہ کیا نذر مانی گئی ہے اور اسی کے مطابق وہ جزا وسزا دے گا۔ (روح۔ بیضاوی)

آیت نمبر ۲۷۱

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ وَیُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَیِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۷۱﴾

ترجمہ

اگر تم اپنی خیر خیرات ظاہر کر کے علانیہ طور پر دو گے تو یہ بھی اچھا ہے (کیونکہ اس سے دوسروں کو خیرات کرنے کی ترغیب ملے گی) لیکن اگر چھپا کر فقیروں کو دو گے، تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے (کیونکہ اس کے سبب) خدا تمہاری بہت سی برائیوں اور گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے (یعنی گناہ مٹا دیتا ہے) اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو، خدا اُس سے اچھی طرح باخبر ہے۔ (علماء کے نزدیک فرائض کو علانیہ اور نوافل کو جو فرض نہیں، چھپا کر انجام دینا بہتر ہے)۔ (۲۷۱)

تفسیر

آیت نمبر ۲۷۱

قرآن کے سیاق سے ظاہر ہے کہ چھپا کر خیرات دینا زیادہ بہتر ہے۔ (جلالین)

☆ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ''وہ خیرات جو ظاہر کرو'' سے مراد صدقہ واجبہ یا فرض زکوٰۃ ہے جو دکھا کر دو۔ اور چھپا کر دینے والے صدقات سے سنتی صدقات مراد ہیں اور اس کا چھپا کر دینا افضل ہے۔ (مجمع البیان)

☆ عرفاء نے لکھا کہ صحیح مسلک یہ ہے کہ عملِ خیر کے ظاہر کرنے اور چھپانے میں اختیار ہے، مگر فضیلت بہر حال چھپا کر نیکی کرنے میں ہے۔ بہر حال دین کی ضرورت کو دیکھا جائے۔ چھپ کر عمل کرنے میں نفس کی اصلاح ہوتی ہے اور علانیہ عمل کرنے میں معاشرے کی اصلاح مقصود ہونی چاہیے۔

آیت نمبر ۲۷۲

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا

تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

ترجمہ

لوگوں کو ہدایت ① (یعنی) منزل مقصود تک پہنچانے کی ذمے داری تم پر نہیں ہے خدا جسے چاہتا ہے منزلِ مقصود تک پہنچا دیتا ہے اور تم جو کچھ نیک کام میں خرچ کرتے ہو وہ خود تمہارے اپنے فائدے کے لئے ہے۔ آخر تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو وہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہی تو کرتے ہو، اور تم جو کچھ بھی نیک کام میں خرچ کرو گے، اُس کا پورا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا اور تمہارا کوئی بھی حق یا اجر (ہرگز) نہ مارا جائے گا۔ (۲۷۲)

تفسیر

آیت نمبر ۲۷۲

شانِ نزول اس آیت کی یہ ہے کہ صحابہ، کافر اور مشرک کو خیرات اس لیے نہ دیتے تھے کہ شاید اس طرح وہ اسلام قبول کر لیں۔ خدا نے بتا دیا کہ اس قدر اہتمام کی ضرورت نہیں صرف تبلیغ کافی ہے۔ (ابن جریر)

فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ کافر کو خیرات دینا جائز ہے بشرطیکہ وہ حربی نہ ہو (جصاص)

مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کی خوشی ہی مقصود ہے تو ہر حاجت مند خدا کی مخلوق ہے۔ اس کی حاجت پوری کرو۔ (راغب) دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ صرف اور صرف خدا کی خوشی کے لیے خیرات کرو کوئی اور مقصد سامنے نہ رکھو۔ (روح۔ جلالین)

☆ اس آیت میں اُن صوفیاء کی رد ہے جو خدا کے اجر و ثواب کے حصول کی نیت کو اخلاص کے خلاف سمجھتے ہیں۔

① ہدایت کی دو ۲ قسمیں ہیں (۱) راستہ دکھانا (۲) ہاتھ پکڑ کر راستے پر لگا دینا رسولؐ کے ذمے پہلی قسم کی ہدایت ہے۔ وہ سب کے لیے ہے۔ (تفسیر صافی)

☆ رہا ''خاص سہارا دے کر توفیقات میں اضافہ کرنا'' تو وہ خدا کرتا ہے جن لوگوں میں وہ ذوق و شوق اور عمل کی طرف میلان دیکھتا ہے اُن کی اہلیت اور استحقاق کی بناء پر اپنی توفیقات کو اُن کے شاملِ حال فرما دیا کرتا ہے،

جسے اس کا حقدار پاتا ہے۔(تفسیر صافی۔ بلاغی)

☆ غرض خدا کی توفیقات بلا وجہ شامل حال نہیں ہوا کرتیں۔ ہماری ہی کوششوں کا نتیجہ ہوتی ہیں۔اب رہا جبری طور پر منزل تک پہنچا دینا، تو ایسی ہدایت خدا کے نظامِ عدل وحکمت کے خلاف ہے۔اس قسم کی ہدایت کی نفی خدا نے اس طرح فرمائی۔ ''اگر تمہارا پالنے والا مالک چاہتا تو جتنے لوگ زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔'' (سورۂ یونس ۹۹) یا ارشاد فرمایا۔''اگر اللہ چاہتا تو انہیں ایک قوم بنا دیتا۔'' (شوریٰ ۴۲۔نمبر ۸) یا ارشاد فرمایا: ''اگر اللہ چاہتا تو جو اُن کے بعد تھے وہ آپس میں جنگ نہ کرتے۔'' (البقرۃ ۲۵۳) غرض اللہ کی ایک عام ہدایت ہے جو ضمیر، عقل، نبی، امام اور کتاب کے ذریعے سے ہوتی ہے اور دوسری خاص ہدایت ہے جو کوشش کرنے والوں کو خدا کی خاص توفیقات کی شکل میں ملتی ہے۔

آیت کا پیغام

اس آیت میں یہ تعلیم بھی دی گئی ہے کہ تمہیں خیرات دیتے وقت یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ مانگنے والا مسلمان ہے یا کافر۔تمہیں تو بس یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ ایک انسان ہے اور محتاج ہے لہٰذا تم اس کی امداد کرو۔اور حقیقتاً اس کی مدد کرنا خود اپنی مدد کرنا ہے۔کیونکہ تم کو اس کا بڑا اجر ملے گا۔اور تمہارے ساتھ ذرہ برابر بھی بے انصافی نہ ہوگی۔اس وسعتِ نظر کو ملاحظہ فرمائیں۔(مجمع البیان، نیشاپوری، فصل الخطاب)

آیت نمبر ۲۷۳

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۫ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾

ترجمہ

خاص طور پر خیرات کے مستحق تو وہ حاجت مند (فقراء) ہیں جو اللہ کے کام میں ایسے گھر گئے (مصروف ہو گئے کہ) وہ (ذاتی کسب معاش کے لئے) دوڑ دھوپ بھی نہیں کر سکتے، ناواقف لوگ اُن کو سوال نہ کرنے اور خودداری برتنے کے سبب امیر (غنی) سمجھتے ہیں، مگر تم اُن کے چہروں سے اُن کی حالت پہچان سکتے ہو، مگر وہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر (چمٹ کر) نہیں مانگتے پھرتے اور جو کچھ بھی تم (ایسے) نیک کاموں پر خرچ کرو گے تو اللہ اُس کو ضرور جانتا ہے (اس سے مراد غیرت مند فقراء اور خاص طور پر وہ لوگ ہیں جو خدا کے دین کی خدمت کے لیے اپنا سارا وقت وقف کر دیتے ہیں۔ اُن کی مالی امداد کرنا گویا دینِ خدا کی مدد کرنا ہے اور یہ بہترین کارِ خیر ہے۔) (۲۷۳)

تفسیر

آیت نمبر ۲۷۳

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرینؑ سے روایت کی ہے کہ:

جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''اصحاب صُفَّہ کے بارے میں نازل ہوئی اور وہ چار سو فقیر مہاجرین تھے جو مسجدِ رسولؐ کے سامنے ایک چبوترے پر رہتے تھے اور اپنا وقت تعلیم حاصل کرنے اور عبادت کرنے میں صرف کرتے تھے اور رسول اکرمؐ انہیں جس جہاد پر بھیجتے تھے وہ چلے جاتے تھے۔ (تفسیر مجمع البیان و تفسیر صافی، ص ۷۵)

☆ غرض یہ آیت خاص طور پر اُن لوگوں کی مالی امداد کی تاکید کر رہی ہے جو دینی کاموں میں گھر چکے ہیں اور اب آزادی سے کسبِ معاش نہیں کر سکتے۔ اصل مراد تو مجاہدین ہیں (مدارک)۔

☆ لیکن خدا کے راستے (سبیل اللہ) میں بڑی وسعت ہے۔ اس میں دین کا ہر کام شامل ہے اگرچہ اصل مراد جہاد ہے۔ لیکن جہاد صرف تلوار سے نہیں ہوتا۔ دینی تعلیم و تبلیغ میں بھرپور کوشش کرنا بھی زبانی اور قلمی جہاد ہے۔ اس لیے اس آیت کے مصداق وہ طلباء اور علماء صالحین بھی ہیں جو علوم دین کی تحصیل میں پوری طرح مصروف ہیں اور اگر وہ دنیا کمانے پر لگ جائیں تو علم دین کی خدمتوں میں بڑی کمی آ جائے۔ (تھانوی)

☆ امام رازی نے نتیجہ نکالا کہ لپٹ کر مانگنا بُری عادت ہے۔

☆ بعض مفسرین نے یہ مطلب بھی لکھا ہے کہ ''وہ کسی سے کوئی سوال ہی نہیں کرتے۔'' (روح از ابن عباسؓ)

☆ امیر المومنینؑ نے فرمایا: کہ: تمہیں وہ زمانہ نصیب ہوا ہے کہ نیکی میں ادبار اور برائی میں اقبال روز افزوں ترقی پر ہے۔ تم لوگ جس طرح نظر اٹھا کر دیکھو گے تو فقیر فقر و فاقہ کی سختیوں میں مبتلا ہوگا، اور مالدار کفران نعمت میں گرفتار ہوگا، کہیں بخیل اپنے بخل کو توانگری اور زیادتی مال کا ذریعہ بنا رہا ہے تو کسی جگہ متمرد سرکش وعظ و نصیحت سے اپنے کانوں کو بند کئے ہوئے ہے۔ (ملخص از: نہج البلاغہ)

آیت نمبر ۲۷۴

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

ترجمہ

جو لوگ اپنا مال رات اور دن، کھلے اور چھپے خیرات کرتے ہیں، اُن کا بدلہ اُن کے پروردگار کے پاس ہے، اور اُن کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی رنج و ملال (ہوگا)۔ (۲۷۴)

تفسیر

آیت نمبر ۲۷۴

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ: یہ آیت اولین معنی میں حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ آپؑ کے پاس چار درہم تھے۔ آپؑ نے ایک درہم رات میں دوسرا دن میں تیسرا ظاہر بہ ظاہر اور چوتھا چھپ کر خیرات کیا۔

جناب رسولؐ خدا نے پوچھا: اے علیؑ! اس عمل پر تمہیں کس بات نے آمادہ کیا؟ تو آپؑ نے عرض کیا: اللہ

کے اُن وعدوں نے جو اُس نے پورا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔'' (غرائب القرآن نیشاپوری)

☆ قرآن عظیم ترجمہ از اعلیٰ حضرت محمد احمد رضا خاں صاحب بریلوی ''ص ۷۴ حاشیہ نمبر ۵۸۳ پر تحریر فرمایا ہے کہ ''یہ آیت حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے حق میں نازل ہوئی جبکہ آپ کے پاس فقط چار درہم تھے اور کچھ نہ تھا آپ نے ان چاروں کو خیرات کر دیا۔ایک رات میں ایک دن میں ایک کو پوشیدہ ایک کو ظاہر۔ فائدہ آیت کریمہ میں نفقۂ دلیل کو نفقۂ نہار پر اور نفقۂ سر کو نفقۂ علانیہ پر مقدم فرمایا گیا۔اس میں اشارہ ہے کہ چھپا کر دینا ظاہر کر کے دینے والے سے افضل ہے۔ یاد رہے کہ آیت کے اس مفہوم میں وہ شخص بھی مجازاً داخل ہے جو ان طریقوں سے خیرات کرے۔(تفسیر مجمع البیان، تفسیر صافی، فصل الخطاب)

آیت نمبر ۲۷۵

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِیْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

ترجمہ

مگر جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت میں) کھڑے بھی نہ ہو سکیں گے، جیسے کسی کو شیطان نے لپٹ

کر دیوانہ کر دیا ہو۔① اس کی وجہ سے کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ تجارت بھی تو سود جیسا کاروبار ہے۔ حالانکہ خدا نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام پس جس کے پاس بھی اُس کے رب کی طرف سے نصیحت آن پہنچے اور وہ آئندہ کے لیے (سود لینے) سے باز آ جائے، تو جو کچھ بھی وہ پہلے کھا چکا ہو کھا چکا اُس کا معاملہ خدا کے حوالے، مگر اب جو بھی سود لے گا وہ جہنمی ہے۔② جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔(۲۷۵)

تفسیر

آیت نمبر ۲۷۵:

۱۔ شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس کر دیا ''اس کے معنیٰ'' اسے سخت مار ماری یا سخت تکلیف پہچائی۔ نیز اس کے معنی پاگل پن کے ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ اہل عرب کے نزدیک یہ عارضہ جنوں کے چھونے سے لاحق ہوتا ہے۔ (اقراب)

۲۔ خدا کا فرمانا کہ ''جو کچھ گزر گیا اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔'' اس سلسلے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا: ''اگر کوئی شخص اپنے باپ کے ورثے میں سے کچھ مال پائے اور اسے یہ معلوم ہو کہ اس مال میں سود ملا ہوا ہے لیکن تجارت وغیرہ کا حلال مال بھی شامل ہے، تو وہ مال اس کے لیے حلال ہے۔ اسے خرچ کرے لیکن اگر یہ جانتا ہے کہ مال میں سے اتنا حصہ سود ہے، تو بقیہ مال لے لے اور سود کو رد کر دے۔ لیکن اگر مال کا زیادہ حصّہ سود ہو اور اس کا حال اسے بعد میں معلوم ہو، تو جو سود کا مال خرچ کر چکا ہے، تو وہ اس کا ہے، اب جو سود کا مال باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دے''۔ (تفسیر صافی۔ ۷۵، بحوالہ کافی و من لایحضرہ الفقیہ)

☆ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ ''فلاں شخص سود کھاتا ہے۔ اور اسے معلوم نہیں۔'' امام نے فرمایا: ''اسے کچھ نقصان نہ ہوگا جب تک وہ جان بوجھ کر ایسا نہ کرے، اگر جان بوجھ کر سود کھائے گا تو اس آیت کا مصداق ٹھہرے گا۔'' (تفسیر صافی، ۷۵، بحوالہ کافی)

☆ حضرت امام رضاؑ نے جناب رسولؐ خدا سے روایت کی کہ ''سود کھانا گناہ کبیرہ ہے اور اس حکم کو ہلکا سمجھنا کفر ہے۔'' (عیون اخبار الرضاؑ، من لایحضرہ الفقیہ، تفسیر صافی، ۷۶)

☆ عرفاء نے لکھا کہ ''تمام گناہان کبیرہ کرنے والوں میں سب سے بدحال سود کھانے والا ہے۔''

☆حضرت امام جعفر صادق ؑ سے پوچھا گیا کہ بہت دفعہ سودخوروں کا مال گھٹتا نظر نہیں آتا امامؑ نے فرمایا: اس سے زیادہ مٹنا اور کیا ہوگا کہ سود کا ایک درہم دین کو مٹا کر رکھ دیتا ہے پھر اگر اس نے توبہ بھی کر لی تو اس کا مال ضرور جاتا رہے گا جس کہ وجہ سے وہ فقیر ہو جائے گا۔'' (تفسیر صافی۔ ۴۷۔ بحوالہ کافی ومن لایحضرہ الفقیہ)

''رِبَا'' کے لغوی معنی ہر زیادتی اور اضافے کے ہیں' خصوصاً سرمائے میں اضافہ (راغب)

لیکن اصطلاح شریعت میں اصل قرضے پر زیادتی کو کہتے ہیں خواہ کم ہو یا زیادہ۔ (راغب۔ مدارک)

☆اہل عرب اس لفظ کو اس زائد رقم کے لیے استعمال کرتے تھے جو قرض دینے والا مہلت دینے کے بدلے وصول کرتا تھا۔ قیامت میں یہ سودخور دیوانوں' خبطیوں کی طرح گرتے پڑتے ہوں گے جسے کوئی بھوت چمٹ گیا ہو' یہ اس کے حرص کا انجام ہوگا۔ وہ دنیا میں مال کے پیچھے دیوانہ بنا ہوا تھا۔ اہل کشف نے لکھا کہ انسان حشر میں اسی صورت میں اٹھے گا جس سیرت اور خصلت کے ساتھ دنیا میں رہا تھا۔ کیونکہ سودخور مال کا دیوانہ ہوتا ہے اس لیے دیوانہ اٹھے گا۔

جھوٹا جواز:

آج کل کے روشن خیالوں کا بھی یہی کہنا ہے کہ سود بھی تو تجارت ہے۔ مگر یہ غلط ہے۔ (۱) تجارت میں نفع نقصان ہوتا ہے' جبکہ سود بلا کھٹکے ملتا ہے۔ (۲) تاجر کو نقصان سے بچنے کے لیے وقت' محنت' ذہانت سب کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے، جبکہ سودخور کو کچھ بھی تو نہیں کرنا پڑتا۔ (۳) تجارتی معاملہ فوراً یا کچھ عرصے میں ختم ہو جاتا ہے جبکہ مدت اور مہلت کے ساتھ سودخور کا سود بڑھتا ہی چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ قرض لینے والا برباد ہو جاتا ہے۔ (۴) سود کی رقم صرف مفت خوری کا معاوضہ ہوتی ہے' جبکہ تجارت کا نفع محنت' مہارت' ذہانت اور خطرہ مول لینے کا معاوضہ ہوتا ہے۔ (۵) خدا جو علیم وحکیم ہے اس نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ (۶) سودخور کے دل میں شقاوت، سنگدلی، بے رحمی، حرص طمع، بخل، زبردستی، مفت خوری اور کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا ہوتا ہے۔ غرض اصلاح کرنے والی قوموں نے شرح سود تو کم کی مگر یہ فخر ہمارے رسولؐ کو ملا کہ سود جیسی انسانیت کش، انسان دشمن چیز کو ہمیشہ کے لیے حرام قرار دے دیا۔ (مؤلف)

آیت نمبر ۲۷۶

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ

كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾

ترجمہ

خدا سود کو مٹاتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا ہے ① اور اللہ کسی ناشکرے۔ ② بدکار کو دوست نہیں رکھتا۔ (۲۷۶)

تفسیر

آیت نمبر ۲۷۶:

۱۔ انسان سود اس لیے لیتا ہے کہ دولت میں اضافہ ہو۔ ''خدا فرماتا ہے کہ'' یہ خیال غلط ہے۔ سود کے مال میں برکت نہیں ہوتی اور وہ مال جو راہ خدا میں خرچ کیا جائے گا تو بظاہر تو مال میں کمی ہوگی مگر خدا اس مال میں ایسی برکت عطا فرمائے گا کہ مالا مال ہو جاؤ گے۔ پھر اگر دنیا میں سود خور پھلتا ہوا دکھائی بھی دے تو آخرت میں تو اس کے لیے ایسی بربادی ہوگی کہ دنیا کے سارے فائدے الٹے گلے پڑ جائیں گے۔ (فصل الخطاب)

۲۔ ''کفّار'' کافر کا صیغۂ مبالغہ ہے۔ اس کے معنی ناشکرا اور کفران نعمت کرنے والا ہے۔ مراد وہ لوگ ہیں جو سود کو جائز سمجھتے ہیں۔ (مدارک، بیضاوی، راغب)

☆ خدا کا شکر ادا کرنا تو یہ ہے کہ اگر خدا نے بندے پر مہربانی فرمائی ہے تو بندہ بھی دوسروں پر مہربانی کرے۔ نہ یہ کہ اللہ کی مہربانی سے عطا کی ہوئی دولت کے ذریعے سے اللہ کے بندوں کا خون چوسے اور ان کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھائے۔ اس سے بڑھ کر ناشکری اور بدکاری کیا ہوگی ''حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ: ''ہر چیز پر فرشتے مامور ہیں سوائے صدقے کے کیونکہ اس کو خدا خود اپنے دست قدرت میں لیتا ہے اور اس کی پرورش فرماتا ہے جس طرح تم اپنی اولاد کی پرورش کرتے ہو اور قیامت کے دن جب تم کو دیا جائے گا (یعنی جزا دی جائیگی) تو مثل کوہ احد ہوگا۔ (برہان)

آیت نمبر ۲۷۷

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا

الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

ترجمہ

(ہاں) جولوگ ایمان لے آئیں اورزکوٰۃ دیں'ان کا اجر بے شک ان کے ربّ (پروردگار) کے پاس ہے① اوران کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی رنج۔(وغم وملال)۔(۲۷۷)

تفسیر

آیت نمبر ۲۷۷:

① محققین نے لکھا کہ خدا نے اجر کے ساتھ عِنْدَ رَبِّهِمْ ''یعنی خدا کے پاس'' فرمایا ''عَلٰى رَبِّهِمْ '' خدا پر (اجر) ہے۔'' نہیں فرماتا۔ کیونکہ ''اجر خدا کے کے پاس ہے'' فرمانے سے معلوم ہوا کہ اجر بالکل تیار ہے۔خدا کے پاس امانتاً رکھا ہے۔بس تمہارے خدا کے پاس پہنچنے کی دیر ہے۔اگر خدا یہ فرماتا کہ تمہارا اجر خدا کے ذمے ہے تو اس سے یہ بات ثابت نہ ہوتی 'اس لیے کہ قرض اس کے ذمے بھی ہوسکتا ہے جوادا کرنے پر قادر ہی نہ ہو۔(نیشاپوری،فصل الخطاب)

☆ آخرت میں تو ایسے نیک کردار خادم خلق لوگوں کا بہترین انجام سب پر ظاہر ہو ہی جائے گا،لیکن دنیا میں بھی جو سکون قلب، یکسوئی، اطمینان، قناعت کرنے والوں کو حاصل ہوتا ہے اس کا اندازہ ایک بدنصیب' حریص انسان کر ہی نہیں سکتا۔سودخور کو برکت' اطمینان' خیر نصیب نہیں ہوتا' جبکہ صدقات کا اجر بے حساب اور قلبی اطمینان بیحد ہوتا ہے۔سودخور قوموں کا انجام دنیا میں بھی آپس کی خوں ریزی اسلحہ کی دوڑ' بلا کی مہنگائی' بے روزگاری' ڈاکے' قتل' فتنے' فسادات ہوتے ہیں۔مشاہدہ بتاتا ہے کہ سودخور دنیا میں بھی دنیا کی دولت سے لطف نہیں اٹھا سکتا۔پھر یہ کہ اس کے دل میں خدا یا خدا کی مخلوق بجائے پیسے سے محبت ہوتی ہے۔تیسرے یہ کہ وہ دیگر انسانوں کی ہمدردیوں محبتوں' عزتوں اور خلوص سے ہمیشہ محروم رہتا ہے۔اکثر سودخوروں کے دیوالئے نکلتے رہتے ہیں۔

آیت نمبر ۲۷۸

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾

ترجمہ

اے ایمان لانے والو! خدا (کے عذاب) سے ڈرو اور جو کچھ بھی تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو۔ اگر واقعی تم ایمان لائے۔ (مومن) ہو۔ (۲۷۸)

تفسیر

آیت نمبر ۲۷۸:

محققین نے نتیجہ نکالا کہ شریعت کے ایک جزو سے انکار، ساری شریعت سے انکار ہے۔ (تفسیر کبیر)

☆ خدا کا فرمانا ''اگر تم مومن ہو'' یعنی اگر تمہارا ایمان کا دعویٰ سچا ہے اور تم واقعی مومن ہو تو تمہارا کردار بھی تمہارے ایمان کے مطابق ہونا چاہیے۔ اس ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تمہارا جو سود لوگوں کے ذمے رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو، اس لیے کہ اس کا لینا جائز نہیں۔ (تفسیر صافی)

☆ یعنی آگے جو سود لیا وہ لیا، اب اگلا چڑھا ہوا نہ مانگو (تاج العلما)

☆ شانِ نزول اس آیت کی یہ بیان کی گئی ہے کہ بعض صحابہ ایام جاہلیت میں سود کا معاملہ کیا کرتے تھے ان کی سود کی کافی رقوم مقروضین کے ذمے باقی تھی اسلام لانے کے بعد انہوں نے اس رقم کا مطالبہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (از انوار النجف جلد ۳۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴)

آیت نمبر ۲۷۹

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾

ترجمہ

لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا' تو پھر اللہ اور اس کے رسولؐ سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔① اب بھی اگر تو یہ (یعنی سود کھانا چھوڑ دو) تو تمہارے لیے تمہارا اصل سرمایہ ہے۔ نہ تم (سود لے کر) ظلم کرو' اور نہ تم پر ہی ظلم کیا جائے۔② (۲۷۹)

تفسیر

آیت نمبر ۲۷۹:

۱۔ مطلب یہ ہے کہ تم' باغیوں اور مرتدوں کی طرح جنگ کی جائے گی۔ قرآن میں سود سے زیادہ کسی گناہ کو برا نہیں کہا گیا۔ (تفسیر کبیر' روح' جصاص)

محققین نے لکھا کہ اس آیت سے حقوق الناس کی اہمیت اور سود کی برائی بڑی شدت سے معلوم ہوئی۔

۲۔ خدا کا یہ فرمانا کہ ''نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کرے'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا اصل مال بھی تمہیں نہ ملے تو یہ تم پر ظلم ہوگا۔ اور اگر چڑھے ہوئے سود کا تم مطالبہ کرو تو یہ تمہارا ظلم کرنا ہوگا۔ شریعت کے نزدیک یہ دونوں ظلم ہیں۔ (تفسیر مجمع البیان)

☆ ظالم وہ بھی ہے جو کوئی رقم قرض دے اور وصول کرتے وقت اصل سے زائد وصول کرے۔ اور مظلوم وہ ہے کہ جتنی رقم قرض کی تھی اب اس سے زیادہ ادا کرنا پڑا۔ (تفسیر کبیر)

آیت نمبر ۲۸۰۔۲۸۱

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۫ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾

ترجمہ

۲۸۰۔ہاں اگر وہ (تمہارا قرضدار) تنگی میں ہو تو خوشحالی تک اسے مہلت دو۔اور اگر تم صدقہ (نیکی) کرو (اصل بھی بخش دو) تو یہ تمہارے لیے زیادہ اچھا ہے۔①

۲۸۱۔اور اس دن (کی رسوائی) سے بچو جس دن تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔پھر جو کچھ بھی جس شخص نے (نیکی یا بدی) کمائی ہوگی اس کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور کسی پر بھی کوئی زیادتی نہ ہوگی۔

تفسیر

آیت نمبر ۲۸۰:

ا۔آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا مقروض تنگدست ہے تو اصل مال کے مانگنے میں بھی سختی نہ کرنی چاہیے۔اس کو مہلت دینی چاہیے۔اور اگر قرضہ معاف ہی کر دو تو زیادہ بہتر ہے بشرطیکہ قرضہ جائز اور ضروری کام کے لیے لیا گیا ہو۔ (تفسیر صافی۔تاج العلماء)

☆اگر حاکم شرع تک معاملہ پہنچے تو وہ بیت المال سے قرضہ ادا کر سکتا ہے۔(بقول امام محمد باقر علیہ السلام و امام رضاؑ از مجمع البیان و بلاغی)

یاد رہے کہ ''رومن لا'' میں قرضدار کو قرض ادا نہ کرنے پر قتل کیا جا سکتا تھا''۔ جبکہ اسلام نے اپنی معیشت کی بنیاد انسانیت اور تقویٰ پر رکھی۔ دنیا کے کسی معاشی نظام میں یہ خصوصیت نہیں۔ (ماجدی)

آیت نمبر ۲۸۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى
فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ
كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ
الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـــًٔا ۭ
فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا
يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۭ
وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا
رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاۗءِ اَنْ
تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۭ وَلَا يَاْبَ
الشُّهَدَاۗءُ اِذَا مَا دُعُوْا ۭ وَلَا تَسْـَٔـمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ
كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ
وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا

بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

ترجمہ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب کسی مقررہ مدّت کے لیے آپس میں قرضے کا لین دین کیا کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ اور ایک کاتب (لکھنے والے) کو چاہیے کہ عدل وانصاف کے ساتھ تمہارے درمیان تحریر لکھے' اور کاتب کو (لکھنے سے) انکار نہ کرنا چاہیے جیسے اللہ نے اسے (لکھنا) سکھا دیا ہے (بلا عذر) لکھے لکھوائے وہ (قرضدار) جس پر حق آتا ہے' اور اس (کاتب) کو اپنے ربّ سے ڈرنا چاہیے (کہ) وہ اس (عبارت) میں کچھ کمی (زیادتی) نہ کرے۔ لیکن اگر خود مقروض ہی کم عقل ہو یا نادان' یا خود نہ لکھوا سکے تو پھر اس کا سرپرست انصاف کے ساتھ (معاہدہ) لکھوائے اور اپنے مردوں میں سے دو (۲) کو گواہ بنا لو اور اگر دو (۲) مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو (۲) عورتیں ہوں جن کی گواہی پر تم راضی ہو تاکہ اگر ایک عورت ان دونوں میں سے بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلائے اور گواہوں کو جب (گواہی کے لیے) بلایا جائے تو انہیں انکار نہیں کرنا چاہیے اور قرضہ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا' اس کی معین مدّت تک کو لکھوا لینے میں سستی نہ کرو۔ ① اللہ کے نزدیک یہ (تحریر) بہت ہی منصفانہ ہے۔ اس سے گواہی ملنے میں بہت آسانی ہوتی ہے اور اس سے تمہارے شک وشبہے میں نہ پڑنے کا بہت زیادہ امکان ہے' سوا اس کے کہ جب تم آپس میں ہاتھوں ہاتھ لین دین کا (نقدی) کاروبار کرتے ہو' تو اس کو نہ لکھنے میں کوئی حرج نہیں' البتہ جب خرید وفروخت کرو تو گواہ کر لیا کرو۔ اور کاتب اور گواہ کو ستایا نہ جائے۔' اگر تم ایسا کرو گے تو گناہ کرو گے (ایسا کرتے ہوئے) اللہ سے ڈرو' اور اللہ

تمہیں (یہی) تعلیم دیتا ہے۔اور اللہ تو ہر چیز سے اچھی طرح واقف ہے۔(۲۸۲)

تفسیر

آیت نمبر ۲۸۲ کی وضاحت

۱۔فقہاء نے آیت کے الفاظ ''جب قرض کا معاملہ کسی مدت معینہ تک کرنے لگو'' سے .....نتیجہ نکالا کہ قرض کے معاملے میں مدت واضح طور پر معین ہونی چاہیے۔مہینہ وتاریخ لکھی جائے، نہ یہ کہ ''رقم سردیوں میں واپس ہوگی یا گرمیوں میں واپس ہوگی'' ایسے گول مول الفاظ نہ لکھے جائیں۔ابن عربی مالکی نے صرف اس ایک آیت سے ۵۲ فقہ کے مسائل اخذ کیے ہیں۔تجارتی معالات میں یہ آیت بہت اہم ہے۔اس آیت نے صوفیاء کے اس مسلک کو رد کر دیا کہ ''تجارتی معاملات سلوک کے منافی ہیں۔''

نیز یہ کہ فقہاء نے یہ نتیجہ بھی نکالا کہ تجارتی معاملات کو لکھنے والا شرعی اور ایماندار آدمی ہونا چاہیے' تجارتی شرائط کا عالم ہونا چاہیے اور ایسے کاتب کو اپنی محنت کی اجرت لینا جائز ہے' اور اس پر فرض ہے کہ کوئی چیز اپنی طرف سے نہ بڑھائے نہ گھٹائے۔(مدارک)

''کمزور'' سے یہاں مراد نابالغ یا بہت ہی بوڑھا آدمی ہے۔(تفسیر کبیر)

حضرت علی علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''سفیہ'' سے مراد ناقص العقل انسان ہے اور ''ضعیف'' سے مراد ''وہ آدمی ہے'' جو بدن کا کمزور ہو یا لکھنے پڑھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو' علم وفہم میں کمزور ہو' اپنے حق میں مفید یا مضر لفظوں کو نہ پہچانتا ہو۔''(تفسیر امام حسن عسکریؑ صفحہ نمبر ۵۵۸، وتفسیر صافی صفحہ ۷۷)

حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا: ''عادل اور آزاد مسلمانوں میں سے دو (۲) مردوں کو گواہ بناؤ۔تا کہ ان کے سبب سے اپنی دنیا اور مال کو بچا سکو۔اللہ کی تعلیم اور اس کی نصیحت کو استعمال کرو کیونکہ اسی میں نفع اور برکت ہے۔اس کی مخالفت نہ کرو ورنہ تمہیں شرمندگی ..... سے کوئی فائدہ بھی نہ ہوگا۔''(تفسیر امام عسکریؑ۔۵۷۱)

جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''خدا نے دو (۲) عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر اس لیے قرار دی ہے کہ عورتوں کی عقل اور دین دونوں ناقص ہیں۔'' (تفسیر امام حسن عسکریؑ وتفسیر صافی۔۷۷)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا: ''چار آدمیوں کی دعاء قبول نہیں ہوگی' ان میں سے ایک وہ ہے جو اپنا مال بغیر لکھے پڑھے اور بغیر گواہ بنائے کسی کو قرض

دے۔ پھر اگر قرض لینے والا رقم واپس نہ کرے اور قرض دینے والا خدا سے دعاء کرے تو خدا اس سے کہتا ہے۔ ''کیا میں نے تجھ کو گواہ بنانے کا حکم نہیں دیا تھا۔؟''

نیز فرمایا: ''جس شخص کا حق اس وجہ سے مارا جائے کہ اس نے کسی معاملے پر کسی کو گواہ نہیں بنایا تھا' تو اس کو اس کا کوئی اجر نہیں ملے گا۔'' (تفسیر صافی۔ ۱۳ بحوالہ کافی)

خدا صرف حاکم ہی نہیں بلکہ مہربان پالنے والا مربی بھی ہے۔ اس لیے اس کے بہت سے احکامات ہدایات کے طور پر بھی ہوتے ہیں۔ ان پر عمل واجب نہیں ہوا۔ قرآن اور کلام کا انداز بتا دیا کرتا ہے۔ ایسے احکامات کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ ان کی مخالفت سے بس نقصان ہوتا ہے' گناہ نہیں ہوتا۔ یہاں پر زیادہ تر ایسے ہی احکامات بیان کیے گئے ہیں۔ (فصل الخطاب)

آیت میں خدا نے تین الفاظ استعمال کیے ہیں۔ (۱) ''سفیہ'' یعنی بے عقل..... (۲) ''ضعیف'' جو پوری طرح اپنے نفع نقصان کو نہ سمجھ سکے اور (۳)۔ وہ کہ جو خود اپنا مطلب نہ لکھوا سکے۔ ان میں بوڑھے' بچے' جاہل' کم عقل' معذور جسمانی و عقلی طور پر کمزور' زبان یا قانون سے ناواقف لوگ شامل ہیں۔ (تفسیر صافی از امام جعفر صادق علیہ السّلام)

☆ گواہوں کے لیے خدا کا یہ ارشاد فرمانا ''ان گواہوں میں سے جو تمہاری نظر میں درست ہوں'' سے مراد شریف' نیک لوگوں کی گواہی (بلاغی)

ایک مرد کے مقابلے میں دو (۲) عورتوں کی گواہی اس لیے دلوائی گئی کہ اگر ان میں سے ایک بھولے تو دوسری یاد دلا دے۔ بہر حال یہ اشارہ ہے عورت کی کمزوری' دھوکا کھانے' بھولنے کیطرف (بلاغی)

☆ آیت میں معاملات کو لکھنے کے تین (۳) فوائد بیان ہوتے ہیں (۱) دینی فائدہ تو یہ ہوگا کہ خود تم کو ہر بات یاد آجائے گی اور اپنے قرضے ادا کرو گے (۲) جھگڑے کی صورت میں وہ تحریر جھگڑے کو دور کرنے کا سبب ہوگی (۳) خود اپنا ضمیر بھی مطمئن ہوگا کہ جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کیا (نیشاپوری)

☆ پھر آخر میں خدا کا ارشاد فرمانا ''اللہ سے ڈرو'' اور ''اللہ تمہیں سکھاتا ہے'' یہ اشارہ کرتا ہے کہ'' لکھنے میں خیانت نہ کرو' لکھنے والے پر ناجائز دباؤ نہ ڈالو' ایک دوسرے کو نقصان نہ پہنچاؤ اور یہ بھی یاد رکھو کہ یہ خدا کی سکھائی ہوئی ہیں اس لیے ان کا خیال رکھو کیونکہ یہ باتیں تمہارے فائدے کی ہیں۔ (تفسیر صافی)

☆ اس آیت میں امر کے صیغے ہیں وہ استحسان یا استحباب کے لیے ہیں۔ اور خدا کا ارشاد فرمانا کہ ''اللہ سے ڈرتے رہو'' اور ''اللہ تمہیں سکھاتا ہے'' اس سے محققین نے نتیجہ نکالا کہ علم حقیقی تقوٰی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ (بیضاوی)

آیت نمبر ۲۸۳

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾

ترجمہ

اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ ملے تو ① رہن پر قبضہ لیکر قرض دو۔ اور اگر تمہیں ایک دوسرے پر بھروسہ ہو (تو یونہی قرض دے سکتے ہو) مگر پھر جس شخص پر بھروسہ کیا گیا ہے اسے چاہیے کہ (قرض کی) امانت پوری پوری ادا کرے۔ اور اللہ سے جو اس کا مالک ہے ڈرے ② اور گواہی کو ہرگز نہ چھپائے۔ جو گواہی کو چھپاتا ہے اس کا دل یقیناً گنہگار ہے۔ اور تم لوگ جو کچھ بھی کرتے ہو خدا اس کو خوب جانتا ہے۔.....(۲۸۳)

تفسیر

آیت نمبر ۲۸۳ کی وضاحت:

① حضرت امام جعفر صادق ؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا: ''رہن وہی جائز اور درست ہے جو قبضے کے ساتھ ہو۔ ورنہ جائز نہیں۔'' (تفسیر صافی۔ ۷۷ بحوالہ کافی)

اگرچہ رہن رکھنے کا حکم سفر کے سلسلے میں دیا گیا ہے مگر کیونکہ رہن رکھنے کا مقصد ایک دوسرے کا اطمینان ہے اس لیے اگر کوئی چاہے تو اپنے وطن میں بھی رہن رکھ سکتا ہے' یا رکھوا سکتا ہے۔ (جلالین۔ صافی)

۲۔ محققین نے نتیجے نکالے (۱) خدا کا بار بار خدا سے ڈرتے رہنے کا حکم دینا بتاتا ہے کہ تجارتی یا مالی معاملات میں خیانت یا بے ایمانی بہت بڑا قابل سزا جرم ہے۔ (۲) قلب کو۔ گنہگار کہنے کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کے سلسلے میں سب سے بڑا گناہگار قلب ہی ہوتا ہے۔ کفر و شرک جو سب سے بڑا گناہ ہے دل ہی انجام دیتا ہے۔ (۳) گواہی کا چھپانا بہت بڑا گناہ ہے اور اس کی اجرت لینا جائز نہیں کہ یہ واجب ہے۔ (مدارک)

آیت نمبر ۲۸۴

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

ترجمہ

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب اللہ کا ہے۔ تم اپنی باتیں چاہے ظاہر کرو۔ یا چھپاؤ، اللہ تو بہرحال تم سے ان کا حساب لے لے گا۔ پھر وہ جس کو چاہے گا معاف کرے گا اور جس کو چاہے گا سزا دے گا① (کیونکہ) اللہ ہر بات پر پوری طرح قادر ہے۔ (۲۸۴)

تفسیر

آیت نمبر ۲۸۴ کی وضاحت:

ا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا: ''میری اُمت سے نو (۹) چیزوں کے بارے میں نہ پوچھا جائے گا (۱) بھول چوک کی غلطی (۲) نسیان یعنی بھول جانا۔ (۳) لاعلمی۔ (۴) بے بسی۔ (۵) وسوسے۔ یعنی بُرے خیالات جو مخلوق کے بارے میں غور و فکر کرتے وقت دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ (۶) اضطراب۔ یعنی سخت حاجت (۷) مجبوری۔ (۸) شگون لینا۔ (۹) حسد۔ جب تک کہ

زبان یا ہاتھ سے اس کا اظہار نہ کیا جائے۔ (تفسیر صافی۔۷۷ بحوالہ کافی)

آیت نمبر ۲۸۴ کی وضاحت:

محققین نے نتیجہ نکالا کہ: بعض صورتوں میں نیّت پر بھی عذاب ہوسکتا ہے لیکن درج بالا نو(۹) صورتوں میں نہیں۔ (وسائل شیخ مرتضیٰ انصاری وتفسیر صافی)

رہا اللہ کا چاہنا تو وہ کبھی بلا وجہ نہیں ہوا کرتا۔ وہ جسے بخشتا ہے تو وہ اس کے کسی عمل اور استحقاق کی وجہ سے بخشتا ہے اور جسے معاف نہیں کرنا چاہتا تو وہ بھی اس کی نا اہلیت کی وجہ سے۔ اور خدا کا فرمانا کہ ''وہ تمہارا حساب لے گا'' یعنی یہ دیکھے گا کہ کون معاف کیے جانے کے لائق ہیں اور کون نہیں ہیں۔ پھر یہ فرمانا کہ ''جسے چاہے گا معاف کرے گا'' ان میں وہ نیتیں شامل ہیں جو حدیث میں بیان ہوئیں۔ اور ''جسے چاہے گا سزا دے گا'' یعنی ان نیتوں پر سزا دے گا جو حدیث کی نو(۹) باتوں سے خارج ہیں اور جس پر سزا دینا ضروری ہے۔ (فصل الخطاب)

''جو کچھ دلوں میں ہے'' اس سے مراد غلط عقیدہ یا گناہ کرنے کا ارادہ ہے وسوسے اور خیالات جو از خود آتے ہیں، وہ مراد نہیں۔ (مدارک)

مغفرت ہوگی تو خدا کے قانون رحمتِ عامہ کے مطابق ہوگی اور عذاب ہوگا تو خدا کے قانون حکمت وعدل کے تقاضے سے ہوگا اور آخر میں خدا کا فرمانا کہ ''اللہ ہر چیز پر قادر ہے'' بتاتا ہے کہ خدا معاف کرنے میں کسی کے کفارے یا سولی پر چڑھنے کا محتاج نہیں۔ اس کی رحمت معافی کے لیے بہت کافی ہے۔

آیت نمبر ۲۸۵

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۫ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۫ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾

ترجمہ

(اللہ کا) رسول ہر اس بات پر ایمان لایا ہے جو اس کے پالنے والے کی طرف سے اس پر اُتری ہے اور مومنین بھی۔ یہ سب کے سب اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتاب اور اس رسولوں کو دل سے مانتے ہیں: ''ہم اس کے رسولوںؑ میں سے کسی ایک میں بھی کوئی فرق نہیں کرتے۔ اور کہتے ہیں' ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اے ہمارے پالنے والے! ہم تیری معافی کے طالب ہیں۔ اور (ہمیں) تیری ہی طرف پلٹنا ہے۔ (۲۸۵)

تفسیر

آیت نمبر ۲۸۵:

حضرت امام موسیٰ کاظم ؑ نے اپنے آبائے طاہرینؑ کے ذریعے سے روایت کی کہ: جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''ان سب آیتوں میں وہ گفتگو ہے جو خدا اور رسولؐ کے درمیان شبِ معراج میں ہوئی تھی۔'' (احتجاج طبرسی)

یہودی حضرت موسیٰ ؑ تک مانتے ہیں اور عیسائی حضرت عیسیٰؑ تک مانتے ہیں' مگر مسلمانوں کی شان یہ بتائی گئی کہ ''یہ اس رسولؐ پر جو کچھ نازل ہوا ہے اس کو بھی مانتے ہیں اور جو کچھ پہلے نازل ہوا ہے اسے بھی مانتے ہیں۔'' اس لیے کہا گیا کہ ''ہم رسولوں میں تفریق نہیں کرتے۔'' (جلالین۔ فصل الخطاب)

آیت نمبر ۲۸۶

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ

قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۟ وَاغْفِرْ لَنَا ۟ وَارْحَمْنَا ۟ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۧ ﴿۲۸۶﴾

ترجمہ

خدا کسی کو بھی اس کی طاقت سے زیادہ ذمّے داری کا بوجھ اٹھانے کی تکلیف نہیں دیتا① ہر شخص نے جو نیکی کمائی (اس کا پھل) اسی کے لیے ہے، اور جو برائی سمیٹی (اس کی سزا بھی) اُسی کے لیے ہے (تم لوگ یہ دعا کیا کرو) اے ہمارے پالنے والے! ہم سے جو بھول چوک ہو جائے، یا جو غلطیاں ہو جائیں، ان پر ہمیں نہ پکڑ لینا۔ اے ہمارے ربّ! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے ہمارے پالنہارا! ہم پر اتنا بوجھ نہ ڈال کہ جس کو اٹھانے کی طاقت ہم میں نہ ہو۔ ہمارے ساتھ نرمی کر، ہم کو معاف فرما ہم پر رحم کر (کیونکہ) تو ہی تو ہمارا سرپرست اعلیٰ ہے۔ پس کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔ (۲۸۶)

تفسیر

آیت نمبر ۲۸۶

خدا نے آخری نبیؐ کی امّت پر یہ رحم فرمایا کہ انہیں آسان شریعت عطا فرمائی۔ اور دعا کے پیرائے میں اس لیے فرمایا گیا کہ خدا کے فیصلے ہمارے دل کی آواز ہیں۔ یہی عبدیت کا اصل تقاضا ہے۔ (مجمع البیان)

آیت نمبر ۲۸۶ کی وضاحت:

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ ''یہ تمام التجائیں ہمارے رسولؐ نے معراج میں فرمائیں جس کے نتیجے میں آسان شریعت ہمیں ملی۔ (مجمع البیان، جلالین)

ا۔خدانے یہ شرط لگا کر کہ ''مگر اس طاقت وبساط کے مطابق'' ہر قسم کے غیر اختیاری خیالات اور وسواس کو حدّ محاسبہ سے نکال دیا۔(راغب، مدارک، بیضاوی)

عُرفاء نے نتیجہ نکالا کہ (۱) مجاہدہ میں طالب کی حالت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

(۲) نیز یہ کہ خدا کی طرف سے تجلیات کا نزول بھی طالب کی طاقت اور کوشش کے مطابق ہوتا ہے۔

(۳) اور اگر اس میں کبھی کمی ہو تو اسے اپنی ہی کمی سمجھ کر صبر کرنا چاہیے۔

۲۔اس آیت میں ہندو عقیدے ''کریا کرم'' کی بھی رد ہے۔یعنی انسان جو کریگا اس کا نتیجہ ضرور بالضرور ظاہر ہوگا۔ یہ جبریت کی انتہائی شکل ہے۔قرآن نے اس عقیدے کو رد کر دیا اور بتایا کہ نیکی اور بدی کی راہیں انسان کے اختیار کی چیز ہیں اور خدا بھول چوک کو معاف کرنے والا ہے بلکہ شرمندہ ہونے پر بڑے بڑے گناہوں کو بھی معاف کرنے والا ہے۔

نیز یہ کہ اسی آیت، ۲۸۶ نے عیسائیوں کے عقیدے کو بھی رد کر دیا کہ عمل صالح کی اب کوئی ضرورت ہی نہیں۔حضرت عیسیٰؑ ابن اللہ بن کر ہمارے گناہوں کے بدلے میں سولی پر چڑھ گئے۔بس ان کو مان لو اور نجات پالو گے۔

اس آیت۔۲۸۶ نے مومنین کو بڑی جامع اور مانع دعاء کی تعلیم دی ہے اور اس بات کی بھی نفی کی ہے کہ خدا کے احکامات بہت ہی سخت اور نا قابل برداشت ہیں۔ (روح)

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرَانَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام کی مدد مانگتے ہوئے (شروع کرتا ہوں) جو سب کو فیض اور فائدے پہنچانے والا بڑا ہی مہربان ہے۔

آیت نمبر ۱۔۲

الٓمّٓ ①

اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ②

ترجمہ

(۱) الف۔ لام۔ میم

اللہ، وہ زندہ و پائندہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو سب کو سنبھالے ہوئے ہے۔ ②

تفسیر

آیت نمبر ۱:

ا۔ ان حروف کو حروفِ مقطعات کہتے ہیں، یہ خدا کے راز ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (جلالین).....صرف وہ لوگ جانتے ہیں جن کو خدا نے ان کا علم از خود عطا فرمایا ہے۔ جیسے: نبیؐ یا امامؑ یا راسخین فی العلم۔ (بلاغی، مجمع البیان)

آیت نمبر ۲ کی وضاحت:

۲۔خدا کی صفت (۱) ''حی'' یعنی خدا وہ ہے جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔اس کے لیے موت کا کوئی امکان ہی نہیں۔اس کو حیات تازہ حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔خدا کی دوسری صفت ''قیوم'' کے معنی وہ ذات جو بذات خود بھی ہمیشہ ہمیشہ قائم ہے اور ساری کائنات بھی اس کے وجود سے قائم ہے۔وہ کسی کا محتاج نہیں جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ ''جس طرح بیٹا بغیر باپ کے تنہا خدا نہیں اسی طرح باپ بغیر بیٹے کے تنہا خدا نہیں۔'' (انسائیکلو پیڈیا آف ریلجین جلد۔۷ صفحہ ۵۲۶)

آیت نمبر ۳

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ

اسی نے آپؐ پر سچی کتاب نازل کی جو پہلے آنے والی (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے۔اور اسی نے تورات اور انجیل (اس سے پہلے ہدایت کے لیے) نازل فرمائیں۔(۳)

تفسیر

آیت نمبر ۳ کی وضاحت:

کتاب (قرآن) کے ساتھ ''نَزَّلَ'' کی لفظ تشدید کے ساتھ آئی ہے اور تورات وانجیل کے لیے ''اَنْزَلَ'' کا لفظ آیا ہے۔اس سے محققین نے نتیجہ نکالا کہ قرآن تو تدریجی طور پر اترا اور تورات وانجیل یکجا طور پر اُتاری گئی تھیں۔(تفسیر صافی)

تورات اور انجیل قرآن کی نظر میں دو ۲ آسمانی کتابوں کے نام ہیں اور قرآن انہیں کی تصدیق بھی

کرتا ہے۔موجودہ بول چال میں تورات نام ہے متعدّد صحیفوں کے مجموعے کا۔ہر صحیفہ کسی نہ کسی نبیؑ کی جانب منسوب ہے لیکن کوئی صحیفہ اس بات کا دعویٰ نہیں کرتا کہ لفظی اعتبار سے یہ خدا کے پاس سے اُترا ہے۔اسی طرح انجیل بھی چند صحیفوں کے مجموعے کا نام ہے جو گمنام لوگوں کی وہ حکایتیں ہیں جو وہ حضرت عیسٰیؑ کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔کچھ حضرت عیسٰیؑ کے ملفوظات بھی ہیں۔مگر ان میں سے کوئی صحیفہ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق بھی آسمانی نہیں۔بلکہ عیسائی صاف صاف کہتے ہیں۔''یہ مجموعہ حواریوں کے دور میں بلا ارادہ اور بلا توقّع تیار ہو گیا۔''(انسائیکلو پیڈ برٹانیکا جلد۔۳ طبع ۱۴)

آیت نمبر ۴

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۴

ترجمہ

اس سے پہلے تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے اور حق و باطل میں فرق دکھانے والی (فرقان) بھی نازل فرمائی۔① بیشک جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کو ماننے سے انکار کر دیا' ان کے لیے سخت سزا ہے اور خدا ہر چیز پر غالب' بے پناہ طاقتور اور برائی کا بدلہ لینے والا ہے۔②.....(۴)

تفسیر

آیت نمبر ۴:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا:''ساری کتاب قرآن ہے۔اور فرقان اس کا وہ حصّہ ہے جو محکم اور واجب العمل ہے۔غرض جس قدر محکم آیات ہیں وہ فرقان ہیں۔فرقان ہر محکم امر ہے اور کتاب کے معنی قرآن ہیں۔(کافی، جوامع ،تفسیر قمیؒ و تفسیر عیاشی)

احادیث اہل بیت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرقان قرآن کا وہ حصہ ہے جو محکمات کی حیثیت رکھتا ہے اور جو اصول دین کا ماخذ ہے۔(تفسیر صافی بحوالہ کافی از امام جعفر صادق علیہ السلام)

فرقان خاص طور پر اس امتیاز کو کہتے ہیں جو حق و باطل کے درمیان ہو۔(امام راغب)

لیکن کچھ مفسرین کیلئے یہ لفظ فرقان اسم جنس ہے تمام کتب آسمانی کیلئے۔(کشاف)

ایک قول یہ بھی ہے کہ فرقان سے مراد وہ معجزات اور دلائل نبوت ہیں جو پیغمبروں کو عطا ہوتے ہیں۔(تفسیر کبیر) لیکن اکثر اہل سنت کے نزدیک فرقان سے مراد پورا قرآن ہے۔(ابن جریر عن قتادہ والربیع وقرطبی)

آیت نمبر ۴ کی وضاحت:

۴۔خدا کا فرمانا کہ میں ''عزیز'' ہوں یعنی زبردست طاقت والا ہر سزا پر قادر اور ہر حال میں سب سے طاقتور اور بالادست۔خدا کی یہ صفت بتاتی ہے کہ وہ کسی انسان میں حلول نہیں فرماتا۔اور پھر خدا کا یہ فرمانا کہ ''وہ بڑا انتقام لینے ولا ہے۔'' تو یہ بتاتا ہے کہ خدا رحیم بھی ہے اور عادل بھی۔اس کے عدل کا اظہار مجرموں' سرکشوں کے سامنے ہوگا۔

آیت نمبر ۵۔۶

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝۵
هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶

ترجمہ

بیشک زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی خدا سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔(۵)

وہی تو ہے جو (تمہاری ماؤں کے) پیٹ میں تمہاری شکلیں جیسی چاہتا ہے بناتا ہے۔① (کیونکہ) اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ہی نہیں۔وہی ہر کام پر غالب زبردست حکمت والا ہے۔(۶)

تفسیر

آیت نمبر ۶ کی وضاحت:

۱۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا ''اللہ جس وقت کسی بندے کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو آدمؑ سے اس کے باپ تک جتنی صورتیں گزری ہیں' سب جمع فرماتا ہے۔پھر ان کو ان میں سے کسی ایک صورت پر پیدا کر دیتا ہے۔لہٰذا کوئی شخص اپنے بیٹے کے بارے میں یہ نہ کہے کہ وہ مجھ سے یا میرے باپ دادا سے ذرا بھی مشابہ نہیں۔(تفسیر صافی صفحہ ۷۹۔ومن لایضرہ الفقیہ)

آیت نمبر ۷

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷

ترجمہ

وہی (خدا) ہے جس نے (یہ) کتاب (قرآن) تمؐ پر نازل کی۔جس میں کچھ آیتیں تو محکم (واضح) ہیں۔وہی اس کتاب کی اصل (بنیاد) ہیں۔اور دوسری (آیتیں) متشابہ (یعنی جن کے کئی

معنی نکالے جاسکیں)① اب جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ تو ان ہی آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ گمراہی اور فتنہ وفساد برپا کریں اور اپنے مطلب پر ان کو ڈھال کر اپنی مرضی کے معنی پہنا دیں۔ حالانکہ خدا اور ان لوگوں کے سوا جو علم میں بہت ہی مضبوط ہیں② ۔ان آیتوں کا اصل مطلب کوئی نہیں جانتا (جو یہ) کہتے ہیں ''ہم ان پر ایمان لائے' یہ سب کی سب ہمارے رب ہی کی طرف سے (اتری) ہیں۔'' اور صرف عقل والے ہی (یہ سب باتیں) سمجھ سکتے ہیں۔(۷)

تفسیر

آیت نمبر ۷ کی وضاحت:

۱۔قرآن مجید کی واضح صریح آیتیں جن کے معنی میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا ''محکم آیات'' کہلاتی ہیں۔(راغب' روح' قرطبی عن جابر عبداللہ' جصاص) اور امّ (ماں) ہر شے کی اصل کو کہتے ہیں۔(راغب) لہٰذا جو آیتیں واضح وصاف ہیں اور جن کے ایک ہی معنیٰ نکلتے ہیں وہ ''محکم'' ہیں' وہی اصل مدار ومعیار ہیں۔جن آیتوں کے کئی کئی مطالب نکلتے ہیں ان کو انہیں آیتوں کے حوالے سے سمجھنا چاہیے۔(تفسیر کبیر۔جصاص)

''مَا تَشَابَهَ'' ایسے کلام کو کہتے ہیں جو دوسرے کلام سے ایسا ملتا جلتا ہو کہ ایک دوسرے سے الگ کرنا مشکل ہو اور اس کی تفسیر میں مختلف پہلو نکلتے ہوں۔ (راغب' تفسیر کبیر' قرطبی عن مجاہد وابن اسحاق)

غرض وہ آیتیں متشابہات ہیں جو ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔اسی لیے ان میں بظاہر شکوک پیدا ہوتے ہیں اور لوگ حقیقت حال سے واقف نہیں ہو سکتے۔ان کا مطلب سمجھنے کے لیے بہت غور وخوض اور تحقیق درکار ہے۔ان آیتوں کے اتارنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ اللہ اپنے خاص بندوں کی فضیلت ظاہر کرے کہ وہ کس طرح ان آیات کو سمجھاتے ہیں اور کس طرح ان کا ربط محکمات کے ساتھ پیدا کر سکتے ہیں' اور کس طرح ان کے ذریعے سے خدا کی معرفت اور توحید تک پہنچتے ہیں۔ (القران المبین)

۲۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ ''رَسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ'' یعنی علم میں مضبوط یا راسخ ہم آل محمدؐ ہیں۔اور ہم قرآن کی پوری پوری تاویل سے واقف ہیں۔'' (تفسیر صافی۔۹۷' تفسیر عیاشی بحوالہ کافی)

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ ''راسخون فی العلم میں سب سے افضل رسول خداؐ ہیں جن کو خدا نے ہر چیز کا علم اور تاویل تعلیم دی۔خدا کوئی چیز آپؐ پر نازل نہیں کرتا تھا جب تک اس کی تاویل کا علم آپؐ

کونہیں دے دیتا تھا۔آپؐ کے بعد آپؐ کے اوصیاء (یعنی ائمہؑ اہل بیتؑ) راسخ ہیں۔(تفسیر صافی وتفسیر عیاشی)

''رسوخ'' کے معنی مضبوط ہوجانا' اور جڑ کے جم جانے کے ہوتے ہیں تو راسخون فی العلم وہ ہیں جن کے دلوں میں دین کے حقائق جڑ پکڑ چکے ہوں۔ (قرطبی)

علامہ بلاغی نے شیعہ سنی روایات نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ تاویل قرآن کا علم اللہ کے خاص بندوں کو حاصل ہے۔اگر ایسا نہ ہوتو پھر اُن آیتوں کو اتارنا لاحاصل اور بے مقصد ہوگا۔ (الا الرحمن، از علامہ جواد بلاغی)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''راسخین فی العلم وہ لوگ ہیں جن کے درمیان اُن کے علم میں اختلاف نہیں ہوتا۔'' (الکافی)

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''معلوم ہونا چاہیے کہ علم میں راسخ لوگ وہی ہیں جنہیں خدا نے غیب کے پردوں میں درانہ گھسنے سے بے نیاز بنا دیا ہے، اُن کے اجمالی طور پر اقرار نے اُن تمام باتوں کے ساتھ جن کی چھپی ہوئی تفصیلات کو وہ نہیں جانتے۔اللہ نے اُن کی مدح کی ہے اس بات پر کہ وہ جن چیزوں کے علم پر حاوی نہیں اُن تک رسائی سے اپنی عاجزی کا اقرار کرتے ہیں اور جن باتوں کی حقیقت جاننے پر انہیں مامور نہیں کیا گیا ہے اُن میں گہرائی تک پہنچنے کی کوشش نہ کرنے ہی کا نام علم میں راسخ ہونا قرار دیا ہے۔'' (نہج البلاغہ)

آیت کا پیغام یہ بھی ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں حق کی تلاش نہیں ہوتی وہ ہمیشہ اس چکر میں لگے رہتے ہیں کہ دین میں کوئی نئی بات پیدا کر کے اپنا نام پیدا کریں۔یہ لوگ بجائے اس کے کہ خود دین پر چلیں، دین کو اپنی راہ پر چلانا چاہتے ہیں۔(ابن بحر۔مدارک) بقول اقبال:

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

آیت نمبر ۸

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۸

ترجمہ

(وہی لوگ اللہ سے دعا کرتے ہیں) اے ہمارے پالنے والے! ہمارے دلوں کو سیدھے راستے پر

لگا دینے کے بعد پھر اُن کو ٹیڑھا نہ ہونے دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔ اس میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے کہ تو بڑا ہی عطا کرنے والا ہے۔(۸)

تفسیر

آیت نمبر ۸ کی وضاحت:

''ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ ہونے دے۔'' یعنی اپنی خاص توفیقات کو ہمارے شامل حال رکھ تا کہ ہمارے دل حق سے مڑ نہ جائیں تا کہ ہم ہدایت پر قائم رہیں۔ (مجمع البیان)

اور یہی توفیق وہ رحمت ہے جس کو آئندہ کے لیے بھی طلب کیا جا رہا ہے۔ یہ رحمت توفیق اور مدد کے معنی میں ہے۔(تفسیر صافی)

قرآن میں دوسری جگہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ خدا کی توفیقات اُس وقت سلب ہوتی ہیں جب انسان از خود خدا کی ہدایات سے منہ موڑ لیتا ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا: ''وہ ٹیڑھے ہوئے تو خدا نے بھی دلوں کو ٹیڑھا ہونے دیا۔'' (سورۃ الصّف آیت ۵) اس لیے اس آیت سے جبر ثابت نہیں کیا جا سکتا۔(فصل الخطاب)

آیت نمبر ۹ تا ۱۲

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۹

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۱۰

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا

بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾
قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ
وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾

ترجمہ

اے ہمارے پالنے والے! بے شک تو ایک دن ضرور تمام لوگوں کو جمع کرے گا جس دن کے آنے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ یقیناً خدا وعدہ خلافی نہیں کرتا۔(۹)

یقیناً جن لوگوں نے (ان حقائق سے) انکار کیا تو اللہ کے سامنے نہ تو اُن کا مال ہی کچھ کام آئے گا اور نہ اُن کی اولاد۔ اور وہی لوگ جہنم کا ایندھن بن کر رہیں گے۔(۱۰)

اُن کا انجام ویسا ہی ہوگا جیسا کہ فرعون کی اولاد اور اُن سے پہلے والوں کا ہو چکا ہے۔ انہوں نے ہماری آیتوں (نشانیوں) کو جھٹلایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے اُنہیں اُن کے گناہوں پر پکڑ لیا۔ کیونکہ اللہ بڑی سخت سزا دینے والا ہے۔(۱۱)

جن لوگوں نے ابدی حقائق کو ماننے سے انکار کر دیا ہے اُن سے آپ کہہ دیجئے کہ وہ وقت بہت قریب ہے کہ تم مغلوب ہو کر جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ (جہنم) تو بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔(۱۲)

تفسیر

آیت نمبر ۱۲ کی وضاحت:

بعض مفسرین نے اس پیشینگوئی کا مصداق بدر میں کافروں کی شکست کو ٹھہرایا ہے۔ (بیضاوی، بحر)
لیکن اکثر نے مدینے میں یہودیوں کی شکست اور پامالی کو مراد لیا ہے (قرطبی از ابن عباسؓ، روح)
لیکن بہتر ہوگا کہ لفظ کا اطلاق عام رکھا جائے۔ نزول قرآن کے وقت مسلمانوں کی بے بسی دیکھ کر کوئی یہ

سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مسلمان مکہ کے مشرکوں یا یہودیوں سے ایسی زبردست ٹکر لیں گے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ:
تم جو یہ رسولوں سے مقابلہ کر رہے ہو اس میں تمہاری شکست ہوگی۔ (جلالین) اور پھر دوزخ کی طرف بھی بھیجے جاؤ گے۔ یعنی ہوسکتا ہے کہ دنیا میں تم کتنی ہی کامیابیاں حاصل کرلو مگر آخر میں تم اللہ کے مقابلے پر بے بس ہو جاؤ گے۔ (فصل الخطاب)

بہرحال دوسرا مفہوم آیت کے متن سے قریب تر ہے۔ یعنی دونوں باتیں آخرت سے متعلق ہیں۔

آیت نمبر ۱۳

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

ترجمہ

تمہارے لیے اُن دو (۲) گروہوں میں جو (بدر کے میدان میں) ایک دوسرے سے لڑتے تھے (رسولؐ کی سچائی کا ایک بہت بڑا) نمونہ ہے ایک گروہ تو اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافر تھا، جن کو وہ (مسلمان) اپنی آنکھ سے دو (۲) گنا دیکھ رہے تھے [1]۔ مگر خدا جس کی چاہتا ہے اپنی مدد سے تائید کرتا ہے۔ بے شک بصیرت رکھنے والوں کے لیے اس (واقعے) میں بڑا سبق ہے۔ (۱۳)

تفسیر

آیت نمبر ۱۳ کی وضاحت:

ا۔ بدر کے دن مشرکوں کو مسلمان اپنی تعداد سے دو (۲) گنے نظر آتے تھے یا یہ کہ مسلمان جس قدر بھی تھے اُس سے دو (۲) گنے نظر آتے تھے جبکہ مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ (۳۱۳) تھی اور کافر ایک ہزار سے بھی زیادہ تھے۔

ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ مومنوں کو مشرکوں کی تعداد اپنے سے دو (۲) گنی دکھائی دے رہی تھی جبکہ مشرکین تین (۳) گنے سے بھی زیادہ تھے۔ (تفسیر صافی نمبر ۸۰)

غرض بدر کی مثال دے کر بتایا گیا کہ اگرچہ کفار کی تعداد بہت زیادہ تھی مگر انہیں شکست ہوئی اور اہل ایمان غالب آئے۔ یہ صرف نصرت خدا کا نتیجہ تھا۔ اس لیے اب کافروں کو کبھی اپنی تعداد پر ناز نہ کرنا چاہیے اور مسلمانوں کو تعداد کی کمی پر خوف نہ کھانا چاہیے۔

آیت نمبر ۱۴

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

ترجمہ

لوگوں کے لیے اُن کی مرغوب اور بہت پسندیدہ چیزیں (مثلاً) عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، اعلیٰ قسم کے گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں بہت ہی بھلی اور خوبصورت بنادی گئی ہیں۔ مگر یہ

سب تو دنیا کے (چند روزہ) فائدے ہیں (جبکہ ہمیشہ کا) اچھا ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ (۱۴)

تفسیر

آیت نمبر ۱۴ کی وضاحت:

شہوات سے مراد ''دل پسند چیزیں''۔ (راغب، کشاف)

پھر پسندیدہ چیزوں کے نام نمونے کے طور پر دیئے گئے ہیں۔ محققین نے نتیجہ نکالا کہ ان تمام چیزوں کی طرف انسان کی رغبت فطری ہے، اس لیے گناہ نہیں۔ صرف ان چیزوں کے شوق کو عقلِ سلیم اور احکام شریعت کے تحت رکھنا ضروری ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس قسم کی چیزیں بہت زیادہ دل لگانے کے قابل نہیں۔ البتہ جائز طور پر حاصل کر کے استعمال کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔ یہ زندگی گزارنے کا ذریعہ ہیں، مقصد حیات نہیں۔ جب یہ چیزیں خود فانی ہیں تو ان کو مقصد بنانا خود کو فنا کرنا ہے۔ (بحر) اس لیے دائمی اور غیر قانونی راحت کے لئے فکر و عمل ضروری ہے کیونکہ آخرت کی لذتوں کے مقابلے میں دنیا کی بڑی سے بڑی لذت بھی بے معنی چیز ہے۔ (قرطبی)

جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میرے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر اور کوئی نقصان دہ فتنہ نہیں۔ نیز ارشاد فرمایا کہ یہ شیطان کا جال ہیں۔ (مجمع البیان)

قناطیر، قنطار کی جمع ہے۔ قنطار کے معنی، اس قدر سونے کے ہوتے ہیں جو ایک بیل کی کھال میں سما جائے۔ (تفسیر صافی ص ۸۰)

آیت میں نیک اعمال انجام دینے کی تعلیم دی گئی ہے یہ بتا کر کہ دنیا کی تمام لذتیں عارضی اور فنا ہو جانے والی ہیں اور آخرت کی نعمتیں حقیقی، ابدی اور غیر فانی ہوں گی۔ (القرآن المبین)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ دنیوی ساز و سامان کی محبت بجائے خود کوئی بُری چیز نہیں کیونکہ وہ انسانی فطرت کا فطری تقاضا ہے۔ لیکن جب دنیا کا فائدہ آخرت کے فائدے سے ٹکرائے تو ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کا بندہ آخرت کے فائدوں کو ترجیح دے۔ (مجمع البیان، تفسیر صافی)

اس صورت میں ان چیزوں کو خوبصورت بنا دینے کا فاعل خدا کو سمجھا جائے تو کوئی حرج نہیں اس لیے کہ خدا نے دنیوی چیزوں کی خواہش ہمارے دلوں میں رکھ دی ہے تاکہ اجتماعی اور تمدنی مفادات کی حفاظت ہو سکے۔ (بلاغی)

آیت نمبر ۱۵

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۱۵

ترجمہ

کہہ دیجیے کہ میں تمہیں ان تمام چیزوں سے بہتر چیز بتادوں؟ (وہ یہ کہ) جو لوگ برائیوں سے بچتے اور فرائض الٰہیہ کو ادا کرتے رہے اُن کے لیے اُن کے رب کے پاس گھنے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، پاک و پاکیزہ بیویاں (اُن کی ساتھی ہوں گی، اور بہترین بات یہ کہ) اللہ کی خوشنودی اُن کو حاصل ہوگی اور خدا اپنے ایسے بندوں کو (محبت سے) دیکھ رہا ہے۔ (۱۵)

تفسیر

آیت نمبر ۱۵ کی وضاحت:

خوفِ خدا کی رحمت اور خدا کی توجہ ہماری طرف ہونے کا ذکر قرآن اور دوسری آسمانی کتابوں میں بکثرت ملتا ہے۔ ''اور خدا کا رحم اُن پر جو اُس سے ڈرتے ہیں، پشت در پشت رہتا ہے۔'' (لوقا ۱:۵)

''وہ وقت آ پہنچا ہے کہ بڑے بڑے نبیوں اور مقدس ہستیوں اور چھوٹے بڑوں کو جو تیرے نام سے ڈرتے ہیں، اجر دیا جائے گا۔'' (تورات)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''دنیا اور آخرت کی لذتوں میں عورتوں سے زیادہ کوئی لذت نہیں، اسی لیے خدا نے سب سے پہلے عورتوں کی لذت کا ذکر فرمایا۔

جنت کے لوگ بھی عورتوں کی محبت سے زیادہ..... کسی اور چیز کے خواہش مند نہ ہوں گے۔''

آیت میں نعمتوں کے تین درجے بیان کئے گئے ہیں۔ سب سے ادنیٰ ''متاع دنیا'' ہے۔ اور سب سے اعلیٰ خدا کی خوشنودی ہے۔ اور درمیانی نعمت جنت اور اس کی لا انتہا نعمتیں ہیں۔ (تفسیر عیاشی، تفسیر صافی ص ۸۰، بحوالہ کافی)

اگر چہ دنیا کی جائز نعمتیں بھی اللہ کی رحمت کا مظہر ہیں، مگر خدا کی نعمتوں کے مراتب ہیں۔ دنیا کی نعمتیں بہر حال ادنیٰ درجے کی ہیں اور اُس سے بلند و بالا جنت کی نعمتیں ہیں۔ اور ان سب سے بلند و بالا تر خدا کی رضا یا خوشنودی ہے جس کے لیے فرمایا:

''اللہ کی ذرا سی خوشنودی بھی بڑی سے بڑی چیز ہے۔'' (قرآن) التوبۃ ۹، آیت ۷۲)

غرض قرآن نے اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ اہل جنت کے لیے راحت ولذت کا ہر قسم کا سامان ہوگا۔ مادی، ذہنی، روحانی لطف سب میسر ہوگا۔ بیویاں صاف ستھری، ہر قسم کی پاکیزگی، لطافت اور لطف کا سامان ہوں گی۔ لیکن خدا کی رضا سب سے اہم چیز ہے۔ رضوان پر دو پیش اظہار عظمت کے لیے ہیں۔ (روح)

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اولاد میوہ دل اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور باعث بزدلی، بخل اور حزن وغم بھی ہے۔ (تفسیر انوار النجف ص ۲۰۵، ج ۳)

آیت نمبر ۱۶

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ﴿۱۶﴾

ترجمہ

جو دعا کرتے ہیں: ''اے ہمارے پالنے والے! ہم ایمان لائے پس تو ہمارے گناہوں کو معاف کر دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔ (۱۶)

تفسیر

آیت نمبر ۱۶ کی وضاحت:

ایمان لانے پر گناہوں کی معافی طلب کرنا بتاتا ہے کہ گناہوں کی معافی میں جو چیز حائل ہوتی ہے وہ خدا پر ایمان کی کمی۔اب جب یہ مانع ہی دور ہو گیا تو اب گناہوں کی معافی کا امکان پیدا ہو گیا۔ایمان کے ہونے سے خدا کی رحمتوں کا نزول شروع ہو جاتا ہے۔(تفسیر کبیر، بحر، روح)

محققین نے لکھا کہ اس جگہ صرف ایمان کو دعاء میں پیش کرنا بتاتا ہے کہ آخرت کی کامیابی کا پہلا معیار ایمان ہے۔لیکن یہ نتیجہ نکالنا کہ عمل کی ضرورت نہیں اس لیے غلط ہے کہ اسی آیت کے شروع میں خدا نے تقویٰ کا حوالہ دیا ہے جو حسنِ عمل ہی کا دوسرا نام ہے لیکن اعمال کی صحت اور قبولیت کا دار و مدار کیونکہ ایمان پر ہے اس لیے قبولیت دعاء کے لیے صرف ایمان کا حوالہ دیا جا رہا ہے۔اگر ایمان ہی نجات کے لیے کافی ہوتا ہے تو پھر ایمان کو پیش کرنے کے بعد گناہوں کی معافی اور جہنم کی آگ سے بچانے کی درخواست ہی کیوں کرتے؟ البتہ یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہوں کی معافی کا امکان ہے۔ (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۷

اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

ترجمہ

(یہ لوگ زحمتوں پر) صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، حکم ماننے والے، قنوت پڑھنے والے، خیرات کرنے والے، اور سحر ① کے وقت اللہ سے استغفار یعنی معافی مانگ کر گناہ بخشوانے والے ہیں۔(۱۷)

تفسیر

آیت نمبر ۱۷ کی وضاحت:

ا۔ ''سحر'' اُس وقت کو کہتے ہیں جب رات کی تاریکی صبح کی روشنی سے مل رہی ہو۔ (راغب) یہ وقت خاص طور پر دل جمعی اور روحانی طاقتوں کو بیدار کرنے کا ہے۔ بقول اقبال ع

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

کیونکہ اُس وقت اٹھنا مشکل بھی ہوتا ہے۔ اس لیے صبر کی فضیلت بھی حاصل ہوتی ہے اور دل جمعی کی وجہ سے فروتنی بھی بکمال محسوس ہوتی ہے۔ یہ تمام اولیاء خدا کی صفت بیان کی گئی ہے۔ (ماجدی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص صبح کے وقت ستر مرتبہ استغفار پڑھے گا، وہ اس آیت کے اہل میں شمار ہوگا۔'' (تفسیر مجمع البیان)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص نماز وتر میں کھڑے ہو کر ستر مرتبہ ''استغفر اللہ ربی.....الخ (یعنی میں اپنے پالنے والے مالک سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتا ہوں) پڑھے اور پورے ایک سال پڑھتا رہے تو خدا اُس کو صبح کے تڑکے میں استغفار کرنے والوں میں لکھ لے گا۔ اور اُس کی مغفرت اپنے اوپر واجب فرمائے گا۔''

صبح کی تخصیص اس لیے ہے کہ اُس وقت دعا زیادہ قبول ہوتی ہے کیونکہ اُس وقت کی عبادت سخت ہوتی ہے، نفس، دل و دماغ صاف ہوتے ہیں۔ خدا کا خوف غالب ہوتا ہے۔ (تفسیر صافی، ص ۸۰).....غرض سحر کو اٹھنا اور نماز تہجد پڑھنا بڑی خاص عادت ہے۔ اُس وقت گناہوں کی معافی مانگنا اس لیے مفید ہے کہ دل کی توجہ پوری طرح ہوتی ہے۔ اس لیے امکان ہے کہ دعا قبول ہو اور اس وقت خدا کے سامنے اپنی انکساری او عاجزی کا اظہار یقیناً خدا کی رحمت کا سبب بن سکتا ہے کیونکہ اُس وقت اُٹھ کر عبادت کرنا مشکل کام ہے۔ (تفسیر صافی)

اس میں ریاکاری نہیں ہوتی۔ (بلاغی)

آیت نمبر ۱۸

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ

قَآىِٕمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۸﴾

ترجمہ

اللہ نے خود اس بات کی گواہی دی ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود (خدا) ہے ہی نہیں۔ اور تمام فرشتے اور سب اہل علم (۱) جو عدل پر قائم ہیں، اس پر گواہ ہیں کہ اُس غالب اور زبردست حکمت والے کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ (۱۸)

تفسیر

آیت نمبر ۱۸ کی وضاحت:

۱۔ محققین نے اس آیت سے علماء کا خاص شرف ثابت کیا ہے۔ (قرطبی)

۲۔ ''عدل'' سے مراد خدا کا ہر شے کو اس کے مناسب محل پر رکھنا ہے۔ آیت کا مطلب یہ بھی ہے کہ خدا غالب بھی ہے اور حکمت والا بھی۔ اب نہ اُسے قوت کے لحاظ سے کسی شریک کی ضرورت ہے اور نہ علم و حکمت کے اعتبار سے کسی شریک کی ضرورت ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''**اولو العلم** (یعنی) علم والوں سے (اولین) مراد انبیاؑ اور اوصیاؑ ہیں۔ وہی لوگ حقیقی معنی میں عدل پر قائم رہنے والے ہیں۔ (تفسیر صافی، ص ۸۰ و تفسیر عیاشی)

اللہ کی گواہی سے مراد، یہ ہے کہ خدا نے اپنی تجلیات قدرت سے اپنی یکتائی کو ثابت کیا اور اپنی آیتوں اور دلیلوں سے اُس کو ذہن نشین کیا۔ (شاہ ولی اللہ۔ جلالین)

اور اہل علم نے خدا کی یکتائی کی گواہی اپنے اقوال سے بھی دی اور اپنے اعمال استقلال اور قربانیوں سے بھی۔ (تفسیر صافی)

اور خدا کا یہ فرمانا کہ ''خدا پوری پوری عدالت کے ساتھ قائم ہے۔'' بتاتا ہے کہ صرف توحید کی گواہی کافی نہیں۔ خدا کے عدل کی گواہی دینا بھی ضروری ہے۔ خدا کی توحید کے ساتھ خدا کا عدل اصولِ دین کا لازمی جزو ہے۔

اور آخر میں خدا کا خود کو عزیز و حکیم کہنا بھی اسی بات کو ثابت کرنا ہے کہ خدا کی حکمت اُس کی عدالت کے ساتھ وابستہ ہے۔ جو خدا کی عدالت کو ضروری نہیں سمجھتا وہ حقیقت میں خدا کی حکمتِ مطلقہ کا بھی قائل نہیں۔ (فصل الخطاب)

☆ آیت مجیدہ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ .....الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ ۔ (۱۸) کے متعلق انس نے جناب رسول خداؐ سے روایت کیا ہے کہ سوتے وقت اس آیت مجیدہ کی تلاوت کرے تو خداوند عالم ستر ہزار مخلوق پیدا فرماتا ہے جو تا قیام قیامت اُس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے۔ نیز یہ بندہ خدا کے روبہ رو پیش ہوگا تو خدا فرمائے گا کہ اس بندے کا مجھ سے عہد ہے اور میں عہد پورا کرنے کا سب سے بڑا حقدار ہوں پس اس بندے کو داخل جنت کرو۔ (تفسیر انوار النجف، ج ۳، ص ۲۰۷)

آیت نمبر ۱۹

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

ترجمہ

اللہ کے نزدیک (سچا) دین صرف اسلام ہے ① اور اہل کتاب نے جو اختلاف کیا ہے تو وہ محض آپس کی ضد اور حسد کے سبب اور (حقیقت کے) معلوم ہو جانے کے ② بعد تو جس شخص نے بھی خدا کی نشانیوں کا انکار کیا تو (وہ جان لے کہ) یہ حقیقت ہے کہ اللہ بہت ہی جلد حساب لینے والا ہے۔

تفسیر

آیت نمبر ۱۹ کی وضاحت:

ا۔ یعنی اسلام کے سوا کوئی دین اللہ کی مرضی کے مطابق نہیں اسلام سے مراد: خدا کی توحید کا اقرار اور خدا

کے بھیجے ہوئے قانون کی پابندی کرنا ہے۔ یہ محمدؐ و آل محمدؐ کی محبت اور اتباع کے بغیر ممکن نہیں۔ (تفسیر صافی، ص ۸۰)

اسی لیے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''ہر چیز کی کوئی بنیاد ہوتی ہے۔ اور اسلام کی بنیاد ہم اہل بیتؑ رسولؐ کی محبت ہے۔'' (تحف العقول)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''اسلام ایمان سے مقدم ہے۔ وراثتوں کا لینا دینا اور نکاحوں کا ہونا اسلام پر منحصر ہے۔ اور ایمان وہ ہے جس پر ثواب حاصل ہوتا ہے۔ (تفسیر صافی، ص ۸۰، بحوالہ کافی)

۲۔ یہ حق سے بغاوت صرف حسد اور عداوت کی بناء پر تھی۔ جس طرح مشرکین کو یہ تعصب تھا کہ یہ قرآن کسی امیر آدمی پر کیوں نہ اُترا، اسی طرح بنی اسرائیل کو یہ حسد تھا کہ نبوت کا یہ منصب اولاد اسحاق سے نکل کر اولاد اسماعیلؑ میں کیوں چلا گیا؟ (تفسیر صافی)

آیت نمبر ۲۰

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾

ترجمہ

پس اگر یہ لوگ اب بھی تم سے مباحثہ اور جھگڑا کریں تو کہہ دو کہ میں نے اور میری پیروی کرنے والوں نے، خدا کے سامنے اپنا سر جھکا دیا ہے① ''پھر تم اہل کتاب اور ان پڑھوں (غیر اہل کتاب) سے پوچھو'' کیا تم نے بھی اسلام قبول کیا؟ اگر وہ اسلام لے آئے تو سیدھے راستے پر آ گئے۔ اور اگر اسلام سے منہ موڑا تو تم پر تو صرف پیغام کا پہنچانا تھا اور اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

تفسیر

آیت نمبر ۲۰ کی وضاحت:

۱۔ ''اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ'' کے لفظی معنی تو یہی ہیں کہ ''میں نے اپنے منہ کو اللہ کے حوالے کر دیا۔'' لیکن یہ ترجمہ عربی کے محاورے کے مطابق ہے۔ اُردو کے محاورے کے مطابق یوں کہا جائے گا کہ ''ہم نے اپنے کو سراسر خدا کے حوالے کر دیا۔'' یہی اسلام کے پیغام کی اصل حقیقت ہے۔ مسلمان کوئی اعزازی لقب نہیں، بلکہ یہ ایک وصف ہے یعنی اپنے کو بالکل اللہ کے حوالے کر دینا۔ (فصل الخطاب)

بقول اقبالؔ

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

آیت نمبر ۲۱

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۱﴾

ترجمہ

بے شک جو لوگ اللہ کی ہدایات اور نشانیوں کو ماننے سے انکار کرتے ہیں اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو قتل کرتے ہیں جو لوگوں کو عدل و انصاف کی ترغیب دیتے ہیں [1]، پس اُن کو دردناک سزا کی خوشخبری سنا دو۔

تفسیر

آیت نمبر ۲۱ کی وضاحت:

۱۔ محققین نے نتیجہ نکالا کہ جیسا گناہ انبیاءؑ کو قتل کرنا ہے، ویسا ہی گناہ اُن لوگوں کا قتل بھی ہے جو نیک راستوں پر چلنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ گویا ایسے لوگ اللہ کے نزدیک انبیاءؑ کی طرح محبوب ہیں۔ اس لیے کہ اُن لوگوں کے منکر رسولوںؑ کے منکروں کی طرح ہیں۔ (نیشاپوری)

جناب رسول خداؐ سے پوچھا گیا کہ قیامت کے دن کس شخص کو سب سے زیادہ سزا دی جائے گی؟ آپؐ نے فرمایا: ''جس شخص نے کسی نبیؑ کو قتل کیا ہوگا یا کسی ایسے شخص کو قتل کیا ہوگا جو نیکیوں کی ترغیب دیتا تھا اور برائیوں سے روکتا تھا۔'' پھر حضورؐ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا، بنی اسرائیل نے ان کے اولین حصے میں ۴۳ نبیوں کو قتل کیا۔ اس پر بنی اسرائیل کے بارہ سو (۱۲۰۰) عابد قاتلوں کو سمجھانے کے لیے کھڑے ہوئے کہ انہیں اس برائی سے روکیں اور نیکیوں کی ترغیب دیں۔ تو انہوں نے اُسی دن کے آخری حصے میں اُن سب کو قتل کر دیا۔ خدا نے اس آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔'' (تفسیر صافی، ص ۸۱، تفسیر مجمع البیان)

آیت نمبر ۲۲

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ

یہی (انبیاء اور اولیاء خدا کو قتل کرنے والے) وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں برباد ہو گئے ① اور ان کا کوئی بھی مددگار نہیں۔ (۲۲)

تفسیر

آیت نمبر ۲۲ کی وضاحت:

ا۔ دنیا میں تو ایسے لوگوں کے اعمال اس طرح برباد ہوئے کہ دنیا میں بھی ایسے لوگوں کو نہ تو نیک نامی حاصل ہوتی ہے اور نہ حقیقی عزت۔ اور پھر مرنے پر دنیا کے مفادات بھی ان سے چھن جاتے ہیں۔ اور آخرت میں تو ان کو ان کی کسی نیکی کا بھی ثواب نہیں ملتا' بس عذاب ہی عذاب اور سزا پر سزا ملتی ہے۔

آیت نمبر ۲۳

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جن لوگوں کو کتاب (تورات کے علم) میں سے کچھ حصّہ ملا ہے۔ جب بھی انہیں کتاب خدا کی طرف بلایا جاتا ہے' تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے' تو ان کا ایک گروہ بے رخی کرتا ہوا منہ پھیر لیتا ہے۔ (۲۳)

تفسیر

آیت نمبر ۲۳ کی وضاحت:

مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کو ان کی اپنی کتاب کے حوالے ہی سے رسول خدا کے پیغام پر غور کرنے کی

دعوت دی جاتی ہے' مگر وہ منہ پھیر لیتے ہیں۔ابن عباسؓ نے فرمایا کہ دو(۲) یہودیوں کے زنا کا مقدمہ حضور اکرم کے سامنے پیش ہوا تو آپؐ نے شریعت کے اعتبار سے سزا دینی چاہی تو انہوں نے فیصلہ قبول نہ کیا۔(جلالین،مجمع البیان،صافی)

آیت نمبر ۲۴

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ

ان کا یہ اندازہ اس لیے ہے کہ یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ جہنم کی آگ تو ہم کو چھوئے گی بھی نہیں۔اور اگر چھوئے گی بھی تو صرف گنتی کے چند دن① اور جو کچھ بھی یہ لوگ گھڑتے رہتے ہیں اس نے ان کے دینی معاملات میں ان کو بڑے ہی دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔.....(۲۴)

تفسیر

آیت نمبر ۲۴ کی وضاحت:

ا۔یہودی وعیسائیوں کا خیال تھا کہ ہمارے باپ دادا انبیاء ومرسلینؑ تھے وہ ہمیں آخرت کی سزا سے بچالیں گے۔عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے سولی پر چڑھ کر ہمارے تمام گناہوں کا کفارہ دے دیا۔اور ہمیں ہر قسم کے خدائی عذاب سے چھٹکارا دلا دیا۔یہ ساری باتیں جزاء وسزا کی حقیقت اور اہمیت کو کم کرنے والی ہیں۔(تفسیر صافی)

حقیقت یہ ہے کہ خدا کا ''قانون مکافات'' اٹل قانون ہے۔شفاعت صرف ایسے لوگوں کے لیے ہے جن کے عمل میں کچھ ہو جس طرح امتحانات میں کچھ markse Grace مل جاتے ہیں۔یا کچھ رعایتیں خاص موقعوں پر دی جاتی ہیں۔اس طرح تھوڑی سی کمی کو پورا کر دیا جاتا ہے۔

اب جو مسلمان بھی اس طرح کے عقیدے رکھتا ہے ان پر بھی یہ آیت پوری اترتی ہے۔(فصل الخطاب)

آیت نمبر ۲۵

فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۗ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۲۵

ترجمہ

پھر کیا حالت ہوگی ان کی اس دن جب ہم ان کو اکٹھا کریں گے اور جس دن کے آنے میں تو کوئی شک ہے ہی نہیں اور (اس دن) ہر شخص کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور ان کے ساتھ ذرا بھی ظلم یا حق تلفی نہ کی جائے گی۔.....(۲۵)

تفسیر

آیت نمبر ۲۵ کی وضاحت:

مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے جھوٹے بے حقیقت عقیدوں سے اپنا ہی دل بہلالو مگر جب ہم قیامت میں سب کو جمع کریں گے، تو اس قسم کے فریب اور احمقانہ عقیدے کچھ کام نہ آئیں گے۔(جلالین۔فصل الخطاب۔مجمع البیان)

اس آیت سے بظاہر شفاعت کا عقیدہ الجھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ ''شفع'' اس پتھر کو کہتے ہیں جو ترازو کے دو (۲) پلے اگر برابر نہ ہوں تو ہلکے پلّے میں باندھ دیا جاتا ہے اور اس طرح ہلکے پلے کی تھوڑی سی کمی کو پورا کر دیا جاتا ہے۔اس لیے شفاعت عمل کرنے والوں کے عمل میں تھوڑی سی کمی کو پورا کرے گی۔ بے عملوں کو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ (آغا فہدی پویا)

آیت نمبر ۲۶

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾

ترجمہ

آپ کہیے۔اے سارے ملکوں کے حقیقی مالک! تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے حکومت چھین لے۔① تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کر دے۔ ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔② بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (۲۶)

تفسیر

آیت نمبر ۲۶ کی وضاحت:

۱۔اس آیت میں خدا نے حکومت دینے اور چھین لینے کو اپنے ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے۔مگر اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ خدا جسے سلطنت دے وہ حق پر بھی ہے۔جیسے خدا اگر کسی کو مال اولاد یا حسن دے تو یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ وہ جنتی ہے۔کیونکہ خدا مال، اولاد، حسن، حکومت سب کچھ امتحاناً دیتا ہے۔خدا نے فرعون و ہامان کو بھی حکومت دی، قارون کو دولت دی تو یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ خدا ان سے راضی ہے۔اس کے برعکس خدا فرماتا ہے۔''تمہیں ان کا مال اولاد حیرت میں نہ ڈال دیں۔کیونکہ خدا یہ چاہتا ہے کہ مال اور اولاد کی وجہ سے ان کو دنیا ہی کی زندگی میں عذاب میں مبتلا کرے۔'' (پ۱۰، سورۂ توبہ، ع ۷)

۲۔خدا کا فرمانا کہ ''خیر اور بھلائی خدا ہی کے ہاتھ میں ہے'' سے محققین نے نتیجہ نکالا کہ:.....(۱) خدا خیر ہی ہے، شر بندے کے غلط استعمال سے پیدا ہوتا ہے۔خیر مثبت حقیقت ہے اور شر منفی چیز ہے۔(۲) عرفاء نے

نتیجہ نکالا کہ ''جس بندے کے ارادے اور اختیار کو دخل نہ ہو، وہ محض خیر ہے۔ اُسے ناگوار نہ جانے اور اپنے حق میں مصیبت نہ سمجھے۔ (۳) خدا کا بار بار یہ کہنا کہ ''جسے چاہتا ہے''۔ بتاتا ہے کہ دولت وحکومت وغیرہ کی تقسیم صرف مصلحتِ تکوینی کی بناء پر ہوتی ہے۔ اُس کا کوئی تعلق قربِ خداء رضائے خدا یا فضیلت سے نہیں ہوتا۔

آیت نمبر ۲۷

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۚ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۚ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

ترجمہ

تو رات کو (بڑھا کر) دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو (بڑھا کر) رات میں داخل کر دیتا ہے ① جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے اور بے جان میں سے جاندار کو۔ اور جسے چاہتا ہے بے حساب و بے شمار روزی دیتا ہے.....(۲۷)

تفسیر

آیت نمبر ۲۷ کی وضاحت:

دن کا رات میں، اور رات کا دن میں داخل کرنے کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ سردیوں کے دن چھوٹے ہو جاتے ہیں اور راتیں بڑی۔ اور گرمیوں میں دن بڑے ہو جاتے ہیں اور راتیں چھوٹی۔ (تفسیر صافی)

دوسرے معنی محاورے کے اعتبار سے حالات کا بدلنا بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے اُردو.....زبان کا محاورہ ہے کہ ''کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی راتیں (فصل الخطاب)

جاندار کو بے جان سے نکالنے کی مثال' انڈے سے بچہ نکالنا ہے وغیرہ وغیرہ۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ ''اس سے مراد'' کافر کی اولاد سے مومن کا نکلنا اور کبھی مومن کی اولاد سے کافر کا نکلنا بھی ہے۔'' (مجمع البیان)

اللہ کی طرف سے سلطنت دِیے جانے کے دو (۲) معنی ہیں (۱) کسی کو اہل جانتے ہوئے اپنی جانب سے حکومت کرنے کا حق عطا فرمانا۔ یہ حق انبیاءؑ و مرسلینؑ ائمہؑ طاہرین اور اولیاء خدا کو دیا جاتا ہے۔ جس طرح کہ خدا نے طالوتؑ کو یہ حق دیا۔ جس پر قوم والوں نے کہا۔ ''اسے ہم پر سلطنت کا حق کہاں سے مل گیا' حالانکہ ہم اس سے کہیں زیادہ سلطنت کے حقدار ہیں (کیونکہ) اسے مال میں وسعت تو ملی ہی نہیں۔'' (بقرۃ آیت ۲۴۷)

جس پر خدا نے ارشاد فرمایا ''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے اسے تم پر برگزیدہ فرمایا ہے (کیونکہ) اسے علم اور جسمانی طاقت میں زیادتی دی ہے۔ اور اللہ اپنی طرف کی سلطنت جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔'' (بقرۃ: آیت ۲۴۸)

اس قسم کی سلطنت کی لازمی شرط یہ ہے کہ سلطنت پانے والا سلطنت کا حقدار اور اہل ہو۔ مگر قرآن کی رو سے ایسے لوگوں کو اکثر لوگ نہیں مانتے۔ اس لیے اس قسم کی عطا کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ قوم اس کو مان بھی لے۔ جس طرح طالوتؑ کی قوم نے بادل ناخواستہ مانا اور پھر اطاعت بھی نہ کی۔

دوسری قسم کی عطائے سلطنت یہ ہے کہ عالم اسباب کے نظام کے تحت کسی تدبیر، مکاری،.....قہر و غلبہ یا جمہوریت کی راہ سے حکومت حاصل کر لے تو ایسی حکومت ملتی تو اسی لیے ہے کہ خدا نے عمل کا اختیار دے رکھا ہے اور وہ کسی کو کسی کام پر مجبور نہیں کرتا۔ لیکن ایسی حکومت ملنا حقانیت کا ثبوت نہیں ہوتا۔ کیونکہ قرآن میں ہے کہ ایسی حکومت فرعون کو بھی ملی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا ''اے رب! تو نے فرعون اور اس کے ارکان کو اپنی طرف سے دنیا کی زینت کا سامان اور بڑے بڑے اموال عطا کیے ہیں۔'' سورۂ یونس۔ ۸۸)

اسی طرح نمرود کے لیے ہے۔'' کیا تم نے نہیں دیکھا اسے جس نے ابراہیمؑ سے ان کے پروردگار کے بارے میں بحث و تکرار کی۔ صرف اس بناء پر کہ اللہ نے اسے سلطنت دے رکھی تھی۔'' (سورۂ۔ بقرۃ۔ آیت ۲۵۸)

ایسے تمام لوگوں کو خدا کا سلطنت دینے کے معنیٰ بس یہ ہیں کہ حصول اقتدار میں خدا نے رکاوٹ پیدا نہیں کی۔

ایسے تمام لوگوں کو خدا کی طرف سے عزّت یا دُنیوی اسباب دیے جانے کے بھی یہی معنیٰ ہیں۔ جبکہ حقیقی عزّت دنیا کے اسباب جمع کر لینے پر نہیں ملتی' بلکہ صفات حسنہ پر ملتی ہے۔ ارشاد فرمایا: ''عزّت تو بس اللہ کے لیے ہے۔ اس کے رسولؐ کے لیے ہے' اور صاحبان ایمان کے لیے ہے' لیکن منافق سمجھتے ہی نہیں ہیں۔'' (سورۂ منافقون۔ آیت ۸)

آیت نمبر ۲۸

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۲۸

ترجمہ

مومنوں کو چاہیے کہ وہ مومنوں کے ہوتے ہوئے کافروں کو اپنا دوست یا سرپرست نہ بنائیں① جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلّق نہیں۔ سوا اس کے کہ تم (ان کے ظلم سے) ''بچاؤ'' (یعنی) تقیّہ ② کے لیے بظاہر ایسا طرزِ عمل اختیار کرو (تو اس میں کوئی حرج نہیں) اللہ تم کو اپنے (عذاب) سے ڈراتا ہے۔ اور تمہیں اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ (۲۸)

تفسیر

آیت نمبر ۲۸ کی وضاحت:

۱۔ محقّقین نے نتیجہ نکالا کہ خدا کے دشمنوں کے ساتھ رکھنے والے کی دوستی اللہ کے نزدیک کسی درجے میں معتبر نہیں ہوتی۔ (بیضاوی۔ معالم) یہی تبرے کی حقیقت ہے۔

۲۔ امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السّلام نے فرمایا: ''خدا تمہیں اپنے دین کے بارے میں تقیہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ لہٰذا خبردار خبردار! کبھی ایسا نہ کرنا کہ تقیہ کرنا چھوڑ دو اور اپنے کو ہلاکت میں ڈال دو۔ کیونکہ تقیہ کا چھوڑنا تمہارے اور تمہارے بھائیوں کا خون بہانے والا اور نعمتوں کو زائل کر دینے والا ہے اور دشمنان

خدا کے ہاتھوں ذلّت پہنچانے والا ہے۔'' (تفسیر صافی صفحہ ۸۱۔ بحوالہ احتجاج طبرسی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ارشاد.....فرمایا: ''جو شخص تقیہ کا منکر ہے وہ ایماندار نہیں۔'' پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ (تفسیر عیاّشی)

جب نااہل ظالم حکمراں ہوں اور کفر و نفاق کا مادی غلبہ ہو' تو جان' عزّت اور دین بچانے کا صرف ایک ہی منطقی طریقہ باقی رہ جاتا ہے کہ انسان اپنے حقیقی نظریات کو چھپا کر بظاہر لوگوں کے ساتھ مل کر زندگی گزارے۔ اس لیے کہ ایسے حالات میں اعلان حق کرنے سے صرف اس کی جان' مال' عزّت و آبرو کا ضیاع ہوگا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

اعتراض:

رہا یہ سوال کہ تقیہ کرنے اور منافقت میں کیا فرق ہے؟

تو دونوں متضاد چیزیں ہیں۔ منافق کی زبان پر ایمان ہوتا ہے اور دل میں کفر ہوتا ہے۔ جبکہ تقیہ کرنے والے کے دل میں ایمان ہوتا ہے اور زبان پر کلمہ کفر ہوتا ہے۔ (تفسیر جلالین نے لکھا کہ:)

''تقیّہ کا مصدر تقاۃ'' ہے۔ یعنی جب تم کسی سے ڈرتے ہو تمہارے لیے زبان سے ان کے ساتھ اتحاد کا اظہار جائز ہے' نہ کہ دل کے ساتھ۔ یہ اسلام کے طاقتور ہونے سے پہلے کی بات بھی ہے اور اب بھی جس شہر میں اسلام طاقتور نہ ہو' وہاں یہ حکم جاری ہے۔ (جلالین)

مطلب یہ ہے کہ ان کے شر کو اس طرح دفع کیا جائے۔ (شاہ ولی اللہ)

حسن بصری سے روایت ہے کہ ''تقیّہ روز قیامت تک جائز ہے اور اکابر علماء کے نزدیک اسی کو ترجیح دی گئی ہے۔'' (نیشاپوری)

آخر میں اللہ کا یہ فرمانا کہ ''اللہ تمہیں اپنے سے ڈراتا ہے۔'' یہ احساس پیدا کرنے کے لیے ہے کہ تقیّہ سمجھ بوجھ کر کرو۔ اس کا بے محل استعمال نہ کرو۔ ورنہ اللہ کے غضب کے مستحق بن جاؤ گے۔ (بلاغی)

اہل سنت کے علماء نے بھی اس مقام پر تقیّہ کی وضاحت فرمائی ہے: ''پس رفع ضرر کے لیے یہ قدر ضرورت ظاہری تعلقاتِ دوستانہ کی اجازت ہے۔ (ماجدی)

تقیّہ جائز نہیں مگر خوف قتل کی حالت میں یا بہت ایذا پہنچنے کی حالت میں (قرطبی)

تقیہ کا جواز:

جب اس بات کا خوف ہو کہ جان چلی جائے گی یا اعضاء کاٹ دیے جائیں گے اور یہ جمہور کا عقیدہ ہے

اور یہ آیت کے الفاظ کا تقاضا ہے (جصاص)

آیت نمبر ۲۹۔۳۰

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾

یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ۚۖ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَهَا وَبَیْنَهٗۤ اَمَدًۢا بَعِیْدًا ؕ وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

ترجمہ

آپ کہہ دیجیے کہ جو کچھ بھی تمہارے سینوں میں ہے تم چاہے اسے خدا سے چھپاؤ یا ظاہر کرو، خدا اس کو جانتا ہے۔ (اس لیے کہ) وہ تو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز پر پوری پوری قدرت بھی رکھتا ہے۔ (۲۹)

وہ دن آنے والا ہے جب ہر شخص اپنے ہر اچھے عمل کو سامنے لایا ہوا پائے گا۔ اور اسی طرح اپنے ہر بُرے عمل کو بھی۔ اس روز ہر آدمی یہ تمنا کرلے گا کہ کاش ابھی یہ دن اس سے بہت دور ہوتا (اسی لیے) اللہ تم کو اپنے آپ سے ڈراتا ہے۔① کیونکہ اللہ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ہے (تاکہ ہلاکت ابدی سے بچ جائیں)۔ (۳۰)

تفسیر

آیت نمبر ۳۰ کی وضاحت:

محققین نے لکھا کہ آخر میں خدا کا خود سے خوف دلانا بھی خدا کی مہربانی ہے، اس لیے کہ اس خوف کے بغیر انسان اپنے کو تباہی سے نہیں بچا سکتا۔ (صافی)

ا۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے سامنے اپنے عمل نامے کو لکھا ہوا سامنے پائے گا۔ یا ان اعمال کی جزا کو سامنے پائے گا۔ (روح، قرطبی، بیضادی)

عارفین نے لکھا کہ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ انسان اپنے کو وہی عمل کرتے ہوئے پائے گا۔ اکبر الہ آبادی نے کہا کہ،، یہ جو ہم ہر وقت کہتے رہتے ہیں۔ کہ وقت چلا گیا،، تو وقت جاتا کہاں ہے؟ اللہ کے ہاں چلا جاتا ہے اور وہیں جمع ہوتا رہتا ہے۔ قیامت کے دن خدا وقت کو واپسی کا حکم دے گا۔ اب جب وقت واپس آئے گا تو جو کچھ بھی وقت کے اندر ہوتا رہا ہے اس سب کو لیے ہوئے آئے گا۔ (ماجدی)

آیت نمبر ۳۱

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾

ترجمہ

(اے رسولؐ!) آپؐ لوگوں سے کہہ دیں کہ اگر تم اللہ سے (سچی) محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، تو اللہ بھی تم ① سے محبت کرنے لگے گا۔ ② اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اللہ تو بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔.....(۳۱)

تفسیر

آیت نمبر ۳۱ کی وضاحت:

حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: ''اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو۔ اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مدد گار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ (یوحنا ۱۴۔۱۶) بعض انجیلوں میں مددگار کے بجائے وکیل یا شفیع ترجمہ کیا گیا ہے اور انگریزی میں Comforter لکھا ہے جس کے معنی تسلی دینے والے کے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''مجھے اُمید ہے کہ اس اُمت میں سے جو بھی ہمارے حق کا عارف ہوگا۔ وہ ناجی ہوگا سوائے حاکم [1] ظالم کا ساتھی [2] خواہش پرست، علانیہ [3] فسق کرنے والے کے۔

نیز آپؑ نے فرمایا کہ ''اُس شخص کی اللہ سے محبت نہیں جو اُس کی نافرمانی کرے، پھر یہ اشعار پڑھے۔

تُعْصِی الْاِلٰهَ وَاَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهٗ
هٰذَا مُحَالٌ فِی الْفِعَالِ بَدِیْعٌ

تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور پھر اُس سے محبت کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔ یہ بات تو قطعاً محال ہے۔

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَاَطَعْتَهٗ
اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ

اگر تجھے سچی محبت ہوتی تو اس کی اطاعت ضرور کرتا۔ کیونکہ محب اپنے محبوب کا مطیع ہوا کرتا ہے۔

☆۔ اگر کوئی پتھر بھی ہماری محبت رکھتا ہوگا تو خدا اُس کو بھی ہمارے ساتھ محشور کرے گا کیونکہ دین تو محبت ہی کا نام ہے۔ محققین نے لکھا کہ اس آیت سے رسول خداؐ کی عصمت ثابت ہے کہ خدا اُن کے مطلق بلاشرط اتباع کا حکم دے رہا ہے۔ اگر اُن سے کسی قسم کی ذرا سی بھول چوک کا بھی امکان ہوتا تو خدا غیر مشروط اور مطلق اتباع کا حکم نہ دیتا۔ پھر یہ کہتا کہ اچھے کاموں میں پیروی کرو اور غلط کاموں میں یا بھول چوک میں پیروی نہ کرو۔ اسی کو عصمت کہتے ہیں۔ (القرآن المبین)

محبت کے جذبے کی معراج یہ ہے کہ اُس جذبے کا مرکز خدا کی ذات ہو جائے۔ یہ نتیجہ ہے خدا کو پہچاننے اور اُس کی عظمت اور نعمتوں کو جاننے کا۔ خدا کی محبت کا منطقی لازمی، عملی نتیجہ اور معیار یہ ہے کہ انسان [1] خدا کی پسندیدہ چیزوں کو پسند کرے، [2] ناپسندیدہ چیزوں کو ناپسند کرے، [3] اُس کے احکامات پر عمل کرے، اور [4]

جن چیزوں سے خدا نے روکا ہے، اُن سے رکے اور یہ تمام باتیں صرف رسولِ خداؐ کی پیروی سے حاصل ہوسکتی ہیں۔ اسی لیے ڈاکٹر اقبالؔ نے کہا: ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اُوست
اگر باُو نرسیدی تمام بولہبی است

یعنی خود کو مصطفی (کی پیروی) تک پہنچا دے کیونکہ کل دین تو وہی ہیں۔ اگر تو ان تک نہ پہنچے گا تو سب بولہبی یعنی کفر ہی کفر ہے۔

مولانا فرمان علی صاحب (اعلی اللہ مقامہ) نے خوب لکھا ''خدا نے اپنی محبت کی کسوٹی رسولؐ کی پیروی کو قرار دیا اس لیے خدا اور رسولؐ کی محبت کا دعویٰ کرنا کسی طرح بھی کافی نہیں جب تک کہ اپنی کارگزاریوں سے ثابت نہ کرے کہ وہ رسولؐ کا سچا پیرو ہے۔ اس طرح شیعہ رسولؐ اور علویؑ ہونے کا دعویٰ اُسی وقت زیبا ہے جب اپنے افعال، اعمال، رفتار، گفتار سے یہ کر دکھائے کہ جو رسولؐ اور علیؑ جس طرح کرتے تھے اُسی طرح وہ بھی کر گزرے۔ فقط نام کا شیعہ یا مومن ہونا کافی نہیں۔''

ملا محسن کاشانی نے لکھا ''کافی اور تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''دین سوا محبت کے اور کیا ہے؟ پھر امام نے اسی آیت ۳۱ کی تلاوت فرمائی۔'' (کافی و تفسیر عیاشی)

میں کہتا ہوں کہ محبت نام ہے نفس کی رغبت کا جو اُس چیز کے کمال کی وجہ سے ہو جسے اُس شخص نے محسوس کیا ہے۔ پھر اسی رغبت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ باتیں انجام دے جو محبوب سے نزدیک ہونے کا سبب بنیں۔ خدا جب بندے سے محبت کرتا ہے تو اُس سے خوش ہوتا ہے اور اُس کے دل سے حجابات کے پردے ہٹا دیتا ہے۔ اور انسان خدا سے اُس وقت محبت کرتا ہے جب اپنے علم سے اس بات کو خوب جان لیتا ہے حقیقی کمال اور حقیقی حسن خدا کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔ ہر کمال اور ہر حسن، اُس کی عطا ہے۔ بندہ جس قدر اس بات کو جانے گا اُسی قدر خدا سے محبت کرے گا۔ اور جس قدر محبت کرے گا اُسی قدر خدا کی رضا مندی حاصل کرنے کا خواہش مند ہوگا اور اُن چیزوں کی طرف راغب ہوگا جو خدا سے قریب کرنے والی ہیں، اس طرح وہ خدا کی اطاعت اور عبادت کرے گا اور یہ اطاعت اور عبادت صرف رسولؐ کی پیروی سے حاصل ہوگی۔ غرض جو اللہ کا جس قدر دوست ہوگا، اُسی قدر رسولؐ کی پیروی کرے گا۔ تاکہ اللہ بھی ''اسے بھی دوست رکھے۔ یہ اطاعت خدا کی معرفت کا نتیجہ ہوگی۔ اسی لیے امام محمد باقرؑ نے فرمایا: ''جو خدا کی معصیت کرتا ہے اُس نے خدا کو پہچانا ہی نہیں۔'' (تحف العقول)

رسولؐ کی محبت کے معنی بھی رسولؐ کی پیروی کرنا ہے۔ اور اُن کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا ہے۔ اس کے بغیر خدا کی محبت کا دعویٰ غلط ہے۔ کیونکہ رسولؐ کی پیروی ہی خدا کی محبت کا اصل محور اور مظہر ہے جسے رسولؐ کی پیروی کرنے

کا کوئی حصہ نہیں ملا، اُسے خدا اور رسولؐ کی محبت کا کوئی حصہ نہیں ملا۔ کیونکہ رسولؐ ہی خدا کی محبت کا مرکز ہیں۔ بندہ جس قدر رسولؐ کی پیروی کرے گا، اتنا ہی خدا اُس سے محبت بھی کرے گا اور اپنی توجہات بھی اُس کی طرف مبذول فرمائے گا۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''جو یہ جاننا چاہے کہ اللہ اُسے دوست رکھتا ہے تو اُسے اللہ کے احکامات پر عمل کرنا چاہیے اور (اس مقصد کے حصول کے لیے) ہماری پیروی کرنا چاہیے۔'' پھر امامؑ نے اسی آیت ۳۱ کی تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا: ''خدا کی قسم ہماری پیروی کرنا وہی چھوڑے گا جو ہمارا دشمن ہوگا۔ اور خدا کی قسم جو ہمارا دشمن ہوگا وہی خدا کا نافرمان ہوگا اور خدا اُسے منہ کے بل جہنم میں ڈال دے گا، اور وہ اسی حال میں دنیا سے اُٹھے گا۔ (تفسیر صافی)

غرض ثابت ہوا کہ خدا اور رسولؐ اور ائمہ طاہرینؑ سے محبت کا لازمی منطقی عملی نتیجہ اطاعت اور ان کی پیروی کرنا ہے۔ یہی اطاعت اور پیروی اُن کی محبت کا معیار اور ثبوت ہے۔ اس کے بغیر اُن کی محبت کا دعویٰ غیر مدلل اور لایعنی ہے۔

آیت نمبر ۳۲۔۳۳

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ

(اُن سے) کہو کہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو، ① پھر بھی اگر یہ منہ پھیریں تو خدا بھی منکرینِ حق (کافروں اور خدا و رسول کے نافرمانوں) کو پسند نہیں کرتا۔ (۳۲)

یہ حقیقت ہے کہ اللہ نے آدمؑ، نوحؑ، آلِ ابراہیمؑ اور آل عمران ② کو تمام جہانوں پر ترجیحاً منتخب کیا۔ (۳۳)

تفسیر

آیت نمبر ۳۲ کی وضاحت:

۱۔یعنی بندے کی اللہ سے محبت یہی ہے کہ شوق سے اللہ کے حکم پر دوڑے۔ (موضع القرآن)

خدا سے محبت کرنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس محبت کو ثابت کرو اور ظاہر کرو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت سے۔(مجمع البیان)

آیت نمبر ۳۳ کی وضاحت:

۲۔خاندانِ عمرانؑ میں حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ بھی ہیں جو ابن عمران تھے اور جناب عیسیٰؑ بھی ہیں جو مریمؑ بنت عمرانؑ کے فرزند تھے۔ یہ دونوں عمران الگ الگ ہیں۔ وہ عمرانؑ جو حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کے والد تھے حضرت مریمؑ کے والد سے پہلے گزرے ہیں۔(تفسیر صافی)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ یہاں عمران کا لفظ بطور علم Proper Noun نہیں۔ ورنہ اُس سے ایک ہی شخص مراد ہوتا، دونوں ایک ساتھ مراد نہ ہوتے بلکہ عمران کا لفظ مجازی کی تصرف کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔لہٰذا اب اگر کوئی تیسرا نام عمران ہو، تو اُس کی نسل بھی آلِ عمران میں آ سکتی ہے۔روایات سے ثابت ہے کہ حضرت ابو طالبؑ کا نام بھی عمران تھا۔اس لیے آلِ عمران سے حضرت علیؑ کی فضیلت بھی ثابت ہے۔اور اس کے بغیر بھی آلِ محمدؐ کی فضیلت ثابت ہے۔اس لیے کہ آلِ محمد آلِ ابراہیمؑ کی فردِ اکمل ہیں اس لیے اصطفیٰ کا مرکز ہیں۔آلِ ابراہیمؑ میں سب سے افضل محمدؐ و آلِ محمدؐ ہیں۔اسی لیے امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:''ہم آلِ ابراہیمؑ میں سے ہیں اور ہم ہی ان کی نسل طاہر کے باقی رہنے والے افراد ہیں۔

روزِ عاشورا امام حسین علیہ السلام نے بھی آلِ محمدؐ کی فضیلت اسی آیت سے ثابت فرمائی تھی۔(تفسیر صافی)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے بھی مامون رشید کے پوچھنے پر آلِ محمدؐ کی فضیلت اسی آیت سے ثابت فرمائی۔

جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جب وہ آلِ ابراہیمؑ اور آلِ عمرانؑ کا ذکر کریں تو خوش ہوتے ہیں اور جب آلِ محمدؐ کا ذکر ہو تو اُن کے دل گھٹتے ہیں اور مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے اگر کوئی شخص بروز محشر ستر (۷۰) نبیوں کے اعمال کے برابر بھی نیک اعمال پیش کرے گا تو اُس کے

اعمال مقبول نہ ہوں گے جب تک کہ میریؐ اور علیؑ ابن ابی طالبؑ کی اولاد کو پیش نہ کرے گا۔ (تفسیر انوار النجف ج ۳،ص ۲۱۸)

آیت نمبر ۳۴۔۳۵

ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۳۴ۚ
اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِىْ
مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۳۵

ترجمہ

جو ایک دوسرے کی اولاد تھے اور اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ (۳۴)

① (یاد کرو) جب عمران کی بیوی ② نے عرض کی کہ اے میرے پالنے والے! میں نے تیرے لیے نذر مانی ہے کہ یہ بچہ جو میرے پیٹ میں ہے اس کو دنیا کے کاموں سے آزاد (کر کے صرف تیرے ہی کام کے لیے وقف) کرتی ہوں۔ پس تو میری طرف سے یہ نذر قبول فرمالے۔ تو سننے والا ہے (دعاؤں کا اور) جاننے والا ہے (نیتوں کا)۔ (۳۵)

تفسیر

آیت نمبر ۳۴ کی وضاحت:

۱۔ آخر میں خدا کا یہ فرمانا کہ ''اللہ سننے والا ہے اور سب کچھ جاننے والا ہے'' اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان لوگوں کا انتخاب بلا وجہ یا اندھا دھند نہیں کیا گیا ہے، بلکہ ان افراد کے علم و عمل کی بناء پر کیا گیا ہے جس سے خدا خوب واقف ہے۔

اگر یہ انتخاب بلا وجہ ہوتا تو خدا اپنی قدرت کا حوالہ دیتا اپنے علم کا حوالہ نہ دیتا۔ (تفسیر صافی)

آیت نمبر ۳۵ کی وضاحت:

۲۔عمران کی بیوی سے مراد حضرت مریمؑ کی والدہ ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کی جدہ محترمہ تھیں۔اُن کا نام حُنہ تھا۔یہ عبرانی نام ہے۔(مستدراک حاکم جلد ۲،ص ۵۹۲)ان کی قبر دمشق میں ہے (بحر)۔

حضرت مریمؑ کی ولادت سے پہلے اُن کی والدہ کی نذر کی بابت جو بہت سی تفصیلات قدیم ترین مسیحی نوشتوں میں درج ہیں اُن کو''بزرگان کلیسا نے کاٹ دیا اور مستند اناجیل اربعہ میں اُن کو درج نہیں کیا۔''(کیتھولک ڈکشنری ص ۴۸،ڈکشنری آف دی بائیبل ج ۳،ص ۲۸۸)

آیت نمبر ۳۶

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾

ترجمہ

پھر جب اُس کے ہاں بچی پیدا ہوئی تو اُس نے کہا:اے میرے مالک! میرے ہاں تو لڑکی پیدا ہوگئی ہے۔اور اللہ تو خوب جانتا تھا کہ اُس کے ہاں کیا پیدا ہوا ہے①،اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں ہوتا۔اور میں نے تو اُس کا نام② مریم رکھا ہے اور میں اُسے اور اُس کی اولاد کو شیطان مردود(کے شر) سے بچائے رکھنے کے لیے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔(۳۶

نوٹ:(یہی دعا حضورؐ نے حضرت فاطمہؑ اور اُن کی اولاد کے لیے فرمائی تھی۔''(صواعق محرقہ)

تفسیر

آیت نمبر ۳۶ کی وضاحت:

محققین نے نتیجہ نکالا کہ بیٹی کی اولاد بھی نسل میں شامل ہے۔ کیونکہ خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو آلِ عمران فرمایا جبکہ وہ عمران کے نواسے تھے۔ اسی طرح حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد اُن کی بیٹی حضرت فاطمہؑ سے چلی اور آل محمدؐ کہلائی۔ (تفسیر صافی ۸۲)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا: ''جناب مریمؑ نہایت خوبصورت تھیں۔ جب آپ نماز کے لیے محراب عبادت میں کھڑی ہوتیں تو آپ کے چہرے سے نور چھن چھن کر تمام محراب کو نورانی کر دیتا تھا۔'' (تفسیر عیاشی)

۱۔ خدا کا یہ فرمانا کہ ''اللہ خوب جانتا تھا کہ اُس نے کیا جنا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ اس لڑکی کی عظمت سے خدا خوب واقف تھا۔ ماں غریب کیا سمجھ سکتی تھی۔ (قرطبی۔ روح)

۲۔ یہودیوں کی لغت میں مریم کے معنی عابدہ ہیں۔

آیت نمبر ۳۷

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ؕ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

ترجمہ

تو اُن کے پالنے والے نے اُس لڑکی کو بڑی خوشی سے قبول فرمالیا اور اُس کی نشوونما بہت اچھی طرح کی۔ اور زکریا کو اُس کا کفیل (سرپرست) بنا دیا۔ جب کبھی بھی زکریا اُس کے پاس محراب میں جاتے تو اُس کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے پینے کا سامان ① پاتے۔ تو پوچھتے: ''اے مریمؑ! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟'' وہ جواب دیتیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہے۔ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب ② رزق عطا فرماتا ہے.....(۳۷)

تفسیر

آیت نمبر ۳۷ کی وضاحت:

والدۂ مریمؑ حضرت حنّہ کی نذر اُن کی لڑکی کی شکل میں قبول ہوئی جو ہیکل کی خدمت کی تاریخ میں ایک عجیب بات تھی ا؎۔ بعض جدت پسندوں نے یہاں رزق سے مراد فیض علم وحکمت لیا ہے۔ مگر محققین کے نزدیک یہ تفسیر کی حدود سے تجاوز ہے۔ (بحر)

البتہ رزق پردو(۲) پیش اُن میوؤں کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے ہیں۔ یعنی وہ میوے نادر تھے (تفسیر کبیر)

☆ محراب ایسے حجرے کو کہتے ہیں جہاں سب سے الگ تھلگ ہو کر عبادت کی جائے۔ محراب مسجد کو اسی لیے محراب کہتے ہیں کہ امام نماز میں اُس میں سب سے الگ کھڑا ہوتا ہے۔ (قاموس)

غرض والدہ مریمؑ کی نذر کو خدا نے لڑکی کی شکل میں بھی قبول کر لیا جو ایک نئی بات تھی۔ (ڈکشنری آف دی بائیبل ج ۳ ص ۲۸۸)

یہ اچھا نشوونما قوائے جسمانی کے اعتبار سے بھی تھا اور قوائے روحانی کے اعتبار سے بھی۔ (قرطبی۔ روح، بیضاوی)

حضرت زکریاؑ جب بھی حضرت مریمؑ کی محراب عبادت میں جاتے تھے تو اُن کے پاس پھل رکھے ہوئے ملتے۔ اور وہ بھی بے فصل کے۔ یعنی گرمیوں میں سردیوں کے پھل ہوتے تھے اور سردیوں میں گرمیوں والے پھل۔ (جلالین)

اور ہونا بھی یہی چاہیے تھا، اس لیے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو بدنیت لوگوں کو شبہ ہوتا کہ کوئی آدمی دے گیا ہوگا۔ اب کیونکہ وہ بے فصل کے تھے تو آیت سمجھ میں آ گئی کہ ''وہ پھل اللہ کی طرف سے ہیں۔''

اکثر مفسرین نے بے حساب کو مقدار اور پیمانے والے حساب کے معنی میں لیا ہے یعنی خدا کی عطا عام اندازوں سے کہیں زیادہ ہے۔ خدا کو اپنے خزانوں میں کمی کا کوئی خوف نہیں۔ (بلاغی)

فضیلت:

(۱) حضرت مریمؑ کے والد ماجد جناب عمران کی وفات حضرت مریمؑ کے بچپنے ہی میں ہوگئی۔ اُن کی وفات کے بعد ہیکل سلیمانی کے خادموں کی سرداری حضرت زکریاؑ کو ملی۔ انہیں کو خدا نے حضرت مریم کی تربیت کا واسطہ اور ذریعہ بنایا۔ انتظامات سب خدائی تھے۔ لیکن ذریعہ بننے کی وجہ سے حضرت زکریاؑ کو فضیلت حاصل ہوئی۔ محققین نے لکھا کہ حضرت ابوطالبؑ کو خدا نے رسولِ خداؐ کی تربیت کا ذریعہ بنا کر بڑی فضیلت عطا فرمائی تھی۔

(۲) حضرت مریمؑ نبی نہ تھیں مگر اُن پر وحی کا آنا بتاتا ہے کہ غیر انبیاء پر وحی آ سکتی ہے اور یہ اولیاء کی کرامت پر دلیل ہے۔ (روح۔ بیضاوی)

آیت نمبر ۳۸

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾

ترجمہ

وہیں① (یہ دیکھ کر بے اولاد) زکریا نے اپنے رب کو پکارا: ''اے میرے پالنے والے! مجھے اپنی بارگاہ سے نیک اولاد عطا فرما۔ بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔'' (۳۸)

تفسیر

آیت نمبر ۳۸ کی وضاحت:

حضرت مریمؑ کے پاس بے فصل کے میوے دیکھ کر حضرت زکریاؑ کو خیال آیا خالق جو بے فصل کے میوے دے سکتا ہے، وہ بڑھاپے میں اولاد بھی دے سکتا ہے۔ یہ بات خدا کی قدرت سے دور نہیں۔ (جلالین)۔ (بس اُسی وقت انہوں نے پاکیزہ اولاد کے لیے دعا کی جو قبول ہوئی)

زکریاؑ جو ساری عمر اولاد سے نا اُمید تھے، اب اُمیدوار ہوئے کہ شاید وہ (بے موسم کی اولاد) مجھے بھی ملے۔ (موضح القرآن)

۱۔ محققین نے آیت کے پہلے لفظ هُنَالِكَ یعنی ''بس وہیں حضرت زکریاؑ اپنے پالنے والے مالک سے دعا کرنے لگے۔'' ان الفاظ سے ثابت کیا ہے کہ دعاء کی قبولیت میں جگہ کو بھی دخل ہوتا ہے حضرت امام حسن عسکریؒ نے فرمایا ہے: ''بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں کہ جہاں خدا پسند کرتا ہے کہ دعا کی جائے۔ امام حسینؑ کی قبر بھی اُنہیں مقامات میں سے ایک ہے۔'' (تحف العقول)

جب حضرت زکریاؑ نے یہ مشاہدہ فرمایا کہ حضرت مریمؑ کے پاس بغیر فصل کے پھل آتے ہیں تو آپ سمجھ گئے کہ یہ مقام خرقِ عادت کے صدور کا ہے۔ اس لیے وہیں دعا کرنے لگے کہ میری ضعیفی میں اولاد عطا فرما۔ (بحر)

آیت نمبر ۳۹

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ

فرشتوں نے فوراً آواز دی جبکہ ابھی وہ محراب ہی میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ ''بے شک اللہ تجھے یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے جو کلمۃ اللہ (حضرت عیسیٰؑ) کی تصدیق کرے گا۔ اور لوگوں کا سردار ہوگا۔ بڑا ضبطِ نفس① والا ہوگا، اور نبی ہوگا اور صالحین میں شمار کیا جائے گا.....(۳۹)

تفسیر

آیت نمبر ۳۹ کی وضاحت:

حضرت زکریاؑ کی بیوی کا نام ایشاع تھا جو حضرت عمران بن ماثان کی بیٹی اور حُنّہ کی بہن تھیں۔ حضرت زکریاؑ کی خواہش تھی کہ اُن کے ہاں بچہ ہو جو شرف و کرامت میں حضرت مریمؑ جیسا ہو۔ (تفسیر صافی، ص ۸۳)

ا۔ ''حَصُوْرًا'' کے معنی ایسا انسان جسے اپنی خواہشوں پر قابو حاصل ہو اور نہایت درجہ محتاط اور متقی ہو۔

نتیجہ:

محققین نے نتیجہ نکالا کہ خدا کے برگزیدہ بندے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کی بزرگی اُن کے بچپنے ہی میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ ائمہ اہل بیتؑ میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے نو (۹) سال کی عمر میں ایسے علوم ظاہر فرمائے کہ مامون رشید اور اُس کے متعلقہ تمام علماء نے اُن کے علمی کمالات کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ حضرت عیسیٰؑ نے گہوارے میں اپنی نبوت کا اعلان فرمایا۔

آیت نمبر ۴۰۔۴۱

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝۴۰

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْۤ اٰیَةً ؕ قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِیْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾

ترجمہ

(زکریا نے) کہا: میرے پروردگار! بھلا میرے ہاں لڑکا کیسے ① ہوگا؟ حالانکہ میں تو بہت ہی بوڑھا ہو چکا ہوں، اور میری بیوی تو بانجھ ہے۔ جواب ملا ایسا ہی ہوگا۔ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (زکریا نے) عرض کی: میرے مالک! تو پھر میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما دے فرمایا: نشانی یہ ہے کہ تم تین (۳) دن تک لوگوں سے اشارے کے سوا کوئی بات چیت نہ کر سکو گے، مگر اپنے رب کو بہت یاد کرنا۔ اور صبح و شام ② اُسی کی تسبیح (بھی) کرتے رہنا.....(۴۱)

تفسیر

آیت نمبر ۴۰ کی وضاحت:

۱۔ یہ سوال مضطرب دل کو سکون دینے کی کوشش ہے۔ ممکن ہے کہ یہ سمجھنا مقصود ہو کہ کیا اس بڑھاپے کے عالم میں اولاد ہو جائے گی یا ہم دونوں پھر سے جوان کر دیے جائیں گے۔ (مجمع البیان)

آیت نمبر ۴۱ کی وضاحت:

۲۔ عشاء میں زوال آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک کا سارا وقت آ گیا۔ اور ''ابکار'' میں طلوعِ فجر سے دن چڑھے تک کا وقت اس میں شامل ہے اور محاورے میں دوامِ ذکر بھی مراد ہو سکتا ہے۔ (کشاف)

آیت نمبر ۴۲

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ

پھر جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا: اے مریم! اللہ نے تجھے چنا اور پاکیزگی عطا کی، اور ساری دنیا جہان کی عورتوں پر تجھے ترجیح دے کر (اپنی خدمت کے لیے) چُن لیا۔

تفسیر

آیت نمبر ۴۲ کی وضاحت:

محققین نے اس آیت سے نتیجہ نکالا کہ [۱] ملائکہ غیر انبیاء سے بھی کلام کرتے ہیں۔ [۲] اور حضرت مریمؑ کے لیے پاکیزگی اور طہارت کا اعلان، کے معنی عصمت، طہارت، تمام گناہوں سے پاک صاف ہونا ہے۔ اور اس کا حاصل یہ ہے کہ آپؑ کو اخلاقی پاکیزگی کا ایک نمونہ کامل بنا دیا۔ (روح، تفسیر کبیر، بحر)

یہاں عالمین کی عورتیں سے مراد حضرت مریمؑ کے زمانے کی عورتیں مراد ہیں۔ حضرت فاطمہؑ تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار ہیں۔ (علل الشرائع)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''فاطمہؑ فرشتوں سے باتیں کرتی ہیں اور فرشتے اُن سے باتیں کرتے ہیں۔ مریمؑ بنت عمران کو تمام زمانے کی عورتوں پر فضیلت نہیں دی گئی۔ وہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار تھیں جبکہ فاطمہؑ ساری کی ساری عورتوں کی سردار ہیں۔'' (علل الشرائع)

محققین نے نتیجے نکالے کہ: خدا کی طرف سے رہنمائی کے لیے دو (۲) باتیں ضروری ہیں۔ (۱) خدا کا انتخاب (۲) طہارت۔ اس لیے رسولؐ کے بعد امامت و ہدایت پر وہی لوگ فائز ہوں گے جو ان دونوں صفات کے حامل ہوں گے۔

دوسرا نتیجہ یہ نکالا کہ خدا خواتین کے لیے ایک نمونۂ کامل یا مثالی کردار ضرور قرار دیا کرتا ہے۔عورتوں کو خدا بغیر کسی کامل رہنما کے نہیں چھوڑا کرتا۔ سابقین میں یہ مقام حضرت مریمؑ کو حاصل ہے اور اس اُمت میں، اور تمام عالمین میں یہ مقام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی جناب فاطمہؑ زہرا کو حاصل ہے۔اسی لیے رسول خداؐ نے جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کو جنت کی تمام عورتوں کی سردار (سیدۃ نساء الجنۃ) اور عالمین کی تمام عورتوں کی سردار (سیدۃ نساء العالمین) فرمایا اور خدا نے آیۂ تطہیر کا مرکز قرار دیا۔یعنی تمام عالم کی عورتوں میں حضرت فاطمہؑ کے مثل کوئی (عورت) نہیں۔(تفسیر مجمع البیان بقول امام محمد باقر)

حضرت مریمؑ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار تھیں۔ (تفسیر جلالین)

مریم از یک نسبتے عیسیٰ عزیز
از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز

(علامہ اقبالؒ)

یعنی حضرت مریمؑ صرف ایک حضرت عیسیٰؑ کی نسبت کی وجہ سے عزت مآب ہوئیں۔جبکہ حضرت فاطمہؑ زہرا کو تین حوالوں سے عزت وشرف حاصل ہے۔(۱)۔وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی، (۲) حضرت علیؑ مرتضیٰ کی بیوی، (۳) اور حسنینؑ کی مادر گرامی تھیں۔

''ترجیح دی مریمؑ کو اُن پر جو اُن کے زمانے میں (عورتیں) تھیں۔حضرت فاطمہؑ (کو ترجیح دی) ساری خدائی کی اگلی پچھلی عورتوں پر۔'' (تاج العلماء)

آیت نمبر ۴۳

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ

تو اے مریمؑ (اس عظیم نعمت پر شکریے میں تو) اپنے پالنے والے کی بندگی کرتی رہ، اُسی کے آگے سجدہ کرتی رہ اور خدا کے سامنے جھکنے اور رکوع① کرنے والوں کے ساتھ تو جھکی رہ.....(۴۳)

تفسیر

آیت نمبر ۴۳ کی وضاحت:

ا۔ ''رُکوع'' کے لفظ سے محققین نے نتیجہ نکالا کہ شریعت موسوی میں رکوع موجود تھا۔ اب صرف دعاء والی نماز جو عیسائی پڑھتے ہیں، بعد کی ایجاد ہے۔

خدا کا مریمؑ سے فرمانا کہ ''رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتی رہو'' تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جیسے اللہ کے مخلص بندے رکوع کرتے ہیں، اُسی طرح تم بھی رکوع کرتی رہو۔ مراد یہ نہیں کہ باہر نکل کر نمازیوں کے ساتھ صف میں شامل ہو کر باجماعت نماز پڑھو۔ (بلاغی)

آیت میں رکوع سے پہلے مسجد کا ذکر کرنے سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ کوئی ایسی نماز بھی تھی جس میں پہلے سجدہ تھا اور بعد میں رکوع تھا۔ اس لیے کہ سجدہ اور رکوع کے ذکر میں درمیان میں واؤ عطف ہے، جس میں ترتیب کے معنی نہیں ہوا کرتے۔ اس کے معنی صرف جمع کرنے یا مشترک ہونے کے ہوتے ہیں۔ (مجمع البیان)

آیت نمبر ۴۴

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ

(اے محمدؐ) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہیں وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں ① ۔ جبکہ تم تو اُس وقت وہاں موجود ہی نہ تھے، جب وہ مریمؑ کی سرپرستی کے لیے اپنے قلم (قرعہ اندازی کے لئے دریا میں) پھینک رہے تھے ② ۔ اور تم اُس وقت بھی اُن کے پاس نہ تھے جب وہ ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے۔ (۴۴)

تفسیر

آیت نمبر ۴۴ کی وضاحت:

۔ فال اشارہ غیبی کی قائم مقام تھی ۔ فال کا طریقہ یہ رائج تھا کہ نے (سرکنڈے) کے قلم جن سے تورات لکھی جاتی تھی اُن پر تورات کے کچھ کلمات لکھ کر دریا میں ڈال دیے جاتے تھے ۔ سارے قلم تو دریا کے رخ بہتے تھے لیکن جو قلم دریا کے رخ کی مخالف سمت بہتے تھے، کامیابی کی علامت قرار پاتے تھے ۔ یہی صورت یہاں ہوئی اور قرعے میں حضرت زکریاؑ کا قلم مخالف سمت بہا۔ (ماجدی)

ا ۔ اس آیت میں قرآن کے اعجازی پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے ۔ کیونکہ رسولؐ کے پاس کوئی اور ذریعہ ان حالات کے جان لینے کا نہ تھا۔ اس لیے کہ اہلِ کتاب کے علماء اپنی مذہبی معلومات کو راز بنا کر اپنے سینوں میں چھپائے رکھتے تھے اور اپنی کتابوں کی اشاعت بالکل نہ کرتے تھے تا کہ دوسرے لوگ مذہبی معلومات حاصل نہ کر سکیں اور ہمیشہ اُن کے محتاج بھی رہیں اور اندھا دھند اُن کی ہر بات مان لیں ۔ چوں چرا نہ کریں ۔ پھر اُنہوں نے اُن کتابوں کو اپنی مرضی کے مطابق نفع کے لیے بدل رکھا تھا۔ قرآن نے ان تمام معلومات کو صحیح شکل میں پیش کیا ۔ تو ظاہر ہے کہ رسول اکرمؐ نے یہ تمام باتیں خدا کی وحی ہی سے بتائیں، کیونکہ اور کوئی ذریعہ ان معلومات کو حاصل کرنے کا موجود ہی نہ تھا۔ (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۴۵

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۙ﴿۴۵﴾

ترجمہ

جب فرشتوں نے کہا: ''اے مریمؑ! اللہ تجھے اپنے ایک ''کلمہ'' (بچے) کی خوشخبری دیتا ہے۔ اُس کا نام مسیح، عیسیٰؑ ابن مریمؑ ہوگا ① وہ دنیا اور آخرت دونوں میں عزت اور مرتبہ والا اور اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہوگا②۔ (۴۵)

تفسیر

آیت نمبر ۴۵ کی وضاحت:

۱۔ آیت میں حضرت عیسیٰؑ کو جناب مریمؑ کا بیٹا فرما کر اس بات کو بتا دیا کہ وہ خدا کے بیٹے نہ تھے اور حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا کلمہ اس لیے فرمایا کہ وہ فطری اسباب اور نظام کے خلاف صرف خدا کے اشارۂ قدرت سے پیدا ہوئے تھے جسے قرآن نے لفظ ''کُنْ'' یعنی ''ہوجا'' سے تعبیر فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ''عیسیٰؑ محض خدا کی ایک بات یعنی ''کُن'' کہنے سے بنے تھے۔ (تاج العلماء)

۲۔ حضرت عیسیٰؑ کے دنیا کا اعزاز تو اس سے ظاہر ہے کہ زمین پر آج سے ۱۶۱۳ سال ۵ ماہ ۲۶ دن بمطابق جوائی سن ۲۰۱۳) مسلمان اور کروڑوں کی تعداد (۲۲۳۴۹۹۳۶۶۳ بمطابق جولائی ۲۰۱۳ء) میں عیسائی اُن کو اللہ کا سچا رسول مانتے ہیں اُن کا نام پورے احترام سے لیتے ہیں۔ وہ لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ اور قرآن کا حضرت عیسیٰؑ کو مقربین خدا میں سے ہونا بتاتا ہے کہ یہی اُن کا اصل مقام ہے اور یہ ردّ ہے اُن کے خدا کے شریک یا بیٹے ہونے کی۔

آیت نمبر 46

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾

ترجمہ

اور وہ ماں کی گود میں لوگوں سے (اُسی طرح) باتیں کرے گا (جیسے کہ) بڑی عمر میں ①۔ اور وہ نیک

آدمیوں میں سے ہوگا.....(۴۶)

تفسیر

آیت نمبر ۴۶ کی وضاحت:

محققین نے لکھا کہ حضرت عیسیٰ ؑ نے بچپنے میں تو باتیں کی تھیں مگر جوانی میں آسمان پر اٹھا لیے گئے۔اب خدا کا یہ فرمانا کہ ''بڑھاپے میں بھی باتیں کریں گے'' سے نتیجہ نکلا کہ حضرت عیسیٰؑ دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے اور حضرت امام مہدیؑ کی حمایت فرمائیں گے اور لوگوں کو اُن کی بیت کی ترغیب دیں گے۔ (تفسیر برہان)

خدا کے اس ارشاد کا کہ ''عیسیٰ ؑ گہوارے میں بھی باتیں کریں گے اور پوری عمر کو پہنچ کر بھی باتیں کریں گے'' یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں حالتوں میں یکساں کلام فرمائیں گے۔ (نیشاپوری)

یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ساری عمر ایک جیسی باتیں کریں گے۔اُن کی باتوں میں تضاد یا سطح کا فرق نہ ہوگا کیونکہ وہ ساری عمر وحیِ الٰہی سے کلام فرمائیں گے۔ (نیشاپوری)

حضرت عیسیٰؑ لوگوں سے بچپنے ہی میں باتیں کرتے تھے، سے مراد بعض مفسرین نے یہ بھی لیا کہ آپ بچپنے ہی سے لوگوں کو جوش وخروش کے ساتھ توحید کا سبق دیتے تھے لیکن زیادہ تر مفسرین نے بچپنے سے مراد گہوارے میں لیٹے ہوئے کلام کرنا لکھا ہے۔(کشاف، بیضاوی)

اور ''کھلاً'' سے مراد پختہ عمر ہے۔اس کا اطلاق ۳۰ سال سے ۵۰ سال کی عمر تک ہوتا ہے یعنی بڑھاپے اور بچپنے کے درمیان کا زمانہ۔(قرطبی۔روح)''(المنجد)''

آیت نمبر ۴۷

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۴۷

ترجمہ

(یہ سن کر) مریمؑ نے کہا: اے میرے مالک! بھلا میرے بیٹا کیسے ہوگا جب کہ مجھے تو کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ (خدا نے) فرمایا: ایسے ہی، اللہ جو چاہتا ہے (بلا اسباب اور واسطوں کے بھی) پیدا کر دیتا ہے [1]۔ وہ جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس کہتا ہے کہ ہو جا۔ اور وہ فوراً ہو جاتا ہے۔.....(۴۷)

تفسیر

آیت نمبر ۴۷ کی وضاحت:

۱۔ مطلب یہ ہے کہ اگر خدا چاہتا ہے تو بچے کو اس طرح پیدا کرتا ہے کہ وہ نطفے سے تدریجی طور پر ترقی کرتے ہوئے جنین اور پھر طفل کی شکل اختیار کرتا ہے اور اگر چاہتا ہے تو اس طرح پیدا کرتا ہے کہ بغیر نطفہ کے یکا یک جنین کی شکل میں وجود میں آ جائے۔ وہ ہر طرح کی پیدائش پر قادر ہے۔ (نیشاپوری)

یہ آیت نیچریوں کی اس کوشش کو بالکل رد کر دیتی ہے کہ وہ کھینچ تان کر یہ ثابت کرتے ہیں کہ معجزات یا خرقِ عادت کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ کائنات میں صرف اسباب فطرت ہی کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ اس سے اوپر اور کوئی قانون نہیں۔

اس قسم کی تمام آیتیں ردّ ہیں ان تمام احمق فلسفیوں کی جو حادث پر قیاس کر کے خدائے قدیم کو بھی سلسلۂ اسباب کا پابند سمجھتے ہیں۔

آیت نمبر ۴۸

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ

اور وہ (اللہ) اس (بچے) کو کتاب ① اور حکمت ② (دانائی کی گہری حقیقتوں) کی تعلیم دے گا' تورات اور انجیل کا علم سکھائے گا۔(۴۸)

تفسیر

آیت نمبر ۴۸ کی وضاحت:

۱۔ ''حکمت'' سے مراد دین کی حقیقت ہے اور دانائی کی باتیں ہیں۔
محققین نے اس سے ثابت کیا ہے کہ پیغمبر دین کی تعلیم اپنی کتاب کے علاوہ بھی لے کر آتے ہیں' جس میں تہذیب اخلاق کے رموز اور احادیث شامل ہیں۔ (روح، تفسیر کبیر)

۲۔ ''کتاب'' کے معنی قوانین الٰہی کا علم بھی ہوتا ہے۔اس آیت میں یہی مراد ہے۔اس لیے کہ کتاب کا لفظ تورات اور انجیل دونوں سے پہلے آیا ہے لیکن بعض مفسرین نے یہاں کتاب سے مراد کتب آسمانی لیے ہیں اور تورات اور انجیل کے بعد کے ذکر کو تورات اور انجیل کی اہمیت کے اظہار کے لیے قرار دیا ہے۔جس طرح مولانا فرمان علی (اعلی اللہ مقامہ) نے ترجمہ کیا ''خدا اس کو (تمام) کتب آسمانی اور عقل کی باتیں اور (خاص کر) تورات اور انجیل سکھائے گا۔''

آیت نمبر ۴۹

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ

وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ﴿۴۹﴾

ترجمہ

اور بنی اسرائیل کی طرف ① ۔اپنا رسول بنائے گا۔(وہ کہے گا) میں تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے نشان لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندے کی صورت (کا ایک پتلا) بناتا ہوں۔وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جائے گا۔اور میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں۔اور میں اللہ کے حکم سے مردے کو زندہ کر دیتا ہوں ② ۔اور تم جو کچھ کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں ذخیرہ جمع کرتے ہو وہ تک تمہیں بتلائے دیتا ہوں۔اس میں تمہارے لیے (خدا کی قدرت کی) ایک نشانی ہے۔اگر تم حق بات کو ماننے والے ہو۔(۴۹)

تفسیر

آیت نمبر ۴۹ کی وضاحت:

ا۔حضرت عیسیٰؑ کا فرمانا کہ ''میں تمہارے پاس تمہارے پالنے والے مالک کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔'' یہ بتانے کے لیے ہے کہ معجزے کا ظہور خدا ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔پیغمبر کی قدرت سے نہیں ہوتا۔یہ اور بات ہے کہ اس کا مقصد پیغمبر کی تائید کرنا ہوتا۔ اور حضرت عیسیٰؑ کا فرمانا ''اَخْلُقُ'' یعنی میں پیدا کرتا ہوں۔'' تو خَلق کی نسبت جب خدا کی جانب ہو تو اس کے معنی نیست سے ہست کرنا ہوتا ہے۔یعنی عدم سے وجود میں لانا۔مگر جب خلق کی نسبت کسی انسان کی طرف دی جائے تو اس کے معنی پیدا کی ہوئی چیزوں کو ملا کر دوسری چیزیں بنا دینا' اندازہ کرنا' اندازے سے بنانا' یا صورت بنانا ہوتا ہے۔ (تاج ' راغب ' روح ' تفسیر کبیر)

آیت نمبر ۴۹ کی وضاحت:

اور حضرت عیسٰیؑ کے لیے خدا کا یہ فرمانا کہ ''بنی اسرائیل کی طرف'' بتاتا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ صرف بنی اسرائیل کے لیے نبی تھے۔ یہ بات بائیبل سے بھی ثابت ہے اور دیگر احادیث معصومینؑ سے بھی۔

۲۔ اور حضرت عیسٰیؑ کا ہر معجزہ دکھانے پر ''باذن اللہ'' یعنی ''اللہ کی اجازت سے'' بار بار کہنا اس لیے تھا کہ شرک کی ردّ ہو جائے اور ہر شخص یہ سمجھ لے کہ مردہ یا مجسمے کو زندہ کرنا عیسٰیؑ کا کام نہیں تھا' بلکہ اللہ نے یہ کام کیا تھا جو ان کے ذریعے سے یا ان کے ہاتھ پر ظاہر کیا گیا۔ یہ ایسے سارے کام خدا کے کام ہیں انسان کے نہیں۔ (تفسیر صافی)

تمام محققین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عیسٰیؑ کے معجزات میں شفا بخشی اور مردوں کو زندہ کرنا ثابت ہے۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۱۵ صفحہ ۶۲ صفحہ ۴۴۱، صفحہ ۴۴۷۔ کالم ۲۴۴۵)

اس کے باوجود ''جیوش انسائیکلو پیڈیا'' نے لکھا: ''یسوع نے بحیثیت معلم دین یا قانون ساز کے نہیں بلکہ بحیثیت شعبدہ باز کے اپنی زندگی میں شہرت اور ناموری گلیل کے سادہ مزاج باشندوں میں حاصل کی۔'' (جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ۷ صفحہ ۱۶۷)

حضرت عیسٰیؑ جب سات آٹھ سال کے ہوئے تو لوگوں کو جو کچھ بھی کہ وہ گھروں میں کھاتے تھے یا ذخیرہ کرتے تھے اس کی خبریں دینے لگے۔ پھر ان کے سامنے مردوں کو زندہ کرتے اور مادرزاد اندھوں' کوڑھیوں کو صحت بخشتے۔ اور تورات پڑھاتے۔ پھر جب خدا نے بنی اسرائیل پر اپنی حجت تمام کرنی چاہی تو حضرت عیسٰیؑ پر انجیل نازل فرمائی۔ (تفسیر صافی صفحہ ۸۴ بحوالہ تفسیر عیاشی)

آیت نمبر ۵۰۔۵۱

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۵۰

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۵۱

ترجمہ

اور میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں، جو مجھ سے پہلے آئی ہے، اور میں اس لیے آیا ہوں کہ ان میں سے کچھ چیزوں کو حلال کردوں جو تم پر (مفتیوں وغیرہ نے) حرام کردی ہیں ①۔ اور میں تو تمہارے ربّ کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لیکر آیا ہوں، لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔(۵۰)

حقیقتاً اللہ میرا بھی پالنے والا ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے۔ لہٰذا تم اسی کی بندگی اختیار کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔②(۵۱)

تفسیر

آیت نمبر ۵۰:

۱۔ محققین نے اس آیت سے نتیجہ نکالا کہ حضرت موسیٰ ؑ کی شریعت کے کچھ احکام حضرت عیسیٰؑ کی شریعت میں منسوخ کیے گئے تھے۔ (تفسیر صافی)

آیت نمبر ۵۱:

۲۔ آیت کا پیغام یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا وہی پیغام ہے جو تمام انبیاءؑ کا پیغام ہے اور یہ عقیدہ بالکل غلط ہے کہ عیسیٰؑ خدا یا خدا کے بیٹے ہیں۔ یہ بات تو خود حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم کے خلاف ہے۔ (تفسیر مجمع البیان)

آیت نمبر ۵۲

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ

وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ

پھر جب عیسٰیؑ نے ان کی طرف سے انکار محسوس کیا تو بولے: کون اللہ کے لیے میرا مددگار بنے گا؟ ① ۔حواریوں ② ۔نے جواب دیا: ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ ③ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں۔آپ گواہ رہیے کہ ہم مسلم (اللہ کے فرمانبردار) ہیں۔

تفسیر

آیت نمبر ۵۲ کی وضاحت:

۱۔حضرت عیسٰیؑ نے اپنی قوم کو نصرت دین کے لیے پکارا۔اس سے محققین نے نتیجہ نکالا کہ اہل دین سے دین کے بارے میں مدد طلب کرنا توکل کے منافی نہیں (قرطبی، بحر بیضاوی)

۲۔حواری کے لفظی معنی کپڑا دھو کر اسے صاف اور اجلا کر دینے کے ہیں۔(راغب، قرطبی)

حضرت عیسٰیؑ کے ابتدائی مرید عموماً دریا کے کنارے کام کرنے والے مچھیرے اور دھوبی تھے۔اس لیے آپؑ کے بعد بھی آپؑ کے رفیقوں، شاگردوں اور صحابیوں کا یہ لقب پڑ گیا۔اب اس کے مجازی معنی مخلص مددگار کے ہو گئے۔(قرطبی، راغب، کشاف)

۳۔حواریوں کا یہ فرمانا کہ ''ہم ہیں اللہ کے مددگار'' اس سے محققین نے نتیجہ نکالا کہ اہل اللہ کے ساتھ معاملہ کرنا، دوستی دشمنی کرنا، ان کی مدد کرنا ایسا ہی ہے جیسے اللہ کے ساتھ معاملہ کرنا ہو، یا اللہ کے ساتھ دوستی دشمنی کرنا ہو۔حضرت امام حسینؑ کے لیے تو رسول ؐ خدا نے یہاں تک فرمایا: ''اَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ اَحَبَّ حُسَيْنًا (یعنی) خود خدا اس سے محبت کرتا ہے جو حسینؑ سے محبت رکھتا ہے۔'' (ترمذی شریف)

.....حضرت امام رضاؑ سے پوچھا گیا کہ حواریوں کو حواری کیوں کہا گیا؟ فرمایا: ''عام لوگوں کے نزدیک تو اس لیے حواری کہا گیا کہ وہ دھوبی تھے۔ان کے کپڑوں کو دھو کر ان کا میل کچیل صاف کیا کرتے تھے۔لیکن اصل میں یہ لفظ حَوَرٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی خالص سفیدی کے ہوتے ہیں۔اس لیے ہمارے نزدیک وہ اس لیے حواری

کہلائے کہ انہوں نے اپنے نفسوں کو خالص خدا کا کرلیا تھا اور اپنے وعظ و نصیحت سے دوسروں کو گناہوں کے میل کچیل سے پاک کردیا کرتے تھے۔''

حدیث میں ہے کہ ان کی تعداد بارہ (۱۲) تھی۔ (تفسیر صافی صفحہ ۸۴ بحوالہ عیوان اخبار الرضاؑ)

آیت نمبر ۵۳

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

ترجمہ

اے ہمارے پالنے والے !① جو کچھ بھی تو نے نازل فرمایا ہے ہم نے اسے مان لیا اور ہم نے (تیرے) رسولؐ کی پیروی اختیار کر لی ۔تو اب ہمارا نام بھی گواہی دینے والوں میں لکھ لے② ۔(۵۳)

تفسیر

آیت نمبر ۴۳ کی وضاحت:

۱۔ مسیحؑ کے صحابی ابھی تو مسیحؑ سے بات کر رہے ہیں اور یکا یک براہ راست خدا سے دعاء کرنے لگے۔ قرآن مجید اکثر ایسے موقعوں پر ایسا ہی کرتا ہے کہ بندوں کو بار بار خدا کی طرف پھیر پھیر دیتا ہے۔ یہ ہے توحید کا اہتمام۔

۲۔ اور گواہوں سے مراد حق کے گواہ ہونا ہے۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا: ''تم لوگ تمام لوگوں پر گواہ ہو اور رسولؐ تم پر گواہ ہوں'' (بقرہ ۱۴۳) ظاہر ہے کہ ان سے مراد امّتِ محمدؐیہ کے وہ بلند مرتبہ نفوس یعنی ائمّہ طاہرینؑ ہیں جن کے ساتھ ہونا ہر دور کے مومنین اور مخلصین کے لیے باعث فخر ہو۔ (نیشاپوری، فصل الخطاب)

آیت نمبر ۵۴

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾

ترجمہ

مگرانہوں (بنی اسرائیل) نے خفیہ چالیں چلنی شروع کر دیں' تو اللہ نے بھی اپنی خفیہ تدبیر کی' اور اللہ سب خُفیہ مدّبروں سے کہیں بہتر ہے۔ (۵۴)

تفسیر

آیت نمبر ۵۴ کی وضاحت:

یہودی سرداروں نے بالآخر یہ طے کرلیا کہ حضرت عیسیٰؑ کو ختم ہی کر دینا چاہیے۔ لہٰذا پہلے اپنی مذہبی عدالت میں ان پر الحاد کا الزام لگا کر ان کو واجب القتل قرار دیا۔ ہر آمر ملاّ اور سردار کا ہمیشہ یہی حربہ ہوا کرتا ہے۔ پھر رومی حاکموں کی ملکی عدالت میں لا کر ان پر بغاوت کا مقدمہ چلایا۔ یہ معرکہ ملک شام کے صوبے فلسطین میں پیش آیا۔ یہاں شہنشاہ روم کی طرف سے ایک نائب السلطنت رہتا تھا۔ رومی مشرک اور بت پرست تھے۔ یہودیوں کو اتنا اختیار تھا کہ اپنے لوگوں کے مقدمات اپنے مذہبی عدالتوں میں لائیں۔ لیکن سزا دلوانے کے لیے انہیں ان مجرموں کو ملکی عدالت میں لانا پڑتا تھا۔ الحاد کا فتویٰ تو مذہبی عدالت دے سکتی تھی لیکن موت کی سزا صرف رومی عدالت دے سکتی تھی۔ وہاں بغاوت کے جرم میں رومی حکومت سولی پر چڑھاتی تھی۔ مگر خدا نے ان کی ساری چالبازیاں اور قانونی حربے بیکار کر دیے۔ حضرت عیسیٰؑ کو سولی کی موت سے بچا لیا۔

عربی زبان میں ایک قاعدہ مشاکلت کا ہوتا ہے۔ یعنی کسی فعل کی سزا یا جواب اسی لفظ سے دیا جاتا ہے۔ اس طرح لفظ مکر استعمال کرنے میں کوئی عیب نہیں ہوتا۔

لفظ ''مکر'' کو خدا نے پہلے کافروں کے لیے استعمال فرمایا' پھر اپنے لیے بھی استعمال فرمایا۔ اس کو علم بلاغت میں صفت مشاکلہ کہتے ہیں۔ جب خدا مکر کو اپنے لیے استعمال فرماتا ہے تو اس کے معنی مکر کی سزا دینا ہوتا ہے۔

یوں بے دھڑک مکر کا لفظ اللہ کے ساتھ آنا، ہم اردو بولنے والوں کے لیے تو نامناسب معلوم ہوتا ہے، لیکن ماہرین نے لکھا کہ عربی میں مکر کے لفظ میں کوئی برا پہلو سرے سے ہوتا ہی نہیں۔ عربی میں مکر کے معنی دشمن کے مقابلے میں ایسی باریک صورت سے اقدام کرنا ہوتا ہے جسے دشمن سمجھ نہ سکے۔ اس لیے اس لفظ کو خدا کے لیے عربی میں استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی لیے قرآن نے یہ لفظ خدا کے لیے استعمال فرمایا ہے۔ مثلاً فرمایا: ''کیا وہ اپنے خلاف خدا کی خفیہ کارروائی (مکر) سے مطمئن ہیں۔ تو اللہ کی خفیہ کارروائی (مکر) سے مطمئن نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔'' (الاعراف ۹۹)

نیز فرمایا: ''اللہ بہترین مکر کرنے والا ہے' (یعنی) بہترین خفیہ کارروائی کرنے والا ہے۔'' (آل عمران۔ ۵۴) انفال۔ ۳۰)

اس کے علاوہ حضرت امام رضا علیہ السّلام نے فرمایا کہ ''خدا کے ''مکر'' کرنے کے ''معنی'' مکر کی سزا دینا بھی ہے۔

اور علاوہ ازیں مکروا مکر اللہ کے یہ معنیٰ بھی لکھے گئے ہیں کہ: ''ان کے مکر و تدبیر سے مراد ایذا رسانی کے درپے ہونا اور اللہ کے مکر و تدبیر سے مراد ہے حضرت عیسیٰؑ کو بچا لینا اور آسمان پر اٹھا لینا۔ (تفسیر انوار النجف جلد ۳ صفحہ ۱۴۲)

آیت نمبر ۵۵

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۵۵

ترجمہ

جب اللہ نے کہا: اے عیسیٰؑ! بیشک (اب) میں تجھے پورا اٹھا لوں گا۔ اور تجھے اپنی طرف اٹھا لوں گا① اور جنھوں نے تیرا انکار کیا ہے (ان کے شر سے) تجھے پاک رکھوں گا۔② اور تیری پیروی

کرنے والوں کو قیامت تک ان پر غالب رکھوں گا جو تیرے منکر ہیں پھر تم سب کو (بالآخر) میرے ہی پاس آنا ہے۔ اس وقت میں ان باتوں کا فیصلہ کر دوں گا جس میں تم ایک دوسرے سے جھگڑتے رہتے تھے۔ (۵۵)

تفسیر

آیت نمبر ۵۵ کی وضاحت:

۱۔ قادیانی حضرات نے لفظ ''مُتَوَفِّیْكَ سے حضرت عیسیٰ ؑ کی موت کو ثابت کر دیا، اور اسی دلیل پر شیخ مرزا غلام احمد صاحب نے اپنے کو مسیح ثابت فرمایا ہے۔ حالانکہ عربی میں یہ لفظ فقط موت کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ عربی میں کسی لفظ کے حقیقی معنی معلوم کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ اُس لفظ کے مادے اور ثلاثی مجرد کو دیکھا جائے۔ لفظ ''تُوَفّٰی'' کے معنی وفا کرنا، حقِ اُخوت کو ادا کرنا، پورا کرنا، وعدہ وفا کرنا ہے۔ اسی سے وفات ہے کہ جس کے لیے معنی مدت حیات کا پورا کرنا ہے۔ اس لیے اس لفظ کے یہاں معنی پورا کرنا اور درجہ اتمام کو پہنچانا ہے۔ نیز اس کے اصلی معنی قبضہ کر لینے کے بھی ہیں۔ قرآن میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں مثلاً:.....

(۱)۔ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ (سورۂ دہر) یعنی وہ لوگ جو اپنی نذروں کو پورا کرتے ہیں۔ (۲) اَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ (سورہ البقرۃ) یعنی، (اے میرے بندو!) تم میرے عہد پورے کرو، میں تمہارے ساتھ کئے ہوئے اپنے وعدوں کو پورا کروں گا۔ (۳)۔ وَاِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰٓی۔ (سورہ نجم) یعنی وہ ابراہیمؑ جس نے اپنے وعدے کو پورا کیا۔ (۴)۔ نُوَفِّ اِلَیْهِمْ اَعْمَالَهُمْ (سورہ ھود) ہم اُن کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے۔ (۵)۔ وَتُوَفّٰی كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ (سورہ نحل)۔ یعنی، اور ہر ایک نفس کو اُس کے اعمال کا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ (۶)۔ بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ (آل عمران) یعنی ہاں وہ شخص جس نے اپنے وعدے کو پورا کیا۔ (۷)۔ ''وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ'' (سورہ انعام) وہ (خدا) جو رات کو تم کو پورا پورا لے لیتا ہے۔ ان تمام آیات میں اس لفظ کے کہیں بھی موت کے معنی ہو ہی نہیں سکتے۔ اس لیے اس آیت (۵۵) میں بھی حضرت عیسیٰؑ کو پورا پورا اٹھا لینا مقصود ہے۔ اُن کی موت ثابت نہیں ہوتی۔ (القرآن المبین)

۲۔ خدا کا یہ فرمانا کہ ''اے عیسیٰ ؑ! تمہیں ان کافروں سے پاک کرتا ہوں'' یعنی یہ کافر تمہارے ساتھ رہنے کے لائق نہیں کیونکہ ان کا تمہارے ساتھ رہنا تمہارے لیے نجاست ہے اور تمہاری شان اس سے بالاتر ہے کہ تم

ان میں رہو اس لیے تمہیں زندہ اپنی طرف اٹھائے لیتا ہوں۔ (مجمع البیان۔ فصل الخطاب)

اسی طرح خدا نے امام مہدیؑ کو غیبت کا پردہ ڈال کر اُمت کے ظالموں سے الگ کر دیا کیونکہ رسول خداؐ نے فرمایا ''جو کچھ بھی بنی اسرائیل میں ہوا وہ اس اُمت میں بھی ضرور ہوگا۔'' (صحاح ستہ)

امام رازی نے لکھا کہ قرآن میں یہ محاورہ عام ہے کہ جہاں تعظیم مقصود ہوتی ہے وہاں خدا فعل کو اپنی جانب منسوب فرما دیا کرتا ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ ''میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں۔'' حالانکہ ظاہر ہے کہ ابراہیمؑ عراق سے شام گئے تھے۔ خدا کا مقصد ابراہیمؑ کی ہجرت کی عظمت کو بتانا تھا۔ (تفسیر کبیر)

حضرت عیسیٰؑ کی جب پیدائش ہی عام انسانی قاعدے سے الگ یعنی بغیر باپ کے ہوئی تھی تو آپؑ کا انجام بھی عام معمول سے الگ ہٹ کر ہی ہونا چاہیے تھا۔ اور کیا عجب کہ ملک کے مس ہونے کی وجہ سے آپؑ کے جسم میں ایسی لطافت شروع ہی سے رہی ہو کہ جس کی وجہ سے آپؑ آسمانوں پر آسانی سے بلند ہو گئے۔ اور یہ دلیل بالکل بے کار ہے کہ رفعِ آسمانی سے آپؑ دوسرے انبیاء سے افضل ہو گئے۔ نہ معلوم روزانہ کتنے فرشتے زمین سے آسمان پر جاتے ہیں۔ تو کیا یہ سب فرشتے انبیاءؑ سے افضل ہیں؟

بروایت تفسیر قمی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے بارہ (۱۲) حواریوں کو بلایا اور ایک کمرے میں لے جا کر فرمایا کہ خدا مجھے یہودیوں کے شر سے بچا کر اپنی طرف اُٹھانے والا ہے پس تم میں سے کون ہے جو میری جگہ قتل اور پھانسی کی سزا کو قبول کرے اور وہ میرے درجے میں میرا شریک۔ پس ایک جوان نے لبیک کہی۔ یہی جوان اُن کی شبیہ ہو گیا جس کو سولی دی گئی۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی شبیہ اس شخص پر ڈالی گئی جو یہودیوں کو حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کرنے کے لیے لایا تھا۔ (ملخص)

آیت نمبر ۵۶۔۵۷

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾

ترجمہ

تو جن لوگوں نے (تیرا) انکار کیا ہے، انہیں دنیا اور آخرت میں سخت سزا دوں گا۔ اور اُن کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔① (۵۶)

اور جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے اچھے کام بھی کیے تو اُنہیں اُن کے پورے پورے اجر دیے جائیں گے۔ اور اللہ② ظالموں (حد سے بڑھ جانے والوں) سے محبت نہیں کرتا۔ (۵۷)

تفسیر

آیت نمبر ۵۶ کی وضاحت:

۱۔ یہودی دنیا میں بھی ہمیشہ بڑی بڑی سختیوں میں مبتلا رہے ہیں اور آخرت میں بھی حضرت عیسیٰؑ کا انکار اُن کے لیے سخت عذاب کا سبب ہوگا۔ (مجمع البیان)

یہودیوں کی دنیوی سزا کا حال تو دنیا کی تاریخ میں دیکھ لیجئے۔ جرمنی، اٹلی، ہنگری، رومانیہ وغیرہ سے جس بے دردی کے ساتھ یہ لوگ نکالے گئے وہ خونیں داستانیں تو ابھی بالکل تازہ ہیں۔ اور آخرت کی سزا کا ظہور آخرت میں ہوگا۔ (ماجدی)

آیت نمبر ۵۷ کی وضاحت:

۲۔ محققین نے نتیجہ نکالا کہ اللہ عادل ہے۔ اُس کے افعال میں ظلم کا کوئی شائبہ ممکن نہیں۔ کیونکہ وہ ظالموں کو پسند ہی نہیں کرتا۔ (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۵۸۔۵۹

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ

ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾

ترجمہ

یہ جو ہم تم کو سنا رہے ہیں (اللہ کی قدرت اور آپؐ کی صداقت کی) نشانیاں ہیں، اور دانائی سے لبریز تذکرے ہیں۔(۵۸)

بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثال آدمؑ کی سی ہے۔اُس (اللہ) نے آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا اُس کے ہونے کے لیے کہ ہوجا اور وہ (بغیر ماں باپ کے پیدا) ہوگیا۔② (۵۹)

تفسیر

آیت نمبر ۵۸ کی وضاحت:

۱۔''الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾'' کا لفظ عام طور پر 'حکمت' سے مشتق مانا جاتا ہے۔مگر بعض مترجمین اور مفسرین نے اسے محکم یعنی مضبوط اور مستحکم کے معنی میں بھی لیا ہے (جلالین، شاہ ولی اللہ، تاج العلما)

لیکن بعض مفسرین نے دونوں معنی لیے ہیں۔(تفسیر صافی، مجمع البیان) بعض نے حاکم بھی لیے ہیں۔(نیشاپوری)

آیت نمبر ۵۹ کی وضاحت:

۲۔عیسائیوں کو خدا کا جواب یہ ہے کہ آدمؑ کو بشر تو تم خود بھی مانتے ہو جبکہ اُن کی پیدائش تو سب سے زیادہ عجیب ہے، یعنی ماں باپ دونوں میں سے کسی کا واسطہ استعمال نہ ہوا۔اس سے ثابت ہوا کہ مخلوق ہونے کا دارومدار کسی خاص طرزِ ظہور پر نہیں۔مطلق حدوث پر ہے۔یہی معاملہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا تھا۔ (مترجم ومفسر)

حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں یہودی اور عیسائی دونوں شبہ میں پڑے ہوئے تھے۔یہودی تو بے ہودہ باتیں کرتے تھے اور عیسائی اُنہیں خدا کا بیٹا سمجھتے تھے۔خدا نے ایک ہی مثال دے کر دونوں کی تشفی کردی۔یہودیوں کو تو یہ جواب دیا کہ جب خدا آدمؑ کو بغیر ماں باپ کے پیدا کرسکتا ہے تو عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے کیوں پیدا نہیں کرسکتا۔اور عیسائیوں کو یہ جواب دیا گیا کہ اگر عیسیٰؑ صرف اس لیے خدا کے بیٹے ہیں کہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، تو آدمؑ تو زیادہ مستحق ہیں کہ خدا

کے بیٹے کہلائیں، اس لیے کہ وہ تو بغیر ماں اور بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ (مولانا فرمان علی۔ علامہ بلاغی درآلاء الرحمن)

آیت نمبر ۶۰

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝۶۰

ترجمہ

سچ وہی ہے جو تیرا رب بیان کر رہا ہے۔ سو تم کہیں شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا ① ۔ (۶۰)

تفسیر

آیت نمبر ۶۰ کی وضاحت:

ا۔ اکابر مفسرین نے تفصیل سے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ قرآن مجید میں کہیں تو رسول خداؐ ہی سے خطاب ہوتا ہے اور کہیں اصل مخاطب تو اُمت ہوتی ہے لیکن رسولؐ کو تخاطب کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ ان دونوں صورتوں کا فرق مفسر کے ذوق پر منحصر ہے۔ یہاں پر بھی خطاب اُمت سے ہے کیونکہ رسولؐ سے تو اس بات کا کوئی امکان ہی نہ تھا کہ وہ شک فرمائیں گے۔ (قرطبی)

آیت نمبر ۶۱

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى

الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾

ترجمہ

اب اس علم کے آ جانے کے بعد بھی کوئی آپؐ سے اس بات میں بحث مباحثہ یا جھگڑا کرے، تو آپؐ اُس سے کہیں کہ اچھا آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ۔ ہم اپنی عورتوں کو بلائیں، تم اپنی عورتوں کو بلاؤ، ہم اپنی جانوں (نفسوں) کو بلائیں اور تم اپنی جانوں کو بلاؤ۔ اس کے بعد ہم سب خدا سے التجا کریں کہ جو جھوٹا ہو اُس پر خدا کی لعنت ہو۔ (٦١)

تفسیر

واقعہ مباہلہ

آیت نمبر ٦١ کی وضاحت:

۹ھ ہجری میں نجران کے عیسائیوں کے ۱۱۴ بڑے علماء اور راہب رسول اسلامؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ موضوع بحث حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت تھا۔ رسول اکرمؐ نے بہترین دلیل دی کہ حضرت عیسیٰؑ کی مثال حضرت آدمؑ کی سی ہے۔ اگر حضرت عیسیٰؑ صرف اس لیے خدا کے بیٹے ہیں کہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، تو حضرت آدمؑ تو بغیر ماں اور بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اتنی واضح دلیل پر بھی وہ نہ مانے تو کہا گیا کہ اب جبکہ زبانی افہام وتفہیم کے سارے طریقے طے ہو چکے تو اب مباہلہ کرلو۔ اصل میں عیسائی راہبوں کو اپنی روحانی طاقتوں پر بڑا ناز تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ رسولؐ جو شادیاں کرتا ہے، صاحبِ اولاد ہے، حکومت کا انتظام کرتا ہے، روحانی طاقتوں سے بے بہرہ ہے۔ خدا نے اُن کے اسی تکبر پر ضرب ماری اور مباہلہ کی دعوت دے دی۔ مباہلہ میں ہر فریق اپنے کو اللہ کے سپرد کر دیا کرتا ہے اور خدا کے فیصلے کا انتظار کرتا ہے۔ حضور اکرمؐ، حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو لے کر مباہلے کے لیے نکلے تو راہبوں نے اپنی رہبانی نگاہوں سے کچھ حقیقت کا مشاہدہ کیا تو کہنے لگے کہ خبردار! ان حضرات سے مباہلہ نہ کرنا۔ ہم ایسے چہرے دیکھ رہے ہیں کہ اگر یہ پہاڑوں کو حکم دیں تو اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔ سارے عیسائیوں نے

ذمی رعایا بن کر اسلامی حکومت میں رہنا منظور کر لیا۔ سر ولیم میور نے لکھا: ''اس سارے واقعے میں (حضرت) محمدؐ کے ایمان کی پختگی بالکل نمایاں ہے۔ اُن کے اس عقیدے کی شہادت کہ اُن کا تعلق عالم غیب سے جڑا ہوا ہے، اس لیے حق اُن کے ساتھ ہے جبکہ مسیحیوں کے پاس بجز ظن وتخمین کے اور کچھ نہ تھا۔ (میور کی لائف آف محمدؐ، ص ۲۶۰)

غرض یہ آیت آیۂ مباہلہ کہلاتی ہے۔ تمام مفسرین نے بالاتفاق لکھا کہ نجران کے عیسائی آئے۔ تین روز تک رسولؐ سے بحث کرتے رہے بات نہ مانی اور ضد پر اڑے رہے۔ دلیل کے اعتبار سے مکمل طور پر مغلوب ہوئے۔ اُن کو اپنی روحانیت پر غرور تھا۔ اس لیے خدا نے مباہلے کی دعوت دی۔ یعنی اس بات کا مقابلہ کہ ایک دوسرے کے لیے بدعا کی جائے۔ حضور اکرمؐ مباہلے کے لیے اس حالت میں مدینے سے میدان مباہلہ میں تشریف لائے کہ امام حسینؑ آپؐ کی گود میں تھے۔ امام حسنؑ انگلی پکڑے چل رہے تھے، پیچھے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا تھیں اور آخر میں حضرت علیؑ تھے۔ یہ صورت حال دیکھتے ہی عیسائی پادریوں نے عیسائیوں سے کہا کہ ان لوگوں سے ہرگز مباہلہ نہ کرنا ہم ایسے چہرے دیکھ رہے ہیں کہ یہ پہاڑوں کو حکم دیں تو وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔ انہوں نے جزیہ دینا قبول کیا اور درخواست کی کہ حضور! بددعا نہ فرمائیں، ہم آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ (تمام مفسرین خصوصاً کبیر امام رازی)

محققین نے نتیجہ نکالا (۱) امام حسنؑ اور امام حسینؑ ابنائے رسولؐ ہیں کہ رسول خداؐ ''اَبْنَآءَنَا'' کے تحت اُن کو لے گئے (۲) حضرت فاطمہؑ کو نِسَآءَنَا کے تحت لے گئے (۳) حضرت علیؑ نفسِ رسولؐ ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَنْفُسَنَا کے تحت صرف حضرت علیؑ کو لے گئے۔ (۴) دعا انہیں حضرات کا واسطہ دینے سے قبول ہوتی ہے۔ (۵) یہی پنجتنؑ پاک اسلامی تعلیمات کا کامل ترین نمونہ ہیں۔ اسی لیے خدا کے حکم پر رسولؐ صرف انہیں کو مباہلے کے لیے لے گئے۔ (۶) علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ ہی حقیقی معنی میں صادقین یا صدیقین ہیں۔ اس لیے کہ خدا نے جھوٹوں پر لعنت کے لیے انہیں کو منتخب فرمایا۔ ان حضرات کی صداقت قرآن سے ثابت ہے۔ اس لیے یہی حضرات اس بات کے اہل ہیں کہ ان سے دین کو سیکھا جائے اور احادیث رسولؐ کو ان ہی سے اخذ کیا جائے۔ کیونکہ صدیقین ہونے کی حیثیت سے یہی حضرات رسول خداؐ کے بعد سب سے افضل ہیں۔ اور مثالی کردار کے حامل ہیں۔

ایک مرتبہ مامون رشید نے حضرت امام علی رضاؑ سے عرض کی کہ آپ اپنی فضیلت قرآن سے بیان فرمائیں لیکن ''اَبْنَآءَنَا'' سے استدلال نہ فرمائیں۔ حضرت امامؑ نے فرمایا: ہمارے لیے خدا کا ''اَنْفُسَنَا'' فرما دینا ہی ہماری فضیلت کے لیے بہت کافی ہے اس لیے کہ ہم کو خدا نے نفسِ رسولؐ قرار دیا ہے۔

علامہ نیشاپوری نے لکھا ''یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ حسنؑ و حسینؑ جو رسولؐ کی بیٹی کے فرزند تھے، انہیں فرزند رسولؐ کہنا درست ہے۔ کیونکہ رسولؐ ''اَبْنَآءَنَا'' کے تحت ان لوگوں کو لے کر گئے تھے۔ (نیشاپوری)

آیت نمبر ۶۲ ۔ ۶۳

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾

ترجمہ

یقیناً یہ بالکل حقیقی اور سچے واقعات ہیں۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اور بے شک اللہ زبردست ① حکمت والا ہے۔ (۶۲)

سو اگر یہ لوگ اب بھی منہ موڑیں تو اللہ ایسے خرابی اور فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ ② (۶۳)

تفسیر

آیت نمبر ۶۲ کی وضاحت:

۱۔ آخر میں خدا نے خود کو ''عزیز'' یعنی ''زبردست'' طاقتور اور ''حکیم'' یعنی ہر کام ٹھیک کرنے والا فرمایا ہے۔ محققین نے نتیجہ نکالا کہ اس میں شرک کی نفی بھی موجود ہے اس لیے کہ شریک کی ضرورت یا تو قوت کی کمی کی وجہ سے ہوتی ہے، یا علم کی کمی کی وجہ سے کیونکہ نہ تو اللہ کی طاقت میں کوئی نقص ہے اور نہ علم میں کوئی کمی ہے، اس لیے اُس کو اپنا شریک بنانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ (تفسیر صافی)

آیت نمبر ۶۳ کی وضاحت:

۲۔ محققین نے نتیجہ نکالا کہ شرک بہت بڑا فساد اور خرابی ہے کیونکہ اس سے انسانی ارتقاء کو بڑا دھچکا لگتا ہے

۔ذہنیت کی پستی کے ساتھ ہر قسم کی عملی پستی پیدا ہوتی ہے اور بالآخر انسانیت ذلیل ہو کر تباہ ہو جاتی ہے۔(تفسیر صافی)

آیت نمبر ۶۴

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ

آپؐ کہیے کہ اے اہل کتاب! ایسی بات ہی کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔ وہ یہ کہ ہم سب اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کریں، اُس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا ''مالک'' اور پروردگار نہ بنائے ① ۔اب اگر اس بات سے بھی وہ منہ موڑیں تو پھر تم لوگ کہہ دو: اب تم گواہ رہنا کہ ہم تو مسلم (خدا کے حکم کے تابع فرمان) ہیں۔(۶۴)

تفسیر

آیت نمبر ۶۴ کی وضاحت:

ا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے شریعت میں حلال اور حرام مقرر کرنے کا ان ملاؤں کو ٹھیکیدار سمجھ لیا ہے۔حدیث میں آیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عدی بن حاتم نے رسول خداؐ سے پوچھا: ہم جب عیسائی تھے تو اُن ملاؤں کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا: کیا ایسا نہ تھا کہ وہ تمہارے لیے حلال و حرام مقرر کرتے تھے اور تم اُن کے قول پر (اندھا دھند) عمل کرتے تھے؟'' انہوں (عدی) نے کہا: ہاں۔رسول خداؐ نے فرمایا: ''بس

یہی وہ ہے جسے قرآن نے اس طرح فرمایا ہے۔''

ہمارے مجتہدین قرآن وحدیث کی روشنی میں حلال وحرام کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اپنی طرف سے کچھ مقرر نہیں کرتے۔ (مترجم ومفسر)

آیت نمبر ۶۵۔۶۶

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

ترجمہ

اے اہل کتاب! تم ابراہیمؑ کے بارے میں (ہم سے) کیوں جھگڑتے ہو؟ تورات اور انجیل تو اُن کے بعد اُتری ہیں۔ پھر آخر تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟ (۶۵)①

تم لوگ تو وہی ہو جو ان باتوں پر خوب خوب بحثیں کر چکے ہو جن کا تم کچھ نہ کچھ علم تو رکھتے تھے۔ تو اب ان معاملات پر کیوں بحثیں کر رہے ہو، جن کا تمہیں کچھ علم ہی نہیں ہے اور اللہ جانتا ہے، لیکن تم نہیں جانتے۔ (۶۶)

تفسیر

آیت نمبر ۶۵ کی وضاحت:

①۔ یہودی کہتے تھے کہ ابراہیمؑ یہودی تھے اور عیسائی کہتے تھے ابراہیمؑ عیسائی تھے، قرآن نے فرمایا کہ

توراۃ اور انجیل تو ابراہیمؑ کے بعد آئی ہیں۔ ابراہیمؑ توحید کے قائل تھے جو اسلام کا جوہر ہے اس لئے انہیں بس مسلم کہنا چاہیے۔ یہودی یا عیسائی کہنا بے معنی بات ہے۔ نیز یہ کہ اسلام نزولِ قرآن سے وابستہ نہیں ہے۔ یہ بات خود قرآن نے بار بار بتائی ہے۔ قرآن سارے پچھلے انبیاءؑ کی تصدیق کرتا ہے اور بار بار یہ بتاتا ہے کہ وہ دینِ توحید کے علمبردار تھے اور حضرت ابراہیمؑ کو مسلم کہنا اصولِ دین کے اعتبار سے ہے، احکام شریعت کے اعتبار سے نہیں۔

آیت نمبر ۶۷۔۶۸

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾

ترجمہ

ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی تھے، بلکہ وہ تو ایک نِرے کھرے خالص ''مسلم'' (خدا کے فرمانبردار) تھے۔ اور وہ ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھے۔ ① (۶۷)

بے شک ابراہیمؑ سے نسبت رکھنے والے اور اُن سے قریب ترین لوگ وہ ہیں جنہوں نے اُن کی پیروی کی، اور وہ یہ نبیؐ اور ان کے ماننے والے ہیں ②۔ اور اللہ ایمانداروں کا سرپرست اور مددگار ہے۔ (۶۸)

تفسیر

آیت نمبر ۶۷ کی وضاحت:

① محققین نے لکھا کہ آخر میں خدا کا یہ فرمانا کہ ''وہ مشرکین میں سے نہ تھے'' اس طرف اشارہ ہے کہ شرک

کی جو باتیں یہودیت اور نصرانیت میں بڑھا دی گئی ہیں، وہ انبیاء کی تعلیمات نہیں ہیں اس لیے کہ وہ تمام انبیاء توحید کے علمبردار تھے۔ (مجمع البیان)

آیت نمبر ۶۸ کی وضاحت:

۲۔ محققین نے نتیجہ نکالا کہ حضرت ابراہیمؑ سے لے کر (حضرت) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جتنے لوگ حضرت ابراہیمؑ کے پیروکار رہے ہیں وہ سب ملت حنیفیہ پر تھے۔ وہ سب موحّدین اور صالحین تھے۔ (بلاغی)

جن کے افراد اکمل ہمارے رسولؐ کے آباؤ اجداد تھے۔ اور اب وہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کی تعلیمات کے ورثہ دار ہیں جو (حضرت) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار ہیں۔ (مجمع البیان)

آیت نمبر ۶۹۔۷۰

وَدَّتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

ترجمہ

اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی تو یہ آرزو ہے کہ تم کو کسی نہ کسی طرح سیدھے راستے سے ہٹا دے۔ حالانکہ وہ اپنے سوا کسی کو بھی گمراہ نہیں کرتے، مگر اُن کو اس بات کی سمجھ نہیں۔ (۶۹)

اے اہل کتاب! آخر تم کیوں خدا کی آیتوں کا انکار کرتے ہو، حالانکہ تم خود اُن کا مشاہدہ کر رہے ہو۔ (۷۰)

تفسیر

آیت نمبر ۶۹ کی وضاحت:

اہل کتاب کا ایک گروہ جو مسلمانوں کو بہکانے کی کوشش کرتا ہے، اس سے مسلمانوں کا کچھ نہیں بگڑتا البتہ وہ خود دنیا میں ناکامی اور آخرت میں عذاب کے مستحق بن جاتے ہیں۔ غرض نقصان اُنہیں کا ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۷۰ کی وضاحت:

یہودی و نصرانی علماء خوب جانتے تھے کہ (حضرت) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے سچے رسول ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی کتابوں میں اُن کا حال پڑھ چکے تھے۔ اس معنی کے لحاظ سے یہاں خدا کی آیتوں سے مراد خود اُن کی کتابوں کی آیتیں ہیں۔ آیات الٰہی کے دوسرے معنی اگر قرآنی آیات کے لیے جائیں تو بھی درست ہوگا۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تمہارا دل خود گواہی دے رہا ہے کہ قرآنی آیات سابقہ کتابوں کی آیات کے مطابق ہیں، مگر پھر بھی تم اپنے مادی مفادات اور ضد کی وجہ سے انکار کر رہے ہیں۔ (مجمع البیان)

آیت نمبر ۷۱۔۷۲

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾

ترجمہ

اے اہل کتاب! تم لوگ حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملا جلا کر مشکوک بنا دیتے ہو اور (کیوں) جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہو۔(۷۱)

اور اہل کتاب کا ایک گروہ کہتا ہے کہ اس نبیؐ کے ماننے والوں پر جو کچھ بھی نازل ہوا ہے، اُس پر صبح کو تو ایمان لے آؤ اور شام کو اس کا انکار کر دو۔ شاید اس ترکیب سے مسلمان اپنے ایمان سے پھر جائیں۔(۷۲)

تفسیر

آیت نمبر ۷۱ کی وضاحت:

امیر المؤمنین حضرت علیؑ نے فرمایا: ''اگر باطل حق کے ساتھ نہ ملایا جاتا تو حق ڈھونڈنے والوں سے حق چھپا نہ رہتا، اگر حق باطل کی ملاوٹ سے خالی نہ ہوتا تو اعتراض کرنے والوں کی زبانیں بالکل ہی بند ہو جاتیں۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ ایک مٹھی حق کی لی جاتی ہے اور ایک مٹھی باطل کی لی جاتی ہے اور پھر دونوں کو ملا دیا جاتا ہے۔ اس طرح شیطان کو (دھوکا دینے کا) موقع مل جاتا ہے اور وہ اپنے دوستوں پر غالب آ جاتا ہے۔ (نہج البلاغہ)

آیت نمبر ۷۲ کی وضاحت:

رسول خداؐ جب مدینہ تشریف لائے تو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ لوگوں کو یہ اچھا معلوم ہوا۔ لیکن جب اللہ نے آنحضرتؐ کا رخ کعبہ کی طرف موڑ دیا تو یہودی بہت رنجیدہ ہوئے اور کہنے لگے کہ حضورؐ نے صبح کی نماز تو ہمارے قبلے کی طرف پڑھی تھی اور ظہر کی نماز کعبے کی طرف پڑھی، اس لیے صبح کو جو نازل ہوا، اُس کو مانو اور شام کو جو نازل ہوا اس کو نہ مانو۔ (تفسیر صافی ص ۸۲، بحوالہ تفسیر قمی)

آیت نمبر ۷۳

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۷۳

ترجمہ

اور اپنے دین والے کے سوا کسی کی بات نہ مانو۔ تو آپ کہہ دیجیے کہ اصل ہدایت تو بس اللہ کی ہدایت ہے، یہ کہ کسی کو وہی کچھ دے دیا جائے جو تم کو دیا گیا تھا (یا) یہ کہ دوسروں کو تمہارے رب کے سامنے پیش کرنے کے لیے کوئی قوی دلیل (کیوں) مل گئی۔ آپؐ کہیے کہ شرف اور فضیلت دینا تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہے عطا فرمائے۔ وہ تو وسیع بخششوں والا اور ہر بات کو جاننے والا ہے۔ (۷۳)

تفسیر

آیت نمبر ۷۳ کی وضاحت:

ان آیات کو مشکل مقامات میں شمار کیا گیا ہے۔ (غرائب القرآن)

اس کی آسان اور واضح تشریح یوں کی جاسکتی ہے کہ ''اہل کتاب کے چالاک لوگ اپنے ساتھیوں سے یہ کہتے تھے کہ تم پہلے جا کر مسلمانوں کی جماعت میں مسلمان بننے کا اعلان کردو۔ کچھ دن اُن کے ساتھ رہ کر اپنی عقلمندی کی دھاک بٹھاؤ، پھر قرآنی آیات اور احادیث رسولؐ پر شکوک وشبہات اور اعتراضات کرنا شروع کرو۔ پھر آہستہ آہستہ اُن کا انکار کرنا شروع کردو۔ اس طرح سادہ قسم کے مسلمان شک میں پڑ جائیں گے۔ اور تمہارے ساتھ ہو کر اسلام سے برگشتہ

ہوجائیں گے۔ یہ مطلب ہے اس آیت کا کہ ”دن کے ابتدائی حصے میں ایمان لے آؤ اور آخری حصے میں کافر ہوجاؤ، شاید کہ وہ پلٹ آئیں۔“ آخر میں خدا نے جواب دیا کہ ہدایت دینا خدا کی طرف سے ہوتا ہے یعنی جو واقعی ہدایت پر ہیں وہ ان مکاریوں کی وجہ سے حق سے نہیں پھرتے۔ (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۷۴ تا ۷۶

يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾
وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۚ
وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ
عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ
سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ بَلٰى
مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾

ترجمہ

وہ اپنی رحمت کے لیے جس کو بھی چاہتا ہے مخصوص کر لیتا ہے اور خدا بڑا ہی فضل والا ہے۔ (۷۴)
اور اہل کتاب میں کوئی تو ایسا بھی ہے کہ اگر تم اُس کے پاس مال و دولت کا ایک بڑا ڈھیر بھی امانتاً رکھ دو، تو بھی وہ تمہارا مال تمہیں واپس کر دے گا۔ اور کسی کا حال یہ ہے کہ اگر ایک دینار بھی اُس کے پاس امانتاً رکھ دو تو وہ تمہیں واپس نہ کرے گا۔ سوا اس کے کہ تم برابر اُس کے سر پر (تقاضے کے لئے) کھڑے رہو۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اُمیوں کے معاملے میں ہماری کوئی ذمہ داری ہی نہیں ہے۔ اور یہ بات وہ محض جھوٹ گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں ① حالانکہ اُن کو معلوم ہے

(کہ اللہ نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی)۔(۷۵)

ہاں جو شخص بھی اپنے عہد کو پورا کرے گا، اور برائیوں سے بچے گا، تو بے شک اللہ برائیوں سے بچنے والوں (اور فرائض الٰہیہ کے ادا کرنے والوں) سے محبت رکھتا ہے۔(۷۶)

تفسیر

آیت نمبر ۷۵ کی وضاحت:

۱۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا: ''دشمنانِ خدا (یہودیوں) نے جھوٹ بولا ہے۔ جاہلیت کے زمانے کی کوئی رسم ایسی نہ تھی جسے میں نے مٹا نہ دیا ہو۔ سوا امانت کے وہ نیک آدمی کی ہو یا بُرے آدمی کی، وہ ضرور ادا کی جائے گی۔ (تفسیر صافی ۸۶ و تفسیر مجمع البیان)

آیت نمبر ۷۶ کی وضاحت:

اہل کتاب میں کچھ ایسے بدکردار لوگ ہیں جو امانت داری کا کوئی خیال نہیں رکھتے، غیر مذاہب کے لوگوں کا مال کھا جانا تو حلال سمجھتے ہیں۔ (جلالین)

قرآن کا مطلب یہ ہے کہ جو بات بھی اصول شرافتِ انسانیت کے خلاف ہو، وہ ہر جماعت کے ساتھ غلط ہے۔ مسلمانوں کو ہرگز یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ کافروں کے مقابلے پر ہماری کوئی اخلاقی ذمہ داری نہیں۔ امانت اور دیانت کا معاملہ ہر انسان کے ساتھ لازمی ہے، خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔

رسول خداؐ نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا: ''جو بات بھی زمانۂ جاہلیت کی تھی وہ میرے قدموں کے نیچے پامال ہے سوا امانتداری کے۔ اس فریضے کو نیک اور بد، ہر آدمی کے مقابلے پر انجام دینا ضروری ہے۔ (مجمع البیان)

حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے پوچھا کہ ہمیں دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کی بکریاں جنگل میں مل جاتی ہیں، کیا ہم اُن کو کھا سکتے ہیں؟

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ''یہ تو ویسا ہی ہوا جیسے کافر کہتے تھے'' ہم پر غیر اہل کتاب کا مال کھا لینے میں کوئی الزام نہیں۔''

(مطلب یہ ہے کہ یہ کافرانہ ذہنیت ہے)۔ (غرائب القرآن، علامہ نیشاپوری)

آیت نمبر ۷۷

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓىِٕكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۷﴾

ترجمہ

رہے وہ لوگ جو اللہ سے کیے ہوئے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی ① سی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں، تو اُن کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ خدا قیامت کے دن اُن سے بات تک نہ کرے گا، اور نہ اُن کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا ②۔ اور نہ اُن کو (اُن کی برائیوں سے) پاک ③ کرے گا۔ بلکہ اُن کے لیے تو سخت دردناک سزا ہے۔ (۷۷)

تفسیر

آیت نمبر ۷۷ کی وضاحت:

۱۔ ''تھوڑی سی قیمت سے مراد، دنیا کا مال ہے خواہ کتنا زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ وہ آخرت کے نفع کے مقابلے میں بالکل حقیر ہے اور خاص طور پر جبکہ وہ ناجائز طریقوں، رشوت وغیرہ سے حاصل کیا جائے تو اس سے بڑھ کر کوئی چیز حقیر نہیں ہو سکتی۔ (تفسیر صافی، ص ۸۶)

۲۔ خدا کا فرمانا کہ ''قیامت کے دن خدا اُن کو نہیں دیکھے گا'' کا مطلب یہ ہے کہ انہیں خدا سے کوئی نعمت، کوئی خیر و خوبی نہ پہنچے گی۔ عرب محاورے میں ''نہ دیکھنے'' کے معنی یہی ہوتے ہیں (تفسیر صافی، ص ۸۶ بحوالہ کتاب التوحید)

''اللہ کے ساتھ عہد و پیمان کرنے کے'' معنی اللہ اور رسولؐ کو ماننا اور اُن کی مدد کرنے کا وعدہ کرنا ہے۔

۳۔اور خدا کا ''اُن کو پاک نہ کرنے'' کے معنی یہ ہیں کہ خدا اُن کو بری الذمہ نہ کرے گا۔مثلاً خدا نے فرمایا: ''کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے کو بری سمجھتے ہیں۔ بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے بری الذمہ قرار دیتا ہے۔'' (نساء ۔۴۹) (تفسیر صافی وفصل الخطاب)(جلالین۔مجمع البیان)

آیت نمبر ۷۸

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

ترجمہ

اور اُن لوگوں میں سے کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ وہ ① کتاب خدا کو زبان ② مروڑ کر پڑھتے ہیں تا کہ تم یہی سمجھو کہ وہ جو کچھ پڑھ رہے ہیں، وہ کتاب خدا میں نہیں ہے۔مگر وہ یہی کہتے ہیں کہ جو کچھ ہم پڑھ رہے ہیں وہ (سب) اللہ ہی کی طرف سے ہے۔حالانکہ وہ خدا کی طرف سے نہیں ③۔وہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ گڑھتے ہیں۔(۷۸)

(بقول اقبالؒ)

'خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

تفسیر

آیت نمبر ۷۸ کی وضاحت:

۱۔ کتاب سے مراد تورات ہے۔ اور زبان ۲۔ کو مروڑنے کا مطلب، اصل کتاب کے الفاظ کو بدل کر یا ہٹا کر اپنی طرف سے فقرے پڑھنے لگتے ہیں۔ (جلالین)

یہ آیت تورات میں اور دوسری کتب مقدسہ میں لفظی تحریف کرنے کی دلیل ہے۔ اس لیے محققین کے نزدیک سابقہ کتابوں کو اصل کتاب کے مطابق ماننا ضروری ہے، نہ وہ جو اہل کتاب نے تورات وغیرہ کے نام کی چیز رائج کر رکھی ہے۔ (فصل الخطاب)

عظیم سنی ۳۔ فقیہ اور مفسر ابوبکر رازی نے اس آیت سے نتیجہ نکالا کہ ''گناہوں کی نسبت اللہ کے فعل کی جانب دینا درست نہیں۔ (فیھا دلالۃ علیٰ ان المعاصی لیست من عند اللہ ولا من فعلہٖ) (جصاص)

آیت نمبر ۷۹

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾

ترجمہ

کسی انسان سے بھی یہ نہیں ہوسکتا کہ خدا تو اُسے کتاب، حکمت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے یہ کہتا پھرے کہ خدا کو چھوڑ کر تم میرے بندے بن جاؤ ① ۔ وہ تو یہی کہے گا کہ تم بالکل اللہ والے

بن جاؤ۔ کیونکہ تم تو ہمیشہ اللہ کی کتاب کو پڑھتے بھی ہو اور پڑھاتے بھی ہو (۷۹)

تفسیر

آیت نمبر ۷۹ کی وضاحت:

آیت میں خطاب عیسائیوں سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس تعلیم کے لیے آسمانی کتاب موجود ہے، پھر بھی تم ایسی گمراہیوں میں مبتلا ہو۔

☆۔ ''ربانی'' سے مراد وہ شخص ہے جو علم و عمل میں کامل ہو اور خدا سے نسبت خاص رکھتا ہو۔ (صافی، ص ۸۷)

ا۔ حضرت امام رضاؑ سے روایت ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: ''جو کچھ میرا مرتبہ ہے اُس سے مجھے نہ بڑھاؤ، اس لیے کہ اللہ نے مجھے نبی بنانے سے پہلے اپنا عبد'' قرار دیا تھا۔'' پھر آپؐ نے یہی آیت تلاوت فرمائی..... حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ''میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے۔ جس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ ایک وہ دوست جو میرا رتبہ حد سے زیادہ بڑھائیں گے۔ دوسرے وہ دشمن جو میرا رُتبہ گھٹانے پر آمادہ ہوں گے۔ ہم ان دونوں قسم کے لوگوں سے خدا کے سامنے اسی طرح اپنی برأت (علیحدگی) ظاہر کریں گے جس طرح حضرت عیسیٰؑ نصاریٰ سے اپنی برأت ظاہر فرمائیں گے۔''

آیت نمبر ۸۰

وَلَا يَأْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۠ ﴿۸۰﴾

ترجمہ

وہ تم سے کبھی یہ نہ کہے گا کہ فرشتوں اور نبیوں کو اپنا خدا بنالو۔ بھلا یہ کبھی ہوسکتا ہے کہ (خدا کا نبی) تم کو کفر کا حکم دے؟ جب کہ تم مسلمان ہو چکے ہو۔ (۸۰)

تفسیر

آیت نمبر ۸۰ کی وضاحت:

یہ آیت اُن لوگوں کے لیے تنبیہ ہے جو اہل کتاب ہو کر شرک میں مبتلا ہیں۔ انہیں سمجھایا جا رہا ہے کہ سچے رسولؐ بھلا ایسی مہمل تعلیم دے سکتے ہیں کہ فرشتوں یا رسولوں کو خدا یا خدا کا بیٹا بنالو۔ وہ رسول اللہ کے بھیجے ہوئے تھے اس لیے وہ لوگ صرف اللہ کی بندگی کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ یہی اسلام ہے۔ (جلالین)

آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ کچھ لوگ رسول خداؐ کے پاس آئے اور کہنے لگے، کیا ہم آپؐ کو اپنا معبود بنالیں؟ رسول خداؐ نے فرمایا: ''خدا کی پناہ، ہم بھلا اپنی عبادت کے لیے کہہ سکتے ہیں؟'' اس پر یہ آیت اُتری۔ (مجمع البیان)

انسان کے ساتھ جو بشر ہونے کے حوالے سے نقائص وابستہ ہیں وہ اس کو کبھی خدائی کا درجہ نہیں دے سکتے۔ نیز یہ کہ عام آدمی تو ممکن ہے کہ خدائی کا دعویٰ کر بیٹھے مگر جس انسان کو خدا نے چن کر نبی بنایا ہو، وہ کبھی خدائی کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اس لیے کہ وہ معصوم ہوتا ہے۔ انجیل میں اگر کہیں عیسیٰؑ کی زبانی خدائی کا دعویٰ مل بھی جائے تو یہ قول اُن کا ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ ممکن ہی نہیں کہ وہ ایسا فرمائیں۔ اُن سے اس قسم کے لغو دعوے کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ (غرائب القرآن وفصل الخطاب)

آیت نمبر ۸۱

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ

الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

ترجمہ

اور یاد کرو جب اللہ نے (تمام) پیغمبروں سے یہ عہد لیا تھا کہ ''یہ جو کچھ ہم نے (آج) تمہیں کتاب و حکمت سے نوازا ہے کل اگر کوئی دوسرا رسول تمہارے پاس انہی (تعلیمات) کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمہارے پاس موجود ہیں، تو تم ضرور اُس پر ایمان لانا اور اُس کی ضرور مدد کرنا'' پھر ① (اللہ نے) پوچھا: ''کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو؟ اور اس بات کی بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو؟'' وہ بولے ''ہم اقرار کرتے ہیں'' (اللہ نے) فرمایا: ''اچھا تو اب گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں (۸۱)

تفسیر

آیت نمبر ۸۱ کی وضاحت:

۱۔ امیر المومنین حضرت علیؑ نے فرمایا: ''خدا نے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ اُس سے عہد لیا کہ محمدؐ پر ایمان لانا اور اپنی اُمت کو اُن پر ایمان لانے کا حکم دینا۔ اپنی اُمتوں سے کہنا کہ جب وہ آئیں تو اُن کی تصدیق کریں اور اُن پر ایمان لائیں۔'' (تفسیر صافی، ص ۸۷، تفسیر عیاشی، تفسیر مجمع البیان، تفسیر قمی)

ایسی بہت سی احادیث مفسرین نے نقل فرمائی ہیں۔

لَتُؤْمِنُنَّ سے مراد حضرت رسالت مآبؐ پر ایمان لائیں گے۔ لَتَنْصُرُنَّهٗ سے مراد حضرت امیر المومنینؑ کی مدد رجعت میں کریں گے۔ (بحار الانوار ج ۵۳) بروایت امام محمد باقرؑ۔

آیت نمبر ۸۲۔ ۸۳

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ

اب اس کے بعد جو کوئی بھی اپنے عہد سے پھر جائے گا، تو وہ لوگ نافرمان (فاسق) ہیں۔(۸۲)
تو کیا یہ لوگ اللہ کے دین (اسلام) کو چھوڑ کر کسی اور طریقے کو تلاش کر رہے ہیں؟ حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں چار و ناچار (خوشی سے یا ناخوشی سے) اللہ ہی کی تابع فرمان (مسلم) ہیں اور اُسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے(۸۳)

تفسیر

آیت نمبر ۸۳ کی وضاحت:

۱۔اسلام کے معنی قانونِ الٰہی کے سامنے سر جھکا دینا ہے۔ (تفسیر صافی)

یہی ساری کائنات کا مذہب ہے۔اس لیے اس سے انحراف پوری کائنات کے دین سے منہ کو موڑ لینا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ انسان کے علاوہ تمام دوسری چیزیں تسخیری طور پر خدا کی اطاعت کر رہی ہیں مگر انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی عقل و اختیار کو کام میں لا کر خدا کی اطاعت کے لیے خدا کے قانون کے سامنے سر جھکا دے تا کہ اُس کا شرف اور فضیلت ثابت ہو اور وہ خدا کے عظیم اجر کا مستحق بن جائے۔(فصل الخطاب)

آیت مجیدہ کی تاویل حضرت قائم آل محمدؑ کے زمانے سے کی گئی ہے اُس وقت کائنات دنیا میں اسلام ہی اسلام ہوگا کفر کا نام و نشان تک نہ ہوگا۔(بحوالہ تفسیر انوار النجف، ص ۲۷۰)

آیت نمبر ۸۴ تا ۸۶

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى
وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ
مِّنْهُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾
وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي
الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾
كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ
الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾
اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ
وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾

ترجمہ

آپ کہہ دیجیے کہ ہم تو اللہ کو اور اُس کی تعلیم کو مانتے ہیں جو ہم پر اُتاری گئی ہے اور اُن تعلیمات کو بھی مانتے ہیں جو ابراہیم و اسمٰعیلؑ و اسحاق و یعقوب اور اولادِ یعقوب پر نازل کی گئی ہیں اور اُن ہدایات کو بھی مانتے ہیں جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے پیغمبروں کو اُن کے رب کی طرف سے دی گئی تھیں۔ ہم اُن کے درمیان کوئی فرق ہی نہیں کرتے اور ہم تو اُس (اللہ کے فرمانبردار (مسلم) ہیں۔ (۸۴)

اور جو کوئی بھی خدا کی فرمانبرداری اور بندگی (اسلام) کے سوا کوئی اور طریقہ زندگی تلاش کرے گا، تو اُس کا

وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوگا۔(۸۵) اللہ اُن لوگوں کو کیسے ہدایت دے جنہوں نے ایمان پا لینے کے بعد کفر اختیار کر لیا۔ حالانکہ وہ خود اس بات کی گواہی دے چکے ہیں کہ بے شک یہ رسول (محمدؐ) سچا ہے اور اُن کے پاس روشن نشانیاں بھی آ چکی ہیں۔(اس لیے) خدا ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا①۔(۸۶) اُن کی سزا یہی ہے کہ اُن پر اللہ، تمام فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ا؎ (اور پھٹکار) ہو۔(۸۷)

تفسیر

آیت نمبر ۸۷ کی وضاحت:

ا؎۔ یہ خدا کی قدرت کی کمی یا مجبوری کا اظہار نہیں بلکہ حکمت کا یہی تقاضا ہے کہ ہدایت کا سامان ہو جانے کے بعد بھی لوگ حق سے اختیاراً منحرف ہو جائیں اُن کے ساتھ یہی ہو سکتا ہے کہ خدا انہیں مورِدِ لعنت قرار دے کر انہیں اُن کے جرم کے مطابق سزا دے۔ (فصل الخطاب)

ہدایت کے دوسرے معنی خدا کی خاص توفیقات کے ہیں۔ تو خدا ایسے منکروں کو اپنی خاص توفیقات کیوں عطا کرے جو اُس کے مستحق نہیں ہیں۔ انہوں نے تو خود اپنے آپ کو اپنی ضد کی وجہ سے دینِ حق سے نکال لیا ہے اور اس طرح خدا کی خاص توفیقات سے محروم ہو گئے۔ (بلاغی)

آیت نمبر ۸۸۔۸۹

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۙ﴿۸۸﴾

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۭ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾

ترجمہ

اسی حالت میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اُن کی سزا میں نہ تو کوئی کمی کی جائے گی اور نہ اُنہیں کوئی مہلت دی جائے گی۔ (۸۸)

سوا اُن لوگوں کے جو ایسا کرنے کے بعد توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیں (کیونکہ) حقیقتاً خدا بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔① (۸۹)

تفسیر

آیت نمبر ۸۵ کی وضاحت:

ا۔ سچی توبہ کے بعد اُن کا معاف ہونا لازمی ہے اس لیے کہ اللہ کی رحمت کی شان ہی یہ ہے کہ وہ سچے دل سے توبہ کرنے والوں کو معاف فرما دے۔ (بلاغی) .....خدا کی صفت ''غفر'' کا تقاضا ہے کہ اُن کی پچھلی خطاؤں کو معاف کر دے اور اُس کی صفت ''رحیمیت'' کا تقاضا ہے کہ اُن پر مزید کرم فرمائے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''انصار میں سے ایک شخص نے جس کا نام حارث بن صوید تھا ایک شخص کو بلوا کر قتل کیا۔ پھر بھاگ کر مرتد ہو کر مشرکین مکہ کی پناہ میں رہا۔ پھر شرمندہ ہو کر رسول خداؐ سے کہلوا بھیجا کہ میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئیں۔ جب اُس نے یہ آیتیں سنیں تو کہا کہ ''میں خوب جانتا ہوں کہ تو سچا اور رسولؐ خدا تجھ سے زیادہ سچے ہیں اور خدا سب سے زیادہ سچا ہے''۔ پھر وہ مدینے لوٹ آیا اور تائب ہوا اور پھر اُس کا اسلام بہت اچھا اسلام ثابت ہوا۔ (تفسیر صافی، ص ۸۷، بحوالہ تفسیر مجمع البیان)

آیت نمبر ۹۰

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾

ترجمہ

مگر جو لوگ ایمان لانے کے بعد کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے، اُن کی توبہ بھی قبول نہ ہوگی۔ اور ① ایسے ہی لوگ تو پکے گمراہ ہیں۔② (۹۰)

تفسیر

آیت نمبر ۹۰ کی وضاحت:

۱۔ کیونکہ آیت اہل کتاب سے متعلق ہے اس لیے مطلب یہ ہوا کہ تم نے کیونکہ موسیٰؑ کو مانا، اس لیے مومن ہوئے۔ مگر کیونکہ عیسیٰؑ کو نہ مانا، اس لیے کافر ہو گئے اور اب محمدؐ کا انکار کر کے اور زیادہ کافر ہو گئے۔ (تفسیر صافی)

ایسوں کی توبہ قبول نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ سچے دل سے توبہ کریں گے ہی نہیں۔ (مجمع البیان)

۲۔ مطلب یہ بھی ہے کہ پڑے تو کفر میں رہیں گے، حق کا انکار پر انکار کرتے رہیں گے اور چاہیں گے کہ اُن کو اُن کے اچھے کاموں کا صلہ بھی مل جائے جبکہ بغیر ایمان اور صحیح اعتقاد کے اُن کے کاملوں پر اعمال صالحہ یا حسنات کا اطلاق ہی نہیں ہوتا، جس سے کسی اجر کی توقع رکھی جا سکے۔ یہ لوگ انتہائی درجے کے گمراہ ہیں، جبکہ سارے کے سارے کافر ہی گمراہ ہوتے ہیں۔ (تفسیر کبیر)

آیت نمبر ۹۱

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۹۱﴾

ترجمہ

یقین جانو کہ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا، اور کفر ہی کی حالت میں وہ مر گئے ①، اُن میں کوئی بھی اگر (اپنے آپ کو خدا کی سزا سے بچانے کے لیے) زمین بھر سونا ② بھی فدیے میں دے دے تو بھی اُسے قبول نہ کیا جائے گا۔ ایسے لوگوں کے لیے دردناک سزا ہوگی اور اُن کے لیے کوئی مددگار بھی نہ ہوگا۔ (۹۱)

تفسیر

آیت نمبر ۹۱ کی وضاحت:

۱۔ کفر کی حالت میں مر گئے'' یعنی مرتے دم تک کافر رہے۔ (تاج العلماً)

۲۔ یہاں سونے سے سونا ہی مراد نہیں، بلکہ زیادہ سے زیادہ قیمتی چیز کا فدیہ دینا مراد ہے۔ (تفسیر کبیر)

آیت کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ کوئی شخص اگر یہ چاہے کہ کافر رہ کر پوری زمین کے برابر روپیہ نیک کاموں میں خرچ کر دے اور اُس کے بدلے قیامت میں نجات حاصل کر لے تو اُس کی نجات کا کوئی امکان نہیں۔ (ابن کثیر)

اسی طرح رسول اکرمؐ پر ایمان لانے کے بعد اُن کے وصیؑ برحق امامؑ عصر حجتِ خدا کے منکرین کا کیا بنے گا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تیسرا پارہ اختتام کو پہنچا (۲۵، ذیعقدہ ۱۴۱۳ھ، ۱۷ مئی ۱۹۹۳ء)



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لَنۡ تَنَالُوا

تفسیرِ مُبین

خلاصۃُ التفاسیر

پارہ نمبر (۴)

مختلف مکاتبِ فکر، قدیم وجدید، اہم تفاسیر کا خلاصہ
اور آسان اُردو ترجمہ

از

ڈاکٹر محمد حسن رضوی

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب۔۔۔

فہرست مضامین

عنوانات	نمبر شمار
سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرَانَ	14
آیت نمبر ۹۲	14
ترجمہ	14
تفسیر	14
آیت نمبر ۹۳۔ ۹۴	15
ترجمہ	16
تفسیر	16
آیت نمبر ۹۵۔۹۶	16
ترجمہ	17
تفسیر	17
آیت نمبر ۹۷	18
ترجمہ	18
تفسیر	18
آیت نمبر ۹۸۔۹۹	19
ترجمہ	19
تفسیر	20
آیت نمبر ۱۰۰۔۱۰۱	20
ترجمہ	20
تفسیر	21
آیت نمبر ۱۰۲	21
ترجمہ	22
تفسیر	22
آیت نمبر ۱۰۳	22
ترجمہ	23
تفسیر	23
آیت نمبر ۱۰۴	24
ترجمہ	24
تفسیر	24
آیت نمبر ۱۰۵	25
ترجمہ	25
تفسیر	26
آیت نمبر ۱۰۶	26
ترجمہ	27
تفسیر	27
آیت نمبر ۱۰۷	27
ترجمہ	27
تفسیر	28
آیت نمبر ۱۰۸۔۱۰۹	29
ترجمہ	29
تفسیر	30
آیت نمبر ۱۱۰	30
ترجمہ	30
تفسیر	31
آیت نمبر ۱۱۱۔ ۱۱۲	31
ترجمہ	32
تفسیر	32
آیت نمبر ۱۱۳۔ ۱۱۴	33

ترجمہ	33
تفسیر	33
آیت نمبر ۱۱۵۔۱۱۶	34
ترجمہ	34
تفسیر	34
آیت نمبر ۱۱۷	35
ترجمہ	35
تفسیر	35
نمائشی وریاکاری کی خیرات کا نتیجہ خود اپنے اوپر ظلم کرنا ہے	35
آیت نمبر ۱۱۸	36
ترجمہ	36
تفسیر	37
اغیار کو اپنا جگر راز دار دوست نہ بناؤ ایمان والوں کو اللہ کی ہدایت:	37
آیت نمبر ۱۱۹	37
ترجمہ	37
تفسیر	38
مدینے کے منافقوں کا حال	38
آیت نمبر ۱۲۰	38
ترجمہ	38
تفسیر	39
اہل کتاب کی منفی سوچ اور پست ذہنیت	39
آیت نمبر ۱۲۱۔۱۲۲	39
ترجمہ	39
تفسیر	40
جنگ احد میں مسلمانوں کی حالت اور حضرت علیؑ کی شجاعت پر جبریلؑ کی قصیدہ خوانی	40
لافتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار	40
آیت نمبر ۱۲۳۔۱۲۴	41
ترجمہ	41
تفسیر	41
جنگ بدر اور نصرتِ خدا پر مختصر تبصرہ	41
آیت نمبر ۱۲۵۔۱۲۶	42
ترجمہ	42
تفسیر	43
جنگ بدر میں مدد کرنے والے فرشتوں کی خصوصیت	43
نصرت وفتح کی وجہ	43
بخاری شریف کی حدیث علی کے ہاتھ پر فتح	43
آیت نمبر ۱۲۷۔۱۲۸	43
ترجمہ	44
تفسیر	44
آیت نمبر ۱۲۹	44
ترجمہ	45
تفسیر	45
خدا جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے وہ مقتدر ہے	45
آیت نمبر ۱۳۰	45
ترجمہ	45

تفسیر	46
''دوگنا چوگنا'' سے مراد	46
آیت نمبر ۱۳۱ تا ۱۳۳	46
ترجمہ	46
تفسیر	47
جہنم کی آگ منکروں کے لیے بھڑکائی گئی ہے	47
جنت کی وسعت اور مغفرت کا ذکر	47
آیت نمبر ۱۳۴	47
ترجمہ	47
تفسیر	48
سودخوری کے نقائص	48
متقین کے اوصاف حمیدہ اور ان کی مدح	48
غصے کو پی کر معاف کرنے والوں کی مدح	48
آرنلڈ اور دیگر مستشرقین نے لکھا	49
معاف کرنے والوں کا مرتبہ کاظمین سے بلند ہے	49
احسان کرنے والوں کا مرتبہ دونوں سے بلند ہے	49
آیت نمبر ۱۳۵	50
ترجمہ	50
تفسیر	50
شانِ نزول آیت، کفن چور کا قصہ	50
صحیح استغفار	50
نتیجہ	51
آیت نمبر ۱۳۶	51
ترجمہ	51
تفسیر	51
اللہ جل جلالہ کی نظر میں توبہ قابل انعام عمل ہے:	51
آیت نمبر ۱۳۶:	51
آیت نمبر ۱۳۷۔۱۳۸	52
ترجمہ	52
تفسیر	52
مقصد سیاحت عبرت حاصل کرنا	52
آیت نمبر ۱۳۸:	53
آیت نمبر ۱۳۹	53
ترجمہ	53
تفسیر	53
فتح و کامرانی بالآخر مومنوں کو نصیب ہوگی	53
آیت نمبر ۱۴۰	54
ترجمہ	54
تفسیر	54
اللہ تعالیٰ مومنوں کی ہمت افزائی فرما رہا ہے	54
آیت کا مفہوم	55
اس آیت سے برآمد شدہ نتائج	55
آیت نمبر ۱۴۱۔۱۴۲	55
ترجمہ	56
تفسیر	56

اللہ لوگوں کو ان کے اعمال سے جانچنا چاہتا ہے تا کہ انعام کا مستحق نکھر کر سامنے آجائے	56
آیت نمبر ۱۴۳	56
ترجمہ	57
تفسیر	57
شہدائے بدر کے مدارج سے آگاہ ہونے پر مومنوں نے شہادت کی تمنا ظاہر کی	57
آیت نمبر ۱۴۴	57
ترجمہ	58
تفسیر	58
اللہ کے سوا سب کو موت کا ذائقہ چکھنا پڑے گا	58
حضرت امام باقر علیہ السلام نے موت کے بارے میں فرمایا	58
شیطان کی غلط افواہ پر اکثر صحابہ کا حال	59
آیت نمبر ۱۴۵	59
ترجمہ	59
تفسیر	60
اللہ تعالیٰ نے حضرت علی علیہ السلام کا شکریہ جنگ احد کے موقع پر دو بار ادا کیا	60
اس آیت میں دو پیغام ہیں	60
آیت نمبر ۱۴۶	60
ترجمہ	61
تفسیر	61
انبیاء کے اصحاب کے اوصافِ حمیدہ کا ذکر	61
آیت نمبر ۱۴۷۔۱۴۸	61
ترجمہ	62
تفسیر	62
اس آیت میں دعاء استغفار اور اللہ سے مدد کا ذکر کیا گیا ہے	62
آیت نمبر ۱۴۹۔۱۵۰	62
ترجمہ	63
تفسیر	63
کافروں کی پیروی نہ کرو ورنہ بڑا نقصان اٹھاؤ گے	63
آیت نمبر ۱۵۱	63
ترجمہ	63
تفسیر	64
کافروں پر احد میں مسلمانوں کے رعب کا ذریعہ علیؑ تھے اور جبریلؑ کا کلمہ ''لافتی الاعلی لاسیف الا ذوالفقار''	64
لافتی الاعلی لاسیف الا ذوالفقار	64
آیت نمبر ۱۵۲	64
ترجمہ	65
تفسیر	65
جنگ احد میں مسلمانوں کی فتح و شکست کے اسباب، بعدہ اللہ کا مومنوں پر فضل و کرم	65
آیت نمبر ۱۵۳	66
ترجمہ	66
تفسیر	67

پیغمبر خداؐ کا کہنا نہ ماننا اور جنگ سے گریز کرنے پر مصائب اور رنج پر رنج دیے گئے	67
آیت نمبر ۱۵۴	67
ترجمہ	68
تفسیر	68
مکمل اختیار صرف خدا کو حاصل ہے جنگ احد کے بعد مسلمانوں کے احوال	68
آیت نمبر ۱۵۵	69
ترجمہ	70
تفسیر	70
ہماری بداعمالیوں کے سبب سے شیطان ہم سے گناہ کرواتا ہے، آیت کے نتائج اور مثالیں	70
ہماری قوت ارادی کی کمی سے شیطان کا غلبہ ہوتا ہے	70
آیت نمبر ۱۵۶	71
ترجمہ	71
تفسیر	72
موت بہرحال آکر رہے گی سفر یا حضر کی قید نہیں ہے	72
آیت نمبر ۱۵۷	72
ترجمہ	72
تفسیر	73
''سَبِیۡلِ اللّٰہِ'' سے مراد حضرت علیؑ اور گیارہ آئمہ ہیں (الحدیث)	73
آیت نمبر ۱۵۸	73
ترجمہ	73
تفسیر	74
موت کے بارے میں امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد	74
آیت نمبر ۱۵۹	74
ترجمہ	75
تفسیر	75
سرکارِ دو عالمؐ کی نرم مزاجی کی تعریف	75
مشورے کی اہمیت اور اللہ پر بھروسہ کرنے کی قدر و منزلت	76
آیت نمبر ۱۶۰۔۱۶۱	77
ترجمہ	77
تفسیر	77
غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت میں نبی اکرمؐ پر خیانت کا الزام	77
فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ:	78
آیت نمبر ۱۶۲۔ ۱۶۳	78
ترجمہ	79
تفسیر	79
مکمل طور پر خدا کی خوشنودی و رضامندی کے طلبگار ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں	79
آیت نمبر ۱۶۳:	79

آیت نمبر ۱۶۴	79
ترجمہ	80
تفسیر	80
اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجنا بھی احسانِ عظیم ہے	80
آیت نمبر ۱۶۵	80
ترجمہ	81
تفسیر	81
جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست کے اسباب	81
شکست کی دوسری وجہ	81
آیت نمبر ۱۶۶۔۱۶۷	82
ترجمہ	82
تفسیر	83
یہ آیت منافقین کے بارے میں ہے	83
آیت نمبر ۱۶۸۔۱۶۹	84
ترجمہ	84
تفسیر	84
یہ آیت شہدائے بدر واحد کی شان میں نازل ہوئی	84
آیت نمبر ۱۷۰	85
ترجمہ	85
تفسیر	85
شہادت پانے کے بعد شہداء کی کیفیت	85
آیت نمبر ۱۷۱	86
ترجمہ	86
تفسیر	86
قرآن شہداء کو زندہ کہہ کر خاموش نہیں ہوتا	86
آیت نمبر ۱۷۲	87
ترجمہ	87
تفسیر	87
غزوہ احد کے زخمی مجاہدوں کے لیے اللہ کا حکم	87
آیت نمبر ۱۷۳۔۱۷۴	88
ترجمہ	88
تفسیر	88
مسلمانوں نے کہا: ''ہمارے لیے اللہ کافی ہے''	88
آیت نمبر ۱۷۵	89
ترجمہ	89
تفسیر	89
آیت نمبر ۱۷۶۔۱۷۷	90
ترجمہ	90
تفسیر	90
اللہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دے رہا ہے	90
آیت نمبر ۱۷۸	91
ترجمہ	91
تفسیر	91
کافروں کو مہلت پر مہلت کیوں دی جاتی ہے؟	91
آیت نمبر ۱۷۹	92

ترجمہ	92
تفسیر	93
اللہ مومن اور منافق، طیب اور خبیث کی تمیز قائم کرنا چاہتا ہے	93
آیت کے نتائج:	93
آیت نمبر ۱۸۰	94
ترجمہ	94
تفسیر	94
اللہ کے عطا کردہ مال میں بخل کی مذمت	94
آیت نمبر ۱۸۱	96
ترجمہ	96
تفسیر	96
یہودیوں کا جاہلانہ قول ''ہم غنی اور اللہ فقیر ہے''	96
آیت نمبر ۱۸۲	97
ترجمہ	97
تفسیر	97
یہودیوں کے اس قول سے مراد عوام الناس کو بیوقوف بنانا تھا	97
احمقانہ اعتراض کے جواب کا طریقہ	97
آیت نمبر ۱۸۳	98
ترجمہ	98
تفسیر	98
یہودیوں کے ایک اور جھوٹ کی رد	98
آیت نمبر ۱۸۴۔۱۸۵	99
ترجمہ	99
تفسیر	100
اللہ کی ہر مخلوق کو موت کا ذائقہ چکھنا پڑے گا	100
آیت نمبر ۱۸۶	101
ترجمہ	101
تفسیر	101
دنیا میں صبر اور مختلف تکالیف سے آزمایا جائے گا	101
آیت نمبر ۱۸۷	102
ترجمہ	102
تفسیر	102
اہل کتاب رسولؐ خدا کی حقانیت کو چھپا رہے تھے	102
کس سے کیا عہد لیا گیا تھا؟	103
اہل کتاب کے علماء نے اس عہد کو بھلا دیا اس عہد کا ذکر بائیبل میں بھی آتا ہے	103
علم سیکھنے اور سکھانے کے بارے میں آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا	103
آیت نمبر ۱۸۸۔۱۸۹	103
ترجمہ	104
تفسیر	104
جو لوگ اپنی جھوٹی تعریف چاہتے ہیں یہ آیت ان کی مذمت کر رہی ہے	104
آیت نمبر ۱۹۰۔۱۹۱	104
ترجمہ	105

تفسیر	105
ذکر خدا اور تخلیق کائنات میں تفکر کرنے والوں کی تعریف	105
آیت نمبر ۱۹۲۔ ۱۹۳	106
ترجمہ	106
تفسیر	107
حکماء اور محققین نے نتیجہ نکالا	107
منادی سے مراد	107
آیت نمبر 194	107
ترجمہ	107
تفسیر	108
آیات ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴ میں پانچ مرتبہ ''رَبَّنَآ'' کا لفظ آیا ہے اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ	108
آیت نمبر ۱۹۵	108
ترجمہ	109
تفسیر	109
حسن عمل کی بناء پر اللہ کے یہاں اجر وثواب ہے	109
تحقیقی نتیجہ:	109
نتیجہ	110
نتائج	110
آیت نمبر ۱۹۶۔ ۱۹۷	110
ترجمہ	111
تفسیر	111
دنیا اور اس کی سج دھج دھوکہ ہے	111
آیت نمبر ۱۹۸۔ ۱۹۹	111
ترجمہ	112
تفسیر	112
آیت نمبر ۲۰۰	113
ترجمہ	113
تفسیر	113
آیت مبارکہ کی لفظی اور روایتی تشریح	113
دوسرے معنی	114
خلاصہ یہ ہے کہ	114
سُوْرَۃُ النِّسَآءِ	115
آیت نمبر ۱	115
ترجمہ	115
تفسیر	116
تذکرۂ حضرت آدمؑ وحواؑ	116
آیت نمبر ۲	117
ترجمہ	117
تفسیر	117
یتیموں کا مال کھانا گناہِ کبیرہ ہے	117
آیت نمبر ۳	118
ترجمہ	118
تفسیر	118
اللہ نے فعل حرام سے بچانے کے لیے مرد کو چار بیویوں کی اجازت دی ہے لیکن عدالت کی شرط کے ساتھ	118

آیت نمبر ۴	119
ترجمہ	119
تفسیر	119
عورتوں کے مہر ادا کرنے کی ہدایت	119
مفہوم آیت یہ ہے کہ	120
آیت نمبر ۵	120
ترجمہ	121
تفسیر	121
آیت میں مال کے صحیح مصرف کا طریقہ بتایا ہے	121
آیت نمبر ۶	121
ترجمہ	122
تفسیر	122
یتیم کے مال میں اسراف نہ کیا جائے	122
آیت نمبر ۷	123
ترجمہ	123
تفسیر	124
ترکہ وورثہ میں عورتوں کا حق بھی مقرر ہے	124
آیت نمبر ۸	124
ترجمہ	124
تفسیر	125
تقسیم ورثے کے وقت بہتر ہے کہ حاجتمند رشتے داروں کو بھی کچھ نہ کچھ دیا جائے:	125
آیت نمبر ۹	125
ترجمہ	125
تفسیر	126
آیت میں ورثاء کے ضمیر کو بیدار کیا گیا	126
آیت نمبر ۱۰	126
ترجمہ	126
تفسیر	127
ناحق یتیموں کا مال کھانے کی سخت ممانعت	127
وجہ تنزیل	127
آیت نمبر ۱۱	127
ترجمہ	128
تفسیر	128
میت کی چھوڑی ہوئی جائیداد کے احکام	128
آیت نمبر ۱۲	130
ترجمہ	130
تفسیر	131
''کَلٰلَۃً'' سے مراد۔ حدیث رسول خداؐ کے مطابق ''وصیت نقصان دہ نہ ہو'' کی وضاحت	131
''وصیت میں ضرر رسانی'' گناہ کبیرہ ہے (الحدیث)	131
آیت نمبر ۱۳	132
ترجمہ	132
تفسیر	133
خدا اور رسولؐ کے فرمانبردار ہمیشگی والی جنتوں میں رہیں گے ''خدا کا اعلان''	133
آیت نمبر ۱۴	134

ترجمہ	134
تفسیر	134
اللہ کی مقرر کردہ تمام حدود سے تجاوز پر خوفناک عذاب اور حدود کے مختلف پہلوؤں کی صراحت	134
آیت نمبر ۱۵	135
ترجمہ	136
تفسیر	136
زانیہ کی سزا کے احکامات	136
آیت نمبر ۱۶	137
ترجمہ	137
تفسیر	137
بغیر شوہر کی عورت اور بغیر زوجہ کے مرد کو بدکاری کی سزا	137
آیت نمبر ۱۷	138
ترجمہ	138
تفسیر	138
گناہگار کی توبہ کو اللہ بار بار قبول فرماتا رہتا ہے	138
آیت نمبر ۱۸	140
ترجمہ	140
تفسیر	141
مرتے دم تک کفر پر ڈٹے رہنے والوں کی توبہ قبول نہیں	141
آیت نمبر ۱۹	142
ترجمہ	142
تفسیر	143
جبراً کسی کا وارث بننا خدا کو پسند نہیں	143
آیت کا مفہوم اور پیغام یہ ہے	143
آیت نمبر ۲۰	144
ترجمہ	144
تفسیر	144
دورِ جاہلیت کی بدکرداری کا رد	144
آیت نمبر ۲۱۔۲۲	145
ترجمہ	145
تفسیر	145
زمانہ جاہلیت میں عرب قبائل کا ایک اور بدترین دستور	145
آیت نمبر ۲۳	147
ترجمہ	148
تفسیر	148
ان عورتوں کی فہرست جن سے نکاح حرام ہے	148
رضاعت کے احکام وحدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	148

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پارہ نمبر ۴

سُوۡرَۃُ اٰلِ عِمۡرَانَ

آیت نمبر ۹۲

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۬ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ ﴿۹۲﴾

ترجمہ

۹۲۔ ''تم ہرگز بھلائی (یا نیکی) کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم ان چیزوں میں سے کچھ خیرات نہ کرو جو تمھیں (بھی) پسند ہیں اور جو کچھ بھی تم (اللہ کی راہ میں) خیرات کرتے رہتے ہو، اللہ اس سے خوب واقف ہے۔

تفسیر

آیت نمبر ۹۲:

آیت کا مقصد اس غلط فہمی کو دور کرتا ہے کہ نیکی کا مطلب رسمی اور ظاہری طور پر کچھ شرعی پابندیوں کو اختیار کر لینا ہی نہیں، بلکہ نیکی کی اصل روح خدا کی محبت ہے وہ بھی ایسی محبت جو آدمی کے دل پر اتنی غالب آ جائے کہ وہ ہر پسندیدہ چیز کو خدا کی محبت پر قربان کر سکے اور ہر وہ چیز جو خدا کی محبت سے بڑھ جائے وہی بت ہے۔ جب تک یہ بت نہ ٹوٹے گا نیکی حاصل نہ ہوگی۔ بقولِ اقبال:

صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیلؑ
یہ نکتہ وہ ہے جو پوشیدہ لا الہ میں ہے

''بِر'' مطلق نیکی کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد کمالِ خیر ہے یا حقیقت خیر۔ غرض ''بِر'' سے ابوابِ خیر کی جامعیت

مراد لی گئی ہے۔(روح المعانی، مدارک)

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے ایک دفعہ ایک کپڑا خریدا جو آپ کو بہت پسند تھا۔ پھر آپؑ نے اس کو خدا کی راہ میں دے دیا اور فرمایا: ''میں نے رسولِ خداؐ سے سنا ہے کہ جو شخص اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دے گا، خدا قیامت کے دن اس کے لیے جنت کو ترجیح دے گا اور اگر کوئی شخص کسی چیز سے محبت کرتا ہوگا اور اسے اللہ کی راہ میں دے دے تو قیامت کے دن خداوند عالم اس سے کہے گا کہ اے میرے بندے! تو دوسروں کو نیکیوں اور احسانات کا بدلہ دیا کرتا تھا، تو آج میں تجھے تیری نیکی کے بدلے میں جنت عطا کروں گا۔''

سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس سلسلے میں بڑی اعلیٰ مثال پیش کی ہے۔ اس لیے کہ اس آیت میں نیکی کی اصل یہ بتائی گئی ہے کہ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ''نیکی یہ ہے کہ تم اس میں کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو جسے تم پسند کرتے ہو۔'' لیکن امام حسین علیہ السلام نے ''اس میں سے کچھ'' نہیں بلکہ ''سب کچھ'' اللہ کی راہ میں قربان کر دیا۔ اسی لیے ڈاکٹر اقبال نے حضرت ابراہیمؑ کی قربانی سے امام حسینؑ کی قربانی کا تقابل اس طرح کیا ہے:

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتداء ہیں اسماعیلؑ
اللہ اللہ باء بسم اللہ پدر
معنی ذبح عظیم آمد پسر

حضرت امام حسین اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام چینی صدقے میں بہت دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''ہمیں چینی بہت پیاری ہے اس لیے ہم اسے خدا کی راہ میں دے دیتے ہیں۔ کیونکہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: یہ کہہ کر پھر اسی آیت کی تلاوت فرماتے۔(تفسیر صافی ص ۸۸ بحوالہ تفسیر مجمع البیان)

آیت نمبر ۹۳۔۹۴

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِيۡلُ عَلٰى نَفۡسِهٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰىةُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰىةِ فَاتۡلُوۡهَآ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۹۳﴾

فَمَنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الۡكَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۹۴﴾

ترجمہ

۹۳۔سب کھانے کی چیزیں بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں۔سوا ان چیزوں کے جو تورات کے اترنے سے پہلے ہی اسرائیل (یعقوبؑ نے) خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔ان سے کہیے کہ اگر تم سچے ہو تو تورات لا کر پڑھو۔

۹۴۔اب اس کے بعد بھی جو کوئی اللہ پر جھوٹ گھڑے تو ایسے ہی لوگ تو حقیقتاً ظالم (حد سے بڑھ جانے والے) ہیں۔

تفسیر

آیت نمبر ۹۳:

حضرت یعقوبؑ کو عرق النساء کی بیماری ہوگئی اس لیے انھوں نے اونٹ کا گوشت کھانا اپنے اوپر حرام کر لیا۔ یعنی کھانا بند کر دیا۔اس پر یہودیوں نے کہا کہ اونٹ تورات میں حرام کیا گیا ہے۔خدا نے فرمایا کہ اگر تم اپنے وعدے (قول) میں سچے ہو تو تورات لا کر پڑھو۔تورات میں کہیں اس کو حرام نہیں قرار دیا گیا۔

اصل بات تو یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسے خود اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، دوسروں پر حرام نہیں کیا تھا۔(تفسیر صافی ص ۸۸ بحوالہ تفسیر قمی)

آیت نمبر ۹۵۔۹۶

قُلۡ صَدَقَ اللّٰهُ ۟ فَاتَّبِعُوۡا مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ

مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۹۵﴾

اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۹۶﴾

ترجمہ

۹۵۔ آپؐ فرما دیں کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے۔ لہٰذا تم بس غلط راستے کو چھوڑ کر سیدھی راہ والے ابراہیم کے دین کی پیروی کرو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔

۹۶۔ بیشک سب سے پہلا گھر جو تمام انسانوں کے لیے بنایا گیا وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے، جو برکت والا اور تمام جہانوں کے لیے مرکز ہدایت ہے۔

تفسیر

آیت نمبر ۹۵:

لغت میں حنیف کے معنی ہٹ جانے یا مڑ جانے کے ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کو اس لیے حنیف کہا گیا کہ وہ ہر قسم کی غلط راہ سے ہٹے ہوئے تھے۔ (مجمع البیان)

آیت نمبر ۹۶:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''مکہ کا نام بکہ اس لیے ہوا کہ اس کے اندر لوگ روتے ہیں۔ (بکہ بکا سے ہے) شہر کا نام تو مکہ ہے اور جس مقام پر کعبہ بنا ہے وہ بکہ ہے۔ (تفسیر صافی ص ۸۸)

خدا کا فرمانا کہ ''اس گھر کو لوگوں کے لیے بنایا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی عبادت کے لیے بنایا گیا ہے تا کہ وہ اس کا طواف کریں، اس میں نمازیں پڑھیں اور اس میں اعتکاف کریں۔ (تفسیر کبیر معالم) احادیث سے

ثابت ہے کہ یہ مکان سب سے پہلے تعمیر ہوا تھا۔ (قرطبی)

آیت نمبر ۹۷

فِيۡهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰهِيۡمَ ۚ وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا ؕ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۹۷﴾

ترجمہ

۹۷۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں (مثلاً) ابراہیمؑ کا مقام عبادت ہے۔ جو بھی اس (گھر) میں داخل ہو گیا، وہ امن میں ہے اور لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو، وہ اس کا حج کرے۔ اب جو کوئی بھی کفر اختیار کرے، تو اللہ تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے۔

تفسیر

آیت نمبر ۹۷:

مقام ابراہیمؑ وہ جگہ ہے جہاں کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ کی دیواریں اونچی کی تھیں آج بھی پتھر میں آپؑ کے قدموں کے نشان موجود ہیں۔ (تفسیر صافی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''گھر میں داخل ہونے کے حقیقی معنی ہم اہل بیتؑ رسولؐ کی ولایت اور اطاعت میں داخل ہونا ہے جس کے بعد عذابِ الٰہی سے امن حاصل ہو جاتا ہے۔'' (تفسیر نور الثقلین)

ان الفاظ سے حج کرنے کی تاکید اور وجوب کا اظہار ہے۔ جناب رسول خداؐ نے اپنی وصیت میں فرمایا: ''اے علیؑ! حج کو ترک کرنے والا جبکہ وہ حج پر جانے کی استطاعت بھی رکھتا ہو، کافر ہے۔ پھر آپؐ نے یہی آیت

تلاوت فرمائی (اور فرمایا:) اے علیؑ! جو شخص حج کو ٹالتا رہتا ہے، یہاں تک کہ مر گیا، تو قیامت کے دن مجھے اس کی کوئی فکر نہ ہوگی کہ خدا اسے یہودیوں کے ساتھ اٹھائے یا نصرانیوں کے ساتھ۔'' (تفسیر صافی ص ۹۸)

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے ان کے بھائی علی نے پوچھا کہ کیا جو شخص حج نہ کرے وہ حقیقی معنی میں کافر ہو جاتا ہے؟ فرمایا: نہیں (کافر سے مراد ناشکرا ہے) لیکن جو حج کا منکر ہو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ (تفسیر صافی ص ۱۸۹)

آیت نمبر ۹۸۔۹۹

قُلۡ یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِیۡدٌ عَلٰی مَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۸﴾

قُلۡ یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ تَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا وَّاَنۡتُمۡ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۹﴾

ترجمہ

۹۸۔ کہیے کہ اے اہل کتاب! (آخر) تم کیوں اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہو، حالانکہ اللہ تو تمہاری حرکتوں کو دیکھ رہا ہے۔

۹۹۔ کہو کہ اے اہل کتاب! (آخر) تم اللہ کے راستے سے ہر اس شخص کو کیوں روکتے ہو جو ایمان لانا چاہتا ہے اور یہی چاہتے ہو کہ وہ ٹیڑھا ہو جائے حالانکہ تم خود اس کے گواہ ہو، اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔

تفسیر

آیت نمبر ۹۹:

اللہ کے راستے کو ٹیڑھا بنانے کی کوشش کرنے کے معنی یہ ہیں کہ دینِ خدا پر طرح طرح کے اعتراضات کر کے یہ چاہتے ہو کہ لوگ دھوکا کھا جائیں۔ دین سے ہٹ جائیں۔ (مجمع البیان)

ایک معنی یہ بھی ہیں کہ دین کی معقول تعلیمات کو اپنی مرضی کے مطابق موڑ توڑ کر بتانا چاہتے ہو۔ بقول اقبالؔ

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم باتوفیق

آیت نمبر ۱۰۰۔۱۰۱

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِیۡعُوۡا فَرِیۡقًا مِّنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ یَرُدُّوۡکُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِکُمۡ کٰفِرِیۡنَ ﴿۱۰۰﴾
وَ کَیۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ وَ اَنۡتُمۡ تُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتُ اللّٰهِ وَ فِیۡکُمۡ رَسُوۡلُهٗ ؕ وَ مَنۡ یَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ هُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ

۱۰۰۔ اے ایمان والو! اگر تم نے اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی بات مان لی تو یہ تم کو ایمان لانے کے بعد پھر کفر کی طرف پلٹا دیں گے۔

۱۰۱۔ اب تم کیونکر کفر کر سکتے ہو جب کہ تمہارے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھی جا رہی ہیں اور تمہارے

درمیان خدا کا رسولؐ بھی موجود ہے۔(غرض) جو بھی اللہ کے ساتھ مضبوطی سے وابستہ ہوگا تو وہ ضرور سیدھے راستے پر لگا دیا گیا ہے۔

تفسیر

آیت نمبر ۱۰۰:

اس وارننگ کی ضرورت شاید اس لیے ہوئی کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ یہودی علماء کی علمیت سے مرعوب تھا اور یہودی علماء نے اسلام بظاہر قبول کر لیا تھا جیسے عبداللہ بن سلام اور کعب الاحبار وغیرہ مسلمانوں نے اہل بیتؑ رسولؐ کو چھوڑ کر ان نومسلموں کو اپنا علمی مرکز بنایا اور اس طرح اسرائیلیات کا ایک لمبا چھوڑا غیر معتبر لٹریچر جس میں بہت باتیں اسلامی روح کے خلاف ہیں، ہماری کتابوں میں داخل ہو گیا۔(فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۰۱:

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ''تمہارے لیے دین حق سے پھر جانے کی گنجائش ہی کب ہے جبکہ تمہارے اندر قرآن اور سنت رسولؐ موجود اور محفوظ ہے۔(بحر قرطبی) اور صراط مستقیم سے مراد دنیا میں مکمل کامیابی اور آخرت میں جنت ہے۔

یہ آیت قبیلہ اوس اور خزرج کے ان لوگوں کے بارے میں اتری جو اپنی بڑائیاں بیان کر رہے تھے اور ایک دوسرے پر فخر کر رہے تھے۔ پھر وہ ایک دوسرے پر غضبناک ہوئے اور ''ہتھیار ہتھیار'' پکارنے لگے۔ بہت بڑا مجمع دونوں قبیلوں میں جمع ہو گیا۔ حضورؐ تشریف لائے اور فرمایا: ''کیا اب بھی تم لوگ جاہلیت کو پکارتے ہو، حالانکہ میں تم میں موجود ہوں اور جبکہ اللہ نے تمہیں اسلام کے ذریعے عزت بخشی ہے اور تم کو جاہلیت سے الگ کیا ہے اور تمہارے درمیان محبت پیدا کی ہے۔'' اس پر وہ لوگ سمجھ گئے کہ یہ سب شیطان کی حرکت تھی۔ پس انھوں نے ہتھیار پھینک دیے اور توبہ کی اور ایک دوسرے کو گلے لگایا۔(تفسیر صافی ص ۹۰)

آیت نمبر ۱۰۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا

وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴿۱۰۲﴾

ترجمہ

۱۰۲۔اے ایمان لانے والو! اللہ کے غیظ وغضب سے اسی طرح سے بچو کہ جو بچنے کا حق ہے۔اور دنیا سے نہ اٹھو مگر اس حالت میں کہ تم مسلم ہو۔

تفسیر

آیت نمبر ۱۰۲:

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت کا حدیث رسول خداؐ کے حوالے سے یہ مطلب بتایا کہ: ''خدا کی اطاعت کرو، نافرمانی نہ کرو۔ خدا کو یاد رکھو، اس کو بھولو مت۔ خدا کا شکر ادا کرو، کفر اور ناشکری نہ کرو۔ (یعنی اس کی نعمتوں کا انکار نہ کیا جائے اور اس کی نعمتوں کو اس کی مرضی کے خلاف استعمال نہ کیا جائے۔)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ پوچھا گیا کس آیت سے؟ تو فرمایا: اتقوا اللہ ما استطعتم سے۔یعنی اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ تم کرسکو (جتنی استطاعت ہو)۔ (تفسیر عیاشی) (تفسیر صافی ص ۹۰ بحوالہ معانی الاخبار)

آیت نمبر ۱۰۳

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ

۱۰۳۔اورتم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقے فرقے نہ ہو۔اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو الفت ومحبت سے جوڑ دیا۔اور اس طرح تم اس کے فضل وکرم سے بھائی بھائی بن گئے۔جبکہ تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے پر (کھڑے) تھے،تو اس (اللہ) نے تم کو اس سے بچالیا۔اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنی نشانیاں (اوراحکام) کھول کر سناتا رہتا ہے،شاید کہ تم سیدھے راستے پر لگ جاؤ۔

تفسیر

آیت نمبر ۱۰۳:

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ "حبل اللہ المتین" "اللہ کی مضبوط رسی" سے مراد آلِ محمد ہیں۔ (تفسیر عیاشی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "ہم ہی اللہ کی وہ رسی ہیں جن کے بارے میں،خدا نے اعتصام (مضبوطی سے پکڑے رہنے) کا حکم دیا ہے۔" (ینابیع المودہ ص ۹۷۔تفسیر کبیر جلد نمبر ۳ ص ۲۴،تفسیر خازن جلد ا ص ۲۶۱)

جناب رسولِ خداؐ فرماتے ہیں کہ "فاطمہؑ میرے دل کا ٹکڑا ہے اور اس کا شوہر میری آنکھوں کا نور ہے اور اس کے بچے میرے میوۂ دل ہیں اور اس کی اولاد آئمہ (طاہرین) خدا کے امین ہیں یہ سب اللہ کی رسی ہیں۔"

"حَبْلِ اللہِ" یعنی "اللہ کی رسی" کا پورا تعارف حدیث ثقلین سے ہوتا ہے کہ جس میں رسول اللہؐ نے فرمایا: "میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔(۱) کتاب (۲) اور میری عترت واہل بیتؑ۔جب تک تم ان سے اپنا تعلق مضبوط رکھو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے اور یہ دونوں کبھی ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں۔" (متفق علیہ،صحیح مسلم شریف،مجمع البیان وغیرہ)

آیت نمبر ۱۰۴

وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ‌ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ

۱۰۴۔ اور تم میں سے کچھ لوگ تو ضرور ایسے ہونے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلایا کریں، بھلائی کی ترغیب دلائیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو پورے پورے کامیاب ہیں۔

تفسیر

آیت نمبر ۱۰۴:

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''امر بالمعروف (یعنی نیکیوں کی ترغیب دینا) اور نہی عن المنکر (یعنی برائیوں سے روکنا) اللہ کے اخلاق میں سے دو خلق ہیں۔ جو یہ دونوں عمل کرے گا خدا اس کو عزت دے گا اور جس نے اس کام کو چھوڑا، اللہ بھی اسے چھوڑ دے گا۔ (تفسیر صافی ص ۹۰ بحوالہ کافی)

جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: ''لوگ جب تک نیک کاموں کی ترغیب اور برائیوں سے روکتے رہیں گے تو وہ نہیں مٹیں گے۔ لیکن جب یہ کام چھوڑ دیں گے تو ان سے برکتیں دور ہو جائیں گی اور وہ ایک دوسرے پر مسلط کر دیے جائیں گے اور ان کا پھر کوئی مددگار بھی نہ ہوگا، نہ زمین پر نہ آسمان میں اور نہ ان دونوں کے درمیان۔'' (تہذیب)

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا) ایسے دو کام ہیں جو اخلاقِ خداوندی میں سے ہیں نہ ان کی وجہ سے موت قبل از وقت آ سکتی ہے اور نہ مقرر شدہ رزق میں کوئی کمی واقع ہو سکتی ہے۔

پھر آپؑ نے امام حسنؑ و امام حسینؑ کو وصیت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لا تترکوا الامر بالمعروف و النهی عن المنکر فیولی علیکم شرارکم ثم تدعون فلا یستجاب لکم (نہج البلاغہ ص۳۸۷، وصیت خطبہ ۴۷)

''(اے فرزندو!) نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے سے کبھی ہاتھ نہ اٹھالینا (کبھی نہ رکنا) ورنہ بدکردار واشرار تم پر مسلط ہوجائیں گے پھر دعا مانگو گے تو قبول نہ ہوگی۔''

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تمام امت پر واجب ہے؟ امام نے فرمایا: ''نہیں''۔ پوچھا گیا: کیوں؟ تو فرمایا: ''یہ فریضہ اس پر عائد ہوتا ہے جو اس کی اہلیت اور صلاحیت رکھتا ہوگا۔ جس کی بات میں (دلائل کا) وزن ہوتا کہ لوگ اس کی بات مانیں۔ اور جو اچھائی اور برائی کے فرق کو جانتا ہو۔ وہ بیچارے جن کو خود یہ پتہ نہ ہو کہ وہ کدھر جارہے ہیں، وہ یہ فریضہ انجام نہیں دے سکتے۔''

فقہاء اور محققین نے آیت کے الفاظ ''تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے'' سے نتیجہ نکالا کہ دعوتِ حق اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض عین نہیں بلکہ واجبِ کفائی ہے یعنی اگر کچھ لوگ اس کام کو انجام دیں تو باقی لوگوں پر فرض نہ رہے گا۔ کیونکہ ہر فرد میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ یہ کام انجام دے سکے اس لیے اس کام کو چند تعلیم یافتہ افراد ہی انجام دے سکتے ہیں۔ (جلالین)

آیت نمبر ۱۰۵

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۙ﴿۱۰۵﴾

ترجمہ

۱۰۵۔ اور کہیں تم ان لوگوں کی طرح تو نہ ہوجانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور (ہماری) کھلی ہوئی واضح ہدایات اور دلیلوں کے آنے کے بعد بھی اختلافات میں مبتلا ہوگئے یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے سخت سزا ہے۔

تفسیر

آیت نمبر ۱۰۵:

اس سے اولین مراد یہودی اور عیسائی ہیں جنھوں نے خدا کی توحید کی پاکیزگی میں اختلاف کیا اور روزِ آخرت میں بھی اختلاف کیا۔ (تفسیر صافی ص۹۱)

آیت بالکل صاف طور پر پتہ دے رہی ہے کہ جس طرح یہودی کھلے ہوئے دلائل کے ہوتے ہوئے فرقہ فرقہ ہو گئے، اسی طرح مسلمان بھی اختلافات میں مبتلاء ہو جائیں گے۔ اور آیت یہ بھی بتا رہی ہے کہ وہ اختلافات ان باتوں میں ہوں گے جن کے بارے میں خدا کی ہدایات واضح طور پر موجود ہوں گی۔ کیونکہ آیت میں ہے کہ ''کھلی ہوئی دلیلوں کے آنے کے بعد۔'' مسلمان کے اختلاف کا مرکزی نقطہ امامتِ کبریٰ ہے۔ یعنی رسولؐ کی جانشینی کا مسئلہ جبکہ اس بارے میں واضح نصوص احادیث و آیات موجود ہیں اور نصوص کے انکار ہی سے اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔

محققین نے نتیجہ نکالا کہ امامت و خلافت کا مسئلہ فروعی نہیں، بلکہ اصولِ دین میں شامل ہے۔ کیونکہ اس پر اختلاف کرنے پر عذاب عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے۔ یہ مسئلہ کوئی خالص تاریخی مسئلہ نہیں۔

امری المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''یہ اسی امت کی وہ جماعتیں ہیں جنھوں نے بدعتیں ایجاد کیں۔ (یعنی دین میں اپنی طرف سے نئی نئی باتیں داخل کیں) اور اپنی پسند کے راستے اور غلط اعتقادات اختیار کیے۔ (مجمع البیان)

آیت نمبر ۱۰۶

يَّوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوۡهٌ وَّتَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ‌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اسۡوَدَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ‌ قف اَكَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ ﴿۱۰۶﴾

ترجمہ

۱۰۶۔اس دن کچھ چہرے تو روشن اور نورانی ہوں گے اور کچھ لوگوں کا منہ کالا ہوگا۔تو جن کا منہ کالا ہوگا (ان سے کہا جائے گا) کہ تم نے ایمان کی نعمت پا جانے کے بعد بھی کافرانہ اور منکرانہ طریقہ اختیار کیا تھا؟ اچھا تو اب تم اس انکار اور اپنے کافرانہ رویے کی سزا چکھو۔

تفسیر

آیت نمبر ۱۰۶:

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ ''منہ کالے ہو جانے والے امت کے وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے بدعت (دین میں نئے نئے کام اور نظریات) شروع کیں اور غلط رائے اور خواہشات نفسانی پر عمل کرنے کو رواج دیا۔جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: ''مجھے اس اللہ کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ حوضِ کوثر پر ایسے سب لوگ لائے جائیں گے جو میرے اصحاب میں سے بھی ہوں گے۔ میں انھیں دیکھ کر کہوں گا "اصیحابی اصیحابی" میرے اصحاب میرے اصحاب۔مگر مجھ سے کہا جائے گا ''آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپؐ کے بعد کیا کیا بدعتیں انجام دیں۔یہ تو اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ کر مرتد ہو گئے تھے۔'' (تفسیر ثعلبی۔بخاری شریف۔تفسیر صافی ص ۹۱)

آیت نمبر ۱۰۷

وَاَمَّا الَّذِیۡنَ ابۡیَضَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ فَفِیۡ رَحۡمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ

۱۰۷۔رہے وہ لوگ جن کے چہرے روشن ہوں گے تو وہ لوگ اللہ کی رحمت میں ہوں گے، وہ اس میں

ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر

آیت نمبر ۱۰۷:

حضرت ابوذر غفاری سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری تو جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن میری امت پانچ جھنڈوں کے ساتھ آئے گی۔ ایک جھنڈا اس امت کے گوسالے کا ہوگا۔ میں ان سے پوچھوں گا کہ میرے بعد میرے ثقلین (دو بھاری قیمتی چیزیں۔ مراد قرآن اور اہل بیت رسولؐ) کے ساتھ تم نے کیا سلوک کیا؟ وہ کہیں گے کہ ثقل اکبر (قرآن مجید) کو تو ہم نے تحریف کر کے (اس کے معنی بدل کر) پس پشت ڈال دیا اور ثقل اصغر (مراد اہل بیت رسولؐ) سے ہم نے دشمنی کی اور ان پر ظلم کیا۔ میں کہوں گا ''تم بھوکے پیاسے ہی جہنم میں گھس جاؤ تمہارے منہ کالے ہوں۔'' پھر دوسرا جھنڈا اس امت کے فرعون کا میرے پاس آئے گا۔ میں ان سے بھی یہی سوال کروں گا کہ تم نے میرے بعد ثقلین (قرآن اور اہل بیتؑ) کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ وہ کہیں گے کہ ثقل اکبر میں (یعنی قرآن کا مطلب تفسیر اور تاویل بدل کر) ہم نے تحریف کی اور اسے پھاڑ ڈالا اور اس کی مخالفت کی اور ثقل اصغر (مراد اہل بیتؑ رسولؐ) سے ہم نے دشمنی کی اور ان سے لڑے۔'' میں ان سے کہوں گا ''تم بھی جہنم میں چلے جاؤ اور تمہارا بھی منہ کالا ہو۔'' اس کے بعد تیسرا جھنڈا میری امت کے سامری کا آئے گا۔ ان سے بھی میں ثقلین (قرآن اور اہل بیتؑ) کے بارے میں (ابھی اسی طرح) سوال کروں گا، وہ جواب دیں گے کہ ''ہم نے ثقل اکبر (قرآن مجید) کی تو نافرمانی کی اور اسے چھوڑے رکھا اور ثقل اصغر (اہل بیتؑ) کی ہم نے مدد کرنا چھوڑ دی اور ان کو ضائع کر دیا۔ میں ان سے کہوں گا: ''تم بھی جہنم میں پیاسے جاؤ اور تمہارا بھی منہ کالا ہو۔ پھر چوتھا جھنڈا دو الثدیہ کا آئے گا۔ جس کے ساتھ شروع سے آخر تک سب خارجی ہوں گے۔ میں ان سے بھی یہی سوال کروں گا: وہ کہیں گے کہ ثقل اکبر (قرآن مجید) کو تو ہم نے پھاڑ ڈالا اور اس سے علیحدہ رہے اور ثقلِ اصغر (اہل بیتؑ) کے ساتھ ہم لڑے اور ان کو قتل کیا۔ میں کہوں گا ''تم بھی جہنم میں پیاسے جاؤ۔''

پھر پانچواں جھنڈا علیؑ کا میرے پاس آئے گا۔ میں ان سے بھی وہی پوچھوں گا کہ تم قرآن اور اہل بیتؑ سے کس طرح پیش آئے؟ وہ جواب دیں گے ''ہم نے ثقل اکبر (قرآن) کی تو پیروی کی اور ثقل اصغر (اہل بیتؑ) سے ہم نے محبت کی۔ ان کو اپنا ولی و سرپرست سمجھا۔ ہم نے ان کی یہاں تک مدد کی کہ ہمارے خون تک بہائے گئے۔'' پس

میں ان سے کہوں گا کہ تم (کوثر سے) سیراب ہوکر، نورانی چہروں کے ساتھ جنت میں چلے جاؤ۔'' پھر حضورؐ نے یہی آیتیں پڑھیں۔ (تفسیر صافی ص ۹۱ بحوالہ تفسیر قمی)

علامہ عبیداللہ امرتسری لکھتے کہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''شب معراج جب میں بالائے آسمان گیا تو خداوند عالم نے میرے بھائی علی ابن ابی طالبؑ کے بارے میں وحی کی "بانه سيد المومنين و امام المتقين و قائد الغر المحجلين" علی مومنوں کے سردار، اور متقیوں کے امام اور نورانی چہروں اور سفید ہاتھ پاؤں والوں کے پیشوا ہیں۔'' (ارجح المطالب ص ۲۱)

آیت نمبر ۱۰۸۔۱۰۹

تِلۡكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتۡلُوۡهَا عَلَيۡكَ بِالۡحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيۡدُ ظُلۡمًا لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۸﴾

وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۱۰۹﴾

ترجمہ

۱۰۸۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کے سامنے ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنا رہے ہیں (کیونکہ) اللہ دنیا جہان والوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔

۱۰۹۔ اور آسمانوں و زمین کی ساری چیزوں کا مالک اللہ ہے۔ اور تمام معاملات (آخری فیصلے کے لیے) اللہ ہی کی طرف پلٹتے ہیں۔

تفسیر

آیت نمبر ۱۰۹:

مطلب یہ ہے کہ تمہارا اختیار اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے مقابلے پر تو ہوسکتا ہ،لیکن خدا کے مقابلے پر نہیں ہوسکتا جو زمین اور آسمانوں کا مالک ہے اور تم جس کے مملوک ہو۔لہٰذا اختیاری طور پر بھی تم کو چاہیے کہ تم خدا کے بیان کردہ احکامات اور نصوص کے مطابق خدا کے انتخاب کو مانو۔یہی تمہارے خدا پر ایمان لانے کا ثبوت ہوگا۔ (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۱۰

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۱۱۰

ترجمہ

۱۱۰۔تم بہترین گروہ ہو جو تمام انسانوں (کی ہدایت اور اصلاح) کے لیے پیدا کیے گئے ہو (کیونکہ) تم نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر (مکمل) ایمان رکھتے ہو۔اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو یہ ان کے لیے بہت اچھا ہوتا۔مگر ان میں سے کچھ تو ایماندار ہیں،مگر اکثر ان میں کے بدکار ہیں۔

تفسیر

آیت نمبر ۱۱۰:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''بھلا پوری امت بہترین امت کیونکر ہوسکتی ہے جبکہ اسی امت نے امام برحق علیؑ ابن ابی طالبؑ اور فرزندانِ رسولؐ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو قتل کیا۔'' بقول شاعر:

انسان اس طرح اتر آئے عناد پر
لعنت خدا کی حشر تلک ابن زیاد پر

اسی لیے جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''یہ آیت مخصوص طور پر خدا کے رسولؐ اور ان کے اوصیاؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے مراد وہ گروہ ہے جن کے بارے میں حضرت ابراہیمؑ کی دعا (ومن ذریتی یعنی اور میری اولاد میں سے) قبول ہوئی۔''

مطلب یہ ہے کہ اس سے مراد وہ ائمہ معصومینؑ ہیں جن کو خدا کی جانب سے امامت کا منصب عطا ہوا۔ (تفسیر صافی)

آیت نمبر ۱۱۱۔ ۱۱۲

لَنۡ یَّضُرُّوۡکُمۡ اِلَّاۤ اَذًی ؕ وَ اِنۡ یُّقَاتِلُوۡکُمۡ یُوَلُّوۡکُمُ الۡاَدۡبَارَ ۟ قف
ثُمَّ لَا یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتۡ عَلَیۡہِمُ الذِّلَّۃُ اَیۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا اِلَّا
بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ حَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ
وَ ضُرِبَتۡ عَلَیۡہِمُ الۡمَسۡکَنَۃُ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ
بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَ یَقۡتُلُوۡنَ الۡاَنۡۢبِیَآءَ بِغَیۡرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوۡا
وَّ کَانُوۡا یَعۡتَدُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾

ترجمہ

۱۱۱۔ یہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ سوا اس کے کہ کچھ ستا لیں یا تھوڑا سا نقصان پہنچا لیں۔ اور اگر یہ تم سے لڑیں گے تو تمہارے سامنے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر انھیں کہیں سے مدد بھی نہ ملے گی۔
۱۱۲۔ یہ جہاں بھی پائے جائیں ان پر ذلت کی مار پڑی ہے۔ سوا اس کے کہ کہیں اللہ کی طرف سے کوئی عہد ہو یا دوسرے لوگوں سے عہد باندھ کر پناہ مل گئی ہو۔ یہ لوگ اللہ کے غضب میں گھر چکے ہیں۔ ان پر محتاجی اور مغلوبی کی مار مسلط کر دی گئی ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے رہے۔ اور انہوں نے خدا کے پیغمبروں کو ناحق قتل کیا۔ یہ اسی کی سزا ہے کہ انہوں نے خدا کی نافرمانی کی اور ہمیشہ حدوں سے نکل کر ظلم اور زیادتی کرتے رہے۔

تفسیر

آیت نمبر ۱۱۲:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا: "حَبۡلٍ مِّنَ اللّٰہِ" یعنی اللہ کے عہد و پیمان کی پناہ میں آنے سے اولین مراد کتاب خدا (کی پناہ میں آنا) ہے۔ اور "حَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ" یعنی لوگوں کے عہد و پیمان کی پناہ میں آ جانے سے اولین مراد حضرت علیؑ کی پناہ میں آنا ہے۔ (تفسیر صافی ص ۹۱ بحوالہ تفسیر عیاشی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''خدا کی قسم ان لوگوں نے انبیاءؑ کو نہ تو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا اور نہ اپنی تلواروں سے۔ بلکہ انہوں نے جو باتیں نبیوں سے سنیں انھیں (ظالموں پر) ظاہر کر دیا۔ جس پر وہ پکڑے گئے اور قتل کیے گئے۔ پس انبیاءؑ کے راز فاش کرنے والے ان کے قاتلین میں شمار ہوئے۔ (تفسیر صافی ص ۹۱ بحوالہ تفسیر عیاشی، کافی)

آیت کے ان الفاظ سے کہ ''یہودیوں پر ذلت لکھ دی گئی ہے، مسلمان یہ سمجھے کہ دنیا میں یہودیوں کی کوئی سلطنت نہیں ہو سکتی۔ مگر قرآن نے واضح طور پر استثناء کر دیا ہے کہ وہ خود اپنی طاقت کے بل پر اس ذلت سے کبھی نہیں نکل سکتے۔ ہاں اللہ کی طرف سے کوئی معاہدہ ہو۔ یعنی جزیہ دے کر اسلام کی پناہ میں آ جائیں، یا کسی اور عالمی طاقت کے سہارے پر قوت حاصل کر لیں، تو یہ اور بات ہے۔ کیا دنیا اب بھی اعجاز قرآنی کا انکار کر سکتی ہے؟ (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۱۳ ۔ ۱۱۴

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

ترجمہ

۱۱۳۔ مگر وہ (سب کے سب) برابر نہیں ہیں۔ (انہی) اہل کتاب میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو سیدھے راستے پر قائم ہیں۔ جو راتوں کو اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں اور وہ (خدا کے آگے) سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

۱۱۴۔ وہ اللہ اور قیامت کے دن کو دل سے مانتے ہیں اور لوگوں کو اچھی اچھی باتوں کی ہدایت کرتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور اچھے کاموں میں تیزی سے آگے بڑھتے ہیں۔ یہ نیک اور صالح لوگ ہیں۔

تفسیر

آیت نمبر ۱۱۴:

اس سے مراد اہل کتاب کے وہ افراد ہیں جنھوں نے سچے دل سے اسلام قبول کرلیا تھا۔ (تفسیر صافی)

قرآن کے نزدیک جو لوگ صالح ہوتے ہیں ان کے اوصاف اور خصوصیات بیان کیے جا رہے ہیں۔ ان کی خاص بات یہ ہوگی کہ نیکیوں کی طرف بے دلی اور بدشوقی سے نہیں، بلکہ شوق و اشتیاق سے لپکیں گے۔ (بحر۔ قرطبی)

آیت نمبر ۱۱۵۔۱۱۶

وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

ترجمہ

۱۱۵۔اور وہ جو بھی نیک کام کریں گے، اس کی ہرگز ناقدری نہ کی جائے گی۔اور اللہ پرہیزگاروں سے بخوبی واقف ہے۔

۱۱۶۔رہے وہ کہ جنھوں نے کفر کیا تو انھیں ان کے اموال اور اولاد اللہ (کے عذاب) سے بالکل بھی نہ بچا سکیں گے۔وہ تو دوزخی ہیں، اور وہ اس آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر

آیت نمبر ۱۱۵:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مومن کی نیکیوں کا لوگوں میں چرچا نہیں ہوتا تاکہ اس کی نیکیوں کا اس لیے انکار کیا جاتا ہے کہ اس کی ساری کی ساری نیکیاں خدا کے پاس چلی جاتی ہیں اور لوگوں میں اس کا چرچا نہیں ہوتا لیکن کافر کی نیکیوں کی قدر کی جاتی ہے اس کا چرچا بھی ہوتا ہے کیونکہ وہ نیکیاں (اللہ کے لیے نہیں بلکہ) لوگوں کی تعریف کے لیے کرتا ہے اس لیے وہ لوگوں میں پھیل جاتی ہیں مگر آسمان میں نہیں چڑھتیں۔

آیت نمبر ۱۱۶:

مال اور اولاد پر انسان بڑا بھروسہ کرتا ہے کہ یہ آڑے وقت میں کام آئیں گے۔ ان لوگوں سے کہا جا رہا ہے کہ مال اولاد عذابِ خدا سے نہیں بچا سکتے۔ (مجمع البیان) (تفسیر صافی ص ۹۱ بحوالہ علل الشرائع)

آیت نمبر ۱۱۷

مَثَلُ مَا يُنۡفِقُوۡنَ فِىۡ هٰذِهِ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَثَلِ رِيۡحٍ فِيۡهَا صِرٌّ اَصَابَتۡ حَرۡثَ قَوۡمٍ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَاَهۡلَكَتۡهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنۡ اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ

''جو کچھ بھی وہ اپنی اس دنیا کی زندگی میں خرچ کر رہے ہیں اس کی مثال اس ہوا کی سی ہے جس میں پالا (برفیلی ہوا) ہو اور وہ ان لوگوں کی کھیتی پر چلے جنھوں نے گناہ کر کے خود اپنے ہی اوپر ظلم کیا ہے اور اسے برباد کر دے اور اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ درحقیقت یہ گناہ کر کے اپنے اوپر خود ظلم کرتے رہے تھے۔

تفسیر

نمائشی و ریاکاری کی خیرات کا نتیجہ خود اپنے اوپر ظلم کرنا ہے

آیت ۱۱۷ کی وضاحت:

اس مثال کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کھیتی برفیلی اور شدید سرد ہوا سے برباد ہو جاتی ہے، اسی طرح دنیا

میں شو بازی اور نمائشی اخراجات جو بظاہر آنکھوں کو تو بہت بھلے لگتے ہیں مگر نتیجے میں سب اکارت ہو جائیں گے، ان اخراجات سے انھیں خوشنودیٔ خدا حاصل نہیں ہو سکتی۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ مال کی کثرت خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکتی اور دنیا میں دولت کا خوب نمائشی کاموں، ریاکاری کی خیراتوں اور اپنی شان وشوکت بگھارنے کے لیے خرچ کرنے کا حاصل اپنی بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

آیت نمبر ۱۱۸

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَةً مِّنۡ دُوۡنِكُمۡ لَا یَاۡلُوۡنَكُمۡ خَبَالًا ؕ وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ ۚ قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ۖۚ وَمَا تُخۡفِیۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَكۡبَرُ ؕ قَدۡ بَیَّنَّا لَكُمُ الۡاٰیٰتِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ

۱۱۸۔ اے ایمان والو! اپنی جماعت کے سوا دوسرے لوگوں (اغیار) کو اپنا جگری دوست نہ بناؤ۔ وہ تو تمھیں نقصان پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔ وہ تو تمھیں تکلیف دینے کی تمنا رکھتے ہیں۔ ان کی دشمنی تو ان کے منہ اور ہونٹوں سے ظاہر ہو رہی ہے اور جو (دشمنی اور نفرت) وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں، وہ تو اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ ہم نے تو تمھیں صاف صاف ہدایتیں اور نشانیاں بتا دیں، اگر ہم عقل رکھتے ہو۔

تفسیر

اغیار کو اپنا جگر راز دار دوست نہ بناؤ ایمان والوں کو اللہ کی ہدایت:

آیت نمبر ۱۱۸: ''بِطَانَۃً'' کے اصل معنی:

اَسۡتَرۡ۔ یعنی کپڑے کے باطنی حصے کے ہیں جو جسم کے ساتھ ملا رہتا ہے۔ کیونکہ یہ ''بطن'' کے لفظ سے نکلا ہے۔ کپڑے کے اوپر کے حصے کو ''ظہر'' اور اندر کے حصے کو ''بطن'' کہتے ہیں۔ جس طرح ہم اردو میں بولتے ہیں: ''وہ تو اس کا اوڑھنا بچھونا ہے'' یعنی وہ چیز اس کی بہت پسندیدہ اور محبوب ہے۔ اسی طرح بِطَانَۃً اس دوست کو کہتے ہیں جو باطنی امور یعنی رازوں سے واقف ہو۔ اس کے معنی جگری راز دار دوست کے ہیں۔ (لغات القرآن نعمانی جلد ۲ ص ۳۵)

آیت نمبر ۱۱۹

هَاَنۡتُمۡ اُولَآءِ تُحِبُّوۡنَهُمۡ وَلَا يُحِبُّوۡنَكُمۡ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا عَلَيۡكُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَيۡظِ ؕ قُلۡ مُوۡتُوۡا بِغَيۡظِكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۱۹﴾

ترجمہ

۱۱۹۔ تمہارا تو یہ حال ہے کہ تم ان سے محبت کرتے ہو، مگر وہ تم سے ذرا محبت نہیں کرتے (کیونکہ) تم تو تمام (آسمانی) کتابوں کو دل سے مانتے ہو۔ مگر وہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے مان لیا

لیکن جب وہ تم سے الگ ہو کر اکیلے ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف غیظ وغضب کی شدت میں اپنی انگلیاں تک چبا ڈالتے ہیں۔ تو آپؐ کہدیں کہ تم اپنے غصے میں آپ مر جاؤ۔ بیشک اللہ تو (تمہارے) دلوں کے چھپے ہوئے رازوں تک کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر

مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! تم تو اللہ کی ہر کتاب کو مانتے ہو مگر اہل کتاب قرآن کو نہیں مانتے۔

مدینے کے منافقوں کا حال

''غصے سے انگلیاں کاٹنا'' عربی میں کنایہ ہے، ''شدید جھنجھلاہٹ سے۔ اردو محاورے میں اس کے معنی بوٹیاں نوچنا اور ''دانت پیسنا'' آتا ہے اور یہ مدینے کے منافقوں کا ذکر ہے۔ (قرطبی)

آیت نمبر ۱۲۰

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾

ترجمہ

۱۲۰۔ اگر تمہارا کوئی بھلا یا فائدہ ہوتا ہے، تو ان (منافقوں) کو بہت برا لگتا ہے اور اگر تمہیں کوئی برائی، مصیبت یا نقصان پہنچتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ مگر ان کی کوئی ترکیب تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گی بشرطیکہ تم صبر سے کام لو اور اللہ کے عذاب سے ڈر کر فرائض الٰہیہ کو ادا کرتے رہو اور برائیوں سے بچتے رہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ان کے تمام کاموں پر پوری طرح حاوی ہے۔

تفسیر

اہل کتاب کی منفی سوچ اور پست ذہنیت

یعنی وہ اہل کتاب تمہارے لیے چھوٹی سے چھوٹی بھلائی تک دیکھنا نہیں چاہتے۔(البلاغی)

انھیں صرف خطرے ہی سے اطمینان نہیں ہوتا، بلکہ وہ اس وقت تک خوش نہیں ہوتے جب تک کوئی نقصان یا مصیبت پورے پورے طور پر تم مسلمانوں پر اثر انداز نہ ہو۔(بلاغی)

''یہ ان کی انتہائی منفی سوچ، پست ذہنیت اور انتہائی دلی نفرت کا بیان ہے۔''

اس آیت میں مکمل تعلیم اس بات کی آ گئی کہ دشمن سے محفوظ رہنے کے لیے بہترین حربہ صبر اور تقویٰ ہے۔(مدارک)

آیت نمبر ۱۲۱۔۱۲۲

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ﴿۱۲۱﴾

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴿۱۲۲﴾

ترجمہ

۱۲۱۔ اور وہ موقع جب صبح سویرے آپؐ اپنے گھر سے نکلے تھے اور مسلمانوں کو جنگ کے لیے مناسب جگہوں پر جگہ دے رہے تھے اور اللہ سب کچھ سننے والا اور بڑا ہی جاننے والا ہے۔

۱۲۲۔ جب تم میں سے دو گروہوں نے پہلے ہی سے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ سستی دکھائیں گے حالانکہ اللہ تو ان دونوں کا مالک، مددگار اور سرپرست تھا اور ایمانداروں کو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

تفسیر

جنگ احد میں مسلمانوں کی حالت اور حضرت علیؑ کی شجاعت پر جبریلؑ کی قصیدہ خوانی

لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ یہ آیت اس طرح اتری کہ مکے کے قریش جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لڑنے کے لیے نکلے تو آنحضرتؐ بھی مدینے سے دفاع کے لیے نکلے۔ کفاروں کا لیڈر ابوسفیان تھا جو بدر میں مسلمانوں سے بری طرح شکست کھا چکا تھا، اس جنگ میں کافروں کے ستر آدمی مارے گئے تھے اور ستر ہی قید ہوئے تھے۔ ابوسفیان نے عورتوں سے کہہ دیا تھا کہ اپنے مقتولین پر نہ روئیں کیونکہ رونے سے دل کا غبار نکل جاتا ہے تو غصہ ختم ہو جاتا ہے۔ پھر جب احد کے لیے تیار ہو کر تیس ہزار جوان ابوسفیان کے ساتھ آئے تو ابوسفیان نے عورتوں کو رونے کی اجازت دے دی تا کہ سب کا غصہ خوب بھڑک اٹھے۔ کافروں کی فوج کے ساتھ ابوسفیان کی بیوی امیر معاویہ صاحب کی ماں ہندہ بھی تھی جس نے حضرت امیر حمزہؑ کا کلیجہ چبایا اور آپ کے دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں، کان، ناک اور اعضاء رئیسہ کاٹ کر ان کا ہار پہنا۔ اسی جنگ میں سارے مسلمان میدان چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ البتہ حضرت علیؑ، سمک بن خوشہ اور ابوذجانہ جناب رسول خداؐ کو گھیرے رہے اور دشمنوں سے آپؐ کو بچاتے رہے۔ پھر اسی جنگ میں جبریلؑ پکارے: "لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار" (یعنی) علیؑ کے سوا کوئی جوان نہیں، ذوالفقار کے سوا کوئی تلوار نہیں۔ (تفسیر صافی ص ۹۲ بحوالہ تفسیر قمی و تفسیر عیاشی)

اس وقت رسولخداؐ مسلمانوں کو مناسب مورچوں پر جگہ دے رہے تھے اور تیراندازوں سے فرمایا تھا کہ تم کسی حال میں بھی اس جگہ کو نہ چھوڑنا۔ اس ذکر کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ مسلمانوں نے اس گھاٹی کو چھوڑ دیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

یہ دونوں گروہ جن کا ذکر کیا گیا اور جنہوں نے سستی دکھائی، وہ گروہ بنوسلمہ اور بنوحارثہ کے انصاری گروہ ہیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، مجمع البیان از قول امام جعفر صادقؑ)

دوسری احادیث میں اس سے مراد عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی بھی ہیں۔ (تفسیر قمی)

آیت نمبر ۱۲۳۔۱۲۴

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

ترجمہ

۱۲۳۔اور بلاشبہ اللہ نے (جنگ) بدر میں تمہاری مدد کی، جبکہ تم کمزور تھے لہٰذا اللہ کی ناراضگی سے بچتے رہو، شاید کہ (اس طرح) تم شکرگزار بن جاؤ۔

۱۲۴۔جب آپؐ مومنین سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں کو اتار کر تمہاری مدد کرے؟

تفسیر

جنگ بدر اور نصرتِ خدا پر مختصر تبصرہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''جس حالت میں رسول خداؐ ان میں موجود تھے تو وہ لوگ ہرگز ذلیل نہ تھے ''اَذِلَّة'' کے معنی ضعفاء یعنی ''کمزور'' کے ہیں۔ کیونکہ مجاہدین بدر صرف ۳۱۳ تھے اور کفار تین ہزار تھے۔ اس لیے مسلمان اتنے بڑے لشکر کے مقابلے میں عددی اعتبار سے کمزور تھے۔ حضرت ابوذر نے بھی ''اذلة'' کی تفسیر ''قلیل'' سے کی۔ یعنی بدر والوں کی تعداد قلیل تھی۔ (تفسیر صافی ص ۹۱ بحوالہ تفسیر قمی و تفسیر عیاشی)

جنگ بدر میں مسلمانوں کے پاس کل ۳۱۳ آدمی، صرف ۳۱ تلواریں، دو گھوڑے تھے۔ اسی کو خدا نے

مسلمانوں کے لیے فرمایا کہ ''جب تم کمزور تھے۔'' (تفسیر صافی، بلاغی)

اب اس کے بعد بھی مسلمانوں کو فتح ہوئی تو اس کو خدا کی مدد کے سوا اور کیا سمجھا جا سکتا ہے؟ (فصل الخطاب)

انیسویں صدی کا انگریز مورخ باسورتھ اسمتھ ابتدائی غزوات کے بارے میں لکھتا ہے کہ: ''وہ اخلاص، ایثار اور شجاعت کے لحاظ سے ہومر کے افسانوں سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔'' (محمد اینڈ محمدازم ص ۲۰۷)

توحید اور شرک کے درمیان بدر کا میدان سب سے پہلا جائے تصادم تھا جو جمعہ کے دن ۱۷ ماہ رمضان ۲ ہجری مطابق ۱۱ مارچ ۶۲۴ عیسوی کو پیش آیا اس غزوے نے تاریخ عالم کا رخ پلٹ دیا۔ فرنگی مورخین بھی اس کی اہمیت کو مانتے ہیں۔ ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے ''فتوحاتِ اسلامی کے سلسلے میں جنگ بدر انتہائی اہمیت رکھتی ہے۔'' (ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۸ ص ۱۲۲)

اور امریکی پروفیسر ہٹی نے لکھا: ''یہ اسلام کی سب سے پہلی کھلی ہوئی فتح تھی۔'' (ہسٹری آف دی عربس ص ۱۱۷)

خدا کا فرمانا کہ ''تم کمزور تھے'' یعنی تعداد میں قلیل اور سامان میں مسلمان بہت حقیر تھے۔ مسلمانوں کی کل تعداد ۳۱۳ اور پوری فوج کے ساتھ صرف دو گھوڑے اور ۷۰ اونٹ تھے۔ مگر کیونکہ مسلمانو! تم نے اپنی طرف سے تقویٰ کا حق ادا کیا تو خدا کی طرف سے فضل اور نصرت نے ہاتھ تھاما۔ (جلالین، قرطبی، بحر)

آیت نمبر ۱۲۵۔۱۲۶

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾
وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ۙ

ترجمہ

۱۲۵۔ کیوں نہیں، اگر تم صبر اور برداشت کرو گے اور فرائض الٰہیہ کو ادا کرتے ہوئے برائیوں سے بچو

گے،تو جس وقت بھی دشمن تم پر حملہ کریں گے تو فوراً تمہارا پروردگار پانچ ہزار ایسے فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا جن پر نشانات لگے ہوں گے۔

۱۲۶۔اور یہ اللہ نے اس لیے کیا ہے کہ تم خوش ہو جاؤ اور اس لیے کہ تمہارے دلوں کو اس سے اطمینان حاصل ہو جائے اور نصرت نہیں ہوتی مگر اللہ ہی کی طرف سے جو بڑی زبردست قوت والا ہے اور حکمت والا ہے۔

تفسیر

جنگ بدر میں مدد کرنے والے فرشتوں کی خصوصیت

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ:''جو فرشتے بدر کے دن بھیجے گئے تھے ان کے سروں پر عمامے تھے اور وہ فرشتے آسمان پر واپس نہیں چڑھے اور وہ امام مہدی علیہ السلام کی نصرت کریں گے اور ان فرشتوں کی تعداد پانچ ہزار ہے۔(تفسیر صافی ص ۹۳ بحوالہ تفسیر عیاشی)

نصرت وفتح کی وجہ

مطلب یہ ہے کہ خدا کو فتح عطا کرنے کے لیے فرشتے بھیجنے کی بھی کوئی ضرورت نہ تھی،مگر کیونکہ یہ مسلمانوں کی پہلی لڑائی تھی اس لیے اللہ نے چاہا کہ نفسیاتی طور پر فرشتے دیکھ کر مسلمانوں کے دل مضبوط ہو جائیں۔(تفسیر صافی)

بخاری شریف کی حدیث علی کے ہاتھ پر فتح

غرض اصل فتح دینے والا خدا ہے چاہے وہ فرشتوں کے ذریعے فتح دے اور چاہے تو کسی انسان کو فتح کا ذریعہ بنا دے۔چنانچہ احد اور خیبر میں صرف حضرت علیؑ کی تلوار سے مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی جن کے لیے رسولؐ نے فرمایا تھا:''یفتح اللہ علی یدیہ''(خدا علیؑ کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائے گا)۔

آیت نمبر ۱۲۷۔۱۲۸

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا

خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

ترجمہ

۱۲۷۔(اور یہ مدد اس لیے ہے) تاکہ کافروں کے ایک بڑے حصے کا ایک بازو کاٹ دے یا انھیں ایسی ذلیل شکست دے کہ وہ ناکام ہو کر واپس چلے جائیں۔

۱۲۸۔خدا کے امر (حکم یا فیصلے) میں آپ کو کوئی دخل یا اختیار نہیں ہے۔خدا چاہے تو ان کی توبہ کو قبول کرے اور چاہے تو انھیں سزا دے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔

تفسیر

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ: ''اس آیت کی وجہ نزول یہ بھی تھی کہ جناب رسول خداؐ کو یہ فکر تھی کہ لوگ حضرت علیؑ سے حسد اور عداوت رکھتے ہیں تو وہ ان کی وصایت کو کیسے مانیں گے؟ خدا نے اپنے رسولؐ سے فرمایا کہ اس وصایت کے معاملے میں آپؐ کو کوئی اختیار نہیں ہے۔آپؐ ہمارے حکم سے علیؑ کو اپنا وصی اور اپنے بعد اولوالامر قرار دے دیں۔'' (تفسیر صافی ص ۹۳ بحوالہ تفسیر عیاشی)

آیت نمبر ۱۲۹

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾

ترجمہ

۱۲۹۔اور جو کچھ آسمانوں میں یا زمین میں ہے (سب کا سب) اللہ ہی کا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور اللہ تو بڑا بخشنے والا، بڑی ہی رحمت والا ہے۔

تفسیر

خدا جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے وہ مقتدر ہے

''خدا جسے چاہتا ہے بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے۔'' یہ خدا کے اقتدار کا اظہار ہے۔ لیکن اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ خدا کا چاہنا کسی اصول یا معیار کے بغیر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ حکیم بھی ہے اور عادل بھی۔

بہرحال یہ حقیقت مسلم ہے کہ معاف کرنا یا نہ کرنا خدا کے ہاتھ میں ہے۔ کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں۔ اس سے انسان کے دل میں خوفِ خدا بھی پیدا ہوتا ہے اور امید معافی بھی یہی ایمان کا جوہر ہے۔ (فضل الخطاب)

آیت نمبر ۱۳۰

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۚ﴿۱۳۰﴾

ترجمہ

۱۳۰۔اے ایمان والو! یہ دگنا چوگنا بڑھتا چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو اور اللہ کے غضب سے بچو۔ (اس طرح) شاید تم ہر طرح کی کامیابی اور بہتری حاصل کر سکو۔

تفسیر

''دوگنا چوگنا'' سے مراد

''دوگنا چوگنا'' قید یا شرط کے طور پر نہیں کہا گیا ہے یعنی یہ مطلب نہیں کہ اگر دوگنا چوگنا سود نہ لیا جائے تو سود جائز ہے۔ اصل میں اس زمانے میں ہوتا یہی تھا کہ سود دوگنا چوگنا لیا جاتا تھا، اس لیے ان کے فعل کی سخت برائی کو ظاہر کرنے کے لیے دوگنا چوگنا فرمایا گیا ہے۔ (تفسیر صافی)

مثلاً قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ ''اللہ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پر نہ بیچو'' اس کا مطلب یہ نہیں کہ زیادہ قیمت ملے تو بیچ ڈالو۔ یا خدا کا یہ فرمانا کہ ''یہودی نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں۔'' اس کا مطلب یہ نہیں کہ نبیوں کو حق کے ساتھ قتل کیا جا سکتا ہے۔ احد کی شکست کا بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمان عین کامیابی کے موقع پر مال کی طمع سے مغلوب ہو گئے اور جہاد کے بجائے مالِ غنیمت لوٹنے پر اتر آئے۔ خدا نے اس حالت کی اصلاح کے لیے طمع اور زبردستی کی جڑ کاٹی اور حکم دیا کہ سود خوری سے باز آؤ۔ سود خور آدمی رات دن سود کے بڑھتے رہنے کا ہی حساب لگاتا رہتا ہے اور اس طرح اس کی حرص بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ (تفہیم)

آیت نمبر ۱۳۱ تا ۱۳۳

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۳۱﴾

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۳۳﴾

ترجمہ

۱۳۱۔ اور بچو اس (بھڑکتی) آگ سے جو منکروں کے لیے تیار ہے۔

۱۳۲۔اور اللہ اور رسول کا حکم مان لو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

۱۳۳۔اور تیزی سے دوڑو اپنے پالنے والے کی بخشش اور اس کی جنت کی طرف، جس کی چوڑائی تمام آسمانوں اور زمین (جیسی) ہے جو ان لوگوں کے لیے تیار ہے جو متقین ہیں۔(یعنی) فرائض الٰہیہ کے ادا کرنے اور گناہوں سے بچنے والے ہیں۔

تفسیر

جہنم کی آگ منکروں کے لیے بھڑکائی گئی ہے

''اس آگ سے بچو'' کے معنی ان کاموں سے بچو جو آگ میں لے جانے والے ہیں۔(مجمع البیان)

اکثر مفسرین نے لکھا کہ یہاں جہنم کا وعدہ ان لوگوں سے ہے جو سود خوری کو حلال سمجھتے ہیں کیونکہ وہ کفر کی حدوں میں داخل ہیں۔(قرطبی، بحر، بقول ابن عباسؓ)

جنت کی وسعت اور مغفرت کا ذکر

مطلب یہ ہے کہ معاف کرنا خدا کا کام ہے بندے کا کام ایسے کاموں کی طرف جلدی سے جانا ہے جو اسے خدا کی معافی کا مستحق بنا دیں۔(تفسیر صافی) جنت کی وسعت کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ اطمینان حاصل ہو جائے کہ وہاں کبھی کسی چیز کی کمی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔(بلاغی)

آیت نمبر ۱۳۴

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۚ﴿۱۳۴﴾

ترجمہ

۱۳۴۔جو خوشحالی اور تنگی (دونوں) میں خیرات کرتے ہیں، اور غصے کو پی جاتے ہیں، اور لوگوں کے

قصور معاف کرتے ہیں، اور اللہ (ایسے) احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

تفسیر

سودخوری کے نقائص

سودخوری جس سوسائٹی کے اندر ہوتی ہے اس میں کئی قسم کے اخلاقی امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ سود لینے والوں میں طمع، بخل اور خودغرضی، انسان دشمنی اور استحصال کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور سود دینے والوں میں سود لینے والوں سے نفرت، غصہ، بغض اور حسد پیدا ہوتا ہے۔ سود کے مقابلے میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والی سوسائٹی میں ایثار، انسان دوستی، سخاوت اور آخرت کے لیے کام کرنے کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔

متقین کے اوصاف حمیدہ اور ان کی مدح

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اس حالت میں اپنے غصے کو روک لے جبکہ وہ قدرت رکھتا ہو کہ جو چاہے کرے، تو اللہ قیامت کے دن اس کے دل کو اپنی رضامندی سے بھر دے گا۔'' (تفسیر صافی ص ۹۳ بحوالہ کافی)

غصے کو پی کر معاف کرنے والوں کی مدح

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''میں تمہیں معاف کرنے کی تاکید کرتا ہوں۔ کیونکہ معاف کرنے سے انسان کی عزت بڑھتی ہے۔ تم دوسروں کے قصور معاف کرو تو خدا تمہاری عزت بڑھائے گا۔'' (تفسیر صافی ص ۹۳ بحوالہ کافی)

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نماز کی تیاری کر رہے تھے۔ آپؑ کی لونڈی کے ہاتھ سے لوٹا گر پڑا اور امام کو چوٹ لگی۔ حضرت نے لونڈی کو غصے سے دیکھا تو اس نے اسی آیت کا پہلا حصہ پڑھا یعنی ''وہ لوگ جو غصے کو پی جاتے ہیں۔'' آپؑ نے فرمایا: ''میں نے غصہ پی لیا۔'' پھر لونڈی نے آیت کا دوسرا حصہ پڑھا، یعنی ''جو لوگ کو معاف کرتے ہیں۔'' امامؑ نے فرمایا: ''میں نے تمہیں معاف کیا۔ اللہ بھی تمہیں معاف کرے۔'' پھر لونڈی نے اسی آیت کا تیسرا حصہ پڑھا: یعنی ''خدا نیک کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' امامؑ نے فرمایا: ''جا میں نے تجھے خدا کی راہ میں آزاد کیا۔'' (تفسیر صافی ص ۹۳ بحوالہ تفسیر مجمع البیان، وماجدی)

آرنلڈ اور دیگر مستشرقین نے لکھا

آرنلڈ اور دوسرے مستشرقین نے لکھا کہ عرب جیسی بدمزاج، تیز مزاج، جنگجو قوم کے سامنے حلم وضبط، صلح و آشتی کے ایسے بلند معیار پیش کرنا اور پھر اس تعلیم کو کامیاب بنانا بجائے خود ایک معجزہ ہے۔

محققین نے لکھا کہ مدح اس بات کی نہیں ہو رہی ہے کہ ان کو غصہ سرے سے آتا ہی نہیں۔ بلکہ مدح اس بات پر ہے کہ غصے میں قابو سے باہر نہیں ہوتے۔ عقل جذبات پر حاکم رہتی ہے۔ غصہ پیدا ہوتا ہے، حرارتِ طبعی یا حمیت سے۔ اس کو سرے سے فنا کر دینا اسلام کا مقصود نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ غصہ حد میں رہے، محلِ مناسب پر ہو۔ اس کی فضیلت میں بہت سی احادیث ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو غصے کو پی جائے جبکہ وہ اس کو نافذ کرنے پر قادر بھی ہو تو خدا اس کے دل کو ایمان اور امن سے بھر دے گا۔'' (ماجدی)

معاف کرنے والوں کا مرتبہ کاظمین سے بلند ہے

غصے کے پی جانے والوں سے مرتبہ معاف کرنے والوں کا زیادہ ہے۔ کیونکہ غصہ پی جانا ایک سلبی کیفیت ہے اور معاف کرنا ایجابی کیفیت ہے۔

احسان کرنے والوں کا مرتبہ دونوں سے بلند ہے

محسنین کا درجہ دونوں سے بلند ہے۔ یعنی صرف معاف نہیں کرتے بلکہ احسان بھی کرتے ہیں۔ محدث بیہقی نے امام زین العابدینؒ کا قصہ جو اوپر (قبل ازیں) بیان ہوا لکھا اور آخر میں لکھا کہ: ''رسولِ اسلام کی زندگی تو قرآن کے سانچوں میں ڈھلی ہوتی تھی ہی لیکن رسولؐ سے قرابت رکھنے والے بھی کس درجہ نفوس قدسیہ کے مالک بن چکے تھے۔ (ماجدی)

جوش نے کہا:

اہل بیت پاک کے ہر سانس کو اے مدعی
ہاں ملا کر دیکھ لے آیاتِ قرآنی کے ساتھ

آیت نمبر ۱۳۵

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۫ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۣ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳۵

ترجمہ

۱۳۵۔اور یہ لوگ اگر کوئی بڑا برا کام کر لیتے ہیں یا (کوئی گناہ کر کے) اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں تو اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو معاف کر سکتا ہے، اور وہ (لوگ) اپنے برے کام پر جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے۔

تفسیر

"فَاحِشَةً" یعنی بڑے بڑے برے کام۔(تفسیر صافی)

شانِ نزول آیت، کفن چور کا قصہ

اس آیت کے شانِ نزول میں یہ قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک جوان آدمی قبروں سے مردوں کے کفن چراتا تھا۔ایک دفعہ ایک جوان لڑکی کی قبر سے کفن نکال رہا تھا کہ اس کی نیت خراب ہوگئی اور خاتون کی بے حرمتی کر بیٹھا۔پھر اس کا ضمیر بیدار ہوا اور اس نے توبہ کی۔اسی کے سلسلے میں یہ آیت اتری۔(مجمع البیان)

صحیح استغفار

استغفار صحیح وہی ہے جو صرف زبان سے نہیں دل کی حسرت اور مذامت کے ساتھ ادا ہوتا ہے اس عزم کے ساتھ کہ اب وہ گناہ دوبارہ نہ کیا جائے گا۔اگر یہ نہ ہو تو استغفار خود قابل استغفار ہو جائے گا، عجب نہیں کہ اس کے بغیر

استغفار کا شمار استہزاء میں ہو جائے۔(قرطبی)

نتیجہ

محققین نے نتیجہ نکالا کہ گناہوں کی معافی صرف اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔اس میں رد ہے مسیحی عقیدے کہ گناہوں کی معافی مسیح بلکہ ان کے کاتبوں کے اختیار میں ہے۔انجیل میں ہے کہ ''ان سے کہا کہ روح القدس کو لو۔جن کے گناہ تم بخشو،ان کے بخشے گئے اور جن کے گناہ تم قائم رکھو ان کے قائم رکھے گئے ہیں۔''(یوحنا ۲۱ سے ۲۴)

آیت نمبر ۱۳۶

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَجَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ وَنِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِيۡنَ ۚ﴿۱۳۶﴾

ترجمہ

۱۳۶۔ایسے ہی لوگوں کا صلہ ان کے رب کی بخشش ہے اور وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور کتنا اچھا معاوضہ ہے نیک کام کرنے والوں کا۔

تفسیر

اللہ جل جلالہ کی نظر میں توبہ قابل انعام عمل ہے:

آیت نمبر ۱۳۶:

یہ خداوند عالم کی عظیم مہربانی ہے کہ وہ گناہوں پر توبہ کرنے سے صرف گناہ معاف ہی نہیں کرتا، بلکہ اس توبہ واستغفار کو بھی ایک قابل معاوضہ عمل قرار دے کر اس پر اجر وثواب بھی عطا فرماتا ہے۔(فصل الخطاب)

بقول شاعر:

میں گناہگار، خطاکار، سیہ کار مگر
کس کو بخشے تری رحمت جو گنہگار نہ ہو

آیت نمبر ۱۳۷۔۱۳۸

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

ترجمہ

۱۳۷۔تم سے پہلے بہت سے طریقے اور نمونے گزر چکے ہیں۔تو تم زمین پر چل پھر کر دیکھ لو کہ ان (حق کو) جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟

۱۳۸۔ یہ بیان تمام انسانوں کے لیے نہایت ہی واضح تنبیہ ہے اور جو فرائض الٰہیہ کو ادا کرتے ہیں، اور جو خدا سے ڈر کر اس کی ناراضی اور برائیوں سے بچتے ہیں ان کے لیے یہ ہدایت اور نصیحت ہے۔

تفسیر

مقصد سیاحت عبرت حاصل کرنا

افعال ونتائج پر غور کرنے کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ عقلی طور پر انسان کسی عمل کے اچھے اور برے ہونے پر غور کرے اور دوسرے یہ کہ جن کاموں کے برے نتائج نکل چکے ہیں انہیں دیکھے اور ان کاموں کی اچھائی اور برائی کے متعلق رائے قائم کرے۔ پہلا طریقہ عقلا اور خواص کا ہوتا ہے اور دوسرا طریقہ عوام کا۔ یہاں دوسرے طریقے کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے۔(فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۳۸:

خدا کا یہ فرمانا کہ: ''یہ قرآن ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ونصیحت ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ قرآن اعلان نامہ تو ہے ساری دنیا کے لیے لیکن اس سے نفع وہ ہی اٹھائیں گے جن کے دلوں میں خدا کا خوف ہوگا۔ (قرطبی بقول حسن، قتادہ، ابن جریج وربیع وبحر ومعالم)

آیت نمبر ۱۳۹

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

ترجمہ

۱۳۹۔اور کمزوری نہ دکھاؤ اور نہ غمگین ہو (کیونکہ) اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔

تفسیر

فتح وکامرانی بالآخر مومنوں کو نصیب ہوگی

عام طور پر مادی فتح کو ''فتح وکامرانی'' سمجھا جاتا ہے۔تو اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم اطمینان رکھو، آخری فتح بہرحال تمہاری ہوگی بشرطیکہ تم ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے رہو۔ (مجمع البیان)

کیونکہ ''احد'' میں مسلمانوں کو جسمانی اور ذہنی بڑا دھچکا پہنچا تھا، اس لیے ان کو تسلی دی جا رہی ہے۔ (تفسیر صافی)

آخری الفاظ سے یہ بتایا جا رہا ہے کہ جو شکست تم کو ہوئی ہے وہ تمہارے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے ہوئی ہے۔اب اگر تم اپنا ایمان مضبوط کر لو گے تو پھر فتح تمہاری ہی ہوگی۔

دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر تم ایمان جیسی عظیم دولت اپنے پاس رکھتے ہو تو بہرحال تمہیں حقیقی معنی

میں بلندی حاصل ہے، چاہے وقتی طور پر کسی جنگ میں ظاہری شکست کھا چکے ہو کیونکہ تم حق پر ہو اس لیے تم ہی بلند ہو۔ (تفسیر صافی)

آیت نمبر ۱۴۰

اِنْ یَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ ۚ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾

ترجمہ

۱۴۰۔ اگر تم کو کوئی چوٹ یا زخم پہنچ گیا ہے تو ایسا ہی زخم ان لوگوں (مخالفوں) کو بھی پہنچ چکا ہے۔ اور یہ تو (دنیا کی تکلیف کے) چند دن ہیں جو ہم لوگوں میں ادلتے بدلتے رہتے ہیں، تاکہ اللہ جان لے (جانچ لے) کہ تم میں سچے مومن کون ہیں؟ اور تاکہ ان لوگوں کو چھانٹ لے جو شہید ہیں (مثالی کردار کے مالک ہیں) اور اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ مومنوں کی ہمت افزائی فرما رہا ہے

مطلب یہ ہے کہ جنگ بدر میں چوٹ کھا کر کافر پست ہمت نہ ہوئے تو تم مسلمان ہو کر چوٹ کھا کر کیوں ہمت ہارتے ہو؟ غرض ان نقصانات سے مراد جنگِ بدر والے نقصانات ہیں اور جو جنگ احد میں نقصانات ہوئے ہیں وہ بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ (بلاغی)

آیت کا مفہوم

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ تو دنیا ہے۔ یہاں ہمیشہ ایک ہی صورت نہیں رہتی۔ کبھی کے دن بڑے ہوتے ہیں تو کبھی راتیں۔ اس لیے کسی کو کبھی یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ فتح ہمیشہ وہی پائے گا۔ (فصل الخطاب)

اس آیت سے برآمد شدہ نتائج

محققین نے پہلا نتیجہ جو اس آیت سے نکالا وہ یہ ہے کہ ''جو لوگ آج ثابت قدم نہ رہے تھے وہ سچے معنی میں ایمان کے جوہر سے آراستہ نہ تھے۔ جنگ احد میں وفاداری اور ثابت قدمی دکھانے والے ہی مثالی افراد ہو سکتے ہیں۔ بقول شاعر

احد میں کوئی پہاڑ پر ہے، نبیؐ کا سینہ سپر ہے کوئی
ہزار دعوے ہوں دوستی کے، جگر جگر ہے، دگر دگر ہے

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ وہ لوگ جن کے قدم اکھڑے مگر انہوں نے اپنی غلطی کو محسوس کر لیا اور ان میں شرمندگی کا احساس پیدا ہوا، تو وہ نکھر گئے اور ان کی خامیاں دور ہو گئیں۔ اور جو دل سے ایمان ہی نہ لائے تھے اور صرف نمائشی اسلام لٹکائے پھر رہے تھے، ان کی پوری پوری قلعی کھل گئی۔

تیسرا نتیجہ یہ نکالا گیا کہ مسلمانوں کو جب شکست ہوتی ہے تو اس کا مقصد مسلمانوں کو نکھارنا ہوتا ہے۔

اور کفاروں کو شکست دینے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کا زور توڑ دیا جائے اور اس طرح رفتہ رفتہ قلع قمع کر دیا جائے۔ (تفسیر صافی، فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۴۱۔۱۴۲

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾
اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

ترجمہ

۱۴۱۔ (یہ ہار جیت تو) اس لیے ہے کہ ایمانداروں کو نکھار کر صاف کر دے اور کافروں کو رفتہ رفتہ نیست و نابود کر دے۔

۱۴۲۔ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم یونہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی تک اللہ نے (تم کو جانچ کر) یہ معلوم ہی نہیں کیا ہے کہ تم میں مجاہد (یعنی) جان لڑا کر کوشش کرنے والے اور صبر کرنے والے کون ہیں۔

تفسیر

اللہ لوگوں کو ان کے اعمال سے جانچنا چاہتا ہے تا کہ انعام کا مستحق نکھر کر سامنے آجائے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کو ہر چیز کے پیدا کرنے سے پہلے ان سب کا حال معلوم تھا کہ کون کون جہاد کرے گا اور کون نہ کرے گا۔ جس طرح خدا اپنی مخلوق کو موت دینے سے پہلے یہ جانتا ہے کہ میں ان کو (کب اور کہاں) موت دوں گا، حالانکہ زندگی میں ان کو موت نہیں دکھلاتا۔'' (تفسیر صافی ص ۹۴ بحوالہ تفسیر عیاشی)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ صرف مسلمانوں کی فہرست میں داخل ہو جانا جنت میں جانے کی ضمانت نہیں، بلکہ کردار سے ایسا ثبوت فراہم کرنا ضروری ہے جو جنت کے استحقاق کو ثابت کر سکے۔ اس کا ایک ثبوت میدانِ جہاد میں ثابت قدم ہونا ہے۔

آیت نمبر ۱۴۳

وَلَقَدۡ كُنۡتُمۡ تَمَنَّوۡنَ الۡمَوۡتَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَلۡقَوۡهُ فَقَدۡ

رَاَیۡتُمُوۡہُ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۱۴۳﴾

ترجمہ

۱۴۳۔اورتم موت کے سامنے آنے سے پہلے تو موت کی تمنا کررہے تھے۔تواب وہ تمہارے سامنے آ گئی اورتم نے اسے (اپنی کھلی آنکھوں سے بھی) دیکھ لیا۔

تفسیر

شہدائے بدر کے مدارج سے آگاہ ہونے پر مومنوں نے شہادت کی تمنا ظاہر کی

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''جب اللہ نے مومنوں کو شہدائے جنگ بدر کے درجوں سے آگاہ فرمایا تو انہوں نے بھی یہ خواہش کی کہ ''اے خدا! کوئی جنگ ہمیں بھی درپیش ہو جس میں ہم بھی شہید ہوں'' اللہ نے انھیں جنگ احد دکھائی جس میں وہ ثابت قدم نہ رہے، سوائے چند لوگوں کے۔اس پر خدا نے فرمایا ''یقیناً تم موت کے سامنے آنے سے پہلے موت کی تمنا کیا کرتے تھے۔'' (تفسیر صافی ص ۹۴ بحوالہ تفسیر قمی)

یہ آیت احد میں بھاگنے والوں پر زبردست طنز ہے کہ تم تو ہمیشہ بظاہر شہادت کی آرزو کیا کرتے تھے، مگر جب شہادت کا وقت آیا تو بھاگ کر پہاڑ پر چڑھنے لگے۔(فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۴۴

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ٮِٕنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤی اَعۡقَابِکُمۡ ؕ وَمَنۡ یَّنۡقَلِبۡ عَلٰی عَقِبَیۡہِ فَلَنۡ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیۡئًا ؕ وَسَیَجۡزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیۡنَ ﴿۱۴۴﴾

ترجمہ

۱۴۴۔ اور محمد تو بس خدا کے پیغمبرؐ ہیں جن سے پہلے تمام پیغمبر گزر چکے ہیں۔ تو کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے؟ (یاد رکھنا کہ) جو کوئی بھی الٹے پاؤں (کفر کی طرف) پلٹ جائے گا تو وہ خدا کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو (بہترین) جزا دے گا۔

تفسیر

اللہ کے سوا سب کو موت کا ذائقہ چکھنا پڑے گا

آیت کے الفاظ کہ: ''محمد صرف ایک رسولؐ ہیں'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا نہیں ہیں کہ انہیں کبھی موت ہی نہ آئے۔ یہ تو عقلی دلیل ہے اور واقعاتی دلیل یہ ہے کہ بہت سے پیغمبرؑ آئے اور دنیا سے جا چکے۔ اگر رسالت کی یہ خصوصیت ہوتی کہ اس کی وجہ سے موت نہ آئے گی تو پچھلے رسول دنیا سے کیوں اٹھے؟ اس آیت کا جنگ احد سے یہ تعلق ہے کہ شیطان نے یہ آواز میدانِ جنگ میں بلند کر دی کہ ''محمدؐ قتل ہو گئے'' اس آواز پر مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی اور لوگ یہ کہہ کہہ کر بھاگنے لگے کہ جب رسولؐ ہی نہ رہے تو ہم جنگ کر کے کیا کریں گے مگر حضرت علیؑ نے اس وقت حملے اور تیز کر دیے اور فرمایا کہ ''جب رسولؐ ہی نہ رہے تو پھر ہمارے رہنے کا کیا فائدہ؟''

اس آیت میں مسلمانوں سے یہ پوچھا گیا کہ ''کیا اگر رسولؐ دنیا سے اٹھ جائیں تو تم خدا کے دین سے پھر جاؤ گے؟'' رسول کے بعد پیدا ہونے والے فتنے میں یہ آیت طالب حق کی رہنمائی کے لیے کافی ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ رسولؐ نے کیا فرمایا اور کیا چاہا۔ پھر ان کو اپنا رہبر تسلیم کرے۔ یہ نہ ہو کہ رسولؐ کی وفات پر دین ہی سے پھر جائے۔

حضرت امام باقر علیہ السلام نے موت کے بارے میں فرمایا

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے کسی نے کسی مقتول کے بارے میں پوچھا کہ ''کیا وہ مر گیا؟'' فرمایا: ''نہیں۔ کیونکہ موت موت ہے اور قتل قتل ہے۔''

کہا گیا ''جو شخص قتل ہوا، وہ ضرور مرا ہے'' امامؑ نے فرمایا: ''اللہ کا قول تیرے قول سے زیادہ سچا ہے۔ اس نے قرآن میں دونوں چیزوں کے درمیان فرق رکھا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: ''اگر وہ مر جائے یا قتل کیا جائے'' اور

دوسری جگہ ارشاد فرمایا ''اگر تم مرو یا قتل ہو، تو خدا کے سامنے ضرور جمع کئے جاؤ گے۔'' اس سے ثابت ہوا کہ موت اور چیز ہے اور قتل اور چیز ہے۔ جبکہ خدا فرماتا ہے کہ ''كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ''یعنی ہر شخص کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اس لیے ''جو قتل کیا گیا اس نے موت کا ذائقہ نہیں چکھا وہ ضرور دنیا میں واپس آئے گا۔ یہاں تک کہ موت کا مزہ چکھے۔'' (تفسیر صافی ص ۹۴ بحوالہ تفسیر عیاشی)

شیطان کی غلط افواہ پر اکثر صحابہ کا حال

جب جنگ احد میں نبیؐ کی شہادت کی جھوٹی خبر شیطان نے اڑا دی تو اکثر صحابہ کی ہمتیں چھوٹ گئیں۔ منافقین نے کہنا شروع کر دیا کہ چلو عبداللہ ابن ابی کے پاس چلیں تا کہ وہ ابوسفیان سے ہمارے لیے پناہ لے لے اور کچھ لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ محمدؐ اگر رسولؐ ہوتے تو قتل کیوں ہوتے۔ تو چلو اب ہم اپنے باپ دادا کے دین کی طرف لوٹ چلیں۔ (تفہیم القرآن، مولانا مودودی)

آیت نمبر ۱۴۵

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

ترجمہ

۱۴۵۔ اور کوئی ذی روح اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں مر سکتا۔ موت کا وقت تو مقررہ معیاد کی قید کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ اب جو شخص بھی دنیا میں اپنا صلہ (بدلہ) چاہتا ہے تو ہم اسے دنیا ہی میں دے دیتے ہیں اور جو آخرت کا ثواب چاہتا ہے تو ہم اسے اسی میں سے دیتے ہیں اور وہ وقت قریب ہے کہ جب ہم شکر ادا کرنے والوں کو ان کا صلہ یا ثواب عطا کریں گے۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے حضرت علی علیہ السلام کا شکریہ جنگ احد کے موقع پر دو بار ادا کیا

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ: ''جنگ احد میں حضرت علیؑ کو ساٹھ زخم آئے۔ جناب رسولِ خداؐ نے ام سلیمؓ اور ام عطیہؓ کو حکم دیا کہ وہ دونوں علیؑ کے زخموں کا علاج کریں۔ انھوں نے عرض کی کہ ہم ایک زخم کے علاج سے فارغ ہوتے ہیں کہ دوسرا زخم پھٹ جاتا ہے۔ ہمیں تو ان کے بارے میں خوف لاحق ہے۔

اس پر حضرت رسولِ خداؐ خود تشریف لائے جبکہ مومنین حضرت علیؑ کے پاس عیادت کے لیے آ جا رہے تھے۔ جناب رسولِ خداؐ نے دیکھا کہ کئی زخم مل کر ایک بڑا زخم بن گیا ہے۔ جناب رسولِ خداؐ نے اپنا دست شفا زخم پر پھیرنا شروع کیا اور فرماتے جاتے تھے ''جس نے خدا کے کام میں یہ مصیبت اٹھائی وہی امتحان میں بہتر اور برتر نکلا۔ غرض جہاں جہاں رسول خداؐ اپنا دست شفاء پھیرتے جاتے تھے وہیں سے زخم بھرتا جاتا تھا۔ اس وقت حضرت علیؑ نے فرمایا: "الحمدللہ" میں نہ تو جہاد سے ہٹا اور نہ میں نے پشت دکھائی۔ خدا نے قرآن میں دو موقعوں پر حضرت علیؑ کی ثابت قدمی کا شکر ادا کیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا: "سیجزی اللہ الشکرین" اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "سنجزی الشکرین" یعنی ''عنقریب ہم شکر کرنے والوں کو بدلہ دیں گے۔'' (تفسیر صافی ص ۹۵ بحوالہ تفسیر مجمع البیان)

اس آیت میں دو پیغام ہیں

پہلا پیغام تو یہ ہے کہ میدانِ جہاد سے کیوں بھاگا جاتا ہے؟ موت کے ڈر سے۔ اس لیے خدا بتلا رہا ہے کہ موت کا تو ایک دن مقرر ہے۔ اب اگر وہ دن آ ہی گیا تو دوڑ بھاگ کر بھی موت سے بچنا ممکن نہیں۔

دوسرا پیغام آیت کا یہ ہے کہ انسان دنیا میں جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا صلہ اس کو بہر حال ملتا ہے۔ اگر دنیا طلبی کے لیے سب کچھ کیا ہے تو دنیا ملے گی، جیسا کہ احد میں اکثر مسلمانوں کو مالِ غنیمت ملا۔ کیونکہ وہ اس کے طالب تھے۔ اب انھیں اجرِ آخرت سے کوئی تعلق نہ ہوگا اور جنھوں نے آخرت کے ثواب کی تمنا کی انہیں اجر آخرت ملے گا۔ (تفسیر صافی)

آیت نمبر ۱۴۶

وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوۡا لِمَاۤ

اَصَابَهُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَكَانُوۡا ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۴۶﴾

ترجمہ

۱۴۶۔اور بہت سے نبیؑ ہوئے ہیں کہ جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی تو انھیں اللہ کی راہ میں مصیبتیں بھی اٹھانی پڑیں،مگر وہ نہ تو سست ہی ہوئے اور نہ انہوں نے کوئی کمزوری دکھائی،اور نہ وہ باطل کے سامنے دبے،نہ عاجزی سے جھکے اور اللہ ایسے صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

تفسیر

انبیاء کے اصحاب کے اوصافِ حمیدہ کا ذکر

اس آیت میں انبیاء کے اصحاب کی صریح وضاحت سے معلوم ہوا کہ انبیاء کے صحیح معنی میں ساتھی اور صحابی وہ ہوتے ہیں جو میدانِ جنگ میں نہ تو سستی ہی کرتے ہیں اور نہ کمزوری دکھاتے ہیں۔میدان چھوڑنے والے لوگ اگر جسمانی طور پر رسول خداؐ کے ساتھ ساتھ بھی دکھائی دیں تو بھی وہ حقیقت میں خدا کی نگاہ میں اللہ کے رسولؐ کے ساتھی نہیں۔صرف جسمانی طور پر ساتھ ہو جانا معتبر نہیں ہوتا جب تک کہ صفات اور کردار میں بھی نبیؐ سے یکسانی حاصل نہ ہو۔

یعنی باوجود خدا کی راہ میں ڈٹے رہنے کے وہ لوگ کبھی اپنے عمل پر ناز نہ کرتے تھے بلکہ ہمیشہ خدا کے سامنے اپنی معافی کی درخواست کرتے تھے۔(تفسیر صافی)

آیت نمبر ۱۴۷۔۱۴۸

وَمَا كَانَ قَوۡلَهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡا رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَاِسۡرَافَنَا فِیۡۤ اَمۡرِنَا وَثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ

الۡکٰفِرِیۡنَ﴿۱۴۷﴾

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنۡیَا وَحُسۡنَ ثَوَابِ الۡاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۴۸﴾ ع

ترجمہ

۱۴۷۔ اور ان کی دعا تو بس یہ تھی کہ اے ہمارے پالنے والے! ہمارے گناہوں (اور غلطیوں) کو معاف کر دے اور ہم نے جو اپنے کام میں تیری حدوں سے تجاوز کیا ہے اس کو بھی معاف کر دے (حق پر) ہمارے قدم جما دے اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

۱۴۸۔ تو اللہ نے ان کو دنیا کا بھی عوض دیا اور آخرت کا اچھا اجر بھی عطا فرمایا کیونکہ اللہ (ایسے) نیک کام کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

تفسیر

اس آیت میں دعاء استغفار اور اللہ سے مدد کا ذکر کیا گیا ہے

یہ اندازِ عبودیت حسن عمل میں چار چاند لگا دیا کرتا ہے۔ جس کی معراج صحیفہ سجادیہ میں امام زین العابدینؑ کی دعائیں ہیں، جہاں ایک کامل معصوم ہستی خدا کی بارگاہ میں تڑپ تڑپ کر اپنی معافی کی درخواست کر رہی ہے جن کو پڑھ کر ہم جیسے مجرموں کی روح میں بھی خوفِ الٰہی سے ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے۔ (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۴۹۔۱۵۰

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِیۡعُوا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یَرُدُّوۡکُمۡ عَلٰۤی اَعۡقَابِکُمۡ فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِیۡنَ ﴿۱۴۹﴾

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

ترجمہ

۱۴۹۔اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرو گے جنہوں نے انکارِ حق کیا ہے تو وہ تم کو الٹا پھیر کر لے جائیں گے اور تم بڑا ہی نقصان اٹھا کر واپس ہو گے۔

۱۵۰۔بلکہ اللہ تمہارا مالک (سرپرست) ہے اور وہ تو تمام مددگاروں میں سب سے بہتر ہے۔

تفسیر

کافروں کی پیروی نہ کرو ورنہ بڑا نقصان اٹھاؤ گے

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''احد کی شکست کے بعد منافقین، مسلمانوں سے کہتے تھے کہ بس اب اس دین کو چھوڑ دو اور مشرکوں کا دین اختیار کر لو۔ اب نجات کی صرف یہی صورت ہے۔'' (مجمع البیان)

نفسیاتی اعتبار سے بزدل اور کمزور عقیدہ لوگ ایسے موقعوں پر ایسا ہی سوچا کرتے ہیں۔ (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۵۱

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

ترجمہ

۱۵۱۔عنقریب ہم کافروں (منکروں) کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیں گے، اس لیے کہ انہوں

نے اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک سمجھ رکھا ہے، جبکہ ان کے بارے میں کوئی دلیل (یا سند) نہیں اتاری گئی، اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کا ٹھکانہ کیسا برا ہے۔

تفسیر

کافروں پر احد میں مسلمانوں کے رعب کا ذریعہ علیؑ تھے اور جبریلؑ کا کلمہ "لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار"

جنگ احد میں مسلمان تو اپنی لالچ اور رسولؐ کا کہنا نہ ماننے کے سبب سے شکست کھا ہی چکے تھے مگر پھر اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ جس کے سبب وہ واپس جانے پر مجبور ہو گئے۔ مگر یاد رہے کہ خدا کے تمام کام عالم اسباب میں کسی نہ کسی سبب یا واسطے سے انجام پاتے ہیں۔ کافروں پر رعب ڈالنے کا ذریعہ حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی ذات کو بنایا۔ جن کی تلوار کی تعریف جبریلؑ نے اسی جنگ میں اسے کلمے سے کی:

لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار

(نہ تو علیؑ جیسا کوئی جوان ہے اور نہ ذوالفقار جیسی کوئی تلوار ہے۔) (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۷ مطبوعہ مصر)

آیت نمبر ۱۵۲

وَلَقَدۡ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعۡدَهٗۤ اِذۡ تَحُسُّوۡنَهُمۡ بِاِذۡنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلۡتُمۡ وَتَنَازَعۡتُمۡ فِى الۡاَمۡرِ وَعَصَيۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَرٰىكُمۡ مَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمۡ عَنۡهُمۡ لِيَبۡتَلِيَكُمۡ ۚ وَلَقَدۡ

عَفَا عَنۡكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۵۲﴾

ترجمہ

۱۵۲۔اور بلاشبہ اللہ نے اپنا وعدہ (نصرت) سچ کر دکھایا جبھی تو تم خدا کے حکم سے ان کو قتل کر رہے تھے۔تا اینکہ جب تم نے خود کمزوری دکھائی اور خود آپس ہی میں اپنے کام میں جھگڑنے لگے اور جب (خدا نے) تم کو وہ کچھ دکھایا جو تم چاہتے تھے،تو تم نے نافرمانی کی۔تم میں سے کچھ تو دنیا ہی کے طلب گار تھے اور کچھ آخرت کے طلب گار تھے (اسی لیے خدا نے) تمہیں ان کے مقابلے میں شکست دے دی تا کہ تمہارا امتحان کرلے اور اب یقیناً اس نے تم کو معاف کر دیا، کیونکہ خدا مومنین پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے۔

تفسیر

جنگ احد میں مسلمانوں کی فتح وشکست کے اسباب، بعدہ اللہ کا مومنوں پر فضل وکرم

مطلب یہ ہے کہ تم سے جو وعدۂ نصرت بشرطِ تقویٰ وصبر کیا گیا تھا اسے پورا کیا گیا۔یہاں تک کہ تمہارے تیراندازوں نے ہمارے حکم کی مخالفت کی۔اسی لیے مشرکین سامنے آ گئے۔تیراندازوں نے انھیں چھیدنا شروع کیا اور دوسروں نے انھیں تلواروں سے مارا۔یہاں تک کہ کافر شکست کھا کر بھاگ نکلے اور مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا۔

اور ان تیراندازوں کے آپس میں جھگڑا کرنے سے مراد یہ ہے کہ جب انہوں نے مشرکوں کو بھاگتے دیکھا تو کچھ نے تو کہا کہ اب ہمارے یہاں ٹھہرنے کا کیا فائدہ؟ مگر دوسروں نے کہا کہ ہم رسولِ خداؐ کے حکم کی مخالفت ہرگز نہ کریں گے۔غرض ان کا امیر تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ وہاں ٹھیرا رہا،لیکن زیادہ تر لوگ اس گھاٹی سے نیچے آ کر لوٹ کھسوٹ میں مصروف ہو گئے۔(تفسیر صافی ص ۹۲)

اور ''دنیا کی خواہش'' سے مراد عبداللہ ابن جبیر کے وہ ساتھی مراد ہیں جو مالِ غنیمت کے پیچھے دوڑ پڑے

تھے۔(تفسیر صافی)

اور ''آخرت کی خواہش'' سے مراد عبداللہ ابن جبیر کے وہ ساتھی ہیں جو حکم رسولؐ پر گھاٹی پر کھڑے رہے یہاں تک کہ قتل کر دیے گئے۔(تفسیر صافی ص ۹۶ بحوالہ تفسیر قمی)

خدا کا یہ ارشاد فرمانا کہ ''اللہ نے تو اپنا وعدہ اس وقت ہی پورا کر دیا تھا جب تم (جنگ احد میں) ان کا قلع قمع کر رہے تھے۔'' اس سے مراد احد کی جنگ میں شروع کی فتح ہے۔(تفسیر صافی)

اور یہ فتح مادی اسباب کے خلاف تھی کیونکہ کفار کی تعداد مسلمانوں سے چار گنا زیادہ تھی اسی لیے آیت میں کہا گیا کہ ''تم خدا کے حکم سے ان کا تیا پانچا کر رہے تھے'' تو وہ فتح خدا کے فضل و کرم کا نتیجہ تھی۔اب اس کے بعد جو فتح شکست میں بدل گئی اس کی وجہ تمہاری حرص اور رسولِ خداؐ کے حکم کی خلاف ورزی تھی۔(فضل الخطاب)

آیت نمبر ۱۵۳

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۱۵۳

ترجمہ

۱۵۳۔وہ وقت یاد کرو کہ جب تم (پہاڑ پر) بے تحاشا چڑھے ہی چلے جا رہے تھے اور کسی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے، اور پیغمبر تمہارے پیچھے سے تم کو آواز دے رہے تھے۔غرض (خدا نے) تمہیں رنج پر رنج دیے، تاکہ (تم یہ جان لو کہ) جو کچھ بھی تمہارے ہاتھ سے نکل جائے یا جو مصیبت بھی تم پر نازل ہو، اس پر تم غمگین نہ ہوا کرو اور (یہ سبق بھی سیکھ لو کہ) اللہ تمہارے سب کاموں کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر

پیغمبر خداؐ کا کہنا نہ ماننا اور جنگ سے گریز کرنے پر مصائب اور رنج پر رنج دیے گئے

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ پہلا غم تو یہ تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ان میں سے کچھ قتل بھی ہوئے اور دوسرا غم یہ تھا کہ خالد بن ولید نے ہزاروں سواروں کے ذریعے سے مسلمانوں کو پیچھے سے گھیر لیا۔ (تفسیر صافی ص ۹۶ بحوالہ تفسیر قمی)

آیت کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو جب کوئی نقصان بغیر کسی غلطی کے از خود پہنچتا ہے تب تو اسے پتہ ہونا چاہیے کہ آخر ہم اس مصیبت میں کیوں گرفتار ہوئے؟ کیونکہ جب نقصان خود اپنی ہی حماقت سے اور غلطیوں کی وجہ سے ہو تو پھر صدمے کے بجائے اپنے کردار پر پشیمانی اور شرمندگی ہونی چاہیے اور اپنے اندر صبر کی عادت پیدا کرنے کی کوشش ہونی چاہیے تاکہ آئندہ ایسی غلطی نہ کرے۔ (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۵۴

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى
طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ
بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ
مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا
لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا
قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ

عَلَيۡهِمُ الۡقَتۡلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمۡ ۚ وَلِيَبۡتَلِىَ اللّٰهُ مَا فِىۡ صُدُوۡرِكُمۡ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۵۴﴾

ترجمہ

۱۵۴۔ پھر اس غم کے بعد (خدا نے) تم میں سے کچھ لوگوں پر ایسے سکون واطمینان کی حالت طاری کر دی کہ وہ اونگھنے لگے۔ مگر ایک دوسرے گروہ کو جنھیں اپنی جان جانے کی فکر کھائے جا رہی تھی، وہ اللہ کے متعلق طرح طرح کی جاہلانہ بدگمانی کرنے لگے۔ اب وہ کہتے ہیں کہ کیا ہمیں بھی کچھ اختیار حاصل ہے؟ کہہ دیجئے کہ پورا پورا اختیار صرف اللہ کو ہے۔ یہ لوگ اپنے دلوں میں ایسی باتیں چھپائے ہوئے ہیں جنھیں آپؐ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس بھی کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے۔ کہہ دیجیے کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تب بھی، جن لوگوں کے لیے قتل ہونا ہی لکھا جا چکا تھا، وہ تو اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل جاتے، تاکہ خدا جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے، اسے آزما لے اور جو کچھ کھوٹ تمہارے دلوں میں ہے اسے چھانٹ دے۔ (کیونکہ) اللہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔

تفسیر

مکمل اختیار صرف خدا کو حاصل ہے جنگ احد کے بعد مسلمانوں کے احوال

ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم مدینے کے اندر ہی رہتے اور باہر نہ نکلتے جیسا کہ ابی ابن کعب نے رائے دی تھی، تو ہم نہ تو ہارتے اور نہ ہمارے آدمی قتل ہوتے۔ (تفسیر صافی ص ۹۶)

اللہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب اللہ کسی کی موت مقدر کر دیا کرتا ہے تو ان کے مدینے میں ٹھہرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوتا کیونکہ اللہ کے فیصلے کو رد کرنا ممکن نہیں۔ (تفسیر صافی ص ۹۶)

خدا کا مقصد یہ تھا کہ وہ تمہارے دلوں کا امتحان لے اور تمہارے دلوں کے بھیدوں کو ظاہر کر دے اور تم میں جو اخلاص یا نفاق ہے اسے کھول کر رکھ دے۔ (تفسیر صافی ص ۹۶)

اصل میں میدان سے بھاگنے والے دو قسم کے تھے۔ کچھ تو ایسے تھے کہ ایک دفعہ بھاگے اور پھر واپس آ گئے۔ اب احساس ندامت کی وجہ سے ایسے ڈٹ گئے کہ انھیں کوئی خطرہ خطرہ ہی نہ معلوم ہوتا تھا۔ گویا وہ نیند کے عالم میں ہیں۔ اب جو بھاگ کر واپس نہ آئے ان کا یہاں ذکر نہیں۔ (بلاغی)

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہ آیت عین جنگ کے موقع کا حال نہیں بیان کر رہی ہے بلکہ جنگ کے خاتمے کے بعد جب شہر مدینہ کی طرف واپسی ہوئی تو کیونکہ مشرکوں نے بھاگتے بھاگتے یہ دھمکی بھی دی تھی کہ ہم پھر واپس آئیں گے۔ تو جو سچے مسلمان تھے ان کو تو کوئی پرواہ نہ تھی، اس لیے کہ انھیں خدا کی طرف سے ایسا اطمینان حاصل ہوا کہ وہ چین کی نیند سو رہے تھے۔ اب جو کمزور دل اور کمزور ایمان والے مسلمان تھے، انہیں اپنی جان کی فکر لگی ہوئی تھی۔ اب انہیں نیند کہاں سے آتی، وہ طرح طرح کی باتیں بناتے پھر رہے تھے۔ (مجمع البیان)

وہ یہ بات بک رہے تھے کہ ''ہر بات میں بس اللہ اور رسولؐ اپنا حکم چلاتے رہتے ہیں۔ ہمیں تو اپنی رائے سے کام لینے کا موقع دیا ہی نہیں جاتا۔ اگر ہماری بات مانی جاتی تو یہ برا دن دیکھنا نہ پڑتا۔ (تفسیر صافی)

معلوم ہوتا ہے کہ خدا و رسولؐ کے مقابلے میں حق خود ارادی کا مطالبہ ایک جماعت کی طرف سے بہت پہلے سے تھا۔

مسلمانوں کا یہ کہنا کہ ''کیا ہمیں بھی آپؐ کے کاموں میں کچھ اختیار ہے؟'' اور خدا کا جواب میں ارشاد فرمانا: ''کہہ دیجیے کہ پورا پورا اختیار صرف اللہ کو ہے'' اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ خدا و رسولؐ کے کاموں میں مسلمانوں کا اختیارات کے حاصل کرنے کا مطالبہ خدا و رسولؐ کو قبول ہی نہیں۔ یہی مطالبہ رسولِ خداؐ کے بعد اجماع اور شوریٰ کی شکل میں ظاہر ہوا۔ (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۵۵

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا مِنۡکُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسۡتَزَلَّہُمُ الشَّیۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا کَسَبُوۡا ۚ وَلَقَدۡ عَفَا اللّٰہُ

عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾

ترجمہ

۱۵۵۔ بلاشبہ تم میں سے جو لوگ دونوں جماعتوں کے مقابلے کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے، ان کو حقیقتاً شیطان نے ان کی بداعمالیوں کے سبب سے اس غلطی میں مبتلا کیا۔ اور خدا نے (پھر بھی) انھیں معاف کر دیا ہے۔ بلاشبہ اللہ بہت ہی معاف کرنے والا، بڑا ہی برداشت کرنے والا ہے۔

تفسیر

ہماری بداعمالیوں کے سبب سے شیطان ہم سے گناہ کرواتا ہے، آیت کے نتائج اور مثالیں

اس آیت سے معلوم ہوا کہ گناہوں اور غلطیوں میں مبتلا ہونے کا سبب خود ہماری اپنی فکر و عمل کی غلطیاں ہی ہوا کرتی ہیں۔ خود ہماری بدنیتی، لالچ، ایمان کی کمزوری، عیش پسندی ہی کو شیطان استعمال کر کے ہمیں گناہوں میں دھکیل دیتا ہے۔ اس لیے ہم کو اپنے گناہوں کی نسبت اور ان کی ذمے داری خود اپنے آپ قبول کرنی چاہیے۔ یہ ذمے داری خدا پر ڈال دینا تو ایک مزید گناہ، بلکہ خدا پر ناقابل تلافی و معافی جسارت کرنے کے مترادف ہے، جیسا کہ اس آیت میں بتلایا گیا کہ گناہ شیطان کرواتا ہے مگر اس کو ہم پر غلبہ خود ہماری یہ بداعمالیوں کے سبب سے حاصل ہوتا ہے، اس لیے ہر گناہ کے ہم خود ہی ذمے دار ہیں۔

ہماری قوت ارادی کی کمی سے شیطان کا غلبہ ہوتا ہے

شیطان جو انسان کو بہکانے میں کامیاب ہو جاتا ہے وہ اصل میں انسان کی اپنی قوتِ ارادی کی کمی کی وجہ سے ممکن ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے پھر وہ بڑے بڑے گناہ کرنے لگتا ہے۔ اگر وہ پہلے ہی دن شیطانی تحریک کے مقابلے پر مضبوطی سے جم جائے تو پھر مقابلے کی قوت، طاقت حاصل کر لیتی ہے۔ پھر وہ شیطان کی قوی محرکات سے بھی متاثر نہیں ہوتا۔ (بلاغی)

اس لیے کسی گناہگار کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے گناہ کا ذمے دار شیطان کو قرار دے۔ مثلاً جنگ احد ہی کو دیکھیے کہ مسلمانوں نے شروع ہی میں اپنے سے چار گنے طاقتور مشرکوں شکست دے دی، مگر غلطی یہ کی کہ فوراً مالِ غنیمت پر ہلہ بول دیا اور دشمن کی نقل وحرکت سے بے پروا ہو گئے۔ دوسری غلطی یہ کی کہ جو لوگ درے پر معین کیے گئے تھے اور ان سے رسول خداؐ نے خاص طور پر فرما دیا تھا کہ کسی بھی وجہ سے اس جگہ سے نہ ہٹنا، وہ مال لٹتا دیکھ کر صبر نہ کر سکے اور نیچے آ کر لوٹ مار میں اپنا حصہ بنانے لگے۔ پھر تیسری غلطی یہ کی کہ جب کفار نے حملہ کیا تو بجائے ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے جہاد سے فرار اختیار فرمایا۔ اس طرح جرم عظیم میں مبتلا ہوئے۔ یہ سب کچھ ان کی اپنی بداعمالیوں کا نتیجہ تھا۔ (تفسیر صافی)

محققین نے نتیجتاً نکالے کہ (۱) ہر پچھلا گناہ نئے گناہ کا سبب بنا کرتا ہے۔ یہاں مراد 'حب دنیا' زندگی کی محبت اور مال غنیمت کی ہوس ہے۔ (بحر روح المعانی) (۲) دوسرا نتیجہ یہ نکالا کہ جو گناہ بھی سرزد ہو اس کی نسبت خدا کی طرف نہ دینی چاہیے۔ بلکہ اپنی یا شیطان کی طرف دینی چاہیے۔ مثلاً حضرت یوسفؑ نے فرمایا تھا: ''اس کے بعد کہ جب شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان دشمنی ڈال دی۔'' یا حضرت موسیٰؑ کے خادم نے کہا: ''اس بات کو مجھے شیطان نے بھلا دیا۔'' (قرآن) (تفسیر کبیر۔ مدارک)

آیت نمبر ۱۵۶

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۱۵۶

ترجمہ

۱۵۶۔ اے ایمان والو! کافروں جیسے نہ ہو جاؤ، اور جن کے بھائی بندوں نے جب زمین میں سفر کیا یا جنگ پر گئے تو وہ کہنے لگے کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔ اللہ ایسی

باتوں کو ان کے دلوں میں رنج اور حسرت کا سبب بنا دیتا ہے۔ ورنہ دراصل خدا ہی زندہ رکھتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو خدا اس کو خوب دیکھتا ہے۔

تفسیر

موت بہر حال آ کر رہے گی سفر یا حضر کی قید نہیں ہے

یہ ان کے بیان کی رو ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس گھروں میں رہتے تو نہ مرتے۔ گویا موت گھر میں نہیں آ سکتی، صرف سفر میں آ سکتی ہے۔ یہ تو اللہ کی مرضی پر موقوف ہے کہ وہ اگر چاہے تو مسافروں کو زندہ رکھے اور گھروں میں رہنے والوں پر موت وارد کر دے۔ (تفسیر صافی ص ۹۶)

مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے خیالات کا دماغ میں آنا اور زبان پر لانا نتیجہ ہے نور ایمان سے محرومی کا۔ جب دل میں خدا پر یقین نہیں ہوتا، اس لیے امر تکوینی اور تقدیری سے ان کے دلوں میں حسرت اور کڑھن کا اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔ (قرطبی)

آیت نمبر ۱۵۷

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ترجمہ

۱۵۷۔ اور اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاتے یا مر جاتے تو اللہ کی طرف کی بخشش اور رحمت تمہارے لیے اس سے کہیں بہتر ہوتی جو وہ جمع کرتے ہیں۔

تفسیر

”سَبِیۡلِ اللّٰہِ“ سے مراد حضرت علیؑ اور گیارہ آئمہ ہیں (الحدیث)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ اس آیت میں ”سَبِیۡلِ اللّٰہِ“ یعنی اللہ کے راستے سے مراد حضرت علی علیہ السلام اور ان کی اولاد کے گیارہ ائمہ ہیں۔ جو شخص ان کی امامت پر عقیدہ رکھتے ہوئے قتل ہو جائے گا وہ ”مقتول فی سبیل اللہ“ یعنی اللہ کے راستے میں قتل ہوگا“ اور جو آپؑ کی ولایت پر عقیدہ رکھتے ہوئے بستر پر بھی مرے گا وہ بھی ”فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ“ مرتا ہے۔ یعنی اللہ کے راستے میں مرتا ہے (تفسیر صافی ص ۹۶ بحوالہ تفسیر عیاشی)

اگرچہ حقیقتاً دنیا کی دولت آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی، مگر کیونکہ دنیا والے دنیا کی دولت کو بہت بڑی چیز سمجھتے ہیں، اس لیے آخرت کی نعمتوں کا دنیا کی دولت سے تقابل کیا گیا ہے تاکہ دنیا دار لوگ سمجھ سکیں کہ جس چیز کو تم بڑا سمجھتے ہو، آخرت کی نعمتیں اس سے کہیں بہتر ہیں۔ (مجمع البیان)

ایک مغربی مفکر ڈینی سن نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ: ”مسلمانوں کے اس تقدیر کے عقیدے، یعنی ہر امر تکوینی کو خدا کو سپرد کر دینے کی عادت نے اور عقیدۂ شہادت نے (کہ شہید شہید ہوئے ہی جنت میں داخل ہو جاتے ہیں) مسلمانوں میں معرکۂ جنگ کے اندر بڑی ہی قوت اور استقامت پیدا کر دی ہے۔“ (Emotion a bais of civilisation page 206)

آیت نمبر ۱۵۸

وَلَئِنۡ مُّتُّمۡ اَوۡ قُتِلۡتُمۡ لَاِاِلَی اللّٰہِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ

۱۵۸۔ اور (کیونکہ) تم (اپنی موت) مرو یا مارے جاؤ (بہرحال) بلاشبہ تم کو تو خدا ہی کی طرف سمٹ کر جانا ہے۔

تفسیر

موت کے بارے میں امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد

امیر المومنین حضرت علیؑ نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے کہ: ''جب مرنا ضروری ہے اور جان بہر حال دینا ہی ہے تو کیوں نہ یہ جان اللہ کی راہ میں دی جائے۔ تا کہ اجر عظیم حاصل ہو۔ نیز خداوند عالم کا یہ ارشاد فرمانا کہ ''اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاتے یا اپنی موت مرتے بتاتا ہے کہ جن لوگوں کو خدا کی راہ میں میدان جنگ میں نکل کر جہاد کرنے اور قتل ہونے کا موقع ہی نہ مل سکا لیکن وہ زندگی بھر خدا کی رضا مندی کے حصول کی راہ پر چلتے رہے، تو اگر وہ بستر پر بھی مرجائیں گے تو بھی وہ اپنے شوق شہادت اور اطاعت خدا اور رسولؐ کے سبب خدا کی رحمت اور مغفرت کے مستحق ہوں گے۔ اسی لیے حضورِ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

''جو شخص بھی آل محمدؐ کی محبت پر مرے گا وہ شہید ہوگا۔'' (تفسیر کبیر۔ امام رازی)

کیونکہ آل محمدؐ کی حقیقی محبت ہی شوق شہادت اور خدا کی رضا مندی کے لیے سلسل جدوجہد کا جذبہ بیدار رکھتی ہے۔ بقول اقبال

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

آیت نمبر ۱۵۹

فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ ۚ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ ۖ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِى الۡاَمۡرِ ۚ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَوَكِّلِيۡنَ ﴿۱۵۹﴾

ترجمہ

۱۵۹۔ یہ تو اللہ کی بڑی ہی مہربانی ہے کہ آپؐ ان لوگوں کے لیے اتنے نرم (مزج) ہیں۔ اگر کہیں آپ سخت طبیعت اور تلخ یا بدمزاج ہوتے، تو یہ سب جو آپؐ کے چاروں طرف ہیں، آپؐ کو چھوڑ کر چلے جاتے۔ تو انہیں معاف کر دیا کیجیے اور ان کے لیے دعائے مغفرت کیا کیجیے اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ بھی لے لیا کیجیے۔ پھر جب پکا ارادہ کر لیا کیجیے تو پھر اللہ ہی پر بھروسہ کیا کیجیے۔ بیشک اللہ بھروسہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

تفسیر

سرکارِ دوعالمؐ کی نرم مزاجی کی تعریف

جناب رسولِ خداؐ نے اس حکم کے آنے پر نافرمان سپاہیوں کے ساتھ عین معرکۂ جنگ میں شفقت اور نرمی کا معاملہ فرمایا۔ یہ دنیا کی تاریخ میں شاید اپنی نظیر آپ ہے۔ آیت میں "فبما" کے لفظ میں لفظ "ما" زیادہ تاکید کے لیے ہے۔ (بیضاوی، روح المعانی، قرطبی، کشاف)

لین پول نے لکھا "ظلم محمدؐ کی شریعت ہی میں نہ تھا۔"

باسورتھ اسمتھ نے لکھا "محمدؐ نے عمر بھر کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، اگر کوئی ان سے مصافحہ کرتا تھا تو اپنا ہاتھ کھینچنے میں پہل نہ کرتے تھے اور نہ از خود اس سے الگ ہوتے تھے۔ بات چیت بہت نرم اور میٹھے لہجے میں کرتے تھے۔" (باسورتھ اسمتھ)

ہسٹری آف دی ورلڈ نے لکھا "پیغمبر اسلام کا میلانِ طبع ہمیشہ نرمی ہی کی جانب رہتا تھا۔" (ہسٹری آف دی ورلڈ)

یاد رہے کہ نرمی کی بھی شریعت میں حدود معین ہیں۔ جہاں احکام خدا کا اجراء ضروری ہوتا ہے وہاں سختی اور سزا لازمی ہو جاتی ہے۔ (تفسیر کبیر)

امام رازی نے لکھا "جہاد میں بھاگنے سے بڑھ کر گناہِ کبیرہ اور کیا ہوگا لیکن قرآن مجید نے اصحاب نبیؐ کے عفو و مغفرت کی بار بار تصریح کر کے یہ صاف کر دیا کہ ان حضرات کے کبائر (یعنی بڑے بڑے گناہ) بھی معاف

ہو گئے تھے۔'' (تفسیر کبیر)

مشورے کی اہمیت اور اللہ پر بھروسہ کرنے کی قدر و منزلت

جناب رسولِ خداؐ کو مشورہ لینے کا حکم اس لیے دیا گیا تا کہ (۱) انھیں مسلمانوں کے خیالات معلوم ہو جائیں (۲) مسلمانوں کے دل خوش ہو جائیں (۳) امت میں ایک دوسرے سے مشورہ کر کے کام کرنے کا طریقہ جاری ہو۔ (۴) لوگوں میں ایک دوسرے سے وابستگی کا احساس جاگے۔ (۵) مختلف رائیں معلوم ہوں (۶) لوگوں میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں بیدار ہوں۔ (۷) تنہائی کا احساس نہ باقی رہے اور خود بینی کی ناک کٹ جائے۔

جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: ''کوئی تنہائی خود بینی سے زیادہ وحشتناک نہیں اور باہمی مشورے سے زیادہ کوئی چیز طاقتور نہیں۔''

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''جو شخص اپنی تنہا رائے پر قائم رہے گا وہ ہلاک ہوگا۔ اور جو لوگوں سے مشورے کرے گا، وہ ان کی عقلوں سے حصہ لے گا۔ لوگوں سے مشورہ کر لینے میں رہبری ہوتی ہے اور اپنی تنہا رائے پر بھروسہ کر لینے میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔'' (تفسیر صافی ص ۹۶)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''اپنے معاملات میں ان لوگوں سے مشورہ کیا کرو جو خدا سے ڈرتے ہیں۔'' (کتاب الخصال)

لیکن اس آیت سے یہ بات ثابت کرنا بالکل غلط ہے کہ جمہوریت اور شوریٰ نظامِ امت کے اصول میں داخل ہے۔ ذرا اس سیاق و سباق کو ہی دیکھیے جس کے ذیل میں یہ بات کہی گئی۔ آیت کا مطلب بالکل واضح طور پر یہ ہے کہ ان میدان سے بھاگنے والوں کا جرم تو اتنا سخت تھا کہ کوئی دوسرا ان کے ساتھ کبھی نرمی نہ کرتا، مگر اے رسولؐ! یہ آپؐ کی غیر معمولی رحم و کرم ہے اور اللہ کی طرف سے دی ہوئی قوتِ برداشت ہے کہ آپؐ ان کی بے وفائی کے باوجود ان پر نرمی فرماتے ہیں۔ حالانکہ یہ آپؐ کو دشمنوں میں اکیلا چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ پھر بھی آپؐ (۱) انہیں معاف فرما دیں اور (۲) ہم سے بھی ان کے لیے معافی طلب فرمائیں (۳) اور ان کی دلجوئی کی خاطر ان سے مشورہ بھی کر لیں تا کہ آئندہ یہ لوگ یہ نہ کہیں کہ اگر ہماری بات سن لی ہوتی تو شکست نہ ہوتی۔ (ملخص از مجمع البیان و فضل الخطاب)

یعنی جس غلطی کا آپ سے تعلق ہے اسے آپؐ معاف فرما دیں اور ان کی جس غلطی کا تعلق خدا سے ہے اس کے لیے آپؐ خدا سے معافی کی سفارش فرمائیں اور اتمام حجت کے لیے ان سے مشورہ بھی کر لیا کریں۔ (ملخص از تفسیر صافی، البلاغی، فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۶۰۔۱۶۱

اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ ۚ وَ اِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾

وَ مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّغُلَّ ؕ وَ مَنۡ یَّغۡلُلۡ یَاۡتِ بِمَا غَلَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفۡسٍ مَّا کَسَبَتۡ وَ ہُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۱۶۱﴾

ترجمہ

۱۶۰۔(کیونکہ) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی بھی تم پر غالب آنے والا نہیں۔ اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکتا ہو؟ پس جو سچے مومن ہیں انھیں خدا ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

۱۶۱۔ اور کسی نبی سے یہ (ممکن) نہیں ہوسکتا کہ وہ (مالِ غنیمت وغیرہ میں) خیانت کرے۔ اور جو کوئی بھی خیانت کرے گا اسے وہی چیز لے کر قیامت کے دن آنا پڑے گا۔ پھر ہر ایک کو اس کی کمائی (عمل) کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی بھی کچھ ظلم نہ ہوگا۔

تفسیر

غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت میں نبی اکرمؐ پر خیانت کا الزام

یہ بالکل ہی غلط خیال ہے کہ نبیؐ مالِ غنیمت میں خیانت کر سکتا ہے۔ کیونکہ خیانت امر نبوت کے منافی ہے اور

یہاں خیانت سے مراد مالِ غنیمت میں سے کسی چیز کا خفیہ طور پر اڑا لینا ہے۔(تفسیر صافی ص ۹۷)

یہ آیت غزوۂ بدر کے متعلق نازل ہوئی۔ بات یہ ہوئی کہ جو مالِ غنیمت بدر کے دن آیا اس میں ایک سرخ رنگ کا گلو بند بھی تھا۔ اصحاب نے کہا کہ وہ گلو بند نظر نہیں آ رہا ہے۔ کسی نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ اس کو رسولِ خداؐ کے سوا کوئی اور نہیں لے سکتا۔ اس پر یہ آیت اتری۔

چنانچہ اسی وقت ایک شخص نے آ کر بتایا کہ فلاں شخص وہ گلو بند لے اڑا ہے اور اس نے اسے فلاں جگہ زمین میں دبا دیا ہے۔ جناب رسولِ خداؐ نے اس جگہ کو کھودنے کا حکم دیا تو وہ گلو بند نکل آیا۔(تفسیر قمی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''نہ تو سب لوگوں کو راضی کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کی زبانیں بند کی جا سکتی ہیں۔ کیا لوگوں نے بدر کے دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ الزام نہیں لگایا تھا کہ آپؐ نے مال غنیمت میں سے سرخ رنگ کا گلو بند اپنے لیے (معاذ اللہ) اڑا لیا ہے۔ یہاں تک کہ خدا نے وہ گلو بند ظاہر کر دیا اور اپنے نبیؐ کو خیانت سے بری ثابت کر دیا اور قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی۔'' اور پھر امامؑ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔(المجالس)

فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ:

فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ دھوکہ دینا اور خیانت کرنا گناہ کبیرہ ہے۔(قرطبی، جصاص)

کیونکہ یہ شانِ نبوت کے خلاف ہے اور انبیاء سب معصوم ہیں، ان سے ایسا ممکن نہیں، نہ وحی میں نہ غیر وحی میں اور جو کوئی شخص کچھ چھپا رکھے اس کا حکم اسی آیت میں آگے بیان فرمایا جاتا ہے۔(قرآن عظیم، مترجم از مولانا شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب بریلوی)(صفحہ ۱۱۴)

آیت نمبر ۱۶۲۔۱۶۳

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

ترجمہ

۱۶۲۔تو کیا جو ہمیشہ خدا کی رضا مندی پر چلنے والا ہو، اس جیسا ہوسکتا ہے جو اللہ کے غیظ وغضب میں گھر گیا ہو اور جس کا آخری ٹھکانا جہنم ہو جو بدترین ٹھکانا ہے۔

۱۶۳۔اللہ کے ہاں ان کے درجے ہیں اور وہ جو کچھ کرتے ہیں خدا اس کو دیکھنے والا (باریک بیں) ہے۔

تفسیر

مکمل طور پر خدا کی خوشنودی ورضا مندی کے طلبگار ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ: ''مکمل طور پر خدا کی رضا مندی کے طلبگار ائمہ معصومینؑ ہیں۔اس لیے وہی اعلیٰ ترین درجے کے لوگ ہیں۔(بلاغی)

آیت نمبر ۱۶۳:

محققین نے نتیجہ نکالا کہ مفضول کو افضل پر فضیلت نہیں دی جاسکتی۔

ہر ایک کی منزلت اور اس کا مقام جدا، نیک کا الگ، بد کا الگ۔(قرآن عظیم، مترجم از مولانا شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب بریلوی)

آیت نمبر ۱۶۴

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

ترجمہ

۱۶۴۔حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ نے اہل ایمان پر بڑا ہی احسان کیا ہے کہ اس نے ان ہی میں سے ایک پیغمبر گوان میں بھیجا، جو اس کی آیتوں کو انھیں سناتا ہے اور ان کی زندگیوں کو بناتا سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی گہری باتوں کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

تفسیر

اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجنا بھی احسانِ عظیم ہے

اس آیت میں مومنین کا نام اس لیے لیا گیا کہ اس احسان کا اثر مومنین پر ہی ظاہر ہوا ہے، ورنہ یوں تو رسولؐ کی بعثت سے سب کو فائدہ پہنچا ہے۔مگر کیونکہ دوسروں کو اس احسان کا احساس ہی نہیں ہے اس لیے پھر ان کا ذکر بھی کیوں کیا جائے۔(مجمع البیان)

مگر علم کلام کے ماہرین تو یہ کہتے ہیں کہ انبیاء کا بھیجنا خدا پر واجب ہے تو پھر احسان کس بات کا ہوا؟ لیکن یہ سوال اس لیے پیدا ہوا کہ آپ نے لفظ واجب پر غور نہیں فرمایا۔خدا پر واجب ہونے کے معنی یہ تھوڑی ہیں کہ کسی اور نے اس پر اس بات کو فرض قرار دے دیا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ بات خدا نے اپنے فضل وکرم کی بناء پر اپنے اوپر لازم کر لی ہے۔(فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۶۵

اَوَلَمَّآ اَصَابَتۡكُمۡ مُّصِيۡبَةٌ قَدۡ اَصَبۡتُمۡ مِّثۡلَيۡهَا ۙ قُلۡتُمۡ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۶۵﴾

ترجمہ

۱۶۵۔اور یہ تمہارا کیا حال ہے کہ جب تم پر کوئی مصیبت آ پڑی تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آ گئی؟ حالانکہ (جنگ بدر میں) تم (کافروں کو) اس سے دوگنی مصیبت پہنچا چکے ہو۔آپؐ ان سے کہہ دیجیے کہ یہ (مصیبت) خود تمہارے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہے۔ بیشک اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (کیونکہ تم نے احد میں رسولؐ کی نافرمانی کی تھی اس لیے تم کو شکست ہوئی، ورنہ اللہ جس طرح فتح دینے پر قادر ہے اسی طرح سزا دینے پر قادر ہے)

تفسیر

جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست کے اسباب

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''مسلمانوں نے جنگ بدر میں ایک سو چالیس مشرکوں کو نقصان پہنچایا۔اس طرح کہ ستر کو تو قتل کیا اور ستر کو قید کیا اور احد کے دن ستر مسلمان شہید ہوئے۔اس پر مسلمان ناراض ہو کر کہنے لگے کہ یہ مصیبت ہم پر کہاں سے آئی؟ حالانکہ خدا نے نصرت کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔اس کے جواب میں خدا نے ارشاد فرمایا کہ تم پر تو بس ایک مصیبت پڑی ہے حالانکہ تم دشمنوں پر اس سے دوگنی مصیبت ڈال چکے ہو۔پھر یہ بھی ہماری طرف سے مصیبت نہیں ہے بلکہ یہ بھی خود تمہاری اپنی غلطی اور حکم عدولی کی وجہ سے آئی ہے۔(تفسیر صافی ص ۹۷ بحوالہ تفسیر عیاشی)

شکست کی دوسری وجہ

اصل بات یہ ہوئی تھی کہ بدر کے دن جو مشرک قید ہو کر آئے تھے، ان کے لیے خدا کا حکم قتل آ چکا تھا۔مگر انصار نے عرض کی کہ یا رسول اللہؐ! یہ قیدی ہمیں عنایت فرما دیں اور انہیں قتل نہ فرمائیں۔ہم ان سے فدیہ لیں گے۔پس جبریلؑ نازل ہوئے اور خدا کا یہ حکم پہنچایا کہ خدا ان سے فدیہ لینے کی اجازت اس شرط پر دیتا ہے کہ اگلے سال آپؐ کے اصحاب میں سے اسی قدر (یعنی ستر) شہید ہو جائیں گے۔انصار نے کہا: ''ہم راضی ہیں۔اس سال تو فدیہ لے کر قوت پائیں، اگلے سال ہم میں سے جو شہید ہونے والے ہوں گے وہ جنت میں پہنچ جائیں گے۔اس پر رسول خداؐ نے تمام

قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ انصار نے وفد یہ صول کر لیا۔ اگلے سال ہی جب احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے تو مسلمان کہنے لگے کہ ہم سے تو خدا نے نصرت کا وعدہ کیا تھا۔ پھر یہ مصیبت کیسے پڑی؟ اس پر خدا نے یہ جواب دیا کہ یہ مصیبت خود تمہاری ہی طرف سے ہے یعنی تمہاری قبول کی ہوئی شرط کے مطابق ہے۔ (تفسیر صافی ص ۹۷ بحوالہ تفسیر مجمع البیان)

آیت نمبر ۱۶۶۔۱۶۷

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴿۱۶۶﴾

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۚ﴿۱۶۷﴾

ترجمہ

۱۶۶۔ اور جو مصیبت تمہیں دو گروہوں کے مقابلے (لڑائی) کے دن پہنچی وہ اللہ ہی کی اجازت (اور حکم) سے تھی۔ تا کہ اللہ مومنین (کے ایمان) کو (جانچ) جان لے۔

۱۶۷۔ اور انھیں بھی جان لے کہ جنہوں نے منافقت کی اور جن سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو (کم سے کم) دفاع کرلو، تو انہوں نے کہا: ''اگر ہم جنگ کرنا جانتے ہوتے تو ضرور تمہارے پیچھے پیچھے آتے۔'' وہ اس دن ایمان سے کہیں زیادہ کفر کے نزدیک تھے۔ وہ آپؐ سے ایسی باتیں کہتے

ہیں کہ جوان کے دلوں میں نہیں ہوتیں۔اور جو وہ چھپاتے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

تفسیر

یہ آیت منافقین کے بارے میں ہے

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ باعتبار زمانہ اللہ کو کسی واقعے کا علم اس وقت ہوتا ہے جب عالم خارج میں وہ ظاہر ہوجاتا ہے۔خدا کا علم تو ازل سے ہے مگر وہ اسی بنا پر ہے کہ وہ چیز اپنے وقت پر وقوع میں آئے گی۔(فصل الخطاب)

خدا کا فرمانا کہ ''دشمنوں کو دفع کرو'' یعنی اللہ کی راہ میں جہاد کا جذبہ نہیں بھی ہو تو اب جبکہ دشمنوں نے تم پر حملہ کر ہی دیا ہے تو اب اپنی قوم، اپنی املاک اور اپنے وطن سے ان کو دفع کرنے کے لیے آگے بڑھو۔(بلاغی)

منافقوں کا کہنا کہ ''ہم جنگ سے واقف ہوتے کہ جنگ ہونے والی ہے تو اس کے لیے تیار ہوتے اور تمہارے ساتھ چلتے مگر اب ہم کیسے چل سکتے ہیں۔اس کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ''اگر ہم جنگ لڑنا اور لڑائی کا فن جانتے تو ہم چلتے۔''(عمدۃ البیان)

تیسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''اگر ہم اسے جنگ سمجھتے کو تمہارے پیچھے آتے۔'' یہ تو جنگ ہی نہیں ہے اس لیے کہ تمہارے پاس مشرکوں سے مقابلے کی طاقت ہی نہیں ہے۔جنگ تو دو طاقتوں کے درمیان ٹکراؤ کو کہتے ہیں۔(تفسیر صافی)

اس پر خدا نے فرمایا کہ:''وہ اس دن ایمان سے زیادہ کفر کے نزدیک تھے۔'' کیونکہ وہ اللہ کو بھولے بیٹھے ہیں۔گویا خدا کی نصرت کوئی چیز نہیں۔جو کچھ ہے وہ بس مادی وسائل ہیں۔اس لیے خدا نے فرمایا کہ ''یہ اپنے منہ سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں۔'' یعنی ان کا ایمان صرف زبانی ہے، اگر یہ دل سے ایمان لائے ہوتے تو اس قسم کی باتیں ہی نہ بناتے۔(فصل الخطاب)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا:''جس کا یقین کمزور ہوتا ہے وہ اسباب ظاہری سے وابستہ ہوتا ہے۔اسی لیے فرائض الٰہیہ سے جی چراتا ہے اور عام طور پر جو مادی وسائل ہوتے ہیں انہی پر اپنے تمام کاموں کو دار و مدار رکھتا ہے۔حالانکہ زبان سے یہ اقرار کرتا ہے کہ روکنے والا اور دینے والا سوا اللہ کے کوئی نہیں اور یہ اقرار بھی کرتا ہے کہ بندے کو بس وہی کچھ ملتا ہے جو اس کا رزق خدا کی طرف سے تقسیم ہو چکا ہے۔مگر عمل اور دل سے ان کا منکر ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا کہ ''یہ اپنے منہ سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں۔(مصباح الشریعۃ)

آیت نمبر ۱۶۸۔۱۶۹

اَلَّذِيۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ وَقَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ؕ قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِكُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۶۸﴾ وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾

ترجمہ

۱۶۸۔یہی وہ لوگ ہیں کہ جو خود تو (گھر میں) بیٹھے رہے اور اپنے ان بھائی بندوں کے لیے (جو جنگ میں مارے گئے تھے) کہہ دیا کہ اگر وہ ہمارا کہنا مانتے تو نہ مارے جاتے۔ان سے کہیے کہ: ''اگر تم سچے ہو تو جب خود تمہاری موت آئے تو اسے ہٹا کر دکھا دینا۔''

۱۶۹۔اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں انھیں تم ہرگز مردہ نہ سمجھو۔بلکہ وہ زندہ ہیں۔وہ اپنے رب کے پاس سے رزق پا رہے ہیں۔

تفسیر

یہ آیت شہدائے بدر واحد کی شان میں نازل ہوئی

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ: جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: ''یہ آیت شہدائے بدر واحد کی شان میں نازل ہوئی اور اس آیت میں ہر وہ شخص بھی داخل ہے جو خدا کی راہ میں قتل ہوا ہو۔چاہے وہ جہادِ اصغر ہو یا جہادِ اکبر۔جہاں خواہشاتِ نفسانی کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔(تفسیر صافی ص ۹۷ بحوالہ تفسیر مجمع البیان)

نوٹ: جہاد اصغر، دشمنانِ اسلام سے جنگ کرنا اور جہاد اکبر، خواہشاتِ نفسانی سے مقابلہ کرنا ہے۔

آیت نمبر ۱۷۰

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۱۷۰

ترجمہ

۱۷۰۔ جو کچھ کہ ان کے رب نے ان کو اپنے فضل وکرم سے دیا ہے اس پر وہ بہت ہی خوش ہیں۔ وہ تو اپنے پیچھے (دنیا میں) رہ جانے والوں کی حالت پر بھی بہت خوش اور مطمئن ہیں، جو ابھی تک ان کے پاس نہیں پہنچے ہیں۔ (کیونکہ) ان کے لیے کبھی نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی رنج ہوگا۔

تفسیر

شہادت پانے کے بعد شہداء کی کیفیت

حدیث نبوی ہے کہ: ''جو شخص نیک عمل لے کر دنیا سے جاتا ہے اسے اللہ کے ہاں اس قدر پر لطف اور پر کیف زندگی میسر آتی ہے جس کے بعد وہ کبھی دنیا میں واپس آنے کی تمنا نہیں کرتا۔ مگر شہید اس سے مستثنیٰ ہے۔ وہ یہی تمنا کرتا ہے کہ پھر دنیا میں بھیجا جائے اور پھر اسی لذت شہادت کے نشے سے لطف اندوز ہو، جو راہِ خدا میں جان دیتے وقت حاصل ہوتا ہے۔'' (مسند احمد ابن حنبل)

اور دنیا میں وہ ایمان وتقویٰ پر ہیں جب شہید ہوں گے ان کے ساتھ ملیں گے اور روزِ قیامت امن اور چین کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔ (قرآن عظیم، مترجم از مولانا شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب بریلوی صفحہ ۱۱۶)

''شہید کو قتل سے تکلیف نہیں ہوتی مگر ایسی جیسی کسی کو ایک خراش لگے۔'' (صحیح ترمذی ونسائی بحوالہ قرآن عظیم محمد احمد رضا خاں بریلوی ص ۱۱۶)

آیت نمبر ۱۷۱

يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۚ﴿۱۷۱﴾

ترجمہ

۱۷۱۔(غرض) وہ اللہ کی نعمت اور اس کے فضل و کرم پر نہایت خوش اور مطمئن ہیں۔ (کیونکہ وہ دیکھ چکے ہیں کہ) اللہ مومنوں کے اجر و ثواب کو ہرگز برباد نہیں کرتا۔

تفسیر

نعمت سے مراد ان کے اعمال کا ثواب ہے اور فضل سے مراد اس ثواب پر زیادتی ہے۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے کہ ''جن لوگوں نے نیکی کی ان کے لیے بہتری بھی ہے اور زیادتی بھی۔'' (سورۂ یونس) (تفسیر صافی ص ۹۷)

قرآن شہداء کو زندہ کہہ کر خاموش نہیں ہوتا

قرآن، لفظ ''زندہ'' کہہ کر خاموش ہو جاتا تو سمجھا جا سکتا کہ یہ زندہ کہنا نتائج کے لحاظ سے مجازی طور پر کہہ دیا گیا ہے۔ مگر قرآن شہیدوں کو صرف زندہ کہہ کر خاموش نہیں ہوتا، بلکہ ان کی زندگی کی کیفیت کو تفصیل کے ساتھ بیان کر رہا ہے، جس سے ماننا پڑتا ہے کہ شہداء کی زندگی ایک خاص طرح کی بھرپور زندگی ہے جو بقائے روح یا حیاتِ برزخی سے الگ کوئی اور چیز ہے۔ البتہ یہ اور بات ہے کہ ہم اس زندگی کی پوری کیفیت کو سمجھ نہیں سکتے، کیونکہ ہم کو اس زندگی کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ سونے والا خواب کے عالم میں جاگنے کی حالت کو کہاں سمجھ سکتا ہے، جو ہم اس حیات کی نوعیت کو سمجھ سکیں گے۔ (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۷۲

اَلَّذِيۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الۡقَرۡحُ ۚ لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡهُمۡ وَاتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ۚ﴿۱۷۲﴾

ترجمہ

۱۷۳۔جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسولؐ کی آواز پر لبیک کہی، ان میں سے جنہوں نے اچھے کام بھی کیے، اور جو برائیوں سے بھی بچتے رہے ان کے لیے بہت بڑا اجر وثواب ہے۔

تفسیر

غزوہ احد کے زخمی مجاہدوں کے لیے اللہ کا حکم

جب رسول خداؐ غزوۂ احد کے بعد مدینہ تشریف لائے تو جبریل نازل ہوئے اور کہا کہ اللہ آپؐ کو حکم دیتا ہے کہ قریش کا پیچھا کرو اور آپؐ کے ساتھ سوا ان لوگوں کے جو زخمی ہیں، دوسرا کوئی نہ جائے۔ جناب رسولِ خداؐ نے منادی کرادی کہ ''جسے کوئی زخم لگ چکا ہے وہ نکلے۔ پس لوگوں نے یہ حکم قبول کیا اور اپنے زخموں کی مرہم پٹی کرنے لگے۔ یہ آیت انہی کی شان میں اتری۔ اگر اس حکم کی تعمیل نہ ہوتی تو قریش کے سردار وں کا یہ ارادہ تھا کہ مدینے پر شب خون ماریں۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان خود ان کا پیچھا کر رہے ہیں تو وہ بھاگ نکلے۔ (تفظیر صافی ص ۹۸ بحوالہ تفسیر قمی)

ابو رافع سے روایت ہے کہ جب مشرک احد کے میدان سے بھاگے اور روحا کے مقام پر پہنچے تو آپس میں کہنے لگے کہ ''ہم نہ تو کمسن عورتوں کو لا سکے، نہ ہم نے محمدؐ کو قتل کیا۔'' جب یہ خبر رسول خداؐ کو ملی تو آپؐ نے حضرت علیؑ کو بنی خزرج کے ہمراہ مشرکوں کے تعاقب میں بھیجا جس جگہ سے مشرک کوچ کرتے حضرت علیؑ وہیں جا اترے یہ آیت خدا نے انہی کی شان میں نازل فرمائی۔ روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے زخموں پر لعاب دہن لگایا اور ان کے حق میں دعا بھی فرمائی۔ (تفسیر برہان)

آیت نمبر ۱۷۳۔۱۷۴

اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَكُمۡ فَاخۡشَوۡهُمۡ فَزَادَهُمۡ اِیۡمَانًا ۖ وَّقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِیۡلُ ﴿۱۷۳﴾

فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ لَّمۡ یَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۷۴﴾

ترجمہ

۱۷۳۔جن لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے مقابلے کے لیے بڑا لشکر جمع کیا ہے، لہٰذا تم ان سے ڈرو۔تو اس بات سے ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انہوں نے کہا کہ: ''ہمارے لیے خدا کافی ہے اور وہ تو بڑا ہی اچھا کام بنانے والا ہے۔''

۱۷۴۔نتیجتاً وہ اللہ کے فضل و نعمت کے ساتھ لوٹے۔انھیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچی۔وہ اللہ کو خوش کرنے کے کوشاں رہے اور اللہ بڑا ہی فضل و کرم فرمانے والا ہے۔

تفسیر

مسلمانوں نے کہا: ''ہمارے لیے اللہ کافی ہے''

ایک روایت کے مطابق جب ابوسفیان کو یہ علم ہوا کہ مسلمان اس کا پیچھا کر رہے ہیں تو اس نے ایک شخص کو ان لوگوں کی اخلاقی قوت کو آزمانے کے لیے بھیجا، تاکہ وہ ان لوگوں کو اس بات سے ڈرائے کہ دشمن اکثریت میں ہے اور وہ کم ہیں۔پھر دیکھیں کہ ان پر اس کا اثر ہوتا ہے یا نہیں؟

چنانچہ اس شخص نے آ کر مسلمانوں سے کہا کہ تم کس کے مقابلے پر جا رہے ہو؟ ان کے پاس تو بہت زیادہ اسلحہ اور فوج ہے۔ مگر مسلمانوں نے جو حضرت علیؑ کی سرکردگی میں جا رہے تھے، یہ بات سن کر کہا "حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَنِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ﴿۱۷۳﴾، یعنی ''ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین سرپرست ہے۔'' ان کی تعریف میں یہ آیتیں اتریں۔ (تفسیر درمنثور)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ یہ بات غزوۂ بدر صغریٰ کی ہے۔ (تفسیر صافی و مجمع البیان)

اسی کے بعد آدابِ اسلامی میں یہ بات شامل ہوگئی کہ جب کوئی عظیم مہم درپیش ہو تو یہی الفاظ زبان پر جاری کیے جائیں۔ (مجمع البیان)

یہاں خدا کا فضل مسلمانوں پر ان صورتوں میں ظاہر ہوا کہ (۱) ان کے ایمان کے درجات میں ترقی ہوئی (۲) اپنی جہاد جیسی عظیم عبادت کے لیے نکلنے کا موقع ملا (۳) وہ کافروں کی شان و شوکت سے ذرا مرعوب نہ ہوئے (۴) مالی اور تجارتی فوائد حاصل ہوئے۔ (۵) اجر عظیم کی بشارت ملی۔ (ماجدی)

آیت نمبر ۱۷۵

اِنَّمَا ذٰلِکُمُ الشَّیۡطٰنُ یُخَوِّفُ اَوۡلِیَآءَہٗ ۪ فَلَا تَخَافُوۡہُمۡ وَخَافُوۡنِ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ﴿۱۷۵﴾

ترجمہ

۱۷۵۔ یہ تو حقیقت میں شیطان ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے۔ تو تم ان سے مت ڈرو، صرف مجھ سے ڈرو اگر واقعی تم مومن ہو۔

تفسیر

شیطان کسی نہ کسی انسانی شکل میں وار کرتا ہے۔ یہی لوگ شیطان کے اولیاء کہلاتے ہیں۔ (قرطبی)

یعنی منافقین و مشرکین جو شیطان کے دوست ہیں ان کا خوف نہ کرو۔ کیونکہ ایمان کا مقتضا ہی یہ ہے کہ

بندے کو خدا ہی کا خوف ہو۔ (قرآن عظیم مترجمہ مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب بریلوی)

آیت نمبر ۱۷۶۔۱۷۷

وَلَا يَحۡزُنۡكَ الَّذِيۡنَ يُسَارِعُوۡنَ فِى الۡكُفۡرِ‌ ۚ اِنَّهُمۡ لَنۡ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيۡـًٔا‌ ؕ يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجۡعَلَ لَهُمۡ حَظًّا فِى الۡاٰخِرَةِ‌ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۷۶﴾

اِنَّ الَّذِيۡنَ اشۡتَرَوُا الۡكُفۡرَ بِالۡاِيۡمَانِ لَنۡ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيۡـًٔا‌ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۱۷۷﴾

ترجمہ

۱۷۶۔ اور یہ لوگ جو کفر میں تیزی دکھا رہے ہیں آپ کو رنجیدہ نہ کریں۔ یہ اللہ کا کچھ بھی تو نہیں بگاڑ سکتے۔ اللہ نے تو یہ طے کر لیا ہے کہ ان کو آخرت میں کوئی حصہ نہ دے گا اور ان کے لیے تو بہت بڑی (دردناک) سزا ہے۔

۱۷۷۔ وہ لوگ جو ایمان کو چھوڑ کر کفر کے خریدار بنے ہوئے ہیں، وہ ہرگز اللہ کا کوئی نقصان نہیں کر رہے ہیں، اور ان کے لیے تو بڑی ہی دردناک سزا ہے۔

تفسیر

اللہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دے رہا ہے

علامہ طبرسیؒ نے لکھا کہ رسولؐ خدا کو کبھی کبھی اپنی عبدیت کے تقاضے سے یہ فکر پیدا ہوتی تھی کہ کہیں میری طرف سے دین کی تبلیغ میں کوئی کمی تو نہیں رہ گئی ہے جس کی وجہ سے ایمان ان لوگوں کے دلوں میں راسخ نہیں ہوتا۔ اسی

بات کا اظہار اس آیت میں کیا گیا ہے۔(مجمع البیان)

رہے یہ کفر میں تیزی کرنے والے، تو یہ کافر نہ تھے۔ بلکہ وہ تھے جو خود کو مومن کہہ رہے تھے، مگر ان کی حرکتیں کافروں کی جیسی تھیں۔ جنھیں آج کل کالی بھیڑیں کہا جاتا ہے۔(تفسیر صافی)

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی، ان کے لیے اسباب ہدایت فراہم ہو چکے تھے۔ یہ پیغمبر کی خدمت میں بھی پہنچ چکے تھے، حلقۂ اسلام میں بھی داخل ہو چکے تھے، گویا ہدایت ان کے ہاتھوں میں آ چکی تھی۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے دل میں کفر چھپا رکھا تھا اور منافقانہ چالیں چل چل کر گمراہی کا راستہ اختیار کیا۔ اسی لیے کہا گیا کہ انہوں نے ایمان کے بدلے کفر مول لیا۔(فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۷۸

وَلَا یَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّمَا نُمۡلِیۡ لَہُمۡ خَیۡرٌ لِّاَنۡفُسِہِمۡ ؕ اِنَّمَا نُمۡلِیۡ لَہُمۡ لِیَزۡدَادُوۡۤا اِثۡمًا ۚ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ ﴿۱۷۸﴾

ترجمہ

۱۷۸۔ اور یہ کافر یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم جو انھیں مہلت (پر مہلت) دیے چلے جا رہے ہیں، یہ ان کے لیے کوئی فائدے کی بات ہے۔ (بلکہ) ہم تو ان کو اس لیے مہلت دے رہے ہیں تاکہ وہ اور زیادہ گناہ کر لیں، پھر ان کے لیے ذلیل کرنے والی سزا ہے۔

تفسیر

کافروں کو مہلت پر مہلت کیوں دی جاتی ہے؟

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ ''کافر کی زندگی بہتر ہے یا موت؟'' آپؑ نے فرمایا: ''مومن اور کافر دونوں کے لیے موت بہتر ہے، اس لیے کہ مومن کے لیے خدا فرماتا ہے کہ ''جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیکوں کے

لیے سب سے اچھا ہے۔'' اور کافروں کے بارے میں خدا فرماتا ہے: ''اور پھر آپؐ نے یہی آیت نمبر ۱۷۸ تلاوت فرمائی۔'' (تفسیر صافی ص ۹۸ بحوالہ تفسیر عیاشی)

اگرچہ آیت کا تخاطب منافقوں سے ہے مگر یہ حکم تمام کافروں پر عام ہے۔ سب کافروں اور منافقوں کو ڈھیل پر ڈھیل ملتی ہے اور ان پر نعمتوں کی فراوانی بھی ہوتی ہے۔ اس طرح خدا ان پر اپنی حجت تمام کرتا ہے اور ان کی سزا میں اضافے پر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر ان کو مکمل تباہی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے خواہ اسی دنیا میں یا مرتے ہی۔ (مخلص از فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۷۹

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

ترجمہ

۱۷۹۔ اللہ مومنوں کو اس حالت میں ہرگز نہ چھوڑے رکھے گا، جس حالت میں تم ہو۔ یہاں تک کہ وہ ناپاک لوگوں کو پاک لوگوں سے الگ نہ کر دے، اور اللہ تمہیں غیب کی چھپی ہوئی باتیں نہ بتا دے اور وہ اپنے پیغمبروں میں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے (لہٰذا غیب کی چھپی ہوئی باتوں کے بارے میں) اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو۔ اگر تم ایمان اور تقویٰ یعنی خدا کے عذاب سے ڈرتے ہوئے فرائض کو ادا کرتے رہو گے، تو تمہارے لیے بہت ہی بڑا اجر و ثواب ہے۔

تفسیر

اللہ مومن اور منافق، طیب اور خبیث کی تمیز قائم کرنا چاہتا ہے

آیت کے نتائج:

محققین نے پہلا نتیجہ نکالا کہ: ''خدا مسلمانوں کی جماعت کو اس حال میں دیکھنا پسند نہیں کرتا کہ ان میں سچے مومن اور منافق ملے جلے ہوں۔

دوسرا نتیجہ یہ نکالا کہ قرنِ اول میں پاک لوگ بھی تھے اور ناپاک بھی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خدا ایسی صورتیں ضرور پیدا کرے گا کہ ان میں امتیاز ہو جائے۔ (تفسیر صافی)

تیسرا نتیجہ یہ بھی نکالا گیا کہ دورِ رسولؐ ہی میں اور آپؐ کے بعد بھی ایسے امتحانی مواقع پیش آتے ہی رہے گے، جن کے ذریعے سے یہ فرق معلوم ہوتا جائے گا کہ کون خبیث ہے اور کون طیب ہے۔ اب یہ کہنا بالکل غلط ثابت ہو گیا کہ صدرِ اسلام کے واقعات پر تبصرہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس سے کچھ مقدس افراد کے بارے میں رائے بدل جاتی ہے۔ خود قرآن دورِ اول اور صدر اسلام کے واقعات کو خوب چھٹک چھٹک کر پوری تفصیلات کے ساتھ بیان کر رہا ہے اور ہمیں یہ سبق دے رہا ہے کہ دورِ اول کے واقعات کو بصارت اور بصیرت کے ساتھ بیان کر رہا ہے اور ہمیں یہ سبق دے رہا ہے کہ دورِ اول کے واقعات کو بصارت اور بصیرت کے ساتھ دیکھنا چاہیے اور پھر بزرگوں میں امتیاز کیا جائے کہ کون اس لائق ہیں کہ ان کی پیروی کی جائے اور کون وہ ہیں کہ جن کی پیروی کرنا خطرناک ہے جن سے یہ کہا جا رہا ہے کہ ''تم ایمان پر قائم رہو اور برائیوں سے بچتے رہو۔ تب کہیں تم کو اجرِ عظیم اور آخرت کی کامیابی حاصل ہو گی۔''

پھر کہا گیا کہ خدا انہیں براہ راست غیب کی باتیں بتانے والا نہیں، ہاں پیغمبروں میں سے جسے چاہتا ہے اس کام کے لیے منتخب کر لیتا ہے۔ (تفسیر صافی)

اور یہ جو کہا گیا کہ ''اللہ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھو'' تو اس ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جس کے بارے میں پیغمبرؐ جو کچھ فرمائیں، اسے اللہ کے دیے ہوئے علم کا نتیجہ سمجھو، اسے رشتے کی محبت کا نتیجہ قرار نہ دو۔

غرض جب تاریخ بھی سامنے ہو گی اور یہ آیات بھی سامنے ہوں گی اور رسولؐ کے ارشادات بھی سامنے ہوں گے تو ہمیں اچھوں اور بروں کا فرق معلوم ہو جائے گا اور اس طرح ہم غلط رہبروں سے بچ سکیں گے۔ (فصل الخطاب)

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ مومن اور منافق کی تمیز نمایاں کرنے کے لیے اللہ یہ طریقہ اختیار کرتا ہے کہ ایسے امتحانات کے مواقع پیش آئیں کہ جن میں تجربے سے مومن اور منافق کا حال کھل کر سامنے آجائے۔ (تفہیم)

آیت نمبر ۱۸۰

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾

ترجمہ

۱۸۰۔ اور جو لوگ اس چیز کے دینے میں بخل کرتے ہیں کہ جو خدا نے ان کو اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائی ہے، تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے لیے کوئی اچھی بات ہے۔ بلکہ یہ ان کے لیے بڑی تباہی ہے۔ وہ جو کچھ اپنی کنجوسی سے جمع کر رہے ہیں، وہی قیامت کے دن ان کو گلے کے طوق بنا کر پہنائے جائیں گے اور آسمانوں اور زمین کی ہر چیز تو اللہ ہی کی میراث (ملکیت) ہے اور وہ جو بھی کر رہے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر

اللہ کے عطا کردہ مال میں بخل کی مذمت

مطلب یہ ہے کہ جب، جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ کی ملکیت ہے، تو یہ لوگ کون ہیں جو خدا کے مال میں بخل کرتے ہیں اور اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ (تفسیر صافی ص ۹۸)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: ''جو شخص زکوٰۃ واجب کا مال روکے گا، خدا اس مال کو ایک آتشیں سانپ بنا کر اس کی گردن میں بطور طوق ڈال دے گا، وہ اس کا گوشت کھاتا رہے گا یہاں تک کہ وہ حساب سے فارغ ہو جائے۔ (تفسیر صافی ص ۹۸ بحوالہ کافی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''یہ بخل ہی ہے جو انہیں حقوق واجبہ مثلاً زکوٰۃ وغیرہ ادا کرنے سے روکتا ہے۔''

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''اول تو یہ دنیا کی دولت باقی رہنے والی چیز ہی نہیں۔ اگر باقی رہ بھی جائے، تو، تو کب اس کے لیے باقی رہ جائے گا'' عقلی طور پر یہ کتنے بڑے عیب کی بات ہے کہ انسان خدا ہی کی دی ہوئی دولت کو خدا کی راہ میں دینے سے بخل کرے۔ خدا ہی کے مال میں سے خدا ہی کے مقرر کیے ہوئے حقوق ادا نہ کرے! جبکہ خدا نے اس کا بھرپور اجر، دنیا اور آخرت دونوں میں دینے کا سچا وعدہ بھی کیا ہے۔ ایسے کنجوسوں کو تو ایسی ہی سخت سزا ملنی چاہیے۔

پھر خدا کا یہ فرمانا کہ جو مال ''اللہ نے اپنے فضل و کرم سے انھیں دیا ہے۔'' عقلی طور پر ان کے عمل کی رکاکت کا اظہار ہے کہ مال بھی خدا کا دیا ہوا ہے اور خدا ہی کے عائد کیے ہوئے فرائض خدا کے دیے ہوئے مال سے ادا کرنے کو تیار نہیں۔ ایسا بخل کتنی گھٹیا چیز ہے۔ (تفسیر صافی)

پھر خدا کا یہ فرمانا کہ ''اللہ کے لیے آسمانوں اور زمین کا ترکہ ہے۔'' یعنی جس مال میں یہ بخل کرتے ہیں یہ ان کے پاس رہ جانے والا بھی تو نہیں ایک دن یہ اپنا سب جمع کیا ہوا مال چھوڑ چھاڑ کر چل دیں گے۔ تو آخر میں ان تمام اموال پر خدا ہی کا قبضہ ہوگا کیونکہ خدا ہی سب کے بعد رہنے والا ہے۔ اس کو فنا نہیں اور اگر یہ مال تم خود ہی دیتے تو اس کا تمہیں پورا اجر بھی ملتا۔ (ملخص از مجمع البیان)

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ زمین و آسمانوں کی جو چیز بھی ہم استعمال کر رہے ہیں وہ دراصل اللہ کی ملکیت ہے، ہمارا قبضہ صرف عارضی ہے۔ ہر ایک کو اپنی ملکیت سے بے دخل ہونا ہے اور آخر کار سب کچھ اللہ کا ہو جانا ہے۔ لہٰذا عقلمند وہ ہے کہ جو اس عارضی قبضے کے دوران اللہ کے مال کو اللہ کی راہ میں دل کھول کر خرچ کرے اور بے وقوف وہ ہے جو مال کو بچا بچا کر رکھے۔ (تفہیم)

آیت نمبر ۱۸۱

لَقَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ قَوۡلَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيۡرٌ وَّنَحۡنُ اَغۡنِيَآءُ ۘ سَنَكۡتُبُ مَا قَالُوۡا وَقَتۡلَهُمُ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوۡلُ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِيۡقِ ﴿۱۸۱﴾

ترجمہ

اللہ نے ان (یہودیوں) کا کہنا سن لیا جو انہوں نے کہا کہ ''اللہ تو فقیر ہے'' اور ہم مالدار ہیں۔ جو کچھ بھی انہوں نے کہا ہے وہ ہم ،لکھ لیں گے۔ اور اس سے پہلے ان کا انبیاء کو ناحق قتل کرنا بھی (لکھ لیں گے) اور پھر ہم کہیں گے کہ لو اب آگ کی سزا کا مزہ چکھو۔

تفسیر

یہودیوں کا جاہلانہ قول ''ہم غنی اور اللہ فقیر ہے''

جب یہودیوں نے یہ آیت سنی کہ ''وہ کون ہے جو اللہ کو اچھا قرضہ دے۔'' تو انہوں نے کہا: ''کیا اللہ محتاج ہے۔'' اصل میں انہوں نے خدا کو تو دیکھا نہیں لیکن انہوں نے خدا کے خاص بندوں کو دیکھا کہ وہ فقیر ہیں تو کہہ دیا کہ اگر اللہ دولت مند ہوتا تو ان کو بھی دولت مند کر دیتا۔ اس طرح ان احمقوں نے خود کو دولت مند سمجھ کر خدا پر فخر کیا۔ (تفسیر صافی ص ۹۸ وتفسیر قمی)

کیونکہ ان کا یہ کہنا کہ ''ہم دولت مند ہیں اور اللہ فقیر ہے۔'' بہت برا کلمہ ہے اور خدا کے ساتھ کفر اور مذاق کرنے کے مترادف ہے۔ اس لیے اللہ نے فرمایا: ''ہم اس کلمے کو لکھے جائیں گے اور قیامت کے دن اس کی سزا بھی ملے گی۔'' (تفسیر صافی ص ۹۹)

فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ جو یہودی انبیاء کے قاتلوں سے راضی اور مطمئن رہے وہ بھی گویا عملاً انبیاء کے قاتلوں

میں شریک اور قتل کے ذمے دار قرار پائے، کیونکہ معصیت پر راضی ہو جانا بھی معصیت ہوتا ہے۔ (قرطبی)

آیت نمبر ۱۸۲

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ﴿۱۸۲﴾

ترجمہ

۱۸۲۔ یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے (کیونکہ) حقیقتاً اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

تفسیر

یہودیوں کے اس قول سے مراد عوام الناس کو بیوقوف بنانا تھا

یہودیوں نے کہا ''اللہ تو (معاذ اللہ) مفلس ہے اور ہم لوگ مالدار ہیں جبھی تو خدا ہم سے قرضہ مانگ رہا ہے۔'' (تفسیر صافی)

حالانکہ یہودی خوب جانتے تھے کہ قرضے سے یہاں کیا مراد ہے؟ مگر عوام کو بے وقوف بنانے کے لیے اس قسم کے احمقانہ نکتے پیدا کر رہے تھے۔ (مجمع البیان)

احمقانہ اعتراض کے جواب کا طریقہ

ایسے بے معنی اعتراضات کا جواب نہ دینا ہی بلاغت کا تقاضا ہوتا ہے، اس لیے قرآن نے اس کا جواب نہ دیا اور اس کو یہودیوں کی سرکشی اور حق دشمنی کا نتیجہ قرار دیا، جو اس سے پہلے انبیاء کو قتل کر دینے جیسے جرم سے ظاہر ہو چکی ہے۔ اس لیے کہ جواب تو اس وقت دیا جاتا ہے جب اعتراض کرنے والے کا اصل مقصد سمجھنا ہو۔ لیکن اگر معترض کا اصل مقصد اعتراض برائے اعتراض ہو، تو اس وقت بجائے جواب دینے کے اس کے اصل مرض کو بتا دینا ہی فصاحت کا

تقاضا ہے۔(فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۸۳

اَلَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰہَ عَہِدَ اِلَیۡنَاۤ اَلَّا نُؤۡمِنَ لِرَسُوۡلٍ حَتّٰی یَاۡتِیَنَا بِقُرۡبَانٍ تَاۡکُلُہُ النَّارُ ؕ قُلۡ قَدۡ جَآءَکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِیۡ بِالۡبَیِّنٰتِ وَبِالَّذِیۡ قُلۡتُمۡ فَلِمَ قَتَلۡتُمُوۡہُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۸۳﴾

ترجمہ

۱۸۳۔ جولوگ کہتے ہیں کہ: ''اللہ نے ہمیں ہدایت کردی ہے (ہم سے عہدک رلیا ہے) کہ ہم کسی کو رسول نہ مانیں، جب تک کہ وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی پیش کر کے نہ دکھائے جسے (آسمانی) آگ آ کر کھالے۔ان سے کہیے کہ تمہارے پاس مجھ سے پہلے بھی تو بہت سے رسول آ چکے ہیں۔جو بہت سی روشن نشانیاں لائے تھے۔اور وہ یہ نشانی بھی لائے تھے جس کا تم مطالبہ کرتے ہو۔تو پھر تم نے ان رسولوں کو کیوں قتل کردیا؟ اگر تم (اپنے اس مطالبے میں) سچے ہو؟

تفسیر

یہودیوں کے ایک اور جھوٹ کی رد

یہودی کہتے تھے کہ ہماری توریت میں ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جبتک کہ وہ ہمیں وہ خاص معجزے نہ دکھائے جو انبیاء بنی اسرائیل دکھایا کرتے تھے۔مثلاً جب کوئی شخص قربانی دیتا تھا اور کوئی نبی دعا کرتا تھا اور قربانی قبول ہوتی تھی تو آسمان سے آگ اتر کر اسے جلا ڈالتی تھی۔قرآن نے کہا یہ سب ان کی جھوٹی

باتیں ہیں۔(تفسیر صافی ص ۹۹)

اس آیت میں خدا نے یہودیوں کو رد کیا ہے کہ پھر "تم نے زکریاؑ اور یحییٰ علیہ السلام کو کیوں نہ مانا جو معجزے لے کر آئے تھے۔ان کو کیوں رنج پہنچایا اور کیوں قتل کیا؟ (کافی بحوالہ امام جعفر صادق علیہ السلام)

مخاطبین رسولؐ کو اللہ نے انبیاء کے قاتل اس لیے قرار دیا کہ یہ لوگ (یہودی) بھی ان کے قتل پر راضی تھے۔(امام صادق علیہ السلام)(مخلص تفسیر عیاشی)

آیت نمبر ۱۸۴۔۱۸۵

فَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقَدۡ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ جَآءُوۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالۡكِتٰبِ الۡمُنِيۡرِ ﴿۱۸۴﴾

كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوۡنَ اُجُوۡرَكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَ ؕ وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴿۱۸۵﴾

ترجمہ

۱۸۴۔اب اگر انہوں نے آپؐ کو جھٹلایا ہے تو آپؐ سے پہلے والے بہت سے پیغمبرؑ بھی (اسی طرح) جھٹلائے گئے ہیں جو کھلی ہوئی دلیلیں، صحیفے اور کتاب منیر لے کر آئے تھے۔

۱۸۵۔(آخرکار) ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہی ہے اور تم سب کے سب اپنا پورا پورا اجر و ثواب قیامت کے دن پانے والے ہو۔تو جسے بھی جہنم کی آگ سے چھٹکارا دے دیا جائے اور جنت میں بھیج دیا جائے، وہی دراصل کامیاب ہے (کیونکہ) دنیوی زندگی تو ایک سرمایہ فریب (یعنی) دھوکہ کھانے کے سامان (دھوکے کی ٹٹی) کے سوا کچھ بھی تو نہیں۔

تفسیر

اللہ کی ہر مخلوق کو موت کا ذائقہ چکھنا پڑے گا

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''پہلے اس زمین کے باشندے مرجائیں گے۔ پھر آسمان والے مرجائیں گے۔ صرف ملک الموت اور حاملانِ عرش زندہ ہوں گے۔ خدا ملک الموت سے پوچھے گا: ''اب کون باقی ہے'' وہ کہے گا: ''مالک! میرے حاملانِ عرش، جبریلؑ اور میکائیل کے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔'' حکم ہوگا جبریلؑ و میکائیلؑ سے کہو کہ وہ دونوں بھی مرجائیں۔ فرشتے عرض کریں گے ''مالک! یہ دونوں تو تیرے رسول اور امین ہیں۔'' حکم ہوگا کہ ''یہ بات میں پہلے ہی طے کر چکا ہوں کہ جس نفس میں روح ہے وہ موت کو ضرور چکھے گا۔'' پھر باوجود جاننے کے خدا ملک الموت سے سوال کرے گا کہ ''اب کون باقی ہے؟'' ملک الموت کہے گا کہ ''میرے اور حاملانِ عرش کے سوا کوئی باقی نہیں۔'' اللہ ارشاد فرمائے گا کہ حاملانِ عرش سے کہو کہ وہ بھی مرجائیں۔'' اب ملک الموت غمگین ہو کر حاضر ہوگا۔ پھر علم رکھتے ہوئے خدا پوچھے گا کہ ''اب کون باقی رہا؟'' ملک الموت کہ گا ''صرف میں ہوں۔'' حکم ہوگا ''تم بھی مرجاؤ'' اس وقت زمین اور آسمان خدا کے قبضۂ قدرت میں ہوں گے۔ خدا فرمائے گا ''اب کہاں گئے وہ جو میرا شریک ٹھیراتے تھے؟ اور میرے سوا اوروں کو خدا بناتے تھے؟'' (تفسیر صافی ص ۹۹ بحوالہ کافی)

دنیا کی زندگی کا ''سرمایۂ فریب'' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے عیش و آرام کو لوگ دھوکے سے اپنی اصلی کامیابی سمجھ لیتے ہیں جو حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ (مجمع البیان)

حاصل مطلب یہ ہے کہ دنیا کے فوائد ہی کو اگر کوئی اصلی اور آخری نتائج سمجھ بیٹھے اور انہی پر حق و باطل کا فیصلہ کرنے لگے تو وہ سخت دھوکے میں مبتلا ہو جائے گا۔ یہاں کسی پر نعمتوں کی بارش ہونا اس بات کا قطعاً ثبوت نہیں ہے کہ وہی حق پر ہے اور اسی کو اللہ کی بارگاہ میں قبولیت حاصل ہے اور اسی طرح یہاں کسی کا مصائب و مشکلات میں مبتلا ہونا بھی لازمی طور پر یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ باطل پر ہے، بلکہ اکثر اوقات دنیا کے نتائج آخرت کے نتائج کے برعکس ہوتے ہیں۔ اصل اعتبار آخرت کے نتائج کا ہے۔ (تفہیم)

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔'' جو کچھ یہاں بوؤ گے آخرت میں اس کو کاٹو گے۔

آیت نمبر ۱۸۶

لَتُبۡلَوُنَّ فِیۡۤ اَمۡوَالِکُمۡ وَاَنۡفُسِکُمۡ ۟ وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَمِنَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡۤا اَذًی کَثِیۡرًا ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿۱۸۶﴾

ترجمہ

۱۸۶۔(اس دنیا میں) لازمی طور پر تم کو تمہاری جانوں اور مالوں کے بارے میں آزمایا جائے گا اور تمہیں اہل کتاب اور مشرکوں سے بہت سی تکلیف دینے والی باتیں سننی پڑیں گی۔ اگر تم ان تمام باتوں پر صبر کرو گے اور (ان کے طعن وطنز کے باوجود) فرائض الٰہیہ کو ادا کرتے ہوئے برائیوں سے بچتے رہو گے تو یقیناً یہ بڑے ہی مضبوط ارادے اور بڑے ہی حوصلے کے کام ہیں۔

تفسیر

دنیا میں صبر اور مختلف تکالیف سے آزمایا جائے گا

خدا کا یہ فرمانا کہ ''ضرور ضرور تمہارا امتحان ہوگا'' یعنی جہاد اور خیرات میں جان و مال کی قربانی کے احکامات کی شکل میں بھی امتحان ہوگا اور مصائب کے مقابلہ کرنے کی شکل میں بھی۔ (تفسیر صافی)

غرض آیت کا پیغام یہ ہے کہ کافروں کے طعن وتشنیع اور ان کے جھوٹے الزامات اور بیہودہ طرزِ کلام اور ان کی جھوٹی نشر واشاعت کے مقابلے میں بے صبر ہو کر تم ایسی باتوں پر نہ اتر آؤ جو صداقت وانصاف ووقار وتہذیب اور اخلاقِ فاضلہ کے خلاف ہوں۔ (تفہیم)

مخالفین کی بداخلاقی کا جواب نہ دینا ہی تقویٰ کا تقاضا ہے اور یہی مضبوط کردار کا ہونا ہے۔یعنی یہی وہ کردار ہے جو مضبوط عزم اور ارادے کے جوہر کا تقاضا ہے اور اسی پر عزم و ہمت کے ساتھ قائم رہنا چاہیے۔(ملخص از مجمع البیان)

آیت نمبر ۱۸۷

وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكۡتُمُوۡنَهٗ فَنَبَذُوۡهُ وَرَآءَ ظُهُوۡرِهِمۡ وَاشۡتَرَوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ فَبِئۡسَ مَا يَشۡتَرُوۡنَ ﴿۱۸۷﴾

ترجمہ

۱۸۷۔اور ان اہل کتاب کو ذرا وہ عہد تو یاد دلاؤ کہ جب اللہ نے ان سے یہ عہد لیا تھا کہ تم کو ضرور بالضرور کتاب خدا کی تعلیمات کو لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کرنا ہوگا اور ان تعلیمات کو تم چھپاؤ گے بھی نہیں، تو انہوں نے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا اور تھوڑی سی قیمت پر اس کو بیچ ڈالا۔کتنا برا کاروبار ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔

تفسیر

اہل کتاب رسولؐ خدا کی حقانیت کو چھپا رہے تھے

یہ عہد و پیمان ہر صاحب علم کے لیے ہے کہ وہ حق کو نہ چھپائے، جبکہ حق کے چھپانے سے پوری دنیا کا نقصان ہو۔اہل کتاب رسولؐ آخرت کی حقانیت کو چھپا رہے تھے اور وہ بھی تھوڑے سے دنیوی فائدے کی خاطر جسے کم قیمت (ثمن قلیل) کہا گیا ہے۔

کس سے کیا عہد لیا گیا تھا؟

امیر المومنین حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ ''خدا نے جاہلوں سے تو یہ عہد نہ لیا کہ علم دین کو سیکھیں، لیکن علماء سے عہد لیا کہ تم جاہلوں کو اچھا کردار سکھاؤ۔'' (عمدۃ البیان)

اہل کتاب کے علماء نے اس عہد کو بھلا دیا اس عہد کا ذکر بائیبل میں بھی آتا ہے

تفسیر صافی میں ہے کہ ''مگر اہل کتاب کے علماء نے اس پر عمل نہ کیا، اور وہ اس بات پر بڑے خوش بھی ہیں۔ خیر یہاں خوش ہولیں اور کمالیں، مگر آخرت میں ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ (تفسیر صافی)

یہاں جس عہد کا ذکر کیا گیا ہے اس کا ذکر بائیبل میں بھی آتا ہے۔ وہ یہ کہ ''حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی آخری تقریر میں بنی اسرائیل سے عہد لیتے ہیں کہ ''جو احکام میں نے تم کو پہنچائے ہیں انھیں اپنے دل پر نقش کرنا، اپنی آئندہ نسلوں کو سکھانا، گھر بیٹھے اور راستہ چلتے اور لیٹتے، اٹھتے، بیٹھتے ہر وقت ان کا چرچا کرنا، اپنے گھر کی چوکھٹوں پر اور اپنے پھاٹکوں پر ان کو لکھ دینا۔'' (کتاب استثناء ۶: ۴۔۹)

لیکن اس کے باوجود بنی اسرائیل کی خدا کی کتاب سے غفلت یہاں تک بڑھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سات سو سال بعد ہیکل سلیمانی کے سجادہ نشینوں تک کو یہ معلوم نہ تھا کہ ان کے ہاں تورات نامی بھی کوئی کتاب موجود ہے۔ (۲ سلاطین ۲۲: ۸۔۱۳)

علم سیکھنے اور سکھانے کے بارے میں آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: ''علم سیکھنے اور سکھانے والوں کے قدموں کے نیچے فرشتے اپنے پر زمین کے اوپر بچھا دیتے ہیں اور سمندر کی مچھلیاں تک ان کے لیے خدا سے استغفار کرتی ہیں۔'' (اصول کافی)

آیت نمبر ۱۸۸۔۱۸۹

لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡرَحُوۡنَ بِمَاۤ اَتَوۡا وَّیُحِبُّوۡنَ اَنۡ یُّحۡمَدُوۡا

بِمَا لَمۡ يَفۡعَلُوۡا فَلَا تَحۡسَبَنَّهُمۡ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الۡعَذَابِ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۱۸۸﴾

وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۸۹﴾ ع

ترجمہ

۱۸۸۔تم ان لوگوں کو عذاب سے بچا ہوا نہ سمجھ لینا کہ جو اپنے کرتوت پر اترائے جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایسے کاموں پر بھی ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے انجام ہی نہیں دیے ہیں، ان کے لیے تو دردناک سزا تیار ہے۔

۱۸۹۔اور آسمانوں اور زمین کی ملکیت اور سلطنت تو صرف اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر

جو لوگ اپنی جھوٹی تعریف چاہتے ہیں یہ آیت ان کی مذمت کر رہی ہے

مثلاً وہ لوگ اپنی تعریف میں یہ سننا چاہتے ہیں کہ وہ بڑے متقی ہیں، دیندار، ایماندار ہیں خادم دین اور حامیٔ شرع متین ہیں، مصلح اور معلم ہیں۔ حالانکہ حضرت کچھ بھی نہیں۔ مگر اپنے حق میں ایسے ایسے ڈھنڈورے پٹواتے ہیں۔ حالانکہ معاملہ بالکل برعکس ہوتا ہے۔ یعنی (برعکس نہند نام زنگی کافور) (تفہیم)

اس میں ان گستاخوں کا رد ہے جنہوں نے کہا تھا کہ اللہ فقیر ہے۔ (قرآن عظیم مترجمہ مولانا محمد احمد رضا خاں بریلوی)

آیت نمبر ۱۹۰۔۱۹۱

اِنَّ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ

لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾
الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ
وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ
هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

ترجمہ

۱۹۰۔ یہ حقیقت ہے آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، اور رات اور دن کے باری باری آنے جانے میں نشانیاں ہیں (ان) صاحبانِ عقل و ہوش کے لیے۔

۱۹۱۔ جو اللہ کو اٹھتے، بیٹھتے، لیٹتے اور کروٹ کروٹ یاد کرتے رہتے ہیں، اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق (اور ساخت) پر غور و فکر کرتے رہتے ہیں، (اور بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں کہ) اے ہمارے پالنے والے! یہ سب کچھ تو نے بے مقصد تو ہرگز نہیں بنایا، تو ہر عیب سے پاک ہے، ہمیں دوزخ کی سزا سے بچا لے۔

تفسیر

ذکر خدا اور تخلیق کائنات میں تفکر کرنے والوں کی تعریف

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''تندرست آدمی کھڑے اور بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے اور بیمار بیٹھے بیٹھے نماز پڑھتا ہے اور جو بہت کمزور ہو وہ کروٹ کے بل لیٹے لیٹے نماز پڑھ سکتا ہے۔ (تفسیر صافی ص ۹۹ بحوالہ تفسیر عیاشی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''سب سے بڑی عبادت خدا کی مخلوقات، اس کی قدرت اور اس کی حکمت پر غور کرنا ہے۔'' حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''غور و فکر

کے ذریعے اپنے دل کو ہوشیار رکھو۔ رات کو کم سویا کرو اور اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو۔''

حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''صرف کثرت سے روزے رکھنا اور نماز پڑھنا ہی عبادت نہیں ہے۔ بلکہ خدا کے کاموں پر غور وفکر کرنے کا نام عبادت ہے۔ ایک ساعت خدا کی مخلوقات پر غور وفکر کرنا پوری رات کی عبادت سے افضل ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک سال کی عبادت سے افضل ہے اور تیسری روایت میں ہے کہ ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔ (یہ اختلاف تفکر کرنے والوں کے درجوں اور نوعیت کے لحاظ سے ہے)۔ (تفسیر صافی ص ۹۹)

غرض جب وہ (اللہ کا ذکر کرنے والے) لوگ نظام کائنات کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت ان پر کھل جاتی ہے کہ یہ کائنات سراسر ایک حکیمانہ تخلیق اور نظام پر مبنی ہے اور یہ بات سراسر حکمت کے خلاف ہے کہ جس مخلوق میں خدا اخلاقی حس (وتمیز) پیدا کر دے اور جسے تصرف کے اختیارات بھی دے دے اور جسے عقل وتمیز بھی عطا فرمائے، اس سے اس کے کاموں کی باز پرس نہ ہو اور اسے نیکی پر جزا اور بدی پر سزا نہ ملے۔ اس طرح نظامِ کائنات پر غور کرنے سے انھیں آخرت کا یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ خدا کی سزاؤں سے پناہ مانگنے لگتے ہیں۔ (تفہیم)

آیت نمبر ۱۹۲۔ ۱۹۳

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۟ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ۚ

ترجمہ

۱۹۲۔ (کیونکہ) جسے بھی تو نے جہنم کی آگ میں داخل کر دیا، تو حقیقت میں اسے تو نے بے حد ذلیل

کر دیا اور پھر ایسے ظالموں کا کوئی مددگار بھی نہ ہوگا۔

۱۹۳۔ مالک! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف بلا رہا تھا، اور کہتا تھا کہ اپنے رب کو مانو۔ تو ہم نے اس کو دل سے مان لیا۔ پس اے ہمارے آقا! جو گناہ بھی ہم سے ہوئے ہیں ان کو معاف کر دے اور جو برائیاں اور غلطیاں ہم نے کی ہیں، ان کی تلافی کر کے ان کو مٹا دے (یا) ہم سے دور کر دے۔ اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ فرما۔

تفسیر

حکماء اور محققین نے نتیجہ نکالا

کہ عذاب روحانی عذاب جسمانی سے بڑھ کر شدید ہوگا۔ کیونکہ قرآن نے اس رسوائی کا ذکر عذابِ دوزخ کے بعد فرمایا ہے۔ (تفسیر کبیر)

منادی سے مراد

اس منادی سے مراد سید انبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں جن کی شان میں داعیا الی اللہ باذنہ وارد ہے یا قرآن کریم مراد ہے۔ (قرآن عظیم مترجمہ مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب بریلوی)

آیت نمبر 194

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

ترجمہ

۱۹۴۔ اے ہمارے پالنے والے! جن چیزوں کے وعدے تو نے اپنے رسولوں کے ذریعے کیے ہیں، وہ ہمیں عطا فرما، اور قیامت کے دن ہم کو ذلیل نہ کرنا، بیشک تو کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

تفسیر

آیات ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴ میں پانچ مرتبہ "رَبَّنَآ" کا لفظ آیا ہے اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''جس شخص کو کسی چیز نے غمگین کیا ہو اور وہ پانچ مرتبہ رَبَّنَآ رَبَّنَآ (ہمارے پالنے والے مالک!) کہہ کر خدا کو پکارے تو خدا اس کو اس چیز (غم) سے نجات دے گا جس سے وہ ڈرتا ہے۔'' (تفسیر صافی ص ۱۰۰)

آپؐ ہی نے جس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں تو فرمایا: ''ان لوگوں کے لیے ویل (تباہی) ہے جو ان آیتوں کو پڑھیں مگر ان کے مطالب پر غور نہ کریں۔'' (تفسیر مجمع البیان)

مطلب یہ ہے کہ انہیں اس بات پر تو شک ہی نہیں ہے کہ اللہ اپنے وعدوں کو پورا کرے گا یا پورا نہ کرے گا وہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ ضرور اپنے وعدے پورے کرے گا۔ البتہ انھیں اس بات پر شک ہے کہ جنت کے وعدوں کے مصداق ہم قرار پاتے ہیں یا نہیں؟ اس لیے وہ اللہ سے دعائیں مانگتے ہیں کہ ہمیں ان نعمتوں کے وعدوں کا مصداق بنا دے اور انھیں پورا کر دے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنی بے عملی کی وجہ سے قیامت میں کافروں کے سامنے رسوا ہوں اور وہ ہم پر یہ طعنہ کسیں کہ ایمان لا کر بھی ان کا بھلا نہ ہوا۔ (تفہیم)

آیت نمبر ۱۹۵

فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ اَنِّیۡ لَاۤ اُضِیۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی ۚ بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ وَاُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَقٰتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا لَاُكَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَیِّاٰتِهِمۡ وَلَاُدۡخِلَنَّهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ

تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

ترجمہ

۱۹۵۔تو ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول فرما کر (جواب دیا) کہ میں تم میں سے کسی بھی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع کرنے والا نہیں ہوں، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔تم ایک دوسرے کے ہم جنس ہی تو ہو۔تو جن لوگوں نے میری خاطر ہجرت کی ہو، اور اپنے گھروں سے نکالے گئے ہوں اور ستائے گئے ہوں اور میرے لیے لڑے اور مارے گئے ہوں، تو میں ان کے گناہوں کی تلافی کروں گا اور انھیں ایسے باغیچوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ ہے ان کی جزاء اللہ کے ہاں! اور بہترین جزا تو اللہ ہی کے پاس (ملتی) ہے۔

تفسیر

حسن عمل کی بناء پر اللہ کے یہاں اجر وثواب ہے

تحقیقی نتیجہ:

مرد اور عورت کی اصل ایک ہی ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب ام سلمہؓ نے جناب رسول خداؐ سے عرض کیا کہ خدا نے ہجرت کے موقع پر مردوں کا تو ذکر کیا اور عورتوں کا ذکر نہ کیا؟ اس وقت یہ آیت اتری۔(تفسیر صافی ص ۱۰۰)

اور خدا کا فرمانا کہ ''وہ لوگ جنھوں نے ہجرت کی اور وہ اپنے اپنے گھروں سے نکالے گئے، سے اولیں مراد امیر المومنین حضرت علیؑ، سلمان فارسیؓ اور ابوذر غفاریؓ ہیں اور ''جو میری راہ میں تکلیف دیے گئے'' سے مراد اولیں حضرت عمار یاسرؓ ہیں اور حضرت ابوذرؓ صحابی رسولؐ بھی حق بات کہنے کی وجہ سے بری طرح مارے پیٹے گئے اور مدینے سے بھی نکالے گئے۔(تفسیر صافی ص ۱۰۰ بحوالہ تفسیر قمی)

نتیجہ

محققین نے نتیجہ نکالا کہ ان تصورات اور مناجات کے بعد بھی خدا کی طرف سے قبولیت کا جو اعلان ہے اس میں صاف صاف بتا دیا گیا ہے کہ آخرت کا بہتر سے بہتر صلہ فقط دعاؤں سے حاصل نہ ہوگا، بلکہ عمل سے حاصل ہوگا۔ اقبال کہتے ہیں:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تم سب انسان ہو اور میری نگاہ میں یکساں ہو۔ میرے پاس یہ دستور نہیں کہ عورت اور مرد، آقا اور غلام، کالے اور گورے، امیر اور غریب کے لیے انصاف کے اصول اور فیصلے کے معیار الگ الگ ہوں۔

حدیث میں آیا ہے کہ بعض غیر مسلم نبی کریمؐ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ موسیٰؑ تو عصا اور چمکتا ہوا ہاتھ لائے تھے، عیسیٰؑ، اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو اچھا کرتے تھے۔ دوسرے پیغمبر بھی کچھ نہ کچھ معجزے لائے تھے۔ آپؐ فرمائیں کہ آپؐ کیا لائے ہیں؟ اس پر حضورؐ اکرم نے اس رکوع کے آغاز سے یہاں تک کی آیتیں تلاوت فرمائیں اور ارشاد فرمایا: ''میں تو یہ لایا ہوں۔'' (تفہیم)

نتائج

اس آیت سے حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ (۱) عمل جتنا بھی ہو، اس کا صلہ کبھی برباد نہیں ہوتا، (۲) نیز یہ بھی کہ عمل خواہ مرد کا ہو یا عورت کا اس میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا (۳) کیونکہ مرد اور عورت کوئی الگ الگ چیز نہیں۔ یہ ایک دوسرے کا جزو ہیں۔ (عمدۃ البیان)

آیت نمبر ۱۹۶۔۱۹۷

لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾
مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ۫ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾

ترجمہ

۱۹۶۔ یہ منکروں اور کافروں کا مختلف ملکوں میں دندناتے پھرنا (یا دوڑے کرنا) تمہیں کہیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔

۱۹۷۔ یہ تو بس چند دن کی چاندنی ہے۔ پھر (بالآخر) ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ (اہل دولت کے لیے سبق ہے)

تفسیر

دنیا اور اس کی سج دھج دھوکہ ہے

اس آیت کا ظاہری خطاب تو جناب رسول خداؐ سے ہے۔ مگر مراد امت کے لوگ ہیں۔ روایت میں آیا ہے کہ کچھ مسلمان مشرکوں کو دولت منداور عیش کرتے دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ خدا کے دشمن تو عیش کر رہے ہیں اور ہم خدا کے نیک بندے بھوکے مر رہے ہیں۔ اس پر یہ آیت اتری۔ (تفسیر صافی ص ۱۰۰)

حدیث نبویؐ میں آیا ہے کہ ''دنیا کو آخرت کے مقابلے میں اگر کوئی سمجھنا چاہے تو موجیں مارتے ہوئے سمندر میں اپنی انگلی کا سرا ڈالے اور نکال لے۔ پھر دیکھ لے کہ کتنا پانی انگلی میں آیا ہے۔'' (الحدیث)

غلبہ اقتدار اور حکومت کو حقانیت کی دلیل سمجھنے والوں کی آنکھیں اس آیت سے کھل جانی چاہئیں کہ غلبہ اور حکومت تو کافروں اور مشرکوں کو بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ چیزیں کچھ بداعمال مسلمانوں کو بھی مل جائیں تو یہ ان کی حقانیت کی دلیل کیسے بن سکتی ہیں؟ (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۹۸۔۱۹۹

لٰكِنِ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا نُزُلًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ‌ؕ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَيۡرٌ

لِّلۡاَبۡرَارِ ﴿۱۹۸﴾

وَاِنَّ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَمَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِمۡ خٰشِعِيۡنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشۡتَرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

ترجمہ

۱۹۸۔ مگر وہ جو اپنے مالک کی ناراضی سے بچتے رہے، ان کے لیے جنتیں ہی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (اور) وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں۔ یہ سب اللہ کی طرف سے ان کے لیے مہمانی کا سامان ہے اور جو کچھ بھی اللہ کے پاس نیکوں کے لیے ہے وہی سب سے بہتر ہے۔

۱۹۹۔ اور بلاشبہ اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ضرور ایسے ہیں کہ جو اللہ کو مانتے ہیں اور اس کو بھی مانتے ہیں جو تمہاری طرف نازل ہوا اور اس پر بھی (ایمان رکھتے ہیں) جو ان کی طرف نازل ہوا، وہ اللہ کے آگے دل سے جھکے ہوئے ہیں۔ یہ اللہ کی آیتوں کے بدلے قلیل قیمت نہیں لیتے۔ یہ وہی ہیں کہ جن کا اجر ان کے رب کے پاس (موجود) ہے۔ یقیناً اللہ بہت ہی تیزی سے حساب چکانے والا ہے۔

تفسیر

بعض روایات میں ہے کہ آنحضرتؐ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی۔ جنت البقیع میں نماز ادا کی گئی بحکم خدا جبریلؑ نے جنازے کو پیش آنحضرتؐ کیا تھا۔ اس پر لوگوں نے اعتراض کیا کہ اہل کتاب پر نماز کیسی؟ اس پر یہ آیت اتری۔ (یہ روایت جابر بن عبداللہ انصاری، ابن عباس اور قتادہ سے نقل ہوئی ہے۔ (مجمع البیان) (قرآن عظیم مترجمہ مولانا محمد احمد رضا خاں بریلوی)

آیت نمبر ۲۰۰

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۰۰﴾

ترجمہ

۲۰۰۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! صبر وضبط اور تحمل سے کام لو اور باطل پرستوں کے مقابلے میں پامردی کا ثبوت دو اور حق کی خدمت کے لیے کمر باندھے رہو، (یا) سرحدوں پر مورچے مضبوط رکھو اور اللہ کی ناراضگی سے بچے رہنے کا پورا خیال رکھو۔ شاید اس طرح تم دنیا و آخرت کی مکمل کامیابی حاصل کرلو۔

تفسیر

آیت مبارکہ کی لفظی اور روایتی تشریح

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: "اصبروا" یعنی صبر کرو کا مطلب ہے، مصیبتوں پر صبر کرو اور صَابِرُوْا یعنی دوسروں کو صبر دلاؤ، سے مراد فرائض الٰہیہ کے ادا کرنے پر لوگوں کو صبر کی تلقین کرو۔ یعنی واجبات کی ادائیگی پر ایک دوسرے کو ہمت دلاؤ اور "رَابِطُوْا" سے مراد: رابطوا علی الائمۃ یعنی اماموں کے ساتھ نہ چھوڑ وان سے مربوط رہو۔" (تفسیر صافی ص ۱۰۰ بحوالہ صافی وتفسیر قمی)

دوسری روایت میں امامؑ نے فرمایا کہ "اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دین پر صبر کرو اور اپنے دشمن کے مقابلے میں ثابت قدمی دکھلاؤ اور اپنے اماموں کا ساتھ دو۔ (تفسیر عیاشی)

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے کہ "یہ آیت حضرت عباسؓ عم رسولؐ اور ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور مربوط رہنے کا حکم ہمیں نہیں دیا گیا ہے، بلکہ لوگوں کو دیا گیا ہے۔ ہماری نسل سے وہ

ہوگا جس سے سب تعلق رکھیں اور دوسرے لوگوں کی نسل سے وہ ہوں گے جن کو ہم سے تعلق رکھنا چاہیے۔(تفسیر قیم)

دوسرے معنی

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: "رابطوا" کے یہ معنی بھی ہیں کہ نمازوں سے تعلق رکھو۔یعنی ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرو۔(تفسیر مجمع البیان)

خلاصہ یہ ہے کہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ اس کے معنی ہیں (۱) صبر کرو مصیبتوں پر اور (۲) فتنے کی صورت میں دوسروں سے ثبات قدم میں مقابلہ کرو اور (۳) جن ہستیوں کی پیروی لازم ہے ان سے رابطہ برقرار رکھو۔(معانی الاخبار)

دوسری روایت میں امامؑ نے فرمایا: ''یعنی اپنے دین کے تقاضوں پر صبر کے ساتھ قائم رہو اور جو جماعت تمہارے خلاف ہے، یعنی اپنے دشمنوں سے مقابلہ کرنے میں برداشت سے کام لو اور اپنے امامؑ سے رابطہ رکھو۔''

پیغمبر اسلامؐ نے ارشاد فرمایا: ''رباط میں ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا بھی شامل ہے۔(مجمع البیان)

آیت کا پیغام یہ ہے کہ جو مصیبتیں اسلام کے مخالفین کے ہاتھوں پیش آئیں ان کو برداشت کرو۔(بیضاوی، جصاص، ابن عربی)

اختتام

سورۂ آل عمران نمبر ۳

سُوۡرَةُ النِّسَآءِ

عورتوں کا سورہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام کی مدد مانگتے ہوئے (شروع کرتا ہوں) جو سب کو فیض اور فائدے پہنچانے والا، بڑا ہی مہربان۔

آیت نمبر ا

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِیۡرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیۡكُمۡ رَقِیۡبًا ①

ترجمہ

ا۔اے انسانو! اپنے اس پالنے والے کا لحاظ کرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی زوجہ کو پیدا کیا۔(حوا کو آدمؑ کی مٹی سے خلق فرمایا) اور ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو (دنیا میں) پھیلا دیا۔تو تم اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم سوال کرتے ہو اور قطع رحمی سے بھی بچو یقین جانو کہ اللہ تم کو نگراں کے طور پر خوب دیکھ رہا ہے۔(اس لیے تم عورتوں اور رشتے داروں کی حق تلفی سے بچو اور ان کے بارے میں اللہ کے غضب سے ڈرو)۔

تفسیر

تذکرۂ حضرت آدمؑ وحواؑ

مسئلہ ارتقاء کس حد تک صحیح ہے یا نہیں، قرآن کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ انسان بہر حال پیدا ہوا ہے۔ قرآن اس کی مخلوقیت کو بار بار نمایاں کر رہا ہے۔ یہاں باپ سے جسے نفس واحدہ سے تعبیر کیا گیا ہے، اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ماں جناب حواؑ ہیں۔ (تفسیر صافی)

محققین نے نتائج نکالے کہ (۱) تمام نوع انسانی ایک برادری ہے کیونکہ سب کے سب ایک ہی ماں اور باپ سے پیدا ہوئے ہیں (۲) عورت نوعِ انسانی سے خارج نہیں ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ جناب حوا اسی مٹی سے پیدا ہوئی تھیں جو حضرت آدمؑ کی خلقت سے بچ گئی تھی۔ (تفسیر صافی) مخلص

توریت میں ہے کہ ''خداوند نے آدمؑ پر پیاری نیند بھیجی کہ وہ سو گیا۔ پھر خدا نے اس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی نکالی اور اس کے بدلے گوشت بھر دیا۔ پھر خدا نے اس پسلی سے جو اس نے آدمؑ سے نکالی تھی ایک صورت بنا کر آدمؑ کے پاس بھیجا۔ (پیدائش ۲:۲۲، ۲۳)

حدیث میں آیا ہے کہ عورت کی پیدائش ٹیڑھی پسلی سے ہوئی۔ ٹیڑھی سے مقصود عدم ثبات کا ظاہر کرنا ہو سکتا ہے۔ (بحر)

بعض شارحین نے ٹیڑھی پسلی سے مراد عورتوں کی فطرت میں کجی کو قرار دیا ہے۔ (کرمانی بحوالہ بحار الانوار جلد ۲ ص ۲۹۴ و حاشیہ تفسیر ابن کثیر مطبوعہ مصر)

حدیث میں آیا ہے کہ ''عورت مثل پسلی کے ہے۔ اگر اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو ٹوٹ جائے گی۔ (صحیح بخاری کتاب النکاح حدیث نمبر ۱۱۵ و صحیح مسلم و زمخشری)

حکمت الٰہیہ نے حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی ان کے خواب کے وقت نکالی اور اس سے ان کی بی بی حضرت حواؑ کو پیدا کیا۔ (مخلص از قرآن عظیم مترجمہ مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب بریلوی)

آیت میں رشتے داروں کے حقوق کی اہمیت کو امت کے نظام اجتماعی کا سنگ بنیاد قرار دیا ہے۔ رشتے داروں سے تعلقات کاٹ لینا بہت بڑا گناہ ہے۔ (بحر، بیضاوی، جصاص)

رحم کا اطلاق وسیع ہے۔ تمام اعزہ و اقرباء اس میں شامل ہیں۔ (قرطبی، تاج)

حدیث نبویؐ میں آیا ہے، رحم عرش الٰہی سے چمٹ کر دعا کرتا رہتا ہے کہ ''اے اللہ! جو مجھے جوڑے رکھے تو بھی

اسے (اپنی رحمت کے ساتھ) جوڑے رکھا اور جو مجھے کاٹے تو بھی اسے (اپنی رحمت سے) کاٹ دے۔'' (الحدیث)

فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ رشتے داری کا لحاظ کرنا واجب ہے اور اسے قطع کرنا جرم ہے۔ (قرطبی)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''اللہ نے رشتے داروں کے حق کو ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ تم نے نہیں دیکھا کہ اس نے اس (حق) کو اپنے ساتھ بیان فرمایا ہے۔'' (تفسیر صافی، تفسیر مجمع البیان بحوالہ کافی، وتفسیر عیاشی)

آیت نمبر ۲

وَاٰتُوا الۡیَتٰمٰۤی اَمۡوَالَهُمۡ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الۡخَبِیۡثَ بِالطَّیِّبِ ۪ وَلَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَهُمۡ اِلٰۤی اَمۡوَالِكُمۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوۡبًا كَبِیۡرًا ۲

ترجمہ

۲۔ اور یتیموں کے مال ان کو واپس کر دو اور اچھے مال کو برے مال سے نہ بدل دو اور ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا جلا کر نہ کھا جاؤ۔ یہ تو بلاشبہ بہت ہی بڑا گناہ ہے۔ (گناہِ کبیرہ ہے)

تفسیر

یتیموں کا مال کھانا گناہِ کبیرہ ہے

مطلب یہ ہے کہ یتیموں کے مال کو امانت سمجھو۔ اب جبکہ وہ بالغ اور سمجھدار ہو چکے ہیں تو ان کو ان کا مال ادا کر دو۔ (تفسیر صافی)

ان کو یتیم اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ اب تک یتیم کے حکم میں تھے، ورنہ بالغ ہونے کے بعد وہ یتیم نہیں کہلاتے۔ (مجمع البیان)

مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا مال برا ہو لیکن اگر تم نے اس کو یتیم کے مال میں شامل کر دیا ہے اور یتیم کے مال میں سے اچھا عمدہ مال خود لے لیا ہے تو وہ تمہارے لیے ناپاک اور حرام ہے۔ (تفسیر صافی)

اب اس سے بڑی حماقت اور کیا ہوگی کہ اپنے پاک مال کو چھوڑ کر انسان ناپاک مال حاصل کرے۔(مجمع البیان)

ڈاکٹر رابرٹ اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن اور پیغمبرؐ اسلام نے یتیموں کے حقوق کے تحفظ کا بہترین انتظام فرمایا ہے۔

آیت نمبر ۳

وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِی الۡیَتٰمٰی فَانۡکِحُوۡا مَا طَابَ لَکُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ؕ ذٰلِکَ اَدۡنٰۤی اَلَّا تَعُوۡلُوۡا ؕ﴿۳﴾

ترجمہ

۳۔ اور اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ تم یتیموں کے بارے میں یوں انصاف نہ کرسکو گے تو جو عورتیں تمہیں اچھی لگیں ان میں سے دو یا تین یا چار سے نکاح کرلو۔ لیکن اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ تم ان (عورتوں) کے ساتھ انصاف نہ کرسکو گے، تو پھر ایک ہی (بیوی) کرو یا جو تمہاری ملکیت میں ہوں۔ (انہی پر اکتفا کرو) ناانصافی اور زیادتی سے بچے رہنے کا اس میں زیادہ امکان ہے۔

تفسیر

اللہ نے فعل حرام سے بچانے کے لیے مرد کو چار بیویوں کی اجازت دی ہے لیکن عدالت کی شرط کے ساتھ

فقہاء نے بیویوں کے ساتھ عدل وانصاف کرنے کو واجب قرار دیا ہے۔(درمختار)

تعدادِ ازواج پر شرمانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ماہرین متفق ہیں کہ مرد کے قویٰ اور اس کی جمانی ساخت ہی

اس نوعیت کی ہے کہ ایک بیوی اس کی طبعی خواہش کو پورا کرنے کے لیے کافی نہیں۔ جنسی عمل تو چند منٹوں میں ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد مرد پر جسمانی طور پر کوئی ذمے داری نہیں عائد ہوتی۔ بخلاف اس کے عورت کو وضع حمل تک جسمانی مجبوری ہوتی ہے۔ اسلام کا نظام کامل ہے ناقص نہیں کہ وہ مرد کی طبعی ضرورتوں کی طرف سے آنکھ بند کر لے۔ نیز یہ کہ امریکی اور یورپی ماہرین کا اتفاق ہے کہ مرد کی شہوانی جبلت تنوع پسند ہے۔ یورپ و امریکہ میں تعدادِ ازواج کو تو منع کر دیا گیا ہے لیکن زنا کاری کا جو وہاں بازار گرم ہے وہ نا قابل ذکر ہے۔ (ماجدی) ''ملخص''

آیت نمبر ۴

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً ؕ فَاِنۡ طِبۡنَ لَكُمۡ عَنۡ شَیۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا فَكُلُوۡهُ هَنِیۡٓـًٔا مَّرِیۡٓـًٔا ۝۴

ترجمہ

۴۔ اور عورتوں کے مہر خوشی خوشی ادا کرو۔ البتہ اگر وہ خود اپنی خوشی سے تمہیں کچھ حصہ چھوڑ دیں تو اسے تم مزے سے کھا سکتے ہو۔

تفسیر

عورتوں کے مہر ادا کرنے کی ہدایت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور اس کے مہر ادا کرنے کی نیت نہ رکھتا ہو، تو وہ شخص خدا کے نزدیک زانی ہے۔'' امیر المومنین حضرت علیؑ نے فرمایا: ''نکاح کی شرطوں کو پورا کرنا واجب ہے۔ ورنہ فروج حلال نہیں ہوتیں۔'' (تفسیر صافی ص ۱۰۲ بحوالہ من لایحضرہ الفقیہ)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''اس آیت میں خطاب اولیاء

نکاح سے ہے کہ جب وہ نکاح کرتے تو مہر کا مال خود دبا لیتے۔ اللہ نے انھیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ (تفسیر مجمع البیان)

"هَنِيْٓـًٔا" کے معنی میں لذت میں اچھا اور مَّرِيْٓـًٔا کے معنی میں خاصیت میں اچھا، انجام میں اچھا، اچھی طرح ہضم ہو جانے والا۔

ایک شخص نے حضرت علیؑ سے عرض کی کہ میرے پیٹ میں سخت درد ہے؟ آپؑ نے فرمایا اپنی زوجہ کے مال سے کچھ مانگ، پھر اس سے شہد خرید، اس میں برسات کا پانی ملا اور پی جا۔ کیونکہ میں نے خدا کی کتاب میں پڑھا ہے کہ ''ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا۔'' اور پڑھا ہے کہ ''شہد کی مکھیوں کے پیٹ سے مختلف رنگوں والی چیز نکلتی ہے، اس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے۔'' اور یہ بھی پڑھا ہے کہ ''تمہاری بیویاں اگر اس مال میں سے کچھ تمھیں دے دیں، جو تم نے انھیں دیا ہے تو اسے خوشگوار اور ہضم ہو جانے والی چیز سمجھ کر کھالو۔'' پس جب برکت، شفاء اور خوشگوار اور ہضم ہونے والی صفات جمع ہو جائیں تو انشاء اللہ شفاء ہوگی۔'' اس شخص نے اسی طرح کیا اور صحتمند ہو گیا۔ (تفسیر مجمع البیان و تفسیر عیاشی)

مفہوم آیت یہ ہے کہ

تمہیں یتیموں کی خبر گیری یوں ہی کرنا چاہیے لیکن اگر تمہیں کمزوری محسوس ہو کہ تم انصاف سے ان کی خبر گیری نہ کر سکو گے تو یتیموں کی بیوہ ماؤں سے نکاح بھی کر سکتے ہو۔ لیکن ان کی تعداد چار سے زیادہ نہیں کی جا سکتی۔ اب کیونکہ آیت کا اصل موضوع اقسام نکاح نہیں ہے، بلکہ صرف ضمناً نکاح کی بات چھڑ گئی ہے، اس لیے متعہ کا یہاں ذکر نہ ہونا اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ متعہ جائز ہی نہیں۔ جبکہ اسی سورے میں آگے متعہ کا ذکر آیا ہے نیز یہ کہ یہاں صرف ان عورتوں کا ذکر ہے جن سے گھر کے انتظامات کا تعلق ہے، اور وہ دائمی زوجہ ہی سے ہوتا ہے، ممتوعہ تو صرف رفع حاجت کے لیے ہوتی ہے، اس لیے یہاں متعہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ (عمدۃ البیان)

مہر اگر کسی جبر یا مکر سے معاف کرا لیا گیا تو اللہ کے ہاں معاف نہیں ہے۔ بیوی اگر شوہر سے مہر وصول کر کے پھر واپس کر دے تو اسے ''ہبہ'' کہتے ہیں اور مہر لیے بغیر ہی بیوی معاف کر دے تو فقہی اصطلاح میں ''ابراء'' کہتے ہیں۔ شرعاً دونوں صورتیں جائز ہیں۔ (ملخص: روح المعانی، جصاص، قرطبی)

آیت نمبر ۵

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا

وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۵

ترجمہ

۵۔اورتمہارے وہ مال جنھیں اللہ نے تمہاری زندگی کا سامان اور حالات کے ٹھیک کرنے اور زندگی کے قائم رہنے کا ذریعہ بنایا ہے، بے عقلوں کے حوالے مت کردو۔البتہ انھیں کھانے پہننے کے لیے دو اوران سے اچھی طرح بات چیت کرو۔

تفسیر

آیت میں مال کے صحیح مصرف کا طریقہ بتایا ہے

مطلب یہ ہے کہ یہ ہلکی عقل والے لوگ جوتمہارے قبضے میں ہیں اور ان کو مال کے صحیح طریقے پر خرچ کرنے کا شعور نہیں ہے، ان کو ان کا مال سپرد نہ کرو۔ بلک امانتاً اپنے پاس رکھو۔دوسرا مطلب یہ ہے کہ اپنا وہ مال جو تمہارے گزارے کے لیے ہے بے وقوفوں اور ناسمجھ یتیموں کو نہ دے بیٹھو۔اس میں سے انھیں کھلاؤ پلاؤ اوران سے اچھی طرح بات چیت کرو۔

اس کی تیسری تشریح ابن عباسؓ نے اس طرح کی ہے کہ ''اگر انسان جانتا ہو کہ اس کی بیوی احمق ہے۔مال کا انتظام نہیں کرسکتی، یا اس کا بیٹا لا ابالی ہے جو مال کو تباہ کردے گا، تو انھیں ان کا مال حوالے نہ کرو۔ بلکہ خود ان کی ضرورتوں کے پورا کرنے کا صحیح بندوبست کردو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی اسی معنی کو بیان فرمایا ہے۔(مجمع البیان)

آیت نمبر ۶

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ

اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝٦

ترجمہ

٦۔اور یتیموں کی جانچ پڑتال کرتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کے قابل عمر کو پہنچ جائیں۔ پھر اگر تم ان میں ہوشیاری سمجھداری اور اہلیت بھی پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔ ایسا کبھی نہ کرنا کہ فضول خرچی سے کام لے کر ان کا مال جلدی جلدی صرف اس لیے کھاؤ جاؤ کہ وہ کہیں بڑے نہ ہو جائیں۔ اور جو مالدار ہو وہ اپنے اوپر خرچ کرنے سے بچتا رہے اور جو غریب ہو، وہ مناسب حد تک اپنی خوراک حاصل کرے۔ پھر جب ان کے مال ان کے حوالے کرنے لگو تو لوگوں کو اس پر گواہ بنا لو۔ یوں خدا خود (بھی) حساب لینے کے لیے بہت کافی ہے۔

تفسیر

یتیم کے مال میں اسراف نہ کیا جائے

''معروف'' یعنی مناسب مقدار میں (خوراک حاصل کرنا) معروف کے اندر ہر وہ چیز داخل ہے جو عقل و شریعت کے نزدیک پسندیدہ ہو۔ (مدارک۔ روح المعانی)

مقصد یہ ہے کہ یتیموں کے سیانے اور بالغ ہونے پر ان کا مال ان کو واپس کر دو۔ (ابن عربی، بیضاوی، روح المعانی)

اور خدا کا فرمانا کہ: ''یتیموں کی جانچ پڑتال کرتے رہو'' یعنی اس بات کی جانچ کر لو کہ وہ اپنے مال کا

ہوشیاری سے انتظام کر سکتے ہیں اور اس کی حفاظت پر قادر ہیں کہ نہیں۔(جصاص)

غرض حد کبر یعنی بڑے ہونے بعد جائیداد صحیح الحواس اصل مالک کو مل جائے گی۔البتہ فاتر العقل کے احکام الگ ہیں۔(جصاص)

اور اس کام میں جلدی کرنی چاہیے۔خواہ مخواہ دیر نہ کرنی چاہیے۔(امام راغب۔بخاری)

غرض مال کے حوالے کرنے کے لیے دو شرطیں عائد کی گئی ہیں:

(۱) بالغ ہونا (۲) راشد یعنی اتنا سمجھدار ہونا کہ مال کو صحیح استعمال کرنے کی صلاحیت یا اہلیت رکھتا ہو۔پہلی شرط پر تو عام فقہاء کا اتفاق ہے۔لیکن دوسری شرط کی تفصیلات پر بہت اختلافات پائے جاتے ہیں اور حق خدمت وہ صرف اس حد تک لے سکتا ہے کہ جسے ہر معقول آدمی مناسب سمجھے، مگر جو کچھ بھی حق خدمت لے وہ چوری چھپے نہ لے بلکہ علانیہ طور پر متعین کرے اور اس کا پورا پورا حساب بھی رکھے۔(تفہیم)

آیت نمبر ۷

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا ۝۷

ترجمہ

۷۔مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ان کے ماں باپ اور رشتے داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کا بھی اس میں حصہ ہے جو ان کے ماں باپ اور رشتے داروں نے چھوڑا ہو، خواہ وہ کم ہو یا زیادہ (اور یہ اللہ کی طرف سے) لازمی طور پر مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔

تفسیر

ترکہ وورثہ میں عورتوں کا حق بھی مقرر ہے

یہ سب اس قدر تفصیل سے اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ جاہلیت میں لڑکیوں کو ورثہ نہیں ملتا تھا۔ یہ کہہ کر ان کو محروم کر دیا جاتا تھا کہ ورثہ صرف ان کا حق ہے جو تلواروں اور نیزوں سے دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہیں مگر قرآن نے اس تصور کو بالکل رد کر دیا۔ (تفسیر صافی وتفسیر مجمع البیان)

مگر مسلمانوں میں آج بھی لڑکیوں کو ورثے سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ جو جاہلانہ کردار ہے۔

اس آیت میں واضح طور پر پانچ قانونی حکم دیے ہیں (۱) میراث صرف مردوں ہی کا حصہ نہیں، بلکہ عورتیں بھی حقدار ہیں۔ (۲) میراث بہر حال تقسیم ہونی چاہیے خواہ کتنی ہی کم مالیت کی کیوں نہ ہو۔ (۳) وراثت کا قانون ہر قسم کے اموال واملاک پر جاری ہوگا خواہ وہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ، زرعی ہوں یا صنعتی (۴) وراثت کا حق اس وقت پیدا ہوتا ہے کہ جب مورث کچھ چھوڑ کر مرا ہو۔ (۵) قریب ترین رشتے داروں کے ہوتے ہوئے دور کے رشتے دار میراث نہیں پاتے۔ (تفہیم)

آیت نمبر ۸

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۸

ترجمہ

۸۔ اور تقسیم کے وقت اگر رشتے دار اور یتیم اور مسکین موجود ہوں، تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دے دو اور ان سے اچھی طرح سے بات چیت کرو۔

تفسیر

تقسیم ورثے کے وقت بہتر ہے کہ حاجتمند رشتے داروں کو بھی کچھ نہ کچھ دیا جائے:

پہلے تو ان حصوں کا ذکر تھا، جو بطورِ فریضہ مقرر ہیں۔ اب استحبابی اور انسانی حق بیان کیا جا رہا ہے۔ یہ مطلب ابن عباسؓ، الحسن، سعید بن جبیر اور اکثر مفسرین نے بیان فرمایا ہے۔ (مجمع البیان)

مطلب یہ ہے کہ یہ جائیداد جو تمھیں ورثے میں ملی ہے، اور جس کے لیے تم نے کوئی محنت، مشقت نہیں کی ہے، تو اب اگر کچھ تمہارے عزیز ایسے ہیں کہ جو میراث میں حق نہیں رکھتے، مگر حاجتمند ہیں عزیز ہیں یا غیر، یتیم اور مسکین ہیں تو ورثہ بانٹتے وقت ان کے پیٹ بھرنے کا بھی کچھ انتظام کر دو۔ مگر اس طرح نہیں کہ ان کے دل دکھائے جائیں، بلکہ اچھی طرح بات چیت کے ذریعے۔ جس سے ان کا دل بھی نہ ٹوٹے۔ (تفسیر صافی وعمدۃ البیان)

اگر یہ حکم میراث کے احکامات سے منسوخ بھی ہو گیا ہے تو بھی اس کا سنت ہونا برقرار ہے اور اس پر عمل کرنا بہتر ہے۔ (تفسیر صافی از امام محمد باقر علیہ السلام)

آیت نمبر ۹

وَلۡيَخۡشَ الَّذِيۡنَ لَوۡ تَرَكُوۡا مِنۡ خَلۡفِهِمۡ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوۡا عَلَيۡهِمۡ ۖ فَلۡيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلۡيَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِيۡدًا ۝۹

ترجمہ

۹۔ اور ان لوگوں کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے بے بس چھوٹے بچے چھوڑتے تو (مرتے وقت) انھیں اپنی اولاد کے بارے میں کتنا خوف ہوتا؟ پس انھیں چاہیے کہ اللہ سے ڈریں اور ٹھیک طرح سے بات چیت کریں۔

تفسیر

آیت میں ورثاء کے ضمیر کو بیدار کیا گیا

آیت کے سیاق سے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ حکم ان یتیموں کے لیے ہے جن کا میراث میں حصہ نہیں ہے۔ اس لیے وارثوں کے ضمیر کو بیدار کیا جارہا ہے کہ آخرت تمہیں بھی تو یہ صورت پیش آسکتی ہے کہ تم مررہے ہو اور تمہارے بچے چھوٹے چھوٹے ہوں اور ان کے لیے تم کچھ نہ چھوڑ سکو۔ یا مثلاً خود تمہارے اپنے بیٹے کے یتیم بچے ہوں، تو اب اگرچہ قانوناً ان کا ترکے میں حصہ نہیں ہے، تو اب ان چچاؤں اور ماموؤں، پھوپھیوں اور خالاؤں کو جو وارث بنے ہیں، ان یتیم پوتے پوتیوں کے ساتھ جن کے ماں باپ کا انتقال ہو چکا ہے، ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ اس آیت میں ان لوگوں کے لیے تو سخت تنبیہ ہے جو یتیموں کے اموال کے نگراں ہیں، وہ اس میں خرد برد نہ کریں۔ ورنہ حدیث امام موسیٰ کاظمؑ کے مطابق، ''خدا نے ان کو اپنی قدرت کی جانب سے انتقام لینے سے ڈرایا ہے کہ اگر تم نے یتیموں کے مال میں خیانت کی تو خدا تمہارے یتیموں کے ساتھ بھی یہی کرسکتا ہے۔ (ملخص از مجمع البیان)

آیت نمبر ۱۰

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ نَارًا ؕ وَ سَیَصۡلَوۡنَ سَعِیۡرًا ﴿۱۰﴾

ترجمہ

۱۰۔ اور جو لوگ ناحق ظلم کرتے ہوئے یتیموں کے مال کھا جاتے ہیں وہ حقیقت میں اپنے پیٹوں کو آگ سے بھرتے ہیں اور وہ بہت جلد جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینک دیے جائیں گے۔

تفسیر

ناحق یتیموں کا مال کھانے کی سخت ممانعت

جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''جب مجھے (شب) معراج میں آسمان پر لے جایا گیا تو میں نے ایک گروہ کو دیکھا کہ دہکتی آگ ان کے پیٹوں میں ڈالی جا رہی ہے۔ میں نے پوچھا کہ اے جبریلؑ! یہ کون لوگ ہیں؟ جبریلؑ نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن کی یہ آیت اتری ہے: پھر جبریلؑ نے اسی آیت کی تلاوت کی: یعنی اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ ..... سَعِیۡرًا ﴿۱۰﴾۔ (تفسیر قمی)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''یتیم کا مال کھانے والا اس حالت میں قیامت کے دن آئے گا کہ اس کے پیٹ میں آگ بھڑکتی ہوگی اور اس کے منہ سے شعلے نکلتے ہوں گے، لوگ اس کو پہچان لیں گے کہ یہ وہ ہے کہ جس نے یتیم کا مال کھایا ہے۔ (تفسیر صافی ص ۱۰۳)

وجہ تنزیل

حدیث میں آیا ہے کہ جنگ احد کے بعد حضرت سعد بن ربیع کی بیوہ اپنی دو بچیوں کو لیے رسول خداؐ کی خدمت میں آئی اور کہنے لگی ''یا رسول اللہؐ! یہ سعد کی بچیاں ہیں، جو شہید ہو گئے۔ ان کے چچا نے پوری جائیداد اوپر قبضہ کر لیا ہے اور ان کے لیے کچھ نہیں چھوڑا۔'' اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (تفہیم)

آیت نمبر ۱۱

یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ ۟ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ۚ فَاِنۡ کُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَیۡنِ فَلَہُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ ۚ وَ اِنۡ کَانَتۡ وَاحِدَۃً فَلَہَا النِّصۡفُ ؕ وَ لِاَبَوَیۡہِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَکَ اِنۡ کَانَ لَہٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّہٗ وَلَدٌ

وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَهٗۤ اِخۡوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمۡ وَاَبۡنَآؤُكُمۡ لَا تَدۡرُوۡنَ اَيُّهُمۡ اَقۡرَبُ لَكُمۡ نَفۡعًا ؕ فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۱۱﴾

ترجمہ

۱۱۔تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تم کو ہدایت کرتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہوگا۔ اب اگر دو سے زیادہ لڑکیاں ہی ہوں، تو انھیں چھوڑے ہوئے مال کا دو تہائی حصہ دیا جائے گا اور اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو آدھا چھوڑا ہوا مال اس کا ہوگا، اور اگر میت اولاد والی ہو تو اس کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ملے گا اور اگر مرنے والا صاحب اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں، تو ماں کا تیسرا حصہ ہے اور اگر میت کے (سگے سوتیلے) بھائی بھی موجود ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے۔ یہ سب حصے میت کی وصیت پوری کرنے اور قرض ادا کرنے کے بعد دیے جائیں۔ تم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ تمہارے والدین تمہیں زیادہ فائدہ پہنچانے والے ہیں یا تمہاری اولاد۔ یہ تو اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا فریضہ ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور تمام مصلحتوں کا پہچاننے والا ہے۔

تفسیر

میت کی چھوڑی ہوئی جائیداد کے احکام

خدا کا حکم یہ ہے کہ جب کوئی شخص مرد ہو یا عورت مرجائے تو اس کی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ میں سے سب سے پہلے اس کا قرض ادا کیا جائے، پھر اس کی وصیت اگر اس نے کی ہو پوری کی جائے، جو کل مال کی ایک تہائی مالیت

سے زیادہ کی نہیں ہوسکتی۔ پھر جو بچ جائے وہ اس میت کے وارثوں میں تقسیم ہوگا۔ وارث دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) نسبتی (۲) سببی۔ نسبتی وارثوں کے تین طبقے ہیں۔

طبقۂ اول: ماں۔ باپ۔ اولاد

طبقہ دوم: دادی۔ دادا، نانی، نانا، بھائی، بہن اور ان کی اولاد۔

طبقہ سوم: چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ اور ان کی اولاد۔

یاد رہے کہ اگر پہلے طبقے کے وارث موجود ہیں تو دوسرے اور تیسرے طبقے کے میراث نہیں پائیں گے۔ اسی طرح اگر دوسرے طبقے والے موجود ہوں، تو تیسرے طبقے والے میراث نہیں پاتے۔ لیکن شوہر یا بیوی کو ہر طبقے کے ساتھ اپنا حق ملے گا اور حقیقی بھائی کی موجودگی میں پدری بھائی بہن کو کچھ نہ ملے گا۔

پھر سب وارثوں کو دو طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) صاحب فرض۔ یہ وہی ہیں جن کا حصہ وارثت قرآن میں صراحتاً مذکور ہے اور وہ دس ہیں ماں، باپ، بیٹے، بیٹیاں، بہنیں حقیقی یا پدری بہن بھائی، شوہر اور زوجہ۔

(۲) صاحب قرابت۔ یہ وہ ہیں کہ جن کا حصہ قرآن میں مذکور نہیں۔ لیکن تفسیر میں حضورِ اکرمؐ نے باقاعدہ بتادیا ہے۔ یہ دس ہیں۔ دادا، دادی، نانا، نانی، چچا، پھوپھی اور ان کی اولاد۔ خالہ، ماموں اور ان کی اولاد۔

آدھا ترکہ پانے کے تین مستحق ہیں (۱) شوہر جبکہ زوجہ اپنے بطن سے اولاد یا اولاد کی اولاد نہ چھوڑے۔ (۲) صرف بیٹی ہو۔ (۳) ایک بہن ہو چاہے حقیقی ہو یا پدری۔

ایک تہائی ترکے کے پانے کے دو شخص مستحق ہیں (۱) میت کی ماں، جبکہ میت کی اولاد یا اولاد کی اولاد اور دو یا زیادہ بھائی حقیقی یا پدری نہ ہوں (۲) دو یا دو سے زیادہ مادری بہن بھائی یا ان کی اولاد۔ (باقی احکامات فقہ کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں)

مگر میراث کے معاملے میں یہ اولین اصول وہدایت ہے کہ مرد کا حصہ عورت سے دوگنا ہوگا کیونکہ شریعت نے مرد پر معاشی ذمے داریوں کا بوجھ ڈالا ہے اور عورتوں کو بہت سی معاشی ذمے داریوں سے آزاد کردیا ہے۔

اور وصیت کا ذکر قرض پر مقدم اس لیے کیا گیا کہ (۱) قرض کا ہونا ہر مرنے والے کے لیے ضروری نہیں ہے جبکہ وصیت کرنا ضروری ہے۔ البتہ امت کا اجماع ہے کہ سب سے پہلے میت کا قرضہ ادا ہوگا، پھر وصیت اور پھر قانونِ وراثت کے مطابق ورثہ تقسیم کی جائے گا۔ (تفہیم)

آیت نمبر ۱۲

لَكُمۡ نِصۡفُ مَا تَرَكَ اَزۡوَاجُكُمۡ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِيۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّكُمۡ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَكُمۡ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ تُوۡصُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ وَاِنۡ كَانَ رَجُلٌ يُّوۡرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امۡرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوۡ اُخۡتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنۡ كَانُوۡۤا اَكۡثَرَ مِنۡ ذٰلِكَ فَهُمۡ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصٰى بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ۙ غَيۡرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَلِيۡمٌ ﴿۱۲﴾

ترجمہ

۱۲۔اور جو کچھ کہ تمہاری بیویوں نے چھوڑا ہوگا، اس کا آدھا حصہ تم کو ملے گا اگر وہ بے اولاد ہوں گی، لیکن اگر وہ صاحب اولاد ہوں تو چھوڑے ہوئے مال کا چوتھائی حصہ تمہارا ہوگا۔ وہ بھی ان کی وصیت پوری کر دینے کے بعد جو انہوں نے کی ہوگی اور ان کا قرضہ ادا کر دینے کے بعد اور تمہاری بیویوں کے لیے بھی تمہارے چھوڑے ہوئے مال میں سے چوتھائی حصہ ہوگا، اگر تمہاری اولاد نہ ہوگی اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر ان کے لیے تمہارے چھوڑے ہوئے مال میں سے آٹھواں حصہ ہوگا۔ وہ بھی

اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد جو تم نے کی ہو اور تمہارے قرض کے ادا کر دینے کے بعد اور اگر کسی مرد یا عورت کے وارث اس کے مادری بھائی بہن ہوں تو ان میں سے جو کوئی ایک ہو تو اسے چھٹا حصہ ملے گا اور اگر ایک سے زیادہ ہوں، تو وہ ایک تہائی متروکہ میں برابر کے حصے دار ہوں گے، بعد اس وصیت کے جو کی گئی ہو اور قرضے کے (جو پہلے ادا کیا جائے) بشرطیکہ وہ نقصان دہ نہ ہو۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے لازمی ہدایت ہے اور اللہ بڑا ہی جاننے والا (اور) بڑا ہی برداشت کرنے والا ہے۔

تفسیر

''کَلٰلَۃً'' سے مراد۔ حدیث رسول خداؐ کے مطابق ''وصیت نقصان دہ نہ ہو'' کی وضاحت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا ''کللۃ'' سے مراد وہ مرد یا عورت ہے جس کے مرنے کے وقت نہ تو بیٹا بیٹی باقی رہیں، نہ ماں باپ۔ اس لیے اس کے بھائی اور بہن اس کے وارث ہوں خواہ وہ حقیقی بھائی بہن ہوں یا سوتیلے یا اخیاتی، یعنی ماں ایک ہو اور باپ مختلف ہوں۔ (تفسیر صافی ص ۱۰۴ بحوالہ کافی)

اس آیت کے ساتھ جو شرط رکھی گئی ہے کہ ''وہ وصیت نقصان پہنچانے والی نہ ہو'' اس سے پتہ چلتا ہے کہ بعض وصیتیں نا قابل قبول بھی ہوتی ہیں۔ مثلاً جو وصیت ترکے کے ایک تہائی مال سے زیادہ ہو اس سے ورثاء کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس لیے یہ نا قابل قبول ہے۔ اسی طرح کی اور بھی وصیتیں ہو سکتی ہیں۔ (تفسیر صافی)

کیونکہ یہ احکامات لازمی اور فرض ہیں اور ان کی مخالفت جائز نہیں (اس لیے آیت کے آخری الفاظ ہیں کہ خدا سب کچھ جانتا ہے مگر حلیم ہے کہ برداشت کرنے والا بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ برداشت کرنا اس وقت بیان ہوتا ہے جب اس کی عدم تعمیل پر ناراضگی اور سزا موجود ہو۔ (تفسیر صافی و فصل الخطاب)

''وصیت میں ضرر رسانی'' گناہ کبیرہ ہے (الحدیث)

''وصیت میں ضرر رسانی یا نقصان پہنچانا'' یہ ہے کہ اس طرح وصیت کی جائے کہ جس سے مستحق رشتے داروں کے حقوق برباد ہو جائیں اور قرض میں ضرر رسانی یہ ہے کہ صرف حقداروں کو محروم کرنے کے لیے مرنے والا

ایسے قرض کا اقرار کرلے جو واقعی اس نے لیا بھی نہ ہو۔ اس طرح ورثاء کو نقصان پہنچانا گناہ کبیرہ ہے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ: ''وصیت میں نقصان رسانی بڑے گناہوں میں سے ہے۔''

ایک دوسری حدیث میں جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آدمی تمام عمر اہل جنت کے سے کام کرتا رہتا ہے مگر مرتے وقت ایسی وصیت کرے جس سے ورثاء کو نقصان پہنچے، تو گویا اس نے اپنی زندگی کتاب کو ایسے عمل پر ختم کیا جو اسے دوزخ کا مستحق بنادے۔''

یہ نقصان پہنچانا بھی ہے اور حق مارنا بھی۔ یہ گناہ خاص طور پر وہ لوگ کرتے ہیں جو نہ صاحب اولاد ہوں اور نہ ان کے ماں باپ ہی زندہ ہوں۔ ان کو ''کلالہ'' کہتے ہیں۔

آخر میں خدا نے اپنی صفت علم کا اظہار شاید اس لیے فرمایا ہے کہ ہم یہ سمجھ لیں کہ اگر ہم نے خدا کے قانون کی خلاف ورزی کی تو خدا کی گرفت سے بچنے کا کوئی امکان نہیں۔ دوسرے یہ کہ خدا نے جو حصے معین کیے ہیں وہ بالکل صحیح ہیں کیونکہ وہ ہر چیز کا اچھی طرح سے جاننے والا ہے اور آخر میں خدا نے خود کو ''حلیم'' یا ''نرم خو'' اس لیے فرمایا ہے کہ خدا نے ان قوانین کے مقرر کرنے میں کوئی سختی نہیں کی، بلکہ ایسے قوانین مقرر کیے ہیں جن میں بندوں کے لیے زیادہ سے زیادہ سہولت اور شفقت ہے۔ (تفہیم)

آیت نمبر ۱۳

تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ يُدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ وَذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۳﴾

ترجمہ

۱۳۔ یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں (قوانین) ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، تو خدا اسے ایسے باغوں (جنتوں) میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، وہ ان باغوں (جنتوں) میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور یہ بہت ہی بڑی کامیابی ہے۔

تفسیر

خداورسولؐ کے فرمانبردار ہمیشگی والی جنتوں میں رہیں گے ''خدا کا اعلان''

حدیث قدسی کے صفحہ نمبر ۱۵ پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

''اے لوگو! تم دنیا میں کس طرح راغب ہوئے ہو اور کیسے خوش ہوتے ہو جبکہ یہ دنیا فانی اور اس کی نعمات زائل ہو جانے والی اور زندگی ختم ہو جانے والی ہے۔ پس نہ تحقیق میرے پاس فرمانبرداروں کے لیے جنات ہیں جن کے آٹھ دروازے ہیں اور ہر جنت میں ستر ہزار زعفرانی باغ اور ہر باغ میں ستر ہزار مونگے اور موتیوں کے شہر ہیں اور ہر شہر میں یاقوت کے ستر ہزار محل اور ہر ایک محل میں زبرجد کے ستر ہزار مکان یعنی گھر ہیں اور ہر گھر میں ستر ہزار سونے کے مکان اور ہر مکان میں چاندی کے ستر ہزار دکان یعنی کمرے ہیں اور ہر دکان یا کمرے میں ستر ہزار دستر خوان اور ہر دستر خوان پر ستر ہزار جوہری کشتیاں اور ہر کشتی میں ستر ہزار رنگ کے طعام یعنی لذیذ کھانے ہوں گے اور ہر دکان یا کمرے کے گرد ستر ہزار سرخ سونے کے تخت جن پر ستر ہزار ریشمی بچھونے اور ہر تخت کے گرد ستر ہزار نہریں آب حیات، دودھ، شراب اور خالص شہد کی اور ہر نہر میں ستر ہزار رنگ کے پھل اور اسی طرح ہر مکان میں ارغوانی رنگ کے ستر ہزار خیمے اور ہر خیمے میں ستر ہزار غالیچے اور اعلیٰ بچھونے اور ہر بچھونے پر ستر ہزار حورالعین میں سے حوریں ہوں گی اور ہر حور کے سامنے ستر ہزار کنیزیں مثل سفید انڈے کے ہوں گی اور ہر قصر کے سرے پر ستر ہزار کافوری قبے اور ہر قبے میں ستر ہزار خدا کی طرف سے تحفے ہوں گے جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا نہ کسی کان نے سنا ہوگا اور کسی آدمی کے دل میں بھی آئے ہوں گے اور لوگوں کے پسندیدہ میوے اور پرندوں کے لذیذ گوشت جن کی وہ خواہش رکھتے ہوں اور حوریں مثل موتیوں کے چمکتی ہوں گی جو لوگوں کو نیک اعمال بجالانے کے عوض ملیں گی۔ جنتی لوگ وہاں نہ مریں گے، نہ روئیں گے، نہ رنجیدہ ہوں گے، نہ بوڑھے ہوں گے، نہ عبادت کریں گے، نہ روزے رکھیں گے، نہ نماز پڑھیں گے نہ مریض ہوں گے، نہ وہاں پیشاب و پاخانہ کریں گے، نہ وہ غمناک ہوں گے، اور نہ وہ لوگ کبھی وہاں سے نکالے جائیں گے۔

پس، اللہ جل جلالہ عز شانہ، ارشاد فرماتا ہے کہ جو شخص میری رضا کا طالب ہے اور میرے معزز گھر اور پڑوس کو چاہتا ہے۔ پس وہ صدقے کے ذریعے سے اور دنیا کو معمولی اور حقیر سمجھنے سے اور کم رزق پر قناعت کرنے سے اس جنت اور نعماتِ ابدی کو طلب کرے۔

میری ذات شاہد ہے، میری ذات کے لیے کوئی معبود نہیں ہے سوائے میرے۔ اور عیسیٰؑ و عزیرؑ میرے بندوں میں سے دو بندے ہیں اور میرے برگزیدہ رسول ہیں۔ (حدیث قدسی ص ۵۱ تا ۵۴)

آیت نمبر ۱۴

وَمَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوۡدَهٗ يُدۡخِلۡهُ نَارًا خَالِدًا فِيۡهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴿۱۴﴾

ترجمہ

۱۴۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا اور خدا کی مقرر کی ہوئی تمام حدوں سے قدم آگے بڑھائے گا اسے (بڑی ہولناک) آگ میں داخل کیا جائے گا، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے ذلیل کرنے والی سزا ہوگی۔

تفسیر

اللہ کی مقرر کردہ تمام حدود سے تجاوز پر خوفناک عذاب اور حدود کے مختلف پہلوؤں کی صراحت

اس آیت میں یہ قید لگانا ضروری ہے کہ ان حدوں سے تجاوز کیا جائے جن کی مخالفت کی سزا جہنم میں ہمیشہ رہنا بتایا گیا ہے۔ ورنہ جس حد تک حدودِ الٰہی سے تجاوز کیا جائے گا، اسی درجے کی سزا پائے گا۔ پھر حد سے تجاوز کرنے میں اعتقادات کو بھی شامل کیا جانا ضروری ہے۔ مثلاً خدا کی آیتوں اور احکامات کا انکار جو کفر ہے۔ (عمدۃ البیان و فصل الخطاب)

دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہاں حدود کا لفظ جمع میں ہے اور اضافت کے ساتھ جمع میں استغراق کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ یعنی وہ شخص جو خدا کی تمام حدود کو توڑے یا تمام حدود سے تجاوز کرے۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص کافر ہی ہوسکتا ہے، مومن نہیں ہوسکتا۔ (مجمع البیان)

غرض یہ ایک بڑی ہی خوفناک آیت ہے جس میں ان لوگوں کو ہمیشگی کے عذاب کی دھمکی دی گئی ہے جو اللہ کے مقرر کیے ہوئے قانون وراثت کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں یا ان دوسری قانونی حدوں کو توڑیں جو خدا نے اپنی کتاب میں واضح طور پر مقرر کر دی ہیں۔ لیکن سخت افسوس ہے کہ اس قدر سخت دھمکی کے ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں نے بالکل یہودیوں کی سی جسارت کے ساتھ خدا کے قانون کو بدل دیا اور اس کی مقرر کردہ حدوں کو توڑا، اس قانون وراثت کے معاملے میں جو نافرمانیاں کی گئی ہیں، وہ خدا کے خلاف کھلی بغاوت کی حد تک جا پہنچتی ہیں۔ عورتوں کو ہمیشہ میراث سے محروم کرنے کی کوششیں کی جاتی رہیں۔ (تفہیم)

اسی لیے جناب فاطمہ زہرا نے اپنی میراث چھن جانے پر پرزور احتجاج فرمایا خود مسجد میں تشریف لائیں اور دربارِ خلافت (خود ساختہ) میں طویل خطبہ پڑھا۔ جس میں قرآنی آیات سے اپنی وراثت کو ثابت کیا۔ باپ کا وصیت نامہ پیش کیا، یہاں تک فرمایا کہ: ''کیا میرا باپؐ مسلمان نہ تھا، جبکہ ہر مسلمان کی اولاد کو تو اپنے باپ کا ورثہ ملے مگر میرے باپؐ کی اولاد کو وراثت کے حق سے محروم رکھا جائے؟''

اگرچہ بی بی فاطمہ کو ان کا حق نہ دیا گیا، مگر بی بی نے احکامات خداوندی خاص طور پر قانونِ وراثت اور بیٹیوں کا حق مارنے کی کوشش کے خلاف احتجاج فرمایا جو ایک اصولی معاملہ تھا۔ کچھ کھجوروں کے درختوں کا سوال نہ تھا۔ غرض عورت اور بیٹی کا حق مارنے کے خلاف یہ اسلام میں جناب فاطمہ کا جہادِ اکبر تھا۔ اقبال فرماتے ہیں:

رشتہ آئین حق زنجیر پاست
پاس فرمانِ جناب مصطفٰے است
ورنہ گرد تربتش گردید مے
سجدہ ہا برخاک تو پاشید مے

یعنی میرے پیروں میں شریعت کی زنجیر ہے، مجھے جناب مصطفٰے کے حکم کا لحاظ ہے ورنہ میں فاطمہ کی قبر کے گرد طواف کرتا اور ان کی قبر کی مٹی پر سجدے کرتا۔

آیت نمبر ۱۵

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی

يَتَوَفّٰىهُنَّ الۡمَوۡتُ اَوۡ يَجۡعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيۡلًا ﴿۱۵﴾

ترجمہ

۱۵۔اور تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی اور (زنا) بدکاری کریں تو ان پر اپنے لوگوں میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو۔اگر چار آدمی گواہی دے دیں تو ان کو گھروں میں بند رکھو اس وقت تک کہ موت ان کی عمر کو پورا کرے یا ان کے لیے اللہ کوئی اور صورت پیدا کرے۔

تفسیر

زانیہ کی سزا کے احکامات

زنا کو فحش گناہ اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کی برائی مسلم اور واضح ہے۔(تفسیر صافی ص ۱۰۴)

اور خدا کا آخر میں یہ ارشاد فرمانا کہ ''یا اللہ ان کے لیے کوئی راستہ بنا دے۔'' کے سلسلے میں حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ ''یہ آیت منسوخ ہے۔'' کسی نے پوچھا: کیونکر منسوخ ہوئی؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: ''پہلے زمانے میں اگر عورت زنا کرتی تھی اور چار گواہ بھی اس کی گواہی دیتے تھے تو وہ ایک مکان میں بند کر دی جاتی تھی۔پھر نہ وہ کسی سے بات کر سکتی تھی اور نہ کوئی اس سے بات کر سکتا تھا اس کے پاس صرف کھانا پانی پہنچا دیا جاتا تھا، اسی طرح وہ مر جاتی تھی کیونکہ اللہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ''یا تو وہ مر جائیں یا اللہ ان کے لیے کوئی راستہ بنا دے۔'' چنانچہ خدا نے ایسوں کے لیے سنگساری اور کوڑوں کی سزا مقرر کر دی۔اگر شوہر رکھنے والی عورت بدکاری کرے گی تو سنگسار کی جائے گی اور بغیر شوہر والی عورت کو کوڑے لگائے جائیں گے۔(تفسیر صافی ص ۱۰۵ بحوالہ تفسیر عیاشی)

ہر دعویٰ کا ثبوت تو دو گواہوں سے ہوتا ہے مگر زنا اور بدچلنی کا الزام اتنا سخت ہے کہ بغیر چار چشم دید گواہوں کے ثابت نہیں ہوتا۔اب ظاہر ہے کہ ایسی عورت کی بدچلنی کی کیا انتہا ہوگی کہ جو چار چشم دید گواہوں کے سامنے، جو عادل بھی ہوں، بدکاری کا پورا پورا عمل انجام دے۔

احادیث میں آتا ہے کہ زانیہ کے لیے عمر قید کی سزا ابتدائے اسلام میں تھی۔مگر بعد وہ آیت اس آیت سے

منسوخ ہوگئی کہ ''زنا کار عورت اور زنا کار مرد ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ بشرطیکہ زنا کار عورت شادی شدہ نہ ہو۔ شادی شدہ عورت اگر زنا کرتی ہے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا۔ اس کے لیے حکم قرآنی تو نہیں، مگر اجماع امت سے ثابت ہے۔ (تفسیر مجمع البیان، تفسیر صافی)

غرض زانی مرد اور زانی عورت دونوں کے لیے سو سو تازیانے کی سزا ہے اور یہ سزا غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے لیے ہے۔ شادی شدہ مرد یا عورت زنا کریں گے تو ان کے جرم کی سزا سنگساری (پتھر مارے جانا) ہے۔ (معالم)

چار آدمیوں کی گواہی کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جرم کے مرتکب دو شخص ہیں زانی و زانیہ۔ اس لیے ہر ایک کی طرف سے دو دو کو گواہ چشم دید ہوں گے۔

آیت نمبر ۱۶

وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۱۶﴾

ترجمہ

۱۶۔ اور تم میں سے دو شخص جو بدکاری کریں تو انھیں تکلیف پہنچاؤ اب اگر وہ توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو ان کو چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر

بغیر شوہر کی عورت اور بغیر زوجہ کے مرد کو بدکاری کی سزا

یہ ان مرد اور عورتوں کا حکم ہے جو غیر شادی شدہ ہوں۔ لیکن اگر مرد ایسا ہے کہ اس کی کوئی بیوی نہیں اور عورت بھی ایسی ہی ہے کہ اس کا کوئی شوہر نہیں، تو ان کو سنگسار نہیں کیا جاتا۔ انھیں صرف تکلیف پہنچائی جاتی ہے یعنی لعنت ملامت کیے جاتے ہیں تاکہ انھیں احساس جرم پیدا ہوجائے۔ (عمدۃ البیان)

مگر اس آیت کو معین شرعی سزا کے بعد منسوخ قرار دے دیا گیا، جو اس کے بعد سورۂ نور میں نازل ہوئی اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ (آیت ۲) ''زانی مرد اور زانیہ عورت میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے لگاؤ۔''

مگر یہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ خدا نے اس آیت نمبر ۱۶ میں تکلیف پہنچانے کا حکم عمداً دیا اور اس کی تفصیل اور تعین سورۂ نور والی آیت میں کر دی گئی۔ اس لیے یہ آیت منسوخ آیتوں میں شامل نہیں۔ (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۷

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧﴾

ترجمہ

۱۷۔ صرف ان کی توبہ قبول کر لینا اللہ کے ذمے ہے جو نادانی یا جہالت کے سبب کوئی برا کام کر گزرتے ہیں اور پھر جلدی سے توبہ کر لیتے ہیں۔ یہی وہ ہیں کہ خدا جن کی توبہ قبول کر لیتا ہے (کیونکہ) اللہ بڑا ہی جاننے والا اور تمام مصلحتوں کو پہچاننے والا ہے۔

تفسیر

گناہگار کی توبہ کو اللہ بار بار قبول فرماتا رہتا ہے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اگرچہ وہ جانتا ہے کہ جو کام وہ کر رہا ہے وہ گناہ ہے، لیکن پھر بھی حقیقتاً اس وقت وہ جاہل ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ عملاً اپنے آپ کو اللہ کی نافرمانی جیسے عظیم خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے حضرت یوسفؑ کے بھائیوں

کے قصے میں فرمایا: ''جب یوسف نے اپنے بھائیوں سے پوچھا: ''کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا''اِذۡ اَنۡتُمۡ جٰهِلُوۡنَ﴿۸۹﴾'' جبکہ تم جاہل تھے (سورہ یوسف آیت ۸۹)

حضرت یوسفؑ نے ان کو جاہل اس لیے کہا کہ انہوں نے اپنے آپ کو خدا کی نافرمانی جیسے عظیم خطرے میں ڈالا تھا۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے، آپؑ نے فرمایا: کوئی شخص توبہ کر کے بار بار گناہ کرتا ہے تو بھی خدا اس کے گناہ معاف کر دے گا۔''

پوچھا گیا: ''ایسا کیوں ہوتا ہے؟'' فرمایا: ''اس لیے کہ شیطان توبہ کرنے کے بعد پھر بہکا دیتا ہے۔ اس لیے جب تک شیطان کے بہکانے کی صلاحیت سلب نہ ہو جائے، خدا توبہ کو قبول کرتا رہتا ہے۔'' (تفسیر صافی ص ۱۰۵ بحوالہ تفسیر مجمع البیان وتفسیر عیاشی)

جناب رسول خداؐ نے اپنے آخری خطبے میں ارشاد فرمایا: ''جو شخص اپنی موت سے ایک سال پہلے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لے گا۔'' پھر ارشاد فرمایا: ''ایک سال زیادہ ہے، اگر کوئی شخص اپنی موت سے ایک مہینہ پہلے بھی توبہ کر لیتا ہے تو خدا اس کی توبہ قبول کر لے گا۔'' پھر ارشاد فرمایا: ''ایک مہینہ بھی زیادہ ہے۔ اگر کوئی شخص مرنے سے صرف ایک دن پہلے ہی توبہ کر لے تو بھی اللہ اس کی توبہ قبول کر لے گا۔'' پھر ارشاد فرمایا: ''ایک دن بھی زیادہ ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے مرنے سے ایک گھنٹہ پہلے توبہ کر لے تو بھی اللہ اس کی توبہ قبول کر لے گا۔'' پھر ارشاد فرمایا: ''ایک گھنٹہ بھی زیادہ ہے۔ اگر کوئی شخص قریب المرگ ہے اور اس کی جان اس کے حلق تک پہنچ جائے (پھر آپؐ نے حلق کی طرف اشارہ کیا) تو بھی اللہ اس کی توبہ قبول کر لے گا۔'' (تفسیر صافی ص ۱۰۵ بحوالہ من لایحضرہ الفقیہ وکافی وتفسیر عیاشی)

کافی اور تفسیر عیاشی میں یہ جملے بھی ہیں کہ جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص ملک الموت کو دیکھنے سے پہلے توبہ کر لے گا، اللہ اس کی توبہ کو بھی قبول فرما لے گا۔''

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا ''جب شیطان کو خدا نے نکالا تو اس نے کہا'' یا اللہ! تیری عزت اور عظمت کی قسم، میں اولاد آدم کو اس وقت نہ چھوڑوں گا جب تک روح اس کے جسم سے نہ نکل جائے۔'' اللہ نے ارشاد فرمایا کہ: ''پھر مجھے بھی اپنی عزت اور عظمت کی قسم ہے کہ میں اپنے بندے پر اس وقت تک توبہ کا دروازہ کھلا رکھوں گا جب تک اس کی سانس الٹی نہ چلنے لگے۔''

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا ''مگر جاہل کی توبہ اس وقت قبول کروں گا جب تک اس کی سانس الٹی نہ چلنے لگے گی۔'' (کافی وعیاشی)

یہ لکھنے کے بعد صاحب تفسیر صافی لکھتے ہیں کہ اس وقت عالم کی توبہ قبول نہ ہونے کا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ موت کی نشانیاں دیکھ کر وہ فوراً سمجھ جاتا ہے کہ اب وہ مرنے والا ہے اور اس لیے وہ فوراً مایوس ہوجاتا ہے۔ جبکہ جاہل کو موت کی نشانیاں دیکھ کر بھی پتہ نہیں چلتا کہ وہ مرنے والا ہے۔ وہ اسے بیماری وغیرہ خیال کرتا ہے۔ غرض جاہل جب غیب کی چیزیں دیکھتا ہے اس وقت بھی وہ مایوس نہیں ہوتا۔

نیز انہوں نے یہ بھی لکھا کہ خدا کی مہربانیوں میں سے ایک مہربانی یہ بھی ہے کہ خدا نے روح کھینچنے والے فرشتے کو یہ حکم دے رکھا ہے کہ وہ پاؤں کی انگلیوں سے جان نکالنی شروع کرے۔ پھر آہستہ آہستہ اوپر کی طرف آتا جائے، پھر سینے اور حلق تک آئے، تاکہ مرنے والے کو کچھ وقت مل جائے اور وہ اپنا دل خدا کی طرف متوجہ کرلے۔ وصیت کرلے، اپنا حق معاف کرالے اور خاتمہ بالخیر ہوجائے۔ (تفسیر صافی) ملخص

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "ھی الندم توبۃ" کی حقیقت یہ ہے کہ توبہ دل شرمندگی ہے اور مستقبل کے لیے ترک معصیت کا عزم۔ توبہ چھوٹے گناہوں کی بھی کرنی چاہیے اور بڑے گناہوں پر بھی۔ (تفسیر کبیر۔ روح المعانی۔ مدارک)

آیت نمبر ۱۸

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾

ترجمہ

۱۸۔ مگر یہ توبہ ان کے لیے نہیں ہے کہ جو برے کام کیے ہی چلے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت ان کے سامنے آ کھڑی ہو، تب وہ کہتے ہیں کہ: ''اب میں نے توبہ کی اور (اسی طرح) نہ ان کی (توبہ قبول ہوگی) جو مرتے دم تک کافر رہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے تو ہم نے بڑی سخت تکلیف دینے والی سزا تیار کر رکھی ہے۔

تفسیر

مرتے دم تک کفر پر ڈٹے رہنے والوں کی توبہ قبول نہیں

مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ کفر سے تو توبہ کرتے نہیں۔ البتہ کچھ غلطیوں اور گناہوں سے توبہ کرتے ہیں، وہ بھی بالآخر آخر وقت جب موت کا منہ دیکھ لیتے ہیں۔ اس لیے ان کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اس آخر وقت میں توبہ اس واسطے قبول نہیں ہوتی کہ جس وقت روح گلے میں پہنچتی ہے، اس وقت وہ انسانی شرعی قیود سے باہر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس وقت اس کا ایک قدم آخرت میں پہنچ چکا ہوتا ہے۔ (عمدۃ البیان)

اس توبہ کے قبول کرنے کی ذمہ داری خدا نے لی ہے جو گناہ سے فوراً بعد کی جائے۔ عمداً گناہوں سے پرہیز کیا جائے۔ البتہ خدا کا فضل و کرم شامل حال ہو جائے تو آخر وقت کی توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے، اس لیے کہ خدا کے رحم و کرم پر کوئی پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ (تفسیر صافی)

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب حالت نزع یا سکرات شروع ہو جاتی ہے اور انسان عالم برزخ کو دیکھنے لگتا ہے، عذاب کے فرشتے سامنے آ چکتے ہیں، تو اب جو توبہ ہوگی وہ اختیاری یا عقلانی نہ ہوگی، بلکہ اضطراری ہوگی، اس لیے نامنظور ہے۔ جس گناہ کی توبہ نہ کی جائے گی اس کا شمار گناہ پر اصرار میں ہوگا۔ حالت نزع سے قبل انسانوں کے لیے معافیوں کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنی دعاء میں فرمایا: ''میرے گناہ کتنے وسیع کیوں نہ ہوں، تیری رحمت سے زیادہ وسیع تو نہیں ہو سکتے۔''

غرض توبہ کے معنی پلٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں۔ گناہ کے بعد ہمارا خدا سے توبہ کرنا یہ بتاتا ہے کہ ایک غلام جو اپنے آقا کا نافرمان بن کر اپنے آقا سے منہ پھیر گیا تھا، اب شرمندہ ہو کر اپنے مالک کی اطاعت کی طرف پلٹ آیا ہے اور خدا کی طرف سے بندے کی توبہ قبول کرنے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ کی جو نظر عنایت اپنے بندے کی طرف سے اس کے گناہوں کی وجہ سے پھر گئی تھی، وہ از سر نو پھر اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس لیے بندہ جب بھی اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو کر اپنے آقا کی طرف پلٹتا ہے، تو خدا کی معافیوں کا دروازہ اس کے لیے کھلا ہوتا ہے۔ بقول شاعر، خدا فرماتا ہے:

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(یعنی میری درگاہ ناامیدی کی جگہ نہیں ہے۔ اگر تو نے سو دفعہ بھی اپنی توبہ توڑ دی ہے تو بھی واپس میرے در پر آ جا۔)

یاد رہے یہ توبہ ان کے لیے نہیں ہے جو زندگی بھر گناہ پر گناہ کرتے رہیں پھر عین وقت مرگ معافیاں مانگنے لگتے ہیں۔(ملخص از تفہیم)

آیت نمبر ۱۹

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ⑲

ترجمہ

۱۹۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو۔ اور نہ ان پر سختی کرو تاکہ اس (مہر یا رقم) میں سے جو تم انھیں دے چکے ہو، کچھ حصہ واپس لے اڑو۔ سوا اس وقت کے کہ جب وہ کھلی ہوئی بدچلنی اختیار کریں اور تم عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے زندگی گزارو۔ پس اگر وہ تم کو اچھی نہ لگیں تو ہوسکتا ہے کہ جو چیز تمہیں اچھی نہ لگے، اسی میں اللہ نے زیادہ بھلائی رکھی ہو۔

تفسیر

جبراً کسی کا وارث بننا خدا کو پسند نہیں

آیت کا مضمون صاف بتا رہا ہے کہ اس کی کوئی خاص شانِ نزول ہے اسی شانِ نزول سے پتہ چلے گا کہ زبردستی وارث بننے کا کیا مطلب ہے؟ اور وہ ناپسندیدگی کون سی ہے جس میں اللہ نے کوئی بھلائی رکھی ہو؟

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''دورِ جاہلیت میں یہ طریقہ عام تھا کہ کسی شخص کے مرنے پر اس کا وارث اس کی بیوی پر کپڑا ڈال کر، عورت کی میراث حاصل کرنے کے لیے، اسے گھر میں بند رکھتا تھا۔ اس کو اپنی بیوی کہتا تھا، مگر کوئی مہر معین نہ کرتا تھا۔ گویا دوسری چیزوں کی طرف مرنے والے کی بیوی کا وارث بن بیٹھتا تھا۔ آیت نے اس بات سے روک دیا۔ (تفسیر صافی بروایت امام محمد باقرؑ)

دوسری روایت میں ہے کہ خود دورِ اسلام میں بھی ایسا واقعہ ابوقیس صحابی کی وفات پر پیش آیا۔ (مجمع البیان)

نیز یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر عورتیں شادی کے بعد کھلی ہوئی بدکاری کریں تو ان سے مہر واپس لینے پر تو سختی نہ کرو لیکن بدکاری سے روکنے کے لیے سختی کرو۔ لیکن اگر وہ بدکار نہ ہوں تو شوہروں کو چاہیے کہ ان کے ساتھ اچھے طریقے کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ (تفسیر صافی، تفسیر عیاشی از امام جعفر صادق علیہ السلام)

آیت کا مفہوم اور پیغام یہ ہے

کہ چاہے تمہاری بیوی خوبصورت نہ ہو، یا اس میں کوئی ایسا عیب ہو جو شوہر کو پسند نہ آئے، تو بھی یہ مناسب نہیں ہوتا کہ شوہر فوراً دل برداشتہ ہو کر اسے چھوڑ دے حتی الامکان صبر و تحمل سے کام لینا چاہیے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ عورت خوبصورت نہیں ہوتی، مگر اس میں کچھ دوسری خوبیاں ایسی ہوتی ہیں جو ازدواجی زندگی میں حسن صورت سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ اگر اس کو اپنی ان خوبیوں کے اظہار کا موقع دیا جائے تو وہی شوہر جو شروع میں اس کی صورت کی خرابی کی وجہ سے دل برداشتہ ہو رہا تھا، اس کے حسن سیرت کا عاشق ہو جاتا ہے، اس لیے شوہر کو چاہیے کہ وہ صبر سے کام لے۔ خدا کو یہ بات پسند نہیں کہ ازدواجی زندگی کو کاٹنے میں جلدی کی جائے۔ طلاق بالکل آخری حل ہے۔ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: ''ابغض الحلال الی اللہ الطلاق'' تمام جائز کاموں میں اللہ کو سب سے زیادہ

ناپسند طلاق دینا ہے۔'' دوسری حدیث میں ہے کہ نکاح کرو اور طلاق نہ دو۔ کیونکہ اللہ ایسے مردوں اور عورتوں کو پسند نہیں کرتا جو بھنورے کی طرح پھول پھول کا مزہ چکھتے پھریں۔'' (مخلص از تفہیم)

آیت نمبر ۲۰

وَاِنۡ اَرَدۡتُّمُ اسۡتِبۡدَالَ زَوۡجٍ مَّکَانَ زَوۡجٍ ۙ وَّاٰتَیۡتُمۡ اِحۡدٰىهُنَّ قِنۡطَارًا فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡهُ شَیۡـًٔا ؕ اَتَاۡخُذُوۡنَهٗ بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِیۡنًا ﴿۲۰﴾

ترجمہ

۲۰۔ اور اگر تم ایک بیوی کو بدل کر دوسری بیوی لانے کا ارادہ ہی کر لو تو چاہے تم نے پہلی بیوی کو بہت رقم ہی کیوں نہ دی ہو، اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ کیا تم اس مال کو جھوٹے الزام لگا کر اور کھلا ہوا ظلم و گناہ کر کے واپس لے لو گے؟

تفسیر

دورِ جاہلیت کی بدکرداری کا رد

یہ بھی دورِ جاہلیت کی ایک بدمعاشی تھی کہ کسی شوہر نے کسی خوبصورت عورت کو دیکھ لیا اور اس کا دل اس پر آ گیا تو اس نے اپنی بیوی پر بدکاری کا الزام لگا دیا اور اسے اتنا ستایا کہ وہ اپنا مہر چھوڑ دے اور اس سے طلاق لے لے۔ قرآن نے ایسی حرکت کو بہت بڑا گناہ قرار دیا۔ اگر مباشرت نہیں ہوئی ہے تو بیوی کا آدھا مہر ادا کرو اور اگر مباشرت ہو چکی ہے تو پورا مہر ادا کرنا ضروری ہے۔ قرآن نے کہا کہ نکاح کا معاہدہ پورا ہو چکا، عقد ہو چکا، مباشرت ہو چکی، اب تم مہر کا کوئی حصہ نہیں روک سکتے۔ (تفسیر صافی)

آیت نمبر ۲۱۔۲۲

وَ كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾

ترجمہ

۲۱۔اور آخر تم اس مال کو کیوں لے لو گے جبکہ تم ایک دوسرے سے لطف اٹھا چکے ہو، اور وہ تم سے پکا عہد و پیمان لے چکی ہیں۔

۲۲۔اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں، ان سے ہرگز نکاح نہ کرو۔ مگر جو پہلے ہو چکا ہو وہ چکا۔ درحقیقت یہ ایک کھلی ہوئی بے حیائی، ناپسندیدہ اور نفرت کی بات اور بہت ہی برا طریقہ تھا۔

تفسیر

پکے عہد و پیمان سے مراد نکاح ہے۔ عہد جاہلیت کے مرد دوسری شادی کرنے پر پہلی بیوی پر جھوٹا الزام لگاتے اور اپنا دیا ہوا مال اور مہر تک مار لیتے۔ (مترجم)

زمانہ جاہلیت میں عرب قبائل کا ایک اور بدترین دستور

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''زمانہ جاہلیت میں عربوں کے قبیلوں کا یہ دستور تھا کہ جس کسی شخص کا کوئی نزدیکی رشتے دار مرجاتا تھا اور وہ اپنی بیوی چھوڑ جاتا تھا تو وہ شخص اس عورت پر اپنا کپڑا یا چادر ڈال دیتا اور اس طرح مرنے والے کے مال کی طرح اس کی بیوی کا بھی وارث ہو جاتا۔ چنانچہ جب ابوالقیس مر گیا تو

اس کے بیٹے نے اپنے باپ کی بیوی کبشہ کے سر پر کپڑا ڈالا اور اس کا مالک بن بیٹھا مگر نہ تو اس کے پاس جاتا تھا اور نہ اسے نان ونفقہ دیتا تھا۔ وہ عورت جناب رسولِ خداؐ کے پاس شکایت لے کر آئی۔ رسولِ خداؐ نے فرمایا: ''بی بی اس وقت تو اپنے گھر چلی جا۔ جب اللہ مجھے حکم دے گا تو تجھے بتاؤں گا۔ اس بات پر یہ آیت اتری اور اس حکم کے مطابق وہ عورت آزاد ہو کر اپنے میکے چلی گئی۔ لیکن مدینے میں ایسی اور بہت سی عورتیں تھیں جن کے نکاح کے وارث اور لوگ ہو گئے تھے۔ ان کے لیے دوسرا حکم نازل ہوا کہ ''اے ایمان والو! تمہارے لیے یہ بات حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن جاؤ۔'' (تفسیر صافی ص ۱۰۵ بحوالہ تفسیر قمی)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس نے ایک عورت کو صرف اس لیے روک رکھا تھا کہ جب وہ مر جائے تو اس کے مال کا وارث بن جاؤں، حالانکہ اس کو اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ (تفسیر مجمع البیان)

جس طرح ماں، دادای' پر دادی ''امھات'' میں شامل ہیں اسی طرح نواسی، پوتی اور پڑپوتی بنات یعنی بیٹیوں میں شامل ہیں۔ اس لیے قرآن میں جہاں رسولؐ سے فرمایا ہے: قل لبناتك (یعنی اپنی بیٹیوں سے کہو) یہ خصوصی خطاب، حضرت فاطمہ اور ان کی لڑکیوں پوتیوں، نواسیوں سے ہے۔ (تفسیر بیضاوی)

تاریخ میں ہے کہ عباسی خلیفہ ہارون رشید نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے جو آل رسولؐ کے ساتویں امام ہیں پوچھا کہ آپ میں اور ہم میں فرق کیا ہے؟ ہم رسولؐ کے چچا کی اولاد ہیں اور آپ رسولؐ کی بیٹی کی اولاد ہیں۔ ہم دونوں رسولؐ کے رشتے دار ہی تو ہیں، اس لیے برابر ہیں۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ ''اگر آج رسول خداؐ تشریف لے آئیں اور تم سے تمہاری بیٹی کا رشتہ طلب فرمائیں تو تم کیا کرو گے؟ ہارون رشید خوش ہو کر کہنے لگا ''ہم اس کو اپنی سعادت سمجھیں گے۔'' امامؑ نے فرمایا ''مگر ہم سے رسول خداؐ ہماری بیٹی کا رشتہ طلب ہی نہیں کر سکتے۔'' (کیونکہ ہم ان کی اولاد ہیں) بس، ہم میں اور تم میں اتنا فرق ہے (یاد رہے کہ یہ فرق تو صرف رشتے کا ہے۔ باقی فضائل وکمالات کے لحاظ سے علم وکردار کے لحاظ سے کہاں آل محمدؐ کا مرتبہ اور کہاں بنی عباس۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک (یعنی) مٹی کو عالم قدس سے کیا تعلق ہے)۔ (ماخوذ از تاریخ ائمہ، ناسخ التواریخ، جلاء العیون، منتھی الآمال)

غرض اس آیت میں سوتیلی ماؤں سے عقد کی ممانعت کی گئی ہے جو زمانۂ جاہلیت میں عام تھی۔ اب ایسا ہرگز نہ ہونا چاہیے۔ (عمدۃ البیان)

نیز یہ بھی بتا دیا گیا کہ جو کچھ زمانۂ جاہلیت میں اسلام کے لانے سے پہلے ہو چکا ہے، اس کی سزا اب نہیں دی جائے گی۔ (تفسیر صافی)

کیونکہ اسلام لانا پہلے کے سب گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔(مجمع البیان)

امام رازی نے نتیجہ نکالا کہ برے کام کے تین درجے ہیں (۱) قبح عقلی (۲) قبح شرعی (۳) قبح عرفی۔ ''فاحشہ'' سے مراد قبح عقلی ہے۔ ''مقتا'' سے مراد قبح شرعی ہے اور برے راستے سے مراد قبح عرفی ہے۔(تفسیر کبیر)

آیت نے بتا دیا کہ ماں سے صرف نکاح کا صیغہ پڑھ لینا اس کی بیٹی کو حرام نہیں کرتا۔ ہاں اگر ماں سے صحبت کر لی ہو تو اس کی بیٹی ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔(کشاف بیضاوی)

امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، بوس و کنار کو بھی صحبت کے حکم میں داخل کرتے ہیں۔(مدارک۔ابن عربی۔جصاص)

آیت نمبر ۲۳

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ
وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ
اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ
وَرَبَآىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ
بِهِنَّ ز فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ز
وَحَلَآىِٕلُ اَبْنَآىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ لا وَاَنْ تَجْمَعُوْا
بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

ترجمہ

۲۳۔تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں، اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور تمہاری بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے، اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی (پہلے شوہر کے وہ) لڑکیاں جنہوں نے تمہاری گودیوں میں پرورش پائی ہو۔لیکن اگر (ان کی ماں سے صرف نکاح ہوا ہو اور) ان سے جنسی تعلق قائم نہ ہوا ہوتو (طلاق دے کر ان لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اور (حرام کی گئیں تم پر) تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ اپنے نکاح میں جمع کرو۔مگر جو پہلے ہو گیا سو ہو گیا (کیونکہ) یقیناً اللہ بڑا بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر

ان عورتوں کی فہرست جن سے نکاح حرام ہے

اس آیت میں محرم عورتوں کی فہرست ہے جن سے کبھی شادی (نکاح) نہیں ہوسکتی۔ نیز یہ بھی بتا دیا کہ دو بہنوں کو ایک وقت میں بیوی نہیں بنایا جا سکتا۔ ہاں جب ایک بہن کا انتقال ہو جائے یا اسے طلاق دے دی جائے، تب عدۃ کی مدت کے بعد دوسری بہن سے نکاح کیا جا سکتا ہے۔اس لیے سالی محرم نہیں ہے۔محرم عورت وہ ہوتی ہے جس سے کبھی شادی نہ ہو سکے۔البتہ دو بہنوں کے ساتھ ایک وقت میں شادی دورِ جاہلیت میں ہوا کرتی تھی۔اس کی سزا اب نہ ملے گی، مگر ایسے تمام عقد باقی بھی نہیں رہیں گے۔(مجمع البیان)

رضاعت کے احکام وحدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس بات پر تو امت میں اتفاق ہے کہ ایک لڑکے یا لڑکی نے جس عورت کا دودھ پیا ہو اس کے لیے وہ عورت ماں کے حکم میں ہے، اور اس کا شوہر باپ کے حکم میں ہے اور تمام وہ رشتے جو حقیقی ماں اور باپ کے تعلق سے حرام ہوتے ہیں، رضاعی ماں اور باپ کے تعلق سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔اس حکم کا ماخذ نبیؐ کریم کا یہ ارشاد ہے "یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب" یعنی جو چیز نسبت کے لحاظ سے حرام ہوتی ہے وہی چیز رضاعت کے رشتے بھی حرام ہو جاتی

ہے۔'' البتہ اس بات میں فقہاء امت میں بڑا اختلاف ہے کہ یہ حرام ہونا کتنے عرصے دودھ پسینے سے ثابت ہوتا ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام روایت ہے کہ ''اعتبار صرف اس زمانے میں دودھ پینے کا ہے جبکہ بچے کا دودھ چھڑایا نہ جا چکا ہو اور دودھ پینے پر ہی اس کی غذا کا انحصار ہو۔'' حضرت ام سلمہؓ، ابن عباسؓ، امام زہری، حسن بصری، قتادہ، عکرمہ اور اوزاعی اس کے قائل ہیں۔ مگر امام ابوحنیفہ اور امام زفر کا قول ہے کہ زمانۂ رضاعت ڈھائی سال ہے اور اس کے اندر دودھ پینے سے رضاعت کی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ لیکن امیر المومنین حضرت علیہ السلام سے صحیح ترین روایت یہ ہے کہ ''بچہ خواہ کسی عمر میں بھی دودھ پیئے، حرمت ثابت ہو جائے گی۔'' یعنی اسے معاملے میں اصل اعتبار دودھ کا ہے نہ کہ عمر کا۔ فقہاء میں عروہ بن زبیر، عطاء، لیث بن سعد اور ابن حزم نے حضرت علیؑ کے قول کو اختیار کیا ہے۔

اس معاملے میں بھی اختلاف ہے کہ جس عورت سے صرف نکاح ہوا ہو اس کی ماں حرام ہے یا نہیں۔ امام ابوحنیفہ، امام احمد اور امام شافعی اس کے حرام ہونے کے قائل ہیں لیکن حضرت علی علیہ السلام کے قول کے مطابق جب تک کسی عورت سے خلوت (مباشرت) نہ ہوئی ہو، اس کی ماں حرام نہیں ہوتی۔

البتہ فقہائے امت کا اس بات پر تقریباً اجماع ہے کہ سوتیلی بیٹی آدمی پر بہرحال حرام ہے، خواہ اس نے سوتیلے باپ کے گھر ہی میں پرورش پائی ہو، یا نہ پائی ہو۔ (تفہیم)

بحمداللہ آج ۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ ۳۱ اگست ۱۹۹۳ء کو یہ پارہ نمبر ۴ مکمل ہوا۔



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالۡمُحۡصِنٰتُ

تفسیرِ مُبین

خلاصۃُ التفاسیر

پارہ نمبر (۵)

مختلف مکاتبِ فکر، قدیم وجدید، اہم تفاسیر کا خلاصہ
اور آسان اُردو ترجمہ

از

ڈاکٹر محمد حسن رضوی

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب۔۔۔

فہرست مضامین

عنوانات	نمبر شمار
سُوْرَۃُ النِّسَآءِ	14
آیت نمبر ۲۴	14
ترجمہ	14
تفسیر	15
متعہ از روئے قرآن تو جائز ہے لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ حکومت میں حرام قرار دیا	15
متعہ اور زنا میں اتنا ہی فرق ہے جتنا نکاح میں اور زنا میں فرق ہے۔	16
حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ	16
آیت کا مفہوم یہ ہے کہ	17
آیت نمبر ۲۵	17
ترجمہ	17
تفسیر	18
کنیزوں سے نکاح، مہر، سزا، تعریفِ کنیز اور چند احکام	18
فقہا نے لکھا کہ کنیزوں سے نکاح	18
محققین نے نتیجہ نکالا کہ	18
آیت نمبر ۲۶۔۲۷	20
ترجمہ	20
تفسیر	21
آیت نمبر ۲۸۔۲۹	21
ترجمہ	21
تفسیر	22
احکاماتِ خدا میں انسانی کمزوری کا لحاظ ہے	22
''باطل طریقوں سے مال نہ کھاؤ ایک دوسرے کو قتل نہ کرو'' سے مراد	22
آیت نمبر ۳۰۔۳۱	23
ترجمہ	23
تفسیر	23
گناہانِ کبیرہ کے بارے میں احادیث و تشریحات	23
آیت نمبر ۳۲	24
ترجمہ	25
تفسیر	25
جو کچھ جس کو عطا کیا گیا ہے اُس سے حسد نہ کرو، کیونکہ دینے والا تو اللہ ہے۔	25
محققین نے نتیجہ نکالا کہ۔	25
آیت کا پیغام یہ ہے کہ	25
آیت کا پیغام یہ ہے کہ	26
آیت نمبر ۳۳	26
ترجمہ	26
تفسیر	27
دورِ جاہلیت کے عقدِ اُخوت کی رد	27
آیت نمبر ۳۴	27
ترجمہ	28

تفسیر	28
قوّام یا قیّم	28
سرکش بیویوں کا علاج	29
آیت نمبر ۳۵	29
ترجمہ	29
تفسیر	30
تنازعے میں فریقین کی جانب سے حکمین کی ضرورت ہے۔	30
آیت نمبر ۳۶	30
ترجمہ	31
تفسیر	31
اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ نیکی کرو۔	31
والدین کے ساتھ نیکی کے بارے میں۔	31
ہمسائے کی تعریف، حقوق اور ہمسائے کی اقسام	32
آیت نمبر ۳۷	32
ترجمہ	33
تفسیر	33
بخیل و شحیح کی تعریف	33
جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا	33
اللہ کے فضل و کرم کو چھپانے کا مطلب یہ ہے کہ	33
آیت نمبر ۳۸۔۳۹	34
ترجمہ	34
تفسیر	34
دکھاوے کی خیرات کی مذمّت	34
ایمان نہ لانے والوں سے خدا سوال کرتا ہے؟	35
آیت نمبر ۴۰	35
ترجمہ	35
تفسیر	35
خدا ظلم نہیں کرتا بلکہ نیکی کا اجر کئی گنا دیتا ہے۔	35
آیت نمبر ۴۱	36
ترجمہ	36
تفسیر	36
یہ آیت اُمّتِ محمدؐ کے حق میں بطورِ خاص نازل ہوئی ہے۔	36
آیت نمبر ۴۲۔۴۳	37
ترجمہ	37
تفسیر	38
جن حالات میں نماز نہ پڑھی جائے، اور تیمّم کا بیان	38
آیت نمبر ۴۴ تا ۴۶	39
ترجمہ	40
تفسیر	41

اللہ نے منافقوں کے ظاہر و باطن کی حرکتوں کا حال بیان فرمایا ہے	41
آیت نمبر ۴۷	41
ترجمہ	42
تفسیر	42
اہلِ کتاب کو ایمان لانے کی دعوت ورنہ سخت ترین عذاب کی دھمکی	42
آیت نمبر ۴۸	42
ترجمہ	43
تفسیر	43
اللہ کی نظر میں شرک سے بڑا کوئی گناہ نہیں	43
خلاصۂ کلام یہ ہے	44
آیت نمبر ۴۹	44
ترجمہ	44
تفسیر	45
قابلِ تعریف بس وہی ہے جس کی ستائش اللہ کرے	45
آیت نمبر ۵۰۔۵۱	45
ترجمہ	46
تفسیر	46
یہودی اللہ پر بھی بہتان لگاتے تھے	46
یہودیوں کی نظر میں کافر مومنوں سے بہتر تھے۔	46
آیت نمبر ۵۲۔۵۳	47
ترجمہ	47
تفسیر	47
آیت نمبر ۵۳	47
آیت نمبر ۵۴	48
ترجمہ	48
تفسیر	48
حسد، فضلِ خدا، کتاب، حکمت اور ملکِ عظیم سے مراد؟	48
آیت نمبر ۵۵۔۵۶	49
ترجمہ	49
تفسیر	50
ملکِ عظیم والوں کی نافرمانی کی سزا	50
آیت نمبر ۵۷۔۵۸	50
ترجمہ	51
تفسیر	51
امانتوں کو ادا کرنے اور صحیح فیصلے کرنے کا حکم	51
آیت نمبر ۵۹	52
ترجمہ	52
تفسیر	53
اُولی الامر کون ہیں؟	53
آیت نمبر ۶۰	56
ترجمہ	56
تفسیر	56

یہاں ''طاغوت'' سے مراد حاکمِ جَور و جبر ہے	56
آیت نمبر ۶۱۔ ۶۲	57
ترجمہ	57
تفسیر	57
منافقین آنحضرتؐ کے پاس فیصلے کے لیے جانے سے گریز کرتے تھے	57
آیت نمبر ۶۳۔ ۶۴	58
ترجمہ	58
تفسیر	59
کسی بزرگ کے وسیلے سے دُعا مانگنا اللہ کو پسند ہے	59
آیت نمبر ۶۵	59
ترجمہ	59
تفسیر	60
رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پوری طرح حکم ماننا واجب ہے۔	60
آیت نمبر ۶۶	61
ترجمہ	61
تفسیر	61
اسلامی شریعت کے احکام بہت سہل ہیں	61
آیت نمبر ۶۷۔ ۶۸	62
ترجمہ	62
تفسیر	62
راہِ راست کی طرف بڑھو گے تو ہدایتِ الٰہی اور توفیق خداوندی بھی حاصل ہوگی	62
آیت نمبر ۶۹	63
ترجمہ	63
تفسیر	63
صدیقین، شہدا، اور صالحین کی تعریف و مراد	63
آیت نمبر ۷۰	65
ترجمہ	65
تفسیر	65
وہ لوگ جن پر اللہ کا حقیقی فضل و کرم ہوتا ہے	65
آیت نمبر ۷۱۔ ۷۲	66
ترجمہ	66
تفسیر	67
دفاعی سامان بہر حال ضروری ہے	67
آیت نمبر ۷۳	67
ترجمہ	67
تفسیر	68
منافقین کی دورنگی سیرت کا اظہار	68
آیت نمبر ۷۴	68
ترجمہ	68
تفسیر	69
شہید کا اجر بزبانِ رسول اکرمؐ	69
جہاد فی سبیل اللہ کا تعلق صرف دین داروں سے ہے غیروں سے نہیں	69

آیت نمبر ۷۵	70
ترجمہ	70
تفسیر	70
مظلوم اور کمزور مسلمانوں کی نصرت کے لیے جہاد	70
آیت نمبر ۷۶	71
ترجمہ	71
تفسیر	72
اسلامی جہاد اور جہانگیری جنگ میں فرق	72
آیت نمبر ۷۷	73
ترجمہ	73
تفسیر	74
آیت نمبر ۷۸	75
ترجمہ	75
تفسیر	76
موت کے لیے جگہ کی قید نہیں	76
خدا کی کتاب میں حسنات اور سیّات دو طرح کے ہیں	76
آیت نمبر ۷۹	77
ترجمہ	77
تفسیر	77
حسنات اللہ کی طرف سے اور بُرائیاں بداعمالیوں کا نتیجہ	77
آیت نمبر ۸۰	78
ترجمہ	79
تفسیر	79
رسولؐ کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔	79
آیت نمبر ۸۱	79
ترجمہ	80
تفسیر	80
اللہ نے منافقوں کی پول کو طشت از بام کیا ہے	80
آیت نمبر ۸۲	80
ترجمہ	81
تفسیر	81
قرآن میں غور وفکر کی تاکید	81
قرآن اللہ ہی کا کلام ہے	81
آیت نمبر ۸۳	81
ترجمہ	82
تفسیر	82
''اولی الامر'' یعنی بات کی تہ تک پہنچ جانے والے ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں،	82
آیت نمبر ۸۴	83
ترجمہ	83
تفسیر	84
اللہ کا اپنے رسولؐ کی دلجوئی کا انداز	84
آیت نمبر ۸۵	84
ترجمہ	85

تفسیر	85
اچھے یا بُرے کام کی سفارش کرنے والا اللہ کی نظر میں	85
آیت نمبر ۸۶	85
ترجمہ	86
تفسیر	86
سلام کرنے کا اسلامی طریقہ	86
آیت نمبر ۸۷۔۸۸	87
ترجمہ	87
تفسیر	88
منافقینِ غزوہ اُحد کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف	88
خدا کس کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے؟	88
آیت نمبر ۸۹	89
ترجمہ	89
تفسیر	89
کافروں سے دوستی نہ کرو	89
آیت نمبر ۹۰	90
ترجمہ	90
تفسیر	91
صلح پسند لوگوں سے جنگ نہ کرو	91
آیت نمبر ۹۱	91
ترجمہ	91
تفسیر	92
اسلام امن عامّہ کا حقیقی علمبردار ہے	92
آیت نمبر ۹۲	92
ترجمہ	93
تفسیر	93
قتل خطا کے معنی	93
آیت نمبر ۹۳	94
ترجمہ	94
تفسیر	95
مومن کو جان بُوجھ کر قتل کرنے کی سزا جہنّم	95
آیت نمبر ۹۴	95
ترجمہ	96
تفسیر	96
قتل کرنے سے قبل تحقیق کرنے کا حکم	96
آیت نمبر ۹۵	97
ترجمہ	97
تفسیر	98
جہاد کی فضیلت	98
حضرت علیؑ تمام صحابہ سے افضل ہیں	98
آیت نمبر ۹۶۔۹۷	98
ترجمہ	99
تفسیر	99
آیت نمبر ۹۸۔۹۹	100
ترجمہ	100
تفسیر	101

مستضعفین سے مراد	101
آیت نمبر ۱۰۰	101
ترجمہ	101
تفسیر	102
اللہ کی راہ میں ہجرت کی قدر و منزلت	102
آیت نمبر ۱۰۱	102
ترجمہ	102
تفسیر	103
نمازِ قصر کے بارے میں امامؑ نے فرمایا	103
آیت نمبر ۱۰۲	104
ترجمہ	105
تفسیر	105
جنگ میں نمازِ خوف کا طریقہ	105
آیت نمبر ۱۰۳	106
ترجمہ	106
تفسیر	107
فریضۂ نماز کو پابندی کے ساتھ ادا کرو	107
آیت نمبر ۱۰۴۔۱۰۵	107
ترجمہ	108
تفسیر	108
فیصلے کا حق رسولِ خداؐ اور ائمہؑ ہدیٰ کو عطا ہوا ہے۔	108
آیت نمبر ۱۰۶	109
ترجمہ	109
تفسیر	109
خائن کی سفارش یا وکالت کو اللہ ناپسند کرتا ہے	109
آیت نمبر ۱۰۷	110
ترجمہ	110
تفسیر	110
گناہ کرنا خود اپنے اوپر ظلم کرنا ہے	110
آیت نمبر ۱۰۸	111
ترجمہ	111
تفسیر	111
دینِ خدا میں تغیّر کرنے والوں کا قصہ	111
آیت نمبر ۱۰۹۔۱۱۰	112
ترجمہ	112
تفسیر	113
بُرائی اور اپنے اوپر ظلم کرنے سے مراد	113
آیت نمبر ۱۱۱۔۱۱۲	113
ترجمہ	113
تفسیر	114
خَطِیْٓئَۃً، اِثْمًا اور بُہتان کے معنی	114
آیت نمبر ۱۱۳	114
ترجمہ	115
تفسیر	115
آیت نمبر ۱۱۴	115
ترجمہ	116

تفسیر	116
کام کی تین قسمیں ہیں	116
جھوٹ تین باتوں میں جائز ہے	116
آیت نمبر ۱۱۵	117
ترجمہ	117
تفسیر	117
اتباعِ رسولؐ اور آلِ رسولؐ ہی صحیح راستہ ہے	117
آیت نمبر ۱۱۶	118
ترجمہ	118
تفسیر	118
شرک ناقابلِ معافی گناہ ہے	118
آیت نمبر ۱۱۷	119
ترجمہ	119
تفسیر	119
مشرک دراصل شیطان کی پرستش کرتے ہیں	119
آیت نمبر ۱۱۸۔۱۱۹	120
ترجمہ	120
تفسیر	120
خَلْقَ اللہِ سے مراد	121
آیت نمبر ۱۲۰	122
ترجمہ	122
تفسیر	122
شیطان جبل ثور پر چڑھ کر چیخنے لگا	122
شیطان کے (جھوٹے) وعدوں کا مطلب	123
آیت نمبر ۱۲۱۔۱۲۲	123
ترجمہ	124
تفسیر	124
نیک کام کرنے والے مومنوں کے لیے جنتوں میں ہمیشگی کی رہائش	124
آیت نمبر ۱۲۳	124
ترجمہ	125
تفسیر	125
مختلف بلاؤں وغیرہ کے سبب سے نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے	125
آیت نمبر ۱۲۴	126
ترجمہ	126
تفسیر	126
اعمالِ صالح کے ساتھ ایمان کی شرط	126
آیت نمبر ۱۲۵	126
ترجمہ	127
تفسیر	127
حنیف اور خلیل کی وضاحت	127
آیت نمبر ۱۲۶	128
ترجمہ	128
تفسیر	128
اللہ کی قدرت ہر شے پر مکمّل حاوی ہے	128
آیت نمبر ۱۲۷	128

ترجمہ	129
تفسیر	129
اسلام میں چھوٹے یتیم بچوں اور عورتوں کے حقوقِ میراث	129
آیت نمبر ۱۲۸	130
ترجمہ	130
تفسیر	131
نُشُوْزً اَ نُشُّحً اور تقویٰ کی مختصر	131
آیت نمبر ۱۲۹	131
ترجمہ	131
تفسیر	132
بیویوں میں ممکنہ عدالت قائم کرو	132
آیت نمبر ۱۳۰	133
ترجمہ	133
تفسیر	133
آیت نمبر ۱۳۱	133
ترجمہ	134
تفسیر	134
اللہ بار بار تقوٰی کی طرف توجہ دلاتا ہے۔	134
آیت نمبر ۱۳۲۔ ۱۳۳	135
ترجمہ	135
تفسیر	135
''دوسروں'' سے مراد ایرانی قوم ہے	135
آیت نمبر ۱۳۴	136
ترجمہ	136
تفسیر	136
اللہ کے پاس دُنیا اور آخرت دونوں کا ثواب ہے	136
آیت نمبر ۱۳۵	137
ترجمہ	137
تفسیر	137
انصاف پر جمے رہو، اللہ کے لیے گواہی دو	137
آیت نمبر ۱۳۶	138
ترجمہ	138
تفسیر	139
اللہ ایمان والوں کو مزید ایمان کی دعوت دے رہا ہے	139
آیت نمبر ۱۳۷	139
ترجمہ	139
تفسیر	140
اللہ یہودیوں کی حرکتوں کا حال بیان فرما رہا ہے	140
آیت نمبر ۱۳۸ تا ۱۴۰	140
ترجمہ	141
تفسیر	141
آیت نمبر ۱۴۱	142
ترجمہ	142
تفسیر	143

مومنوں پر کافروں کا غلبہ دلیل وحجت سے نہیں ہوسکتا	143
منافقین کا ذکر۔	143
آیت نمبر ۱۴۲	144
ترجمہ	144
تفسیر	145
منافقوں کا طریقہ،نماز اور ذِکر خدا دھوکہ ہے	145
عبادت کا جوہر ایمان ومعرفت ہے۔	145
آیت نمبر ۱۴۳	146
ترجمہ	146
تفسیر	146
’اللہ کے گمراہی میں چھوڑ دینے‘‘ کے معنی یہ ہیں۔	146
آیت نمبر ۱۴۴	147
ترجمہ	147
تفسیر	147
کافرون سے دوستی مت کرو مومنوں کو اللہ کی ہدایت	147
آیت نمبر ۱۴۵	148
ترجمہ	148
تفسیر	148
جہنّم کا نچلا طبقہ منافق کے لئے مخصوص ہے	148
آیت نمبر ۱۴۶	149
ترجمہ	149
تفسیر	149
اپنے دین میں خلوص خدا کے لیے	149
آیت نمبر ۱۴۷	150
ترجمہ	150
تفسیر	150
’’خدا شاکر ہے‘‘ سے مراد	150

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

پارہ نمبر ۵

سُوْرَةُ النِّسَآءِ

آیت نمبر ۲۴

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

ترجمہ

وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جو دوسرے کے نکاح میں ہوں۔ سوا اُن کے جو تمھاری ملکیّت میں آ جائیں۔ یہ اللہ کی طرف سے تم پر لازمی پابندی ہے۔ اُن کے سوا دیگر عورتوں کو اپنے مال کے ذریعے سے حاصل کر لینا تمھارے لیے جائز کر دیا گیا ہے اُن کو پاکدامنی کے ساتھ محفوظ کرلو، نہ یہ کہ بدکاری کرنے لگو۔ اُن میں سے جس کے ساتھ ''متعہ'' کرو تو ان کے مقررہ مہر لازمی طور پر ادا کرو۔ البتہ اِس میں تم پر کوئی حرج نہیں کہ اُس معیّنہ رقم کے بعد پھر تم آپس میں کسی اور بات پر رضامند ہو جاؤ۔ بے شک اللہ تو ہر بات کا جاننے والا اور تمام مصلحتوں کا

پہنچانے والا ہے۔ (۲۴)

تفسیر

"مُحْصَنٰتُ" کا لفظ احصان سے بنا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں روک میں آ جانا۔ قید میں آ جانا۔ مُراد شادی شدہ عورتیں جو مخافظت میں آ جاتی ہیں۔ (تفسیر کبیر۔ ابنِ قتیبہ، راغب۔ روح)

مطلب یہ ہے کہ شوہر کے ہوتے ہوئے اب دوسرا نکاح حرام ہے سوا شرعی کنیزوں کے جو کافر شوہروں کی زوجیت سے آئی ہیں۔ (قرطبی)

"اَیْمَانُ" یمین کی جمع ہے۔ یمین کے معنی داہنا ہاتھ۔ یہاں وہ عورتیں مراد ہیں جو اسلامی شرعی جنگوں میں میدانِ جنگ میں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں اور اُن کے خاوند کافر ہوں۔

متعہ از روئے قرآن تو جائز ہے لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ حکومت میں حرام قرار دیا

اور خدا کا یہ ارشاد فرمانا "پھر اُن میں سے جن سے تم متعہ کرلو تو اُن کے مقرر کیے ہوئے مہر ادا کرو"۔ یہ آیت متعہ کے حلال ہونے پر واضح دلیل ہے۔ اِسی لیے شیعہ سُنی تمام مفسرین نے لکھا کہ متعہ جو نکاح کی ایک قسم ہے، یعنی ایک معیّن مدّت کے لیے جنسی تعلّق کو قائم کرنا رسولِ خداؐ کے زمانے میں حلال تھا اور صحابہ کرام متعہ کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر کے وقت میں بھی متعہ رائج تھا۔ لیکن حضرت عمر نے اپنے زمانہ حکومت میں اِسے حرام قرار دیدیا، وہ بھی اپنی خلافت کے آدھے دور کے گذر جانے کے بعد حضرت عمر نے فرمایا "متعتانِ کانتا علیٰ عھدِ رسول اللہ ﷺ وَاَنَا انھیٰ عنھما واعاقب علیھما" یعنی: دو متعہ رسول خداؐ کے زمانے میں حلال تھے (متعۃ الحج اور متعۃ النساء) اور میں اُن دونوں کو حرام کرتا ہوں اور اُن کے کرنے والوں کو سزا دوں گا۔" (تفسیرِ در منشور جلد ۲ ص ۱۴۰، تفسیر کشّاف جلد ۱ ص ۳۶۰، تفسیر کبیر امام رازی جلد ۳ ص ۲۰۰ مطبوعہ مصر معالم التنزیل، مستدرک، تاریخ طبری، صحیح مسلم، شرح صحیح بخاری)

حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ نے متعہ فرمایا تو لوگوں نے دلیل مانگی۔ تو اُنھوں نے حضرت عمر کا یہ جملہ دلیل میں پیش فرمایا کہ (۲) دو قسم کے متعہ رسولِ خداؐ کے زمانے میں حلال تھے" ابنِ عباسؓ نے فرمایا: "میں نے حضرت عمر کے اِس قول کی بناء پر متعہ کیا ہے، کیونکہ اُن کی روایت غلط نہیں ہوسکتی۔

یادرہے کہ اس آیت کی ناسخ کوئی دوسری آیت قرآن بھر میں نہیں ہے، اور نہ رسولِ خداؐ نے اس کو حرام کیا۔ اِسی لیے حضرت عمر کو یہ فرمانا پڑا کہ ''میں حرام کرتا ہوں۔'' اگر کسی آیت نے اس حکم کو منسوخ کیا ہوتا تو حضرت عمر اُس آیت یا حدیث کا حوالہ دیتے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت کا مطلب بتایا ''پس جن عورتوں سے تم نے متعہ کرلیا، ایک مدّتِ معین تک، اُنھیں اُن کے مقرر کیے ہوئے مہر دیدو۔'' (تفسیر صافی ص ۱۰۶ بحوالہ کافی و تفسیر عیاشی از امام محمد باقر علیہ السلام)

یادرہے کہ متعہ نکاح کی ایک قسم ہے۔

متعہ اور زنا میں اتنا ہی فرق ہے جتنا نکاح میں اور زنا میں فرق ہے۔

نکاح اور متعہ میں صرف اتنا فرق ہے کہ متعہ میں مدّت مقرر کر لی جاتی ہے اور نکاح دائمی میں مدّت معیّن نہیں ہوتی۔ باقی سب احکام نکاح کے ہیں۔ متعہ کا بھی صیغہ پڑھا جاتا ہے، ایجاب وقبول ضروری ہے، عورت کی رضا مندی ضروری ہے، متعہ کی مدّت کے گذر جانے کے بعد عورت کو عدّۃ کی مدّت تک نکاح یا دوسرا متعہ کرنے کی اجازت نہیں ہوتی متعہ کی اولاد ورثے میں برابر کا حصّہ پاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

''جو متعہ کی مدت مرد اور عورت کے درمیان طے ہوتی ہے، جب وہ گزر جائے تو کچھ حرج نہیں کہ مدت کو بڑھالیں یہ کہکر:

''اِسْتَحْلَلْتُكِ بِاَجَلٍ اٰخَر'' یعنی میں نے تجھے ایک اور معیّن مدّت تک کے لیے حلال کرلیا۔'' لیکن کسی دوسرے کو اس طرح اُس عوت سے متعہ کرنا جائز نہیں جب تک عدّت کی مدّت نہ گذر جائے۔ اور وہ عدّت دو ۲ حیض ہے۔'' (تفسیر صافی صفحہ ۱۰۷ بحوالہ تفسیر عیاشی)

شیخ طوسیؒ نے اس بات کو ثابت کرنے کے لیے یہاں مراد نکاحِ دائمی نہیں بلکہ متعہ یعنی: نکاح موقّتی ہے، ایک نہایت باریک استدلال فرمایا ہے کہ ''خدا نے یہاں یہ حکم دیا ہے کہ عقد کے بعد اُن عورتوں کے مہر اُنھیں دے دو۔ اِس کے معنی یہ ہوئے کہ یہاں اُن عقد کی بات کی جارہی ہے جس کا مہر ایجاب وقبول کے ساتھ ہی پورا ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔ اور یہ متعہ ہی میں ہوتا ہے۔ نکاح دائمی میں جب تک مباشرت نہ ہوجائے پورا مہر واجب الادا نہیں ہوتا بلکہ اگر مباشرت سے پہلے طلاق دے دیا جائے تو صرف آدھا مہر واجب الادا ہوتا ہے جس کی صراحت خود قرآن میں کی گئی ہے۔ مگر یہاں عقد کے فوراً بعد پورے مہر ادا کرنے کا حکم یہ بتاتا ہے کہ یہاں عقد سے مراد عقدِ منقطع'' ہے جسے متعہ کہتے ہیں۔ (تفسیر تبیان)

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ:

جنسی تقاضوں کو حیوانوں کی طرح پورا نہیں کرنا چاہیے، بلکہ انسانوں کی طرح بیوی کے ساتھ محبّت اور نباہ کی زندگی گذارنی چاہیے۔ نکاح یا متعہ انسانوں کی طرح ذمّے داری کی زندگی گذاری جاتی ہے، جبکہ زنا کاری (سفاح) کی زندگی جانوروں کی طرح کی بے لگام اور غیر ذمّے دار زندگی ہوتی ہے۔

آیت نمبر ۲۵

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۵ ع

ترجمہ

اور تم میں سے جو اِس قابل نہ ہو کہ وہ مسلمان (آزاد) عورتوں سے نکاح کر سکے تو اُس کو چاہیے کہ مسلمان لونڈیوں میں سے، جو تمھاری ملکیت ہوں، کسی سے نکاح کر لے جو مومنہ بھی ہوں

۔اور اللہ تمھارے ایمان کا حال خوب جانتا ہے۔تم سب ایک دوسرے کا جُزو ہو۔لہٰذا اِن کنیزوں سے اُن کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کر لو۔اور ان کا مہر اچھے طریقے سے ادا کرو۔تا کہ وہ نکاح کر کے محفوظ اور پاکدامن بن کر رہیں۔نہ تو بدکاری کرنے والی بنیں اور نہ چوری چُھپے اپنے آشنا بنانے والی بنیں۔پس جب وہ بعد نکاح پھر بے حیائی کا کام کریں تو اُن پر آزاد عورتوں کی بہ نسبت آدھی سزا ہے۔یہ (سہولت) اُن کے لیے ہے جن کو حرام کاری میں مبتلا ہونے کا خوف ہو۔لیکن اگر تم صبر کرو تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے۔اور اللہ تو بڑا ہی بخشنے والا اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے (۲۵)

تفسیر

کنیزوں سے نکاح، مہر، سزا، تعریفِ کنیز اور چند احکام

مطلب یہ ہے کہ جو آزاد شریف بیویوں کا مہر، نان نفقہ وغیرہ پوری طرح برداشت کرنے کے قابل نہ ہو، وہ کنیزوں سے نکاح کرے۔یہاں محصنات سے مراد شریف و آزاد بیویاں ہیں۔(معالم قیرطبی) کیونکہ عرب سوسائٹی میں کنیزوں، باندیوں سے نکاح کرنا عار سمجھا جاتا تھا اور اُنکی اولاد کو کنیززادہ کہتے تھے، تو قرآن نے اس تصور کو رد کر دیا (تفسیر کبیر)

فقہا نے لکھا کہ کنیزوں سے نکاح

کرنے کی صورت میں کنیزوں کی رضامندی ضروری ہے۔نیز یہ بتا دیا گیا کہ ''کنیزیں خواہ کنواری ہوں یا منکوحہ، اُن کے زنا کی سزا بہر حال آزاد شریف عورتوں کی سزا سے آدھی ہوگی۔کیونکہ کنیزیں، باندیاں اکثر حقوق میں بیویوں کا آدھا حق رکھتی ہیں، اس لیے اُن کی سزا بھی آدھی ہوگی۔پھر یہ بھی ہے کہ اُن کے لیے ترغیبات زیادہ ہیں اور حرام کے موانع کم ہیں۔اور ''احصان'' یعنی شریف عورت اُس کو کہتے ہیں جو آزاد ہو۔(مدارک، معالم، ابنِ قتیبہ)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ:

کنیز کے ساتھ عقد کرنے میں المومنات کی قید لگانا اس بات کا ثبوت ہے کہ غیر مسلم عورتوں کے ساتھ عقد کرنا درست نہیں ہے چاہے وہ اہلِ کتاب ہی کیوں نہ ہوں'' (تبیان)

پھر اللہ کا یہ ارشاد فرمانا کہ ''اللہ تمھارے ایمان کو خوب جانتا ہے۔'' اس جملے سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر وہ کنیز پہلے کافرہ تھی اور اب اسلام کا اظہار کرتی ہے تو اُس کا یہ دعویٰ مان لینا چاہیے۔ یہ نہ سمجھنا چاہے کہ صرف دباؤ کی وجہ سے اسلام کا اظہار کر رہی ہے۔ خدا کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ باطنی حقیقت یا دل کی حالت سے تمھیں کیا کام۔ وہ تو اللہ خوب جانتا ہے۔ تم اُس کے زبانی دعوے کو مان لو۔ (جلالین)

کنیز کے ساتھ عقد کرنے میں دوسری رُکاوٹ یہ ہوسکتی تھی کہ ہم کہاں اور کنیز کہاں؟ تو اس کے رد میں خدا نے ارشاد فرمایا کہ: ''حقیقتِ نوعیہ میں تمھارے اور کنیز کے درمیان کوئی فرق نہیں'' اس لیے کنیز کے ساتھ عقد کرنے میں تمھاری شان کم نہیں ہوتی۔ (مجمع البیان)

خدا کا یہ ارشاد فرمانا کہ ''ان کنیزوں سے اُن کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو۔'' بتاتا ہے کہ یہ تخاطب تمام مسلمانوں سے ہے۔ (مجمع البیان)

کنیزوں سے زنا کاری یا چوری چھپے ناجائز تعلقات جائز نہ ہوں گے۔ (تبیان۔ جلالین)

''کنیزوں کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں دور کرنے کے لیے چند ضروری متفقہ مسائل درج کیے جاتے ہیں۔

(1) جو عورتیں اِسلامی شرعی جائز جنگوں میں میدان میں گرفتار ہوتی ہیں۔ وہ کنیزیں کہلاتی خواہ مخواہ یا غیر اسلامی جنگوں میں گرفتار کی گئی عورتیں کنیزیں نہیں

(2) کنیزوں سے ہر سپاہی مباشرت نہیں کرسکتا۔ ایسی عورتیں حکومتِ اسلامی کے حوالے کی جائیں گی، یا فدیہ لیکر چھوڑ دی جائیں گی، یا قیدیوں سے تبادلے میں کفار کو دے دی جائیں گی۔ اور اگر یہ سب باتیں ممکن نہ ہوں گی تو سپاہیوں کے درمیان بانٹ دی جائیں گی۔

(3) جب تک ایک مرتبہ ماہواری نہ آجائے اور یہ اطمینان نہ ہوجائے کہ وہ حاملہ نہیں ہیں اُن کے ساتھ مباشرت جائز نہ ہوگی۔

(4) حکومتِ اسلامی جس کو وہ کنیز دے گی بس وہی اُسکے ساتھ مباشرت کرسکتا ہے۔ اُس کنیز کی اولاد جائز اولاد سمجھی جائے گی اور اُس کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو کسی بھی اولاد کو حاصل ہوتے ہیں۔

(5) اگر کنیز کا مالک کنیز کو کسی دوسرے کے نکاح میں دے دے گا تو پھر اُس سے مباشرت نہیں کرسکے گا۔

(6) اگرچہ شریعت نے کنیزوں کی تعداد مقرر نہیں کی، کیونکہ جنگی حالات کا معین کرنا ممکن نہیں، لیکن اس

کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ دولتمند لوگ بیشمار کنیزیں رکھ کر اپنے گھر کو عیاشی کا اڈہ بنالیں۔

(7) حکومت کسی کنیز کو کسی کے حوالے کرنے کے بعد اُس سے واپس نہیں لے سکتی۔

(8) کوئی فوجی کمانڈر کسی بھی صورت میں قیدی عورتوں کو اپنے سپاہیوں کے لیے وقتی طور پر جائز نہیں قرار دے سکتا۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو یہ زنا اور قابلِ سزا جرم ہوگا: (تفہیم)

نتیجہ آیت: محققین نے آیت کے اِن الفاظ سے کہ تم سب ایک ہی گروہ کے لوگ ہو؛ یہ نتیجہ نکالا کہ معاشرے میں جو لوگوں کے درمیان مراتب کا فرق ہے وہ محض اعتباری ہے ورنہ اصل میں سب مسلمان یکساں ہیں۔ امتیازی چیز ایمان اور عمل ہے۔ ممکن ہے کہ ایک کنیز حقیقی معنیٰ میں شریف زادیوں سے کہیں بلند مرتبہ پر فائز ہو۔

آیت نمبر ۲۶۔۲۷

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۖ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾

ترجمہ

اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تمھیں وہ طریقے صاف صاف بتا دے اور اُن طریقوں کی راہ تمھیں دکھا دے جو تم سے پہلے کے ① (نیک) لوگوں نے اختیار کیے تھے اور تم پر توجہ فرمائے۔ اللہ تو ہر چیز کا جاننے والا، تمام مصلحتوں کا پہنچاننے والا ہے۔ (۲۶)

اور اللہ تم پر رحمت کے ساتھ توجہ کرتے ہوئے، تمھاری توبہ قبول کرنے ② کا ارادہ رکھتا ہے، مگر جو لوگ نفسانی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں، وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھے راستے سے ہٹ

کر بہت دور نکل جاؤ۔(۲۷)

تفسیر

1۔ محققین نے نتیجہ نکالا کہ حرام عورتیں صرف شریعتِ اسلام ہی میں حرام نہیں ہیں بلکہ اس سے پہلے کے انبیاءؑ کی شریعتوں میں بھی یہ احکام آ چکے ہیں۔(جلالین) یہ اور بات ہے کہ دورِ جاہلیّت میں اُنکو بھلا دیا گیا تھا۔

آیت ۲۷ آیت کے مخاطب کفّار، فاسق، فاجر، اہلِ کتاب، مجوسی، یہودی، گناہگار، عیسائی سب ہی ہیں۔(بیصاوی۔بحر)

2۔ پہلے بندہ توبہ کرتا ہے۔یعنی اُس کا ضمیر بیدار ہوتا ہے، اپنے گناہ پر شرمندہ ہو کر دوبارہ گناہ نہ کرنے کا خدا سے وعدہ کرتا ہے تو خدا اُسکی توبہ کو قبول کر لیتا ہے لیکن جب گناہوں پر فخر کرتا ہے تو یہ احساسِ ندامت ختم ہو جاتا ہے تو توبہ بھی قبول نہیں ہوتی۔

آیت نمبر ۲۸۔۲۹

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ
اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا
اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾

ترجمہ

۲۸۔(مگر) اللہ یہ چاہتا ہے کہ تمھارا بوجھ ہلکا کر دے (کیونکہ) انسان کو تو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔① (۲۹) اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال غلط طریقوں سے مت

کھا جاؤ۔ سِوا اس کے کہ تم ایک دوسرے کی رضا مندی سے تجارت کرو۔ اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ ② اور یقین جانو کہ اللہ تم پر بڑا ہی مہربان ہے۔

تفسیر

احکاماتِ خدا میں انسانی کمزوری کا لحاظ ہے

1۔ مطلب یہ ہے کہ شریعت اِسلامی کے احکامات انسانی کمزوریوں کو سامنے رکھ کر بھیجے گئے ہیں۔ ان کمزوریوں کی پوری پوری رعایت رکھی گئی ہے۔ اب یہ انسان کی اپنی بدبختی ہوگی کہ وہ خدا کے ایسے احکامات کی بھی پابندی نہ کرے۔ (فصل الخطاب)

''باطل طریقوں سے مال نہ کھاؤ ایک دوسرے کو قتل نہ کرو'' سے مراد

2۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''یہاں باطل'' سے مراد سود، جوا، کسی کا حق کم کرنا یا مارنا، یا ظلم کرنا ہے'' (تفسیر صافی ص ۱۰۷ بحوالہ تفسیر مجمع البیان) اور ''تجارت سے مراد وہ خرید و فروخت ہے جو حلال طریقے سے دونوں کی رضا مندی سے کی جائے۔ (تفسیر صافی ص ۱۰۷ بحوالہ تفسیر قُمّی)

اور خدا کا ارشاد فرمانا کہ ''تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو'' بتاتا ہے کہ مالی خیانت اور ظلم خود اپنے آپ کو قتل کر دینے کے مترادف ہے اس لیے کہ اس کے سبب سے آپس کا اعتبار ختم ہو جاتا ہے۔ اور پورا معاشرہ ظلم اور زیادتی کا شکار ہو جاتا ہے۔

نیز اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ کے ساتھ جنگوں میں ایک ایسا شخص بھی جاتا تھا جو رسولِ خداؐ کے حکم کے بغیر اکیلا حملہ کر دیتا تھا۔ خدا نے اِس بات سے روکا کہ تم حکمِ رسولِ خداؐ کے بغیر اپنی جان خطرے میں نہ ڈالو۔'' (تفسیر صافی ص ۱۰۸ بحوالہ تفسیر قُمّی)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ ''کچھ مسلمان، دشمنوں پر گڑھوں اور غاروں میں داخل ہو کر حملہ کر دیا کرتے تھے۔ جسکی وجہ سے دشمن اُن پر قابو پا کر اُنھیں قتل کر دیتے تھے۔ خدا نے اس کام سے روک دیا۔''

اصل میں خدا کا یہ ارشاد فرمانا ''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو'' پچھلے فقرے کا تتمّہ بھی ہو سکتا ہے اور خود ایک مستقل فقرہ بھی۔ اگر یہ فقرہ پچھلے جملے سے منسلک ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ: دوسروں کا مال ناجائز طریقے سے کھانا خود اپنے آپ کو اور

اپنے پورے معاشرے کو قتل کر دینے کے برابر ہے آخرت میں تو ایسا آدمی جو دوسروں کا مال کھا جائے پوری پوری طرح برباد ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس کو ایک مستقل فقرہ سمجھا جائے تو پھر اس کے دو معنی ہیں۔ (۱) ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ (۲) خودکشی نہ کرو۔ حقیقتاً ترتیبِ کلام خدا نے ایسی رکھی ہے کہ یہ تینوں معنیٰ اس میں موجود ہیں اور یہ تینوں معنیٰ درست ہیں۔ (تفہیم)

آیت نمبر ۳۰۔۳۱

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝۳۰ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝۳۱

ترجمہ

اور جو شخص بھی ظلم و زیادتی کے ساتھ ایسا کام (مال وصول) کریگا تو ہم جلد ہی (ضرور) اُس کو آگ میں جھونک دیں گے، اور یہ کام اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔ (۳۰)

(ہاں!) اگر تم (اُن) کبیرہ گناہوں ① سے بچتے رہے، جن سے تمھیں روکا گیا ہے، تو ہم تمھارے بُرے کاموں کو خود ہی دور کر دیں گے۔ (نامۂ اعمال سے مٹا دیں گے) اور ہم تمھیں عزّت کی جگہ داخل کر دیں گے۔ (۳۱)

تفسیر

گناہانِ کبیرہ کے بارے میں احادیث و تشریحات

1۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ سے پوچھا گیا کہ کبائر (یعنی) بڑے گناہ کون کون سے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''ہر وہ گناہ جس پر اللہ نے جہنّم کی سزا کا وعدہ فرمایا ہے، گناہ کبیرہ ہے۔''

(تفسیر صافی ص ۱۰۸ بحوالہ تفسیر عیاشی، کافی بحوالہ امام جعفر صادق علیہ السلام معالم از حضرت علیؑ ابنِ جریر از ابنِ عباسؓ)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ گناہانِ کبیرہ سات ۷ ہیں۔ (۱) کسی کو بیجا قتل کرنا۔ (۲) والدین کی نافرمانی کرنا۔ (۳) سود کھانا۔ (۴) ہجرت کرنے کے بعد بلا عذر اپنی جگہ پلٹ جانا۔ (۵) یتیم کا مال کھانا۔ (۶) پاکدامن عورت پر تہمت لگانا۔ (۷) جہاد سے بھاگ جانا۔ (کافی، ثواب الاعمال)

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے گناہوں کی اقسام اس طرح بیان فرمائی ہیں۔ ''کوئی گناہ بڑا ہے جس پر خدا نے دوزخ میں بھیجنے کا اعلان فرمایا ہے اور کوئی گناہ چھوٹا ہے جس پر اُس نے اپنی معافی کی اُمید دلائی ہے۔'' (۱: نہج البلاغہ)

کیونکہ آیت میں سَیِّات (یعنی بُرے کام) کا لفظ کبائر (یعنی بڑے بڑے گناہوں) کے مقابلے پر استعمال ہوا ہے اِس لیے بُرے کاموں سے مراد گناہانِ صغیرہ (چھوٹے چھوٹے گناہ) لینا درست ہے، مطلب یہ ہوا کہ اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے بچ جاؤ گے تو ہم تمھارے چھوٹے چھوٹے گناہ خود معاف کر دیں گے۔ (فصل الخطاب)

تاج العلماؒ کے نزدیک بھی گناہانِ کبیرہ شریعت کی کوئی معیّن اصطلاح نہیں ہے، اس لیے جو گناہ ضمیر اور عقل کی رُو سے برے ہوں وہ بڑے گناہ ہیں (فصل الخطاب)

جن گناہوں پر قرآن میں عذاب کا وعدہ نہیں کیا گیا ہے وہ گناہانِ صغیرہ ہیں۔ لیکن ہر چھوٹا گناہ اگر بار بار کیا جائے تو وہ گناہِ کبیرہ بن جاتا ہے۔

دوسرا خیال یہ ہے کہ گناہانِ کبیرہ اور صغیرہ کی کوئی معیّن فہرست نہیں۔ بلکہ یہ اضافی چیز ہے ہر گناہ کسی دوسرے گناہ کے مقابلے پر بڑا یا چھوٹا ہو سکتا ہے۔ (تفسیر تبیان)

گناہِ کبیرہ پر خدا کے عتاب و عذاب کے ساتھ ساتھ خدا کے فضل و کرم، عفو و مغفرت کا احتمال رہنا چاہیے اور گناہِ صغیرہ پر خدا کے عفو کے ساتھ ساتھ خدا کے عذاب کا احتمال رہنا ضروری ہے۔ (تھانوی)

آیت نمبر ۳۲

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

ترجمہ

اور جو کچھ بھی اللہ نے تم میں سے کسی کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ دیا ہے، اُس کی تمنا نہ کرو۔ (کیونکہ) جو مردوں نے کمایا وہ اُن کا حصہ ہے۔ اور جو عورتوں نے کمایا وہ ان کا حصہ ہے۔ ہاں اللہ سے اُس کے فضل و کرم کی دُعا مانگتے رہو۔ یقیناً اللہ ہر چیز کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔ (۳۲)

تفسیر

جو کچھ جس کو عطا کیا گیا ہے اُس سے حسد نہ کرو، کیونکہ دینے والا تو اللہ ہے۔

جس بات سے روکا گیا ہے وہ حسد ہے یعنی انسان دوسرے انسان سے اس بات پر جلنے لگے کہ اُسے علم، عزّت یا مال و مرتبے میں زیادتی کیوں دی گئی ہے۔ نیز وہ یہ بھی چاہے کہ دوسرا کوئی اس بلند مرتبے پر نہ رہے، اس سے بھی منع کیا گیا ہے۔ لیکن اعلیٰ مراتب کی تمنّا کر کے اُس کے لیے کوشش کرنے سے منع نہیں کیا گیا۔ آخر میں خدا کا یہ ارشاد فرمایا کہ ''اللہ ہر بات کا جاننے والا ہے۔'' بتایا ہے کہ اللہ بلا وجہ کسی کو فضیلت یا زیادہ نعمت عطا نہیں فرماتا۔ وہ یا تو امتحاناً عطا فرمانا ہے یا اُس کو اُس کا مستحق سمجھتا ہے۔ اور خدا اس بات سے بھی واقف ہے کہ کون خدا سے کیا سوال کرتا ہے۔'' (جلالین)

محقّقین نے نتیجہ نکالا کہ:۔

خدا کے کاموں میں حکمت اور عدالت کارفرما ہے۔ صرف قدرت اور طاقت ہی کارفرما نہیں۔ وہ کوئی کام بلا وجہ نہیں کرتا۔ (فصل الخطاب)

آیت کا پیغام یہ ہے کہ:

نجات، مغفرت، خدا کا قرب کا دارومدار ہمارے اعمالِ ارادی پر ہے۔ اِس لحاظ سے مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں۔ (مدارک)

آیت کا پیغام یہ ہے کہ:

اگر چہ خدا نے تمام انسانوں کو یکساں نہیں بنایا۔ اِسی فرق و امتیاز پر انسانی تمدّن قائم ہے۔لیکن جب اِن امتیازات کو انسانی فضیلت کا معیار بنا دیا جاتا ہے تو معاشرے میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر کوئی کسی کو اپنے سے کسی حیثیت سے بڑھا ہوا دیکھتا ہے تو اُس میں حسد، عداوت، اور مزاحمت کے احساسات پیدا ہو جاتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بغاوت پر اُتر آتا ہے۔ بڑھے ہوئے آدمی کو نیچے کی طرف کھینچنے کے لیے ہر ناجائز طریقہ اختیار کرنے لگتا ہے اور جو چیزیں اُسے جائز طریقوں سے نہیں مل سکتیں، اُنھیں ناجائز طریقوں سے حاصل کرنے پر اُتر آتا ہے۔

خدا ہمیں اس منفی سوچ اور طرزِ عمل سے بچنے کا طریقہ تعلیم فرما رہا ہے۔

طریقہ یہ ہے کہ جو فضل تم دوسروں کے پاس دیکھو اُس کو اُس سے چھین کر حاصل کرنے کی تمنّا نہ کرو۔ ہاں تم بھی اُس کے حاصل کرنے کے لیے جائز کوشش کرو، دُعا کرو اور اس معاملے کو خدا پر چھوڑ دو۔ وہ جس فضل و کرم کو اپنے علم و حکمت سے تمھارے لیے مناسب سمجھے گا عطا فرمائے گا۔" (تفہیم)

آیت نمبر ۳۳

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾

ترجمہ

اور ہم نے ہر اُس چھوڑے ہوئے مال کے وارث اور حقدار مقرّر کر دیے ہیں جو تمھارے والدین یا رشتہ داروں نے چھوڑا ہو۔ اب رہے وہ لوگ جن سے تم نے کوئی عہد کر لیا ہے، تو اُنکا حصہ اُن کو (پہلے) دے دو۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر حاضر و ناظر ہے۔ (۳۳)

تفسیر

دورِ جاہلیت کے عقدِ اُخوت کی رد:

پہلے زمانے میں عقدِ اُخوت اِن الفاظ ہوتا تھا کہ ایک ساتھی دوسرے ساتھی سے یہ کہے کہ ”میرا خون، تیرا خون ہے، میرا دماغ تیرا دماغ ہے، میری لڑائی تیری لڑائی ہے، میری صلح تیری صلح ہے، تُو میرا وارث ہوگا، میں تیرا وارث ہوں گا، تو میری طرف سے دیت دیگا میں تیری طرف سے دیت دوں گا۔“ غرض جو دو (۲) آدمی اس طرح کا حلف اُٹھا کر حلیف ہوجاتے تھے، اُن کو ایکدوسرے کی میراث کا چھٹا حصہ ملتا تھا۔ مگر خدا نے آیتِ میراث سے اِس طریقے کو منسوخ کر دیا۔ (تفسیر صافی ص۱۰۹)

بعض علما نے اِس آیت کا مطلب یہ لکھا کہ ”جن لوگوں کو تم نے اپنا حلیف بنایا ہے اُن کے ساتھ کیے ہوئے معاہدوں کے تقاضوں کو پورا کرو۔ لیکن میراث میں اُن کا کوئی حق نہیں۔ (تبیان)

غرض اِس آیت میں جاہلیّت کے عقدِ اُخوت کے طریقے کو منسوخ کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ وراثت تو خدا کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق رشتے داروں میں تقسیم ہوگی، البتہ جن لوگوں سے تمھارے عہد و پیمان ہیں۔ یا جو تمھارے عزیز غریب ہیں اُن کو اپنی زندگی میں (جائیداد کا ایک تہائی حصہ) دے سکتے ہو۔ (تفہیم)

آیت نمبر ۳۴

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا

كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

ترجمہ

مرد، عورتوں کے انتظامات اور معاملات کو صحیح طریقے سے چلانے ، کے ذمّہ دار ہیں۔اس کیونکہ اللہ نے اُن میں سے ایک کو دوسرے پر زیادہ صلاحیت دی ہے۔اور اسی لیے وہ اپنے مال سے (اُن پر) خرچ کرتے ہیں۔ پس نیک عورتیں وہ ہیں جو فرمانبردار ہوتی ہیں۔ (اور مردوں کے) پیٹھ پیچھے (اُنکے اموال وحقوق کی) اُسی طرح حفاظت کرتی جس طرح اللہ نے اُن کی حفاظت فرمائی ہے۔اور جن عورتوں سے تمھیں سرکشی کا خوف ہو، تو اُنھیں (پہلے تو) سمجھاؤ اور (پھر) اُن کے بستروں سے الگ رہو۔اور (اگر پھر بھی باز نہ آئیں تو) اُنھیں مارو۔ پھر اگر وہ تمھاری بات نہ ماننے لگیں تو اُنکے خلاف کوئی بہانہ (تشادکا) تلاش نہ کرو۔اور یہ یقین رکھو کہ خدا بہت بڑا اور برتر و بزرگ ہے۔(۳۴)

تفسیر

قوّام یا قیّم

اُس شخص کو کہتے ہیں جو کسی فرد یا ادارے کے معاملات کو ٹھیک حالت میں چلانے اور اُس کی حفاظت اور نگہبانی کرنے اور اُس کی ضروریات فراہم کرنے کا ذمّے دار ہو۔ نیز یہ کہ یہاں فضیلت کے معنی شرف یا عزّت نہیں ہے۔جیسا کہ ایک عام اُردو پڑھنے والا اس لفظ سے سمجھتا ہے۔اس فضل کے معنیٰ یہ ہیں کہ خدا نے مرد کو طبعاً فطرتاً کچھ ایسی صلاحیتیں عطا کی ہیں جو عورت کو نہیں دیں۔ یا کم دی ہیں۔اس لیے مرد ''قوّام'' ہونے کی اہلیت رکھتا ہے یعنی یہ مرد کی ذمّے داری ہے کہ عورت کی حفاظت اور خبر گیری کرے۔

حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: ''بہترین بیوی وہ ہے کہ جب تم اُسے دیکھو تو تمھارا دل خوش ہو جائے جب تم اُسے کسی بات کے کرنے کو کہو تو وہ تمھاری اطاعت کرے، اور جب تم گھر میں نہ ہو، تو وہ تمھارے پیچھے تمھارے مال کی

اور اپنی عزّت کی حفاظت کرے۔'' یہ حدیث اس آیت کی بہترین تفسیر ہے۔

مگر یہ یاد رہے کہ شوہر کی اطاعت صرف جائز چیزوں میں ہے۔ اگر شوہر کسی ایسے کام کا حکم دے جو خدا کے حکم کے خلاف ہو، یا خدا کے کسی فریضے کے ادا کرنے سے روکے تو اُس کی اطاعت گناہ ہے۔ (تفہیم)

غرض عورتوں پر مردوں کا ایک درجہ افضل ہونا اس لیے ہے کہ (۱) مردوں پر جذبات کا اثر کم ہونے کے سبب عقل کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ (۲) حُسنِ تدبیر اور اعمال و اطاعت میں زیادہ قوت رکھتے ہیں۔ (۳) اُن پر مالی ذمّے داریاں یعنی عورت کو نان و نفقہ دینا، بچوں کے اخراجات دینا، اور مہر دینا پڑتا ہے۔ (تفسیر صافی ص ۱۰۹)

سرکش بیویوں کا علاج

سرکش بیویوں کا علاج یہ ہے کہ (۱) پہلے اُنھیں نرمی اور دلیلوں سے سمجھایا جائے۔ (۲) اگر نہ مانے تو ہمبستری ترک کر دی جائے۔ (۳) پھر یہ سب کام تحقیق اور یقین ہونے کی صورت میں کیے جائیں، صرف بدگمانی پر نہیں۔ (۴) پھر ترکِ کلام کیا جائے یعنی بات چیت چھوڑ دی جائے۔ (۵) پھر بھی نہ مانے تو بہت ہلکی مار، وہ بھی جبکہ دوسرا کوئی طریقہ اصلاح کا باقی نہ رہے (جصّاص۔ ابن عربی، جمل) (بیضاوی از ابن عباس)

اور عورت کی نافرمانی (نشوز) کے معنی یہ ہیں کہ وہ مرد کی کسی جائز بات کو ماننے کے لیے تیار نہ ہو (تاج، راغب، جصّاص)

آیت نمبر ۳۵

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝۳۵

ترجمہ

اور اگر تم کو اُن دونوں (میاں بیوی) کے تعلّقات کے بگڑنے کا خوف ہو، تو ایک حَکَم (فیصلہ

کرنے والا) مرد کے رشتے داروں میں سے، اور ایک حکم عورت کے رشتے داروں میں سے مقرر کرو۔ وہ دونوں اگر ملاپ کرانا چاہیں گے تو خدا اُنکے درمیان موافقت اور ملاپ کی صورت پیدا کردے گا۔ (کیونکہ) اللہ تو سب کچھ جاننے والا یقیناً ہے ہی (لیکن) ہر چیز سے باخبر بھی ہے۔ (۳۵)

تفسیر

تنازعے میں فریقین کی جانب سے حکمین کی ضرورت ہے۔

اس معاملے میں فقہا میں اختلاف ہے کہ ثالثوں کے اختیارات کیا ہیں؟ ایک گروہ تو یہ کہتا ہے کہ ثالثوں (حکمین) کا فیصلہ بس اُن کی تجاویز ہیں، بیوی اور شوہر چاہیں تو اُسے مانیں لیکن بعض فقہاؑ ثالثوں کے فیصلوں کو واجب العمل سمجھتے ہیں۔ ایک مقدمے میں حضرت علیؑ نے حکم مقرر کیے اور اُن کو اختیار دیا کہ چاہیں تو دونوں میاں بیوی کو ملا دیں اور چاہیں تو جُدا کر دیں۔ اس سے فقہا نے نتیجہ نکالا کہ ثالث بطور خود عدالتی اختیارات نہیں رکھتے۔ البتہ اگر اسلامی حکومت کی عدالت اُنکو ثالث مقرر کرے۔

بحث کا پیغام یہ ہے کہ اگر اخلاص اور دیانت کے ساتھ مصالحت کی کوشش کی جائے گی تو خدا برکت دے گا اور قلب کی صفائی کی کوئی صورت نکال دے گا۔ (ماجدی)

آیت نمبر ۳۶

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا

فَخُوْرًا ﴿۳۶﴾

ترجمہ

اورتم سب اللہ کی بندگی کرواور کسی کوبھی اُس کے ساتھ شریک نہ بناؤ① ۔اور ماں باپ کے ساتھ اچھّا برتاؤ کرو② ،اوررشتے داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور پڑوسی خواہ رشتے دار ہو یا غیر ہواور پہلونشین (ساتھیوں) اور مسافر سے اور اپنی لونڈی غلاموں سے جوتمھارے قبضے میں ہو،اچھّا سلوک کرو۔یقیناً خدا کسی متکبّر شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا۔

تفسیر

اللہ کے ساتھ کسی کوشریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ نیکی کرو۔

1۔ اللہ تعالیٰ صرف اپنی عبادت کا حکم دیتا ہے کیونکہ لائقِ عبادت صرف اُسی کی ذات ہے کسی جھوٹے معبود کو اُس کا شریک نہ بناؤ۔کیونکہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''بیشک اللہ مشرک کو نہ بخشے گا،سوا اُس کے جس کو چاہے گا بخش دے گا۔''اب بھی اگر کوئی شخص شرک کا مرتکب ہوجائے گا تو وہ اللہ کی بخشش،مغفرت اورنجات اِبدی سے محروم رہے گا اور سخت عذاب کا مزہ چکھے گا۔

والدین کے ساتھ نیکی کے بارے میں:۔

2۔ جنابِ رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا'' جو نیک فرزند شفقت اور مہربانی سے اپنے ماں باپ کی طرف دیکھتا ہے۔ایسی ہرنظر کے بدلے میں ایک مقبول حج کا ثواب اُس کے نام اعمال میں لکھا جاتا ہے۔''لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہؐ! چاہے وہ اک دن میں سومرتبہ دیکھے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا:'' خدا کی عظمت اور اُس کا کرم اس سے بھی زیادہ ہے''۔دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ'' تین آدمیوں کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔ اول ۔امامِ عادل کے چہرے کی طرف دیکھنا۔دوسرے ۔عالم کے چہرے کی طرف دیکھنا۔تیسرے ۔ماں باپ کے چہرے کی طرف دیکھنا۔'' پھر یہ بھی ارشاد فرمایا:'' تین گناہوں کی سزا بہت جلد اِسی دنیا میں مل جاتی ہے۔اوّل

ماں باپ کی نافرمانی۔ دوسرے بندگانِ خدا پر ظلم۔ تیسرے خدا اور خلقِ خدا کی ناشکری (تہذیب الاسلام)

ہمسائے کی تعریف، حقوق اور ہمسائے کی اقسام

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''ہمسائے کی حد کسی شخص کے گھر کے آگے، پیچھے، دائیں، بائیں، چالیس ۴۰ گھروں تک ہے۔''

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''ہمسایوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا رزق کو زیادہ کرتا ہے، عمر کو بڑھاتا ہے، مکانوں کو آباد کرتا ہے۔''

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''ہمسایوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا مطلب یہی نہیں ہے، کہ اُنھیں تکلیف دینے سے رُک جاؤ بلکہ یہ بھی ہے کہ اُنکی تکلیف پر صبر کرو۔''

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: ''ہمسائے تین قسم کے ہیں۔ ایک ہمسایہ وہ ہے جس کے تین حقوق ہیں: (۱) حقِ ہمسائیگی (۲) حقِ مراتب (۳) اور حقِ اسلام۔ (یہ وہ ہمسایہ ہے جو رشتے دار بھی ہو، اور مسلمان بھی۔) (۲) دوسرا وہ ہمسایہ ہے جس کے دو (۲) حق ہیں۔ (۱) حقِ ہمسایہ (۲) اور حقِ اسلام۔ (یہ وہ پڑوسی ہے جو مسلمان تو ہو مگر رشتے دار نہ ہو۔) (۳) تیسرا ہمسایہ وہ ہے جس کا ایک حق ہے وہ یہ حقِ ہمسائیگی ہے۔ (یعنی ایسا ہمسایہ جو نہ مسلمان ہو اور نہ وہ رشتے دار ہو) (تفسیر صافی ص ۱۰۹ بحوالہ کافی)

''مُخْتَالاً'' یعنی اکڑنے والا۔ اس سے مراد ایسا تکبّر کرنے والا آدمی ہے جو اپنے عزیزوں، اپنے پڑوسیوں اور اپنے ساتھیوں پر ناک منھ چڑھاتا ہو اور اُن کی طرف توجہ نہ کرتا ہو۔ (تفسیر صافی ص ۱۰۹)

''جَارِ ذِی الْقُرْبٰی'' سے مراد مسلمان پڑوسی اور دور والے پڑوسی۔ اور ''جَارِ الْجُنُبِ'' سے مراد یہودی، نصرانی، کافر پڑوسی ہیں۔ (بحر، روح)

آیت نمبر ۳۷

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ﴿۳۷﴾

ترجمہ

(اور) ایسے لوگ بھی (خدا کو پسند نہیں) جو کنجوسی کرتے ہوں ۔اور لوگوں کو بھی کنجوسی کی ترغیب دیں، اور اللہ نے جو کچھ اُن کو اپنے فضل و کرم سے دیا ہے اُسے چھپاتے ہوں، تو ہم نے ناشکروں کے لیے ذلیل کرنے والی سزا تیار کر رکھی ہے۔(۳۸)

تفسیر

بخیل و شحیح کی تعریف

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''بخیل وہ ہوتا ہے کہ جو کچھ اُس کے پاس ہو، اُس کے دینے میں کنجوسی کرے۔ اور شحیح وہ شخص ہے کہ جو اُس کے اندر بخل کرے کہ جو دوسرے کے پاس ہے۔ (یعنی دوسروں کو خیرات وصدقات سے روکے) اور اُس سے بھی بخل کرے جو اُسکے پاس ہے اور جو کچھ لوگوں کے پاس دیکھے تو یہ تمنّا کرے کہ وہ بھی اُسے مل جائے چاہے حلال طریقے سے ملے چاہے حرام طریقے سے۔ اور جو کچھ اللہ نے اُسے دے رکھا ہے، اُس پر قناعت نہ کرے۔'' (تفسیر صافی ص ۱۰۹)

جناب رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

''وہ شخص بخیل نہیں ہے جو اپنے مال سے فرض شدہ زکوٰۃ ادا کر دے۔ اور اپنی قوم کو عطیات دے۔ اور اُسکے علاوہ بھی خرچ کرے۔'' (تفسیر صافی ص ۱۰۹ بحوالہ من لایحضرہُ الفقیہ)

اللہ کے فضل و کرم کو چھپانے کا مطلب یہ ہے کہ:

آدمی اس طرح رہے (زندگی گذارے) کہ گویا اللہ نے اُس پر فضل نہیں کیا۔ مثلاً کسی کو اللہ نے دولت دی ہو اور وہ اپنی حیثیت سے گر کر (فقیروں اور غریبوں کی طرح) رہے۔ نہ اپنی ذات، نہ اولاد، نہ بندگانِ خدا پر مال خرچ کرے اور نہ کسی نیک کام میں حصہّ لے۔ یہ بات دراصل خدا کی سخت ناشکری ہے۔

جناب رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ جب کسی بندے کو نعمت دیتا ہے تو وہ پسند کرتا ہے کہ اُس نعمت کا اثر بندے پر ظاہر ہو۔'' یعنی اُسکے طرز زندگی میں اُس نعمت کا اظہار ہوتا رہے۔ (اور نعمتوں کو خدا کی

مرضی کے مطابق خرچ کیا جاتا رہے)۔(تفہیم)

آیت نمبر ۳۸۔۳۹

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾

ترجمہ

اور وہ لوگ بھی (اللہ کو ناپسند ہیں) جو اپنے مال کو صرف لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں ① ۔ وہ لوگ درحقیقت نہ تو اللہ ہی پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی آخرت پر۔ غرض جس کا شیطان ساتھی ہو جائے تو وہ اُس کا بہت ہی بُرا ساتھی ہے۔(۳۸)

آخر اُن کا کیا نقصان تھا اگر وہ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لے آتے اور جو کچھ اُنکو اللہ نے دیا تھا اُس میں سے کچھ خیرات کرتے ۔۲ مگر اللہ تو اُن سے خوب واقف ہے(۳۹)

تفسیر

دکھاوے کی خیرات کی مذمّت

1 ۔ ۔اس سے پہلی آیت میں اُن لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو بخل سے کام لیتے ہیں اور خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ۔ اور اب اُن کی مذمّت ہو رہی ہے جو خرچ تو کرتے ہیں، مگر لوگوں کو دکھانے کے لیے ۔ ایسی خیرات کا کوئی حاصل نہیں۔ (تفسیر مجمع البیان)

ایمان نہ لانے والوں سے خدا سوال کرتا ہے؟

۲۔ یہ استفہامِ انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا کرے تو اُن کا کوئی نقصان نہ تھا، بلکہ نقصان تو اِس کے خلاف کرنے سے ہے۔ (جلالین)

انسان اپنے افعال میں فاعلِ مختار ہے، اگر وہ مجبور ہوتا تو اسطرح کی مذّمت اور سرزنش بے معنی ہوتی۔ (ملخص از تفسیر تبیان)

آیت نمبر ۴۰

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾

ترجمہ

حقیقت یہ ہے کہ خدا کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم یا زیادتی نہیں کرتا۔ اگر کوئی ایک نیکی ہو تو خدا اُسے کئی گُنا بڑھا چڑھا دیتا ہے اور پھر خود اپنی جانب سے بھی بہت ہی بڑا اَجر عطا فرماتا ہے۔ (۴۰)

تفسیر

خدا ظلم نہیں کرتا بلکہ نیکی کا اجر کئی گنا دیتا ہے۔

خدا نے نیکیوں (حسنات) کے بارے میں تو عام اعلان فرما دیا کہ اُن کی جزا اصل عمل سے بہت زیادہ عطا کی جائے گی۔ لیکن بُرائیوں کی سزا صرف بُرائی کی حد تک۔ صرف اتنی کہ احساسِ سزا بالکل ختم ہی نہ ہو جائے اور خوف کا عنصر باقی رہے، دی جائے گی۔ پھر بار بار شرائط و قیود کے ساتھ کرم اور تفضّل کی کارفرمائی کا اعلان پر اعلان ہوا۔ (فصل الخطاب)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ ''اللہ ظلم نہیں کرتا۔'' اِس کا مطلب یہ نہیں کہ خدا ظلم پر قادر ہی نہیں، کیونکہ عدمِ قدرت کی شکل میں نہ کرنا قابلِ تعریف نہیں ہوتا۔ خدا اپنے کمالِ ذات، علم وحکمت اور استغنا کی بنا پر ظلم سے بری ہے۔ (تفسیر تبیان)

اسلام کا خدا نہ تو کوئی خونخوار دیوتا ہے اور نہ ایسا مجبور ہے کہ اگر کسی پر کرم کرنا چاہے تو اپنی صفتِ عدل کو برقرار رکھنے کے لیے اُسے کسی اور پر ظلم کرنا پڑے۔ (ماجدی)

آیت نمبر ۴۱

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾

ترجمہ

پس اُس وقت کیا ہوگا جب ہم ہر اُمّت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپؐ (محمدؐ مصطفٰے) کو اُن سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔ (۴۱)

تفسیر

یہ آیت اُمّتِ محمدؐ کے حق میں بطورِ خاص نازل ہوئی ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کہ ''یہ آیت اُمّتِ محمدؐ کے حق میں خاص طور پر نازل ہوئی ہے۔ یعنی ہر قرن میں اُن میں سے ایک امام ہوگا جو اُن کے اعمال و افعال کی شہادت دے گا۔ اور جناب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم پر گواہ ہونگے'' (تفسیر صافی ص ۱۱۰ بحوالہ کافی)

غرض ہر اُمّت کا گواہ اُن کا پیغمبر ہوگا۔ (جلالین)

اور اُن گواہوں کے گواہ ہمارے رسولؐ اس سے ہمارے پیغمبرؐ کی فضیلت تمام انبیاؑ کے مقابلے میں نمایاں ہوتی

ہے کہ آپؐ کو اُن انبیاؑء سے وہی نسبت ہے جو اُن انبیاؑ کو اپنی امّتوں سے اِسی طرح رسولِ خداؐ کے بعد ہر دور کا امامؑ اپنے عہد کے لوگوں پر گواہ ہے۔ اور اُن کی گواہیوں کے گواہ بھی جناب رسولِ خداؐ ہیں۔ (تفسیر علی بن ابراہیم، فصل الخطاب)

یعنی ہر دور کا پیغمبرؑ اپنے دور کے لوگوں پر اللہ کی عدالت میں گواہی دے گا کہ زندگی کا وہ سیدھا سادہ راستہ اور فکر و عمل کا وہ صحیح ترین طریقہ جس کی تعلیم آپ نے مجھے دی تھی، میں نے اُسے لوگوں تک پہنچا دیا تھا۔ پھر جناب رسولِ خداؐ یہی گواہی (اُن رسولوںؑ پر بھی) اور اپنے دور کے لوگوں پر بھی دیں گے۔ اور قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کا دور قیامت تک ہے۔ (تفہیم)

آیت نمبر ۴۲۔۴۳

یَوْمَئِذٍ یَّوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰی بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا یَکْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِیْثًا ۴۲

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰۤی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِکُمْ وَاَیْدِیْکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۴۳

ترجمہ

اُس دن وہ لوگ جنھوں نے اِس کا اِنکار کیا تھا، اور پیغمبرؐ کی بات نہ مانی تھی وہ تمنّا کریں گے کہ

کاش وہ زمین کے برابر کر دیے جائیں۔ (مگر اب) وہ اللہ سے کوئی بات بھی نہ چھپا سکیں گے۔(۴۲)

اے ایمان والو! تم نشے کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ (نماز اُس وقت پڑھو) جب کہ تم یہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو (بے خبری یا نیند کے عالم میں نماز نہ پرھو①) اور نہ جنابت کی حالت میں جب تک کہ غسل نہ کرلو۔ سوا اس کے کہ تم سفر میں ہو یا (مسجد سے) گذر رہے ہو۔ اور اگر تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی پاخانے سے ہو کر آیا ہو۔ یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو، اور پانی بھی نہ ملے تو پاک مٹّی سے تیمّم کرلو (اور وہ اس طرح کہ) بس تم مسح کرلو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کا۔ بیشک اللہ نرمی سے کام لینے والا، بہت بخشنے والا ہے۔(۴۳)

تفسیر

جن حالات میں نماز نہ پرھی جائے، اور تیمّم کا بیان

1۔ حضرت امام محمّد باقر علیہ السلام سے روایت ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ ''اِس سے مراد یہ بھی ہے کہ نماز میں سُستی، اونگھ کے ساتھ بوجھل نہ کھڑے ہو کیونکہ یہ نفاق کے قریب ہونا ہے، اور اِس آیت میں اسی بات سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے ''سُکٰرٰی'' سے مراد نیند (بھی) ہے (کافی۔ علل الشرائع، تفسیر عیاشی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ''جب تم پر ایسی نیند طاری ہو کہ جو کچھ تم اپنے رکوع و سجود اور تکبیروں میں کہو، اُسے سمجھ نہ سکو، تو نماز کے نزدیک نہ جاؤ'' (تفسیر عیاشی)

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت ہے، آپؑ نے فرمایا کہ یہاں ''سُکٰرٰی'' یعنی مست ہونے سے مراد شراب کا نشہ بھی ہے۔ پھر شراب کے حرام ہونے سے یہ آیت منسوخ ہوگئی۔ (تفسیر صافی ص ۱۱۰ بحوالہ تفسیر مجمع البیان)

''سُکٰرٰی'' کے معنی نشہ میں مست ہوجانے کے ہیں۔ اس بات پر اختلاف ہے کہ یہاں ''سُکٰرٰ'' یعنی مست ہونے کے کیا معنی ہیں؟ حضرت ابنِ عباسؓ، مجاہدؒ، ابراہیمؒ، قتادہ نے اِس سے مراد شراب کا نشہ لیا ہے۔ اور اُن کے نزدیک شراب کی حُرمت کے حکم نے اِس آیت کو منسوخ کر دیا۔ ضحاکؒ نے کہا کہ ''اس سے مراد نیند کا نشہ ہے۔'' مگر

سفیان نے عطاؑ سے عبدالرّحمن کے واسطے سے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے یہ روایت نقل کی ہے کہ (شراب کے حرام ہونے سے پہلے) ایک انصاری نے کچھ لوگوں کی دعوت کی۔ پھر اُن لوگوں نے شراب پی۔ پھر عبدالرّحمٰن بن عوف نے نمازِ مغرب کی امامت کی تو آیتوں کو غلط پڑھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (احکام القرآن جلد ۲ ص ۲۴۴ بحوالہ لغات القرآن نعمان وندوۃ المصنفین جلد ۳ ص ۲۱۹)

''نماز کے قریب نہ جاؤ'' کی دوسری تفسیر یہ بھی ہے'' حالتِ جنابت میں مسجدوں میں نہ جاؤ۔ لیکن اگر ایک دروازے سے داخل ہو اور دوسرے سے نکل جائے تو اُس کی ممانعت نہیں۔

عورتوں سے لمس کرنا (چھونا) سے مراد مباشرت کرنا ہے۔ یہ قول حضرت علیؑ، ابنِ عباسؓ، ابوموسیٰ اشعری، ابی ابن کعب، سعید ابنِ جبیر اور حسن بصری کا ہے۔ اسی تفسیر کو امام ابوحنیفہ اور امام سفیان ثوری نے اختیار کیا ہے۔ لیکن امام شافعی نے حضرت عمر کا قول اختیار کیا ہے جنھوں نے لمس کے معنی عورت کو ہاتھ سے چھو لینا ہے۔ امام مالک نے شہوت سے عورت کو چھونے پر وضو باطل ہونے کا فتوٰی دیا ہے۔ اور'' تیمّم'' کے معنی ارادہ کرنے کے ہیں۔ یعنی جب پانی ملے تو پاک مٹی کا ارادہ کرو۔ (تفہیم)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ احکامِ قرآن بغیر احادیث کی تشریحات کے سمجھنا ممکن نہیں۔ مثلاً یہ کہ پانی نہ ملنے کے حدود کیا ہیں؟ پانی کی تلاش کتنی دور تک کرنا لازم ہے؟ پانی مل رہا ہے مگر غصبی ہے تو کیا حکم ہے؟ بہت زیادہ قیمت پر پانی مل رہا ہے تو کیا کیا جائے؟ تیمّم میں منھ اور ہاتھوں کی کتنی مقدار پر مسح کیا جائے؟ غرض ثابت ہوا کہ صرف قرآن کافی نہیں اور احادیث کی تشریحات کے بغیر احکامِ قرآن پر عمل کرنا ناممکن ہے۔ (فصل الخطاب)

''صَعِیْدًا طَیِّبًا'' لغت میں زمین کی بالائی سطح کو کہتے ہیں۔ (ہدایہ، قرطبی، ابنِ عربی)

آیت نمبر ۴۴ تا ۴۶

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ

نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

ترجمہ

کیا تم نے اُن کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کے علم کا کچھ حصہ دیا گیا؟ مگر وہ گمراہی کے خریدار بنے ہوئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ گم کر دو۔ (۴۴)

اور اللہ تمھارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ سے بڑھ کر کوئی سرپرست اور اللہ سے بڑھ کر کوئی مددگار ہو ہی نہیں سکتا۔ (۴۵)

یہودیوں میں تو ایسے بھی کچھ لوگ ہیں جو جملوں کو اُن کی اصل جگہ سے ہٹا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''ہم نے سُنا تو مگر مانا نہیں''۔ اور کہتے ہیں'' سنو تمھاری بات نہ سُنی جائے گی'' اور (لفظ) ''راعنا'' کو اپنی زبان میں دوسرے معنی ہیں (دین پر اعتراض کرتے ہوئے) کہتے ہیں۔ مگر وہ یوں کہتے کہ ''ہم نے سُنا اور مانا'' اور ''سُنیے اور ہماری طرف دیکھیے'' تو یہ اُنکے لیے زیادہ بہتر ہوتا، اور زیادہ صحیح ہوتا۔ مگر اللہ نے اُنکے اِسی انکار کی وجہ سے اُن پر لعنت کی ہے۔ اسی لیے وہ بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں۔ (۴۶)

تفسیر

اللہ نے منافقوں کے ظاہر و باطن کی حرکتوں کا حال بیان فرمایا ہے

یاد رہے کہ خدا نے اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ ''یہودی ہیں، بلکہ فرمایا کہ ''یہودی بن گئے ہیں۔ کیونکہ ابتدا میں تو وہ مسلمان تھے، جس طرح ہر نبی کی اُمت اصل میں مسلمان ہوتی ہے۔

بظاہر تو یہ لوگ ایسے ہی تھے جو منافقانہ رویّہ اختیار کیے ہوئے تھے۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کچھ باتیں دل میں کہتے تھے جن کا انکشاف خدا نے یہاں کر دیا اور کچھ باتیں زبان سے کہتے تھے۔ مگر اُن کا مطلب کچھ اور لیتے تھے۔ مثلاً سمعنا'' (یعنی ہم نے سُن لیا) کہتے تھے مگر ساتھ ساتھ دل میں کہتے تھے۔ ''عصینا'' (یعنی ہم نے اَسے نہیں مانا) منہ سے کہتے تھے ''اسمع'' (یعنی ہماری بات سُنیے) مگر ساتھ ساتھ دل میں کہتے تھے کہ ''خدا کرے کہ آپؐ کی بات نہ سُنی جائے'' (تبیان۔ مجمع البیان)

اور خدا کا فرمانا کہ ''الفاظ کو اُن کے مقام سے پھیر دیتے ہیں کے تین مطلب ہیں (۱) خدا کی کتاب کے الفاظ بدل دیتے ہیں۔ (۲) اپنی تاویلوں سے آیتوں کا مفہوم، پیغام اور روح کو بدل دیتے ہیں۔ (۳) رسولِ خداؐ سے جو کچھ سُنتے ہیں اُس کو بدل بدل کر لوگوں کو سناتے ہیں تا کہ رسولؐ کو بدنام کریں اور غلط فہمیاں پھیلائیں۔ (تفہیم)

آیت نمبر ۴۷

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾

ترجمہ

اے اہل کتاب! جو کتاب کہ ہم نے اُتاری ہے اُس کو مان لو۔ (کیونکہ) وہ اُس (پیغام) کی بھی تصدیق کرتی ہے جو تمھارے پاس ہے، قبل اس کے کہ ہم (تمھارے) چہروں کو بگاڑ کر پیٹھ کی طرف پھیر دیں ① ۔ یا اُن پر اُسی طرح اپنی لعنت برسائیں جس طرح ہم نے ہفتہ کے دن (حکم کا نہ ماننے) والوں ② پر لعنت برسائی تھی۔ اللہ کا حکم تو پورا ہو کر ہی رہتا ہے۔ (۴۷)

تفسیر

اہلِ کتاب کو ایمان لانے کی دعوت ورنہ سخت ترین عذاب کی دھمکی

1۔ ''طمس'' کے معنی صورت کو مٹا دینے کے ہیں (تفسیر صافی ص ۱۱۱)۔ مطلب یہ ہے کہ ہم اُن کو پیٹھ کی طرح کا بنا دیں گے۔ یعنی چہرے اور پیٹھ میں کوئی امتیاز باقی نہ رہے گا۔ (شاہ ولی اللہ، جلالین)

2۔ اصحابِ سبت یعنی ہفتہ کے دن والے لوگوں کے لیے قرآن میں دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ ''وہ بندروں کی صورت میں مسخ کر دیے گئے۔ یہ بات کیونکہ رحمتِ خدا سے دور ہونے کے سبب سے ہوتی اس لیے اُس کو لعنت کے لفظ سے یہاں یاد کیا گیا ہے۔ ورنہ لعنت کے معنی مسخ ہونے کے نہیں ہوتے۔ (جلالین)

اِس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ مسخ ہونے کی سزا سے بچنے کے لیے قرآن اور صاحبِ قرآن (رسولِ خداؐ) کی تصدیق کرو۔ (ماجدی)

آیت نمبر ۴۸

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾

ترجمہ

(اور یہ) حقیقت ہے کہ اللہ بس اِس بات کو تو ہرگز معاف نہیں کرتا کہ اُس کے ساتھ کسی اور (خدا) کو شریک کیا① جائے۔ لیکن اس کے سِوا ہر اس بات کو معاف کر دیتا ہے جسے وہ (معاف کرنا) چاہے② (کیونکہ) جس کسی نے بھی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا، اُس نے بہت بڑے گناہ کے ساتھ (بہت بڑا) جھوٹ گھڑا۔ (۴۸)

تفسیر

اللہ کی نظر میں شرک سے بڑا کوئی گناہ نہیں

1۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے پوچھا گیا کہ ''کیا اللہ کی مشیّت میں گناہانِ کبیرہ کی معافی کی بھی کوئی گنجائش ہے؟ فرمایا ''ہاں ہے۔ اللہ اگر چاہے تو اُن پر سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے۔''

2۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا کہ ''میں نے اپنے حبیب رسولِ خداؐ کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ ''اگر کوئی مومن حالتِ ایمان میں فوت ہو جائے، اور اُس پر تمام اہلِ زمین کے گناہوں جتنے گناہ ہوں، تو بھی اس کی موت اُسکے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گی۔'' پھر فرمایا: ''جس نے خلوصِ دل سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہا اور وہ شرک سے پاک رہا، اور وہ دنیا میں اس حالت سے نکلا کہ اُس نے کسی کو اللہ کا شریک نہ مانا ہو، تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' پھر آپؑ نے اِسی آیت کی تلاوت کی اور فرمایا: مِنْ شِیْعَتِكَ وَمُحِبِّیْكَ ''یعنی یا علیؑ وہ تیری پیروی کرنے والے اور تجھ سے محبت کرنے والے ہوں گے۔ ہاں، اور قسم ہے پروردگارِ عالم کی کہ وہ تیری پیروی کرنے والوں (شیعوں) میں سے ہوں گے۔'' (تفسیر صافی ص ۱۱۱ بحوالہ مَن لایحضرہُ الفقیہ)

اس بات سے اہلِ ایمان کے خواہ کتنے ہی گناہگار ہوں معافی کی اُمید پیدا ہو گئی مگر اِس کو خدا کی مشیت کے ساتھ وابستہ اور مشروط کر کے خوف اور اُمید کے دونوں پلّے برابر کر دیے گئے۔ یہ معافی صرف خدا کے عفو و کرم کے نتیجے میں ہوگی، چاہے بندۂ مومن نے آخرِ وقت تک توبہ نہ کی ہو۔ کیونکہ توبہ سے تو شرک بھی معاف ہو جاتا ہے۔ یہاں شرک سے مراد ایسا شرک ہے جس کی توبہ نہ کی گئی ہو۔ (تبیان اور مجمع البیان)

خلاصۂ کلام یہ ہے

شرک تو آسمانی حکومت سے صریحی بغاوت ہے بس اس کو چھوڑ کر باقی تمام گناہوں سے معافی مل سکتی ہے۔ بشرطیکہ خدا چاہے۔ اس آیت میں خوارج کے اُس دعوے کی رد ہے کہ ''ہر گناہ کی سزا عذاب اَبدی ہے۔'' (ابنِ جریر، مدارک، تفسیر کبیر)

ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ ''علماء یہود شریعت کے چھوٹے چھوٹے فروعی احکام کا تو بڑا اہتمام کرتے تھے، اپنا سارا وقت اُن کے جزئیات کی ناپ تول میں گذارتے تھے۔ اور نئے نئے عجیب عجیب مسئلوں کے اندر مسئلے نکالتے تھے، مگر شرک جیسا بڑا جُرم اُن کی نگاہ میں بالکل معمولی تھا۔ نہ تو خود کو اور نہ اپنی قوم کو مشرکانہ خیالات سے بچانے کی کوشش کرتے تھے۔ حتّٰی کہ مشرکین سے دوستی کرتے تھے اور ان کو مسلمانوں پر ترجیح دیتے تھے۔ اِس لیے بتایا گیا ہے کہ شرک جسے تم معمولی چیز سمجھتے ہو، وہی سب سے بڑا ناقابلِ معافی جُرم ہے۔'' آیت کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی بس شرک تو نہ کرے، باقی سارے گناہ دل کھول کر کیا کرے۔'' (تفہیم)

آیت نمبر ۴۹

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾

ترجمہ

کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی پاکبازی کی خود تعریفیں کرتے ہیں۔ حالانکہ خدا جس کو چاہتا ہے پاکیزگی کی توفیق عطا فرماتا۔ (یا) تعریف فرماتا ہے، اور اُن پر دھاگے (یا بال) برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔ (۴۹)

تفسیر

قابلِ تعریف بس وہی ہے جس کی ستائش اللہ کرے

مطلب یہ ہے کہ اُن کے اپنے آپ میاں مٹھو بن کر اپنی تعریف کرنے سے کیا حاصل؟ تعریف تو وہ ہے جو اللہ کرے۔ اب یہ تعریف قرآن یا حدیث کی زبان سے بھی ہوسکتی ہے اور اللہ اس طرح بھی تعریف کرواسکتا ہے کہ لوگوں سے تعریف کروائے۔ اور یہ تعریف خود اُن کے حُسنِ کردار کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس لیے خدا نے ارشاد فرمایا کہ ''اُن پر ذرا بھی ظلم نہیں ہوگا۔'' یعنی جو تعریف کا مستحق ہوگا، خدا اُس کی تعریف کرتا بھی ہے، اور دوسروں سے کرواتا بھی ہے۔ دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ خدا کا یہ کام بھی ہے کہ نفس کو پاک بناتا ہے۔ (فصل الخطاب)

اہم سوال یہ ہے کہ وہ پاکیزگی کردار کس نیت سے اختیار کیے ہوئے ہیں، یہ بات خدا کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ لہٰذا پاکیزگی وہ ہے جس کی تعریف خدا فرمائے۔ خدا نے اہل بیت رسولِ خداؐ کی پاکیزگی کی ایسی تعریف فرمائی ہے کہ نہ اوّلین میں کسی کی ایسی تعریف کی گئی اور نہ آخرین میں ارشاد فرمایا: ''یقیناً اللہ نے یہ طے کرلیا ہے کہ تم اہلِ بیتؑ (رسولؐ) کو ہر قسم کی نجاست سے دور رکھے اور تمھیں ایسا پاک رکھے کہ جو حق ہے پاک رکھنے کا۔ جو شخص پاکیزگی اختیار کرنے کی سعی کرتا ہے خدا اس کی مدد اپنی توفیقات کے ذریعے سے فرماتا ہے مگر یہ عمل خود انسان کی اپنی کوششوں ہی سے شروع ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۵۰۔۵۱

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۵۰ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝۵۱

ترجمہ

دیکھو تو سہی کہ یہ لوگ اللہ پر کس طرح جھوٹی باتیں گھڑ گھڑ تہمت لگاتے ہیں۔ بھلا اس سے بڑھ کر کھُلا ہوا گناہ کیا ہوگا۔① (۵۰)

کیا تم نے اُن کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کے علم میں سے کچھ حصّہ دیا گیا ہے مگر اُن کا حال یہ ہے کہ وہ ''جِبْت'' اور ''طاغوت'' کو مانتے ہیں اور کافروں کے لیے کہتے ہیں کہ ایمان والوں سے زیادہ تو یہی سیدھے راستے پر ہیں۔② (۵۱)

تفسیر

یہودی اللہ پر بھی بہتان لگاتے تھے

1۔ اُن کی خودستائیوں میں یہ بات بھی تھی کہ وہ اللہ کی طرف غلط باتوں کو منسوب کرتے تھے۔ مثلاً یہ کہ خدا ہمارا باپ ہے۔ وہ ہم سے محبت کرتا ہے۔ ہم کو ضرور جنّت میں بھیجے گا۔ یہ سب خدا پر جھوٹی تہمتیں تھیں جو وہ لگا رہے تھے۔ (تفسیر تبیان)

اوّل تو جھوٹ بولنا ہی برا گناہ ہے اور وہ بھی تہمت لگانا اور پھر خدا پر۔ اس سے بڑا کونسا گناہ ہوسکتا ہے۔

یہودیوں کی نظر میں کافر مومنوں سے بہتر تھے۔

2۔ کتنی عجیب بات ہے کہ یہودی اور نصارٰی جو خدا کو، رسولؑ کو، اور قیامت کو مانتے ہیں بُت پرستی کے خلاف ہیں، وہ مسلمانوں کا ساتھ دینے کے بجائے مشرکوں کا ساتھ دیتے تھے اور کہتے تھے۔ ''یہ اہل ایمان سے زیادہ ٹھیک راستے پر ہیں'' (فصلا الخطاب)

''جِبْتِ'' اُس چیز کو کہتے ہیں کہ جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ (اقرب)

''جِبْتِ'' کا اطلاق اللہ کے سوا ہر معبود پر ہوتا ہے۔ (راغب)

جِبت اور طاغوت کے معنی معبودانِ باطل۔ (فتح الرحمٰن)

''جادو اور بُت'' (شاہ رفیع الدّین) قریش کے بُت (جلالین، مجمع البیان)

''شیطان اور بُت'' (مولوی فرمان علی)

آیت نمبر ۵۲۔۵۳

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾

ترجمہ

یہی وہ ہیں کہ جن پر اللہ نے لعنت کی ہے، اور جس پر اللہ لعنت کر دے تو پھر اُس کا تم کوئی بھی مددگار ہرگز نہ پاؤ گے کیا حکومت ① میں اُن کا کوئی حصّہ ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ دوسروں کو ایک دھیلا بھی نہ دیتے۔(۵۳)

تفسیر

آیت نمبر ۵۳:

1۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ آیت کے الفاظ ''کیا اُن کے لیے سلطنت میں کچھ حصہ ہے''۔ سے مراد امامت اور خلافت ہے۔(کافی)

مطلب یہ ہے کہ سلطنت اور اقتدار کسی کا موروثی حصہ نہیں ہے کہ یہ دوسروں تک اُسکے پہنچے کے روادار نہ ہوں۔(مجمع البیان)

2۔ نَقِيْرًا '' کے معنی ذرّہ بھر، تِل بھر، کھجور کی گٹھلی کے درمیان جو شگاف ہوتا ہے۔(تفسیر صافی۔ ۱۱۲)(منتخب اللّغات ص ۴۷۳، بیان اللسان ص ۸۰۹، لغات القرآن یا ریاض القرآن ص ۱۴۱ وقرطبی)

آیت نمبر ۵۴

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَیْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِیْمًا ﴿۵۴﴾

ترجمہ

پھر کیا وہ اُن لوگوں سے اس لیے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے اُنھیں اپنے فضل و کرم سے عطا فرمایا ہے ① ۔تو ہم نے تو ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا کی ہے اور اُن کو ''ملک عظیم'' یعنی بہت بڑی سلطنت بخش دی ہے ۔② (۵۴)

تفسیر

حسد، فضلِ خدا، کتاب، حکمت اور ملکِ عظیم سے مراد؟:

1 ۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''وہ محسود یعنی جن سے حسد کیا جاتا ہے ہم ائمہ اہلِ بیتؑ ہیں۔جن کے بارے میں خدا نے ارشاد فرمایا کہ ''ہم نے اُن کو اپنا فضل عطا کیا'' یعنی درجہ امامت۔'' (تفسیر صافی ص ۱۱۲، کافی و تفسیر عیاشی)

2 ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''اِس آیت میں الکتاب'' سے مراد ''نبوت'' ہے۔''اَلْحِكْمَةَ'' سے مراد فہم'' اور فیصلے کرنے کی صلاحیت'' ہے۔اور ''مُّلْكًا عَظِیْمًا'' سے مراد ہماری اطاعت ہے جو واجب کی گئی ہے۔'' (کافی و تفسیر قمی)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ نے اُن میں رسولؑ، انبیاؑ اور امامؑ بنائے۔پھر وہ کس طرح آلِ ابراہیمؑ میں تو اس کا اقرار کرتے ہیں۔لیکن آلِ محمدؐ میں اس کا انکار کرتے ہیں۔''

نیز فرمایا ''ملک عظیم'' سے مراد یہ ہے کہ اُن میں امامؑ بنائے ایسے کہ جس نے اُنکی اطاعت کی اُس نے دراصل خدا کی اطاعت کی۔ اور جس نے اُنکی نافرمانی کی اُس نے خدا کی نافرمانی کی پس یہی ''ملک عظیم'' ہے کہ خدا نے اُن میں امامؑ بنائے جس نے اُن کی اطاعت کی، اس نے خدا کی اطاعت کی۔'' (کافی وتفسیر عیاشی)

غرض یہ لوگ رشک وحسد کی وجہ سے دوسرے پر اللہ کے فضل وکرم کی بارش نہیں دیکھ سکتے تھے۔ مگر اُن کے جلنے سے اللہ کی نعمت کا دروازہ کسی پر بند نہیں ہوگا۔ اب یہ خوب جلیں کہ ہم اس بات کا قطعی اعلان کر رہے ہیں۔ کہ ہم نے اولادِ ابراہیمؑ کو جس کے مصداق محمدؐ وآلِ محمدؐ ہیں، اپنی طرف سے کتاب اور حکمت عطا کی ہے اور اُنھیں عالمگیر حکومت کے منصب پر بھی فائز کر دیا ہے،

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''محمدؐ وآلِ محمدؐ کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے اور اُن کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔'' (تفسیر تبیان)

اب یہ حکومت اور فضیلت کسی کے جلنے سے ختم نہ ہوگی۔ اور یہ وہ حکومت ہے جو تاج وتخت سے وابستہ نہیں۔ ہاں تاج وتخت بھی اس کا حق ہے۔ اب اگر کوئی تاج وتخت ان سے چھین لے گا تو وہ غاصب ہوگا۔ مگر اُن کی حکومت بہرحال قائم رہے گی۔ (فصل الخطاب الخطاب)

آیت نمبر ۵۵۔۵۶

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَ كَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾

ترجمہ

مگر اُن میں سے کوئی تو اِس پر ایمان لایا اور کوئی اس سے منھ موڑ گیا۔ تو جہنم کی بھڑکتی آگ کافی

ہے ① جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو ماننے سے انکار کر دیا ہے اُنکو تو ہم یقیناً بہت جلد آگ میں جھونکیں گے جب اُن کی کھالیں گل سڑ جائیں گی، تو ہم اُس کی جگہ دوسری کھالیں پیدا کر دیں گے ② تا کہ وہ سزا کا مزہ چکھتے رہیں۔ یقیناً اللہ غالب قدرت والا، گہری مصلحتوں کے مطابق کام کرنے والا ہے۔۔ (۵۶)

تفسیر

ملکِ عظیم والوں کی نافرمانی کی سزا

1۔ مطلب یہ ہے کہ خدا نے جسے ملکِ عظیم عطا فرمایا ہے یعنی اُسکی اطاعت کا حکم دیا ہے، تو جو شخص اُنکے اقتدار کو نہیں مانتا، وہ خود اپنی آخرت برباد کر دیتا ہے۔ وہ خدا کا گناہگار اور باغی قرار پا کر واصل جہنّم ہو جاتا ہے۔ اور اُس کے لیے دوزخ کی آگ سے بڑھ کر کونسی سزا ہوگی۔

2۔ یاروں نے اعتراض کیا کہ گناہ تو پہلی کھال نے کیا تھا، دوسری اور تیسری کھال کو کس بات کی سزا دی جا رہی ہے؟ مگر حقیقت یہ ہے کہ گناہ آدمی نے کیے تھے، اُسی آدمی کو سزا دی جا رہی ہے اور اُسی آدمی کو تکلیف پر تکلیف پہنچانے کے لیے ایک کھال کے جلنے کے بعد دوسری کھال پیدا کیجا رہی ہے۔ غرض سزا کھال کو نہیں آدمی کو تکلیف پر تکلیف پہنچانے کے لیے ایک کھال کے جلنے کے بعد دوسری کھال پیدا کیجا رہی ہے۔ غرض سزا کھال کو نہیں آدمی کو دی جا رہی ہے۔ (فصل الخطاب) (تبیان)

آیت نمبر ۵۷۔۵۸

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝۵۷

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝۵۸

ترجمہ

اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو مان لیا اور نیک کام کیے اُن کو تو ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اُن کو وہاں پاک و پاکیزہ بیویاں بھی ملیں گی، اور اُنھیں تو ہم گھنی چھاؤں میں رکھیں گے۔ (۵۷)

بلاشُبہ اللہ تم کو حکم دیتا ہے امانتیں اُن کے حقداروں کو ادا کرو ① ۔ اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو۔ یقیناً اللہ تم کو بہت ہی اچھّی ہدایتیں دیتا ہے۔ اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ اللہ خوب سُننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔ (۵۸)

تفسیر

امانتوں کو ادا کرنے اور صحیح فیصلے کرنے کا حکم

1۔ امانتوں میں وہ مال جو حفاظت کے لیے کسی کے پاس رکھا جائے، قرضے اور وہ ذمے داریاں بھی شامل ہیں جو کسی معاہدے کی وجہ سے یا خدا کے حکم کی وجہ سے ہمارے اوپر عائد ہوتی ہیں۔ خدا کے احکامات اور فرائض کو ادا کرنا بھی امانتوں کو ادا کرنا ہے۔ کیونکہ ہمارے پاس جو اختیارات ہیں اور نعمتیں ہیں وہ سب خدا کی دی ہوئی امانتیں ہیں۔ یہاں تک کہ ہماری جان، مال، عزّت، آبرو بھی اُسکی امانتیں ہیں۔ (مجمع البیان)

جان دی ، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(غالبؔ)

غرض امانتوں کے اندر تمام حقوق آ گئے جن کی ادائیگی واجب ہے۔ اور "اَھْلِھَا" سے مراد وہ تمام لوگ ہیں، خواہ کوئی بھی ہوں، جن کے وہ حقوق ہیں یا جن کے متعلق وہ فرائض عائد کیے گئے ہیں۔ (ابن کثیر بقول ابنِ عباسؓ اور محمد ابنِ حنفیہ، قرطبی و تفسیر کبیر)

یہودیوں کی بنیادی غلطیوں میں سے ایک غلطی یہ تھی کہ جو اُن کے زوال کا سبب بنی کہ وہ امانتیں یعنی اپنی ذمّے داریوں کے منصب (Position of trust) ایسے لوگوں کو دیتے جو نااہل کم ظرف، بداخلاق، بے ایمان اور بدکار لوگ تھے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کو دیکھ کر ساری قوم خراب ہوتی چلی گئی۔ اس لیے مسلمانوں کو ہدایت کی جارہی ہے کہ تم امانتیں، عہدے، ذمّے داریاں، مال ان لوگوں کے حوالے کرنا جو اس کے اہل ہوں خود غرض نہ ہوں، دیانتدار ہوں۔ انصاف سے کام لینے والے ہوں، خدا سے ڈرنے والے ہوں۔ یہودی علماء کی بددیانتی کی انتہا دیکھیے کہ وہ مسلمانوں پر مشرکوں کو ترجیح دیتے تھے اور اُنھیں ایسا کرنے سے کوئی شرم بھی نہ آتی تھیں (بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن) (تفہیم)

آیت نمبر ۵۹

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝۵۹

ترجمہ

اے ایمان لانے والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور "صاحبانِ امر" کی جو تم میں حکم دینے کے اہل ہیں۔ پس اگر تم میں کسی بات پر جھگڑا ہو جائے تو اُسے اللہ اور رسولؐ کی طرف پلٹاؤ اگر تم واقعی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی (طریقہ) اچھا ہے اور

انجام کے لحاظ سے بہترین ہے۔(۵۹)

تفسیر

اُولی الامر کون ہیں؟

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ ''اس آیت میں ''اُولی الامر'' سے خاص طور پر ہم (ائمہؑ) مراد لیے گئے ہیں۔ اور تمام مومنین کو قیامت تک کے لیے ہماری اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔'' (تفسیر کافی ص ۱۱۲ بحوالہ کافی وتفسیر عیاشی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے پوچھا گیا کہ اوصیاء کون ہیں جن کی اطاعت فرض ہے؟ فرمایا: ''وہی ہیں جن کے بارے میں خدا نے یہ آیت نازل فرمائی'' پھر امامؑ نے اِسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ (کافی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا:

''یہ آیت علیؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔'' امامؑ سے پوچھا گیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ اللہ نے قرآن میں حضرت علیؑ اور اہل بیتؑ کا نام نہیں لیا۔؟ امامؑ نے فرمایا: ''اُن سے کہدو کہ ''نماز کا حکم نازل ہوا لیکن اللہ نے تین رکعتوں یا چار رکعتوں کا نام نہیں لیا۔ یہاں تک کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے اس کی تفسیر فرمائی۔ اسی طرح زکواۃ کی ادائیگی کا حکم آیا۔ لیکن یہ نہ بتایا کہ چالیس درہموں میں سے ایک درہم دینا ہے۔ پھر رسول خداؐ نے اس کی تفسیر فرمائی۔ اسی طرح حج کا حکم نازل ہوا مگر یہ نہ بتایا کہ طواف سات مرتبہ کرنا، یہانتک کہ جناب رسولِ خداؐ نے اُسکی تفسیر فرمائی۔ اسی طرح آیت میں ''اولی الامر'' کا لفظ آیا۔ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ یہ لفظ حضرت علیؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ پھر جناب رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ'' یعنی جس کا میں حاکم ہوں، علیؑ بھی اُس کا حاکم ہے۔''

نیز جنابِ رسولِ خداؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''میں تم سب کو خدا کی کتاب اور اپنے اہلِ بیتؑ کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔ میں نے خدا سے دخواست کی تھی کہ اِن دونوں میں جدائی نہ ڈالیو یہاں تک کہ یہ میرے پاس حوضِ کوثر پر پہنچ جائیں۔ جس پر اللہ نے میری یہ دعا قبول فرمائی۔''

نیز آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: ''لوگو! تم میرے اہلِ بیتؑ کو تعلیم مت دو، اس لیے کہ وہ تم سے زیادہ عالم ہیں۔''

نیز ارشاد فرمایا: ''میرے اہل بیتؑ تم لوگوں کو ہدایت کے دروازے سے ہرگز ہرگز باہر نہ کریں گے، اور گمراہی کے دروازے میں ہرگز داخل نہ ہونے دیں گے۔'' اگر جناب رسولِ خداؐ خاموش رہتے اور یہ نہ بتاتے کہ اُن کے اہل بیتؑ کون ہیں تو کسی کو حق ہوتا کہ دعوے پیش کرے۔ لیکن خدا نے تو اپنے نبیؐ کی تصدیق کے لیے قرآن میں یہ آیت نازل فرما دی کہا ﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا﴾ اُس وقت علیؑ مرتضیٰ، حسنؑ و حسینؑ اور فاطمہؑ زہرا، حضرت اُمِّ سلمہؓ کے گھر موجود تھے۔ جناب رسولِ خداؐ نے اِن چارون حضرات کو اپنی چادر کے نیچے لے لیا۔ پھر عرض کیا ''اے اللہ! ہر نبیؑ کے کچھ اہلِ بیت عظیم مرتبہ لوگ ہوا کرتے ہیں اور میرے اہل بیتؑ اور بڑے مرتبے والے لوگ یہ ہیں۔'' جناب اُمِّ سلمہؓ نے عرض کی۔ ''یا رسول اللہؐ! کیا میں آپؐ کے اہل بیتؑ میں سے نہیں ہوں؟'' جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''تمھارا انجام بخیر ہوگا۔ لیکن میرے اہل بیتؑ اور بڑے مرتبے والے لوگ بس یہی ہیں۔'' (تفسیر عیاشی)

یاد ہے کہ تفسیر صافی میں اس آیت کی تفسیر میں اس قسم کی بے شمار احادیث و روایات لکھی ہیں۔

''**اولو الامر**'' کے معنیٰ ''حکومت کرنے کا حق رکھنے والے'' کیونکہ غاصب کو صاحبِ مال نہیں کہتے، اس لیے ناجائز طور پر حکومت پر قبضہ کر لینے والے کو اولی الامر نہیں کہہ سکتے۔ دُنیوی حکومتیں اور بادشاہ جو زبردستی دوسروں کی گردنوں پر مسلّط ہو جاتے ہیں ''اولی الامر'' نہیں کہلائے جا سکتے۔ پھر یہ کہ غیر معصوم بھی حقیقی معنی میں اولی الامر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ خدا نے اولی الامر کی اطاعت غیر مشروط رکھی ہے۔ اس لیے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ کوئی ایسا حکم دیں جو خدا اور رسولؐ کے حکم کے خلاف ہو۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ علماءِ دین اولی الامر ہیں۔ اس لیے کہ اُن کے فتوے متضاد ہیں جن پر عمل ممکن ہی نہیں۔ اس لیے عقلاً ماننا پڑے گا کہ اولین اور حقیقی معنی اولی الامر ائمہ معصومینؑ ہی ہیں وہی حکومت کرنے کے مستحق ہیں۔ اسی لیے شیخ الطائفہ نے لکھا: ''کسی کی بلا قید غیر مشروط اطاعت کرنا جائز ہی نہیں ہو سکتی۔ سوا اس کے کہ وہ معصوم ہو اور جس کے بھولنے اور غلطی کرنے کا کوئی امکان نہ ہو۔ اس لیے علماً اور امراً اولی الامر نہیں ہو سکتے۔ صرف وہی لوگ اولی الامر ہو سکتے ہیں جن کی طہارت کی گواہی خدا نے دی ہو۔'' (تبیان۔ مجمع البیان۔ فصل الخطاب)

غرض پیغمبر اکرمؐ کے بعد اُن کی نیابت میں جس دور میں جو امام معصوم ہوگا وہی مرکز اطاعت ہوگا۔ ظالم، جابر، زبردستی کے حکمران کسی طرح اولوالامر نہیں کہلائے جا سکتے۔ امام ابو حنیفہؒ امام احمد ابن حنبلؒ نے اُموی و عبّاسی خلفائے کے خلاف جہاد کیا۔ سبطِ اکبر امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا جہاد بھی حاکمِ وقت ہی کے خلاف تھا۔ حکمرانوں کے مظالم اور بدمعاشیوں سے کون واقف نہیں۔ بھلا ایسے بدمعاشوں کی اطاعت خدا کی طرف سے واجب ہو سکتی ہے؟ یہ اطاعت تو عقلاً بھی ممکن نہیں،

اس لیے کہ ان بادشاہوں کے احکامات اکثر خدا کے حکم کے خلاف ہوتے ہیں۔اسی لیے ڈاکٹر اقبالؔ نے خوب کہا:۔

فتنہ ملّتِ بیضا ٔ ہے امامت اُس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

مرزا غالبؔ نے کہا:

یہ اجتہاد عجب ہے کہ ایک دشمن دیں
علیؑ سے آ کے لڑے اور خطا[1] کہیں اُس کو
یزید کو تو نہ تھا اجتہاد کا پایہ
بُرا نہ مانیے گر ہم بُرا کہیں اس کو

البتہ غیبت امام میں، جب معصوم بظاہر موجود نہ ہو اور ظالم و جابر حکمراں ہوں اور اُن سے جہاد کرنا بھی ممکن نہ ہو، تو مجبوراً اُن کے اُن احکامات کی اطاعت کی جاسکتی ہے جو شریعت کے خلاف نہ ہوں۔ان کے خلاف کارروائی بغیر کسی مرجع تقلید مجتہد کے فتویٰ کے نہ کی جائے'' اسی طرح غیبتِ امام میں وہ علماً جو قرآن اور احادیث معصومینؑ کے عالم ہوں، اُن کے بتائے ہوئے حلال اور حرام کو جانتے ہوں، اپنے امامؑ کے عملاً بھی اطاعت کرنے والے ہوں، اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے نہ ہوں، اُن کی تقلید کی جاسکتی ہے۔اُن سے شرعی مسائل دریافت کیے جاسکتے ہیں۔'' اسی طرح ایسے حاکم عادل سے تعاون بھی کیا جاسکتا ہے جو خدا رسولؐ کی اطاعت کرنے والا ہو''۔'' اس طرح امراض کی شفاؑ کے سلسلے میں ڈاکٹر یا طبیبِ خاذق سے رجُوع کیا جاسکتا ہے لیکن حکّامِ جور کی عدالتوں سے رُجوع کرنا جائز نہیں۔البتہ علوم حاصل کرنے کے لیے اہل اساتذہ سے علم حاصل کیا جاسکتا ہے۔اس میں تو مسلم اور غیر مسلم کی بھی کوئی شرط نہیں۔(بمطابق فتویٰ حضرت خوئی اعلی اللہ مقامہٗ)

خدا و رسولؐ کی اطاعت کے بعد اولی الامر کی اطاعت واجب ہے۔'' اولی الامر'' یعنی حکم دینے کے اہل، اوّلین معنی میں وہ لوگ ہیں جن کو خدا اور رسولؐ نے اُمّت کا امام مقرّر فرمایا۔جیسا کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا:'' میری اُمت میں بارہ ۱۲ امام ہوں گے۔جو سب کے سب قریش سے ہوں گے۔'' (بخاری شریف)

نیز جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ'' میںؐ اور علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کی اولاد نو ۹ امام مطہّر پاک و پاکیزہ اور معصوم ہیں۔'' اسی لیے امام راغب نے اسی آیت کے ذیل میں لکھا کہ'' اولی الامر ائمّہ اہل بیتؑ ہیں۔'' (مودۃ القربیٰ، مفردات امام راغب ص ۲۴، ینابیع المودّۃ ص ۱۱۰، ازجح المطالب)

---

[1] خطا سے مراد خطائے اجتہادی ہے

آیت نمبر ۶۰

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۶۰

ترجمہ

کیا آپؐ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ ہم اُس کتاب پر ایمان لے آئے ہیں جو تمھاری طرف نازل کی گئی ہے، اور اُن کتابوں پر بھی ایمان لے آئے ہیں جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں، مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے مقدمات کا فیصلہ ''طاغوت'' (حاکم جور)① سے کرائیں، حالانکہ اُن کو حکم یہ دیا گیا ہے کہ وہ ''اُس (طاغوت) کا انکار کریں۔ اور شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ اُنھیں (سیدھے راستے سے) بھٹکا کر بہت ہی دور لے جائے۔ (۶۰)

تفسیر

یہاں ''طاغوت'' سے مراد حاکمِ جَور و جبر ہے

1۔ یہاں صریحی طور پر ''طاغوت'' سے مراد ''وہ حاکم ہے جو قانونِ الٰہی کے سوا کسی دوسرے قانون یا اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کرتا ہو'' اور ''وہ نظامِ عدالت بھی مراد ہے جو نہ تو خدا کے اقتدارِ اعلیٰ کا مطیع ہو اور نہ خدا کی کتاب کو آخری سند مانتا ہو۔ ایسی عدالت طاغوتی عدالت ہے۔ اور اس کے پاس اپنے فیصلے لے جانا ایمان کے منافی ہے۔ قرآن کی رُو سے اللہ پر ایمان اور طاغوت (حاکمِ جَور) کا انکار لازم و ملزوم ہیں۔ خدا اور طاغوت

دونوں کے سامنے بیک وقت جُھکنا عین منافقت ہے۔ (تفہیم القرآن، مولانا مودودی)

آیت نمبر ۶۱۔۶۲

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾

ترجمہ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اُس چیز کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل فرمائی ہے اور پیغمبر کی طرف آؤ، تو آپؐ منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپؐ سے بڑی شدّت کے ساتھ کترا کر منہ موڑ لیتے ہیں ①۔ (۶۱)

تو کیا حال ہوگا اُس وقت جب اُن پر اُن کے ہی ہاتھوں سے کیے ہوئے پچھلے کاموں کی وجہ سے کوئی مصیبت آن پڑی گی؟ تو اُس وقت یہ تمھارے پاس خدا کی قسمیں کھاتے ہوئے آئیں گے اور کہیں گے کہ ہم تو صرف بھلائی یا مصالحت چاہتے تھے ②۔ (۶۲)

تفسیر

منافقین آنحضرتؐ کے پاس فیصلے کے لیے جانے سے گریز کرتے تھے

1۔ منافقین اگرچہ اسلام کا دعوٰی زبانی کرتے تھے مگر اپنے مقدّمات رسولؐ کے پاس لانے سے

کتراتے تھے کیونکہ حضورؐ کے ہاں دوٹوک عدل کے مطابق فیصلہ ہوتا تھا۔ اور کسی قسم کی کوئی چال بازی، دباؤ یا رُورعایت وسفارش وغیرہ بے کار ثابت ہوتی تھیں۔

2۔ اس آیت کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ جو منافقین باطل اور ظالم حکومتوں کے پاس اپنے مقدّمات فیصلے کے لیے لے جاتے ہیں، وہ بعد میں اُس کی تاویلیں کریں گے کہ ہم تو بس یہ چاہتے تھے کہ دونوں پارٹیوں میں صلح کرادیں اور ایک دوسرے سے اتّحاد کرادیں۔ (مجمع البیان، تبیان)

آیت نمبر ۶۳۔ ۶۴

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۠ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ﴿٦٣﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿٦٤﴾

ترجمہ

یہی وہ لوگ ہیں کہ خدا جن کے دلوں کی باتوں کو اچھّی طرح سے جانتا ہے لہٰذا آپؐ اُن کی باتوں کا خیال نہ کیجئے۔ بس اُنھیں نصیحت کرتے رہیے۔ اور اُن سے ایسی باتیں کہتے رہیے جو زیادہ سے زیادہ اُن کے دلوں پر اثر کرسکیں۔ (۶۳)

اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ خدا کے حکم سے اُس کی اطاعت کی جائے۔ پھر اگر وہ اپنی جان پر (گناہ کرکے) ظلم کر ہی بیٹھیں، تو آپؐ کے پاس آجاتے اور اللہ سے معافی چاہتے، اور اگر رسولؐ بھی اُن کے لیے معافی کی درخواست کرتے ① ۔ تو وہ یقیناً اللہ کو بڑا توبہ

قبول کرنے والا، ان کی طرف توجہ کرنے والا، رحم کرنے والا پاتے (۶۴)

تفسیر

کسی بزرگ کے وسیلے سے دُعا مانگنا اللہ کو پسند ہے

1۔ فقہا نے اِس آیت سے یہ نتیجہ نکالا کہ کسی بزرگِ دین سے توسّل اختیار کرنا اور اُسکے ذریعے سے خدا سے دُعا مانگنا خود خدا کو پسند ہے۔ اس لیے آیت میں گناہوں کے معاف کرانے کا خدا نے یہ طریقہ بتایا ہے کہ وہ پیغمبرؐ کے پاس آئیں اور خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔ پھر پیغمبرؐ بھی اُن کے لیے خدا سے دعائے مغفرت فرمائیں۔ یاد رہے کہ دعا قبول کرنے والا تو بہرحال خدا ہی ہے۔ وسیلہ اس لیے اختیار کیا جاتا ہے کہ وسیلہ خدا سے دعا کرے تاکہ دعاء کو قبولیت کی منزل تک لیجانے کا باعث ہو۔

نتیجہ:۔ محققین نے نتیجہ نکالا کہ خدا کی طرف سے رسولؐ صرف اس لیے نہیں آتا کہ بس اُس کی رسالت پر ایمان لے آؤ، کلمہ پڑھ لو، اور پھر جس کی چاہو اطاعت کرو، بلکہ رسولؐ کے آنے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ زندگی گذارنے کا جو قانون وہ لیکر آیا ہے، صرف اُسکی پیروی کی جائے اور صرف خدا کے احکامات کو مانا جائے۔ غیر اللہ کو تمام احکامات رد کر دیے جائیں خصوصاً جو خدا کے احکامات کے خلاف ہوں۔ (تفہیم)

آیت نمبر ۶۵

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾

ترجمہ

تو نہیں، قسم آپؐ کے پروردگار کی، کہ وہ لوگ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے، جب تک وہ اپنے

جھگڑوں میں آپؐ کو اپنا فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں ۔ پھر جو کچھ آپؐ فیصلہ کریں اُس سے اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی تک محسوس نہ کریں۔اور اُس کو پوری طرح تسلیم کرلیں۔(۶۵)

تفسیر

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پوری طرح حکم ماننا واجب ہے۔

آیت کا پیغام یہ ہے کہ مسلمان کو پورے پورے طور پر خود کو رسولؐ کے سپرد کر دینا چاہیے اور اُن کی ہر بات مان لینی چاہیے۔ یہی ایمان کی حقیقت اور تقاضا ہے جس کے بغیر کوئی مومن ہو ہی نہیں سکتا۔(شاہ ولی اللہ۔فصل الخطاب)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اِس آیت میں خدا نے حضرت علیؑ کو مخاطب فرمایا ہے اور پھر فرمایا کہ خدا کا پچھلی آیت میں یہ ارشاد فرمانا ''اگر یہ لوگ اُسی وقت جبکہ اُنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔'' سے لیکر جب تک ان جھگڑوں میں جو اُن کے درمیان پڑے ہیں۔'' سے وہ معاہدہ مراد ہے جو اُن منافقوں نے ایک دوسرے کے ساتھ کیا تھا۔ کہ اگر محمدؐ کو خدا نے موت دی تو ہم امر خلافت کو بنی ہاشم میں نہ جانے دیں گے۔ پھر رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا خواہ تم اُن کے قتل کا فیصلہ کر دیتے یا معاف کرنے کا، تو مومن وہ ہیں کہ جو اُس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور تمھیں ایسا مان لیں جو مان لینے کا حق ہے۔''(تفسیر صافی ص ۱۱۳ بحوالہ کافی)

جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:'' تم میں کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اُس کی خواہشِ نفس اُس طریقے کی تابع نہ ہوجائے جسے میں لیکر آیا ہوں۔ (الحدیث (تفہیم)

اس حکم کا لازمی منطقی نتیجہ یہ ہے کہ جب رسولؐ کوئی فیصلہ سنا دیں، کوئی حکم دے دیں تو پھر کسی اجماع، کسی شوریٰ کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی، ان کے حکم کے بعد کسی قسم کی بے چینی اور اضطراب یا شک وشبہ نہ ہونا چاہیے۔(فصل الخطاب)

پوری طرح تسلیم کرنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ انسان میں اس حکم کے بارے میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ یا تذبذب باقی نہ رہے۔ (جلالین۔تبیان)

آیت نمبر ٦٦

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾

ترجمہ

اگر ہم نے اُنھیں کہیں یہ حکم دے دیا ہوتا کہ اپنے آپ کو قتل کر دیا اپنے گھروں سے نکل جاؤ، تو سوائے چند (لوگوں) کے اُن میں سے کوئی بھی اُس پر عمل نہ کرتا۔ حالانکہ اگر یہ وہی کچھ کرتے جس کی اُن کو نصیحت کی جاتی ہے، تو یہ اُن کے لیے کہیں بہتر اور زیادہ ثابت قدمی کا سبب ہوتا۔ (٦٦)

تفسیر

اسلامی شریعت کے احکام بہت سہل ہیں

مقصد یہ ہے کہ اسلامی شریعت کے احکام تو بالکل آسان اور سادے ہیں، پھر بھی یہ لوگ اُن پر عمل نہیں کرتے، اگر کہیں انھیں ایسے سخت احکامات دیے جاتے جیسے بنی اسرائیل کو دیے گئے تھے، تو کیا سوائے چند آدمیوں کے کوئی اُن کی تعمیل کرتا؟!!

اب اس آیت کے بعد بھی یہ سمجھنا کہ رسولؐ کے تمام کے تمام ساتھی کمالِ تسلیم واطاعت پر فائز تھے قرآن سے کوئی مطابقت رکھتا ہے؟ (فصل الخطاب)

مطلب یہ ہے کہ اگر وہ لوگ شک اور تذبذب کا راستہ چھوڑ کر رسولؐ کی اطاعت یکسوئی کے ساتھ اختیار کرلیں تو اُنھیں ایمان میں ثبات کی برکتیں حاصل ہوں گی، بشرطیکہ وہ جان ودل سے اللہ ورسولؐ کے احکام کی اطاعت کرنے لگیں۔ (بیضاوی)

آیت نمبر ۶۷۔۶۸

وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾

وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾

ترجمہ

اور اُس وقت ہم اُنھیں اپنے پاس سے بہت بڑا اجر بھی دیتے ① ۔(۶۷)

اور اُنھیں سیدھے راستے کی ہدایت بھی کرتے (اور منزلِ مقصود تک پہنچنے کی توفیق بھی دے دیتے ② ۔(۶۸)

تفسیر

راہِ راست کی طرف بڑھو گے تو ہدایتِ الٰہی اور توفیق خداوندی بھی حاصل ہوگی

1۔ یعنی اگر یہ لوگ شک و شُبہے کی زندگی کو چھوڑ کر یکسوئی کے ساتھ رسولؐ خدا کی پیروی اور اطاعت پر قائم ہوجاتے اور ڈانوا ڈول نہ ہوتے رہتے تو خود اُنکی اپنی زندگی خیالات، اخلاق، معاملات، تزلزل سے محفوظ ہوکر پائیدار بنیاد پر قائم ہوجاتے۔ پھر اُن کی بے اطمینانی بھی ختم ہوجاتی۔ وہ صراطِ مستقیم پر آجاتے۔ جس کے نتیجے میں اُن کی زندگی بامعنی بن جاتی اور اُن کی کوشش سعی، لاحاصل نہ ہوتیں۔ (تفہیم)

2۔ یعنی، سیدھے راستے پر چلنے بڑھنے، قائم رہنے کی توفیق دیتے۔ معلوم ہوا کہ انسان جب تک اپنے اختیار سے خدا اور رسولؐ کی اطاعت نہیں کرتا، تو خدائی ہدایتیں اُس کے شاملِ حال نہیں ہوتیں۔

آیت نمبر ۶۹

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾

ترجمہ

اور جو بھی اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرے گا وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے اپنا خاص انعام فرمایا (یعنی) انبیاؑ، صدیقین، شہدا اور صالحین۔ اور یہ بہت ہی اچھے ساتھی ہیں۔ (۶۹)

تفسیر

صدیقین، شہدا، اور صالحین کی تعریف و مراد

صدّیق سے مراد وہ شخص ہے جو ہر معاملے میں بالکل سچّا، کھرا اور راستباز ہو۔ جس کے اندر صداقت پسندی اور حق پرستی کمال کے درجے پر ہو۔ جس اپنے ہر معاملے اور ہر برتاؤ میں ہمیشہ سیدھا، سچّا، صاف طریقہ کار اختیار کرے۔ جب بھی ساتھ دے حق، انصاف اور سچائی کا ساتھ دے۔ اور وہ بھی سچّے دل اور سچّی نیّت سے دے۔ ہر باطل اور جھوٹ کے مقابلے میں ڈٹ کر کھڑا ہو جائے۔ اور ذرا سی کمزوری نہ دکھائے۔ جس سے کبھی جھوٹ بے ایمانی، غلط بیانی کا کوئی اندیشہ ہی نہ ہو۔ (تفہیم)

اس تعریف کا پورا پورا اطلاق صرف اور صرف معصومینؑ پر ہی ہوسکتا ہے۔ اسی لیے حضرت علیؑ کو رسولِ خداؐ نے ''صدیقِ اکبر'' فرمایا۔ لیکن مجازی اعتبار سے ہر وہ آدمی اُس حد تک صدیق ہے جس حد تک اُس میں یہ صفات پائے جاتے ہیں۔ جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''انسان سچ بولتا رہتا ہے، سچ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ خدا اُس کو صدیقین میں لکھ لیتا ہے۔'' (الحدیث)

شہید کے اصل معنی گواہ کے ہیں۔اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اپنے ایمان کی صداقت پر اپنی زندگی کے پورے پورے طرزِ عمل سے گواہی دے، یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں جان دے کر ثابت کر دے کہ وہ جس چیز پر ایمان لایا تھا اُسے وقعی سچے دل سے حق سمجھتا تھا۔ (تفہیم)

مطلب یہ ہے کہ اُس کا ہر قول اور اُس کا ہر عمل اُس کے ایمان کی گواہی دے۔اگر وہ واقعاً آلِ محمدؐ سے محبت کرتا ہے تو اُن کی پیروی کی بھی پوری پوری کوشش کرتا ہے۔اور اس طرح آلِ محمدؐ کی محبت کی وجہ سے اُس کا ہر قول اور ہر فعل اُس کے ایمان کی گواہی دے گا۔اسی لیے پیغمبرِ اسلامؐ نے ارشاد فرمایا: ''مَنْ مَّاتَ عَلٰی حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ مَّاتَ شَهِيْدًا'' ''جو آلِ محمدؐ کی محبت پر مرا، وہ شہید مرا''۔ (تفسیر کبیر امام رازی)

''صالح'' وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے خیالات، عقائد، نیت، اعمال، اور ارادوں میں نیکی پر قائم ہو۔یعنی زندگی کے ہر معاملے میں نیک رویہ رکھتا ہو۔ (تفہیم)

اوّلین، صحیح ترین اور حقیقی معنی میں ''صالحین'' معصومین علیہم السلام ہی ہو سکتے ہیں لیکن ثانوی اور مجازی معنی میں ہر وہ شخص صالح ہوگا جو جتنی معصومینؑ کی پیروی کرنے والا ہوگا، جس کی نیکیاں اُس کی برائیوں پر غالب ہوں گی اور اُس کی زندگی کے غالب اعمال نیکی پر مبنی ہوں گے۔

حضرت ابوجعفر امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا ''ہماری مدد بُرائیوں اور گناہوں سے بچ کر کرو۔کیونکہ جو شخص تم میں سے خدا کے سامنے برائیوں سے بچتے ہوئے جائے گا تو اُسے خدا کی طرف سے بڑی وسعت اور بخشش ملے گی۔کیونکہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''پھر جناب رسولِ خداؐ نے یہی آیت پڑھی۔پھر فرمایا ''ہم میں سے نبی ہیں اور ہم میں صدّیق ہیں اور شہدا اور صالحین ہیں۔'' (تفسیر صافی ص ۱۱۴ بحوالہ کافی)

حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مومن دو قسم کے ہیں۔ایک وہ جو خدا پر دل سے ایمان لایا اور اُس نے وہ تمام شرطیں پوری کیں جو اللہ نے مومن کے لیے مقرّر فرمائی ہیں۔پس وہ تو نبیوں، صدّیقوں، شہیدوں اور صالحین کے ساتھ ہوگا۔اور اُن سے بہتر ساتھ کون ہو سکتے ہیں؟ اور یہی وہ مومن ہے جس کو شفاعت کرنے کا حق حاصل ہوگا۔اور کسی کو اُس کی شفاعت نہ کرنی پڑے گی۔اور یہی وہ مومن ہے جسے آخرت کے خوف پیش نہ آئیں گے۔مگر دوسری قسم کا مومن وہ ہے جس کے قدم پھسل پھسل جائیں گے۔اُس کی حالت اُس ڈنٹھل جیسی ہوگی کہ جدھر ہوا نے جھکایا جُھک گیا۔یہ وہ (مومن ہے) جسے دنیا میں بھی خوف پیش آئیں گے اور آخرت میں بھی۔مگر آخرت میں اُس کی شفاعت کی جائے گی۔(تفسیر

صافی ص ۱۱۴ بحوالہ کافی)

اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ معیّت یعنی ساتھ رہنا ہے، نہ یہ کہ یہ شخص بالکل اُسی مرتبے پر فائز ہوجائے گا۔

آیت نمبر ۷۰

ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝۷۰

ترجمہ

یہ ہے (حقیقی) فضل وکرم جو اللہ ہی کی طرف سے ملتا ہے۔ اور اللہ کا علم ایسے لوگوں کو جاننے اور نوازنے کے لیے بہت کافی ہے۔① (۷۰)

تفسیر

وہ لوگ جن پر اللہ کا حقیقی فضل وکرم ہوتا ہے

1۔ وہ لوگ جو خدا سے انعام پاتے ہیں اور جن پر خدا کا حقیقی فضل وکرم ہوتا ہے، وہ نہ تو پیسے والے لوگ ہوتے ہیں اور نہ صاحبانِ حکومت، بلکہ وہ (۱) انبیاء ہوتے ہیں جن کو خدا ہدایت کا سرچشمہ بناتا ہے۔ (۲) یا قول وفعل سے، دل وزبان سے اُنکی تصدیق کرنے والے صداقت پسند لوگ ہوتے ہیں جن کو صدّیقین کہا گیا ہے۔

ابوالائمہ حضرت امام علی بن ابی طالبؑ نے فرمایا: اَنَا صِدِّیْقُ الْاَکْبَر "میں سب سے بڑا صدیق ہوں" نیز حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: "اس اُمت کے بارہ امام (رہنما) ہوں گے جو میری بیٹی فاطمہؑ کی نسل سے ہوں گے"۔ خدا کا انعام پانے والا تیسرا گروہ شہدا کا ہے جو خدا اور رسولؐ کی اطاعت میں جان تک دینے پر تیار ہوتے ہیں۔

اور چوتھا گروہ "صالحین" کا ہے جو اپنی پوری زندگی میں نیک رویہ رکھے اور خدا اور رسولؐ کی اطاعت میں لگا رہے۔ ائمہؑ اہلِ بیتؑ نے فرمایا ہے: "جو ہم سے محبت کریگا ہمارے غم میں غمگین اور ہماری خوشی میں خوش ہوگا، اور عملاً ہماری پیروی کرے گا وہ "فِیْ دَرَجَتِنَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ" قیامت کے دن ہمارے درجے میں ہوگا۔ (تحف العقول۔

بحارالانوار)

خدا و رسولؐ کی اطاعت کرنا ہی انسان کی تکمیل کا راز ہے۔ اس اطاعت کے ذریعے انسان بزرگ ترین طبقات یعنی انبیاً، صدیقین، شہدا اور صالحین کی معیت میں ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی گذارتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ نبی بن جاتا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جنت میں ان عظیم افراد کے ساتھ ساتھ ہوگا۔ اس لیے اس آیت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ نبوت ختم نہیں ہوئی، بالکل غلط ہے۔ اگر خدا اور رسولؐ کی اطاعت سے انسان رسول بن جاتا ہوتا تو آیت میں ''مَعَ'' کا لفظ نہ ہوتا۔ جس کے معنی ہیں۔ ''ساتھ ساتھ'' اور پھر آخر میں خدا کا یہ ارشاد فرمانا کہ ''یہ لوگ بہترین ساتھی ہیں'' صاف صاف بتاتا ہے۔ کہ یہ شخص ان لوگوں میں شامل نہیں ہے، بلکہ ان کے ساتھ ساتھ ہے۔ (فصل الخطاب)

شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا: ''نبی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی طرف سے وحی آئے۔ اور صدیق وہ کہ جو (کچھ) وحی میں آئے، اُس پر گواہی دے۔ اور شہید وہ جن کو پیغمبر کے حکم پر ایسا یقین آیا کہ اُس پر وہ جان دیتے ہیں۔ اور نیک بخت (صالحین) وہ جن کی طبیعت نیکی پر پیدا ہوئی تھی (مگر وہ پورے نیک نہ رہ سکے) لیکن حکم برداری میں گنے جاتے ہیں تو اللہ بھی (اُنھیں) اُن کے ساتھ گنے گا'' (موضح القرآن)

آیت نمبر ۷۱۔ ۷۲

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا ﴿۷۱﴾

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِیْدًا ﴿۷۲﴾

ترجمہ

اے ایمان لانے والو! اپنی حفاظت کا سامان (اسلحہ) پوری طرح تیار رکھو ① ۔ اور پھر الگ الگ (دستوں میں) یا اکٹھے ساتھ ساتھ نکل پڑو۔ (۷۱)

اور بلا شُبہ تم میں کچھ ایسے بھی ہیں جو نکلنے میں دیر کرتے ہیں۔ اور اگر تم پر مصیبت آ پڑے تو کہتے ہو کہ: مجھ پر تو اللہ کا بڑا احسان تھا کہ میں اُن کے ساتھ (جہاد میں) موجود نہ ہوا۔ ② (۷۲)

تفسیر

دفاعی سامان بہرحال ضروری ہے

1۔ ''اس حفاظت کا سامان کرو'' یعنی ہوشیار ہو جاؤ اور دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ (تفسیر صافی ص ۱۱۴)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اسلحہ کو ''حِذْرَ'' یعنی حفاظت کا سامان اس لیے کہا گیا ہے کہ اس سے خوف کھانے والا اپنا بچاؤ کرتا ہے۔'' (تفسیر مجمع البیان)

2۔ مراد وہ منافقین ہیں جو جہاد میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ یا جہاد سے (کسی طرح) بچ نکلتے تھے۔ (بیضاوی)

آیت نمبر ۷۳

وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾

ترجمہ

اور اگر اللہ کی طرف سے تم پر فضل و کرم ہو (یعنی فتح ہو جائے) تو وہ ضرور اس طرح بولے گا کہ

جیسے تمھارے اور اُس کے درمیان کوئی محبت ہی نہ تھی کہ: ''کاش میں اُن کے ساتھ ہوتا تو بہت ہی بڑی کامیابی حاصل کرتا۔'' (۷۳)

تفسیر

منافقین کی دورنگی سیرت کا اظہار

مطلب یہ ہے کہ اگر تم میں اور اِن منافقوں میں سچی محبت ہوتی تو یہ تمھاری کامیابی کو اپنی کامیابی سمجھتے اور خود کو تم سے الگ نہ سمجھتے۔ اب کیونکہ تم مسلمانوں کو کامیابی ہوئی ہے اس لیے اس پر ہاتھ ملتے ہیں کہ کاش ہم بھی مسلمانوں کے ساتھ ہوتے۔ اگر مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہے تو پچھتاتا ہے اور فتح پانے پر حسد کرتا ہے۔ (موضح القرآن)

آیت میں منافقوں کی سیرت کی دورنگی کو بتایا جارہا ہے کہ جب مومنین پر کوئی مصیبت آتی ہے تو منافقین اپنی بے تعلقی کو فخر کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ بڑا اچھا ہوا ہم شریکِ جہاد نہ ہوئے۔ اور جب مسلمانوں کو فتح ہوتی ہے تو رشک کرنے لگتے ہیں کہ کاش ہم کو بھی مالِ غنیمت میں سے حصہ ملتا۔ (ماجدی)

آیت نمبر ۷۴

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾

ترجمہ

پس جولوگ دُنیا کی پست وذلیل زندگی کو آخرت (کی ابدی عمدہ) زندگی کے بدلے بیچنا چاہتے

ہیں، اُنھیں اللہ کی راہ میں جنگ کرنا چاہیے، (کیونکہ) جو بھی اللہ کی راہ میں جنگ کر کے مارا جائے یا فتح پا جائے، تو اُسے ہم بہت ہی بڑا اجر عطا کریں گے ①۔(۷۴)

تفسیر

شہید کا اجر بزبانِ رسول اکرمؐ

1۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرینؑ کے ذریعے سے روایت فرمائی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''ہر نیکی سے بڑھ کر دوسری نیکی ممکن ہے۔ یہاں تک کہ کوئی شخص راہِ خدا میں قتل ہو جائے تو اس سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں۔ شہید کے لیے خدا کی طرف سے سات منزلیں ہیں۔(۱) جب اُس کے خون کا قطرہ زمین پر گرتا ہے تو خدا اُس کے کُل گناہ معاف فرما دیتا ہے۔(۲) جب اُس کا سر زمین پر گرتا ہے تو حورالعین میں سے اُس کی ایک زوجہ کی گود میں گرتا ہے۔ وہ اُس کے چہرے سے غبار صاف کرتی ہے اور مرحبا کہتی ہے۔ اور شہید اُسے مرحبا کہتا ہے۔(۳) جنت کا لباس اُسے پہنایا جاتا ہے۔(۴) خازنین جنت میں سے جن کے ہاتھ جو خوشبو آتی ہے اُسے لیکر اُس کے استقبال کے لیے آتے ہیں۔(۵) وہ اپنی منزل اور ٹھہرنے کی جگہ کو فوراً دیکھ لیتا ہے۔(۶) اُسکی روح سے کہا جاتا ہے کہ جنت میں جس جگہ دل چاہے چلی جا۔(۷) اُسے خدا کی حضوری حاصل ہوتی ہے۔ جو ہر نبی اور ہر شہید کے لیے باعثِ راحت و سکون ہے۔'' (تفسیر صافی ص ۱۱۴، بحوالہ کافی)

جہاد فی سبیل اللہ کا تعلق صرف دین داروں سے ہے غیروں سے نہیں

آیت میں صرف ۲ صورتوں میں اجر بیان کیا گیا ہے۔(۱) جہاد میں شہید ہونے پر (۲) یا دشمن کو بھگا کر فتح کرنے پر۔ دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالنے یا میدان سے بھاگنے پر کوئی اجر نہیں۔ یہ تو حق کو کمزور کر دینا ہے۔

آیت کے دوسرے معنی بھی کہے گئے ہیں۔ یعنی'' وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑیں جو دُنیا کی زندگی کو آخرت کے عوض بیچ چکے ہیں۔ اس صورت میں آیت کا تعلق تمام تر مومنینِ مخلصین سے ہوگا جو اپنی ہر دنیوی نعمت کو خدا کی رضا پر قربان کرنے کو تیار ہیں۔ مفسرین نے دونوں پہلو مراد لیے ہیں (کشاف، معالم، تفسیر کبیر)

آیت میں دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ کی راہ میں لڑنا اور جان دینا، دُنیا طلب لوگوں کا کام نہیں ہوتا، اللہ کی راہ میں جان بس وہی لوگ دے سکتے ہیں جو اللہ کی رضا مندی آخرت کے عظیم اجر ہی کو اصل کامیابی سمجھتے

ہوں۔ گویا جنھیں خدا اور آخرت پر پورا یقین ہو اور دُنیا کو اور دنیا کے مفادات اور زندگی کو خدا کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے قربان کر سکیں۔ دنیادار لوگوں کا یہ راستہ نہیں ہوتا۔ (تفہیم)

آیت نمبر ۷۵

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

ترجمہ

اور آخر تم اللہ کی راہ میں اُن کمزور اور بے بس مرد، عورتوں اور بچوں (کو بچانے) کی خاطر جنگ کیوں نہیں کرتے، جو فریاد کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے کوئی ہمارا حامی، مددگار یا اپنی بارگاہ سے ہمارا (سرپرست و) ناصر بنا دے۔ (۷۵)

تفسیر

مظلوم اور کمزور مسلمانوں کی نصرت کے لیے جہاد

آیت سے از خود واضح ہو گیا کہ جہاد اور قتال کی اجازت مشرکین کی طرف سے ظلم کرنے اور جنگ کے آغاز کرنے کے بعد ملی تھی۔ جیسا کہ خود خدا نے فرمایا ''جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے، اُنھیں اب مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے۔'' اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ ظلم اور جبر میں گھرے ہوئے مسلمانوں کی طرف سے تقاضا تھا کہ

اُنھیں اجازتِ جنگ دی جائے۔ کیونکہ اُن کو پہلے جنگ سے روکا گیا تھا۔

آیت میں ظالم سے مراد مکہ والے ہیں۔ مکے والے تین معنیٰ میں ظالم تھے ایک اس معنی میں کہ وہ کمزور مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہے تھے اور اس طرح خود ہی اپنی جانوں پر بھی ظلم کر رہے تھے۔ اس لیے کہ سخت ترین دائمی عذابِ الٰہی کے مستحق بن رہے تھے۔ تیسرے یہ کہ وہ شرک جیسا ظلم عظیم کر رہے تھے۔ (بحر، تفسیر کبیر، روح المعانی)

آیت نمبر (۷۵) کے الفاظ تک بتا رہے ہیں کہ ظالموں کے ہاتھوں عورتیں اور بچے تک محفوظ نہ تھے۔ ''ولی'' ایسے دوست کو کہتے ہیں جو ہمدرد ہو اور مصیبت میں ساتھ دے اور ''نصیر'' یعنی مددگار ایسے حمایتی کو کہتے ہیں جو مصیبت یا ظلم سے نجات دلا سکے۔ (امام راغب)

آیت نمبر ۷۶

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْۤا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ ۚ اِنَّ كَیْدَ الشَّیْطٰنِ كَانَ ضَعِیْفًا ﴿۷۶﴾

ترجمہ

جن لوگوں نے ایمان کا راستہ اختیار کیا ہے۔ وہی اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ اور جنھوں نے کُفر اختیار کیا ہے وہ ''طاغوت'' (یعنی) شیطانی سرکش حکومت کے لئے لڑتے ہیں پس تم شیطان کے ساتھیوں سے لڑو ① ۔ یقین جانو کہ شیطان کی چالیں بہت کمزور ہوا کرتی ہیں۔ (۷۶)

تفسیر

اسلامی جہاد اور جہانگیری جنگ میں فرق

1۔ یہ اللہ کا دوٹوک فیصلہ ہے کہ اللہ کی راہ میں اس لیے جہاد کرنا کہ زمین پر اللہ کا دین اور قانون چلے، صرف سچے مومن کا کام ہے۔ اور طاغوت کی راہ میں لڑنا جھگڑنا اس لئے کہ خدا کے باغیوں کا راج ہو، یہ کافروں، بے ایمانوں اور دنیا طلب لوگوں کا کام ہے۔

دوسری بات اس آیت سے یہ معلوم ہوئی کہ طاغوتی اور شیطانی قوتیں اور اُسکے ساتھی بڑی تیاری، بڑی دھوم دھام سے اُٹھتے ہیں، زبردست چالیں چلتے ہیں، لیکن اہل ایمان کو اُن کی چالوں سے مرعوب نہ ہونا چاہیے، کیونکہ آخر کار اُن کو ابدی اور حقیقی ناکامی کا منھ دیکھنا ہے، (تفہیم)

اس آیت نے اور اس سے پہلے والی آیت نے اسلامی جہاد اور دُنیا جہان والوں کی جنگوں کا بنیادی فرق بتا دیا۔ یعنی مسلمان ملک گیری اور مالِ غنیمت کے لیے تلوار نہیں اُٹھاتا۔ نہ وہ اپنی قوم کی برتری منوانا چاہتا ہے۔ نہ تجارتی منڈیاں حاصل کرنا چاہتا ہے بلکہ وہ مظلوموں کو ظلم وستم سے چھڑانے کے لیے اور رنگ نسل کی جھوٹی برتری کو مٹانے کے لیے بھی کلمۂ توحید کی سربلندی کے لیے تلوار اُٹھاتا ہے بقول اقبال

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت ، نہ کشور کشائی

طاغوت پرستی کا ترجمہ، نفس پرستی سے کیا جائے تو اُردو میں اس کا مفہوم زیادہ واضح ہو جائے گا۔ نفس پرستی میں قوم پرستی، نسل پرستی، رنگ پرستی، وطن پرستی، توسیع پسندی جیسے بظاہر خوشنما تصورات شامل ہیں۔ پھر جو جنگیں ان گھٹیا مقاصد کے لیے کی جاتی ہیں اُن کا جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ انتہائی شقاوت، سنگدلی، فریب، ظلم وستم اور حرامکاری کی بھیانک مثالیں ملیں گی، جیسے کشمیر اور بوسنیا (Bosnia) اور فلسطین میں آج مسلمانوں کے ساتھ ظلم وستم روا رکھا گیا، اس قسم کی تمام کارروئیاں طاغوتی جنگیں ہیں۔ (ماجدی)

آیت نمبر ۷۷

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝۷۷

ترجمہ

تم نے اُن لوگوں کو بھی دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ تم اپنے ہاتھ (ابھی جنگ سے) روکے رکھو اور نماز پڑھتے رہو۔ اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ پھر جب اُن پر جنگ کرنا فرض کیا گیا تو اُن میں سے ایک گروہ کا تو یہ حال ہے کہ وہ لوگوں سے اس طرح ڈر رہے ہیں کہ جیسے خدا سے ڈرنا چاہیے، بلکہ اُس سے بھی کہیں زیادہ وہ کہہ رہے ہیں کہ: ہائے اللہ! ہم پر لڑائی لڑنا کیوں فرض کر دیا گیا؟ کیوں نہ ہمیں ابھی کچھ اور مہلت دے دی گئی؟ اُن سے کہو کہ یہ دنیا کا ساز و سامان تو بہت ہی تھوڑا ہے اور آخرت تو فرائض الٰہیّہ کو ادا کرنے والوں کے لیے بہت ہی بہتر ہے، اور وہاں تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ (۷۷)

تفسیر

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ آیت میں ''جن سے یہ کہا گیا تھا کہ تم اپنے ہاتھوں کو جنگ سے روکو'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو امام حسن علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ اُن کے لیے یہ حکم تھا کہ اپنے ہاتھ روک لو۔ اور جناب امام حسین علیہ السّلام کے ساتھ جو لوگ تھے اُن پر قتال واجب تھا۔ (تفسیر صافی ص ۱۱۴ بحوالہ کافی)

حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ ''خدا کا ارشاد فرمانا کہ'' اپنے ہاتھوں کو جنگ سے روکو'' یعنی کیا تم اس پر راضی نہیں کہ نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور جنت میں داخل ہو جاؤ۔'' (تفسیر صافی ص ۱۱۴ بحوالہ کافی)

(یاد رہے کہ یہ حکم غیبتِ امامؑ میں اُس وقت کے لیے ہوتا ہے جب حاکمِ جور کی حکومت ہو اور اُس کے خلاف کچھ کرنا ممکن نہ ہو۔)

حضرت ابوجعفر امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ''خدا کی قسم! تم ہی اس آیت کے اہل ہو۔'' (تفسیر صافی ص ۱۱۴، بحوالہ کافی)

غرض اس آیت کے تین مفہوم ہیں اور تینوں درست ہیں۔

(۱) یہ کہ یہ لوگ پہلے تو ظالموں سے جنگ کرنے کے لیے بے تاب تھے۔ بار بار کہتے تھے کہ ہم پر ظلم کیا جا رہا ہے آخر ہم کب تک صبر کریں؟ اُس وقت اُن سے کہا جاتا تھا کہ ابھی صبر کرو نماز اور زکوٰۃ سے اپنے نفس کی اصلاح کر لو۔ تو ان کو ہمارا یہ حکم ناگوار تھا۔ اب جو لڑائی کا حکم دے دیا گیا تو اُن میں کے اکثر لوگ دشمنوں کی تعداد دیکھ دیکھ کر سہمے چلے جا رہے ہیں۔

(۲) دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب تک ان سے نماز و زکوٰۃ رسمی عبادتوں کا مطالبہ تھا جنمیں کوئی خطرہ نہ تھا، تب تک یہ لوگ بڑے ایمان والے عبادت گذار بنتے تھے۔ مگر اب جو حق کی خاطر جان دینے کا حکم آیا تو اُن پر لرزہ طاری ہے۔

(۳) تیسرا مفہوم یہ ہے کہ جاہلیت کے دور میں جب لوٹ کھسوٹ اور نفسانی لڑائیوں کے موقعوں پر تو اِن کی تلوار ہر وقت نیام سے نکلی رہتی تھی۔ اُس وقت جب اُن سے تلوار روکنے اور نماز و زکوٰۃ سے اپنے نفس کی اصلاح کرنے کا حکم دیا گیا تو وہ اُن کو ناگوار تھا۔ اب جو خدا کی راہ میں حق کی سربلندی کے لیے انھیں تلوار اُٹھانے کا حکم دیا گیا تو جو نفس کی خاطر لڑنے میں بڑے شیر دل تھے وہی خدا کی خاطر لڑنے میں سخت بُزدل بنے ہوئے ہیں۔ وہ دست

شمشیر زن جو پہلے نفس اور شیطان کی راہ میں بڑی تیزی دکھاتا تھا، اب خدا کی راہ میں شل ہوا جاتا ہے۔ (تفہیم)

اس آیت کے بعد بھی اگر کوئی یہ سمجھے کہ ہر مسلمان جس نے رسولؐ کو دیکھا ہے صحابی کہلانے کا مستحق ہے اور وہ اس قابل ہے کہ اُس کی پیروی کی جائے، عقل دشمنی کے مترادف ہے۔

خدا کا یہ فرمانا کہ ''کیا تم نے نہیں دیکھا'' کا مطلب یہ ہے کہ خدا کسی منزل پر ہماری آنکھوں کو بند رکھنا پسند نہیں کرتا، وہ یہی چاہتا ہے کہ ہم دیکھیں، پرکھیں، پوری پوری طرح جانچ پڑتال کے بعد کسی کو اپنا رہنما و رہبر بنائیں، آنکھ بند کر کے کسی کے پیچھے پیچھے چل کھڑے ہونا اور اُس کو تقدس مآب مان لینا خدا کو پسند نہیں۔ (فصل الخطاب)

خدا کا یہ فرمانا کہ ''اور تم پر دھاگے کے برابر (یعنی فَتِیْلاً) بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔''

تو عربی میں فَتِیْلًا یا نصیرًا تحقیر و تصغیر کے اظہار کے لیے آتا ہے جیسے: رتی بھر'' ''رائی کے برابر'' ذرہ بھر'' وغیرہ (امام راغب)

آیت نمبر ۷۸

اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا ﴿۷۸﴾

ترجمہ

تم جہاں کہیں بھی ہو، موت تو تمھیں پا کر ہی رہے گی، چاہے تم مضبوط قلعوں ہی کے اندر کیوں نہ بند ہو جاؤ ①۔ اگر اُن کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اگر

کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ آپؐ کی وجہ سے ہوا ۲۔ آپؐ کہیے کہ سب کا سب اللہ ہی کی طرف سے ہے آخران لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ ہی میں نہیں آتی (۷۸)

تفسیر

موت کے لیے جگہ کی قید نہیں

1۔ آیت میں اُن مسلمانوں سے جو جنگ سے بچ رہے تھے کہ کہیں مارے نہ جائیں، کہا جارہا ہے کہ اگر تمہیں موت آنا ہی ہے تو گھروں میں کیا، قلعوں کے اندر بھی ہو گے تو بھی موت آ کر رہے گی۔ اس لیے موت سے بچنا ممکن ہی نہیں ہے۔ (تبیان)

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا: ''جب موت آنا ہی ہے اور موت سے فرار ممکن ہی نہیں تو پھر یہ کیوں نہ ہوا کہ موت خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے آئے تا کہ شہادت کا مرتبہ حاصل ہو جائے جب جان دینی ہی ہے تو پھر خدا کی راہ میں کیوں نہ دی جائے؟'' (نہج البلاغہ)

خدا کی کتاب میں حسنات اور سیّات دو طرح کے ہیں

جناب ابوجعفر امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ: جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''خدا کی کتاب میں حسنات دو طرح ہیں: (۱) صحت، سلامتی، وسعت رزق۔ (۲) افعال کی نیکی۔ جیسا کہ خدا ارشاد فرماتا ہے کہ ''جو ایک نیکی کرے گا اُس کو دس گنا ثواب ملے گا۔''

اسی طرح بُرائیاں بھی دو طرح کی ہیں۔ (۱) خوف، مرض، سختی۔

(۲) بُرے کام۔ جن کے سبب سے عذاب دیا جائے گا۔ (تفسیر صافی بحوالہ تفسیر قُمی)

اس آیت پر شاہ عبدالقادر صاحب نے تو یہ لکھا ''یہ منافقوں کا ذکر ہے کہ اگر تدبیر جنگ راست آئی (یعنی تدبیر کامیاب ہوئی) اور فتح اور غنیمت ملی تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہوئی۔ یعنی اتفاقاً بن گئی۔ آنحضرتؐ (مراد جناب رسولِ خداؐ) کی تدبیر کے قائل نہ ہوتے تھے۔ اور اگر (جنگ) بگڑ گئی تو الزام رکھتے تھے آنحضرتؐ کی تدبیر پر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے یعنی پیغمبر کی تدبیر اللہ کا الہام ہے اس لیے غلط نہیں۔'' (موضح القرآن)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ رسول کا کوئی عمل اپنی ذاتی رائے سے نہیں ہوتا۔ ہر کام وحی سے ہوتا ہے اس لیے اگر فتح اللہ کی طرف سے سمجھتے ہو تو شکست کو بھی اللہ کی طرف سے سمجھو۔ خدا و رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے پر شکست کے ذمے دار تم خود ہو گے۔ (ملخص از فصل الخطاب)

آیت نمبر ۷۹

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۘ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾

ترجمہ

تجھے جو بھی بھلائی حاصل ہوتی ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اور تجھ پر جو بھی برائی آ پڑتی ہے وہ خود تیرے (اپنے بُرے کاموں کے) سبب سے ہوتی ہے ① ۔ اور ہم نے آپؐ کو تمام انسانوں کے لیے رسولؐ بنا کر بھیجا ہے۔ اور اس بات پر خدا کی گواہی بہت کافی ہے۔ (۷۹)

تفسیر

حسنات اللہ کی طرف سے اور بُرائیاں بداعمالیوں کا نتیجہ

1۔ اس آیت میں خدا نے پھر وضاحت فرما دی کہ جو فائدہ ہو وہ بھی اللہ کی طرف سے ہے اور جو نقصان ہو وہ بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ یعنی اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی نقصان یا بُرائی ہمیں نہیں پہنچ سکتی۔ یہ بات بالکل غلط ہے کہ اچھائی تو اللہ کی طرف سے ہے اور بُرائی رسولؐ کے ہاتھوں سے ہے۔ کیونکہ اللہ اور رسولؐ کے کاموں میں کوئی فرق ہی نہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تمھیں جب فتح ملتی ہے تو وہ خدا اور رسولؐ کے احکام پر عمل کرنے کی وجہ سے ملتی ہے۔ اور شکست اس لیے ملتی ہے کہ تم اللہ اور رسولؐ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہو۔ جیسا کہ میدانِ اُحد میں تم نے رسولؐ کا

کہا نہ مانا۔جس جگہ تیراندازوں کومقرر کیا تھا وہ اُس گھاٹی سے مالِ غنیمت لوٹنے کی خاطر اُتر آئے۔نیز تم سے میدان میں جمے رہنے کو کہا تھا،مگر تم بھاگ کھڑے ہوئے اس سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کو جو نقصان پہنچتا ہے، وہ خدا اور رسولؐ کے ہاتھوں نہیں، بلکہ مسلمانوں ہی کی غلطیوں کے نتیجے میں نقصان پہنچتا ہے۔ (تفسیر ابنِ عباسؓ والحسن از تفسیر تبیان)

آیت کے مخاطب تمام بنی نوع انسان ہیں (بحر،روح المعانی)

یاد رہے کہ صالحین اور نیک لوگوں کو جو حوادث اور مصائب پیش آتے رہتے ہیں، وہ امتحاناً ہوتے ہیں۔اس لیے وہ صرف صورتاً مصائب ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں اُن کے بلندی مراتب کا ذریعہ ہوتے ہیں، اس لیے خدا کی رحمت ہوتے ہیں۔وہ بُرے کام کرتے ہی نہیں، اس لیے اُن کی بلاؤں کو بُرائیوں کا ثمرہ کہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔یہ لوگ اُس آیت کے مصداق ہیں۔جس میں خدا نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:''وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ ..... رٰجِعُوْنَ (البقرۃ ۲ آیت ۱۵۵)

یعنی''ہم ضرور اُن کو آزمائیں گے (یا امتحان لیں گے) کچھ خوف سے، کچھ بھوک سے، کچھ مالوں کے نقصان، جانوں کے نقصان اور ثمرات (مراد اولاد) کے نقصان سے۔تو اُن صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو کہ جب اُن پر مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں۔''ہم بلاشبہ اللہ ہی کے لیے ہیں اور ہمیں یقیناً اللہ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے۔''یہی وہ لوگ ہیں کہ جن پر اُن کے مالک کی خاص الخاص رحمتیں ہیں۔صلواتیں ہیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ وہ ہیں جو ہر طرح کی بہتری اور مکمل بھرپور کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔''(سورۃ ۲ البقرۃ آیت ۱۵۵ کا ترجمہ)

اس آیت میں''اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ''یعنی ہم آپؐ کو تمام انسانوں کی طرف پیغمبرؐ بنا کر بھیجا ہے۔''اس سے آپؐ کی عالمگیر رسالت ثابت ہوتی ہے۔(روح۔ابو مسعود)

آیت نمبر ۸۰

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝٨٠

ترجمہ

جس کسی نے بھی رسولؐ کی اطاعت کی اُس نے دراصل خدا کی اطاعت کی ۔ا۔اور جس کسی نے مُنھ پھرایا۔تو ہم نے بھی آپؐ کو اُن لوگوں پر کوئی نگراں (ٹھیکے دار) یا محافظ بنا کر نہیں بھیجا ہے۔ (۸۰)

تفسیر

رسولؐ کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔

حضرت ابوجعفر امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''چوٹی کی بات اور معاملات کی کنجی اور تمام چیزوں کا دروازہ اور خدا کی رضا مندی یہ ہے کہ امام کو پہچان کر اُس کی اطاعت کی جائے اس لیے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ ''جو کوئی بھی رسولؐ کی اطاعت کرے گا اُس نے یقیناً خدا کی اطاعت کی۔'' اس کی وجہ یہ ہے کہ، رسولؐ جس چیز کو پہنچانے والا ہے، امامؑ اس کی اشاعت اور حفاظت کرنے والا ہے (اس لیے امام کے بغیر رسولؐ کی اطاعت کرنا ممکن ہی نہیں)'' (تفسیر صافی ص ۱۱۵ بحوالہ تفسیر عیاشی)

نتیجہ 1: امام رازی نے نتیجہ نکالا کہ یہ آیت رسولؐ کی عصمت کو بالکل واضح طور پر بیان کر رہی ہے کہ اگر رسولؐ سے ذرا سا بھی خطا کا یا اپنی مرضی سے کسی کام کرنے کا امکان ہوتا تو ان کی اطاعت عین خدا کی اطاعت کیسے قرار پاتی۔ (تفسیر کبیر)

نتیجہ 2: فقہاء نے اس آیت سے نتیجہ نکالا کہ رسولؐ کی نافرمانی سو فیصد خدا کی نافرمانی ہے'' (جصاص)

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

آیت نمبر ۸۱

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ

مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ یَكْتُبُ مَا یُبَیِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۸۱﴾

ترجمہ

اور وہ زبان سے تو ''اطاعت اور فرمانبرداری'' کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر جب تمھارے پاس سے باہر نکلتے ہیں تو اُن میں سے ایک گروہ خود اپنے کہے کے خلاف باتیں (اپنے دلوں میں) چھپائے ہوتا ہے (مگر) اللہ اُن کی اُن تمام باتوں کو لکھتا جاتا ہے جو وہ چھپائے ہوتے ہیں۔ لہٰذا آپؐ اُن کی پرواہ نہ کیجیے اور اللہ ہی پر بھروسہ کیجیے کیونکہ اللہ بھروسے اور مدد کے لیے بہت کافی ہے۔(۸۱)

تفسیر

اللہ نے منافقوں کی پول کو طشت از بام کیا ہے

یہ منافقین کا ذکر ہے۔ (ابنِ عباسؓ)

اصل میں ''بیات'' کے معنی شام کے وقت کے ہوتے ہیں۔ لیکن کیونکہ شام کو اندھیرا ہوتا ہے اور اُسی وقت خفیہ منصوبے بنائے جاتے ہیں اس لیے اس کے دوسرے معنی ''خفیہ منصوبے بنانا ہے۔ (تبیان، مجمع البیان)

آیت نمبر ۸۲

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا ﴿۸۲﴾

ترجمہ

تو کیا یہ لوگ قرآن پر غور ہی نہیں کرتے؟ اگر وہ (قرآن) اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اُس میں بہت کچھ اختلاف (تضاد اور دورنگی) پاتے۔ (۸۲)

تفسیر

قرآن میں غور وفکر کی تاکید

خدا کا قرآن پر غور کرنے کی دعوت دینے سے ثابت ہوا کہ قرآن کا ظاہری اور سطحی مفہوم تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ البتہ یہ بات اور ہے کہ قرآن کی حقیقی تفسیر اور مشابہات کی حقیقی تاویل معصوم کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی۔ (تبیان وفصل الخطاب)

قرآن اللہ ہی کا کلام ہے

مطلب یہ ہے کہ اگر قرآن خدا کا کلام نہ ہوتا تو اُس میں اور اُس کے معنی میں تضاد یا تناقض پایا جاتا۔ اُس کے الفاظ کی بندش میں فرق اور نقص ہوتا۔ اور اُس کے بعض حصے دوسرے حصوں کے مقابلے میں فصاحت کے لحاظ سے کم درجہ ہوتے اور بہت سی باتیں حقیقت کے مطابق نہ ہوتیں۔ اور اسی طرح کے اور اختلافات بھی ہوتے۔ (تفسیر صافی ص ۱۱۵)

یہاں اختلاف سے مراد تضاد ہے۔ (جلالین)

مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کا پورا کلام فصاحت و بلاغت کی ایک ہی سطح کے مرتبہ کمال پر نہیں ہوسکتا لیکن یہ خدا کا کلام ہے جو پورے کا پورا ایک ہی سطح کے مرتبہ کمال پر فائز ہے۔ اور اس میں تضاد بھی نہیں۔ (مجمع البیان)

آیت نمبر ۸۳

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ

رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾

ترجمہ

اور جب اُن کے پاس کوئی بھی اطمینان بخش یا خوفناک یا پریشان کن خبر آتی ہے تو اُسے (فوراً) پھیلا کر مشہور کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ اُس خبر کو رسولؐ اور اُن لوگوں تک لَوٹائیں جو اُن میں حکومت کے اہل یا حقدار ہیں تو وہ لوگ اس خبر کی تہ تک پہنچ جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں ①۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم اور اُس کی رحمت نہ ہوتی تو تھوڑے سے آدمیوں کے سوا تم سب کے سب شیطان کے پیچھے پیچھے چل دیے ہوتے۔ (۸۳)

تفسیر

''اولی الامر'' یعنی بات کی تہ تک پہنچ جانے والے ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں،

1۔ ''جو بات کی تہ تک پہنچ جانے'' کے سلسلے میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ (اولین معنی میں) ''یہ استنباط کر کے بات کی تہ تک پہنچ جانے والے ائمہ معصومین علیہم السّلام ہیں۔'' (تفسیر صافی ص ۱۱۵ بحوالہ الجوامع)

حضرت ابوالحسن امام علی رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''بات کی تہ تک پہنچ جانے والوں'' سے مراد آلِ محمدؐ ہیں جو قرآن مجید سے استنباط کرتے ہیں اور حلال اور حرام کو پہنچانتے ہیں۔ اس لئے وہی اللہ کی مخلوق پر خدا کی حجت ہیں۔'' (تفسیر عیاشی)

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ ''جس نے خدا کی ولایت اور خدا کے علم

سے استنباط کرنے والوں کو انبیاؑ علیہ السّلام کے گھروں کے سوا کسی اور جگہ قرار دیا، اُس نے خدا کے حکم کی مخالفت کی۔ اُس نے جاہلوں کو اپنا ہادی مانا اور سمجھ لیا کہ وہ علمِ خدا سے استنباط کرنے والے ہیں۔ حقیقتاً اُنھوں نے خدا پر بہتان باندھا اور اس طرح حکمِ خدا اور اطاعت خدا سے دور ہو گئے۔ اور فضلِ خدا کو جہاں خدا نے مقرّر کیا تھا، وہاں قائم نہ رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور اپنے ماننے والوں کو بھی گمراہ کیا۔ قیامت کے دن خدا کے سامنے اُن کی کوئی حجت یا دلیل نہ چل سکے گی۔'' (اکمال الدین)

جنگ کے دوران بہت سی ایسی باتیں ہوتی ہیں جن کا مشہور کر دینا مناسب نہیں ہوتا لیکن بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کے پیٹ میں کوئی بات رُک ہی نہیں سکتی۔ اس لیے حکم دیا جا رہا ہے کہ ''جو خبر بھی سنو اُس کو دوسروں کے سامنے بیان نہ کر دو۔ صرف ذمّے دار افراد کو جا کر بتاؤ تا کہ وہ استنباط کر سکیں کہ حقیقت کیا ہے اور اس مسئلے کا حل کیا ہے۔ وہ ذمے دار اشخاص اوّلین معنی میں رسولؐ ہیں یا پھر ائمہ معصومینؑ۔ (تفسیر تبیان)

امام رازی نے لکھا کہ اس آیت سے مندرجہ ذیل باتیں اور ثابت ہوئیں:

(۱) نئے نئے مسائل کو نص سے نہیں، اجتہاد سے حل کیا جائے گا۔ (۲) استنباط یعنی بات کی تہ کو پہنچ کر نتیجے نکالنا بھی ایک شرعی حجت ہے۔ (۳) عام لوگوں کو فقہی مسائل میں اہلِ علم کی تقلید کرنا واجب ہے۔ (تفسیر کبیر)

آیت نمبر ۸۴

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِیْلًا ﴿۸۴﴾

ترجمہ

پس اللہ کی راہ میں جنگ کیجیے (مگر) آپؐ پر اپنے نفس (ذات) کے سوا کسی اور کی ذمّے داری نہیں۔ (البتہ) ایمانداروں کو لڑنے پر آمادہ کیجئے۔ بہت ممکن ہے کہ خدا کافروں کے زور کو توڑ

دے۔ کیونکہ اللہ کی طاقت سب سے زیادہ زبردست اور اُس کی سزا سب سے زیادہ سخت ہے①۔(۸۴)

تفسیر

اللہ کا اپنے رسولؐ کی دلجوئی کا انداز

1۔ آیت کا لب ولہجہ ہی صاف بتا رہا ہے کہ عام مسلمانوں کی بیوفائی سے رسول سخت بددل ہو چکے ہیں۔اُس پر خدا اپنے رسولؐ کی دلجوئی فرما رہا ہے کہ آپؐ پر دوسروں کی ذمّے داری نہیں۔آپؐ فقط اپنے عمل کے ذمّے دار ہیں۔(مجمع البیان)

اِسی لیے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے اس کے بعد اعلان فرما دیا کہ ''اگر کوئی شخص بھی میرا ساتھ نہ دے گا تو بھی اکیلا جہاد پر روانہ ہو جاؤں گا۔'' (جلالین)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ رسولؐ مسلمانوں کی رائے مشورے یا رائے عامّہ کا پابند نہیں (فصل الخطاب)

''عَسٰی''، یعنی ''عجب نہیں'' (کہ خدا کافروں کا زور روک دے)'' جب خدا نے اس لفظ عسٰی کو استعمال فرمایا ہے تو اس کے معنی ''عجب نہیں'' یا ''اُمید ہے'' نہیں رہتے۔ بلکہ اس کے معنی وعدے یا یقین کے ہو جاتے ہیں۔ (ابنِ عباسؓ، قرطبی)

آیت نمبر ۸۵

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾

ترجمہ

جو بھی اچھائی (یا بھلائی) کی سفارش کرے گا، اُسے اُس میں سے حصہ ملے گا۔ اور جو بُرائی کی سفارش کرے گا، وہ اُس میں سے حصہ پائے گا۔ اور اللہ تو ہر چیز پر قادر اور ہر چیز پر نظر رکھنے والا ہے۔ (۸۵)

تفسیر

اچھے یا بُرے کام کی سفارش کرنے والا اللہ کی نظر میں

آیت کا مقصد یہ ہے کہ کسی بھی اچھے کام کی سفارش کرنا بہت اچھا کام ہے۔ اس طرح آدمی نیک کام کے ثواب میں شریک ہوجاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو کسی بُرے کام پر اُبھارے تو یہ بہت بُری بات ہے۔ اس طرح اُبھارنے والا بھی بُرے کام کی سزا میں برابر کا شریک ہوگا۔

شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا ''کوئی محتاج کی سفارش کرکے دولتمند سے کچھ دلوادے (تو) یہ بھی شریک ہوا ثوابِ خیرات میں۔ اور جو کافر یا مفسد کو سفارش کرکے (قید خانے یا سزا سے) چھڑا دے تاکہ پھر وہ فساد کرے (تو) یہ بھی شریک ہوا اُس فساد میں۔'' (موضح القرآن)

اس آیت کا پچھلی آیت سے ربط یہ ہے کہ خدا رسولؐ سے فرما رہا ہے کہ آپؐ مومنین کو جہاد پر آمادہ کرتے رہیے۔ یہ خیال نہ کیجئے کہ جب یہ عمل ہی نہیں کرتے تو سمجھانے سے فائدہ کیا؟ کیونکہ وہ عمل کریں یا نہ کریں اچھائی کے کاموں کی طرف رغبت دلانے کا ثواب تو آپؐ کو بہرحال ملے ہی گا۔ (تفسیر تبیان)

آیت نمبر ۸۶

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾

ترجمہ

اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اُس سے بہتر طریقے پر سلام (احترام) کرو۔ یا کم از کم اُسی طرح کا سلام (جواباً) پلٹا دو اور یقیناً اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے ① ۔(۸۶)

تفسیر

سلام کرنے کا اسلامی طریقہ

1۔ اسلام میں سلام کرنا سنّت ہے، مگر سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ جواب بہتر دینا چاہیے۔ یعنی اگر کوئی سَلَامٌ عَلَیْکُمْ کہے تو جواب میں ''وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ'' کہا جائے۔ اور اگر کوئی سَلَامٌ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ کہے تو جواب میں ''وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُهٗ'' کہے۔ اور اگر کوئی سلام کے ساتھ رحمت اور برکت دونوں بھیج دے تو دوسری کوئی دعا بھی کرے۔ لیکن کم سے کم اُس کے الفاظ ہی کو واپس کر دے، اضافہ (کرنا سلام کے جواب میں) سنت ہے۔ (جلالین۔ فصل الخطاب۔ تبیان)

سلام کرنے والا اگر مسلمان ہے تو اُس کا جواب زیادتی کے ساتھ دینا بہتر ہے اور اور اگر غیر مسلم سلام کرے تو اُسی کے الفاظ دُہرائے جانے چاہیں۔ (ابن عبّاسؓ)

اہلِ عرب جب آپس میں ملتے تھے تو سلام کے لفظ کو صرف بطور دعا استعمال کرتے تھے۔ اسلام نے اس کو باقاعدہ سلام کے معنی دے دیے۔ (تفسیر کبیر)

سورۃ الانعام میں ہے کہ ''جب تمھارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے ہیں تو اُن سے کہو ''سَلَامٌ عَلَیْکُمْ ''تمھارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت کو فرض قرار دیا ہے۔''(انعام۔ ۵۴)

سورۃ النّور میں ہے کہ ''جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے اوپر سلام بھیجو۔ یہ اللہ کی جانب سے بہترین، طیب اور برکت والا تحفہ ہے۔''

(وضاحت): اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب تم دوسرے لوگوں کے گھروں میں داخل ہو تو سلام کرو۔ اگر اُس گھر میں کچھ لوگ ہوں گے تو تمھارے سلام کا جواب دیں گے اور اگر کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا تو تمھارے سلام کا جواب خدا دے گا اور یہ تمھارا اسلام تمھارے ہی اوپر ہوگا جب کوئی اپنے ہی مکان میں داخل ہو اور مکان میں کوئی موجود نہ

ہوتو اُس کو اس طرح کہنا چاہیے: ''اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا'' خداوند عالم جواب میں فرماتا ہے ''تحیّۃً من عِنْدِ اللہِ مبارکۃً طیّبۃً۔'' (از جامع الاخبار)

حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ ''سلام کرنے والا خدا اور رسولؐ کے نزدیک اَولیٰ ہے۔ امیر المومنین حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے فرمایا کہ: ''سلام میں ستّر نیکیاں ہیں اُن میں سے انہتّر ۶۹ سلام کی ابتدا کرنے والے کے لیے اور ایک نیکی جواب دینے والے کے لیے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''سواری پر چلنے والے کو پیدل چلنے والے پر سلام کرنا چاہیے اور کھڑے ہوئے کو چاہیے کہ وہ بیٹھے ہوئے پر سلام کرے پھر کلام کرے۔

آپؐ نے فرمایا کہ: ''ہماری ملّت کا سلام ہمارے اوپر امان کو لازم کرتا ہے۔ (جامع الاخبار)

آیت نمبر ۸۷۔۸۸

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ فَمَا لَكُمْ فِى الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾

ترجمہ

اللہ تو وہ ہے جس کے سوا کوئی خدا ہے ہی نہیں وہ تم سب کو قیامت کے دن یقیناً اِکٹھا کرے گا۔ جس کے آنے میں کوئی شک وشبہ ہے ہی نہیں، اور اللہ سے زیادہ بات کا سچّا کون ہوسکتا ہے؟ (۸۷)

پھر تمھیں یہ کیا ہوگیا ہے کہ منافقوں کے بارے میں تم دو (۲) گروہوں میں بٹ گئے ہو ①۔

حالانکہ جو (بُرائیاں) اُنھوں نے کمائی ہیں، اُن کے سبب سے خدا اُن کو (کفر کیطرف) اُلٹا پھیر چکا ہے۔ اب کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جسے خدا گمراہی میں چھوڑ چکا ہو، تم اُسے سیدھے راستے پر لے آؤ؟ حالانکہ خدا جسے گمراہی میں چھوڑ دے اُس کے لیے تم ہرگز کوئی راستہ نہیں پا سکتے ②۔ (پتہ چلا کہ خدا ہماری برائیوں کے سبب سے ہم کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے)۔ (۸۸)

تفسیر

منافقینِ غزوہ اُحد کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف

1۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت ۸۸ جنگ اُحد کی واپسی پر اُتری۔ جب مسلمانوں میں میدان سے بھاگنے والے مسلمانوں کے بارے میں اختلاف تھا ایک رائے تو یہ بھی تھی کہ ان بھگوڑوں کو قتل کر دیا جائے، دوسرے معافی دینے کے قائل تھے۔ (جلالین وتبیان بقول زید بن ثابت)

یادرہے کہ اس آیت نمبر ۸۸ میں تمام مسلمان بھگوڑوں کو منافقین فرمایا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ میدانِ جہاد سے بھاگنا منافق کا کام ہوتا ہے۔

خدا کس کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے؟

2۔ "اَضَلَّ" اِضْلال سے ہے جس کے معنی گمراہ کرنے کے ہیں۔ یعنی۔ سیدھے راستے سے ہٹا دینا۔ مگر جب اس لفظ کا استعمال خدا کے لیے ہوتا ہے تو اس کے دو ۲ معنی ہوتے ہیں۔ (۱) یہ کہ خدا کے دیے ہوئے اختیار کی وجہ سے کسی شخص نے ازخود گمراہی اختیار کی اور اس لیے خدا نے اُس کو گمراہی قرار دیا۔ اور آخرت میں جنت کے راستے سے ہٹا کر دوزخ کے راستے کی طرف ہنکا دیا۔

(۲) اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ خالق نے انسان کی فطرت ایک خاص قسم کی بنائی ہے۔ جب انسان کسی اچھے یا بُرے راستے کو اختیار کرتا ہے تو پھر وہی راستہ اُس کا محبوب اور مرغوب بن جاتا ہے۔ پھر کسی طرح وہ اُس کو نہیں چھوڑتا۔ کیونکہ یہ فطرت اللہ ہی نے انسان میں رکھی ہے۔ اس لحاظ سے یہ کہنا درست ہے کہ اللہ نے اُسے گمراہی میں چھوڑ دیا۔ خدا خود فرماتا ہے "خدا گمراہی میں نہیں رہنے دیتا مگر فاسقوں کو" اور کافروں کے متعلق فرمایا: "اسی طرح اللہ گمراہی میں رہنے دیا کرتا ہے اُس کو جو بیباک اور شک کرنے والا ہو۔" (لغات القرآن نعمانی جلد نمبر ۱ ص ۱۵۶)

سمجھانے کے باوجود اگر کوئی شخص بُرے کام کرنے کا ارادہ از خود کر لیتا ہے تو خدا اُسے گمراہی میں چھوڑ دیا کرتا ہے۔ خدا کا گمراہی میں چھوڑ دینا اصل میں نتیجہ ہوتا ہے گمراہی کو اختیاری طور پر قبول کر لینے کا۔ (ماجدی)

آیت نمبر ۸۹

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۙ﴿۸۹﴾

ترجمہ

وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہیں، کاش اُسی طرح تم بھی حق کے مُنکر بن جاؤ۔ تا کہ تم اور وہ سب کے سب برابر ہو جائیں۔ لہٰذا اُن میں سے کسی کو بھی اپنا مددگار نہ بناؤ① ۔ جب تک کہ وہ لوگ اللہ کی راہ میں ہجرت کر کے نہ آ جائیں۔ لیکن اگر وہ اس بات سے منہ موڑ لیں تو پھر اُن کو پکڑو اور اُن کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو۔ اور اُن میں سے کسی کو بھی اپنا دوست، سرپرست یا مددگار نہ بناؤ۔ (۸۹)

تفسیر

کافروں سے دوستی نہ کرو

1۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی حال میں کافرِ حربی سے کوئی قلبی تعلق یا محبت اور اخلاص کا تعلق نہ رکھو۔ جب تک وہ اسلام دشمنی پر تلے رہیں۔ اور دارالحرب میں کافر بنے رہیں۔ (ابنِ عباسؓ، بیضاوی)

اس حالت میں جولوگ بھی دارالحرب میں رہیں گے اُن کے ساتھ بھی وہی معاملہ ہوگا جولڑنے والے مشرکین کے ساتھ ہوتا ہے۔(مدارک)

خدا کا فرمانا کہ ''اگر وہ منھ پھیرلیں۔''یعنی جب وہ اپنے کفر کو چھوڑنے کے لیے تیار ہی نہ ہوں اور اسلام قبول نہ کریں اور اپنے موقف کو ترک نہ کریں تب اُن سے مُنھ پھیرلو۔ (جلالین)

آیت نمبر ۹۰

اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ یُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ یُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَیْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَیْهِمْ سَبِیْلًا ﴿۹۰﴾

ترجمہ

سِوا اُن کے جو کسی ایسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں جن سے تمھارا کوئی بھی معاہدہ ہو۔ یا اُن کے سوا جو خود تمھارے پاس اس حالت میں آتے ہیں کہ اُن کے دل اس بات سے گھٹتے اور اُلجھتے ہیں کہ وہ تم سے لڑائی لڑیں۔ وہ اپنی قوم سے لرنا چاہتے ہیں۔ اگر اللہ چاہتا تو اُنھیں تم پر قابو دے دیتا اور وہ تم سے جنگ لڑتے۔ (مگر اب) اُنھوں نے تمھاری طرف سے صلح کا ہاتھ بڑھا رکھا ہے۔ تو اللہ تمھیں اُن کے خلاف کسی قدم اُٹھانے کا راستہ (اجازت) نہیں دیتا① ۔(۹۰)

تفسیر

صلح پسند لوگوں سے جنگ نہ کرو

1۔ یہ اُن کافروں کا ذکر ہے جو صلح پسند لوگ ہیں۔ وہ مسلمان ہونے کو تو تیار نہیں ہیں، لیکن وہ مسلمانوں سے لڑنا بھی نہیں چاہتے۔ اُن کی اس امن پسندی کی وجہ سے قرآن نے کہا کہ اُن کے اس طرزِ عمل کا احترام کرو۔ (تفسیر تبیان از امام محمد باقر علیہ السلام)

ثابت ہوا کہ جو لوگ مسلمانوں سے نہ لڑیں اور مسلمانوں کے ساتھ صلح و صفائی کے ساتھ رہیں، اُن کے ساتھ صلح و صفائی کے ساتھ رہنا ضروری ہے، چاہے وہ لوگ کافروں کے مقابلے پر مسلمانوں کا ساتھ بھی نہ دیں پھر بھی اُن سے جنگ کرنا جائز نہیں۔ (ماجدی)

آیت نمبر ۹۱

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْکُمْ وَیَاْمَنُوْا
قَوْمَهُمْ ؕ کُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَی الْفِتْنَةِ اُرْکِسُوْا فِیْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ
یَعْتَزِلُوْکُمْ وَیُلْقُوْٓا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ وَیَکُفُّوْٓا اَیْدِیَهُمْ
فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِکُمْ
جَعَلْنَا لَکُمْ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿۹۱﴾

ترجمہ

عنقریب تم کچھ لوگ ایسے بھی پاؤ گے جو یہ تو چاہتے ہیں کہ (فی الحال) تم سے بھی محفوظ رہیں اور اپنی قوم سے بھی محفوظ رہیں۔ لیکن جب بھی فتنہ پردازی کا کوئی موقع پائیں تو اُس میں کُود

پڑیں۔ایسے لوگ اگر تم سے الگ نہ رہیں اور تمھاری طرف صلح کے لیے ہاتھ نہ بڑھائیں اور تم سے (جنگ کرنے سے) اپنے ہاتھ بھی نہ روکیں، تو پھر اُنھیں پکڑ لو، اور اُنھیں جہاں بھی پاؤ مار ڈالو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ہم نے تمھیں قابو پانے کی کُھلی اجازت دے دی ہے۔(۹۱)

تفسیر

اسلام امن عامّہ کا حقیقی علمبردار ہے

ان احکامات سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل غلط ہوگا کہ اسلام میں ہر کافر کی جان و مال حلال ہے۔اور اسلام میں انسان کی بحیثیت انسان کوئی قدر و قیمت نہیں ۔ کیونکہ اسلام صرف فتنہ برپا کرنے والے امنِ عامّہ کے حقیقی دشمن کافروں کے خلاف جنگ کی اجازت دیتا ہے، وہ بھی صرف دفاعی جنگ، امن پسند شریف کافروں کی جان، مال، عزّت اور آبرو کی حفاظت کرنے کا حکم دیتا ہے۔(از فصل الخطاب)

آیت نمبر ۹۲

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۙ تَوْبَةً

مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾

ترجمہ

اور کسی مومن کا یہ کام ہی نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کر ڈالے۔ سوا اس کے کہ انجانے میں غلطی سے ایسا ہو جائے۔ اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے انجانے میں بھی قتل کر دے، تو اُس کا کفّارہ یہ ہے کہ کسی ایک مسلمان غلام کو آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا بھی ادا کرے سوا اس کے کہ مقتول کے وارث خون بہا معاف کر دیں۔ ہاں وہ اگر کسی ایسی جماعت میں سے ہے جو تمھاری دشمن ہے مگر مقتول مسلمان ہے، تو وہ صرف ایک مسلمان غلام کو آزاد کرے۔ اور اگر وہ (مقتول) کسی ایسی قوم سے ہو جس سے تمھارا کوئی معاہدہ ہو، تو اس کے ورثا کو خون بہا بھی دینا ہوگا اور کسی مسلمان غلام کو آزاد بھی کرنا ہوگا۔ پھر اگر جسے یہ میسر نہ ہو تو وہ دو ماہ کے متواتر روزے رکھے۔ یہ ہے اللہ کی طرف سے توبہ کا طریقہ، اور اللہ تو سب کچھ جاننے والا صاحبِ حکمت ہے۔ (۹۲)

تفسیر

قتل خطا کے معنی:

قتل خطا کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ انسان کا ارادہ قتل کرنے کا بالکل نہ تھا جیسے کوئی ڈرائیور گاڑی چلا رہا ہو اور اتّفاقاً کوئی شخص زد میں آ کر ہلاک ہو جائے۔ اگرچہ اُس نے جان کر تو قتل نہیں کیا لیکن ضرور کوئی نہ کوئی کمی تو جبّی برتی گئی جس کی وجہ سے انسان کی جان چلی گئی۔ اس لیے ایسے قتلِ خطا کا کفّارہ وارثوں کو خون بہا دینا اور ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ یا ایک کنیز آزاد کرنا ہے۔ اگر ورثا خون بہا معاف بھی کر دیں تو بھی غلام یا کنیز کو آزاد کرنا ہوگا۔ اگر ورثاء کافر ہوں۔ مگر مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ ہو تو دیت اور کفارہ دونوں ادا کرنا ہوگا۔ اگر کفّارہ یعنی غلام آزاد نہ کر سکے تو دو مہینے کے روزے متواتر رکھنے ہوں گے۔ غرض کفّارے کی وجہ سے اللہ کی طرف سے معافی ہوگی، اور

دیت کے ذریعے سے بندوں کی طرف سے معافی ہوگی۔(فصل الخطاب)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا''ہر جگہ جہاں کسی بندے کو آزاد کرنا ہو، وہاں چھوٹے بچوں کو آزاد کرنا بہتر ہے، سوائے کفّارہ قتل کے۔ کیونکہ وہاں خدا فرماتا ہے:''اور جس نے کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دیا تو اُس کا کفّارہ ایک ایماندار غلام کو آزاد کرنا ہے۔''اس سے مراد یہ ہے کہ وہ غلام بالغ ہو۔ اور اپنے ایمان کا اقرار کرنے والا ہو۔''(تفسیر صافی ص ۱۱ بحوالہ کافی وتفسیر عیاشی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص کسی کو مار دے جبکہ اُسے قتل کا ارادہ نہ رکھتا ہو، اور وہ مر جائے تو کیا یہ وہ خطا سمجھی جائے گی جس کی دیت دینا واجب ہے اور کفارہ بھی؟ حضرت امامؑ نے فرمایا:''ہاں۔ بیشک''۔ پھر سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص تیر چلائے اور وہ کسی آدمی کو لگے؟ امامؑ نے فرمایا: بیشک وشبہ یہ خطا ہے۔ اور اُس پر اس خطا کی دیت بھی ہے اور کفارہ بھی۔''(تفسیر صافی ص ۱۱۷ بحوالہ تفسیر عیاشی)

آیت نمبر ۹۳

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

ترجمہ

اور جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اُس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ اور اُس پر اللہ کا غضب اور اُس کی لعنت بھی ہوگی۔ اور اللہ نے اُس کے لیے بہت ہی سخت سزا تیار کر رکھی ہے۔(۹۳)

تفسیر

مومن کو جان بُوجھ کر قتل کرنے کی سزا جہنّم

حضرت امام جعفر صادقؑ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی مومن کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے، تو کیا اُسکی توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: ''اگر قتل کرنے کا سبب ایمان کے متعلّق کوئی امر ہے تو اُس کی توبہ قبول نہیں ہوسکتی۔ لیکن اگر اُس نے غصے میں یا دنیا کی کسی چیز کے لیے قتل کیا تو اُس کی توبہ یہ ہے کہ اُس سے قصاص لیا جائے۔ اور اگر کسی کو اس قتل کی خبر نہ ہوئی تو یہ قاتل مقتول کے وارثوں کے پاس جا کر اُن کے مورث کے قتل کا اقرار کرے، پھر اگر وہ اُس کو معاف کر دیں اور قتل نہ کریں تو پوری دیت (خون بہا) اُن کو دے اور ایک غلام آزاد کرے، اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور دو ماہ کے روزے رکھے۔ یہ خدا کی راہ میں اُس کی توبہ ہے۔'' (تفسیر صافی ص ۱۱۷، بحوالہ کافی و تفسیر عیاشی)

ظاہر ہے کہ جو شخص کسی کو اُس کے ایمان کی وجہ سے قتل کریگا وہ یقیناً خود ایمان سے خالی ہوگا۔ (تفسیر تبیان)

اور جو شخص کسی نبیؑ یا وصیؑ نبیؑ کو قتل کرے گا اُس کی توبہ کبھی قبول نہیں ہوتی۔ (تفسیر علی ابن ابراہیم)

آیت نمبر ۹۴

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَتَبَیَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۹۴﴾

ترجمہ

اے ایمان لانے والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر (یا جہاد) کے لیے نکلو تو اچھی طرح جانچ پڑتال کرلیا کرو، اور ہر اُس شخص سے جو تمھیں سلام کرے، یہ نہ کہہ دیا کرو کہ تُو مسلمان نہیں ہے۔ اگر تم دُنیا کی زندگی کے سامان اور فائدے چاہتے ہو تو اللہ کے پاس تمھارے لیے بہت سے بڑے فائدے موجود ہیں۔ آخر تم خود بھی اسی حالت (کُفر) میں پہلے رہ چکے تھے۔ اس کے بعد اللہ نے تم پر احسان کیا۔ لہٰذا جانچ پڑتال کرلیا کرو۔ یقیناً تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اُس سے اچھی طرح واقف ہے۔ (۹۴)

تفسیر

قتل کرنے سے قبل تحقیق کرنے کا حکم

غرض اس آیت میں مسلمانوں کو یہ ہدایت دی جارہی ہے کہ جب تم وطن سے باہر سفر جہاد پر ہو تو کسی کو صرف شک وشُبہے کی بنیاد پر قتل کرنے میں جلدی سے کام نہ لو۔ ایسا نہ ہو کہ کافر حربی سمجھ کر کسی مسلمان کو قتل کردو۔ جب تک پوری طرح سے یہ واضح نہ ہوجائے اور تحقیق کے تمام مراحل طے نہ کرلیے جائیں، کسی کو جلد بازی میں قتل نہ کرو۔ (ابنِ عباسؓ در تفسیر کبیر)

جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ: ''ایک کلمہ گو مسلمان کا قتل ہوجانا اللہ کے ہاں ہزار کافروں کا زندہ بچ جانے سے، بلکہ ساری دنیا کے فنا ہوجانے سے شدید تر ہے۔'' (بیضاوی، کشاف، از ابن عباسؓ)

اس حدیث کی روشنی میں اندازہ فرمائیں کہ آلِ محمدؐ کے قاتلین خاص کر ابوالائمہ امام علیؑ اور فرزندانِ رسولؐ امام حسنؑ و امام حسینؑ کے قاتل اللہ کی نگاہ میں کس قدر لعنت اور عذاب کے مستحق ہوں گے۔

یہ اجتہاد عجب ہے کہ ایک دشمن دیں
علیؑ سے آکے لڑے اور خطا کہیں اُس کو
غالبؔ

فقہاؒ نے اس آیت سے یہ نتیجہ نکالا کہ: دہریے، اور زندیق اگر دل سے توبہ کرلیں اور اسلام کو دل سے قبول کرلیں تو اُن کی توبہ قبول ہوسکتی ہے۔ (تفسیر کبیر)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر دورانِ جنگ بھی کوئی کافر خود کو مسلمان ظاہر کرے تو اس کو یہ سمجھ کر قتل نہ کرو کہ وہ جھوٹا ہے، اُس کو بغیر تحقیق کے چھوڑ دو۔ اگر اُس کو اِس طرح چھوڑ دینے میں امکان ہو کہ وہ کافر جھوٹا ہے تو قتل کر دینے میں یہ امکان بھی تو ہے کہ مومن بے گناہ ہے۔ اس طرح تو تمھارے ہاتھ سے ایک مومن کا قتل ہوگا۔ اس لیے ایک کافر کو چھوڑ دینے میں غلطی کرنا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ تم ایک مومن کی جان بچالو یا ایک مومن کو قتل کرنے کی غلطی کرو۔

اصل میں اس طرح اُن مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کی جارہی ہے جو انفرادی طور پر مختلف کافر قبیلوں میں منتشر تھے، اور اپنے اسلام کو ظلم وستم کے خوف سے چھپانے (تقیہ کرنے) پر مجبور تھے۔ (تفہیم القرآن مودودی)

(نوٹ) یہ حکم جنگ سے متعلق ہے۔ لیکن اگر کوئی کافر قابلِ سزا جُرم کرتے ہوئے پکڑا جائے، اور حد جاری ہونے کے وقت جان سے اسلام قبول کرلے تو سزا ساقط نہ ہوگی۔ (بحوالہ حدیث امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام)

آیت نمبر ۹۵

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ﴿۹۵﴾

ترجمہ

مسلمانوں میں وہ لوگ جو کسی بیماری یا معذوری کے بغیر گھر میں بیٹھے رہتے ہیں اور وہ جو اپنے

مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، برابر نہیں ہیں۔ اللہ نے (گھر میں) بیٹھنے والوں کے مقابلے میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرنے والوں کا درجہ بہت بڑا رکھا ہے۔ یوں تو ہر ایک سے خدا نے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے۔ لیکن جہاد کرنے والوں کو گھر سے بیٹھنے والوں پر بہت ہی بڑے اجر کے ساتھ فضیلت دی ہے۔ (۹۵)

تفسیر

جہاد کی فضیلت

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرنے والے بلا عذر گھر میں بیٹھے رہنے والوں سے کہیں افضل ہیں۔ فقہا نے اس آیت سے نتیجہ نکالا کہ جہاد فرض عین نہیں، بلکہ فرض کفایہ ہے۔ اگر فرضِ عین ہوتا یعنی ہر شخص پر واجب ہوتا تو کچھ لوگوں کے جہاد پر نکل آنے کے بعد گھر بیٹھے رہنے والوں کے لیے سزا کا اعلان نہ ہوتا۔ (جصاص)

حضرت علیؑ تمام صحابہ سے افضل ہیں

فرقہ شیعہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ حضرت علیؑ تمام صحابہ سے افضل ہیں کیونکہ حضرت علیؑ نے جہاد اور قتال میں سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ (ماجدی)

آیت نمبر ۹۶۔۹۷

دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ
كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ
تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ

مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾

ترجمہ

اُن کے لیے اللہ کی طرف سے بڑے بڑے درجے ہیں۔ اُن کے لیے خدا کی بخشش، معافی اور رحمت ہے۔ اور اللہ تو ہے ہی بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا۔ (۹۶)

بلاشبہ جن لوگوں کی روحیں فرشتوں نے قبض کیں اس حال میں کہ وہ اپنے اوپر گناہ کر کے ظلم کر رہے تھے اور فرشتوں نے اُن سے پوچھا یہ تم کس حال میں تھے؟ تو اُنھوں نے کہا کہ ہم زمین پر بے بس اور مجبور تھے تو فرشتوں نے کہا: کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اُس میں ہجرت کر جاتے؟ یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور وہ تو بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے ①۔ (۹۷)

تفسیر

نوٹ:۔ البتہ جہاد میں جا کر کافروں کے مقابلے پر بھاگ نکلنا گناہِ کبیرہ ہے کیونکہ اس سے مسلمانوں کی عزّت اور آبرو بھی مجروح ہوگی اور دوسروں کے حوصلہ بھی پست ہوں گے۔ (فصل الخطاب)

1۔ یہ آیت نمبر ۹۷ اُن مسلمانوں کے بارے میں اُتری جو مکے میں رہ گئے، ہجرت نہ کی اور پھر جب جنگ ہوئی تو کفار کی فوج میں آ کر قتل ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفر و گمراہی کے ماحول میں رہ کر اگر اپنے ایمان کا تحفظ کر سکتا ہے۔ تو وہاں رہے۔ اگر ایسا نہیں کر سکتا تو ہجرت واجب ہے۔ ان حالات میں بھی ہجرت نہ کرے گا تو کافروں ہی کا انجام ہوگا۔ غرض جب انسان کافروں کے ملک میں اپنے دینی فرائض انجام نہ دے سکے اور اس کو باطل کے غلط کاموں میں شریک ہونا پڑے، تو پھر وہاں سے ہجرت کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ (فصل الخطاب)

امیر المومنین حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ان چاروں آیتوں میں کہ (۱) ''اللہ جانوں کو اُن کی موت کے وقت اُٹھا لیتا ہے۔'' (۲) کہدو کہ ملک الموت تمھیں اُٹھا لیتا ہے جو تم پر تعینات کیا گیا ہے۔'' (۳) ہمارے رسولوں نے اُنھیں اُٹھا لیا اور وہ کوتاہی نہیں کرتے''۔ (۴) ''وہ لوگ جنھیں فرشتے اُٹھا لیں گے۔'' اِن چاروں آیتوں میں کہیں تو خدا نے موت دینے کے فعل کی نسبت اپنی ذات کی طرف دی

ہے۔اور کہیں ملک الموت کی طرف اور کہیں اپنے رسولوں کی طرف اور کہیں فرشتوں کی طرف ۔اصل میں خدا اس بات سے بزرگ و برتر ہے کہ وہ اس کام کو خود انجام دے۔ہاں اُس کے فرشتوں اور اُس کے رسولوں کا فعل خود اللہ کا فعل ہے۔ اس لیے کہ وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں اللہ ہی کے حکم سے کرتے ہیں۔پس خدا اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان رسول اپنے سفیر منتخب کرتا ہے۔ یہ وہی ہیں جن کے بارے میں خدا فرماتا ہے۔'' اللہ فرشتوں اور آدمیوں میں سے رسول منتخب فرماتا ہے۔'' پس جو خدا کے فرمانبردار بندے ہیں، اُن کی روحوں کو قبض کرنے کا انتظام رحمت کے فرشتوں کے سپرد ہے۔اور جو نافرمان لوگ ہیں اُن کی روحیں عذاب کے فرشتے قبض کرتے ہیں۔غرض خدا کے امین جو کام کرتے ہیں وہ خدا ہی کا کام کہلاتا ہے، جیسا کہ خدا کا ارشاد ہے۔'' اور تم کچھ نہیں چاہتے سوا اُس کے جو کچھ کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔'' (تفسیر صافی ص ۱۱۸ بحوالہ احتجاج طبرسی)

آیت نمبر ۹۸۔۹۹

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾

ترجمہ

مگر مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے وہ واقعی مجبور اور بے بس جو نکلنے کا کوئی راستہ ہی نہیں پاتے (یعنی مستضعفین)①۔(۹۸)

تو بہت ممکن ہے کہ خدا اُنھیں معاف کردے (کیونکہ) اللہ بہت معاف کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے۔(۹۹)

تفسیر

مستضعفین سے مراد

حضرت امام محمد باقرؑ سے پوچھا گیا کہ مستضعفین سے کون لوگ مراد ہیں؟ امامؑ نے فرمایا: ''وہ لوگ جو اپنا بچاؤ کرنے کے معاملے میں بیوقوف ہوں۔ اور ایسے نوکر کہ جن سے تم کہو کہ نماز پڑھو تو وہ نماز پڑھ لیں اور وہی کچھ سمجھیں جو تم اُن سے کہو۔ اور ایسے لوگ بھی جو تمھارے خرچ پر ایک جگہ سے دوسری جگہ جائیں اور جتنی بات تم اُن سے کہو بس اتنی ہی بات ہی سمجھیں۔ اور بہت بوڑھے اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی اس میں شامل ہیں۔'' (تفسیر صافی ص ۱۱۹ بحوالہ تفسیر عیاشی)

1۔ فقہا نے اس آیت سے نتیجہ نکالا کہ جب کسی ملک میں رہ کر فرائضِ دین پوری طرح ادا نہ ہو سکتے ہیں، اور یہ بھی معلوم ہو کہ دوسرا کوئی ملک ہے، جہاں آزادی کے ساتھ فرائضِ دین ادا ہو سکتے ہیں، تو اُس ملک کی طرف ہجرت کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ (مدارک، جصّاص)

آیت نمبر ۱۰۰

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۰۰

ترجمہ

اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں پناہ لینے کے لیے بہت جگہ اور رہنے سہنے کے لیے بڑی گنجائش پائے گا۔ اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف ہجرت کر کے نکلے، پھر

راستے ہی میں اُسے موت آ جائے، تو اُس کا اجر اللہ کے ذمّے واجب ہو گیا۔ اللہ تو بہت معاف کرنے والا مسلسل بڑا رحم کرنے والا ہے۔(۱۰۰)

تفسیر

اللہ کی راہ میں ہجرت کی قدر و منزلت

ابو حمزہ ثمالی سے روایت ہے کہ جب ہجرت کی آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں میں سے ایک شخص جس کا نام جندع یا جندب ابنِ حمزہ تھا اور جو مکے میں رہتا تھا، اُس نے کہا ''خدا کی قسم! میں وہ نہیں ہوں جس کو خدا نے مستثنیٰ کہا ہے۔ میں اپنے آپ ہی ہجرت کرنے کی قوت بھی پاتا ہوں اور راستے سے بھی واقف ہوں۔'' جبکہ وہ کسی شدید مرض میں مبتلا تھا۔ مگر اُس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میں مکے میں ہرگز نہیں رہوں گا۔ پس وہ اُسے لے کر نکلے اور جب تنعیم تک پہنچے تو وہ مر گیا۔ اسی سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر صافی ص۱۱۹ بحوالہ المجمع)

عرفاء نے لکھا کہ مہاجروں کے لیے خدا نے دو نعمتیں بیان فرمائی ہیں۔(۱) مراغماً کثیراً یعنی زمین پر جانے کی بہت جگہ، اور (۲) سَعَةً یعنی وسعت اور گنجائش۔ آخرت میں فراخی اور جنتیں ملیں گی۔

آیت نمبر ۱۰۱

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ

اور جب سفر کرو زمین پر تو اس میں کوئی حرج نہیں تم پر کہ تم نماز قصر (کم) کر دو۔ (خاص طور پر)

جب تم کو یہ خوف ہو کہ کافر تمھیں نقصان پہنچائیں گے۔ (کیونکہ) یقیناً کافر تمھارے کھُلے ہوئے دشمن ہیں۔(۱۰۱)

تفسیر

نمازِ قصر کے بارے میں امامؑ نے فرمایا

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپؑ سفر کی نماز کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ امام نے اِسی آیت کی تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا: ''سفر نماز کا قصر کرنا اُسی طرح واجب ہے جس طرح حضر (وطن) میں پوری نماز پڑھنا۔'' پوچھا گیا کہ خدا تو فرماتا ہے: ''تم پر گناہ نہیں کہ جب تم زمین میں سفر کرو تو تم نمازوں کو قصر کرو۔'' خدا نے تو یہ نہیں فرمایا کہ ایسا ہی کرو۔ جس سے اس کا بجالانا واجب ہو جائے؟ امامؑ نے فرمایا: خدا فرماتا ہے کہ ''صفا اور مروہ'' خدا کی نشانیوں میں سے ہیں پس جو شخص خانہ کعبہ کا حج کرے یا عمرہ بجالائے تو ان دونوں حالتوں میں طواف کرے تو اُس پر کوئی گناہ نہیں۔'' کیا تم نہیں دیکھتے کہ طواف ان دونوں حالتوں میں واجب ہے۔ اس لیے کہ خدا نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر فرمایا اور نبیؐ نے اس پر عمل کر کے دکھایا۔ اسی طرح سفر میں قصر کرنا ایسی بات ہے جس کا ذکر خدا نے قرآن میں فرمایا ہے اور نبیؐ نے اُس پر عمل فرمایا ہے۔'' پوچھا گیا کہ اگر کوئی سفر میں پوری نماز پڑھ لے تو کیا دوبارہ نماز پڑھے؟ امامؑ نے فرمایا: ''اگر اُس کے سامنے قصر کی آیت پڑھی گئی ہے اور اُس کا مطلب اُس کی سمجھ میں آ گیا ہے اور پھر بھی اُس نے پوری نماز پڑھی تو اُس کو دوبارہ قصر کر کے پڑھے لیکن اگر یہ آیت اُس کے سامنے نہیں پڑھی گئی اور وہ اس حکم سے واقف نہیں اور اُس نے پوری نماز پڑھ لی۔ تو اس کے ذمے اعادہ نہیں ہے۔ اور ہر فرض نماز سفر میں دو رکعت ہے سوائے نمازِ مغرب کے جو تین رکعت ہے۔ (تفسیر صافی ص ۱۱۹ بحوالہ مَن لایحضرہُ الفقیہ وتفسیر عیاشی)

- نماز کا قصر کرنا یہ ہوتا ہے کہ چار رکعت والی نمازوں کو دو رکعت پڑھا جائے۔ (جلالین)
- اگرچہ یہ نمازیں قصر والی آیتیں کافروں کے حملے کے خوف کے ضمن میں آئی ہیں مگر فقہاؑ کے نزدیک سفر میں نماز کو قصر کرنے کا تعلق خوف سے نہیں ہے۔ خوف نہ ہو تب بھی سفر میں نماز قصر کرنا ضروری ہے۔ یہ بات سب فقہاؑ مانتے ہیں۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا ''(نماز)'' پوری نہ پڑھے کہ اللہ صاحب کی بخشش سے بے پروائی ہوتی ہے۔' (موضح القرآن)

۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک یہ آیت قصر کے حکم میں نہیں آتی بلکہ نمازِ خوف کے بیان کے لیے ہے۔(فتح الرحمٰن)

۔ صاحبِ تبیان نے لکھا کہ یہ آیت نمازِ قصر اور نمازِ خوف دونوں کے لیے ہے۔اور مجاہد کا بھی یہی قول ہے (تفسیر تبیان)

۔ آیت میں نماز کو سفر میں قصر کرنے کا حکم ہے۔اگر خوف کا عالم ہو۔لیکن فقہاؑ کے نزدیک نماز کو سفر میں قصر کرنا ضروری ہے خواہ خوف ہو یا نہ ہو۔خوارج کے علاوہ سارے مسلمان فقہاؑ اس بات پر متفق ہیں کہ آیت میں خوف کا ذکر بطور شرط نہیں بلکہ ہر سفر کے لیے عام ہے۔(مدارک، روح)

۔ البتہ جمہور فقہاؑ اور فقہ جعفری میں یہ ہے کہ سفر کا جائز مقصد کے لیے ہونا ضروری ہے۔اور ہر جائز مقصد کے لیے جو سفر کیا جاتا ہے شرعی سفر ہوتا ہے اور سفر میں نماز قصر کرنا مستحب نہیں بلکہ واجب ہے خواہ سفر بری ہو یا بحری ہو۔(قرطبی روح)

آیت نمبر ۱۰۲

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۪ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا

اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾

ترجمہ

اور جب آپؐ ان (مسلمانوں کے) درمیان ہوں اور (جنگ میں) اُنھیں نماز پڑھانے کھڑے ہوں تو چاہیے، اُن میں سے کچھ لوگ تمھارے ساتھ اپنے ہتھیار لیے ہوئے (نماز کے لیے) کھڑے ہوں۔ پھر جب وہ سجدہ کرچکیں تو یہ لوگ پیچھے چلے جائیں اور دوسرے لوگ جنھوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے آ جائیں اور آپؐ کے ساتھ نماز پڑھیں۔ اور یہ لوگ بھی اپنی حفاظت کا سامان اور ہتھیار لیے رہیں۔ کیونکہ کافروں کی تو یہ تمنّا ہے کہ تم اپنے ہتھیاروں اور سامان سے ذرا غافل ہوجاؤ تو وہ تم پر ایک دم ٹوٹ پڑیں۔ لیکن اگر تم کو بارش کے سبب سے تکلیف ہو، یا تم بیمار ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم اپنے ہتھیار اُتار کر رکھ دو۔ مگر اپنی حفاظت کرو یقیناً اللہ نے کافروں کے لیے بڑی ذلیل کرنیوالی سزا رکھی ہے (۱۰۲)

تفسیر

جنگ میں نمازِ خوف کا طریقہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ سے نمازِ خوف پڑھنے کا طریقہ پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: ''امام نماز کے لیے کھڑا ہو۔ اور اُس کے ساتھیوں میں سے ایک گروہ آ کر اُس کے پیچھے کھڑا ہو جائے اور ایک گروہ دشمنوں کا مقابلہ کرے۔ امام ان لوگوں کے ساتھ ایک رکعت نماز پڑھے، پھر کھڑا ہوجائے۔ اور لوگ بھی کھڑے ہوجائیں۔ امام تو کھڑا رہے اور لوگ اپنی دوسری رکعت پڑھ کر سلام پڑھ کر چلے جائیں۔ دشمن کے مقابلے میں اپنے ساتھیوں کی جگہ لے لیں۔ اور دوسرے ساتھی آ کر امام کے پیچھے کھڑے ہوجائیں۔ دوسری رکعت پوری کر کے امام تو بیٹھ جائے اور یہ لوگ کھڑے ہو کر اپنی دوسری رکعت پوری کریں اور سلام پڑھ کر چلے

جائیں۔(تفسیر صافی ص ۱۲۰)

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ ''نماز مومنوں پر پابندی وقت کے ساتھ فرض ہے۔'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر نماز کا وقت گذر جائے اور پھر نماز پڑھی جائے تو وہ نماز ادا نہ ہوگی۔(بلکہ قضا ہوگی) (تفسیر صافی ص ۱۲۰ بحوالہ کافی وتفسیر عیاشی)

محققین نے نتیجے نکالے کہ اس آیت سے (۱) نمازِ جماعت کی اہمیت کا بھی انداز ہوتا ہے کہ عالمِ خوف وجنگ میں بھی نماز جماعت ادا کرنے کا حکم ہے۔(۲) شریعت اسلامی میں چُستی، مستعدی اور ہمہ وقت بیداری کو خاصکر حالتِ جنگ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔غفلت اور آرام طلبی اسلامی شریعت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔ (ماجدی)

فقہاؑ نے لکھا کہ خوف کی دو حالتیں ہیں اور دونوں کے حکم ایک ہیں۔(۱) ایک یہ کہ میدانِ جنگ گرم ہو اور جماعت برپا کرنا ممکن ہی نہ ہو تو نمازِ جماعت اڑا دی جائے گی اور اس کا ذکر سورۂ بقرہ کی ایک آیت نمبر ۲۳۹ میں موجود ہے۔ شدّتِ خوف میں نماز فرادیٰ پڑھی جائے گی۔ سواری میں، ہر حال میں نماز ممکن ہے۔ رکوع اور سجدے کے لیے رکوع کافی ہے قبلے کی طرف رُخ کرنا بھی ضروری نہیں۔(۲) دوسری حالت یہ ہے کہ جنگ ابھی شروع نہ ہوئی ہو اور نماز جماعت کا امکان ہو۔اس آیت میں اُسی حالت میں نماز جماعت کا حکم دیا جارہا ہے۔

آیت نمبر ۱۰۳

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ

پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو کھڑے، بیٹھے اور کروٹ (کروٹ) اللہ کو یاد کرتے رہو۔اور جب تمھیں اطمینان حاصل ہو جائے تو پوری نماز ادا کرو۔ بیشک نماز ایک ایسا فریضہ ہے جو وقت کی

پابندی کے ساتھ مومنین پر لازم کیا گیا ہے ① ۔(۱۰۳)

تفسیر

فریضۂ نماز کو پابندی کے ساتھ ادا کرو

1۔ حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''مَوْقُوْتاً'' یعنی پابندی وقت کے ساتھ ، کے معنی ثَابِتاً ہیں۔یعنی اگر نماز اپنے (فضلیت کے) وقت سے تھوڑی آگے پیچھے ہو جائے تو وہ کوئی نقصان نہیں پہنچاتی، بشرطیکہ اُسے نماز کا ضائع ہونا نہ کہیں۔جیسا کہ خدا نے ایک قوم کے بارے میں فرمایا ہے کہ ''اُنھوں نے نماز ضائع کر دی اور خواہشات کی پیروی کی۔بس عنقریب وہ گمراہی (کی سزا) سے مل جائیں گے۔'' (کافی)

محققین نے لکھا کہ احکامِ شریعت پر عمل کرنا بھی ذکرِ الٰہی ہے۔اور نماز کے قائم کرنے (اقامتِ الصلوٰۃ کے معنی نماز کو اُس کی تمام شرائط کے ساتھ ادا کرنا ہوتا ہے۔

یہ نوافل کا بیان ہے۔جنگ میں اگر نوافل بھی ادا کرنا چاہو تو چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، لیٹتے ادا کرو۔ذکرِ خدا کرو دعا کرو۔یہ کام ہر وقت ہو سکتا ہے۔اور اس سے خدا کی مدد شامل حال ہوتی ہے۔(مجمع البیان)

آیت نمبر ۱۰۴۔۱۰۵

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾

ۚ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾

ترجمہ

اور کافر قوم کا پیچھا کرنے سے سُستی نہ کرو۔ اگر تمھیں تکلیف پہنچتی ہے تو اُنھیں بھی ویسی ہی تکلیف پہنچتی ہے جیسی تمھیں پہنچتی ہیں۔ لیکن تمھیں اللہ سے وہ اُمید ہے جو اُنھیں نہیں ہے۔ اور اللہ تو سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ (۱۰۴)

بلاشبہ ہم نے آپؐ پر (یہ) کتاب حق اور سچائی کے ساتھ اُتاری ہے۔ تاکہ جو راستہ خدا نے آپ کو دکھادیا ہے اُس کے مطابق آپؐ لوگوں میں فیصلہ کریں ① ۔ اور آپؐ بے ایمان لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنیں۔ (۱۰۵)

تفسیر

فیصلے کا حق رسولِ خداؐ اور ائمہؑ ہدیٰ کو عطا ہوا ہے۔

1۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرینؑ سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو اپنے رسولؐ اور ائمہ طاہرینؑ کے سوا لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا حق نہیں دیا۔'' اس کے بعد آپؐ نے اِسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ اور جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ ''اس آیت کا حکم میرے اوصیاء کے لیے بھی جاری ہے۔'' (صافی ص ۱۲۰ بحوالہ کافی)

آیت نے واضح ہدایت فرمائی کہ مقدمات کے جو کچھ بھی فیصلے کیے جائیں وہ قرآن کے مطابق ہوں، یہ نہ ہو کہ اپنی خواہشات اور مفادات کے تحت یا انسانوں کے گڑھے ہوئے قانون و آئین کے تحت فیصلے کیے جائیں۔ اس قسم کے فیصلے خداوندِ عالم کی حکمرانی کو ٹھکرانے کے مترادف ہوں گے۔

شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا ''یہ اوّل و آخر کی آیت میں ذکر ہے ایک قصے کا۔ حضرتؐ کے وقت ایک انصاری کی زرہ آٹے میں دھری گم ہوئی۔ صبح تلاش ہوئی تو آٹے کا خط (لکیر) دیکھا ایک شخص کے گھر تک۔ اُس کا نام طعمہ ابن ابیر تھا۔ وہاں جھاڑا (تلاشی لی) تو زرہ نہ پائی۔ خط آگے دیکھا ایک یہودی کے گھر تک، زید نام، اور وہاں پائی۔ اُس یہودی نے کہا مجھے طعمہ نے سپرد کی طعمہ نے کہا میں بَری ہوں۔ چور وہی ہے۔ طعمہ کی قوم (مسلمانوں) نے

مشورت کی کہ ہم حضرتؐ کے پاس مل کر گواہی دیں گے کہ طعمہ بری ہے۔تو حضرت ہماری حمایت کریں گے اور یہودی چور ٹھہرے گا۔صبح کو یہی کیا۔اللہ تعالیٰ نے یہ آتیں نازل فرمائیں۔تو حضرت کو خبردار کر دیا کہ فی الحقیقت چور یہی تھا طعمہ۔'' (موضح القرآن)

ثابت ہوا کہ طعمہ کی قوم والے مسلمان تھے اور طعمہ کو چور جانتے ہوئے ایک یہودی کو پھانسنا چاہتے تھے۔ اس سے اندازہ فرمالیں کہ رسول خدا کے دور کے مسلمانوں میں کیسے کیسے جُغادری موجود تھے۔چوری اور سینہ زوری۔ ایک بے گناہ کو پھانسنے اور سزا دلوانے کی کوشش۔کیا ایسے لوگ ہمارے لیے اسلام کا نمونہ بن سکتے ہیں؟ اگر خداوندِ عالم کو ناموسِ صحابہ کا تحفظ منظور ہوتا تو مسلمان چور کا پردہ کیوں فاش کرتا۔؟

آیت نمبر ۱۰۶

وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ﴿۱۰۶﴾

ترجمہ

ہاں اللہ سے معاف کرنے کی سفارش کریں۔ یقیناً اللہ بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔(۱۰۶)

تفسیر

خائن کی سفارش یا وکالت کو اللہ ناپسند کرتا ہے

اور خدا کا رسولؐ سے نہ فرمانا کہ ''بددیانتوں کی وکالت نہ کیجئے گا'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کی طرف سے صفائی پیش نہ کیجئے گا۔ بُرا کوئی بھی ہو بُرا ہے ہاں چونکہ مسلمان ہے اور آپؐ کا کام دُعاءِ خیر کرنا ہے اس لیے آپؐ اُن کے لیے معافی کی درخواست کریں۔اس سے معلوم ہوا کہ رسولؐ کو جو معافی مانگنے کا حکم دیا گیا ہے اُس کا تعلق رسولؐ کے اپنے کسی عمل سے نہیں ہے، بلکہ اُن مسلمانوں کے عمل سے اس کا تعلق ہے جو مسلمان چور کو بچا کر ایک بے گناہ یہودی کو چور کے الزام میں پھنسانا چاہتے تھے۔عام مسلمانوں نے اس کا مطلب یہ لیا کہ رسولؐ نے بھی معاذ اللہ مسلمانوں کی

حمایت کی۔جس پر رسولؐ کو معافی مانگنے کا حکم دیا گیا۔(جلالین)

مگر شیعہ مفسرین اس تفسیر کو نا قابل تسلیم اور شانِ رسالتؐ کے خلاف سمجھتے ہیں اور قبول نہیں کرتے (تفسیر تبیان۔فصل الخطاب) بعض سُنی مفسرین نے بھی لکھا اصل میں رسولؐ کو استغفار کا یہ حکم اُن لوگوں کے لیے تھا جو مسلمان مجرم کی بے جا حمایت کر رہے تھے۔(قرطبی۔تفسیر کبیر)

آیت میں بتایا گیا ہے کہ خیانت کا وبال بالآخر خائن ہی کو بھگتنا پڑتا ہے۔اس لیے اس خیانت کو خود اپنے آپ سے خیانت کرنا بتایا گیا ہے۔(روح المعانی)

آیت نمبر ۱۰۷

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۚ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ

اور آپؐ اُن لوگوں کی حمایت میں بحث ومباحثہ اور وکالت نہ کریں، جو خود اپنے ساتھ خیانت کرتے ہیں ①۔یقین جانیں کہ اللہ کسی بھی خیانت کرنے والے گنہگار کو پسند نہیں کرتا۔(۱۰۷)

تفسیر

گناہ کرنا خود اپنے اوپر ظلم کرنا ہے

1۔ قرآن کے نزدیک ہر گناہ اپنے ساتھ غدّاری اور بدخواہی ہے۔اس لیے کہ اپنی خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ جہنّم اور خدا کی ناراضگی سے خود کو بچایا جائے۔ابدی ہلاکت سے اپنی حفاظت کی جائے۔گناہ کرنا خود اپنے اوپر ظلم کرنا ہے۔(جلالین۔مجمع البیان)

اب جو مسلمان چوری تو خود کرے اور الزام یہودی پر لگا دے تو گویا اُس نے اپنے ساتھ بھی غداری کی اور

پوری مسلمان جماعت کو بدنام کر کے تمام مسلمانوں سے بھی غداری کی اور رسولؐ کے سامنے جھوٹی گواہی دے کر چور کے مسلمان ساتھیوں نے رسولؐ سے بھی غدّاری کی۔ (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۰۸

يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ

یہ لوگ انسانوں سے تو اپنی حرکتیں چُھپا سکتے ہیں مگر خدا سے نہیں چُھپا سکتے۔ ① خدا تو اُس وقت بھی اُن کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے جب وہ راتوں کو چُھپ چُھپ کر اُس کی مرضی کے خلاف باتیں بناتے ہیں ②۔ اور اللہ اُن کی حرکتوں پر پوری طرح حاوی ہے۔ (۱۰۸)

تفسیر

1۔ یہ خدا کے حاضر و ناظر ہونے کا اسلامی عقیدہ ہے جو تمام جرائم کو ختم کرنے کی ضمانت ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''اس آیت سے مراد چند خاص لوگ ہیں اور عبیدہ بن الجراح بھی ان میں شامل ہیں۔'' (تفسیر صافی ص ۱۲۱، بحوالہ کافی)

دینِ خدا میں تغیّر کرنے والوں کا قصہ

امیر المومنین حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ ''اللہ نے دینِ خدا میں تبدیلیاں پیدا کرنے والوں کا قصہ اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ وہ لوگ رسولؐ کی وفات کے بعد اسی طرح باطل کو قائم کریں گے جس طرح یہودیوں اور عیسائیوں نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے بعد تورات اور انجیل میں تغیّرات کیے۔'' (تفسیر صافی ص ۱۲۱،

بحوالہ کافی)

2۔ ''یُبَیِّتُوْنَ'' راتوں کو چھپ کر باتیں کرنے کے ہوتے ہیں۔اس کے معنی رات بسر کرنا بھی ہے۔ چھپے چوری منصوبے بنانے بھی ہے۔رات کو مشورے کرنے کے بھی ہیں۔(شاہ ولی اللہ۔رفیع الدین۔مجمع البیان جلالین)

آیت نمبر ۱۰۹۔۱۱۰

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۣ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ

اچھا اگر تم لوگوں نے اس دنیا کی زندگی میں اُن (مسلمانوں) کی طرف سے جھگڑا اور بحث مباحثہ کر بھی لیا، تو قیامت کے دن اللہ سے اُن کی طرف سے جھگڑا (اور بحث مباحثہ) کون کرے گا؟ اور وہاں اُن کا وکیل کون بنے گا۔؟ (۱۰۹)

اور اگر کوئی شخص بھی کوئی بُرا کام کر گذرے یا اپنے اوپر ظلم کر جائے ۱۔ اور اس کے بعد اللہ سے معافی کی درخواست کرے، تو وہ خدا کو بہت معاف کرنے والا اور بے حد رحم کرنے والا پائے گا۔ (۱۱۰)

تفسیر

بُرائی اور اپنے اوپر ظلم کرنے سے مراد

1۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا: گناہ فرمایا ''کبیرہ'' کو، اور اپنا بُرا کیا فرمایا ''صغیرہ کو''

علامہ طبرسی نے لکھا ''بُرائی سے مراد گناہ یا بُرا کام۔ اور اپنے اوپر ظلم کرنے'' کے معنی کسی بے گناہ کو پھنسانا، شرک کرنا یا ظلم کرنا۔ (مجمع البیان)

''بُرائی کرنے'' کے معنی دوسروں پر زیادتی کرنا بھی ہوسکتا ہے۔ اور ''اپنے اوپر ظلم کرنے'' کے معنی انفرادی گناہ ہے۔ یہ معنی بہترین ہیں جامع ہیں۔ (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۱۱۔ ۱۱۲

وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾

ترجمہ

اور جو کوئی بھی گناہ کرتا ہے تو وہ صرف اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اور اللہ تو سب کچھ جاننے والا ٹھیک ٹھیک کام کرنے والا ہے۔ (۱۱۱)

اور جو کوئی بھی (بلا جانے) غلطی کرے یا (جان بوجھ کر) گناہ کرے اور پھر اُس کو کسی بے قُصور کے سر تھوپ دے، تو اُس نے ایک بہت بڑا جھوٹا (الزام) لگایا اور کھُلے ہوئے گناہ کا بوجھ

اُٹھایا① ۔(۱۱۲)

تفسیر

خَطِیْٓئَةً، اِثْمًا اور بُہتان کے معنی

1۔ خَطِیْٓئَةً یا خطا، چھوٹا گناہ ہے جو صرف خدا اور بندے کے درمیان ہو اور بے ارادہ ہو جائے۔(ابنِ جریر، مدارک)

اور ''اِثْمًا'' یعنی وہ بڑا گناہ ہے جو قصداً کیا جائے اور جو بندوں پر ظلم ہو۔(ابنِ جریر، روح المعانی، مدارک)

اور آخر میں خدا کا اس کو ''بہتان'' اور ''کُھلا ہوا گناہ'' فرمانا شاید اس لیے ہے کہ اُس آدمی کے لحاظ سے جس پر یہ جھوٹا الزام چوری کا لگایا گیا، یہ بہتان (الزام تراشی) ہے اور خدا کی نگاہ میں ''کُھلا ہوا گناہ'' ہے اس سے الزام تراشی کی سخت مذمّت ثابت ہوئی۔(فصل الخطاب)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اسلام میں عدل و انصاف کو کتنی اہمیت حاصل ہے اور کسی بے گناہ کو پھنسانا کتنا بڑا جرم ہے، خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ (تبیان)

آیت نمبر ۱۱۳

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَیْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ

اور اگر آپؐ پر اللہ کا فضل و کرم اور رحمت نہ ہوتی تو اُن مسلمانوں میں کا ایک گروہ تو یہ چاہتا تھا کہ آپؐ کو گمراہ کر دے۔ لیکن حقیقت میں وہ خود اپنے ہی کو گمراہ کر رہے تھے، اور آپؐ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے (کیونکہ) اللہ نے تو آپؐ پر اپنی کتاب اور حکیمانہ راز (پہلے ہی) اتار دیے ہیں، اور آپ کو وہ سب کچھ بتا دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے۔ آپؐ پر تو اللہ کا فضل و کرم بہت ہی زیادہ ہے۔ (۱۱۳)

تفسیر

بے ایمان مسلمان قسمیں کھا کھا کر جھوٹی گواہیاں دے دے کر بے گناہ یہودی کو پھانسنا چاہتے تھے۔ تاکہ رسولؐ یہودی کو سزا دیں اور مسلمان چور بچ جائے چاہے۔ رسولؐ کے دامنِ عدل و انصاف پر داغ ہی کیوں نہ آ جائے لیکن خدا نے اپنے فضل و کرم سے رسولؐ کو حقیقت حال بتا دی اور اس طرح ان دوست نما دشمنوں کا منصوبہ ناکام رہا (فصل الخطاب)

خدا کا فرمانا ''اَنْ یُّضِلُّوْكَ'' یعنی، ان میں سے ایک گروہ نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ آپؐ کو بھٹکا کر رہیں گے۔ ''یعنی آپؐ کو دھوکہ دے کر غلط فیصلہ کروالیں گے۔ (از ابنِ عباسؓ، روح)

آیت نمبر ۱۱۴

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾

ترجمہ

وہ لوگ چپکے چپکے ایک دوسرے کے کانوں میں جو باتیں کرتے ہیں اُن میں زیادہ تر باتوں میں اچھائی یا بھلائی کی کوئی بات نہیں ہوتی، سوا اس کے کہ کبھی کوئی چُپکے سے کسی کو نیکی یا صدقہ خیرات کرنے کی ترغیب دے یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرانے کی بات چیت کرے۔ اور جو کوئی اللہ کو راضی کرنے کے لیے ایسا کرے تو ہم اُس کو بہت ہی بڑا ثواب عطا کریں گے ①۔(۱۱۴)

تفسیر

کام کی تین قسمیں ہیں

1۔ حضرت امام جعفر صادق ؑ سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ: ''کلام کی تین قسمیں ہیں (۱) صدق (۲) کذب (۳) اصلاح بین النّاس۔ اور اصلاح کی تفسیر یہ ہے کہ کسی شخص سے کوئی بات سنی جس سے کسی دوسرے کی بُرائی ٹپکتی ہو۔ پھر جب تم اُس دوسرے سے ملو تو اس شخص سے یہ کہہ دو کہ میں نے فلاں شخص سے تمھاری تعریف سنی ہے۔ یعنی جو بُرائی تم نے سنی تھی، اُس کے خلاف بیان کر دو تا کہ دونوں میں فساد نہ رہے، بلکہ اصلاح ہو جائے۔'' (تفسیر صافی ص ۱۲۱ بحوالہ کافی)

جھوٹ تین باتوں میں جائز ہے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آباءِ طاہرینؑ کے ذریعے سے روایت کی کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: ''جھوٹ تین باتوں میں جائز ہے۔ (۱) لڑائی میں دشمن کو دھوکہ دینے کے لیے۔ (۲) بیوی سے وعدہ کرتے ہوئے (۳) لوگوں کے درمیان اصلاح یا دوستی کراتے ہوئے۔'' (الخصال)

آیت نمبر ۱۱۵

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ

مگر جو شخص صحیح راستے کو واضح طور پر جان لینے کے بعد بھی رسولؐ کی مخالفت کرے اور ایمان والوں کے راستے کے خلاف راستہ چلے، تو پھر ہم بھی اُسے اُسی طرف جانے دیں گے جدھر وہ ازخود پھر گیا ہے۔ اور اس طرح اُسے جہنّم تک پہنچا دیں گے، جو بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ (۱۱۵)

تفسیر

اتباعِ رسولؐ اور آلِ رسولؐ ہی صحیح راستہ ہے

محققین نے نتیجہ نکالا کہ رسولؐ کی پیروی کرنا ایمان کا حقیقی معیار ہے۔ کچھ مسلمانوں کا کسی راستے پر چلنا معیار نہیں۔ اس لیے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ معصومؑ کی پیروی کی جائے اور دین کے اصولوں کی پابندی کی جائے۔ (مجمع البیان)

لیکن تعجب ہے کہ اکثر مفسّرین آیت کے پہلے جُزو کو تو نظر انداز کر دیتے ہیں اور آیت کے دوسرے جُزو سے جمہوریت، اجماع اور شوریٰ کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش فرماتے ہیں جیسے کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھ دیا۔ ''پس جس بات پر اُمّت کا اجماع ہو، وہی اللہ کی مرضی ہے۔ اور جو منکر ہو سو وہ دوزخی ہے (موضح القرآن)

حالانکہ اسی آیت میں مسلمانوں کے اجماع کو خدا نے باطل قرار دے کر یہودی کو بچا لیا۔ جبکہ مسلمانوں نے حق کے خلاف اجماع کر لیا تھا اور چور مسلمان کے بری ہونے کی جھوٹی گواہیاں دی تھیں۔ خدا نے ان کی سخت

مذمّت کی اور خدا کا یہ فرمانا کہ ''جدھر وہ گیا اُسی طرف ہم اُسے جانے دیں گے'' کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ ہم کسی بُرے کام کرنے والے کو زبردستی روک دیں اور زبردستی ٹھیک راستے پر لگا دیں۔ (جلالین)

آیت نمبر ۱۱۶

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾

ترجمہ

بیشک اللہ اِس بات کو نہیں معاف کرے گا کہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے مگر اس سے کم جو (گناہ) بھی ہو اُسے، جس کے لیے چاہے گا، معاف کر دے گا (کیونکہ) جس نے بھی اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک ٹھہرایا تو وہ گمراہی میں بہت ہی دور نکل گیا۔ (۱۱۶)

تفسیر

شرک ناقابلِ معافی گناہ ہے

محقّقین نے نتیجے نکالے کہ (۱) شرک وہ گناہ ہے جو ناقابلِ معافی ہے (۲) باقی دوسرے گناہوں کی معافی کا امکان ہے۔ (۳) مگر خدا کا یہ فرمانا کہ ''جس گناہ کو وہ چاہے'' معاف کر دے، اس سے معلوم ہوا کہ گناہوں کے معاف ہونے کا حتمی وعدہ نہیں۔ اس طرح اُمید اور خوف کو ملا دیا جو ایمان کا خاص جوہر ہے۔

عام اصول مفسرین نے یہ لکھا کہ فروعی اور عملی گناہوں میں جہاں خدا اور رسولؐ کے حکم کا انکار نہ کیا گیا ہو، بس عملی کوتاہی یا گناہ کیا گیا ہو، وہاں معافی کی گنجائش بھی ہے اور اُمید بھی۔ لیکن اگر دین کے بنیادی اصولوں میں انحراف کیا جائے۔ یعنی خدا اور رسولؐ کے حکم سے انکار کر دیا جائے تو پھر مغفرت اور شفاعت کا امکان نہیں رہتا۔ (فصل الخطاب)

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح توحید کا عقیدہ تمام ممکن بھلائیوں اور نیکیوں کی جڑ ہے، اسی طرح شرک ساری

بُرائیوں اور گناہوں کی جڑ ہے، اس لیے کسی دوسرے گناہ کو شرک کی برابر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (ماجدی)
اس آیت نے خوارج کے اُس عقیدے کو رد کر دیا کہ ''گناہِ کبیرہ کا کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔'' (قرطبی)

آیت نمبر ۱۱۷

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۙ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ

وہ (مشرک) اللہ کو چھوڑ کر کچھ زنانی دیویوں کو (خدا سمجھ کر) پکارتے ہیں۔ (حقیقت میں) وہ اُسی سرکش شیطان کو پُکارتے ہیں۔ (۱۱۷)

تفسیر

مشرک دراصل شیطان کی پرستش کرتے ہیں

پھر بتایا گیا کہ وہ جو بُتوں کی پوجا کرتے ہیں وہ اصل میں شیطان کی پوجا کرتے ہیں۔ (جلالین) یہ اس لیے کہا گیا کہ ہر قسم کا غلط کام شیطان ہی سمجھاتا ہے۔
شیطان کی زبانی بتایا گیا کہ شیطان کس طرح گمراہ کرتا ہے۔ پہلی بات شیطان نے کہی کہ میں گمراہ کروں گا۔ یعنی غلط عقیدے اور نظریات پھیلاؤں گا۔ دوسری بات شیطان نے کہی کہ ''اُنھیں سبز باغ دکھاؤں گا۔'' یعنی غلط توقعات اور اُمیدیں باندھوں گا۔ انسان دوسرے کے گلے کاٹتا ہے۔ انھیں غلط توقعات اور جھوٹی اُمیدوں کی وجہ سے۔ تیسری بات شیطان نے یہ کہی کہ اُن کے دین میں بدعتیں رائج کردوں گا مثلاً یہ کافروں کا دستور تھا کہ گائے یا بکری کا ایک بچہ بُت کے نام کرکے، اُس کے کان میں نشان ڈالدیا اور اُس کی پوجا کرنے لگے۔ (موضح القرآن) بقول شیطان چوتھا کام یہ کروں گا کہ اللہ کی طرف کی پیدائش کی صورت کو بدل دوں گا۔ یعنی ہر قسم کا غیر فطری کام

کرواؤں گا۔حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ''اللہ کے دین کو بدلوادوں گا۔'' (یہی ابراہیم اور مجاہد کا بھی قول ہے۔) (تبیان)

غرض مشرکوں کو بتایا ہے کہ بتوں کو دیویوں کو پکارنا عین شیطان کو پکارنا ہے۔(ماجدی)

آیت نمبر ۱۱۸۔۱۱۹

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾
وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ
الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ
الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ؕ ﴿۱۱۹﴾

ترجمہ

جس پر اللہ نے لعنت کی تھی، اور جس نے اللہ سے کہا تھا: میں تیرے بندوں میں سے اپنا ایک مقرّر حصہ ضرور لے کر رہوں گا① ۔(۱۱۸)

اور میں اُنھیں ضرور گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ میں اُنھیں اُنکی آرزوؤں میں اُلجھا دوں گا، پھر اُنھیں حکم دوں گا تو وہ جانوروں کے کانوں کو پھاڑ ڈالیں گے۔ پھر اُنھیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی بناوٹ ہی کو بدل ڈالیں گے۔ اور جو بھی اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا سرپرست بنائے گا تو وہ کھُلا ہوا نقصان اُٹھائے گا۔(۱۱۹)

تفسیر

1۔ شیطان کہے گا کہ میں اُن کے اوقات میں، اُن کی محنتوں اور کوششوں میں، اُن کی قوتوں

قابلیتوں میں اُن کے مال اور اولاد میں اپنا حصّہ لگاؤں گا اور اُنکو دھوکہ دیکر ایسے ایسے کام کراؤں گا کہ اُن کی اُن چیزوں کا زیادہ بڑا حصہّ میری مرضی کے مطابق استعمال ہوگا۔ (تفہیم)

خَلْقَ اللّٰہِ سے مراد:

حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے آباءِ طاہرینؑ کے ذریعے سے روایت نقل فرمائی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''اس آیت میں ''خَلْقَ اللّٰہِ'' سے مراد دین خدا ہے۔ یعنی خدا کا امر یا نہی۔ اور اس کی تائید اللہ کے اس قول سے ہوتی ہے:

''فطرۃ اللہ الّتی فطر النّاس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذٰلک الدّین القتیم

یعنی فطرتِ خدا جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اس لیے) دین خدا میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی، یہی دین قیم ہے') تفسیر صافی ص ۱۲۱ بحوالہ تفسیر مجمع البیان)

خِلقت یا بناوٹ کے تبدیل کر دینے سے مراد چہرہ، صورت یا صفت کا بدل دینا ہے اللہ کی اجازت کے بغیر ۔مثلاً نر جانوروں کا خصی کر دینا، غلاموں کو خواجہ سرا بنا دینا وغیرہ

ابنِ جریر نے بھی خَلْقَ اللہ کے معنی دین اللہ کے لکھے ہیں اور اُنھوں نے یہ معنی ابنِ عباسؓ، مجاہد، عکرمہ تابعی سے نقل کیے ہیں اور دوسرے مفسرین نے بھی یہی معنی لکھے ہیں۔ (ابن جریز، قرطبی)

یہ بھی کہ گیا ہے کہ آفتاب پرستی، آگ پرستی، درخت پرستی، حیوان پرستی بھی اللہ کی خَلْق کو تبدیل کرنا ہے۔ کیونکہ جو چیز محکوم تھی اُسے حاکم بنالیا۔ اور شیطان کو دوست بتانے کے معنی یہی ہیں کہ احکامِ شریعت کو چھوڑ کر خود اپنے بنائے ہوئے طریقوں کو اختیار کیا جائے اور شیطان کے چیلوں کے بنائے ہوئے رسم و رواج اور تصورات کو دلیل راہ بنالیا۔ (قرطبی)

دراصل یہاں جس ردّ و بدل کو شیطانی کام بتایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کسی چیز سے وہ کام لے جس کے لیے خدا نے اُسے پیدا ہی نہیں کیا، اور کسی چیز سے وہ کام نہ لے جس کے لیے خدا نے اُسے پیدا کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ خلافِ فطرت کا کرے مثلاً: ہم جنس پرستی، رہبانیت، مردوں عورتوں کو بانجھ بنانا، مردوں کو خواجہ سرا بنانا، لڑکوں کو لڑکیاں بنانا، عورتوں سے وہ کام لینا اور اُن پر وہ ذمے داریاں ڈالنا جن کے لیے وہ پیدا ہی نہیں کی گئی ہیں۔ لوہے سے ایسے سامان بنانا جو بے گناہوں کے خون کو بہانے کے کام آئیں وغیرہ۔ گویا یہ لوگ خدا کی بنائی ہوئی فطرت کو غلط سمجھ کر اس کو اپنی مرض کے مطابق بدلنا چاہتے ہیں۔ (تفہیم)

آیت نمبر ۱۲۰

یَعِدُهُمْ وَیُمَنِّیْهِمْ ؕ وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾

ترجمہ

(شیطان) تو اُن لوگوں سے وعدے کرتا ہے اور اُنھیں جھوٹی اُمیدیں دلاتا ہے مگر شیطان کے سارے کے سارے وعدے سِوا دھوکے کے کچھ بھی تو نہیں ہوتے ①۔(۱۲۰)

تفسیر

شیطان جبل ثور پر چڑھ کر چیخنے لگا

1۔ حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ ''وہ لوگ جس وقت کوئی بُرا کام کرتے ہیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں اور پھر اللہ کو یاد کریں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگ لیں، تو وہ خدا کو بڑا معاف کرنے والا پائیں گے۔'' اس آیت کے اُترنے پر ابلیس مکّے کے قریب ایک پہاڑ پر چڑھ گیا جس کا نام ثور ہے۔ اور بہت بلند آواز سے اپنے عفریتوں پر چیخا۔ سب اُس کے پاس جمع ہو گئے اس نے بتایا کہ آج یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ پس کون ہے جو اس کا توڑ کر سکے۔ ایک عفریت نے کہا کہ میں اس کام کے لیے حاضر ہوں۔ ابلیس نے کہا، تو تو اس کا اہل نہیں۔ پھر دوسرا کھڑا ہوا اُس نے اپنی ترکیب بتائی۔ ابلیس نے کہا، تو بھی اس کا اہل نہیں۔ اس پر وسواس الخناس کھڑا ہوا۔ اور کہا کہ یہ کام میں کروں گا۔ ابلیس نے پوچھا: کس طرح؟ اس نے کہا'' میں اُن گناہ کرنے والوں سے دنیا کے فائدوں کے ملنے کا وعدہ کروں گا۔ اور اُن کو خوب اُمیدیں دلواؤں گا، یہاں تک کہ گناہ کریں، پھر یہی چال چلکر اُنھیں خدا سے معافی مانگنا ہی بھلوا دوں گا۔'' ابلیس نے کہا تو اس کام کا واقعی اہل ہے۔ اور اُسے اس کام پر قیامت تک کے لیے مقرر کر دیا۔ (تفسیر صافی ص ۱۲۱ بحوالہ المجالس)

شیطان کے (جھوٹے) وعدوں کا مطلب

شیطان کے جھوٹے وعدوں کا مطلب یہ ہے کہ ''یہ عقیدہ رکھا جائے کہ حشر نشر کوئی چیز نہیں، حساب کتاب کوئی چیز نہیں، جو کچھ ہے بس یہی مادی دنیا ہے:۔

بابر بعیش کُن کہ ایں عالم دوبارہ نیست

یعنی: بابر عیش کرلے، کیونکہ دُنیا اور اس کی سج دھج پھر دوبارہ ملنے والی نہیں۔

یہی عقل جزوی کا سب سے بڑا معیا ہے۔ وحی کی کوئی حقیقت نہیں، جو کچھ ہے بس یہی مادّی ماقوانین ہیں، ان کے اوپر کوئی خدا کی مشیّت حاکمِ اعلیٰ نہیں۔ فحش کاموں میں کوئی حرج نہیں وغیرہ وغیرہ۔ (ماجدی)

غرض شیطان کا سارے کا سارکاروبار ہی جھوٹے وعدوں اور جھوٹی اُمیدوں کے دلانے کے بل پر چل رہا ہے، وہ لوگوں کو غلط راستے پر چلانے کے لیے اُن کو سبز باغ دکھاتا ہے کسی کو جنسی لطف ولذت کے باغات، کسی کو مالی منفعتوں کے باغات، کسی کو جھوٹی شہرت، عزت، ناموری اور کامیابیوں کے وعدے، کسی کو کُرسی اور سربلندی کی توقعات، کسی کو یہ بھروسہ دیتا ہے کہ نہ عذاب ہے، نہ آخرت، بس مرکر مٹی ہوجانا ہے اور پھر کسی کو یہ غلط اُمیدیں کہ فلاں بزرگ کی وجہ سے تم بچ جاؤ گے، لہٰذا جتنے چاہو گناہ کرلو۔ غرض جس کو جیسا دیکھا اُس کو ویسا ہی باغ دکھایا اور پھانس لیا۔ (تفہیم)

آیت نمبر ۱۲۱۔۱۲۲

أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ﴿١٢١﴾
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۖ
وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ﴿١٢٢﴾

ترجمہ

ان لوگوں کا (جو اُس کے وعدوں پر بھروسہ کرتے ہیں) ٹھکانا جہنّم ہے۔ اور وہ لوگ اُس سے چھٹکارا پانے کا کوئی طریقہ نہ پائیں گے۔ اب رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے تو اُنھیں ہم عنقریب ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اور وہ ہمشیہ ہمیشہ وہیں رہیں گے ① ۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ اور (بھلا) اللہ سے بڑھ کر کون اپنی بات کا سچا ہوگا۔

تفسیر

نیک کام کرنے والے مومنوں کے لیے جنتوں میں ہمیشگی کی رہائش

1۔ اچّھے اچّھے کاموں کے ساتھ خدا اور رسولؐ پر ایمان کی شرط بہت ضروری ہے۔ کیونکہ عملِ صالح کے لیے صالح اور اچھے محرّک کا ہونا لازمی شرط ہے۔ اگر نیک کام ریا کاری، نمائش یا کسی اور مادّی فائدے کے لیے کیا جائے تو وہ عمل بظاہر اچھا لگتا ہے لیکن حقیقتاً اچّھا نہیں ہوتا۔ اسی اخلاصِ عمل کو ایمان کہتے ہیں۔ اس کے بغیر عملِ صالح صرف صورتاً صالح ہوگا، حقیقتہً صالح نہ ہوگا۔ بغیر اخلاصِ نیت یا ایمان کے کسی عمل کو عملِ صالح کہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (ماجدی)

آیت نمبر ۱۲۳

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾

ترجمہ

نہ تو تمھاری آرزوؤں ہی سے کچھ ہوتا ہے اور نہ اہلِ کتاب کی تمناؤں سے کچھ ہوسکتا ہے۔ (ہونا تو بس یہ ہے کہ) جو کوئی بھی بُرائی کرے گا، وہ اُس کی سزا پائے گا۔ اور اللہ کے مقابلے پر سرپرست یا مددگار بھی نہ پائے گا۔ (۱۲۳)

تفسیر

مختلف بلاؤں وغیرہ کے سبب سے نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے

حضرت اسماعیلؑ بن امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے والد محترم سے عرض کی کہ ہمارے گناہگاروں کے بارے میں آپؑ کیا فرماتے ہیں؟ تو امامؑ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (تفسیر صافی ص ۱۲۲ بحوالہ عیون اخبار الرضاؑ)

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت کہ ''جو شخص بھی بُرائی کریگا، اُس کا بدلہ پائے گا'' نازل ہوئی تو اصحابِ رسولؐ میں سے کیسی نے کہا کہ یہ آیت کسقدر سخت ہے جنابِ رسول خداؐ نے فرمایا: ''کیا تمھاری جانوں مالوں اور اولاد پر کچھ بلائیں نہیں آتیں''؟ عرض کی، ضرور آتی ہیں۔ فرمایا: ''بس اُن کے سبب سے خدا تمھارے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھتا جائے گا۔ اور تمھارے گناہ مٹاتا جائے گا۔'' (تفسیر صافی ص ۱۲۲ بحوالہ تفسیر عیاشی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ''خدا کو جب کسی بندے کی عزّت کرنی مقصود ہوتی ہے اور اُس کے ذمے کوئی گناہ بھی ہوتا ہے، تو اللہ اُسے کسی مرض میں مبتلا کر دیتا ہے (تاکہ وہ گناہ ختم ہوجائے) یا اگر یہ نہ کیا تو اُس کی موت کو اُس پر سخت کر دیتا ہے۔ تاکہ اس کے گناہ کی مکافات ہوجائے۔'' (کافی)

''اَمَانِیِّ'' کے معنی میں ایسے غلط تصوّرات شامل ہیں کہ مثلاً ہم کیونکہ مومن ہیں، رسولؐ کو ماننے والے ہیں، اس لیے ہمیں گناہوں سے کچھ نقصان نہ ہوگا۔ اِنھیں غلط قسم کی توقّعات کے بارے میں یہاں خدا نے صاف صاف بتا دیا کہ ''نہ تمھارے خیالاتِ خام سے کچھ ہوتا ہے اور نہ اہل کتاب کے۔'' (تفسیر علی ابن ابراہیم)

آیت نمبر ۱۲۴

۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾

ترجمہ

اور جو کوئی بھی نیک کام کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، جبکہ وہ مومن بھی ہو تو یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اور اُن پر ذرا سا بھی ظلم نہ ہوگا۔ (۱۲۴)

تفسیر

اعمالِ صالح کے ساتھ ایمان کی شرط

محققین نے نتیجہ نکالا کہ آخرت کی جزا اصل میں عمل کے مراتب ہی کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ ایمان اُس عمل کی صحت کا ضامن ہوتا ہے۔ یعنی اگر ایمان ہی نہ ہوگا تو عمل کو دیکھا ہی نہ جائے گا۔ ایمان ہوگا تو پھر جیسے اعمال ہوں گے ویسی ہی جزا ہوگی۔ (فصل الخطاب)

پچھلی آیتوں میں بُرائیوں پر سزا کا اعلان ہے۔ اور اس آیت میں ایمان کی شرط کے ساتھ نیک اعمال پر جنّت کی بشارت دی جارہی ہے۔ اس طرح ایک مومن کو اُمید اور خوف کے درمیان، دونوں میں سمو کر رکھ دیا ہے۔ یہی جوہر ایمانی ہے اور تحریکِ عمل بھی ہے اور تحریکِ اصلاح بھی۔ اسی سے فرائض کی ادائیگی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ (مجمع البیان)

آیت نمبر ۱۲۵

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ

مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾

ترجمہ

اور اُس سے بہتر کس کا دین (طریقہ زندگی) ہوگا جو خود کو اللہ کے سپرد کر دے، اس حال میں کہ وہ اچھے کام کرتا رہے ① ۔ اور غلط راستوں سے ہٹ کر ابراہیم کے بالکل سیدھے طریقے کی پیروی کرے (کیونکہ) اللہ نے ابراہیمؑ کو اپنا خاص دوست ② بنایا تھا۔ (۱۲۵)

تفسیر

حنیف اور خلیل کی وضاحت

''حنیف'' کے لفظی معنی ''مُڑنے والا'' یعنی غلط راستوں سے ہٹ کر سیدھے راستے پر قائم رہنے الا، ہوتا ہے۔ (جلالین)

اور خود کو اللہ کے سپرد کر دینے کے معنی خدا کی مکمل اطاعت کرنا اور صرف اُس کی خوشی حاصل کرنے کے لیے خلوص کے ساتھ عمل کرنا ہوتا ہے۔ اور ''خلیل'' کے معنی خاص دوست (جلالین)

1۔ خدا کا یہ فرمانا کہ ''وہ محسن'' یعنی مخلص یا نیک کام کرنے والا بھی۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی اطاعت سے دل ہو منافقانہ نہ ہو۔ اور صرف زبانی جمع خرچ نہ ہو، بلکہ عملاً نیک کام کرنے والا ہو، خدا کی اطاعت عقائد میں بھی ہو اور عمل میں بھی۔ (از ابن عباسؓ، ابن کثیر)

2۔ اور خدا کا حضرت ابراہیمؑ کو ''خلیل'' کہنے کا مطلب یہ ہے کہ '' خُلَّة'' خالص محبت کو کہتے ہیں اور خلیل مخلص دوست کو کہتے ہیں، جس کی محبت میں کوئی خلل نہ ہو۔ خدا نے ابراہیمؑ کو خلیل اس لیے فرمایا کہ خدا نے اُن سے محبت کی اور اُن کو چُنا۔ غرض خُلّت خدا کے قریب اور مقبولیت کا بہت اعلیٰ مقام ہے۔ (تاج۔ معالم۔ قرطبی)

آیت نمبر ۱۲۶

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾

ترجمہ

اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (سب کا سب) اللہ ہی کا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر حاوی ہے۔ (۱۲۶)

تفسیر

اللہ کی قدرت ہر شے پر مکمّل حاوی ہے

اس آیت میں اللہ کے کمالِ قدرت، وسعتِ سلطنت اور احاطۂ علم کو بیان کیا جا رہا ہے کہ کائنات کی کوئی چھوٹی یا بڑی چیز خدا کی سلطنت ملکیت سے باہر نہیں اور نہ خدا کے احاطۂ علم سے باہر ہے۔ (ماجدی)

مطلب یہ ہے کہ اللہ کے آگے سرِ تسلیم خم کر دینا اور خودسری اور خودمختاری سے باز آجانا اس لیے بہترین طریقہ ہے کہ یہ حقیقت کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ جب اللہ ہی زمین و آسمان کی تمام چیزوں کا مالک ہے، تو انسان کو بھی اپنے اختیار سے خود کو خدا کے حوالے کر دینا چاہیے۔ یعنی خدا کی بندگی اور اطاعت پر راضی ہو کر خدا سے سرکشی چھوڑ دینا چاہیے۔ (تفہیم)

آیت نمبر ۱۲۷

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا

یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا کُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْکِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِهٖ عَلِیْمًا ﴿۱۲۷﴾

ترجمہ

اور لوگ آپؐ سے (یتیم) لڑکیوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔ کہہ دیجیے کہ اللہ اُن کے بارے میں تمھیں اپنا حکم بتاتا ہے، جو اُس کی کتاب میں سے تمھیں پڑھ کر سُنایا جاتا ہے۔ جن کا جو حق مقرّر ہے وہ تو تم دیتے نہیں ہو، اور بے بس لڑکوں کے بارے میں (بھی بتاتا ہے) اور یہ کہ تم یتیموں کے ساتھ انصاف کرو۔ اور جو کچھ کام بھی تم کرو گے تو اللہ اُس سے پوری طرح واقف ہے۔ (۱۲۷)

تفسیر

اسلام میں چھوٹے یتیم بچوں اور عورتوں کے حقوقِ میراث

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ ''ایّام جاہلیت میں لوگ چھوٹے بچوں اور عورتوں کو میراث نہیں دیتے تھے کہ سوا اُس شخص کے جو لڑائی لڑ سکے۔ اور دشمن کو دفع کر سکے اور کسی کو ہم میراث نہ دیں گے۔ اس پر اللہ نے میراث کی وہ آیتیں نازل فرمائی جو اس سورے کے اول میں ہیں۔ اور یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ ''جو کچھ تم پر ان یتیم عورتوں کے بارے میں پڑھا جاتا ہے، جن کو تم اُن کا مقرّرہ حصہ نہیں دیتے'' (تفسیر صافی ص ۱۲۳ بحوالہ تفسیر مجمع البیان)

اہل جاہلیت اس میراث کو نہ دینے کو اپنے نزدیک بہت اچھا سمجھتے تھے۔ اس لیے جب خدا نے میراث کی

آیتیں نازل کیں تو وہ اس پر بہت ناراض ہوئے اور کہنے لگے چلو ہم رسولِ خداؐ سے اس مسئلے پر بات کرتے ہیں تا کہ وہ اس حکم پر عمل کرنا چھوڑ دیں۔ یا اِسے بدل دیں۔ غرض وہ رسولِ خداؐ کے پاس آئے اور عرض کی کہ لڑکی کو باپ کے ترکے میں سے بھائی کے مقابلے پر آدھا ملے گا اور چھوٹے بچے کو بھی میراث دی جائے گی، حالانکہ ان میں سے نہ تو کوئی گھوڑے پر چڑھ سکتا ہے اور نہ دشمن سے لڑ سکتا ہے۔ اور نہ اُن کو مالِ غنیمت میں سے حصّہ مل سکتا ہے۔ اس پر جناب رسولِ خداؐ نے جواب دیا: ''ہاں، مجھے اسی طرح حکم دیا گیا ہے۔'' (تفسیر قمیؒ)

غرض آیت کا پیغام یہ ہے کہ کتاب میں جو احکام تمھارے سامنے پیش ہوئے یہ اُن یتیم لڑکیوں کے بارے میں ہیں۔ اُن سے اس طرح نکاح نہ کرو کہ اُن کو مہر بھی ادا نہ کرو۔ اور نہ دوسرے حقوق ادا کرو۔ نیز اس آیت میں کمزور یتیم لڑکوں کے بارے میں بھی احکامات ہیں جو اپنے مال کی خود حفاظت نہیں کر سکتے۔ اُن کے ساتھ انصاف سے کام لو۔

یتیموں اور عورتوں کے حقوق آج معمولی سی بات معلوم ہوتے ہیں، مگر ان احکامات کا اندازہ تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ اُس زمانے میں یتیموں اور عورتوں پر کسقدر بھیانک ظلم کیے جاتے تھے۔ یہانتک کرتے تھے کہ اگر یتیم لڑکیاں خوبصورت نہ ہوتیں تو نہ تو خود اُن سے شادی کرتے اور نہ کسی دوسرے کو اُن سے شادی کرنے دیتے تا کہ اُن کا مال ہاتھ سے نہ چلا جائے۔ (از ابنِ عباسؓ، ابن جریر از الحسن، قرطبی)

آیت نمبر ۱۲۸

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾

ترجمہ

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے کسی زیادتی یا بدسلوکی کا خطرہ ہو تو اس میں کوئی حرج

نہیں کہ وہ آپس میں صلح صفائی کرلیں۔اور صُلح تو اچھی چیز ہے (کیونکہ) دل تو کنجوسی کی طرف مائل ہوتا ہے،لیکن اگر تم اُن کے ساتھ اچھائی کرو اور خدا سے ڈرتے ہوئے بُرائی سے بچو تو پھر یقیناً اللہ تمھارے کاموں کو خوب اچھی طرح جانتا ہے۔(۱۲۸)

تفسیر

نُشُوْزً اَلشُّحَّ اور تقویٰ کی مختصر تشریح

شریعت نے شوہر پر جو حقوق واجب کیے ہیں یعنی نان نفقہ دینا، بیوی کی تمام جائز ضرورتیں پوری کرنا، ازدواجی تقاضے پورے کرنا، بیوی سے ربط قائم رکھنا وغیرہ، اگر شوہر ان فرائض کو ادا نہیں کرتا تو وہ ''ناشز'' کہلاتا ہے۔(جلالین)

شیخ طوسیؒ نے ''شُحّ'' اور ''بُخل'' میں یہ فرق بتایا ہے کہ بُخل مال میں کنجوسی کرنے کو کہتے ہیں، اور ''شُحّ'' مقام 'عزّت، اعزاز وغیرہ حاصل کرنے کی خواہش کو کہتے ہیں۔نیز ''ہوس کی زیادتی'' کہا ہے۔(تبیان)

قرآن میں جہاں جہاں حسنِ معاشرت یا میاں بیوی کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں اکثر ایک جامع لفظ ''تقویٰ'' لایا گیا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ گھر والوں سے اچھا سلوک کرنا تقویٰ کا لازمی حصّہ ہے۔(ماجدی)

آیت نمبر ۱۲۹

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾

ترجمہ

اور تم سے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ تم اپنی بیویوں کے ساتھ پوری پوری برابری کا سلوک کرو، چاہے

تم اس کے کتنے ہی خواہشمند بھی کیوں نہ ہو، مگر ایک بیوی کی طرف اِس طرح تو نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو بیچ میں لٹکا ہوا چھوڑ دو۔ اگر صلح رکھتے ہوئے اپنا طرزِ عمل ٹھیک رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو، تو یقیناً اللہ بڑا ہی معاف کرنے والا، بے حد مسلسل رحم کرنے والا ہے۔ (۱۲۹)

تفسیر

بیویوں میں ممکنہ عدالت قائم کرو

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ اللہؐ نے ارشاد فرمایا: ''ہر بیوی سے ہر معاملے میں ہر طرح مساوات برتنا ضروری ہے۔'' (تفسیر صافی ص ۱۲۳)

امام جعفر صادق آلِ محمدؑ نے فرمایا کہ ''جناب رسولِ خداؐ اپنی بیماری تک کے زمانے میں اپنی بیویوں کے درمیان باری تقسیم فرماتے تھے۔ اور باری باری سب کے پاس جاتے تھے۔ حضرت علیؑ کے نکاح میں جناب فاطمہؑ کے بعد دو عورتیں تھیں۔ آپؐ ایک کی باری کے دن دوسری کے گھر وضو تک نہیں فرماتے تھے۔'' (صافی ص ۱۲۳ بحوالہ مجمع البیان)

اور آخر میں خدا کا یہ فرمانا کہ ''وہ چشم پوشی (بڑا ہی معاف کرنیوالا) رحم کرنے والا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر حتی الامکان تم نے جان بوجھ کر اپنی بیویوں سے جو تمھارے دل سے اُتر گئی ہیں، ظلم نہ کیا اور انصاف سے کام لینے کی پوری پوری کوشش کی، تو فطری مجبوریوں کی وجہ سے جو تھوڑی بہت ناانصافی یا کوتاہی تم سے ہو جائے گی، اُس کو خدا معاف فرمائے گا (انشاءاللہ کیونکہ اللہ رحیم ہے) (تفہیم القرآن، از مولانا مودودی)

ایک عدل تو یہ ہے جو بیویوں کے درمیان کرنا لازمی ہے مثلاً راتوں کی تقسیم، نان نفقہ ضروریاتِ زندگی فراہم کرنا وغیرہ۔ یہ عدل کرنا تو واجب ہے۔ اگر یہ عدل نہ کر سکے تو دوسری شادی کر ہی نہیں سکتا۔ مگر یہاں جس عدل کی بات ہو رہی ہے وہ محبت میں یکسانی ہے۔ (جلالین)

اس لیے اس آیت میں اور سورے کی ابتدائی آیتوں میں تضاد نہیں ہے۔ محبت میں یکسانی بہت مشکل امر ہے۔ خالق نے خود فرما دیا کہ ایسا تم نہ کر سکو گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ عدل واجب نہیں۔ (مجمع البیان)

غرض یہاں اُس عدل کی بات ہو رہی ہے جو تعدادِ ازواج کی لازمی شرط نہیں ہے اس لیے اس آیت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ تعدادِ ازواج جائز نہیں، غلط ہے۔

آیت نمبر ۱۳۰

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

ترجمہ

اگر (میاں بیوی) دونوں الگ ہی ہو جائیں، تو اللہ ہر ایک کو اپنے فضل و کرم سے عطا کرے گا (کیونکہ) اللہ کا دامنِ رحمت بہت وسیع ہے اور وہ اپنی حکمت و مصلحت سے ٹھیک ٹھیک کام کرنے والا ہے۔ (۱۳۰)

تفسیر

ایک دہریے (مومن الطاق) نے امام محمد باقرؑ کے سامنے اِنھیں دونوں آیتوں کو پیش کیا اور ان میں تضاد ثابت کرنے کی کوشش کی تو امامؑ نے فرمایا: ''خدا نے جو پہلے فرمایا ہے کہ: ''اگر تمھیں یہ خوف ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو بس ایک ہی بیوی رکھو۔'' تو وہاں عدل برتنے کے معنی نان نفقہ میں عدل کرنا ہے۔ اب یہاں جو ارشاد ہوا کہ: ''تم ہرگز عدالت نہ کر سکو گے۔'' تو اس سے مراد یکسائی محبت ہے۔ کوئی شخص اس پر قدرت نہیں رکھتا کہ دو بیویوں میں محبت کے لحاظ سے بالکل مساوات قائم رکھے۔'' (تبیان)

آیت نمبر ۱۳۱

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ

تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾

ترجمہ

اورآسمانوں اورزمین میں جوکچھ بھی ہے سب اللہ کا ہے۔اورتم سے پہلے بھی جنھیں ہم نے کتاب دی تھی اُنھیں بھی یہی ہدایت کی تھی، اورہم توتم کوبھی یہی ہدایت کرتے ہیں کہ ہرکام خدا سے ڈرتے ہوئے کیا کرو①،لیکن اگرتم یہ بات نہیں مانتے، (تو نہ مانو بہرحال) یقیناً آسمانوں اورزمین کی تمام چیزیں تواللہ ہی کی ہیں۔اوراُسے تمھارے ماننے (نہ ماننے) کی کوئی پرواہ بھی تونہیں ہے۔وہ تو (تمام تر) تعریفوں کا مستحق ہے(۱۳۱)

تفسیر

اللہ بار بار تقویٰ کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

1۔ انسانی زندگی کی اصلاح کا سنگِ بنیاد تقویٰ ہے۔اسی لیے قرآن کی بار بار تاکید کرتا ہے۔ عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ اُن کے مذہب کی بنیاد خوفِ خدا پرنہیں بلکہ خدا کی محبت پر ہے۔حالانکہ یہ دعویٰ انجیل کے خلاف ہے انجیل میں خوفِ خدااورخدا کی ناراضگی سے بچنے پر بڑا زور دیا ہے۔مثلاً:''اُسی (خدا) سے ڈرو جوروح اور بدن دونوں کوجہنم میں ہلاک کرسکتا ہے۔''(متی۱:۲۸)

''اُس سے ڈروجس کوقتل کرنے کے بعد یہ بھی اختیار ہے کہ جہنم میں ڈالدے۔ہاں میں تم سے کہتا ہوں کہ اُسی سے ڈرو۔'' (لوقا۱۲:۵)

آیت نمبر ۱۳۲۔۱۳۳

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾
اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾

ترجمہ

اور اللہ ہی اُن تمام چیزوں کا مالک ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ تمام کام بنانے کے لیے کافی ہے۔(۱۳۲)

اے لوگو! (سُن لو) اگر وہ چاہے تو تم سب کو ختم کر دے اور (تمھاری جگہ) دوسروں کو لے آئے ①۔ اور اللہ اس پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔(۱۳۳)

تفسیر

''دوسروں'' سے مراد ایرانی قوم ہے

1۔ حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ: ''جس وقت یہ آیت اُتری تو جناب رسولِ خداؐ نے حضرت سلمانؓ فارسی کی پُشت پر ہاتھ مار کر فرمایا ''اٰخَرِیْنَ'' یعنی اگر خدا چاہے تو تمھیں لے جائے اور دوسروں کو لے آئے'' تو دوسروں سے مراد اس کی قوم ہے یعنی ایرانی عَجَمی'' (تفسیر صافی ص ۱۲۳)

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تم خدا کے احکامات پر عمل نہ کر کے خدا کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ یہ تو خدا کا حکیمانہ، حلیمانہ، مشفقانہ انداز ہے کہ وہ تمھارے گناہوں کے باوجود تمھیں چھوڑے ہوئے ہے۔ ورنہ اگر وہ چاہے تو ایک لمحہ کے اندر تمھیں نیست و نابود کر کے دوسری قوم پیدا کر دے جو خدا کی اطاعت کریں۔ (مجمع البیان۔ فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۳۴

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾

ترجمہ

جو شخص صرف دُنیا کا صِلہ چاہتا ہے تو خدا کے پاس تو دُنیا اور آخرت دونوں کا صِلہ موجود ہے ① ۔ اللہ خوب سُننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے (۱۳۴)

تفسیر

اللہ کے پاس دُنیا اور آخرت دونوں کا ثواب ہے

1 ۔ اللہ سے دُنیا اور آخرت دونوں کا ثواب اکٹھا طلب کرنا چاہیے۔ اور اس سے زیادہ ذلیل کوئی بات نہیں کہ اعلیٰ اور اشرف کو چھوڑ کر ادنیٰ پر اکتفا کی جائے، جبکہ اشرف چیز کے حاصل ہونے سے ادنیٰ چیز ضائع نہیں ہوتی۔ (کافی ص ۱۲۳)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے آباءِ طاہرین کے ذریعے سے روایت فرمائی ہے کہ امیر المومنین حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ''پرانے زمانے کے حکماء اور فقہاء جب ایک دوسرے کو کچھ لکھا کرتے تھے تو تین باتیں ہی لکھا کرتے تھے۔ (۱) جس کو صرف آخرت کی فکر ہوگی، خدا خود اُسکی دنیا کی فکر فرما دے گا۔

(۲) جو شخص اپنے باطن کی اصلاح کی فکر کرے گا۔ اللہ خود اُس کے ظاہر کی اصلاح فرما دے گا۔

(۳) جو شخص اپنے ذمّے خدا کے حقوق کو ادا کر دے گا، بندوں کے جو حقوق اُس کے ذمّے ہوں گے، خدا اُن کو ادا فرما دے گا۔'' (کافی، الخصال)

امام صادقِ آلِ محمدؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: ''کچھ لوگ ایسے ہیں کہ دُنیا اُنکی طلبگار

ہے اور بہت سے ایسے ہیں کہ وہ خود دُنیا کے طلبگار ہیں پس جو دُنیا کے طلبگار ہیں، موت اُنکے پیچھے پڑی ہوئی ہے کہ اُنھیں دُنیا سے نکال باہر کرے۔ مگر جو آخرت کے طلبگار ہیں، خود دُنیا اُنکی طلبگار رہے گی جب تک اُنکا رزق ختم نہ ہو جائے۔'' (مَن لایحضرہُ الفقیہ)

آیت نمبر ۱۳۵

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ۚ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۳۵﴾

ترجمہ

اے ایمان والو! تم انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے رہو① ۔ چاہے وہ گواہی خود تمھارے یا تمھارے رشتے داروں ہی کے خلاف کیوں نہ ہو۔ وہ امیر ہو یا غریب، اللہ بہر حال تم سے زیادہ اُن کا خیر خواہ ہے② ۔ لہٰذا انصاف کے موقع پر نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرنا۔ اور اگر تم نے حقیقت کو بدلا یا سچائی سے پہلو بچایا تو یقین جانو کہ تم جو کچھ بھی کرتے ہو خدا کو اُسکی خبر ہے۔ (۱۳۵)

تفسیر

انصاف پر جمے رہو، اللہ کے لیے گواہی دو

1۔ ''اللہ کا گواہ'' یعنی حقیقت کا ترجمان اور حق کا ظاہر کرنے والا۔ مطلب یہ ہے کہ حق کے اظہار

کے لیے اپنے پرائے کا فرق نہ کرنے والا۔(شاہ ولی اللہ)

حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا:''ایک مومن کا دوسرے مومن پر واجب الاداحق ہے''۔(تفسیر علی بن ابراہیم)

2 خدا کا یہ فرمانا کہ:''اللہ اُن دونوں کا تم سے زیادہ بہی خواہ ہے۔''یعنی وہ تم سے زیادہ اُنکو فائدہ پہنچانا چاہتا ہے مگر خدا اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ تم جھوٹی گواہیاں دے کر کسی مسلمان کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرو۔ (فصل الخطاب)

سبق پھر پڑھ صداقت کا ، شجاعت کا، عدالت کا
لیا جائیگا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

(اقبالؔ)

آیت نمبر ۱۳۶

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۱۳۶

ترجمہ

اے ایمان لانے والو! اللہ پر اور اُسکے رسولؐ پر اور اُسکی کتاب پر جو اُس نے اپنے رسولؐ پر اُتاری ہے (پوری طرح) ایمان لاؤ①۔ اور ہر اُس کتاب پر بھی جو اللہ پہلے اُتار چکا ہے، اور جو کوئی بھی اللہ، اور اُسکے فرشتوں، اور اُسکی کتابوں، اور اُسکے پیغمبروںؑ اور آخرت کے دن کا انکار کریگا، تو وہ گمراہی میں بھٹک کر بہت دُور نکل گیا۔(۱۳۶)

تفسیر

اللہ ایمان والوں کو مزید ایمان کی دعوت دے رہا ہے

1۔ پہلے فرمایا ''اے ایمان لانے والو!'' اس سے معلوم ہوا کہ وہ ایمان لا چکے ہیں۔ پھر فرمایا: ''ایمان لاؤ'' تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ شروع میں جو ایمان تھا وہ اجمالی تھا۔ یعنی بس یہ یقین ہو گیا کہ اسلام سچا مذہب ہے۔ کوئی معجزہ دیکھ کر یا کوئی آیت پڑھ کر۔ کسی کو دلیل کی بنا پر۔ اب ان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ ''مفصل ایمان لاؤ'' یعنی ارکانِ اسلام اور اسلامی تعلیمات کو پوری پوری طرح سمجھ کر دل سے قبول اور تصدیق کرو۔

یا اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ جنھوں نے کسی بھی طرح اپنے کو مسلمان ظاہر کیا ہے، خواہ مسلمان باپ کے بیٹے ہونے کی وجہ ہی سے کیوں نہ ہو۔ اُن سے کہا جا رہا ہے کہ اسلامی حقائق کو سمجھ کر دل سے مانو تا کہ فقط ظاہر مسلمان نہ ہو۔ باطنی اور حقیقی مسلمان بن جاؤ۔ (تبیان۔ تفسیر علی ابن ابراہیم)

آیت نمبر ۱۳۷

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا ﴿۱۳۷﴾

ترجمہ

رہے وہ لوگ جو ایمان لائے پھر انکار کیا، پھر ایمان لانے کے بعد بھی انکار کر دیا، اور پھر اپنے کفر و انکار میں بڑھتے ہی چلے گئے، تو اللہ نہ تو اُن کو کبھی معاف کریگا، اور نہ اُنھیں سیدھا راستہ دکھا کر منزل تک پہنچائے گا۔ (۱۳۷)

تفسیر

اللہ یہودیوں کی حرکتوں کا حال بیان فرما رہا ہے

یہاں اِن لوگوں سے ''جو ایمان لائے'' مراد یہودی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ اور وہ منافق بھی مراد ہیں جو رسولِ خدا پر ظاہری طور پر ایمان لائے۔ پھر انھوں نے کفر کیا، سے مراد وہ یہودی ہیں جنھوں نے گوسالہ پرستی کی اور منافق ہو گئے۔ پھر اُن کے ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بعد میں پھر ایمان لے آئے'' پھر وہ کافر ہو گئے'' سے وہ یہودی مراد ہیں جنھوں نے حضرت عیسیٰؑ کو نہ مانا۔ اِس طرح دوسری بار منافق ہو گئے۔ پھر اُن کے کفر کے بڑھ جانے، کا مطلب یہ ہے کہ پھر اُنھوں نے جناب رسولِ خدا کا بھی انکار کیا اور اسقدر انکار کیا کہ اسی انکار پر مر گئے اور جب دوسری طرف نظر آئی تو اُس طرف جُھک گئے۔ ایسے لوگوں کے لیے خدا کے پاس نہ مغفرت ہے اور نہ ہدایت۔ (تفہیم)

آیت نمبر ۱۳۸ تا ۱۴۰

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۙ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۚ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۙ

ترجمہ

منافقوں کو خوشخبری سُنا دیجیے کہ اُنکے لیے بڑی تکلیف دہ سزا ہے۔(۱۳۸) جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست اور سرپرست بناتے ہیں۔ وہ لوگ اُن کے پاس عزّت حاصل کرنے کی تلاش میں جاتے ہیں؟ حالانکہ عزّت تو ساری ہی اللہ کے اختیار میں ہے۔(۱۳۹) اور اللہ تو اسی کتاب میں پہلے ہی اُتار چکا ہے کہ تم جہاں کہیں بھی یہ سُنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جا رہا ہے، اور اُنکا مذاق اُڑایا جا رہا ہے، تو تم وہاں اُن کے ساتھ نہ بیٹھو۔ جب تک کہ وہ لوگ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں۔ ورنہ تم بھی اُنھیں جیسے ہو جاؤ گے ① ۔ یقیناً خدا منافقوں اور کافروں کو جہنم میں ایک ہی جگہ جمع کرنے والا ہے۔(۱۴۰)

تفسیر

1۔ حضرت امام جعفر صادقؑ اور امام علی رضاؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: ''جب تم کسی شخص کو حق کا انکار کرتے اور اہلِ حق کی بُرائی کرتے سُنو تو اُسکے پاس سے اُٹھ جاؤ۔ اور پھر اُس کے پاس اُٹھنا بیٹھنا بند کر دو۔'' (تفسیر صافی ص ۱۲۴ بحوالہ کافی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ ''سُننے کو قوّت کے لیے خدا نے یہ بات واجب کی ہے کہ جن چیزوں کو سُننا خدا نے حرام کیا ہے اُن سے سُننے کی قوّت کو محفوظ رکھے۔ اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا: ''البتہ بھولنے کے مواقع کو خدا نے مستثنیٰ فرمایا۔ اور فرمایا ''اگر شیطان تم کو بُھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو۔'' (تفسیر صافی ص ۱۲۴ بحوالہ کافی)

خدا کا فرمانا کہ ''اس حالت میں یقیناً تم بھی اُنھیں جیسے ہو جاؤ گے۔'' یعنی تم بھی کافروں کی طرح گناہگار اور منکر ہو جاؤ گے۔ اس لیے کافروں کی ایسی محفلوں میں جانا جس میں دین کا مذاق اُڑایا جا رہا ہو فسق و فجور ہے اور گناہ ہے۔'' (مدارک۔ جصّاص)

یہ کفر اور مذاق کرنے والے مکّے میں تو مشرکین تھے اور مدینے میں یہودی اور منافقین تھے۔ لیکن آیت کا

حکم عام ہے۔ بے دین کا ہر مشغلہ اور کفر وانکارِ حق کا ہر مظاہر اس میں داخل ہے۔

''فقہا نے نتیجہ نکالا کہ ''فاسقوں'' کافروں کی محفلوں میں اُس وقت شرکت جائز ہے جب وہ فسق وفجور میں مشغول نہ ہوں''۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ایک شخص اسلام کا دعوٰی کرنے کے باوجود کافروں کی اُن صحبتوں میں شریک ہوتا ہے جہاں اسلام اور خدا کی آیتوں کا مذاق اُڑایا جاتا ہے اور وہ اُس مذاق کو سُنتا ہے اور محظوظ ہوتا ہے تو پھر اس میں اور کافروں میں فرق ہی کیا رہا؟'' (تفہیم)

آیت نمبر ۱۴۱

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾

ترجمہ

یہ منافق تمھارے لیے انتظار کر رہے ہیں (کہ تم کو فتح ہوتی ہے یا ہارتے ہو۔) اگر تمھیں اللہ کی طرف سے فتح ہوگئی تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تمھارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں کو کچھ کامیابی ہوگئی تو اُن سے کہتے ہیں کہ کیا ہم تمھارے خلاف لڑنے پر قابو نہ رکھتے تھے۔ اور پھر ہم ہی نے تم کو مسلمانوں سے بچالیا۔ اب اللہ ہی قیامت کے دن تمھارے درمیان فیصلہ کریگا۔ اور اللہ نے کافروں کو مسلمانوں پر اس راہ سے غالب آنے کا کوئی راستہ نہیں رکھّا۔ (۱۴۱)

تفسیر

مومنوں پر کافروں کا غلبہ دلیل و حجت سے نہیں ہوسکتا

خدا کا فرمانا کہ ''اللہ کافروں کے لیے مومنوں پر (غالب آنے کی) کوئی راہ ہرگز قرار نہ دے گا۔'' اس غالب آنے سے مراد حجت یا دلیل سے غالب آنا ہے۔ چاہے کافر مادی قوت سے غالبہ حاصل کرلیں۔

حضرت امام علی رضا علیہ السّلام سے روایت ہے کہ ''ایک شخص نے امامؑ سے عرض کی کہ کوفے کے اردگرد ایک قوم رہتی ہے جس کا خیال ہے کہ امام حسینؑ شہید نہیں ہوئے بلکہ حنظلہ ابن سعد شامی کو خدا نے اُن کی شبیہ بنا دیا اور وہ قتل ہوا، اور امام حسینؑ حضرت عیسٰیؑ کی طرح آسمان پر اُٹھا لیے گئے۔ اور وہ لوگ قرآن کی اسی آیت سے دلیل پیش کرتے ہیں۔'' حضرت امام علی رضاؑ نے فرمایا ''وہ جھوٹے ہیں۔ اُن پر خدا کا غضب ہو اور لعنت ہو۔ وہ رسولِ خداؐ کی حدیثیں جُھٹلانے کی وجہ سے کافر ہوگئے۔ کیونکہ جناب رسولِ خداؐ نے متواتر یہ خبر دی تھی کہ امام حسینؑ شہید (قتل) کیے جائیں گے۔ اور جو اُن سے بہتر تھے، یعنی حضرت علیؑ اور امام حسنؑ وہ بھی توقتل کیے جائیں گے (اور درجہ شہادت پر فائز ہوں گے) اور ہم میں سے بھی کوئی ایسا نہیں ہے جو درجہ شہادت پر فائز نہ ہو۔ میں ایک دھوکے سے قتل کیا جاؤں گا۔ اور اس بات کو میں اُس عہد کی وجہ سے جانتا ہوں جو رسولِ خداؐ سے مجھ تک پہنچا ہے۔ اور اُنھیں جبریلؑ نے خدا کی طرف سے پہنچایا تھا۔ اب رہی بات اس آیت کی، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا مومنوں پر کافروں کی حجت کبھی غالب نہ آنے دے گا۔ خدا کافروں کی نسبت خبر دیتا ہے کہ اُنھوں نے انبیاء کو قتل کیا۔ مگر وہ انبیاءؑ پر اپنی حجت کے ذریعے سے غالب نہیں آئے۔'' (تفسیر صافی ص ۱۲۴)

منافقین کا ذکر:۔

آخر میں اُن لوگوں کا کردار بیان کیا گیا ہے، جو دورُخے ہوتے ہیں۔ اُدھر جائیں گے تو اُدھر کی سی کہیں گے۔ اِدھر آئیں گے تو اِدھر کی سی کہیں گے۔ مثلاً: کافروں سے کہیں گے'' کیا ہم تم پر قابو نہ رکھتے تھے۔ اور پھر بھی ہم نے مسلمانوں سے تمھاری حفاظت کی۔'' (جلالین)

کیونکہ یہ لوگ بھی بظاہر مسلمانوں کی جماعت میں شامل تھے، اس لیے خدا نے ارشاد فرمایا: 'اللہ تمھارے اور اُن کے درمیان فیصلہ کرے گا۔'' ''تمھارے'' کا لفظ مومن اور منافق دونوں پر حاوی ہے۔ مگر جب روزِ قیامت فیصلہ ہوگا تو مومن، منافق الگ الگ ہوجائیں گے۔ مومن جنت میں اور منافق جہنّم میں۔ (جلالین)

مسلمانوں کے لیے فتح کا لفظ استعمال فرمایا ہے کہ اس لفظ میں شان اور عظمت ہے اور کافروں کے لیے "یصیب" یعنی حصّہ کا لفظ استعمال کیا جس میں حقارت اور پستی ہے (کشاف)

امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالبؓ نے فرمایا: ''قیامت کا دن فیصلے کا دن ہے، اور یہاں سے مراد روزِ قیامت ہے۔'' یہی تمام اہلِ تاویل نے فرمایا ہے۔ (از ابنِ عباسؓ، بیضاوی، قرطبی)

یاد رہے کہ ہر زمانے کے منافقوں کی یہی خصوصیت ہوا کرتی ہے کہ وہ اسلام کا دعویٰ کر کے مسلمان ہونے کے لحاظ سے جتنے فائدے حاصل کر سکتے ہیں، وہ حاصل کرتے ہیں۔ اور کافروں کے سامنے کافر ہونے کا یا غیر متعصّب مسلمان ہونے کا دعویٰ کر کے یہ بتاتے ہیں کہ ہماری وفاداریاں تمھارے ساتھ ہیں۔ کافروں جیسے انداز اختیار کر لیتے ہیں اور اسطرح کافروں سے بھی خوب منفعتیں حاصل کرتے ہیں۔ (تفہیم) ''گویا گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے رہتے ہیں۔''

حقیقت ابدی ہے مقامِ شبیریؑ
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی
(اقبال)

آیت نمبر ۱۴۲

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۴۲﴾

ترجمہ

یقیناً یہ منافق اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں، حالانکہ وہ خود اُنھیں دھوکے میں رکھ (چھوڑ) رہا ہے۔ اور جب یہ منافق نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی ہی سُستی و کاہلی کے ساتھ، صرف لوگوں

دکھانے کے لیے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ وہ خدا کو تو بہت ہی کم یاد کرتے ہیں① ۔(۱۴۲)

تفسیر

منافقوں کا طریقہ، نماز اور ذِکر خدا دھوکہ ہے

1۔ جو شخص کوئی عمل کسی کو دکھانے کی غرض سے کرتا ہے، تو وہ اُس کی موجودگی ہی میں کرتا ہے۔ تا کہ وہ اُسے دکھا سکے۔

امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالبؑ سے روایت ہے کہ ''جو شخص چُھپا کر خدا کو یاد کرتا ہے، وہ یقیناً خدا کو بہت یاد کرنے والا ہے۔ اور منافق کیونکہ علانیہ خدا کو یاد کرتے تھے، اور پوشیدہ نہیں یاد کرتے تھے۔ اس لیے خدا نے اس آیت میں منافقوں کی صفت بیان کر دی۔'' (کافی، تفسیر صافی ص ۱۲۴)

خدا کی طرف سے جب دھوکہ دینے کی نسبت جوابی طور پر ہے۔ جیسے پہلے پارے میں خدا نے فرمایا تھا کہ'' خدا اُن کا مذاق اُڑاتا ہے۔'' یا دوسری جگہ فرمایا تھا'' مکروا ومکر اللہ'' یعنی، اُنھوں نے اللہ کے خلاف خفیہ حیلہ کیا تو خدا نے بھی اُن کے خلاف خفیہ حیلہ کیا۔''

منافق دُنیا میں سمجھتے ہیں کہ اُنھوں نے مومنین کو بیوقوف بنا لیا ہے۔ معاذ اللہ خدا اور رسولؐ کو دھوکہ دے دیا۔ مگر جب آخرت میں کافروں سے بھی زیادہ سخت سزا پائیں گے تب سمجھیں گے کہ دھوکہ کس نے کھایا اور بے وقوف کون بنا؟ (فصل الخطاب)

خدا کی طرف سے دھوکہ دینے کی نسبت دی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا دھوکہ دینے کی سزا دیتا ہے۔ (قرطبی، جصاص، تفسیر کبیر، ابن کثیر)

عبادت کا جوہر ایمان و معرفت ہے۔

عبادت میں ذوق وشوق، خوشی و مستعدی، چُستی و ہوشیاری صرف ایمان اور معرفت سے پیدا ہوتی ہے۔ جب سرے سے ایمان ہی موجود نہ ہو تو عبادت میں کاہلی بدمزگی، برہمی کیسے نہ پیدا ہوگی۔ منافق کے نزدیک تو عبادت کا مقصد صرف لوگوں کی نظر میں خود کو بڑا نیک، پارسا مسلمان ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ فقہاء نے کہا'' اس دکھاوے کی وجہ سے خدا نے اس کو قلیل کہا ہے، ورنہ جو عمل خدا کے لیے کیا جاتا ہے وہ قلیل نہیں، کثیر ہوتا ہے۔ (جصّاص)

ریاکاری کے معنی کسی اچّھی چیز کو دکھاوے کے لیے انجام دینا ہوتا ہے، حکمِ خدا کی اطاعت کے لیے

نہیں۔(قرطبی)

آیت میں نماز کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا گیا کہ عام طور پر نماز ہی عبادت اور اسلام کا ظاہری معیار سمجھا جاتا ہے۔فقہاء نے کہا کہ اگر اس لیے جماعت سے پڑھی جائے کہ لوگ اُسے مومن سمجھیں اور وہ واقعی دل سے مومن بھی ہو، تاکہ اُس کی گواہی قبول کی جائے، تو وہ ریاکاری میں شامل نہیں۔(ابن عربی)

آیت نمبر ۱۴۳

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝۱۴۳

ترجمہ

وہ اس (کفر وایمان) کے درمیان ڈانواں ڈول (یا) معلّق ہیں۔نہ تو پورا اِسی طرف ہیں، اور نہ پورے اُسی طرف اور جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے ① اُس کے لیے تم کوئی راستہ نہیں نکال سکتے۔(۱۴۳)

تفسیر

'اللہ کے گمراہی میں چھوڑ دینے'' کے معنی یہ ہیں۔

1۔ کہ دُنیا میں فکر وعمل کی تمام راہیں اللہ نے اپنے اختیار اور مرضی سے ہمیں عطا فرمائی ہیں، اور ہمیں اُن کے اختیار کرنے کا بھی اختیار عطا فرمایا ہے۔لیکن کوئی شخص کسی راہ پر بھی اللہ کے اِذن اور اجازت کے بغیر نہیں چل سکتا۔مگر کس انسان کو کس راہ پر چلنے کی اجازت ملتی ہے اُسکا دارومدار اور انحصار خود اُس آدمی کی اپنی طلب، کوشش اور اختیار پر ہوتا ہے۔اگر وہ چاہتا ہے تو خدا سے لو لگاتا ہے، سچائی کا طالب ہوتا ہے، خدا کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے، تو اللہ کی طرف سے اُس کو اُسی راستے کا اِذن مل جاتا ہے جس کو توفیقات بھی کہتے ہیں۔پھر خدا اُس

کے لیے اُسی کا اختیار کیا ہوا راستہ ہموار کر دیتا ہے اور اسی راستے پر چلنے کے اسباب فراہم کر دیتا ہے۔ بخلاف اس کے جو شخص خود گمراہی کو پسند کرتا ہے اور غلط راستوں پر چلنے کو اختیار کرتا ہے اور بُرے کاموں کے لیے کوششیں کرتا ہے، تو آخر کار خدا بھی اُس کے لیے اپنی ہدایتوں اور توفیقات کے دروازے بند کر دیتا ہے اور بُرائی کے راستے پر چلنے کی اجازت دے دی جاتی ہے، وہی راستہ جو خود اُسنے اپنی مرضی اور اختیار سے چُنا ہوتا ہے۔ اُس کو خدا اپنی توفیقات سے محروم کر دیتا ہے۔ پھر اُسے یہ کھوئی ہوئی نعمت ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ یہ معنی ہیں خدا گمراہی میں چھوڑنے کے (تفہیم)

آیت نمبر ۱۴۴

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾

ترجمہ

اے ایمان لانے والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست اور سرپرست نہ بناؤ ① ۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ کے لیے خود اپنے خلاف کُھلا ہوا الزام عائد کر لو۔ (۱۴۴)

تفسیر

کافرون سے دوستی مت کرو مومنوں کو اللہ کی ہدایت

یعنی، تم نے اگر کافروں سے دلی تعلقات قائم رکھے تو یہ تمھاری منافقت کا ثبوت ہوگا۔ پھر تم اُن تمام سزاؤں کے مستحق بن جاؤ گے جو منافقوں کے لیے بتائی جا رہی ہیں۔ (جلالین)

اس آیت میں کافرین کے لفظ میں چھپے ہوئے کافر یعنی منافقین بھی شامل ہیں۔ بعض فقہاء نے ذمّیوں کو اپنا وکیلِ مال بنانے اور اُنکے ساتھ تجارت میں شرکت کرنے (مضاربت) میں بھی کراہت کی ہے۔ (جصاص)

آیت نمبر ۱۴۵

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا ۙ﴿۱۴۵﴾

ترجمہ

یقین جانو، منافقین جہنّم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے اور تم ہرگز کسی کو بھی اُن کا مددگار نہ پاؤ گے۔(۱۴۵)

تفسیر

جہنّم کا نچلا طبقہ منافق کے لئے مخصوص ہے

جس طرح جنت کے درجات ہیں، اسی طرح دوزخ کے درکات ہیں۔ اُن کا نام درکات اس لیے رکھا گیا ہے کہ جس طرح درجات ایک دوسرے سے بلند اور اعلیٰ ہوتے ہیں، اسی طرح درکات ایک دوسرے سے پست اور نیچے ہوتے ہیں۔(تفسیر صافی ص ۱۲۵)

اصل میں تو ہر منافق کافر بھی ہوتا ہے۔ اُس کا کفر سے بڑھ کر دوسرا جرم یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے کفر کو چھپا کر خود کو مسلمان ظاہر کرتا ہے۔ اس طرح فریب دیتا ہے۔ اس لیے اُسے کُھلے ہوئے کافر سے زیادہ سزا ملے گی۔ یہی عقل اور انصاف کا تقاضا ہے۔ نیز یہ کہ منافق سے کافر کے مقابلے میں مسلمان معاشرے کو زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔ فقہاء نے اس آیت سے صرف گناہگار مسلمان کی شفاعت پر استدلال کیا ہے۔ کیونکہ آیت میں منافقوں کے لیے کہا گیا ہے کہ ''تو اُن کا کوئی مددگار نہ پائے گا'' اس بات سے ثابت ہوا کہ جو مسلمان ہے، مگر گناہگار ہے، منافق نہیں ہے، اُس کی مدد کی جاسکتی ہے۔ یعنی اُن کی شفاعت ہو سکے گی۔(تفسیر کبیر)

یاد رہے کہ منافقت کا جو بُرا انجام اس آیت میں بتایا گیا ہے، وہ صرف اُس وقت ہے کہ جب انسان منافق

مرے۔اگر موت سے پہلے منافق بھی اللہ سے توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے تو مومنین میں شامل ہوسکتا ہے۔ پھر یہ نہیں دیکھا جاتا کہ وہ پہلے کیسا تھا۔؟ (تفسیر تبیان)

آیت نمبر ۱۴۶

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾

ترجمہ

سِوا اُن کے جنھوں نے (نفاق سے) توبہ کر لی اور اپنی اصلاح بھی کر لی اور خدا (کے دامن) کو تھام لیا اور اپنے دین کو خدا کے لیے حاصل کر کے ①، اللہ کی اطاعت کرنے لگے۔تو یہی لوگ مومنین کے ساتھ ہوں گے۔اور اللہ مومنوں کو عنقریب بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔(۱۴۶)

تفسیر

اپنے دین میں خلوص خدا کے لیے

اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر دینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی کی تمام وفاداریاں اللہ کے سوا کسی اور سے وابستہ نہ ہوں۔وہ اپنی ساری محنتوں، محبتوں کو اللہ کے حکم کے تابع کر دے کسی چیز کے ساتھ بھی اُس کا لگاؤ اتنا زیادہ نہ ہو کہ وہ اللہ کی رضا کے لیے اُس کو قربان نہ کر سکے۔ (تفہیم القرآن مولانا مودودی)

اس آیت سے فقہاء اور عرفاء نے یہ نتیجہ نکالا کہ عبادات اور اعمال صرف خدا کی اطاعت، رضامندی، یا خدا کا اجر حاصل کرنے کے لیے ہونے چاہیں۔اُن سے کسی قسم کی ریا کاری یا مادی منفعت اصل مقصود نہ ہو۔اس لیے نماز، اذان، حج اور دیگر اعمال جو فرض ہیں اُن پر معاوضہ مانگنا جائز نہیں (جصّاص)

آیت نمبر ۱۴۷

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

ترجمہ

آخر اللہ تمھیں سزا دے کر کیا کرے گا ① ؟ اگر تم شکر کرنے والے اور ایمان دار بن کر رہو تو اللہ تو بڑا ہی قدر کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ (یعنی تم اپنے بُرے کاموں کے سبب سے عذاب کے مستحق بن جاتے ہو ورنہ خدا کو تمھیں سزا دینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ وہ تو بے نیاز ہے)۔ (۱۴۷)

تفسیر

1۔ مطلب یہ ہے کہ تم اپنے عقائد اور اعمال کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہوتے ہو۔ ورنہ خدا کو سزا دینے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ وہ تو بے نیاز ہے۔ اور ہر قسم کے انتقامی جذبات سے بھی پاک ہے۔ اُسے معاذ اللہ کوئی اپنے دل کی بھڑاس تھوڑی نکالنی ہے (تبیان)

''خدا شاکر ہے'' سے مراد

جب خدا کے لیے ''شاکر'' کا لفظ آتا ہے تو اس کے معنی اعترافِ خدمت یا قدردان کے ہوتے ہیں۔ اور جب شکر کا لفظ بندے کے لیے آتا ہے تو اس کے معنی اعترافِ نعمت، احسان مندی اور عملی اطاعت کے ہوتے ہیں۔ انسان جتنی، جیسی خدمت اور اطاعت اللہ کے لیے انجام دیتا ہے، اللہ اس کو خوب اچھی طرح سے جانتا بھی ہے اور اس کے ہاں اس کی پوری پوری قدر کی جاتی ہے۔

ایک محسن کے مقابلے میں احسان مندانہ رویّہ یہ ہوتا ہے کہ (۱) اُس کے احسان کا زبانی اور قلبی اعتراف کیا

جائے۔ (۲) اُس کی عملی اطاعت سے پوری احسان مندی کا ثبوت دے۔انھیں دونوں چیزوں کے مجموعے کا نام شکر ہے۔اس کا منطقی نتیجہ محسن سے محبت، وفاداری اور خلوص ہے۔اور اس کا عملی نتیجہ اُس کی اطاعت ہے خدا کا خود کو'' شاکر'' فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدمت، عبادت اور اخلاص کا بڑی قدر کرنے والا ہے اور خود کو ''علیماً'' فرما کر بتا دیا کہ خدا ہر شخص کی خدمت عبادات اور اخلاص کی پوری پوری حقیقت کو جانتا ہے۔

نتائج: محققین نے آیت سے نتیجے نکالے:

(۱) جو مومن شاکر ہوگا وہ عذابِ الٰہی سے دور رہے گا۔اور

(۲) (بہت سے) بڑے بڑے گناہانِ کبیرہ کرنے والا بھی اگر دل سے ایمان لے آئے اور حقِ شکر ادا کرنے لگے۔یعنی خدا کی اطاعت کر کے خود کی اصلاح کرے تو عذابِ الٰہی سے بچ سکتا ہے۔(تفسیر کبیر، امام رازی)

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَھُوَ حَسْبِیْ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّد

بتاریخ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ مطابق ۲۲ نومبر ۱۹۹۳ء بروز دوشنبہ ۲ بجے شب کتاب مکمل ہوئی ہے۔



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ

تفسیرِ مُبین

خلاصۃُ التفاسیر

پارہ نمبر (٦)

مختلف مکاتبِ فکر، قدیم وجدید، اہم تفاسیر کا خلاصہ
اور آسان اُردو ترجمہ

از

ڈاکٹر محمد حسن رضوی

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب۔۔۔

فہرست مضامین

عنوانات	نمبر شمار
سُوْرَۃُ النِّسَآءِ	13
آیت نمبر ۱۴۸	13
ترجمہ	13
تفسیر	13
ظالم کے خلاف مدد طلب کرنا	13
آیت نمبر ۱۴۹	14
ترجمہ	14
تفسیر	14
نیکی کا اجر بہر حال ملے گا	14
کسی کی بدسلوکی کو چھپانا اور اُسے معاف کر دینا	15
آیت نمبر ۱۵۰	15
ترجمہ	15
تفسیر	15
یہودیوں اور عیسائیوں کا کفر	16
آیت نمبر ۱۵۱۔ ۱۵۲	16
ترجمہ	16
تفسیر	17
آیت نمبر ۱۵۳	17
ترجمہ	17
تفسیر	18
یہودیوں کی جاہلانہ ہٹ دھرمی	18
آیت نمبر ۱۵۴	19
ترجمہ	19
تفسیر	20
سجدے سے مراد اور سببِ سجدہ	20
آیت نمبر ۱۵۵	20
ترجمہ	21
تفسیر	21
نجات کے لیے بہت تھوڑا سا ایمان کافی نہیں ہوتا۔	21
آیت نمبر ۱۵۶	21
ترجمہ	21
تفسیر	22
قتل انبیاءؑ کے علاوہ یہودیوں کے جرائم	22
آیت نمبر ۱۵۷۔ ۱۵۸	23
ترجمہ	23
تفسیر	24
حضرت عیسیٰؑ کے قتل کی چال چلنے والے کا انجام	24
''شبیہ کا جواز''	24
قادیانیوں کا عقیدہ	24
قتلِ حضرت عیسیٰؑ میں یہودیوں کو دھوکہ ہوا	24
آیت نمبر 159	25
ترجمہ	25

تفسیر	25
حضرت عیسیٰؑ قیامت سے قبل نازل ہونگے اور اہلِ کتاب کے خلاف گواہی دیں گے اور امام مہدیؑ کی مدد کریں گے۔	25
حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے یہ الجھن ہی دور کردی:	26
آیت نمبر ۱۶۰	27
ترجمہ	27
تفسیر	27
یہودیوں کو ظلم کی سزا	27
آیت نمبر ۱۶۱	28
ترجمہ	28
تفسیر	28
ممانعت کے باوجود یہودی آج بھی پکے سودخور ہیں	28
آیت نمبر ۱۶۲	29
ترجمہ	29
تفسیر	29
یہودیوں میں رَاسِخُونَ فِی الْعِلْمِ لوگ	29
آیت نمبر ۱۶۳	30
ترجمہ	30
تفسیر	30
آیت نمبر ۱۶۴	31
ترجمہ	31
تفسیر	31
خدا مختلف انداز میں انبیاؑء سے ہم کلام ہوا ہے	31
آیت نمبر ۱۶۵	32
ترجمہ	32
تفسیر	33
انبیاؑء کے بھیجے جانے کا مقصد	33
آیت نمبر ۱۶۶	34
ترجمہ	34
تفسیر	34
آیت نمبر ۱۶۷	34
ترجمہ	35
تفسیر	35
اگر عالم ہی مفسد ہوجائے تو پوری دنیا خراب ہوجائے گی	35
آیت نمبر ۱۶۸۔۱۶۹	35
ترجمہ	36
تفسیر	36
جناب محمدؐ و آلِ محمدؐ پر ظلم کرنے والوں کو خدا وندِ عالم معاف نہ کرے گا	36
آیت نمبر ۱۷۰	36
ترجمہ	37
تفسیر	37
محققین نے نتیجے نکالے کہ	37

آیت نمبر ۱۷۱	37
ترجمہ	38
تفسیر	38
روح کیا ہے:	38
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کے عقائد کی تصدیق وتکذیب ازروئے قرآن	39
یہودیوں کا غُلُو	40
عیسائیوں کا غُلُو	40
آیت نمبر ۱۷۲	40
ترجمہ	41
تفسیر	41
انسان کی فضیلت خدا کا فرمانبردار عبد ہونے میں ہے	41
آیت نمبر ۱۷۳۔ ۱۷۴	41
ترجمہ	42
تفسیر	42
اِسآیت میں نور سے مراد؟	42
آیت نمبر ۱۷۵	43
ترجمہ	43
تفسیر	43
اطاعتِ خدا ذریعہ ہے توفیقِ خدا کا	43
آیت نمبر ۱۷۶	44
ترجمہ	44
تفسیر	45
بھائی بہن کے ترکۂ وراثت کے احکام	45
سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ	46
آیت نمبر ۱	46
ترجمہ	46
تفسیر	46
معاہدوں کی تاکید اور مویشیوں کی حِلّت	46
آیت نمبر ۲	47
ترجمہ	48
تفسیر	48
علم وتابوت وذوالجناح کی شبیہیں شعائراللہ میں داخل ہیں۔	49
آیت کے پیغامات اور تعلیمات	50
آیت نمبر ۳	51
ترجمہ	51
تفسیر	52
حلال اور حرام جانوروں کی تفصیل	52
دین کی تکمیل کے اعلان والی آیت	53
آیۃ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ	53
آیت نمبر ۴	54
ترجمہ	54
تفسیر	54
آیت نمبر ۵	55
ترجمہ	55

تفسیر	56
اہلِ کتاب کے ساتھ معاشرت کے احکام	56
آیت نمبر ۶	56
ترجمہ	57
تفسیر	57
آیت نمبر ۷	58
ترجمہ	58
تفسیر	59
اِس آیت میں میثاق سے مراد	59
آیت نمبر ۸	59
ترجمہ	59
تفسیر	60
عدل کا بنیادی تقاضا اور قوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ کا مطلب	60
آیت نمبر ۹۔۱۰	60
ترجمہ	60
تفسیر	61
اِس آیت نمبر ۱۰ کے مطابق لوگوں کی قسمیں	61
آیت نمبر ۱۱۔۱۲	61
ترجمہ	62
تفسیر	62
بنی اسرائیل میں بارہ نقیبوں اور قرضِ حسنہ کا ذکر	62
آیت نمبر ۱۳	63
ترجمہ	64
تفسیر	64
عہد توڑنے کا نتیجہ لعنت خدا ہے۔	64
آیت نمبر ۱۴	65
ترجمہ	65
تفسیر	66
اللہ نے نصرانیوں سے بھی عہد لیا تھا	66
انجیل میں آنحضرتؐ کی آمد کی بشارت آج بھی موجود ہے۔	66
آیت نمبر ۱۵	67
ترجمہ	67
تفسیر	67
یہودی وعیسائی کس قسم کی آیتوں کو چھپاتے تھے۔	67
رسولِ خداؐ رحمت ہیں عالمین کے لیے	68
آیت نمبر ۱۶	68
ترجمہ	68
تفسیر	68
اللہ کن خوش نصیب لوگوں کو ہدایت فرماتا ہے؟	68
آیت نمبر ۱۷	69
ترجمہ	69
تفسیر	69
عیسائیوں کے عقیدہ شرک کی زبردست ردّ	69

آیت نمبر ۱۸	70
ترجمہ	71
تفسیر	71
اللہ نے یہودیوں اور عیسائیوں کی شیخی کا منہ توڑ جواب دیا ہے	71
حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:	72
آیت نمبر ۱۹	72
ترجمہ	72
تفسیر	73
آیت نمبر ۲۰	73
ترجمہ	73
تفسیر	74
جَعَلَ فِیۡکُمۡ اَنۡۢبِیَآءَ وَ جَعَلَکُمۡ مُّلُوۡکًا	74
تم میں سے نبی اور تم میں سے بادشاہ بنایا	74
آیت نمبر ۲۱	74
ترجمہ	74
تفسیر	75
بنی اسرائیل کو مسلسل نافرمانی کی سزا	75
تاریخ یہ ہے کہ:	75
آیت نمبر ۲۲۔ ۲۳	76
ترجمہ	76
تفسیر	76
آیت نمبر ۲۴۔ ۲۵	77
ترجمہ	77
تفسیر	77
بنی اسرائیل نے خدا اور رسول کا مذاق بھی اُڑایا	77
آیت نمبر ۲۶	78
ترجمہ	78
تفسیر	78
پیغمبرؐ کی نافرمانی کی سزا	78
آیت نمبر ۲۷	79
ترجمہ	79
تفسیر	79
آیت نمبر ۲۸ تا ۳۰	80
ترجمہ	80
تفسیر	80
سب سے پہلا قاتل نبیؑ کا نافرمان تھا	80
پہلا گریہ پہلا نوحہ و ماتم پہلے نبیؑ نے کیا	81
آیت نمبر ۳۱	81
ترجمہ	82
تفسیر	82
تدفین میّت کا طریقہ اللہ کی طرف سے ہے	82
آیت نمبر ۳۲	82
ترجمہ	83
تفسیر	83

بے گناہ کے قتل اور فساد برپا کرنے کی سزا اور بے گناہ انسان کو قتل یا حادثے سے بچا لینے کا ثواب	83
آیت نمبر ۳۳	84
ترجمہ	84
تفسیر	85
فسادیوں (لٹیروں، ڈاکوؤں، قاتلوں) کی سزائیں	85
آیت نمبر ۳۴۔۳۵	86
ترجمہ	86
تفسیر	86
اللہ کا ارشاد اہل ایمان سے ہے کہ ''وسیلہ تلاش کرو''	86
آیت نمبر ۳۶	87
ترجمہ	87
تفسیر	88
کفر وانکار پر دردناک سزا ہے، فدیہ نہیں	88
آیت نمبر ۳۷۔۳۸	88
ترجمہ	89
تفسیر	89
آیت نمبر ۳۹	90
ترجمہ	90
تفسیر	90
سبحان اللہ، اللہ کی اس مغفرت اور رحمت پر قربان	90
آیت نمبر ۴۰	91
ترجمہ	91
تفسیر	91
اللہ کا عذاب اور اُس کی مغفرت مصلحت کے تحت ہوتی ہے۔	91
آیت نمبر ۴۱	92
ترجمہ	92
تفسیر	93
یہودیوں کا تکبّر اور تحریفات فی الاحکام	93
آیت نمبر ۴۲	93
ترجمہ	94
تفسیر	94
''سُحْتِ'' کیا ہے؟ تفصیل ملاحظہ فرمائیں	94
تورات میں ہے:	95
آیت نمبر ۴۳	95
ترجمہ	96
تفسیر	96
یہودی نہ تورات پر عمل کرنا پسند کرتے ہیں اور نہ قرآن کے فیصلے کو مانتے ہیں۔	96
آیت نمبر ۴۴	96
ترجمہ	97
تفسیر	97

علماءِ یہود کس بات سے خوفزدہ تھے۔	97
آیت نمبر ۴۵	98
ترجمہ	98
تفسیر	99
بدلہ، (قِصاص) اور تَصَدَّق کا مطلب	99
آیت نمبر ۴۶	100
ترجمہ	100
تفسیر	100
حضرت عیسیٰ علیہ السلام تورات کے مصدِّق تھے۔	100
آیت نمبر ۴۷	101
ترجمہ	101
تفسیر	101
اہلِ انجیل کو کیا حکم دیا گیا تھا	101
آیت نمبر ۴۸	102
ترجمہ	102
تفسیر	103
اِس آیت کا مطلب یہ ہے	103
آیت نمبر ۴۹۔۵۰	103
ترجمہ	104
تفسیر	104
آیت نمبر ۵۱	105
ترجمہ	105
تفسیر	105
غیر مسلموں سے دوستی نہ کی جائے	105
آیت نمبر ۵۲	106
ترجمہ	106
تفسیر	106
منافقین کی ذہنیت	106
آیت نمبر ۵۳	107
ترجمہ	107
تفسیر	107
منافقوں کا بُرا انجام	107
آیت نمبر ۵۴	108
ترجمہ	108
تفسیر	108
اللہ، امیر المومنینؑ کے اوصاف کی نشاندہی فرما رہا ہے۔	108
آیت نمبر ۵۵	109
ترجمہ	109
تفسیر	110
بے مثال ولی بے مثال نماز گذار، بے مثال رکوع میں بے مثال خیرات دینے والے بے مثال فرد علیؑ وصیِ نبیؐ	110
آیت نمبر ۵۶	111
ترجمہ	111
تفسیر	111
آیت نمبر ۵۷	112

ترجمہ	112
تفسیر	112
دینِ خدا کا مذاق اڑانے والوں سے دوستی نہ کرو	112
آیت نمبر ۵۸۔۵۹	113
ترجمہ	113
تفسیر	113
آیت نمبر ۶۰	114
ترجمہ	114
تفسیر	114
خدا کی نافرمانی کا دنیا ہی میں بدترین انجام	114
آیت نمبر ۶۱۔۶۲	115
ترجمہ	115
تفسیر	115
یہودی علماء کے نفاق، گناہ، عدوان اور حرام خوری پر سخت لے دے	115
آیت نمبر ۶۳	116
ترجمہ	116
ترجمہ	116
امر بالمعروف اور نہی عَنِ المنکَر سے گُریز پر علماء اور خدا پرست لوگ بھی عذاب سے نہ بچ سکے	116
آیت نمبر ۶۴	117
ترجمہ	117
تفسیر	118
یہودیوں نے اللہ پر کتنا بڑا اِتّہام لگا دیا	118
آیت نمبر ۶۵۔۶۶	118
ترجمہ	119
تفسیر	119
آیت نمبر ۶۷	120
ترجمہ	120
تفسیر	120
حضرت علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کی ولایت کا اعلان	120
آیت نمبر ۶۸	123
ترجمہ	123
تفسیر	123
آیت نمبر ۶۹۔۷۰	124
ترجمہ	124
تفسیر	125
آیت نمبر ۷۱	125
ترجمہ	125
تفسیر	125
یہ لوگ آنکھوں کے اندھے، اور کانوں سے بہرے نہیں تھے بلکہ دل کے اندھے بہرے تھے	125
آیت نمبر ۷۲	126
ترجمہ	127

تفسیر	127
اللہ وحدہٗ کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ	127
آیت نمبر ۷۳	128
ترجمہ	128
تفسیر	128
اللہ کی وحدانیت میں عیسائیوں کی تثلیث	128
آیت نمبر ۷۴	129
ترجمہ	129
تفسیر	130
توبہ کی تعریف بزبانِ وحی ترجمان	130
آیت نمبر ۷۵	130
ترجمہ	131
تفسیر	131
حضرت عیسیٰؑ صرف ایک پیغمبرِ خدا تھے عیسائیوں کے لیے عبرت کا مقام	131
آیت نمبر ۷۶	132
ترجمہ	132
تفسیر	132
معرفتِ خدا کی بہترین آیت	132
آیت نمبر 77	133
ترجمہ	133
تفسیر	133
''دین میں غلو نہ کرو'' کی تشریح	133
آیت نمبر ۷۸	134
ترجمہ	135
تفسیر	135
سخت نافرمان خدا اور انبیاؑ کی لعنت کے مستحق ہوتے ہیں	135
آیت نمبر ۷۹ تا ۸۱	136
ترجمہ	136
تفسیر	137
آیت نمبر ۸۲	137
ترجمہ	137
تفسیر	138
نجاشی، بادشاہِ حبش کی تعریف	138

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پارہ نمبر ٦

سُوْرَۃُ النِّسَآءِ

آیت نمبر ۱۴۸

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَہْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ﴿۱۴۸﴾

ترجمہ

اللہ اِس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی کسی کو کھُلے بندوں بُرا بھلا کہے، سوا اِس کے کہ اُس پر ظلم کیا گیا ہو۔ اور اللہ سب کچھ سُننے والا، جاننے والا ہے۔

تفسیر

ظالم کے خلاف مدد طلب کرنا

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: ''اللہ اس بات کو پسند نہیں فرماتا کہ کسی کے خلاف مدد اس طرح طلب کی جائے کہ اُس کو بُرا بھلا کہا جائے، سوا اُس شخص کے کہ جس پر ظلم کیا گیا ہو۔ (صرف اُس کو حق ہے کہ ظالم کے خلاف مدد طلب کرے اس طرح کہ اُس کا ظلم اور زیادتی لوگوں کو بتائے) مظلوم کے لیے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، مگر اُس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ظالم کے خلاف بس اتنی ہی مدد مانگے جتنا اُس کے لیے مدد مانگنا دین میں جائز ہے۔ (یعنی صرف اتنی مدد مانگے جتنا اُس پر ظلم کیا گیا ہے، اور اتنا ہی اُسے بُرا بھلا کہے، اُس سے زیادہ نہیں۔) (تفسیر صافی ص ۱۳۵ بحوالہ تفسیر مجمع البیان، تفسیر قمیؒ)

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ: ''کہ اگر کوئی شخص کسی کے گھر مہمان رہے اور میزبان اُس کی مہمانداری ٹھیک طریقے سے نہ کرے، تو مہمان کو حق ہے کہ وہ میزبان کی

بدسلوکی کا ذکر زبان پر لائے۔'' (کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا ظُلم کرنا ہی ہے۔) (تفسیر مجمع البیان وتفسیر عیاشی وتفسیر تبیان)

غرض یہ ہے کہ آیت اِسلام کے قانونِ عدل کا بہترین بیان ہے کہ دشمن تک سے عدل کرنا واجب ہے۔

ایک حدیث میں ظلم کی ایک بڑی نازک قسم بتائی گئی ہے جس کا محسوس کرنا بہت مشکل ہے فرمایا کہ اگر کوئی تمھاری ایسی تعریفیں کرے جو غلط ہوں۔ یعنی وہ خوبیاں تم میں موجود ہی نہ ہوں، تو یہ بھی تم پر ظلم ہے، اس لیے کہ اس سے انسان کے اندر نخوت وغرور اور جھوٹی خوشامد سُننے کے غلط جذبات پیدا ہوجاتے ہیں۔ اس لیے ایسی تعریف پر لوگوں کو بتا دینا چاہے کہ یہ بیان غلط ہے اور یہ تعریف جھوٹی ہے۔ (تفسیر علی ابن ابراہیم)

غرض اس آیت نے غیبت، بدگوئی، ہتکِ عزت، کسی کی بڑائی کی تشبیہ، تلخ کلامی کو حرام قرار دے دیا اور مظلوم کو فریاد کی اجازت دی مگر جھوٹ بولنے سے روک دیا۔

پھر آخر میں خدا نے خود کو ہر بات کا سننے والا اور جاننے والا فرما کر مظلوم کو سمجھا دیا کہ ظالم کے خلاف جھوٹ نہ بولنا اور ظالم کو بتا دیا کہ وہ مظلوم کے ہاتھ سے بچ بھی گیا تو خدا کی سزا سے نہیں بچ سکتا۔ (ماجدی)

نیز یہ کہ اس آیت میں مظلوم کو انتقام لینے کی اجازت بھی مل گئی۔ (تھانوی)

آیت نمبر ۱۴۹

اِنۡ تُبۡدُوۡا خَیۡرًا اَوۡ تُخۡفُوۡہُ اَوۡ تَعۡفُوۡا عَنۡ سُوۡٓءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیۡرًا ﴿۱۴۹﴾

ترجمہ

چاہے تم کسی نیکی کو ظاہر کرو یا اُسے چھپائے رکھو، یا کسی بُرائی کو معاف کردو، تو اللہ بھی بڑا معاف کرنے والا (اور) بڑی قدرت رکھنے والا ہے۔

تفسیر

نیکی کا اجر بہرحال ملے گا

ایک معنی تو یہ ہیں کہ تم جو کسی کے ساتھ کوئی بھلائی کرو اور اُس کو فائدہ پہنچاؤ تو چاہے اُس کو ظاہر کر یا نہ کرو، اللہ تمھاری خطاؤں کو معاف کریگا اور تمھیں اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے گا۔ کیونکہ خدا اُس کی پوری پوری جزاء دینے پر قادر ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ''اگر تم کھُلّم کھُلا نیکی کرتے ہو یا چھپا کر'' اُس کا اجر ضرور ملے گا۔

اور دوسرے معنی یہ ہوں گے کہ جس نے تمھارے ساتھ نیکی کی ہے، تم چاہے اُس کا اعلان کرو یا نہ کرو، خدا اُس کو ضرور اپنی رحمت میں ڈھانپے گا، اُس کے گناہ معاف کرے گا کیونکہ خدا اُس کو پوری طرح اجر دینے پر بھی قادر ہے (مجمع البیان)

کسی کی بدسلوکی کو چھپانا اور اُسے معاف کر دینا

دوسری تعلیم یہ دی گئی کہ اگر تم سے کوئی برائی کرے تو اُس کو چھپاؤ اور معاف کر دو۔ اللہ بھی تمھارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ یہ معاف کرنا خدا کی صفت ہے۔ وہ خدا ہی تو ہے جو سزا دینے اور انتقام لینے پر پوری طرح قدرت رکھنے کے باوجود ہمیں معاف کر دیا کرتا ہے۔ (مجمع البیان)

آیت نمبر ۱۵۰

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا ۙ﴿۱۵۰﴾

ترجمہ

جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اُس کے رسولوںؑ کے درمیان تفریق کریں (یعنی خدا اور اُس کے رسولوںؑ کو الگ الگ سمجھتے ہیں) اور کہتے ہیں کہ ہم کسی رسولؑ کو مانیں گے اور کسی کو نہ مانیں گے اور کُفر اور ایمان کے درمیان کا راستہ نکالنا چاہتے ہیں۔

تفسیر

یہودیوں اور عیسائیوں کا کفر

آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہودی کچھ انبیاؑء کو تو مانتے ہیں اور کچھ کو نہیں مانتے جیسا کہ یہودیوں نے کہا کہ ''وہ حضرت موسیٰؑ اور اُن سے پہلے کے انبیاؑء کی تو تصدیق کرتے ہیں لیکن حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمدؐ کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور یہی کام عیسائیوں نے بھی کیا وہ حضرت عیسیٰؑ اور اپنے سے پہلے کے انبیاؑء کو تو مانتے ہیں، مگر اُن کے بعد حضرت محمدؐ کو نہیں مانتے۔ (تفسیر صافی ص ۱۲۵)

نتائج:۔ محققین نے نتیجے نکالے کہ (۱) صرف اللہ کو ماننا انسان کو مومن نہیں بناتا، خدا کے پیغمبروںؑ کو بھی ماننا ضروری ہے اس لیے پیغمبروں کو نہ ماننے والا کافر کہلانے کے لائق ہے۔ (۲) نجات کے لیے اسلام کو ماننا ضروری ہے (۳) اعمال کے اجر کا دارومدار ایمان پر ہے جب تک عقیدے درست نہ ہوں گے عمل کی کوئی قیمت نہیں۔ (۴) اسلام اور ایمان کے بعد جو اعمال کی جزاء ملتی ہے، وہ اعمال کی مناسبت سے ملتی ہے۔ پھر ایمان وعمل کے اعتبار ہی سے مومن کے درجات معیّن ہوتے ہیں (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۵۱۔۱۵۲

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ
سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾

ترجمہ

تو یہی لوگ حقیقت میں پکے کافر ہیں۔ اور ایسے کافروں کے لیے ہم نے ایسی سزا تیار کر رکھی ہے جو بڑی ہی ذلیل کرنے والی ہے۔

(بخلاف اس کے) جن لوگوں نے اللہ اور اُس کے رسولوں کو مانا اور اُن میں سے کسی ایک کے درمیان بھی کوئی فرق نہ کیا تو یہی لوگ وہ ہوں گے کہ خدا ضرور اُن کو اُن کا اجر عطا کرے گا، اور اللہ تو

ہے ہی بڑا معاف کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا۔

تفسیر

قرآن کے الفاظ عام ہیں اس کے تحت عیسائی، یہودی، ہندو، دہریے، برہموسماج سب آ گئے۔ اور وہ سب لوگ بھی جو خدا کے تو قائل ہیں مگر وحی اور نبوت کے منکر ہیں۔ یہ لوگ اسلام کے فلسفے کی وحدت اور عقائد وارکان کے اندورنی نظم وارتباط کو نہیں سمجھتے۔ یہ کافروں سے بھی بدتر ہیں۔ یعنی کفر میں کامل ہیں۔ (بیضاوی، بحر، تفسیر کبیر)

ایسے لوگوں کی ذہنیت یہ ہوتی ہے کہ عقل اور وحی کے مقابلے میں ہم سے زیادہ عقل مند ہیں۔ اسی لیے آخرت میں ان کو جسمانی سزاؤں کے ساتھ ذہنی سزا یہ ملے گی کہ اُن کو ذلیل بھی کیا جائیگا۔ غرض قرآن نے وحدت وحی پر بڑا زور دیا ہے اور سارے انبیاء کے ماننے کو ضروری قرار دیا ہے اور سب کو ایک نظام اور سلسلہ کے اندر منسلک قرار دیا ہے۔ (ماجدی)

آیت نمبر ۱۵۳

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾

ترجمہ

اہل کتاب آپؐ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ آپؐ آسمان سے کوئی لکھی لکھائی کتاب اُن پر اُتار دیں، تو

یہ لوگ اس سے پہلے حضرت موسیٰ ؑ سے اس سے بھی کہیں بڑے بڑے مطالبے کر چکے ہیں، اُن سے تو اُنھوں نے یہاں تک کہ دیا تھا کہ ''ہمیں اللہ کو کُھلم کُھلا دکھا دیجئے''۔ تو اُن کو اسی ظلم اور زیادتی کی وجہ سے بجلی کی کڑک نے آن پکڑا۔ پھر ایسی کُھلی کُھلی خدا کی نشانیاں دیکھ لینے کے بعد بھی اُنھوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنا لیا۔ لیکن ہم نے اس کو بھی معاف کر دیا۔ اور موسیٰ ؑ کو کُھلی ہوئی دلیلوں کے ذریعے سے غلبہ عطا کیا۔ (۱۵۳)

تفسیر

یہودیوں کی جاہلانہ ہٹ دھرمی

یہودیوں کی ایک جماعت نے جناب رسولِ خداؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر آپؐ واقعی نبی ہیں تو جس طرح حضرت موسیٰ ؑ پر تورات پوری کی پوری ایک ہی دفعہ نازل ہوئی تھی آپؐ بھی آسمان سے کوئی ایسی ہی کتاب ایک ساتھ لے آئیں۔ اُس کے جواب میں یہ آیت اُتری۔ (تفسیر صافی ۱۲۵ بحوالہ تفسیر مجمع البیان)

محققین نے لکھا کہ کتاب کا طلب کرنا بظاہر کوئی بُری بات نہ تھی لیکن اس میں اصل بات یہ تھی کہ وہ صرف کتاب طلب کر رہے تھے، لیکن نبیؐ کی رسالت کو ماننے کے لیے تیار ہی نہ تھے۔ ''خوئے بدرا بہانۂ بسیار'' یہ طلب صرف نہ ماننے کا ایک بہانہ تھا۔

نیز یہ کہ اگرچہ خدا کو دیکھنے کا سوال اُس وقت کے یہودیوں کے باپ دادا نے حضرت موسیٰ ؑ سے کیا تھا، مگر خدا اس آیت میں اس سوال کی نسبت اُس وقت کے یہودیوں کی طرف دے رہا ہے۔۔۔۔ یہ اس لیے کہ اُس وقت یہودی بھی اپنے باپ دادا کے مذہب پر جمے ہوئے تھے اور ویسی ہی جہالتوں پر ڈٹے ہوئے تھے۔ (القرآن المبین)

اصل میں یہودیوں نے یہ ایمان نہ لانے کا ایک بہانہ بنایا تھا کہ قرآن لکھی ہوئی شکل میں ایک ساتھ کیوں نہ اُترا؟ (شاہ ولی اللہ، جلالین)

یہ بھی کہا گیا کہ یہودیوں نے فرمائش کی تھی کہ قرآن کے علاوہ کوئی اور کتاب خاص اُن کے لیے اُترے یا اُن کے سرداروں کے پاس اللہ خود خط لکھ لکھ کر بھیجے کہ تم محمدؐ پر ایمان لاؤ۔ (تبیان)

اس طرح یہودیوں کے دل کا تکبر ملاحظہ فرمائیں جس کے ہوتے ہوئے خدا کی طرف سے ہدایت اور توفیقات ملنا بند ہو جایا کرتی ہیں۔

آخر میں خدا کا فرمانا کہ ''ہم نے موسیٰؑ کو نمایاں غلبہ عطا کیا'' تو اِس کا مطلب دُنیاوی اقتدار نہیں۔ وہ تو اکثر باطل کو بھی حاصل ہوجاتا ہے۔ اس سے مراد حقانیت کی دلیلیں اور نشانات ہیں جو خدا نے موسیٰؑ کو عطا فرمائے تھے۔ (مجمع البیان)

یہ فرمائش کرنے والے یہودی تھے، خاص کر کعب بن اشرف اور اُس کی پارٹی (ابنِ عباس)

یہودی کہتے تھے کہ ہم اُس وحی کے قائل نہیں کہ جو کسی کے دل پر اُترے۔ ہم تو لکھی لکھائی کتاب اُترتا دیکھنے پر وحی کے قائل ہوتے ہیں۔ اگر تم سچے ہو تو تورات کی طرح لکھا لکھایا صحیفہ لاکر دکھاؤ جس طرح موسیٰؑ پر آسمان سے تورات اُتری تھی تختیوں پر۔ (تفسیر کبیر، ابنِ کثیر بقول قتادہ، قرطبی)

آیت سے اُس شخص کی رد نکل آئی جو آسمانی برکتوں کو شیخ کے اختیار میں سمجھتا ہے۔ (تھانوی)

جواب میں کہا گیا کہ چلو اگر تم سچّے ہو تو جب موسیٰؑ تورات لائے تھے تب تم نے کب مانا تھا، جواب یہ مطالبہ کررہے ہو۔ اُس وقت تو تم نے تورات لانے پر موسیٰؑ سے ایک اور بڑا مطالبہ کردیا تھا کہ ''ہم کو اللہ میاں کا دیدار کراؤ۔ طلب یہ ہے کہ تمھارے اس مطالبے کا مقصد تحقیق نہیں ہے، بلکہ محض بحث، تکرار، ضد اور عناد، مجادلہ اور مکابرہ ہے۔ (تفسیر کبیر)

نتائج:۔ محققین نے نتیجے نکالے کہ:

(۱) دُنیا اور آخرت دونوں میں خدا کو دیکھنے کا عقیدہ غلط ہے کیونکہ آخرت میں ہماری حالت بدلے گی، خدا کی حالت نہیں بدلے گی۔ اگر دُنیا میں خدا کو دیکھنا ممکن نہیں، تو آخرت میں بھی ممکن نہ ہوگا۔

(۲) ضد، تکبر اور حق سے گریز ہو تو خدا کی طرف سے ہدایتیں اور توفیقات ملنا بند ہوجاتی ہیں۔

آیت نمبر ۱۵۴

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾

ترجمہ

اور ہم نے کوہِ طور کو اُٹھا کر اُن سے (اپنی اطاعت کا) عہد لیا۔ اور ہم نے اُن کو حکم دیا کہ وہ (شہر کے)

دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں۔اور ہم نے اُن سے یہ بھی کہا کہ وہ ہفتے والے دن والا قانون نہ توڑیں۔اور ہم نے (اِن سب باتوں کا) اُن سے بہت ہی مضبوط عہد لیا تھا۔

تفسیر

۱ "بِمِیثَاقِهِمْ" میں "ب" سبب بتانے کے لیے ہے۔یعنی ہم نے اُن کے اوپر طور کے پہاڑ کو مسلّط کر دیا" تا کہ اُن سے قول وقرار لیا جائے (بحر)

سجدے سے مراد اور سببِ سجدہ

اور یہاں سجدے سے مراد سجدہ شرعی نہیں، بلکہ سجدہ اپنے لفظی معنی میں استعمال ہوا ہے۔یعنی" تواضع اور انکساری کے ساتھ سر کو جُھکائے ہوئے۔ (روح المعانی)

گویا فتح اور کامیابی کے وقت سرکشی اور تکبر کا رویّہ اختیار کرنے کے بجائے خدا کا شکر اور انکساری کا رویّہ اختیار کیا جائے۔ بقولِ شاعر

عزّت جسے دیتا ہے ، خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثناء آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہو صدا دیتا ہے

(میر انیسؒ)

آیت نمبر ۱۵۵

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَ كُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۵۵

ترجمہ

آخر کار اُن کے اپنے کیے ہوئے عہد کو توڑنے کے سبب سے اور خدا کی نشانیوں کو جھٹلانے، پیغمبروں کو ناحق قتل کرنے اور اُس پر یہ کہنے کے سبب سے کہ ہمارے دلوں پر تو غلاف چڑھے ہوئے ہیں، بلکہ (حقیقت تو یہ ہے کہ) خدا نے اُن کے اسی کفر کے سبب سے اُن کے دلوں پر مُہر لگا دی ہے۔ اور یہ وجہ ہے کہ وہ بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں۔ (۱۵۵)

تفسیر

نجات کے لیے بہت تھوڑا سا ایمان کافی نہیں ہوتا۔

بہت تھوڑا سا ایمان نجات کے لیے کافی نہیں ہوتا۔ تمام انبیاءؑ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جس نبیؑ کو چاہا مانا اور جس کو چاہا نہ مانا، ایسا ایمان قبول نہیں۔ بقولِ شاعر

جب چاہا چلے رن کو، جب چاہا گھر آبیٹھے

ایسے ایمان پر شرعی ایمان کے لفظ کا اطلاق ہی نہیں ہوتا۔ یہ تو بے ایمانی کی ایک بڑی قسم ہوئی۔ (تفسیر کبیر۔ تھانوی)

آیت نمبر ۱۵۶

وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾

ترجمہ

اور (یہ مُہر) اُن کے کُفر وانکار کی وجہ سے اور اُن کے مریمؑ پر بڑے بڑے جھوٹے الزام لگانے کی وجہ سے لگائی گئی ہے۔

تفسیر

قتل انبیاءؑ کے علاوہ یہودیوں کے جرائم

جس زمانے میں قرآن اُتر رہا تھا، اُس زمانے کے یہودیوں نے تو انبیاءؑ کو قتل نہیں کیا تھا۔ مگر خدا اُنھیں سے خطاب کر کے اُن کو گذشتہ انبیاءؑ کا قاتل بتا رہا ہے؟ اس سے محققین نے نتیجہ نکالا کہ جو شخص کسی فعل پر راضی ہوتا ہے، تو گویا اُس نے وہ عمل خود انجام دیا ہے چاہے اس نے وہ کام خود نہ کیا ہو صرف کسی عمل پر راضی ہونا بھی اس کام کا انجام دینے کے برابر ہوتا ہے (تفسیر صافی ص ۱۲۵ بحوالہ تفسیر قمیؒ)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ ''تمام آدمیوں کو راضی نہیں کیا جا سکتا اور نہ تمام آدمیوں کی زبانیں بند کی جا سکتی ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ یہودیوں نے حضرت مریمؑ بنتِ عمرانؑ (جیسی پاکدامن اور بلند کردار خاتون) پر کتنی بُری تہمت لگائی کہ اُنھوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰؑ کا حمل تو ایک بڑھئی کا ہے جس کا نام یوسف تھا۔'' (معاذ اللہ) (تفسیر صافی ص ۱۲۵ بحوالہ المجالس)

محققین نے لکھا اس آیت میں یہودیوں کے درج ذیل جرائم بتائے گئے ہیں:

(۱) عہد شکنی یعنی خدا کے بندے ہونے کی حیثیت سے ہر انسان اس بات کا پابند ہے کہ وہ خدا اور اُس کے تمام پیغمبروں کو مانے اور اُن کی اطاعت کرے۔

(۲) خدا کی آیات کا انکار اور خدا کی قدرت کی نشانیوں اور اُن کے حق ہونے کو نہ ماننا۔

(۳) خدا کے رسولوں کو قتل کرنا۔

(۴) اُن کے قتل پر قتل نہ کرنے والوں کا راضی ہونا۔

(۵) یہودیوں کا یہ کہنا کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں یعنی اپنے ایمان نہ لانے کا طنزیہ طور پر اظہار کرنا۔ اس کے جواب میں خدا نے فرمایا کہ اُن کے دلوں پر غلاف کی سی مہریں لگی ہوئی ہیں، یعنی اب انکے دل حق کو سننے اور ماننے کے قابل ہی نہیں رہے، کیونکہ اُنھوں نے عقل سے کام لینا بند کر دیا اور ضمیر کی آواز سُننی بند کر دی ہے۔ یعنی مُہر ہے۔ جب خط یا لفافے پر مہر لگا دی جاتی ہے تو پھر اس میں اضافہ ممکن نہیں ہوتا۔ گویا اُن کے

دل بند کر دیے گئے ہیں، اب وہ حق کو قبول نہیں کریں گے۔

(۶) حضرت مریمؑ جیسی پاک دامن عورت اور وہ بھی جو نبیؑ کی ماں ہو، اُس پر جھوٹا الزام لگانا اور اُن کی پاکدامنی کو مجروح کرنے کی کوشش کرنا۔ ویسے بھی کسی عورت پر زنا کا الزام لگانا بڑے سے بڑے گناہوں میں شامل ہے۔ مگر حضرت مریمؑ تو ایک نبی کی ماں ہیں، اُن پر الزام لگانا گویا حضرت عیسیٰؑ کی حقانیت کو مجروح کرنا ہے۔ اس لئے اس کو گناہ کے بجائے کفر قرار دیا گیا۔ (ملخص از تفسیر علی بن ابراہیم و فصل الخطاب)

یہودیوں کے لیے جو خدا نے یہ فرمایا کہ ''وہ ایمان نہیں رکھتے مگر بہت کم'' اس کا مطلب یہ ہے کہ (۱) اُن میں سے بہت کم لوگ ہیں جو ایمان لائیں گے۔ (۲) وہ حضرت موسیٰؑ کو تو مانتے ہیں مگر حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور قرآن کو نہیں مانتے کیونکہ وہ زیادہ حقیقتوں کو نہیں مانتے اس لیے اُن کے کفر کا پلہ بھاری ہے۔ (تفسیر تبیان)

آیت نمبر ۱۵۷۔۱۵۸

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ﴿۱۵۷﴾

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ

اور اُن کا (طنزاً) یہ کہنا کہ ہم نے خدا کے رسولؐ، مسیح عیسیٰؑ ابن مریمؑ کو قتل کر دیا۔ حالانکہ انھوں نے نہ تو اُن کو قتل ہی کیا اور نہ سولی پر ہی چڑھایا۔ بلکہ اُن کو شبہے میں ڈال دیا گیا۔ اور جنھوں نے بھی اس بات میں اختلاف کیا ہے وہ دراصل شک میں مبتلا ہیں۔ اُن کے پاس اس بات کا کوئی علم ہے ہی نہیں، سوا اس کے کہ وہ اپنے وہم و گمان کی پیروی کر رہے ہیں۔ وہ یقیناً اُن کو قتل نہیں کر پائے۔ (۱۵۷)

بلکہ خدا نے اُنھیں اپنی طرف اُٹھا لیا اور اللہ تو زبردست طاقت رکھنے والا، ٹھیک ٹھیک کام کرنے والا ہے۔(۱۵۸)

تفسیر

حضرت عیسٰیؑ کے قتل کی چال چلنے والے کا انجام

جس شخص نے حضرت عیسیٰؑ کو قتل کرنے کی چال سوچی تھی خدا نے اُسی کو حضرت عیسیٰؑ کی شبیہ بنا دیا۔یعنی اُس کی شکل وصورت بالکل حضرت عیسٰیؑ جیسی ہوگئی۔نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود اپنے ساتھیوں اور حمایتیوں کے ہاتھوں حضرت عیسٰیؑ کے بدلے سولی پر چڑھا کر قتل کر دیا گیا۔ (تفسیر صافی ص ۸۴ بحوالہ تفسیر قمیؒ)

(خس کم جہاں پاک)

نتیجہ:۔"محققین نے نتیجہ نکالا کہ انبیاءؑ اور اولیاءؑ خدا کے دشمنوں اور اُن کے خلاف چالیں چلنے والوں کا انجام دُنیا میں بھی بہت بُرا ہوتا ہے اور آخرت میں تو عذابِ شدید ہے ہی۔اکثر وہ خود اپنے بچھائے ہوئے جال میں پھنس جاتے ہیں۔"

"شبیہ کا جواز"

"بعض فقہاء نے اس سے کسی جاندار کی شبیہ بنانے کا جواز ثابت کیا ہے۔"

قادیانیوں کا عقیدہ

قادیانی حضرات کا یہ فرمانا کہ حضرت عیسٰیؑ زندہ نہیں گویا خدا کے مقابلے پر یہودیوں کی تائید کرنا ہے۔(فصل الخطاب)

غرض قرآن نے حضرت عیسٰیؑ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اُن کا حقیقی منصب بھی بیان کر دیا کہ وہ (۱) مسیح تھے۔(۲) خدا کے نہیں بلکہ حضرت مریمؑ کے بیٹے تھے۔ (۳) خدا نہیں بلکہ خدا کے رسول تھے۔ (۴) وہ قتل نہیں کیے گئے بلکہ زندہ حالت میں آسمان پر اُٹھا لیے گئے تھے۔یہ اسلوب قرآن مجید کا عام ہے کہ وہ ضمناً بڑی بڑی حقیقتوں کو بیان کر کے ہدایتوں کے ابواب کھولتا چلا جاتا ہے۔ (بحر، کبیر، کشاف، بیضاوی، مدارک)

قتلِ حضرت عیسٰیؑ میں یہودیوں کو دھوکہ ہوا

یعنی وہ حضرت عیسٰیؑ کے دھوکے میں کسی اور کو سولی پر چڑھا گئے۔اس دھوکہ کھانے کی وجوہات درجِ ذیل ہوسکتی ہیں:

(۱) حضرت عیسیٰؑ یروشلم کے لوگوں سے بہت کم ملتے تھے۔اس لیے یہودیوں کواُنھیں گرفتار کرنے کے لیے یہوداہ منافق کا سہارا لینا پڑا تھا۔

(۲) حضرت عیسیٰؑ کو یہ کمال حاصل تھا کہ وہ اپنی شکل وصورت کو بدل لیا کرتے تھے۔مثلاً: انجیل میں ہے:''چھ دن بعد یسوّع (حضرت عیسیٰؑ) نے پطرس اور یعقوب کو اپنے ساتھ لیا اور اُنھیں ایک اونچے پہاڑ پر لے گئے اور اُن کے سامنے اُن کی صورت بدل گئی اور اُن کا چہرہ سورج کی مانند چمکا۔''(متی ۱۷:۱،۲،لوقا۹:۲۹)

(۳) شام اور فلسطین میں حکومت تو رومیوں کی تھی مگر آبادی اسرائیلیوں کی تھی۔رومیوں کی نگاہ میں سب اسرائیلی ایک ہی شکل کے تھے۔جیسے ہم لوگوں کو سارے چینی یا سارے گورے ایک ہی شکل کے لگتے ہیں۔

(۴) جب حضرت کو سولی دی گئی تو وہ جمعہ کا دن تھا۔شام کا وقت تھا۔یہودیوں کو جلدی تھی کہ سولی دیں، کیونکہ شام ہی سے اُن کا یومِ سبت شروع ہوجاتا تھا۔اس لیے وہ جلدی میں حضرت عیسیٰؑ اور یہوداہ کی شباہت میں تمیز نہ کرسکے اور اپنے ہی آدمی کو سولی دے بیٹھے۔

آیت نمبر 159

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۚ﴿۱۵۹﴾

ترجمہ

اور اہلِ کتاب میں کوئی بھی ایسا نہیں کہ جو اُن (عیسیٰؑ مسیح) کے مرنے سے پہلے اُن پر ضرور ایمان نہ لے آئے گا۔اور قیامت کے دن وہ (عیسیٰؑ) اُن سب کے خلاف گواہی دیں گے۔

تفسیر

حضرت عیسیٰؑ قیامت سے قبل نازل ہونگے اور اہلِ کتاب کے خلاف

گواہی دیں گے اور امام مہدیؑ کی مدد کریں گے۔

اس آیت نے بتادیا کہ حضرت عیسٰیؑ ابھی زندہ ہیں۔اُن کی موت بعد میں واقع ہوگی اور جتنے اہلِ کتاب اُس وقت موجود ہوں گے وہ اُن پر ایمان لائیں گے۔ (شاہ ولی اللہ)

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ: ''قیامت سے پہلے حضرت عیسٰیؑ نازل ہوں گے اور اُس وقت تمام یہودی حضرت عیسٰیؑ کی تصدیق کریں گے اور تمام عیسائی اُن کی نبوت پر سچا ایمان لائیں گے۔اور اُن کے خدا ہونے سے انکار کریں گے۔'' (تفسیر صافی ص ۲۷، بحوالہ تفسیر قمی بارواہت شہر بن اَشب)

یاد رہے کہ اس آیت میں تمام ضمیریں حضرت عیسٰیؑ کی طرف پھرتی ہیں اس لیے کہ عربی قواعد کے اعتبار سے ضمیر ہمیشہ اُس مرجع کی طرف پھرتی ہے جو قریب ہوتا ہے۔بصورتِ دیگر اضطراب اور نقص پیدا ہوتا ہے جو فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔اس لیے اس آیت سے حضرت عیسٰیؑ کی زندگی ثابت ہے۔(القرآن المبین)

شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا: ''حضرت عیسٰیؑ زندہ ہیں۔جب دجّال پیدا ہوگا تب اس جہان میں آ کر اُس کو ماریں گے اور یہود و نصاریٰ سب اُن پر ایمان لاویں گے۔(موضح القرآن)

مستند احادیث سے یہ بات بالکل ثابت ہے کہ جب امام مہدیؑ ظاہر ہوں گے، اُسی کے بعد حضرت عیسٰیؑ آسمان سے اُتریں گے اور امام مہدیؑ کی مدد فرمائیں گے۔ (بخاری شریف)

خدا کا فرمانا کہ ''حضرت عیسٰیؑ اُن کے خلاف گواہ ہوں گے''۔یعنی، اہلِ کتاب نے حضرت عیسٰیؑ کے بارے میں جو غلط تصورات قائم کر رکھے ہیں، حضرت عیسٰیؑ خود ان کی نفی کریں گے۔یعنی عیسائیوں کا کہنا کہ حضرت عیسٰیؑ خدا ہیں یا خدا کے بیٹے ہیں، خود حضرت عیسٰیؑ کی زبان سے باطل ہو جائے گا۔(جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے) (تفسیر تبیان)

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے یہ الجھن ہی دور کر دی:

شروع شروع میں بہت سے مفسرین اِس آیت سے یہ سمجھے تھے کہ کوئی اہلِ کتاب ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے حضرت عیسٰیؑ پر ایمان نہ لائے۔اس لئے لوگ قرآن کی حقّانیت پر شک کرنے لگے۔

چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے اس غلط فہمی کو دور کیا۔اور فرمایا کہ: ''یہ ضمیر اہلِ کتاب کی طرف نہیں پھرتی بلکہ حضرت عیسٰیؑ کی طرف پھرتی ہے۔یعنی: ''حضرت عیسٰی (علیہ السّلام) ظاہر بظاہر حضرت امام مہدیؑ کی مدد کرنے کے لیے آسمان سے اُتریں گے۔حتیٰ کہ مشہور دشمنِ اہلِ بیتؑ حَجاج ابنِ یوسف (لعنی) جیسے ظالم انسان نے

بھی اعتراف کیا کہ:

''امام محمد باقر (علیہ السّلام) کی اس تفسیر سے میری اُلجھن دور ہوگئی۔'' (تفسیر علی ابن ابراہیم)

آیت نمبر ۱۶۰

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَثِیْرًا ﴿۱۶۰﴾

ترجمہ

تو یہودیوں کے اِسی بڑے ظالمانہ رویے، اور بہت سے لوگوں کو (بکثرت) اللہ کے راستے سے روکنے کے سبب سے ہم نے بہت سی وہ پاک چیزیں جو اُن کے لیے پہلے حلال تھیں، اُن پر حرام کر دیں۔

تفسیر

یہودیوں کو ظلم کی سزا

محققین نے لکھا کہ ''ظلم'' کا لفظ اتنا جامع ہے کہ سب گناہوں پر حاوی ہے۔ (تبیان)

پھر آیت میں ''ظلم'' کے نیچے دو زیر ہیں (فَبِظُلْمٍ) جو ظلم کی کثرت اور اہمیت کا اظہار کرتے ہیں کہ اُن کا ظلم بہت بڑا اور بہت سخت تھا۔ پھر اُس کی سزا بتائی گئی، کہ آخرت کی سزا تو ہے ہی، دُنیا میں بھی وہ اللہ کی بہت سی نعمتوں سے محروم کر دیے گئے۔

نتیجہ: محققین نے نتیجہ نکالا کہ: جو یہودی مسلمان ہو جائیں گے اور اچھا کردار اختیار کر لیں گے تو اُنھیں پچھلے گناہوں کی سزا نہ دی جائے گی۔ (فصل الخطاب)

یہودیوں کو دنیا میں بھی ایک سزا یہ دی گئی کہ ''ان کی شریعت کے قوانین سخت رکھے گئے کیونکہ وہ گناہوں پر بڑے دلیر تھے۔'' اِس واسطے اُن کی شریعت سخت رکھی تا کہ اُن کی سرکشی ٹوٹے۔ (موضح القرآن)

آیت نمبر ۱۶۱

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾

ترجمہ

اور اُن کے سود لینے کی وجہ سے جس کے لینے سے روکا گیا تھا، اور لوگوں کے اموال کو ناجائز طریقوں سے کھا جانے کے سبب سے ہم نے اُن مُنکرینِ حق کے لیے بہت ہی تکلیف دینے والی سزا تیار کر رکھی ہے۔

تفسیر

ممانعت کے باوجود یہودی آج بھی پکے سود خور ہیں

تورات میں آج بھی سود کھانے کی ممانعت ہے۔لکھا ہے:''اگر تو میرے لوگوں ہی میں سے جس کسی کو جو تیرے آگے محتاج ہے، کچھ قرض دیوے تو اُس کے ساتھ بیاجیوں کی طرح سلوک مت کر اور سُود مت لے۔ (خروج ۲۲:۲۵)

یہ اور بات ہے کہ یہودی آج دنیا کی سب سے بڑی سود خور قوم ہے۔'' کچھ مسلمان بھی اُن کے مقلد ہیں۔''

نتیجہ: محققین نے آیت کے الفاظ سے یہ نتیجہ نکالا کہ:''دُنیوی سزائیں تو عموماً اجتماعی رنگ میں ملتی ہیں ۔''زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے۔''

پوری قوم کسی نعمت سے محروم کر دی جاتی ہے لیکن آخرت کی سزائیں تمام تر انفرادی اور شخصی ہوں گی۔ ہر

شخص اپنے بُرے اعمال کی سزا بھگتے گا۔(ماجدی)

آیت نمبر ۱۶۲

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾

ترجمہ

البتہ اُن (یہودیوں) میں جو لوگ علم میں پختہ یا مضبوط ہیں اور ایماندار بھی ہیں، وہ اُس کتاب کو بھی مانتے ہیں جو آپؐ پر اُتری ہے اور اُس کو بھی مانتے ہیں جو آپؐ سے پہلے اُتری ہے۔ اور وہ لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کو ہم بہت ہی بڑا اجر و ثواب ضرور عطا کریں گے۔

تفسیر

یہودیوں میں رَاسِخُونَ فِی الْعِلْمِ لوگ

آیت کا مطلب ہے کہ ہر جماعت میں واقعاً نیک عقیدہ اور نیک عمل وہی لوگ ہوں گے جو تعصّبات کے پردوں کو چاک کر کے حقیقت کو پہچان لیں گے اور سچے دل سے اسلام کی سچائی کو قبول کر لیں گے۔ اور شریعت محمدیؐ کی پابندی کریں گے۔(فصل الخطاب)۔(یہودیوں میں ایسے ہی لوگ راسخون فی العلم ہوں گے۔)

آیت نمبر ۱۶۳

اِنَّاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ كَمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی نُوۡحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ۚ وَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اِبۡرٰهِیۡمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَعِیۡسٰی وَاَیُّوۡبَ وَیُوۡنُسَ وَهٰرُوۡنَ وَسُلَیۡمٰنَ ۚ وَاٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿۱۶۳﴾

ترجمہ

بِلا شُبہ ہم نے آپ کی طرف اُسی طرح وحی بھیجی جس طرح ہم نے نوح اور اُن کے بعد کے پیغمبروں کی طرف وحی بھیجی تھی۔ اور ہم نے ابراہیم واسمٰعیل واسحاق ویعقوب واولادِ یعقوب وعیسیٰ وایوب ویونس وہارون وسلیمان ان کی طرف وحی بھیجی۔ اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔

تفسیر

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ اِس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ''یقیناً ہم نے تمھاری طرف وحی کی، جس طرح حضرت نوحؑ اور اُن کے بعد انبیاءؑ کی طرف وحی کی تھی۔ پس جناب رسولِ خداؐ کے لیے تمام وحی جمع کر دی گئی۔'' (تفسیر صافی ص ۱۲۶ بحوالہ تفسیر عیاشی)

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا: ''حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیان چند انبیاءؑ ایسے بھی گذرے ہیں جو خفیہ رہے، کچھ ایسے تھے جنھوں نے اپنی نبوت کو عام لوگوں پر ظاہر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے خفیہ رہنے والے انبیاءؑ کا خدا نے فرمایا: ''کچھ رسولوں کا قصہ تو ہم نے آپؐ کے سامنے بیان کیا جو

آپؐ سے پہلے تھے۔مگر کچھ رسولوں کا قصہ ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔''

آیت نمبر ۱۶۴

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۚ﴿۱۶۴﴾

ترجمہ

اور ہم نے اُن (دوسرے) پیغمبروں پر بھی وحی نازل کی جن کا ذکر ہم آپ سے اِس سے پہلے کر چکے ہیں، اور ان پیغمبروں پر بھی (وحی بھیجی) جن کا ذکر ہم نے آپ سے نہیں کیا۔اور ہم نے موسیٰ سے گفتگو کی جس طرح کی جانی چاہیے۔

تفسیر

خدا مختلف انداز میں انبیاءؑ سے ہم کلام ہوا ہے

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا:'' حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کے چُنے ہوئے کچھ آدمیوں کو طورِ سینا پر لے گئے اور اُن کو اُس پہاڑ کے دامن میں کھڑا کر کے خود طور کے پہاڑ پر چڑھ گئے۔اور اللہ سے درخواست کی، کہ مجھ سے اس طرح باتیں کر کہ وہ لوگ بھی سُنیں۔اس پر خدا نے اس طرح کلام فرمایا کہ ان سب لوگوں نے اوپر، نیچے، دائیں، بائیں ہر طرف سے سُنا۔خدا نے بولنے کی قوّت ایک درخت میں پیدا کر دی تھی۔'' (تفسیر صافی ص ۱۳۶ بحوالہ التوحید)

حضرت علی علیہ السّلام سے روایت ہے کہ'' جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ: '' خدا نے بغیر اعضاء اور بغیر ہونٹوں کے کلام کیا۔اللہ کو انسان کی طرح بات کرنے کے لیے ان اعضاء کی ضرورت نہیں ہوتی۔خدا اعضاء سے مبرا اور منزہ ہے۔خدا کا کلام ایک طریقے پر نہیں ہوتا۔(خدا کے کلام کرنے کے مختلف طریقے ہوتے ہیں: جیسے)

(۱) ایک طریقہ تو وہ تھا جو خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور دیگر انبیاءؑ سے اختیار کیا۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ تھا کہ خدا جو پیغام چاہتا تھا اُن کے دلوں میں ڈال دیتا تھا۔

(۳) تیسرا طریقہ۔خواب تھے۔اس لیے وہ خواب بھی خدا کا کلام تھے، جو رسولوںؑ نے دیکھے تھے (مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا خواب، جس کا ذکر قرآن میں بھی ہے)۔

(۴) چوتھا طریقہ۔یہ وحی (قرآن کی شکل میں) نازل ہوئی۔یہ بھی خدا کا کلام ہے، جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔

یہودیوں نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا ''کہ آپؐ سے حضرت موسیٰؑ بہتر تھے''۔جناب رسولِ خداؐ نے پوچھا: ''کیسے؟'' یہودیوں نے کہا کہ ''خدا نے حضرت موسیٰؑ سے چار ہزار کلموں کے ذریعے بات کی، لیکن آپؐ سے تو کوئی بات نہیں کی''۔جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: ''مجھے حضرت موسیٰؑ سے افضل درجہ عطا کیا گیا ہے''۔ یہودیوں نے پوچھا کہ ''وہ کیسے؟'' اُس پر جنابِ رسولِ خداؐ نے آیۂ معراج تلاوت فرمائی۔''سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً۔۔۔الخ (احتجاج طبرسی)

خدا کے اس قول سے کہ ''کچھ وہ پیغمبرؑ جن کے حالات ہم نے آپؐ سے بیان نہیں کیے۔''، محققین نے نتیجہ نکالا کہ: ''بہت سے ایسے بڑے مشہور لوگ جو اپنی قوموں کی اصلاح کرتے تھے، ممکن ہے کہ خدا کی طرف سے بھیجے گئے ہوں۔جیسے ایران میں زردشت، ہندوستان میں گوتم بدھ وغیرہ۔۔۔۔۔۔(فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۶۵

رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ﴿۱۶۵﴾

ترجمہ

(یہ سارے کے سارے) رسولؑ خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے تاکہ اُن پیغمبروںؑ کے (آنے کے) بعد لوگوں کے سامنے کوئی حجت یا عذر باقی نہ رہ جائے ۱۔اور اللہ تو ہے ہی بڑا زبردست غلبہ رکھنے والا اور دانائی کے ساتھ ٹھیک ٹھیک کام کرنے والا۔

تفسیر

انبیاءؑ کے بھیجے جانے کا مقصد

۱۔ خدا نے انبیاءؑ کے بھیجنے کا ایک یہ مقصد یہ بھی بتایا کہ ''انبیاء کے ذریعے مخلوق پر خدا کی حجت تمام ہوجاتی ہے یعنی انبیاءؑ کے آنے کے بعد لوگ اپنی ناواقفیت اور غفلت کا کوئی عذر نہیں پیش کر سکتے۔ یعنی خدا کے سامنے یہ تمھیں کہہ سکتے کہ ''ہمیں یہ معلوم ہی نہ تھا کہ تو ہمارا خالق ہے اور نہ ہمیں تیرے احکامات کا علم تھا۔ اگر ہمیں تیرے احکامات کا علم ہوتا تو ہم ضرور اُن کی تعمیل کرتے۔'' انبیاءؑ کے آنے کے بعد اب کوئی یہ عذر یا بہانہ پیش نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اگر لوگ یہ عذر پیش کر دیتے تو پھر جزا اور سزا کا کوئی جواز ہی باقی نہ رہتا۔ اس لیے انبیاءؑ کو خدا نے بھیجا تا کہ لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی دلیل باقی نہ رہے۔ (شاہ ولی اللہ و فصل الخطاب)

نتیجے: علمِ کلام کے ماہرین نے اس آیت سے یہ نتیجے نکالے:۔

(۱) خدا عادلِ حقیقی ہے، وہ ہرگز ظلم نہیں کرتا۔

(۲) حُسن و قُبح عقلی ہے۔ یعنی اس بات سے قطع نظر کہ خدا کا حکم کیا ہے، خود اپنی جگہ کچھ باتیں اچھّی ہیں اور کچھ باتیں بُری ہیں۔ اِسی لیے جن باتوں کو عقل اور ضمیر بُرا کہتا ہے وہی باتیں خدا نے بھی حرام کی ہیں۔ اس لیے فارمولا بنایا گیا کہ: کُلّما حَکم بِہِ الْعقل، حَکم بِہِ الشّرع''۔ (جس بات کا عقل حکم دیتی ہے اُسی بات کا شریعت حکم دیتی ہے۔)

(۳) اسی لیے خدا کے لیے بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''اُس پر یہ بات واجب ہے۔'' خدا پر کسی بات کے واجب ہونے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ کسی اور بڑی طاقت نے کوئی چیز (معاذ اللہ) خدا پر ضروری قرار دے دی ہے۔ بلکہ خدا پر کوئی چیز واجب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً عدل کرنا اس کے شانِ کمال کا تقاضا ہے۔ گویا جو چیز خدا پر واجب ہے وہ خدا ہی کے کمال یا بے عیب ہونے کا منطقی تقاضا ہے اور اس طرح اُس نے خود اُس چیز کو اپنے اوپر واجب یا لازم کر لیا ہے۔ جیسا کہ خدا نے خود فرمایا کہ: ''خدا نے اپنے اوپر رحمت کو واجب قرار دیا ہے۔'' کیونکہ رحم کرنا ہی اُس کی شانِ کمال کا تقاضا ہے اور جس ذات نے اپنے اوپر رحم کرنے کو واجب قرار دے دیا ہے وہ ہرگز ظلم نہیں کرے گا۔

(۴) اور کیونکہ کسی ضروری چیز کو جو کسی کی بڑائی کی شان کے مطابق ہو، ترک کرنا صرف دو وجہ سے ممکن ہوتا ہے۔ نمبر ۱۔ مجبوری یا نمبر ۲ ناواقفیت سے۔ اسی لیے آیت کے آخر میں خدا نے فرمایا کہ ''وہ عزیز ہے'' یعنی ہر چیز پر غالب اور زبردست ہے اور ''حکیم ہے۔'' یعنی دانائی کے ساتھ ہر کام ٹھیک ٹھیک کرنے والا ہے۔ (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۶۶

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾

ترجمہ

خود خدا گواہی دیتا ہے کہ جو کچھ بھی اُس نے تم پر اُتارا ہے وہ اپنے علم سے اُتارا ہے۔ اِس پر ملائکہ بھی گواہ ہیں اگرچہ اللہ کا گواہ ہونا ہی بہت کافی ہے۔

تفسیر

مطلب یہ ہے کہ وحی تو دیگر انبیاءؑ پر بھی اُتری اور اِسی طرح رسول خداؐ پر بھی وحی اُتری۔ لیکن پچھلے انبیاءؑ پر جو وحی اور کتابیں اُتریں وہ بحیثیت معجزۂ رسالت نہیں اُتریں تھیں۔ اُن انبیاءؑ کی نبوت کا ثبوت دوسرے معجزے ہوتے تھے۔ مگر ہمارے رسولؐ پر جو وحی بصورتِ قرآن اُتری وہ از خود معجزہ ہے۔ یعنی یہ کلام خود ہمارے رسولؐ کے رسولِ خداؐ ہونے کی دلیل ہے۔ اور ایسا کلام رسولؐ پر بھیجنا حقیقت میں خدا کا گواہی دینا ہے کہ یہ رسولؐ سچا ہے۔ اور کیونکہ جبریلؑ اور دوسرے فرشتوں کے ساتھ یہ کلام لے کر آئے تھے تو وہ بھی رسولؐ کی صداقت کے گواہ قرار پائے۔ مگر جبریلؑ یا فرشتے تو صرف ذریعہ تھے وحی لانے کا، اصل گواہی تو خدا کی تھی، اس لیے آخر میں فرمایا کہ ''اللہ سے بڑھ کر کون گواہ ہوگا۔'' (ملخص از مجمع البیان، فصل الخطاب، موضح القرآن)

آیت نمبر ۱۶۷

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾

ترجمہ

بیشک جن لوگوں نے اِس بات کو ماننے سے انکار کیا اور دوسروں کو بھی خدا کے راستے پر آنے سے روکا، تو وہ یقیناً بڑی گمراہی میں (حق سے) بہت ہی دور نکل گئے۔

تفسیر

اگر عالِم ہی مفسد ہو جائے تو پوری دنیا خراب ہو جائے گی

کیونکہ اہلِ کتاب کے علماء نے آسمانی کتابوں کو عام نہیں ہونے دیا تھا، بلکہ وہ کتابیں صرف اُن کے علما کے پاس چھُپی ہوا کرتی تھیں، اس لیے اُنکے علماء کی یہ ذمے داری تھی کہ وہ خود بھی رسولؐ پر ایمان لائیں اور اپنے عوام کو بھی حق بات بتائیں مگر اُنھوں نے بھی کُفر کا راستہ اختیار کیا اور حق کو چھُپا کر دوسروں کا بھی راستہ روکا۔ (جلالین)

اور صرف راستہ روکا ہی نہیں بلکہ ایسی باتیں بھی کہیں جو گمراہ کرنے والی تھیں مثلاً: رسالت اولادِ ہارونؑ کے باہر نہیں جاسکتی۔ وغیرہ۔ (تبیان)

اِسی لیے جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے: ''اَذَا فَسَدَ الْعَالِمُ فَسَدَ الْعَالَم'' یعنی: ''جب عالِم میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے تو پوری دُنیا خراب ہو جاتی ہے''۔ (الحدیث)

آیت نمبر ۱۶۸۔۱۶۹

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَظَلَمُوۡا لَمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ وَلَا لِیَہۡدِیَہُمۡ طَرِیۡقًا ﴿۱۶۸﴾

اِلَّا طَرِیۡقَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرًا ﴿۱۶۹﴾

ترجمہ

اِسی طرح جن لوگوں نے انکار کیا اور (پھر) ظلم وستم پر اُتر آئے تو اللہ بھی اُنھیں ہرگز معاف نہ کریگا ۱۔اور اُنھیں کوئی راستہ نہ دکھائے گا۔

سوائے جہنّم کے راستے کے، جس میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔اور یہ کام اللہ کے لیے بہت ہی آسان ہے ۲۔

تفسیر

جناب محمدؐ وآلِ محمدؐ پر ظلم کرنے والوں کو خداوندِ عالم معاف نہ کرے گا

۱ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ ''جن لوگوں نے ظلم کیا'' سے (اولین) مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے محمدؐ وآلِ محمدؐ کے حقوق غصب کیے اور اُن پر ظلم کیے، ایسے لوگوں کو خدا معاف نہ کریگا۔''

علماءِ یہود کا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسولؐ جان کر اُن کا انکار کرنا کفر تو تھا ہی مگر ساتھ ساتھ اپنے عوام پر ظلم بھی تھا کہ اُن کو حق بات نہیں بتاتے تھے اور اس طرح ان کو گمراہ کرتے تھے اور یہ ظلم وہ خود اپنے نفس پر بھی کر رہے تھے کہ خود کو جہنّم کا مستحق بنا رہے تھے۔(فصل الخطاب)

اسلام کا خدا مشرکین کے خداؤں (بُتوں) کی طرح محدود ناقص قوّتیں رکھنے والا نہیں۔

وہ مطلق الاختیار یا قادرِ مطلق ہے زبردست قوّت والا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

آیت نمبر ۱۷۰

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾

ترجمہ

اے انسانو! اے یہ رسولؐ تمھارے پاس تمھارے پالنے والے کی طرف سے سچّی بات لے کر آ گیا ہے تو تم اُس کو مان لو، تو یہ خود تمھارے ہی لیے بہت اچھا ہوگا ۲۔ اور اگر تم انکار کرتے رہے تو پھر یہ بھی جان لو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب اللہ ہی کا ہے ۳۔ اور اللہ تو سب کچھ جاننے والا ہے اور بالکل ٹھیک ٹھیک کام کرنے والا ہے۔

تفسیر

محققین نے نتیجے نکالے کہ

(۱) جناب رسولِ خداؐ کا پیغام صرف عربوں کے لیے نہ تھا بلکہ تمام انسانوں کے لیے تھا۔ کیونکہ خدا نے ''اے انسانو!'' کہہ کر کلام کی ابتداء فرمائی ہے۔ (۲) جس طرح اللہ کو اللہ ماننے سے اللہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، اُسی طرح رسولِ خداؐ کو رسولِ خداؐ ماننے سے رسولِ خداؐ کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا، بلکہ ماننے والوں کو جہنّم سے نجات اور جنت ملنے کا فائدہ ہوتا ہے۔ (۳) اور کافروں کے انکار کرنے سے بھی خدا اور رسولؐ کا کچھ نہیں بگڑتا۔ کیونکہ خدا کے قبضے میں تو ساری کائنات ہے تمھارے ماننے نہ ماننے سے اُس پر کیا فرق پڑتا ہے؟ (تبیان، فصل الخطاب، قرطبی، روح، تفسیر کبیر)

آیت نمبر ۱۷۱

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ

اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾

ترجمہ

اے اہلِ کتاب! اپنے مذہب میں ''غلو'' نہ کرو اور اللہ کی طرف سوا سچ بات کے کچھ اور منسوب نہ کرو۔ مریم کے بیٹے عیسیٰ تو بس اللہ کے پیغمبر اور اس کا کلمہ ہیں۔ جسے خدا نے مریم کی طرف بھیجا تھا، وہ اللہ کی طرف سے ایک روح ہیں۔ لہٰذا تم اللہ اور اُس کے رسولوں کو مانو اور یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں۔ اس بات سے باز آجاؤ۔ یہی تمھارے لیے بہتر ہے۔ اللہ تو بس ایک اکیلا خدا ہے۔ وہ اس بات سے پاک اور بہت بلند ہے کہ اُس کا کوئی بیٹا ہو۔ جو کچھ بھی کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی کہ زمین میں ہے سب کا سب اُسی کا تو ہے اور خدا سب کی خبر گیری، کفالت اور کارسازی کے لیے بہت کافی ہے۔

تفسیر

روح کیا ہے:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے ''روح'' کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ''روح اللہ کی ایک مخلوق ہے جسے اللہ نے حضرت آدمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے اندر پھونکا تھا۔'' (تفسیر صافی ص ۱۲۷ بحوالہ کافی)

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''دو روحیں ایسی ہیں جن کو اللہ نے پیدا کر کے منتخب کر لیا اور اُنھیں مصطفیٰ قرار دیا۔ وہ (۱) حضرت آدمؑ (۲) اور حضرت عیسیٰؑ ہیں۔'' (التوحید)

یاد رہے کہ حضرت آدمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو جو روحیں عطا ہوئیں وہ جُزوی تھیں۔ کیونکہ خدا نے یہی فرمایا ہے کہ ''میں اُن میں اپنی روح میں سے کچھ پھونکا۔'' جبکہ جناب رسول خداؐ کے لیے خدا نے ارشاد فرمایا کہ: ''اے رسولؐ! ہم نے آپؐ کی طرف عالمِ امری سے ایک روح وحی کی''۔ کیونکہ جناب رسولِ خداؐ عالمِ امری کی ساری روح کے حامل ہیں اس لیے اُن کو تمام عالمِ امری اور عالمِ روحانی و مادی و عنصری پر پورا پورا تصرف حاصل ہے۔ جبکہ حضرت

آدمؑ اور حضرت عیسیٰؑ میں ذرا سی روح تھی اس لیے وہ جُزوی نبی تھے۔یعنی مخصوص قوم کے لیے نبی تھے اور اِسی لیے حضرت آدمؑ صرف زمین پر خدا کے خلیفہ تھے۔عالمِ امری اور عالمِ روحی نہ تھے اور اِسی وجہ سے حضرت عیسیٰؑ کو بار بار پرندوں یا انسانوں میں رُوح پھونکنے کے لیے خدا کی خصوصی اجازت کی ضرورت ہوتی تھی اور اسی لیے حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا تھا کہ:''میں پرندے کی شکل بنا سکتا ہوں۔'' یہ نہ فرمایا کہ''میں پرندہ بنا سکتا ہوں۔'' اور اِسی وجہ سے حضرتؑ موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ صرف بنی اسرائیل کے لیے رسولؑ تھے۔جبکہ محمد مصطفیٰ ﷺ عالمین کے لیے رسول تھے۔خدا نے فرمایا: "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ" یعنی''ہم نے آپؐ کو عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔'' (القرآن المبین)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کے عقائد کی تصدیق و تکذیب از روئے قرآن

"غُلُوّ" کے معنی کسی کا درجہ جوشِ عقیدت میں حد سے بڑھا دینا ہوتا ہے۔(تبیان)

عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ غُلُو کیا کہ اپنے کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنے لگے۔قرآن نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں درج ذیل باتوں کی تصدیق کی:

(۱) وہ حضرت مریمؑ کے بیٹے ہیں اور اُن کا کوئی باپ نہیں۔

(۲) وہ مسیح ہیں اور یہ لقب اُن کے لیے خاص ہے۔

(۳) وہ اللہ کے رسول ہیں اور جس طرح تمام انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے اُسی طرح اُن پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔

(۴) وہ''روح اللہ'' ہیں اور اُن کی روح کو اللہ سے نسبت دینا اللہ سے اُن کا قرب بتانے کے لیے ہے۔گویا یہ اضافتِ تشریفی ہے۔جیسے بیت اللہ

(۵) حضرت عیسیٰؑ خدا کے ساتھی، بیٹے یا تین خداؤں میں سے ایک نہیں ہیں۔اسی بات کو اس طرح کہا: سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ یعنی یہ خدا کی شان کیخلاف ہے کہ کسی کو بیٹا بنائے اور اُسکو اسکی ضرورت اس لیے بھی نہیں کہ جو کچھ بھی کائنات میں ہے سب اُس کی ملکیت ہے۔اب یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰؑ مرتبے کے اعتبار سے خدا کے بیٹے ہیں۔کیونکہ خدا باپ کی طرح اُن کا پالنے والا ہے۔تو یہ بات تو سب کے لیے یکساں ہے۔خدا ساری کائنات کا مربی ہے۔البتہ یہ کہنا کہ عیسیٰؑ خدا کے رسول ہیں، یقیناً اُن کی خصوصیت اور عظمت ہے۔

(٦) آخر میں خدا کا یہ فرمانا کہ: ''اللہ کام بنانے کے لیے بہت کافی ہے''

شاید یہ بتانے کے لیے بھی ہے کہ تمھارا یہ سمجھنا غلط ہے کہ خدا نے کائنات کا انتظام چلانے کے لیے حضرت عیسیٰؑ کو اپنا بیٹا بنا کر اپنا شریک کرلیا ہے۔ کیونکہ خدا کی قدرت ناقص نہیں، اس لیے اُس کو کسی شریک کار کی ضرورت نہیں۔ وہ اکیلا تمام کاموں کے لیے بہت کافی ہے۔ ''اُس کو پیش کار کی حاجت نہیں۔'' (ملخّص از موضح القرآن وفصل الخطاب)

یہودیوں کا غُلُو

احکامِ ظاہری پر بے حد زور دینا تھا اور مسائلِ باطنی کی طرف سے بے پرواہی کرنا تھا اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

عیسائیوں کا غُلُو

مسائل باطن میں تعمّق اور احکامِ ظاہری کی طرف سے بے پروائی کرنا تھا۔ حق یہ ہے کہ ظاہر و باطن دونوں کو جمع کیا جاتا (تھانوی)

حضرت عیسیٰؑ کا کلمۂ خدا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی تخلیق اللہ کے حکم کے ایک کلمے کے ذریعے ہوئی تھی۔ (بقول ابنِ عباسؓ از تفسیر کبیر، قرطبی، روح، معالم ابن کثیر)۔

''روح اللہ'' کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کی بنائی ہوئی روح ہیں۔ اور حضرت عیسیٰؑ کی روح کو خدا نے اپنی طرف اس لیے نسبت دی تا کہ اُن کا شرف اور عظمت ظاہر ہو جیسے کعبہ کو بیت اللہ کہا گیا۔ (تفسیر کبیر، ابن کثیر، معالم، حصاص)

آیت نمبر ۱۷۲

لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ یَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیَسْتَكْبِرْ فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ جَمِیْعًا ﴿۱۷۲﴾

ترجمہ

مسیحؑ تو کبھی اپنے لیے اِس بات کو عیب نہیں سمجھیں گے کہ وہ خدا کے ایک بندے ہوں، اور نہ ہی مقرّب ترین فرشتے اِس بات کو اپنے لیے ذلّت یا عیب سمجھیں گے۔ اگر کوئی شخص اللہ کی بندگی کو اپنے لیے ذلّت سمجھتا ہے۔ اور تکبّر کرتا ہے تو بہت جلدی خدا اُن سب کو گھیر کر اپنے سامنے حاضر کر دے گا۔

تفسیر

انسان کی فضیلت خدا کا فرمانبردار عبد ہونے میں ہے

محققین نے لکھا کہ خدا نے حضرت عیسٰیؑ کو اللہ کا بندہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کا بندہ ہونا وہ شرف اور وہ فضیلت ہے کہ جو اِس قابل ہے کہ اُس پر فخر کیا جائے۔ روایت ہے کہ نجران کے عیسائی جناب رسولِ خداؐ کے پاس آئے اور اُنھوں نے کہا کہ آپ ہمارے آقا پر عیب کیوں لگاتے ہیں؟ آنحضرتؐ نے پوچھا: میں کیا عیب لگاتا ہوں؟ اُنھوں نے کہا کہ آپؐ حضرت عیسٰیؑ کو خدا کا بندہ کہتے ہیں۔ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: ''بے شک۔'' حضرت عیسٰیؑ اس بات کو اپنے لیے عار یا ذلّت ہرگز نہ سمجھیں گے کہ وہ اللہ کے بند کہے جائیں۔'' اِسی بات پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر صافی ص ۱۲۷)

انسان، جن اور فرشتوں کی عظمت خدا ہونے میں نہیں، بلکہ خدا کے بندے ہونے میں ہے اس لیے کہ تمام مراتب اور شرف میں عبدیت کا مرتبہ سب سے اعلیٰ ہے (ماجدی۔ تھانوی)

آیت نمبر ۱۷۳۔۱۷۴

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیۡہِمۡ اُجُوۡرَہُمۡ وَیَزِیۡدُہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِیۡنَ اسۡتَنۡکَفُوۡا وَاسۡتَکۡبَرُوۡا فَیُعَذِّبُہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ۙ وَّلَا یَجِدُوۡنَ لَہُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّلَا

نَصِیْرًا ﴿۱۷۳﴾

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ﴿۱۷۴﴾

ترجمہ

پھر جنھوں نے ایمان لا کر نیک (عملی کی زندگی) اختیار کی ہوگی، انہیں نے خدا ان کا پورا پورا اجر دے گا اور انھیں اپنے فضل و کرم سے اور بہت زیادہ بھی عطا فرمائے گا۔ اور جن لوگوں نے خدا کی بندگی کو اپنے لیے ذلت سمجھا اور تکبّر کیا' اُن کو خدا بڑی ہی تکلیف دینے والی سزا دے گا۔ اور وہ وہاں اللہ کے سوا نہ تو کسی کو اپنا دوست یا سرپرست پائیں گے اور نہ وہاں اُن کا مددگار ہی ہوگا۔

اے انسانو! تمھارے پالنے والے کی طرف سے تمھارے پاس کُھلا ہوا ثبوت (قرآن) آ گیا ہے اور ہم نے تمھاری طرف ایک چمکتی ہوئی روشنی اُتاری ہے ۔ا۔

تفسیر

اِس آیت میں نور سے مراد؟

۱ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''یہاں نور یعنی روشنی سے مراد علیؑ کی ولایت ہے۔ (مجمع البیان و تفسیر صافی ص ۱۲۷ بحوالہ تفسیر عیاشی و تفسر قمی)

البتہ دیگر مفسرین نے ''برہان'' سے مراد جناب رسول خداؐ اور نور سے مراد قرآن لیا ہے۔ کچھ مفسرین نے برہان سے مراد معجزات اور نور سے مراد قرآن لیا ہے۔

غرض آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تمھارے پاس عقلی دلائل اور نقلی شواہد آ چکے اس لیے اب تم خدا کے سامنے کوئی عذر نہیں پیش کر سکتے۔ (تفسیر صافی ص ۱۲۷)

غرض اُس آیت میں جناب محمد مصطفےٰؐ کی رسالت پر ایمان لانے کی نہایت ہی موثّر انداز میں دعوت دی

گئی ہے کہ ذرا آنکھیں کھول کر تو دیکھو کہ اُن کے حق ہونے کی تجلیاں کتنی روشن اور اُن کی رسالت کے دلائل کتنے مضبوط ہیں۔ (تفسیر تبیان وفصل الخطاب)

عام مفسّرین نے لکھا کہ ''بُرھان'' سے مراد جناب رسولِ خداؐ کی ذات ہے۔(بقول ابنِ عباسؓ، ازقرطبی۔بحر)

اس سلسلے میں خدا کا تمام انسانوں سے خطاب فرمانا بتاتا ہے کہ جناب محمد مصطفٰےؐ کی رسالت تمام عالمِ انسانیت کے لیے ہے۔ (ابن جریر، ابن کثیر، روح المعانی)

اور خدا نے قرآن کو نور ''مبین کھلی ہوئی روشنی'' اس لیے کہا کہ قرآن مین ہر چھوٹے بڑے، انفرادی اجتماعی مسائل کا حل موجود ہے (بقول حسن بصری، ازقرطبی وروح المعانی)

آیت نمبر ۱۷۵

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّیَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ﴿۱۷۵﴾

ترجمہ

اب جن لوگوں نے اللہ کی بات کو مان لیا اور اُسے مضبوطی کے ساتھ تھام لیا تو اللہ اُن کو اپنی رحمت اور اپنے فضل وکرم میں ضرور داخل کرے گا۔ اور انھیں اپنی طرف آنے کا سیدھا راستہ دکھا دے گا۔[۱]

تفسیر

اطاعتِ خدا ذریعہ ہے توفیقِ خدا کا

[۱] اور خدا کا فرمانا کہ ''خدا اُسے سیدھے راستے پر لگا دے گا'' یعنی اپنی خاص توفیقات اُس کے شاملِ حال کر دے گا۔ جو نتیجہ ہوگا اُس کی اپنی حق طلبی اور صحیح طریقۂ کار اختیار کرنے کا۔ جیسا کہ دوسری جگہ خدا نے فرمایا ہے کہ ''جو لوگ ہماری راہ میں سخت جدوجہد کرتے ہیں تو ہم خود اُن کو اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں۔'' (تفسیر تبیان)

''خدا اُن کو سیدھا راستہ دکھا دے گا'' کا مطلب یہ ہے کہ مومنین کو اطاعتِ خدا کرنے کی وجہ سے اس بات کی توفیق عطا کی جائے گی کہ وہ ہمیشہ خدا کی اطاعت پر ثابت قدم رہیں اور مزید اطاعتیں انجام دیں اور ایسے اعلیٰ اور اچھے کام کریں جن کی وجہ سے اُن کو خدا کی رضامندی اور زیادہ حاصل ہو۔ (بقول ابنِ عباسؓ)

اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جو ایمان اور عملِ صالح انجام نہ دیں گے اُن کو یہ توفیقات حاصل نہ ہوگی۔ (تھانوی)

آیت نمبر ۱۷۶

يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

ترجمہ

لوگ آپ سے خدا کا حکمِ شرعی دریافت کرتے ہیں۔ کہو اللہ تمھیں بھائی بہن کے بارے میں شرعی حکم بتاتا ہے کہ اگر کوئی شخص بے اولاد مر جائے، اور اُسکی ایک ہی بہن ہو تو وہ اُس کے ترکہ میں سے آدھا حصّہ پائے گی اور اگر بہن بے اولاد مَرے تو بھائی اُس کا پورا وارث ہوگا۔ اب اگر دو بہنیں ہوں تو اُنھیں ترکہ میں سے دو تہائی حصّہ ملے گا۔ اور اگر (وارث) کئی بھائی بہیں ہوں، تو مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔ اللہ تمھارے لیے صاف صاف (احکامات) بیان کرتا ہے تاکہ تم بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ تو ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

تفسیر

بھائی بہن کے ترکۂ وراثت کے احکام

''کَلٰلَۃ'' مرنے والے کی اُس بہن کو کہتے ہیں جو مرنے والے کے بعد زندہ رہے اور مرنے والے کی کوئی اولاد نہ ہو۔ اور نہ اُس کے ماں باپ زندہ ہوں۔

حضرت جابر ابنِ عبداللہؓ ایک دفعہ بیمار ہوئے تو جناب رسولِ خداؐ اُن کے پاس تشریف لائے اُنھوں نے پوچھا کہ میرا ایک کلالہ ہے۔ اِس لیے میں اپنے مال کو کس کو تقسیم کروں؟ اس کے جواب میں یہ آیت اُتری۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ یہاں بہن کا لفظ عام ہے چاہے وہ ماں باپ دونوں کی طرف سے ہو (یعنی چاہے وہ حقیقی بہن ہو) یا صرف باپ کی طرف سے ہو۔ (جسے سوتیلی بہن کہا جاتا ہے) (تفسیر صافی ص ۱۲۷)

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کلالہ ایک ہے تو اُس کا چھٹا حصہ ملے گا اور اگر ایک سے زیادہ ہے تو اُنھیں تہائی حصہ دیا جائے گا۔ لیکن اہلِ سنت کے علمأ نے اس آیت کی تفسیر بڑے اُلجھے ہوئے انداز میں کی ہے۔

(ملاحظہ فرمائیں تفسیر جلالین اور فتح الرحمٰن)

نتیجہ: محققین نے نتیجہ نکالا کہ احکامِ فقہ کے مآخذ بننے کے لیے قرآن اکیلا اُتارا ہی نہیں گیا ہے اس لیے تنہا قرآن اسلام کی مکمل تعلیمات پہنچانے کے لیے کافی نہیں۔ (فصل الخطاب)

سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ

یعنی آسمان سے اُترنے والے دسترخوان کا سورہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام کی مدد مانگتے ہوئے (شروع کرتا ہوں) جو سب کو فیض اور فائدے پہنچانے والا، بڑا ہی مہربان ہے

آیت نمبر ۱

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰى عَلَیْكُمْ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ ۝۱

ترجمہ

اے ایمان لانے والو! خدا کی مقرّر کی ہوئی پابندیوں اور معاہدوں کو پورا کرو۔ تمھارے چار پاؤں والے (چرنے والے) مویشی عموماً حلال ہیں۔ سوا اُن کے جو آگے چل کر تم کو بتائے جائیں گے لیکن احرام کی حالت میں شکار کرنے کو اپنے لیے حلال نہ سمجھنا۔ بیشک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

تفسیر

معاہدوں کی تاکید اور مویشیوں کی حِلّت

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ یہاں "**عقود**" سے مراد"

عھود" یعنی عہد ہیں۔اور وفا کے معنی ''پکّے عہد و پیمان'' کے ہیں۔اس میں وہ عہد بھی شامل ہیں جو اللہ نے اپنے بندوں پر لازم کیے ہیں۔مثلاً خدا پر ایمان لانا۔خدا کے رسولوں ؑ،فرشتوں اور رسولوں ؑ کے اوصیاء پر ایمان لانا۔خدا کے حلال کیے ہوئے کو حلال اور خدا کے حرام کیے ہوئے کو حرام جاننا۔خدا کے مقرّر کیے ہوئے فرائض،سُنن،حدود،اوامر، نواہی کا لحاظ رکھنا،مومنین کی امانتوں اور حقوق کا ادا کرنا۔'' (تفسیر صافی ص ۱۲۷)

حضرت امام محمد باقر ؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا ؐ نے فرمایا کہ ''یہاں چَرائے جانے والے مویشیوں سے مراد مویشیوں کا وہ بچہ بھی ہے کہ جو اپنی ماں کے پیٹ میں ہو اور اُس پر بال اور اُون پیدا ہو گئے ہوں۔ تو اُس کی ماں کا ذبح کرنا ہی اُس بچے کو پاک کر دیتا ہے۔لیکن اگر اُس کی خلقت پوری نہ ہوئی ہو تو اُس کو نہ کھائیں۔''

(تفسیر صافی ۱۲۸ بحوالہ کافی،التہذیب،من لایحضرہ الفقیہ،تفسیر عیاشی،تفسیر قُمی)

حضرت علی ابنِ ابی طالب ؑ سے ہاتھی،ریچھ اور بندر کے گوشت کھانے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ؑ نے فرمایا:''یہ اُن مویشیوں میں داخل نہیں۔'' (تفسیر عیاشی)

اس میں وہ معاہدہ بھی شامل ہے جو بندوں کا اللہ کے ساتھ اس حیثیت سے ہے کہ ہم خدا کی مخلوق ہیں اور اُس کے بندے ہیں۔اس معاہدے کے تحت ہماری بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ہر معاملے میں خدا کے احکام کی پابندی کریں۔ (جلالین)

آیت نمبر ۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآىِٕدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ②

ترجمہ

اے ایمان لانے والو! خدا پرستی کی نشانیوں کی حُرمت اور عزّت برباد نہ کرو ۱۔ اور نہ محترم مہینے کی اور نہ قربانی کے جانوروں کی، اور نہ اُن جانوروں کی حرمت برباد کرو جن کی گردنوں میں نذرِ خداوندی کی نشانی کے طور پر پٹے پڑے ہوئے ہوں۔ اور نہ اُن لوگوں کی حُرمت کو برباد کرو جو مقدس گھر کی طرف اپنے مالک کے فضل وکرم اور اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کی طلب میں آ رہے ہوں۔ ہاں جب تم حرم سے باہر نکل جاؤ تو پھر شکار کر سکتے ہو۔ اور کسی قوم کی دشمنی پر کہ اُنھوں نے تم کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے کیوں روکا تھا، تم کو اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اُن کے ساتھ زیادتی کرنے لگو۔ ایک دوسرے کے ساتھ نیکی اور بُرائیوں سے بچنے بچانے میں مدد کرو لیکن گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ اور اللہ کے غصے سے بچو۔ یقیناً اللہ بڑی سخت سزا دینے والا ہے۔

تفسیر

۱ "شعائر اللہ" کے معنی اللہ کی نشانیاں۔ (تفسیر جلالین) یعنی نشانہائے خدا (شاہ ولی اللہ) اس میں ہر وہ چیز شامل ہے جو خدا سے نسبت رکھتی ہے،

اہل لغت نے لکھا کہ شعائر، مشعرۃ کی جمع ہے جس کے معنی وہ نشانی ہے جو اُس چیز کو بتائے جس کے لیے وہ نشانی مقرر کی گئی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ تم جانوروں کے لیے کوئی ایسی نشانی مقرّر کرو جس سے پتہ چل جائے کہ وہ قربانی کے جانور (ھَدْیَ) ہیں

یہ بھی کہا گیا کہ "شعائر" مناسک حج کی تمام علامات کو کہتے ہیں جن میں صفا اور مروہ اور اُن کے درمیان دوڑنا (سعی) بھی شامل ہے۔ اس لیے کہ یہ کسی نہ کسی واقعے کی اور تعلیمات کی نشانیاں ہیں۔

یہ بھی کہا گیا کہ "شعائر" سے اللہ کے دین کے تمام نشانات اور علامتیں مراد ہیں۔ یعنی دین، دینی فرائض وغیرہ۔ (احکام القرآن جلد ۲ ص ۳۶۶)

شاہ عبدالعزیز نے لکھا کہ "شعائر، شعیرۃ کی جمع ہے۔ اس کے معنی علامت ہیں اور شعائر اللہ یعنی اللہ کی علامتوں میں دین، دین کی تعلیمات، فرائض، دینی مکانات جیسے مسجد، مدرسہ، اوقاتِ عبادت، کعبہ، مزدلفہ، صفا، مروہ،

منٰی، رمضان، محترم مہینے، عید الفطر، عید الاضحیٰ، روزِ جمعہ، ایّامِ تشریق، اذان، اقامت، نماز، ختنہ، نماز جماعت، نماز جمعہ، نماز عیدین شامل ہیں یہ سب دین کی علامتیں ہیں (تفسیر فتح العزیز ص ۵۶۹)

خدا کے پسندیدہ انسانوں جیسے انبیاء اور اولیاء کی یاد تازہ ہو، وہ سب شعائر اللہ ہیں اور اُن احترام واجب ہے۔

اِسی لیے وہ علامتیں جو حضرت امام حسینؑ کی قربانی کو یاد دلائیں۔ مثلاً ذوالجناح، عَلَم، تابوت وغیرہ بھی شعائر اللہ میں داخل ہیں

اگر حضرت اسمٰعیلؑ کی قربان کی یادگاریں مسلمہ طور پر شعائر اللہ میں شامل ہیں تو جس قربانی کو خدا نے ''ذبحِ عظیم'' فرمایا ہے اُس کی علامتیں بدرجۂ اولیٰ شعائر اللہ میں داخل ہوں گی۔ اس لیے اُن کو دیکھ کر اللہ کے لیے قربانی دینے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے جو ایمان کی روح اور حقیقت ہے۔ بقول اقبالؔ

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت ، نہ کشور کشائی
نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیریؑ
کہ رسمِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری
تیغ و سنان و خنجر و شمشیرم آرزو است
بامن میا کہ مسلکِ شبیرؑم آرزو است

(یعنی میری تمنا تو یہ ہے کہ خدا کی محبت میں تلواریں اور سنان و خنجر کھاؤں۔ اس لیے تو میرے ساتھ مت آ، کیونکہ میری تمنّا تو یہ ہے کہ شبیرؑ کے راستے پر چلوں)۔ ڈاکٹر اقبالؔ

ڈاکٹر اقبالؔ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی قربانی کو ابتداء اور حضرت امام حسین علیہ السّلام کی قربانی کو انتہا قرار دیا ہے: ملاحظہ فرمائیں:

علم و تابوت و ذوالجناح کی شبیہیں شعائر اللہ میں داخل ہیں۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایب اس کی حسینؑ ابتداء ہے اسمٰعیلؑ

(اقبالؔ)

اسی طرح ائمۂ اہلبیتؑ کے مزارات اور اُن کی شبیہیں یا ذریحیں بھی بدرجۂ اولیٰ یقیناً شعائر اللہ میں داخل ہیں (القرآن المبین)

جناب آلِ رضاؒ نے کربلائے معلّٰے میں حضرت امام حسین علیہ السّلام کی ذریح مبارک سے دو قدم فاصلے پر کھڑے ہو کر ایک فی البدیہہ مرثیہ کہا' جس کا ایک مصرعہ ہے:

کتنی قریب رحمت پروردگار ہے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا: ''جس نے کربلا میں امام حسین علیہ السّلام کی ذریحِ اقدس کی زیارت کی، اُس نے گویا خداوندِ عالم کو عرش پر جلوہ گر دیکھا'' (مفاتیح الجنان)

اس کا فلسفہ مرزا غالبؔ نے ایک شعر میں نظم فرما دیا:

غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغولِ حق ہوں بندگئ بوترابؑ میں

غرض اس آیت کا پیغام یہ ہے کہ قربانی کے جانوروں کا احترام کرو اس لیے کہ وہ خدا سے نسبت رکھتے ہیں۔ اس سے نسبت کی اہمیت بھی ثابت ہوگئی اور یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ جب خدا کی راہ میں قربان ہونے والے جانور تک قابلِ احترام ہیں تو وہ انسان جو خدا کی راہ میں اپنا سب کچھ لُٹا دیں، اُن کا ذکر کرنا شعائرِ خدا کو یاد کرنا ہوگا۔ (فصل الخطاب)

اسی لئے جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: ''علیؑ کا ذکر عبادت ہے'' (الحدیث)

آیت کے پیغامات اور تعلیمات

(۱) کہ اِن چار محترم مہینوں میں جنگ کی ابتداء نہ کرو۔ یہ جنگجو ذہنیت کو توڑنے کی ابتدائی کارروائی ہے۔

(۲) ''ھَدْیَ'' کا لفظ اُن قربانیوں کے لیے مخصوص ہے جو کعبہ لے جائی جاتی ہیں (مدرک)

اُن قربانیوں کے جانوروں کا بھی احترام کیا جائے کیونکہ یہ اللہ کی نذر ہیں جو حرم میں ذبح ہوں گے۔

(۳) محققین نے نتیجہ نکالا کہ تبرّکات کی تعظیم اس لیے کرنا ضروری ہے کہ اُن کا اللہ سے تعلّق ہے۔ (تھانوی)

(۴) رضائے خدا کا طلبگار قابلِ رعایت ہے۔ (۵) ''فضل'' سے مراد دُنیوی منفعت ہے یعنی حج کے موقع پر تجارتی نفع حاصل کرنا دینوی فضل ہے اور ''رحمت' سے مراد آخرت کا اجر ہے۔ یہ دونوں چیزیں حج اور قربانی سے حاصل ہوتی ہیں۔ (۶) اللہ کے لیے جو دشمنی کی جائے وہ دشمنی بھی حد سے نہیں بڑھنی چاہیے۔ (۷) اُن مجلسوں میں شریک ہونا بہت ہی اچھا ہے جنکا مقصد اشاعتِ دین اور نصرت دین ہے کیونکہ نیکی کے کاموں میں تعاون کرنا واجب ہے جس سے خدا

یا خدا والوں کی یاد تازہ ہو۔ (تفسیر فتح العزیز ص ۵۶۹)

آیت نمبر ۳

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۛ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳

ترجمہ

تم پر حرام کیا گیا ہے مرا ہوا جانو اور خون اور سُوَر کا گوشت اور جسے غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو یا گلا گھونٹا ہوا اور چوٹ کھا کر مرا ہوا ہو اور گر کر مرا ہوا اور سینگ سے مارا ہوا اور جسے درندے نے پھاڑ کھایا ہو، سوا اُس کے کہ جسے (تم مرنے سے پہلے) ذبح کر لو۔ اور جو بُتوں پر قربان کیا گیا ہو یا جسے تم نے جُوئے کے تیروں سے (جُوا کھیل کر) تقسیم کیا ہو۔۱ یہ بہت بُرا کام ہے۔ آج کافر تمھارے دین سے (پھر جانے سے) مایوس ہو گئے۔ تو اُن سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو۔ آج میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین (طریقہ زندگی) کے طور پر پسند کر لیا۔۲ تو جو بھوک میں مجبور ہو کر (کچھ کھا لے) جبکہ وہ گناہ کرنے کی طرف مائل نہ ہوا ہو، تو اللہ بھی بڑا معاف کرنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر

حلال اور حرام جانوروں کی تفصیل

۱ حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''خدا نے تم پر مردار، خون سُوَر کا گوشت اور وہ جانور جو بُتوں کے نام پر ذبح کیے جاتے ہیں حرام کیے ہیں۔

اور "الْمُنْخَنِقَةُ" سے مراد مُردار جانور خاصکر وہ گائے اور اونٹ جسکا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے اور جو مجوسی کھاتے ہیں۔

اور "الْمَوْقُوْذَةُ" سے مراد وہ جانور ہیں جن کے ہاتھ پاؤں باندھ کر پیٹا جاتا تھا، یہاں تک کہ وہ مرجاتے تھے پھر اُن کو کھاتے تھے۔ یہ بھی حرام ہیں۔

اور "الْمُتَرَدِّيَةُ" سے مراد وہ جانور ہیں کہ جن کی آنکھیں بند کر کے ان کو چھتوں سے گرا کر مار ڈالتے تھے۔ وہ بھی حرام ہیں۔

اور ''النَّطِيحَةُ'' سے مراد وہ مینڈھے ہیں جن کو لڑوایا جاتا تھا اور جب لڑتے لڑتے کوئی مرجاتا تھا تو اُس کو کھاتے تھے۔ یہ بھی حرام ہے۔

اور "اَكَلَ السَّبُعُ" سے مراد وہ جانور جن کو شیر، بھیڑیے وغیرہ پھاڑ ڈالتے تھے، اُن کے کھانے سے جو کچھ بچ رہتا تھا اُس کو بھی کھا لیتے تھے۔ وہ بھی حرام ہے۔

اور "ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ" سے مراد وہ جانور جو آتشیں مندروں کے سامنے ذِبح کیے جاتے تھے۔ وہ بھی حرام ہیں۔

اور قریش جن درختوں اور چٹانوں کو پوجتے تھے، اُن کے نام پر جو جانور ذبح کیے جاتے تھے، اِس قسم کے تمام جانوروں کو خدا نے حرام قرار دیا۔ اسی طرح وہ پانچ برس کا ایک اونٹ معیّن کر کے اُس کی قیمت کے دس حصّے نکالتے تھے، پھر دس تیر کسی کو دیتے تھے جن میں سے سات تیروں کے تو حصّے مقرّر ہوتے تھے، مگر تین تیروں پر کوئی حصّہ نہیں ہوتا تھا۔ اُن دسوں تیروں کے اوپر اُن کے نام لکھتے تھے جو مقرّر تھے۔ ہر ایک کا حصّہ الگ الگ ہوتا تھا۔ اور اونٹ کی پوری قیمت اُن لوگوں کے ذمّے ڈالی جاتی تھی جن کے نام پر کوئی حصّہ مقرّر نہ ہوتا تھا۔ پھر قرعہ نکالتے تھے کیونکہ یہ جُوا تھا۔ اِس لیے اللہ نے اس کو حرام قرار دیا۔ (تفسیر صافی ص ۱۲۸ بحوالہ عیون اخبار الرضاؑ)

حضرت علی علیہ السّلام سے روایت ہے کہ اگر ایسے جانوروں میں جان باقی ہو تو اُن کو خدا کے نام پر ذبح

کر کے کھا سکتے ہیں۔ اور ایسے جانوروں کی زندگی معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ اپنے کانوں، دُم تا آنکھوں کی پُتلیوں کو حرکت دیں، تو اُن کو خدا کے نام پر ذبح کر کے کھا سکتے ہیں۔ (تفسیر مجمع البیان وتفسیر عیاشی بروایت امام رضاؑ)

دین کی تکمیل کے اعلان والی آیت

آیۂ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ

۲ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ، جب جناب رسولِ خداؐ نے حَجَّۃُ الوداع سے واپسی پر غدیر خُم کے مقام پر ۱۸ ذوالحج کے دن حضرت علی علیہ السّلام کی امامت اور ولایت کا اعلان فرمایا۔ اُسی وقت یہ آیت نازل ہوئی ۔ کیونکہ ولایت کا تعارف کرانا رسولِ خداؐ کا سب سے آخری فریضہ تھا۔ (تفسیر صافی ص ۱۲۸ بحوالہ: ۔تفسیر مجمع البیان ۔تفسیر عیاشی ۔تفسیر قمی)

کیونکہ کسی کام کا مکمل ہونا اُسی وقت ثابت ہوتا ہے کہ جب اُس کام کی بقاء کا بندوبست کر دیا جاتا ہے ۔ تاکہ وہ کام ہمیشہ باقی رہے۔ اِسی لیے جناب رسولِ خداؐ کا آخری کام دین اسلام کی بقاء کا بندوبست کرنا تھا۔ دین خدا کی بقاء کا بندوبست خدا نے اس طرح فرمایا کہ دین کی حفاظت کی ذمّے داری ایسے ذمّے دار کاندھوں پر ڈال دی جو اِس بات کے اہل تھے کہ قیامت تک دینِ خدا کی حفاظت کر سکیں ۔ اِسی سلسلے کی پہلی کڑی حضرت علیؑ ہیں اور آخری کڑی اُن کی اولاد سے امام مہدیؑ ہیں۔

یہ اہل بیتؑ رسولؐ کے بارہ امام ہیں جن کی ذمّے داری یہ تھی کہ خدا کے دین کی صحیح ترجمانی بھی فرمائیں، اُس کی تصویر کشی اپنے عمل سے فرمائیں اور وقت پڑے تو دین کی حفاظت کا حق ادا فرمائیں ۔ بقول شاعر

ڈوب کر پار اُتر گیا اسلام
آپ کیا جانیں کربلا کیا ہے؟

ایک ہندو شاعر نے پورے عالمِ اسلام سے ایک سوال کیا ہے

تم مِل مِلا کے بابری مسجد بچا سکے؟
تنہا حسینؑ دینِ نبیؐ کو بچا گئے

رہا یہ سوال کہ آیت کا اوپر کا حصہّ حرام جانوروں کو بیان کر رہا ہے۔ اور آخری حصّہ مجبوری کے عالم میں حرام چیزوں کے حلال ہونے کو بیان کر رہا ہے اور درمیان کا حصّہ دین کی تکمیل کا اعلان کر رہا ہے، یہ ترتیب از خود بتا رہی ہے کہ قرآن کی ترتیب میں کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔ اسی لیے مجبوراً شاہ عبدالقادر صاحب کو بھی لکھنا پڑا کہ:

’’یہ جو فرمایا کہ آج پورا دین تمھارا ہو چکا، یہ آیت آخر کو اُتری کہ (جب) سب احکام اللہ کے نازل ہو چکے تھے اس کے بعد تین مہینے حضرتؐ زندہ رہے۔ (موضح القرآن)

آیت نمبر ۴

یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۴

ترجمہ

آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ اُن کے لیے کیا کیا چیزیں حلال قرار دی گئی ہیں؟ کہہ دیجیے کہ سب اچھّی پاک صاف چیزیں تمھارے لیے حلال ہیں۔ اور تم نے جو شکاری کتّوں اور جانوروں کو اُس ہُنر کے ذریعے سے جو خدا نے تمھیں دیا ہے، سدھار رکھا ہے، تو جسے وہ تمھارے لیے پکڑ لیں اُس میں سے بھی تم کھا سکتے ہو۔ البتہ اس پر (شکار چھوڑنے سے پہلے) اللہ کا نام (ضرور) لے لو۔ اور اللہ کے غصّے سے بچو۔ یقیناً اللہ بڑی تیزی کے ساتھ حساب لینے والا ہے۔ (۴)

تفسیر

مستند احادیث نے ثابت کر دیا کہ یہ آیت ۱۸ ذی الحجہ کو غدیرؔ کے مقام پر اُتری تھی جب رسولِ خدا نے منبر پر کھڑے ہو کر حضرت علیؑ کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اُٹھایا تھا اور فرمایا "مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ" (جس کا میں مولیٰ ہوں اُس کا علیؑ بھی مولیٰ ہے) (تفسیر تبیان۔ تفسیر علی بن ابراہیم)

آیت نمبر ۵

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ ۖ وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۠ ۵

ترجمہ

آج تمھارے لیے سب اچھّی پاک صاف چیزیں حلال کی جا چکی ہیں اور اہلِ کتاب کا کھانا (خشک چیز) تمھارے لیے حلال ہے اور تمھارا کھانا اُن کے لیے حلال ہے اور بدکاری سے محفوظ عورتیں بھی تمھارے لیے حلال ہیں، خواہ وہ مسلمان ہوں یا اُن میں سے ہوں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے، جبکہ تم اُن کی اُجرتیں (مہر) دے دو۔ وہ بھی پاکدامنی کی حفاظت کرتے ہوئے، نہ کہ بے تحاشا آزادانہ شہوت رانی کرتے ہوئے، یا چوری چُھپے ناجائز تعلقات اور دوستیاں بناتے ہوئے۔ اور جس کسی نے بھی ایمان کے بجائے کفر و اِنکار کو اختیار کیا تو اُس کی (زندگی کے) سارے کام برباد ہو گئے، اور آخرت میں تو وہ نقصان اُٹھانے والوں میں ہوگا ہی۔

تفسیر

اہلِ کتاب کے ساتھ معاشرت کے احکام

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ: ''اِس آیت میں طعام یا کھانے سے مراد دانے (غلّہ) ہے

معصومینؑ سے روایات بحدِّ تواتر موجود ہیں کہ یہود و نصاریٰ کافر ہیں نہ اُن کا ذبیحہ حلال ہے اور نہ ان کے ہاتھ کی کوئی دوسری گیلی (تر) چیز ہی حلال ہے۔ (تفسیر انوار النجف ص ۵۱)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ ''عفیفہ'' یعنی نیک کردار پاکدامن اہلِ کتاب عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت تھی، مگر خدا کا یہ حکم دوسری آیت "وَلَا تمسکو ابعصم الکوافر" یعنی کافر عورتوں کے ناموس پر قبضہ نہ رکھو'' سے منسوخ ہوگئی۔ (تفسیر صافی ص ۱۲۹ بحوالہ من لایحضرہ الفقیہ و تفسیر عیاشی)

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا ''جس شخص کو نکاح کے لیے آزاد پاکیزہ مسلمان عورت مل جائے، اُس کے لیے جائز نہیں کہ کسی یہودی یا عیسائی عورت سے نکاح کرے۔''

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ ''جس شخص کے نکاح میں کوئی آزاد مسلمان عورت ہو، وہ اگر کسی یہودی یا عیسائی عورت سے متعہ کرلے تو جائز ہے لیکن مجوسی کے لیے الگ احکام ہیں۔'' (تہذیب)

آیت کے آخری حصّے میں یہ بتایا گیا کہ حرام سے بچنے کے لیے اہلِ کتاب عورتوں سے بھی متعہ کیا جاسکتا ہے۔ اب جتنا افسوس کیا جائے وہ کم ہے کہ خود مسلمانوں نے بے راہروی کے ایسے حکیمانہ سدِّ باب کو خود مسترد کردیا۔ اسی لیے امیر المومنین حضرت علیؑ نے فرمایا تھا کہ: ''اگر حضرت عمر نے متعہ کو حرام نہ کیا ہوتا تو انتہائی بدبخت انسان کے سوا کوئی زنا نہ کرتا۔''

کیونکہ حضرت عمر نے کہا کہ رسولؐ کے زمانے میں دو متعہ تھے۔ نمبر ۱ متعہ الحج اور نمبر ۲ متعہ النساء میں دونوں کو حرام کرتا ہوں۔ (از ابن عباسؓ)

آیت نمبر ۶

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ

وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۶

ترجمہ

اے ایمان لانے والو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے لگو تو اپنے منہ کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو اور اپنے سر اور پیروں پر ٹخنوں تک مَسح کرلو۔ اور اگر تم حالتِ جنابت میں ہو تو غسل کرو۔ اور اگر تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی پیشاب پائخانہ کرکے آیا ہے، یا تم نے عورتوں سے ہم بستری کی ہے اور پانی نہ ملے، تو پاک مٹی پر تیمّم کرلو۔ اس طرح کہ اُس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کو مَل لو۔ اللہ یہ نہیں چاہتا کہ تم پر سختی کرے مگر یہ ضرور چاہتا ہے کہ وہ تمھیں پاک صاف رکھے، اور (اِس طرح) اپنی نعمت تم پر پوری کرے۔ تاکہ تم شکر کرنے والے بنو۔

تفسیر

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ یہاں خدا کا فرمانا کہ: ''جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو۔'' سے مراد یہ ہے کہ جب تم سو کر اُٹھو اور نماز پڑھنے کا ارادہ کرو۔ (تفسیر صافی ص ۱۲۹ بحوالہ التّہذیب و تفسیر عیاشی)

غرض مراد یہ ہے کہ جب تم نماز کے لیے اُٹھو تو وضو کرو۔ (طریقۂ وضو از امام پنجمؑ)

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے وضو کا طریقہ پوچھا گیا تو آپؑ نے پانی سے بھرا ہوا طشت منگایا۔ پھر اپنا داہنا ہاتھ ڈال کر اس میں سے ایک چُلّو پانی لیا اور اس کو اپنے چہرے پر ڈال کر منھ دھویا، پھر بایاں ہاتھ ڈال کر ایک چُلّو پانی لیا اور اُس کو اپنی داہنی کہنی پر ڈالا۔ اور کہنی سے اُنگلیوں تک ہاتھ کو دھویا، مگر اِس طرح کہ بایاں ہاتھ اوپر سے نیچے کی طرف کھینچا۔ پھر داہنا ہاتھ طشت میں ڈال کر ایک چُلّو پانی لیا اور اُس کو اپنی بائیں کہنی پر ڈالا۔ پھر اُس کہنی کو اُنگلیوں کے سرے تک اِسی طرح دھویا میں طرح داہنا ہاتھ دھویا تھا۔ پھر اپنے ہاتھوں کی تَری سے سر اور دونوں پاؤں کا مسح کیا۔ اور مسح کرنے کے لیے نیا پانی نہیں لیا۔'' (تفسیر صافی ص ۱۳۰ بحوالہ تفسیر عیاشی)

قرآن میں تو وضو کے موقع پر پیروں پر مَسح کرنے کا حکم واضح ہے۔ مگر اہلِ سُنت کے فقہاء نے اَرْجُلَکُمْ کا عطف بِرُءُوْسِکُمْ پر لینے کے بجائے دور واپس جا کر وُجُوْھَکُمْ و اَیْدِیَکُمْ پر قرار دیا ہے۔ یہ بات آیت کے فطری مفہوم کے بھی خلاف ہے اور عربی قوائد کے بھی خلاف ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ تیمّم کیا ہے؟ یعنی مٹّی کے ذریعے سے پاک ہو۔ اور اُس پر ہاتھ مار کر چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرو۔ اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں۔

آیت نمبر ۷

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۷

ترجمہ

اور خیال رکھو اللہ کی اس نعمت کا جو تمھارے لیے ہے، اور اُس عہد و پیمان کا بھی جو خدا نے تم سے لیا ہے، جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سُنا اور مانا۔ تو اب اللہ کے غصے سے بچو یقیناً اللہ تو سینوں کے اندر تک کی باتوں کو جاننے والا ہے

تفسیر

اِس آیت میں میثاق سے مراد

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ: ''اِس آیت میں میثاق یعنی'' پکّا عہد'' سے مراد یہ ہے کہ جناب رسولِ خداؐ کا حجّۃ الوداع کے موقعے پر (۱) حرام چیزوں کو حرام سمجھنا (۲) طہارت کی حالت میں رہنا۔ (۳) اور ولایت کو ماننا واجب سمجھا۔ (۴) اور خدا کے دیگر احکامات کھول کھول کر بیان کرنا۔ (اس عہد کی اِنھیں باتوں کو یاد رکھنے کا حکم اِس آیت میں دیا جا رہا ہے۔) (تفسیر صافی ص ۱۳۱ بحوالہ تفسیر مجمع البیان)

جب جناب رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ اور بارہ ائمہؑ اہلِ بیتؑ کی ولایت کا اقرار مسلمان سے لیا تو اُن سب نے کہا کہ: ''ہم نے سُنا اور ہم نے اطاعت کی''۔ مگر بعد میں اِس عہد کو توڑ دیا۔ یہ آیت (خاص طور پر) اُسی عہد کے توڑنے والوں کے بارے میں اُتری ہے۔ (تفسیر صافی ص ۱۳۱، بحوالہ تفسیر قمی)

آیت نمبر ۸

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸

ترجمہ

اے ایمان لانے والو! اللہ کی خاطر اُس کے مقرر کیے ہوئے فرائض کو قائم کرنے کے ذمے دار اور عدل و انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو۔ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرتے رہو۔ یہی بات ''تقویٰ'' سے زیادہ قریب ہے۔ تو اللہ کے غیظ و غضب سے بچو۔ اور یقین جانو کہ جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔

تفسیر

عدل کا بنیادی تقاضا اور قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ کا مطلب

اس آیت میں مسلم حکومت کی اُن ذمّے داریوں کا بنیادی اصول بتایا گیا ہے، جو اُن کو غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے ادا کرنی ضروری ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ عدل و انصاف حقوق اور رعایتیں جتنی مسلمانوں کو دی جائیں اتنی ہی غیر مسلموں کو بھی دی جائیں۔ یہی عدل کا بنیادی تقاضا ہے۔

قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ" کے معنی خدا کے احکامات کی پوری پوری پابندی کرتے رہو۔ اور اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ یعنی خدا کے ثواب کو حاصل کرنے کے لیے خدا کے احکامات کی پابندی کرو۔ (تفسیر کبیر، قرطبی)

آیت نمبر ۹۔۱۰

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۹

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝۱۰

ترجمہ

اللہ نے اُن لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور جو نیک کام کرتے رہے کہ اُن کے لیے معافی اور بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔ (۹)

اور جنھوں نے کفر و انکار کو اختیار کیا اور ہماری نشانیوں کو جُھٹلایا، تو وہی لوگ (دوزخی) دوزخ والے ہیں۔ (۱۰)

تفسیر

اِس آیت نمبر ۱۰ کے مطابق لوگوں کی قِسمیں

یہاں تین قسم کے لوگ بتائے گئے ہیں۔(۱) وہ جن سے نجات کا قطعی وعدہ کیا جا رہا ہے یہ وہ ہوں گے نجات کی دونوں شرطوں یعنی ایمان اور عمل دونوں کو پورا کریں گے۔(۲) دوسرے وہ جو کافر ہیں یعنی ایمان ہی نہیں رکھتے ، اُن کے لیے قطعی دوزخ کا اعلان ہے۔(۳) مگر ایک درمیانی قسم بھی ہے یہ وہ ہیں کہ جنھوں نے ابدی حقیقتوں کو تو مانا، مگر اس کے عملی تقاضوں کو پورا نہ کیا۔اور اِس طرح عملِ صالح کے جوہر سے محروم رہے۔اُن کی معافی کا بھی امکان ہے۔اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ اُن کو اُن کی بداعمالیوں کی سزا کے بعد نجات حاصل ہو۔

اب ایک قسم اور تصور میں آتی ہے یعنی ایسے لوگ جو بظاہر نیک اعمال کرتے ہیں مگر خدا اور سولؐ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ یہ لوگ دُنیوی فوائد کے لیے اچھے اچھے کام کرتے ہیں اس لیے یہ نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ''انما الاعمال بالنیّات'' والحدیث (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔) (ملخص از فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۱۔۱۲

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ
یَّبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ فَكَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾
وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ
نَقِیْبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ؕ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ
الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا
حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾

ترجمہ

اے ایمان لانے والو! اللہ کی اس نعمت (یا احسان) کو تو یاد کرو جو اُس نے تم پر کیا ہے کہ جب ایک گروہ نے تم پر ہاتھ اُٹھانے کا ارادہ کیا تو اللہ نے اُن کے ہاتھوں کو تم پر اُٹھنے سے روک دیا۔ تو اب اللہ کو غیظ و غضب میں لانے والے کاموں سے بچو۔ اور ایمان رکھنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

اور بلاشُبہ اللہ نے بنی اسرائیل سے پکا عہد لیا اور ہم ہی نے اُن میں بارہ سردار (امام) مقرر کیے۔ اور اللہ نے (اُن سے) کہا کہ یقیناً میں تمھارے ساتھ ہوں، اگر تم نماز کو قائم رکھو گے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے پیغمبروں کو مانو گے اور اُن کی مدد کرو گے اور اللہ کو اچھے طریقے سے قرض دو گے تو میں تمھاری غلطیوں کی تلافی کر کے اُنھیں تم سے دور کر دونگا اور تمھیں اُن باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ مگر اِس کے بعد بھی تم میں سے جس کسی نے کفر و انکار کا طریقۂ زندگی اختیار کیا، تو وہ بلاشُبہ سیدھے راستے سے بھٹکا ہوا ہو گیا۔

تفسیر

بنی اسرائیل میں بارہ نقیبوں اور قرضِ حسنہ کا ذکر

مصر میں فرعون کے ہلاک ہو جانے کے بعد اللہ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تم شام کے ملک میں اریحا شہر کی طرف چلے جاؤ۔ اُس وقت اُس شہر میں بڑے جابر و ظالم قسم کے لوگ رہتے تھے۔ خدا نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے اُس شہر کو تمھارے لیے پناہ لینے کی جگہ قرار دیا ہے۔ اور خدا نے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا کہ تم بنی اسرائیل کے ہر قبیلے کے ہر سبط (خاندان) میں سے ایک ایک نقیب (سردار یا امام) مقرّر کرو تا کہ وہ میرے اس حکم کی پوری پوری تعمیل

کرائیں ۔ وہی اُن کے رہنما اور سردار بھی ہوں ۔ پس حضرت موسیٰؑ نے پہلے اُن کو اُس شہر میں بطور جاسوس بھیجا۔ اُنھوں نے آ کر حضرت موسیٰؑ کو بتایا کہ اُس شہر کے لوگ بڑے قوی ہیکل ہیں ۔ حضرت موسیٰؑ نے اُن سے فرمایا کہ اِس بات کو ظاہر نہ کرنا۔ (تفسیر صافی ص ۱۳۱)

متفق علیہ حدیثِ رسولؐ ہے کہ ''جو کچھ بھی بنی اسرائیل میں ہوا وہی میری اُمّت میں بھی ہوگا۔'' اب قرآن بتا رہا ہے کہ بنی اسرائیل کے بارہ نقیب یعنی بارہ امام ہوئے ۔ اس لیے اس اُمت کے بھی بارہ امام ہونے چاہیں ۔ اسی لیے جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث بھی متفق علیہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''میری اُمّت میں میرے بعد بارہ امام ہوں گے۔'' (بخاری شریف ۔ موضح القرآن)

ایک یہودی نے آنحضرتؐ سے سوال کیا کہ ہمارے نبی جناب موسیٰؑ نے اپنا وصی یوشع کو مقرر کیا تھا، فرمایئے آپؐ کا وصی کون ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا ''میرا وصی علیؑ ابن ابی طالبؑ ہے اور اس کے بعد میرے دو سبط حسنؑ و حسینؑ اور ان کے بعد نو امام حسینؑ کی اولاد سے ہوں گے ۔ (لوامع التنزیل، ینابیع الموودۃ)

اللہ کو قرضہ حسنہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ ''مال اُن کاموں میں خرچ کرو جو اللہ کو پسند ہیں ۔'' (مجمع البیان)

کسی کو بغیر سود کے قرضہ دینا بھی قرضہ حسنہ میں شامل ہے ۔

غرض خدا کو قرضِ حسنہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ اچھے کاموں میں اخلاص اور خوشی سے خرچ کرو ۔ عربی زبان میں قرض دینے کی حقیقت بس یہ ہے کہ جس رقم کی واپسی کچھ مدت کے بعد ہوگی ۔ (امام راغب)

اور "میثاق" یعنی خدا کے عہد سے اولین مراد فطرتِ انسانی کی وہ طلب ہے جو خدا کے لیے اُس کے اندر موجود ہے ۔

دوسرے معنی میں "میثاق" سے مراد اطاعت اور بیعت کا وہ عہد ہے جو رسولِ خداؐ نے مسلمانوں سے لیا تھا۔ (قرطبی، تفسیر کبیر، معالم التنزیل ۔ ابنِ کثیر)

آیت نمبر ۱۳

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ

وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ

تو پھر خود اُن کے عہد کے توڑ دینے کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور اُن کے دل سخت کر دیے (تو اب) وہ (خدا کے) کلام کو اپنی اصل جگہ سے ہٹا کر اصل بات ہی کو بدل دیتے ہیں۔ اور جن باتوں کی یاد دہانی اُن کو بار بار کی گئی تھی اُس کا بڑا حصّہ وہ بھول گئے۔ اور اب آئے دن آپ کو اُن کی ایک ایک بد دیانتی کی اطلاع ملتی رہے گی، سوا اُن میں سے چند لوگوں کے۔ تو آپؐ اُن کو معاف کر دیں اور درگزر کر دیں کیونکہ یقین جانیں کہ خدا اچھا سلوک کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

تفسیر

عہد توڑنے کا نتیجہ لعنت خدا ہے۔

خدا کے لعنت کرنے سے مراد یہ ہوتا ہے کہ خدا نے اُنھیں اُن کی بدعہدی کی وجہ سے اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ (تفسیر صافی ۱۳۱)

یہ بُرا انجام اُن لوگوں کا بتایا جا رہا ہے جو اُس عہد سے پھر گئے تھے کہ جو بنی اسرائیل کے بارہ نقیبوں (اماموں) کے مقرّر کرتے وقت لیا گیا تھا۔ اب ہر مسلمان بڑی آسانی سے فیصلہ کر سکتا ہے کہ اگر یہ اُمّت خدا اور رسولؐ کے مقرّر کیے ہوئے بارہ اماموںؑ سے پھر جائے گی تو اُس کا کیا انجام ہوگا؟ بنی اسرائیل کے لوگوں سے تو بارہ نقیبوں (اماموں) کے بارے میں عہد توڑنے پر خدا نے صاف صاف کہدیا: "لَعَنّٰهُمْ" یعنی "ہم نے اُن پر لعنت کی۔"

اب جو اس اُمت میں (خدا اور رسولؐ کے) مقرّر شدہ بارہ اماموں کی اطاعت کے عہد سے پھر جائیں گے وہ خدا کی لعنت کے مستحق کیسے نہ ہوں گے؟ جبکہ رسولِ خداؐ یہ بھی فرما چکے ہیں کہ: "جو کچھ بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا وہی کچھ تمھارے ساتھ بھی ہوگا۔" (فصل الخطاب)

خدا کی لعنت سے مراد' خدا کی رحمت اور مہربانیوں سے دور ہونا ہے۔ اور "بِمَا" کے لفظ سے تاکید مراد ہے۔ (بحر۔ قرطبی۔ روح۔ مدارک)

یہودیوں کی سخت دلی کا ذکر انجیل میں بھی آیا ہے۔ ''اُن کی سخت دلی اور بے اعتقادی پر ملامت کی۔'' (مرقس ۱۶: ۱۴، اور ۳: ۵۔ نیز رومیو ۳: ۵)

اور جس نصیحت کے بڑے حصّے کو یہودی بُھلا بیٹھے اُن میں جناب رسولِ خداؐ کی تصدیق بھی شامل ہے۔ (تفسیر کبیر۔ بیضاوی)

اور کلام کو اُس کے موقع اور محل سے بدل دینے میں لفظی اور معنوی دونوں قسم کی تحریفیں شامل ہیں۔ (قرطبی)

یہودیوں کی دینی اور دُنیوی خیانتوں کا ذکر قرآن میں بار بار آیا ہے۔ مثلاً خدا کے احکامات کو چھپانا، بدلنا، جھوٹی جعلی شہادتیں پیش کرنا وغیرہ وغیرہ۔ خائنہ بمعنی بہت زیادہ خیانت کرنا۔ (قرطبی)

''احسان'' کے معنی عربی میں صرف حُسنِ عمل کے ہوتے ہیں۔ اُردو میں احسان کے معنی بدل جاتے ہیں۔

نتیجہ: محققین نے نتیجہ نکالا کہ جب کافروں کے ساتھ معافی اور احسان کا حکم ہے تو مسلمانوں کے ساتھ یہ سلوک کس قدر افضل ہوگا۔ (بیضاوی)

آیت نمبر ۱۴

وَمِنَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّا نَصٰرٰۤی اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَهُمۡ فَنَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوۡا بِهٖ ۪ فَاَغۡرَیۡنَا بَیۡنَهُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ ؕ وَسَوۡفَ یُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا کَانُوۡا یَصۡنَعُوۡنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ

اور اِسی طرح ہم نے اُن لوگوں سے بھی پکا عہد لیا تھا۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ''ہم نصرانی ہیں۔'' اُنھوں نے بھی اُن چیزوں کے بڑے حصّے کو بُھلا دیا جن کی اُنھیں یاددہانی کی گئی تھی۔ تو ہم نے بھی اُن کے درمیان قیامت تک کے لیے آپس میں دشمنی و بغض کا بیج بو دیا، اور ضرور وہ وقت آئے گا جب خدا اُنھیں یہ بتائے گا کہ وہ کیا کچھ کیا کرتے تھے۔

تفسیر

اللہ نے نصرانیوں سے بھی عہد لیا تھا

عیسائیوں میں آپس میں اِس قدر اختلاف ہے کہ ہر فرقہ دوسرے فرقے کو کافر کہتا ہے۔ (جلالین)

نتیجہ: محققین نے نتیجہ نکالا کہ اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد و پیمان کو توڑنے کا یہی انجام ہوتا ہے۔ ہماری آنکھیں بھی کُھل جانی چاہیں۔ آج ہر مُلّا دوسرے فرقے کو کافر کہہ رہا ہے۔

''کافر کافر'' کے نعرے ہر طرف سے سُنائی دے رہے۔ پُرانے زمانے میں کسی عالم، علّامہ یا مُرشد کی سب سے بڑی فضیلت یہ تھی کہ فُلاں بزرگ نے اتنے کچھ کافروں کو مسلمان بنایا۔ آج کے ہر مُلّاں، مولوی، علّامے کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ اُس نے ہزاروں مومنوں کو قتل کرادیا اور اتنے لاکھ مومنوں، مسلمانوں کو کافر قرار دے دیا۔ (یہ اُن کے عہد و میثاق کے توڑ دینے کا نتیجہ ہے۔) بقول اقبالؔ ؎

دین ِ مُلّاں فی سبیل اللہ فساد

انجیل میں آنحضرتؐ کی آمد کی بشارت آج بھی موجود ہے۔

یہ قرآن کا معجزہ ہے کہ آج بھی انجیل کے اندر سیکڑوں اور ہزاروں تحریفوں کے باوجود جنابِ رسولِ خداؐ کی بشارت موجود ہے جس کو بُھلا دینے کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ (تفسیر کبیر)

انجیل میں حضرت یحییٰؑ کے سلسلے میں ہے: ''جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی کو یہ پوچھنے کے لیے اُس کے پاس بھیجے کہ تُو کون ہے؟ تو اُس نے انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیحؑ نہیں ہوں۔ اُنھوں نے اُس سے پوچھا: پھر تُو کون ہے؟ کیا تو ایلیا ہے؟ اُس نے کہا: میں نہیں ہوں۔ (پوچھا) کیا تُو وہ نبیؐ ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ نہیں۔ (یوحنا ۱:۱۹۔۲۲ نیز ۱:۲۵)

یہ بار بار ''وہ نبیؐ'' کہنا بتاتا ہے کہ کسی مشہور نبیؐ کے آنے کی پیشگوئی یہودیوں میں مدّت سے چلی آرہی ہے۔

خود حضرت عیسیٰؑ دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرماتے ہیں: ''اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے احکام پر عمل کرو گے۔ اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمھیں دوسرا مددگار بخشے گا جو اَبد تک تمھارے ساتھ رہے گا۔ (یوحنا۔ ۱۴:۱۶)

پھر فرمایا:۔ لیکن اگر میں جاؤں گا تو اُسے تمھارے پاس بھیج دوں گا۔ اور وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔ (یوحنا ۱۶: ۷، ۸)

آیت نمبر ۱۵

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۱۵﴾

ترجمہ

اے اہلِ کتاب! ہمارا رسولؐ تمھارے پاس آ گیا ہے۔ جو خدا کی کتاب کی بہت سی اُن باتوں کو صاف صاف بیان کر رہا ہے جن کو تم چھپاتے رہتے ہو۔ اور وہ تمھاری بہت سی باتوں کو معاف بھی کر دیتا ہے۔ تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک بڑی روشنی اور واضح کتاب (قرآن) آ گئی ہے۔

تفسیر

یہودی وعیسائی کس قسم کی آیتوں کو چھپاتے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی تورات اور انجیل میں جناب رسولِ خداؐ کے اوصاف والی آیتوں کو اور شادی شدہ عورت سے زنا کرنے پر رجم کرنے والے حکم والی آیت کو چُھپاتے تھے۔ اُن آیتوں میں خدا نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے ذریعے سے جناب رسولِ خداؐ کے تشریف لانے کی بشارتیں دی تھیں۔ (تفسیر صافی ص ۱۳۱، قمی)

''نُور'' سے مراد حضرت محمدؐ اور کتاب سے مراد قرآن ہے۔

اور (رسولؐ کے بعد) ''نور'' سے مراد حضرت علیؑ اور باقی ائمہؑ ہیں۔ (تفسیر صافی ص ۱۲۲)

رسولِ خداؐ رحمت ہیں عالمین کے لیے

رسولؐ کا یہ عفو و رحم از خود اِس بات کی دلیل ہے کہ وہ عالمین کے مالک کے بھیجے ہوئے سچے رسولؐ ہیں۔ اسی لیے رسولؐ نے دشمنوں کو بھی کبھی ذلیل نہیں کیا۔ (کیونکہ آپؐ عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے۔) (تفسیر کشّاف۔ تفسیر کبیر)

آیت نمبر ۱۶

یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَیُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَیَهْدِیْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۶﴾

ترجمہ

جس کے ذریعے سے اللہ اُن لوگوں کو جو اُس کی خوشی اور رضا مندی کے طالب ہیں نجات اور سلامتی کے راستے کی ہدایت کرتا ہے اور اُنھیں اپنے حکم سے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ اور پھر اُنھیں سیدھے راستے پر لگا دیتا ہے۔

تفسیر

اللہ کن خوش نصیب لوگوں کو ہدایت فرماتا ہے؟

خدا کا یہ فرمانا کہ: ''اللہ (صرف) اُنھیں سلامتی کا راستہ دکھاتا ہے جو اُس کی رضا یا خوشی کی تلاش اور فکر میں رہا کرتے ہیں'' اِس سے محقّقین نے نتیجہ نکالا کہ ہدایت کی راہ صرف اُنھیں کو نصیب ہوتی ہے جو خود اُس کی تلاش اور طلب میں رہتے ہیں۔ از خود نہیں ملا کرتی۔

البتہ پوری سلامتی جو ہر اعتبار سے اور ہر قسم کی تکلیف سے پاک ہو، جنت میں پہنچ کر نصیب ہوتی ہے۔ اور جنّت میں داخل ہونے کا طریقہ صحیح اعتقاد اور اچھّے اعمال ہیں۔ (قرطبی۔ بحر۔ تفسیر کبیر۔ مدارک)

اندھیروں سے مراد کفر وشرک کے اندھیرے ہیں۔اور روشنی سے مراد ایمان اور اطاعت کی روشنی ہے اور ''اللہ کی اجازت'' سے مراد اللہ کا ارادہ ہے جو اُس کی توفیق کی شکل میں ہمیں حاصل ہوتا ہے۔ (قرطبی)

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی۔
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا۔

آیت نمبر ۱۷

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۷

ترجمہ

یقیناً اُن لوگوں نے کُفر کیا۔جنھوں نے یہ کہا کہ مریم کے بیٹے مسیح، خدا ہیں۔آپ اُن سے کہیے کہ اگر خدا مریم کے بیٹے مسیح اور اُن کی ماں کو، اور تمام زمین والوں کو ہلاک کر دینا چاہے تو کس کی مجال ہے کہ اُس کو اس ارادے سے روک سکے؟ (کیونکہ) اللہ تو آسمانوں اور زمین کا اور اُن تمام چیزوں کا مالک ہے جو اُن دونوں کے درمیان پائی جاتی ہیں۔وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ تو ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔

تفسیر

عیسائیوں کے عقیدہ شرک کی زبردست ردّ

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ ''باپ بیٹے اور روح القدس کی الوہیت ایک ہی ہے۔اُن کا جلال برابر ہے، عظمت یکساں ہے۔جیسا باپ ہے ویسا ہی بیٹا ہے۔۔۔۔۔باپ غیر مخلوق، بیٹا غیر مخلوق۔۔۔۔باپ غیر محدود، بیٹا غیر

محدود۔۔۔۔ باپ ازلی، بیٹا ازلی۔۔۔۔۔باپ قادرِ مطلق، بیٹا قادرِ مطلق۔۔۔۔۔باپ خدا، بیٹا خدا۔"
(عقیدہ اتھاناسین کریڈ۔Athanasian)

یہ عقیدہ کیتولک اور پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے دونوں بڑے فرقوں کا ہے اِس سے بڑھ کر واضح اور کُھلا شرک اور کیا ہوسکتا ہے؟

آیت کے آخری حصّے کا حاصل یہ ہے کہ اللہ قادرِ مطلق ہے اس لیے اُس کے ارادے میں کوئی حائل یا مانع نہیں ہوسکتا۔ (قرطبی۔تفسیر کبیر۔بیضاوی)

حاصلِ استدلال یہ ہے کہ قوّت، اقتدارِ قدرت، ارادہ اور اختیار میں کوئی مخلوق چاہے وہ حضرت عیسٰیؑ اور حضرت مریمؑ ہی کیوں نہ ہوں، خدا کے مدِّ مقابل نہیں بن سکتے اور نہ اُس کے ارادے کو روک سکتے ہیں۔اس لیے کہ وہ بھی خدا کی مخلوق ہیں اور مخلوق خالق کے سامنے عاجز ہے۔ پھر تمھاری عقل کیسے ماری گئی کہ تم حضرت عیسٰیؑ اور حضرت مریمؑ کو خدا کی الوہیت میں شریک ٹھہرا رہے ہو؟ خدا کے سامنے بے اختیاری اور بے بسی میں حضرت عیسٰیؑ اور حضرت مریمؑ ساری مخلوقات کی طرح ہیں۔ اِس حیثیت سے ان میں اور ساری مخلوقات میں ذرہ برابر کوئی فرق نہیں۔ (کشاف۔تفسیر کبیر)

رہا یہ کہ حضرت عیسٰیؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تو اس سے خدا کی قدرت اور عظمت تو ثابت ضروری ہوتی ہے مگر اس سے حضرت عیسٰیؑ کا خدا کا بیٹا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ جو خدا حضرت آدمؑ کو بغیر ماں باپ کے پیدا کرسکتا ہے وہ حضرت عیسٰیؑ کو بغیر باپ کے بھی پیدا کرسکتا ہے۔بغیر باپ کے پیدا ہونا خدا کے بیٹے ہونے کا ثبوت نہیں بن سکتا۔ (مجمع البیان)

آیت نمبر ۱۸

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

ترجمہ

اور یہودی اور عیسائی کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے بیٹے ہیں اور اُس کے چہیتے بھی ہیں۔ اُن سے پوچھو کہ پھر وہ تمھارے گناہوں کی تمھیں سزا کیوں دیتا ہے؟ درحقیقت تم بھی بالکل ویسے ہی انسان ہو جیسے اور انسان خدا نے پیدا کیے ہیں۔ وہ جے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان کی تمام چیزیں اللہ ہی کی ملکیت ہیں۔ اور اُن سب کو اُسی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

تفسیر

اللہ نے یہودیوں اور عیسائیوں کی شیخی کا منہ توڑ جواب دیا ہے

یہودیوں کا خیال تھا کہ وہ خدا کے بیٹے عُزیرؑ کے پیروکار ہیں۔ اس لیے وہ بھی خدا کے بیٹے ہیں۔ اور عیسائیوں کا خیال ہے کہ ہم خدا کے بیٹے حضرت عیسٰیؑ کے ماننے والے ہیں اس لیے ہم بھی خدا کے بیٹے ہیں۔ اور کیونکہ جن کو ہم مانتے ہیں، وہ خدا کے دوست تھے اسلیے ہم بھی خدا کے دوست ہیں۔ (تفسیر صافی ص ۱۳۴)

خدا نے اس قسم کے اُلٹے سُلٹے دعوؤں کے جواب میں پہلے تو اُن کے ضمیر کو للکارا پھر اُن سے سوال کیا کہ ''اگر تم خدا کے بیٹے اور چہیتے ہو تو پھر خدا نے کیوں تم کو سزا دی؟'' (تبیان، مجمع البیان)

عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ ہم ابن اللہ کے دربار میں پیش ہوں گے اور یہودیوں کا خیال تھا کہ اُن کے باپ دادا حضرت یعقوبؑ، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت ابراہیمؑ اُنھیں خدا کے عذاب سے بچا لیں گے۔ مسلمانوں میں بھی اس قسم کی ذہنیت کے سراغ ملتے ہیں۔ جو شفاعت کا غلط تصوّر ہے۔ بقول شاعر ؎

رندِ بخشے کئے قیامت میں
شیخ چیخا کیا حساب حساب

ایسی نادانی کی احمقانہ باتوں پر بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ: ع

دل کے بہلانے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

''جو خدا کی اطاعت نہ کرے، اُس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ اور ہماری شفاعت بے نمازیوں، ظالموں اور حرامخوروں تک نہیں پہنچے گی۔'' (الحدیث)

حضرت امام محمد باقرؑ سے کافی میں کہ ایک طویل حدیث منقول ہے جس کے آخری چند کلمات یہ ہیں: ''اے جابر! مردِ مسلمان نے محبتِ علیؑ کا زبان سے اقرار کر لینا کافی سمجھ لیا ہے۔ اور اعمالِ صالح نہ بجالائے پس اگر کوئی رسولِ خداؐ سے زبانی محبت کا اقرار کرے اور اُن کی سنّت پر عمل نہ کرے تو آنحضرتؐ کی زبانی محبت اُسے کچھ نفع نہ دیگی۔ بس خدا سے ڈرو اور عمل کرو اس لیے کہ خدا کے اور کسی شخص کے درمیان کوئی رشتہ قرابت نہیں ہے۔ خدا کے نزدیک وہی زیادہ محبوب ہے جو متّقی ہے۔ پھر فرمایا: اے جابر! ہمارے پاس آتشِ جہنم سے بری ہونے کا پروانہ نہیں ہے۔ جو خدا کا فرمانبردار ہے وہ ہمارا دوست ہے اور جو خدا کا عاصی ہے وہ ہمارا دشمن ہے اور ہماری ولایت اُس کو نہیں پہنچ سکتی جو باعمل اور پرہیزگار نہ ہو۔ (ملخص از اصولی، کافی باب اطاعت وتقوی کتابِ کفر وایمان)

آیت نمبر ۱۹

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِیْرٌ وَّنَذِیْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۹﴾

ترجمہ

اے اہل کتاب! ہمارا یہ رسول تمھارے پاس واضح تعلیمات لے کر ایسے وقت آیا ہے کہ جب کافی عرصے سے رسولوں کا آنا بند تھا۔ تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس تو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا کوئی نہیں آیا۔ تو لو یہ ایک خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا۔ اور اللہ تو ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔

تفسیر

۱۔ ''فَتْرَۃٍ'' سے مراد وہ زمانہ ہے جو رسولوںؑ کے درمیان گذرتا ہے اور جس میں وحی نہیں آتی۔ (تفسیر صافی ص ۱۳۲)۔ فترۃ کے اصل معنی انقطاعِ عمل یا سکون کے ہیں۔ (قرطبی)

جناب شیخ صدوق نے فرمایا کہ ''فترۃ'' سے مراد وہ زمانہ ہے جس میں کوئی نبی یا نبی کا وصی ظاہر اور مشہور نہ ہو، جناب رسولِ خداؐ اور حضرت عیسٰیؑ کے درمیان بہت سے نبی اور امام ہوئے ہیں مگر وہ خوف کی وجہ سے چُھپے رہے۔ (اکمال الدین از شیخ صدوق)

امیر المومنین حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ''زمین کبھی حجّتِ خدا سے خالی نہیں رہتی۔ خواہ وہ حجّت ظاہر و مشہور ہو، یا خوفزدہ ہو کر پوشیدہ رہے۔''

خاص طور پر حضرت عیسٰیؑ اور ہمارے رسولؐ کے درمیان چھ سو سال کے وقفے کو ''فترہ'' کہتے ہیں۔ کیونکہ جناب رسولِ خداؐ کا سالِ ولادت ۵۷۰ عیسوی ہے۔ (قرطبی)

آیت نمبر ۲۰

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۰﴾

ترجمہ

اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ: ''اے میری قوم والو! اللہ کی اُس نعمت کو یاد کرو جو اُس نے تمھیں عطا کی کہ اُس نے تم میں سے نبی بنائے اور تم کو بادشاہ بنایا اور تمھیں وہ چیزیں دی جو دُنیا میں کسی کو بھی نہیں دی تھیں۔

تفسیر

جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا

تم میں سے نبی اور تم میں سے بادشاہ بنایا

محقّقین نے لکھا کہ: خدا نے بادشاہوں کے لیے تو کہا کہ ''تم کو بادشاہ بنایا'' مگر پیغمبروں کے لیے فرمایا: ''تم میں پیغمبر بنائے''۔ اِس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص پیغمبر نہیں بن سکتا۔ ہر شخص میں وہ جوہر ہوتا ہی نہیں کہ وہ پیغمبر یا اُس کا جانشین بن جائے یہ جوہر خاص افراد میں ہوتا ہے۔ اس لیے خدا ہی اُس جوہر کو جانتا ہے اور اسی لیے وہی پیغمبر بناتا ہے، مگر بادشاہ ہونے کے لیے وہ خاص جوہر درکار نہیں ہوتا۔

اب کیونکہ پیغمبر کو خدا بناتا ہے تو اُس کو ماننا (یعنی صرف ماننا ہی کافی نہیں ہوتا ہے بلکہ اطاعت کرنا بھی) ضروری ہوتا ہے۔ رہے بادشاہ، تو وہ ایک امر اعتباری ہے اس کا تعلق دنیا والوں کے مان لینے سے ہے کسی کو بادشاہ مان لیا تو بادشاہ یا وزیر بن گیا اور نہیں مانا تو نہ بنا۔ لیکن پیغمبر کو خدا پیغمبر بناتا ہے۔ اب کوئی مانے یا نہ مانے اُس کے پیغمبر ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

آیت نمبر ۲۱

یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ(۲۱)

ترجمہ

اے میری قوم والو! اس پاک سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمھارے لیے لکھ دی ہے اور (دیکھو!) پیٹھ دکھا کر نہ بھاگنا ورنہ ناکام ونامراد نقصان اُٹھا کر پلٹو گے۔

تفسیر

بنی اسرائیل کو مسلسل نافرمانی کی سزا

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ: ''مقدس زمین سے مراد'' ملکِ شام ''ہے (اب اس علاقے کو فلسطین کہتے ہیں) (تفسیر صافی ص ۱۳۳ بحوالہ تفسیر عیاشی)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ: ''خدا نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اِس پاک ومقدس زمین میں چلے جاؤ، مگر وہ اُس میں داخل نہ ہوئے۔ تو خدا نے وہ زمین اُن پر اور اُن کے بیٹوں پر حرام کر دی۔ پھر اُن کے پوتے اُس میں داخل ہوئے۔'' (تفسیر عیاشی)

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ: ''وہ مقدّس زمین بنی اسرائیل کے واسطے خدا کے ہاں لکھی گئی (مگر کیونکہ اُنھوں نے خدا کا کہنا نہ مانا اس لیے) پھر خدا نے اس زمین کو اُن کے نام سے مٹا دیا۔ (اس کو قانون بداء کہتے ہیں) (تفسیر صافی ص ۱۳۲ بحوالہ تفسیر عیاشی)

تاریخ یہ ہے کہ:

جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام نمرود کے ظلم کی وجہ سے عراق سے نکلے تو شام میں کنعان کے علاقے میں جا کر قیام فرمایا۔ اب اس علاقے کو فلسطین کہتے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ کے زمانے تک یہ خاندان یہیں رہا۔ پھر جب حضرت یوسف مصر کے بادشاہ بن گئے تو آپؑ نے اس خاندان کے تمام افراد کو مصر بُلوا لیا۔ حضرت یوسفؑ کے بعد مصر میں ملکی اور غیر ملکی کا سوال پیدا ہوا تو وہاں کے مقامی لوگ جو قبطی کہلاتے تھے۔ ان پر غالب آ گئے پھر اُنھوں نے حضرت یعقوبؑ کی اولاد کو، جو بنی اسرائیل کہلاتی ہے، اپنا غلام بنا لیا اور اُن پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے۔ بالآخر خدا نے حضرت موسیٰؑ کو بھیجا تو اُنھوں نے بنی اسرائیل کو قبطیوں کی غلامی سے نجات دلائی۔

اِدھر کنعان یا فلسطین کے علاقے پر عمالقہ کی قوم نے قبضہ کر لیا تھا جو وہاں طرح طرح کے ظلم ڈھا رہے تھے۔ اب خدا نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تم فلسطین جا کر اُن کا مقابلہ کرو۔ ہم تمھاری مدد کریں گے۔ مگر اُنھوں نے مقابلہ نہ کیا۔ اور عمالقہ کی قوم سے ڈر گئے۔ جس کا بیان آگے آئے گا۔ (فصل الخطاب)

حضرت موسیٰؑ نے یہ تقریر اُس وقت کی تھی جب بنی اسرائیل مصریوں کی غلامی سے آزاد ہو کر جزیرہ نمائے سینا میں آزادی سے نقل وحرکت کر رہے تھے۔ اُس وقت فلسطین، جو اُن کا آبائی وطن تھا۔ پر ایک ظالم غاصب قوم

عمالقہ حکومت کر رہی تھی، یہ زمانہ ۱۴۴۰ ق م قبل مسیحؑ کا تھا۔ (ماجدی)

آیت نمبر ۲۲۔۲۳

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۖۗ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾
قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَی اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ

اُنھوں نے کہا: اے موسیٰ! بلاشبہ اِس شہر میں تو بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں۔ ہم تو وہاں ہرگز بھی داخل نہ ہوں گے جب تک وہ لوگ وہاں سے نکل نہ جائیں گے۔ ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں گے تو پھر ہم ضرور داخل ہوں گے۔

مگر اُن میں سے دو شخصوں نے، جو اللہ سے ڈرتے تھے اور جن کو اللہ نے اپنی نعمت عطا کی تھی، کہا: ”جب تم مقابلہ کرتے ہوئے دروازے سے داخل ہو جاؤ گے تو تم ہی غالب رہو گے۔ پس اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم مومن ہو۔“

تفسیر

آیت نمبر ۲۲: جبّار، بڑے ڈیل ڈول والے انسان کو بھی کہتے ہیں جو لمبے چوڑے اور طاقتور ہوں۔ (قرطبی۔ تفسیر کبیر)

آیت نمبر ۲۳: حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ

’’یہ دونوں شخص حضرت یوشع بن نون اور کالب بن یوقنّا ہیں ۔ یہ دونوں حضرت موسیٰؑ کے چچا زاد بھائی تھے۔‘‘ (تفسیر صافی ص ۱۳۲ بحوالہ تفسیر عیاشی)

آیت نمبر ۲۴۔۲۵

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴿۲۴﴾

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ﴿۲۵﴾

ترجمہ

(لیکن بنی اسرائیل نے) کہا: اے موسیٰؑ! ہم تو وہاں کبھی نہ جائیں گے، جب تک کہ وہ لوگ وہاں موجود ہیں۔ بس تم اور تمھارا رب دونوں جاؤ اور لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔

(موسیٰؑ نے) کہا: اے میرے مالک! میں تو کسی پر اختیار ہی نہیں رکھتا سوا اپنی ذات پر یا اپنے بھائی پر۔ لہٰذا اب تُو ہی ہمیں اِن نافرمان لوگوں سے الگ کر دے۔

تفسیر

بنی اسرائیل نے خدا اور رسول کا مذاق بھی اُڑایا

بنی اسرائیل نے صرف یہی نہیں کہ خدا کا حکم نہ مانا، بلکہ اُس کا مذاق بھی اُڑایا۔ جو اُن کے اندازِ کلام سے ظاہر ہے کہ ’’تم اور تمہارا خدا جا کر لڑ لے ہم تو یہیں بیٹھے ہیں‘‘ حکم عدولی کے ساتھ ساتھ تمسخر، کفر و فسق کی شدید ترین قسم ہے۔ اسی موقع پر حضرت موسیٰؑ نے ہارونؑ کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھایا اور کہا: ’’اے مالک! مجھے سوا اپنے اور اپنے بھائی کے کسی پر اختیار نہیں۔‘‘ اس سے معلوم ہوا کہ سوا حضرت ہارونؑ کے ساری قوم نے حکمِ خدا کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ یا کم

سے کم بہت بڑی اکثریت فاسق ہوچکی تھی۔ (تفسیر علی ابن ابراہیم۔تفسیر تبیان،فصل الخطاب)

آیت نمبر ۲۶

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ

(اللہ نے) جواب دیا: اچھا تو پھر اب یہ مُلک چالیس سال تک کے لیے ان پر حرام ہے۔اب یہ (اسی) زمین میں مارے مارے پھرتے ہی رہیں گے۔اب تم اِن کہنا نہ ماننے والوں پر افسوس نہ کرو۔

تفسیر

پیغمبرؑ کی نافرمانی کی سزا

یہاں حرام ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ''تقدیر نے فیصلہ کردیا کہ اب یہ اس شہر میں داخل نہ ہوسکیں گے''۔ (تبیان)

''تِیْہٖ'' کے معنی حیران ہوکر سرگرداں ہونا۔کیونکہ بنی اسرائیل اِس صحرا میں سزا کے طور پر حیران و پریشان گھومتے رہے۔اس لیے بعد میں اس زمین کا نام ہی ''تیہ'' ہوگیا۔پھر بعد میں حضرت موسیٰؑ کے جانشین یوشع بن نون کی سرکردگی میں بنی اسرائیل فلسطین میں داخل ہوئے۔(فصل الخطاب)

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: ''قسم ہے اُس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ جو لوگ تم سے پہلے گذر چکے ہیں،تم ضرور اُن کے قدم بہ قدم (نَعْلَ بِالنَّعْلِ) چلو گے اور ذرا بھی فرق نہ کروگے۔حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے جنکی تعداد چھ لاکھ تھی فرمایا ''اے قوم! اِس مقدّس زمین میں داخل ہوجاؤ جس کو خدا نے تمھارے لیے لکھدیا ہے۔'' مگر اُنھوں نے یہ حکم حضرت موسیٰؑ پر واپس لوٹا دیا۔اور کہا کہ: ''اے موسیٰؑ! اس میں تو بڑے زبردست لوگوں کی قوم رہتی ہے۔'' نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت ہارونؑ اور آپ کے بیٹے اور یوشع بن

نون اور کالب بن یوقنّا کے سوا باقی سب نے نافرمانی کی۔ اس لیے اللہ نے اُن سب کو فاسقین فرمایا۔ اِسی نافرمانی کی وجہ سے وہ لوگ چالیس سال سرگرداں رہے۔''

امامؑ نے فرمایا: پھر اس جیسا واقعہ ہمارے رسولؐ کی وفات کے بعد اس اُمّت پر گذرا۔ اس طرح جناب رسولِ خداؐ کی پیشگوئی پوری ہوگئی۔'' (تفسیر صافی ص ۱۳۲ بحوالہ تفسیر عیاشی)

آیت نمبر ۲۷

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ

اور اُنھیں آدمؑ کے دونوں بیٹوں کا قصہ ٹھیک ٹھیک سُنا دیجیے۔ جب اُن دونوں نے قُربانی پیش کی تو اُن میں سے ایک کی قربانی تو قُبول کی گئی، مگر دوسرے کی قُبول نہیں کی گئی۔ تو اُس نے کہا کہ میں تجھ کو ضرور قتل کرونگا۔ دوسرے نے کہا کہ'' خدا صرف بُرے کاموں سے بچنے والوں کے کام قُبول کرتا ہے۔'' (۲۷)

تفسیر

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ ۔ مقصد یہ ہے کہ جو بھی نبیؑ کی نافرمانی کرے گا وہ بالآخر تو خسارے و ندامت میں رہے گا۔ بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر کا کہنا نہ مانا تو مصائب اُٹھاتے رہے یہ سلسلہ دراصل ابتدا سے چل رہا ہے۔ چنانچہ حضرت آدمؑ کے دو فرزندوں میں سے ہابیلؑ نے اپنے باپ پیغمبرؑ کے حکم پر عمل کیا تو وہ متقی بن گیا اور اللہ نے اُس کی قربانی کو قبول فرمایا، لیکن دوسرا بیٹا قابیل نافرمان تھا، اُس کی قربانی کو اللہ نے ردّ فرما دیا تو وہ مزید فسق و فجور میں مبتلا ہو گیا۔

آیت نمبر ۲۸ تا ۳۰

لَئِنۡۢ بَسَطۡتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقۡتُلَنِیۡ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیۡكَ لِاَقۡتُلَكَ ۚ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ تَبُوۡٓاَ بِاِثۡمِیۡ وَاِثۡمِكَ فَتَكُوۡنَ مِنۡ اَصۡحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتۡ لَهٗ نَفۡسُهٗ قَتۡلَ اَخِیۡهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصۡبَحَ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ

اگر تُو نے مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ نہ بڑھاؤں گا (کیونکہ) میں تو تمام جہانوں کے رب سے ڈرتا ہوں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تُو ہی میرا بھی گناہ اُٹھا اور اپنا بھی گناہ اُٹھا، اور دوزخی بن جا۔ (کیونکہ) حد سے بڑھنے والوں (ظالموں) کی یہی سزا ہے۔ آخر کار اُس کے نفس نے اُسے اپنے بھائی کی جان لینے کی رغبت دلا کر اُس کے لیے یہ کام آسان کر دیا۔ اور وہ اُسے قتل کر کے اُن لوگوں میں شامل ہو گیا جو بڑا نقصان اُٹھانے والے ہیں۔

تفسیر

سب سے پہلا قاتل نبیؐ کا نافرمان تھا

حضرت امام جعفر صادقؑ سے کسی نے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ قابیل نے ہابیلؑ کو اس وجہ سے قتل کیا کہ دونوں کا آپس میں اپنی بہن کے بارے میں جھگڑا تھا۔؟ حضرت امامؑ نے فرمایا: ''تجھے خدا کے نبی حضرت آدمؑ کے خلاف ایسی بات کہتے شرم نہیں آتی۔'' اُس شخص نے پوچھا کہ پھر قابیل نے ہابیلؑ کو کس وجہ سے قتل کیا تھا؟ حضرت

امامؑ نے فرمایا: ''وصایت کے سبب سے۔ خدا نے حضرت آدمؑ پر وحی کی تھی کہ ہابیلؑ کو اپنا وصی قرار دو، اُن کو اسمِ اعظم کی تعلیم دو۔ جبکہ قابیل، ہابیل سے عمر میں بڑا تھا۔ جب اُس نے یہ سُنا تو غضبناک ہوا۔ اس نے کہا: ''اس عزّت کا (یعنی وصی ہونے کا) میں مستحق ہوں۔'' اس پر حضرت آدمؑ نے فرمایا۔ ''مجھے خدا کی طرف سے یہ ہدایت وحکم ہوا ہے کہ تم دونوں بھائی اس سلسلے میں اللہ کی بارگاہ میں اپنی اپنی قربانی پیش کرو۔ چنانچہ خدا نے ہابیلؑ کی قربانی قبول فرمائی۔ اس پر قابیل کو اور زیادہ غصّہ آیا، اور اُس نے ہابیلؑ کو قتل کر دیا۔'' (تفسیر صافی ص ۱۳۳ بحوالہ تفسیر عیاشی)

حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا: ''اُس زمانے میں قربانی کے قبول ہونے کی یہ نشانی تھی کہ آگ اُس کو کھا جاتی تھی۔ اسی لیے قابیل نے آگ کے لیے ایک مکان بنایا۔ اور وہی پہلا شخص ہے جس نے اُس مکان میں آگ کی پرستش وعبادت اس لیے کی تاکہ وہ آگ میری قربانی کو قبول کر لے۔ (یہیں سے شرک کی ابتداء ہوئی) پھر ابلیس لعین قابیل کے پاس آیا اور کہا کہ ہابیلؑ کی قربانی تو قبول ہوگئی۔ اور تیری قربانی قبول نہ ہوئی۔ اور تُو نے ہابیلؑ کو چھوڑ دیا۔ اب اُس کی اولاد تیری اولاد کے مقابلے میں ہمیشہ فخر کیا کرے گی۔

پہلا گریہ پہلا نوحہ وماتم پہلے نبیؑ نے کیا

اس پر قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ پھر جب قابیل، حضرت آدمؑ کے پاس آیا تو حضرت آدمؑ نے پوچھا کہ ہابیلؑ کہاں ہے؟ اُس نے کہا: میں نہیں جانتا۔ آپ نے مجھے اُس کا محافظ تو نہیں بنایا تھا۔ جب حضرت آدمؑ نے ہابیلؑ کو ڈھونڈا تو اُن کو مقتول پایا۔ آپؑ نے اُس زمین کے ٹکڑے پر لعنت کی جس پر ہابیلؑ کا خون قبول کیا۔ (یعنی ''چوسا'') پھر حضرت آدمؑ ہابیلؑ کے ماتم میں چالیس دن روئے۔ (اکمال الدّین)

آیت نمبر ۳۱

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۚ﴿۳۱﴾

ترجمہ

پس اللہ نے ایک کوّے کو بھیجا جو زمین کھودنے لگا تا کہ اُسے دکھائے کہ وہ کیسے اپنے بھائی کی لاش کو چُھپائے (یہ عمل دیکھ کر) وہ بولا: ہائے افسوس، کیا میں اس کوّے جیسا بھی نہ ہوسکا کہ اپنے بھائی کی لاش ہی کو چُھپا سکتا۔ پھر تو وہ پچھتانے والوں میں سے ہوگیا۔

تفسیر

تدفین میّت کا طریقہ اللہ کی طرف سے ہے

فرزند رسولؐ امام زین العابدینؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: ''قابیل یہ تک نہیں جانتا تھا کہ اپنے بھائی کو کس طرح قتل کرے۔ آخر کار ابلیس نے آ کر اُس کو بتایا کہ اُس کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دے۔ پھر جب وہ قتل کر چکا تو یہ نہیں جانتا تھا کہ اب لاش کو کہاں ٹھکانے لگائے؟ یہاں تک کہ دو کوّے آئے۔ ایک نے دوسرے کو اپنے پنجوں سے مار ڈالا۔ پھر اپنے پنجوں اور چونچ سے زمین کھود کر اس میں دبا دیا۔ یہ دیکھ کر قابیل نے کہا: ہائے افسوس۔ یہ میری خرابی۔ کیا میں اس سے بھی عاجز ہوگیا کہ میں اس کوّے کی مثل ہوجاؤں۔'' پھر بھائی کی لاش کو زمین کھود کر دفن کر دیا۔ اُسی دن سے مُردوں کو زمین میں دفن کرنے کا سلسلہ جاری ہوا'' حوالہ کہتے ہیں کہ خدا نے ایک فرشتہ کوّے کی شکل میں بھیجا جو مقتول پر مٹی ڈالنے لگا تا کہ قابیل کو مقتول کے دفن کی تعلیم دے۔ (تفسیر انوار النجف ص ۹۱ جلد ۵) (تفسیر صافی ص ۱۳۳ بحوالہ تفسیر قمی)

آیت نمبر ۳۲

مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِكَ ۚۛ كَتَبۡنَا عَلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اَنَّهٗ مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِى الۡاَرۡضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا ؕ وَمَنۡ اَحۡيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحۡيَا النَّاسَ جَمِيۡعًا ؕ وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ

رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝۳۲

ترجمہ

اِسی وجہ سے بنی اسرائیل پر ہم نے یہ لازمی قرار دیا تھا کہ جو شخص بھی کسی ایک انسان کو قتل کرے سِوا اس کے کہ وہ کسی جان کا بدلہ لینے یا زمین پر فساد پھیلانے سے روکنے کے لیے قتل کرے، تو وہ ایسا، ہے جیسے کہ اُس نے تمام آدمیوں کو قتل کر دیا۔ اور جو کسی انسان کی جان بچائے یا اُس کی زندگی کا سامان کرے، وہ ایسا ہے کہ جیسے اس نے تمام آدمیوں کی جان بچائی یا اُن کی زندگی کا سامان کیا۔ اور ہمارے رسول پے در پے اُن کے پاس کھُلی کھُلی دلیلیں اور احکامات لے کر آئے، مگر اِس کے باوجود بھی، اُن میں سے اکثر لوگ زمین پر ظلم اور زیادتیاں کرنے والے ہیں۔

تفسیر

بے گناہ کے قتل اور فساد برپا کرنے کی سزا اور بے گناہ انسان کو قتل یا حادثے سے بچا لینے کا ثواب

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: ''جہنم میں ایک وادی ہے جس میں تمام آدمیوں کا قتل کرنے والا بھی داخل کیا جائے گا اور اُسی وادی میں ایک آدمی کا قتل کرنے والا بھی جھونکا جائے گا۔''

تفسیر صافی ص ۱۳۴ بحوالہ تفسیر عیاشی اور مَن لا یحضرہُ الفقیہ)

نتیجہ:۔ مفسرین نے اِس آیت سے نتیجہ نکالا کہ ''جو شخص کسی آدمی کو جلنے یا ڈوبنے یا عمارت کے نیچے دب جانے یا درندے کے پھاڑ کھانے سے بچا لے یا اُس کے اخراجات کی کفالت کرے، یا فقیری کی حالت میں اُسے اِتنا دے کہ اس کی ضروریات پوری ہو جائیں تو اِن سب حالتوں میں یہی سمجھا جائے گا کہ اس نے تمام آدمیوں کو زندہ

کر دیا۔مگران تمام کاموں میں سے افضل یہ ہے کہ کسی کو گمراہی سے نکال کر سیدھے راستے پر لے آیا جائے (کیونکہ یہی اصل زندگی ہے۔)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے کسی سے سوال کیا کہ ''اگر کوئی شخص ڈوب رہا ہے اور دوسری طرف کوئی شخص کسی ہمارے جاہل کو گمراہ کر رہا ہے، اِن دونوں آدمیوں میں کون زیادہ مدد کا مستحق ہے اور تم کس کی مدد کرو گے؟ عرض کی: فرزندِ رسولؐ! میں ڈوبنے والے کی مدد کروں گا تا کہ وہ زندہ بچ جائے۔آپؑ نے فرمایا'': نہیں۔ بلکہ اس کو گمراہی سے بچایا جائے۔ کیونکہ ڈوبنے والا اکیلا ہی ڈوبے گا۔اور گمراہ ہونے والے کی نسل میں گمراہی پیدا ہو جائے گی جس سے کثیر آدمی گمراہ ہوں گے۔

جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: ''زمین پر جو خون بھی ناحق بہایا جاتا ہے اُس کا ایک حصّہ قابیل کے نامۂ اعمال میں بھی لکھ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اُسی نے اس بُرے کام کی بنیاد ڈالی۔(بخاری شریف کتاب الاضیاء)

زمین پر فساد کے عوض قتل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اس جرم میں قتل کرنا جائز ہے کہ اُس نے ملک میں خواہ مخواہ بدامنی پھیلائی۔ جیسے ڈکیتی، حرامکاری، قتل و غارت وغیرہ کا ارتکاب کیا۔(تفسیر کبیر)

آیت نمبر ۳۳

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِکَ لَھُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۙ﴿۳۳﴾

ترجمہ

جو (ڈاکو) لوگ خدا اور اُس کے رسولؐ سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرنے کے لیے دوڑتے پھرتے ہیں اُن کی سزا یہی ہے کہ اُنھیں مار ڈالا جائے یا سُولی پر چڑھا دیا جائے، یا اُن کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیے جائیں (یعنی داہنا ہاتھ بایاں پاؤں) یا پھر اُنکو اُن کے وطن سے

نکال دیا جائے۔ یہ تو اُن کے لیے دُنیا میں ذلّت وخواری ہے اور آخرت میں تو اُن کے لیے بری ہی سخت سزا ہے۔

تفسیر

فسادیوں (لٹیروں، ڈاکوؤں، قاتلوں) کی سزائیں

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ بنی حنّبہ کا ایک گروہ بیمار ہوکر جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم ہمارے پاس ٹھہرو۔ جب تم لوگ تندرست ہوجاؤ گے تو تم کو جہاد پر بھیجیں گے۔''

اُنھوں نے عرض کی کہ ہمیں مدینے کے باہر بھیج دیجیے۔ لہٰذا جناب رسولِ خداؐ نے اُنھیں وہاں بھیج دیا کہ جہاں صدقے کے اونٹوں کا گلّہ رہتا تھا۔ وہاں اُن لوگوں نے خوب اُونٹنیوں کا دودھ پیا۔ جب وہ تندرست ہوگئے اور قوت آ گئی تو گلے کے محافظوں کو قتل کیا اور اونٹوں کو لے کر چلتے بنے۔

جب رسولِ خداؐ کو یہ معلوم ہوا تو آپؐ نے حضرت علیؑ کو اُن کے پیچھے بھیجا۔ یہ لوگ یمن کے قریب ایک وادی میں جاکر راستہ بھول گئے اور باہر نہ نکل سکے۔ حضرت علیؑ نے وہیں جاکر اُن کو گرفتار کرلیا۔ اور جناب رسولِ خداؐ کی خدمت میں لاکر پیش کردیا۔

اُنھیں کی سزا کے بارے میں یہ آیت اُتری۔ جناب رسولِ خداؐ نے اُن کے ہاتھ کٹوا دیے، اَسطرح کہ ایک طرف ہاتھ کاٹا اور دوسری طرف پاؤں کاٹا۔'' (تفسیر صافی ص ۴۳۱ بحوالہ کافی وتفسیر عیاشی)

غرض اس آیت سے لُٹیروں، قاتلوں اور ڈاکوؤں کو خدا اور رسولؐ سے جنگ کرنے والا کہا گیا ہے۔ انھیں ڈاکوؤں کی سزا ہاتھ پیر کاٹنا بتائی گئی ہے۔ اب اس حکم پر وہی لوگ منہ بناتے ہیں جنھیں مجرموں سے تو بڑی ہمدردی ہوتی ہے، مگر جن پر ظلم ہوا اُن سے ہمدردی نہیں ہوتی۔ اسلام میں سزا جُرم کی نوعیت کے اعتبار سے دی جاتی ہے۔

شیخ الطائفہ لکھتے ہیں: ''اُن کی سزا اُن کے استحقاق کے لحاظ سے ہوگی۔ جو شخص قتل کرے گا۔ اُس کو بھی قتل کیا جائے گا۔ اور اگر مال بھی چھینا ہے اور قتل بھی کیا ہے تو اُس کو سولی دی جائے گی۔ اگر صرف مال پر ڈاکہ ڈالا ہے اور قتل نہیں کیا تو ہاتھ پیر مختلف سمتوں سے کاٹے جائیں گے۔ اگر صرف راستے کو پُرخطر بنایا ہے تو اُس علاقے سے نکال دیا جائے گا۔'' (تفسیر تبیان مطابق بیان امام محمد باقرؑ)

آیت نمبر ۳۴۔۳۵

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۴﴾

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ

سوا اُن کے جو توبہ کر لیں قبل اس کے کہ تم اُن پر قابو پا لو۔ تم پھر یہ جان لو کہ اللہ بڑا ہی معاف کرنے والا (اور) بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔

اے ایمان لانے والو! اللہ کی ناراضگی سے بچو اور اُس کے یہاں (قُرب حاصل کرنے) کے لیے کوئی ذریعہ یا ''وسیلہ'' تلاش کرو۔ اور اُس کی راہ میں سخت کوشش کرو۔ شاید اس طرح تم دُنیا اور آخرت کی ہر طرح کی بھرپور کامیابی حاصل کر لو۔

تفسیر

اللہ کا ارشاد اہل ایمان سے ہے کہ ''وسیلہ تلاش کرو''

آیت نمبر ۳۵: خدا تک پہنچنے کے لیے وسیلہ تلاش کرنے کا مطلب بیان کرتے ہوئے جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جن لوگوں نے امام حسینؑ کی اولاد میں جو ائمہؑ ہیں اُن کی اطاعت کی، انھوں نے خدا کی اطاعت کی۔ اور جن لوگوں نے اُن اماموں کا کہنا نہ مانا، اُنھوں نے خدا کی نافرمانی کی۔ کیونکہ وہ امامؑ خدا کے دین کی مظبوط رسّی ہیں اور خدا تک پہنچا دینے کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔'' (عیون، اخبار، الرّضا)

خدا تک پہنچنے کا ایک وسیلہ تو ہمارا ایمان اور عملِ صالح ہے۔لیکن ظاہری اور خارجی طور پر خدا تک پہنچنے کا وسیلہ رسولؐ اور امامؑ ہوتا ہے۔ اِسی لیے قرآن میں ہے کہ ''اگر اُن لوگوں نے اپنے اوپر گناہ کر کے ظلم کیا ہے اور پھر اُنھوں نے اللہ سے معافی مانگی اور رسولؐ نے بھی اُن کے لیے خدا سے معافی طلب کی، تو وہ لوگ اللہ کو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور بے حد مسلسل رحم کرنے والا پائیں گے۔'' (سورۃ انساء ۶۴)

اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تَقَرَّبُوْا اِلَیْہِ بِالْاِمَامِ" یعنی اللہ سے قُربت حاصل کرو امامؑ کے ذریعے سے'' (تفسیر علی ابن ابراہیم)

"وسیلۃ" کے معنی قُرب کے بھی ہیں۔ (ابن جریر، قرطبی، ابن قتیبہ)

اور خدا کا قُرب حاصل کرنے کا ایک ذریعہ خدا کے احکامات کی تعمیل ہے۔

(بقول ابنِ عبّاسؓ۔ از مدارک، تفسیر کبیر، راغب)

مگر یہ تعمیل رسولِ خداؐ کے بعد امام برحق کی ہدایت کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی لیے جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا تھا۔''میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔'' (۱) اللہ کی کتاب (۲) اور میری عترت میرے اہل بیتؑ ''تم اِن دونوں سے تمسک اختیار کیے رہو گے تو میرے بعد کبھی ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اور یہ دونوں کبھی ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر لوٹ آئیں۔'' (صحیح مسلم شریف) (الحدیث)

آیت نمبر ۳۶

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَھُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَہٗ مَعَہٗ لِیَفْتَدُوْا بِہٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَا تُقُبِّلَ مِنْھُمْ ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۳۶

ترجمہ

یقین جانو کہ جن لوگوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا، اگر اُن کے پاس وہ سب کچھ آ جائے جو زمین میں ہے اور اُس کے برابر اُتنی ہی مزید (دولت) آ جائے، تاکہ وہ اُسے فدیہ میں دے کر خود قیامت کے

دن کی سزا سے بچالے جائیں، تب بھی وہ اُن سے قبول نہ کیجائے گی، اور اُنھیں تو بڑی سخت سزا مل کر رہے گی۔

تفسیر

کفر وانکار پر دردناک سزا ہے، فدیہ نہیں

عرب میں فدیہ یا تاوان دے کر قید سے رہائی حاصل کی جاتی تھی۔ مگر آخرت کی قید اور سزا ایسی نہیں ہوگی۔ اگر دنیا جہان کی ساری دولت بھی کافروں کے قبضے میں ہو، اور اُتنا ہی اور ملا لیں، تو بھی وہ مال دیکر جان نہیں چُھڑا سکیں گے۔ (فصل الخطاب)

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمرؓ کو زخم لگا تو درد سے بہت گھبرائے ہوئے تھے۔ ابن عباسؓ نے اُن کو تسلّی دیتے ہوئے کہا: اے امیر المومنینؓ! آپ تو آنحضرتؐ کی صحبت کا شرف پا چکے ہیں (پھر کیوں گھبرانے ہیں) اُنھوں نے کہا: اے ابنِ عباسؓ! میری یہ گھبراہٹ جو تو دیکھ رہا ہے صرف تیری اور تیرے ساتھیوں کی وجہ سے ہے۔ بخدا اگر تمام روئے زمین سونا بن جائے تو وہ میں فدیہ دے کر اس عذابِ خدا سے نجات حاصل کرلوں، جو میں دیکھ رہا ہوں۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی اور استیعاب نیز صحیح بخاری جلد ۴ باب مناقب حضرت عمر) (بحوالہ تفسیر انوار النجف جلد ۵ ص ۹۸ ملخص))

آیت نمبر ۳۷۔۳۸

یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا مِنَ النَّارِ وَمَا ہُمۡ بِخٰرِجِیۡنَ مِنۡہَا ۫ وَلَہُمۡ عَذَابٌ مُّقِیۡمٌ ﴿۳۷﴾

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقۡطَعُوۡۤا اَیۡدِیَہُمَا جَزَآءًۢ بِمَا کَسَبَا نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ﴿۳۸﴾

ترجمہ

وہ (لاکھ) چاہیں گے کہ دوزخ کی آگ سے نکل بھاگیں مگر وہ (کبھی) نکل نہ سکیں گے۔ اور اُن کے لیے تو مستقل برقرار رہنے والی دائمی سزا ہوگی ۱۔

اور چور خواہ مرد ہو یا عورت، اُن کے ہاتھ کاٹ دو ۲۔ یہ اُس کی سزا ہے جو اُنھوں نے کیا ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے سزا ہے۔ اور اللہ بڑا ہی زبردست اور ٹھیک ٹھیک کام کرنے والا ہے۔

تفسیر

آیت نمبر ۳۷۔۱: جناب امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ ''جو لوگ دوزخ سے نہ نکل سکیں گے اُن پر دائمی عذاب ہوگا۔ اُن لوگوں میں علیؑ کے دشمن بھی شامل ہوں گے۔'' (تفسیر صافی ص ۱۳۴ بحوالہ تفسیر عیاشی)

آیت نمبر ۳۸۔۲: حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ چور کی صرف چار اُنگلیاں کاٹی جائیں اور اُس کا انگوٹھا چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ نماز میں سہارا لے سکے اور وضو کے وقت اُس سے منھ دھو سکے۔

اس سلسلے میں فقہاءِ اُمت میں شدید اختلاف ہے لیکن فقہِ اہلِ بیتؑ کے مطابق ایک چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی چوری پر حدِّ شرعی جاری ہوگی۔ (تبیان)

* بعض اہلِ سنّت کے فقہاء نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے۔ (جلالین)
* البتہ شیعہ علماء میں اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ (مجمع البیان)
* لیکن حدود کا اجراء صحیح معنی میں اسلامی حکومت کر سکتی ہے۔ جو پہلے زندگی کے ہر شعبے میں اسلامی اصلاحات نافذ کرنے کی ذمّے داری پوری کر دے یہ نام کی غیر شرعی، خود ساختہ اسلامی حکومتیں جو حقیقی اسلامی معاشی نظام بھی نافذ نہ کر سکیں، اسلامی حدود کو جاری کرنے کی مجاز نہیں ہوتیں۔ کچھ اسلامی تعلیمات پر عمل نہ کرنا اور کچھ عمل کرنا قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔ (متّفق علیہ) بقولِ شاعر۔

انسان کے لہو کو پیو اِذنِ عام ہے
انگور کی شراب کا پینا حرام ہے

جب چوری کی سزا میں ہاتھ ہی کاٹنا ہے تو ہاتھ کا وہی حصہ کاٹنا چاہیے جو بلا واسطہ چوری کے ارتکاب میں

ملوث ہے۔کندھے یا کہنی یا کلائی کا دخل چوری میں نہیں ہے۔

اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا یعنی مساجد اللہ کے لیے مخصوص ہیں، وہ شعائر اللہ ہیں، اور شعائر اللہ کی تعظیم واجب ہے۔اور انسان کی ہتھیلی مساجدِ سبعہ میں سے ایک مسجد ہے۔یعنی سجدے کی ساتھ چیزوں (یعنی اعضا) میں سے ایک عضو ہے لہٰذا احترام واجب ہے۔اور واجب الاحترام چیز کو سزا سے مستثنیٰ قرار دینا چاہیے۔(انوار النجف ص ۱۰۳، ۱۰۴)

آیت نمبر ۳۹

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾

ترجمہ

پھر جو ایسا ظلم کرنے کے بعد توبہ کرلے اور اپنی اصلاح بھی کرلے تو یقیناً اللہ اُس کی توبہ کو قبول فرمائے گا (یا اُس پر اپنی توجہ فرماتے ہوتے ہوئے اُس کی طرف مائل ہو جائے گا کیونکہ بلاشبہ) اللہ تو بہت ہی معاف کرنے والا (اور) بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر

سبحان اللہ، اللہ کی اس مغفرت اور رحمت پر قربان

اگر کوئی ڈاکو توبہ کرلے تو جو حدود اللہ کی مقرر ہوئی ہیں وہ تو ساقط ہو جائیں گی لیکن اگر کوئی وارث خون بہا کا دعوے کردے تو اب وارثوں کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو معاف کردیں، اور چاہیں تو سولی پر چڑھوائیں، گویا اب معاملہ صرف بندوں کے درمیان رہ گیا۔(ہدایہ، جصّاص، فتح القدیر)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے اگر کوئی شخص چور کو پکڑ کر چھوڑ دے تو توبہ کرسکتا ہے لیکن اگر امامؑ تک معاملہ پہنچ جائے تو وہ بغیر ہاتھ کاٹے نہ چھوڑا جائے گا کیونکہ معافی اس وقت تک ہوسکتی ہے جب تک معاملہ

امامؑ تک نہ پہنچے اور خدا فرماتا ہے و۔الْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِاللّٰہِ امامؑ جب حدودِ خدا کا محافظ ہے تو وہ کیسے اُس کو چھوڑ دے۔امامؑ نے فرمایا ہے کہ صفوان بن اُمیّہ نے زمانہ رسولؐ خدا میں مسجد الحرام سے اپنی چادر کی چوری کرنے والے چور کو گرفتار کر کے خدمتِ نبویؐ میں پہنچا دیا۔تو آنحضرتؐ نے اُس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا صفوان نے عرض کی حضور! میری چادر کی وجہ سے؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں'' صفوان نے عرض کی: میں نے اس کو بخش دیا۔تو آپؐ نے فرمایا: پہلے کیوں نہ بخشا تھا۔'' گویا اب بخشش کا وقت گذر گیا ہے۔ (تفسیر انوار النجف جلد ۵ ص ۱۰۵)

آیت نمبر ۴۰

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾

ترجمہ

کیا تم نہیں جانتے ۱۔کہ اللہ آسمانوں اور زمین کی سلطنتوں کا سلطان ہے۔وہ جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے ۲۔اور اللہ تو ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔

تفسیر

اللہ کا عذاب اور اُس کی مغفرت مصلحت کے تحت ہوتی ہے۔

1 اَلَمْ تَعْلَمْ۔۔'' محققین نے نتیجہ اس آیت سے یہ نکالا کہ خدا کا تخاطب ہمیشہ رسولِ اکرمؐ ہی سے نہیں ہوتا۔عام لوگوں سے بھی ہوتا ہے۔کیونکہ خدا، رسولؐ سے یہ نہ فرماتا کہ ''کیا تم نہیں جانتے''؟ اِس سے ثابت ہوا کہ خدا عام لوگوں سے مخاطب ہے' اور ایسا قرآن میں کئی جگہ آیا ہے۔تخاطب تو رسولؐ سے ہوتا ہے۔مگر دراصل مقصد عوام یا کوئی خاص آدمی ہوتا ہے یعنی ایاك اعنی واسمعی باجارۃ۔ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۔یعنی جسے اُس کی مصلحت چاہتی ہے عذاب دیتا ہے اور جسے اُس کی مشیت چاہتی ہے مصلحت کے مطابق اُس کو اللہ معاف کر دیتا ہے۔جو اس کی مصلحت کے مطابق جہنم کے مستحق ہیں ان کو جہنم رسید اور جو جنت کے مستحق ہیں اُن کو جنت

میں پہنچا دیتا ہے۔

آیت نمبر ۴۱

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ ۙ لَمْ یَاْتُوْكَ ؕ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰهُ اَنْ یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ ۖۗ وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۴۱﴾

ترجمہ

اے رسولؐ! آپؐ اِس بات پر غم نہ کھائیں کہ وہ لوگ کفر کی راہ پر بڑی تیزی دکھا رہے ہیں، چاہے وہ جو اپنے منھ سے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، مگر اُن کے دل ایمان نہیں لائے ہیں، یا ان میں سے وہ جو یہودی بن گئے ہیں اور وہ جھوٹ کو خوب کان لگا کر سننے والے ہیں اور اُن دوسرے لوگوں کی باتیں بھی خوب کان لگا کر سُنتے ہیں جو ابھی تک آپؐ کے پاس نہیں آئے ہیں۔ وہ لوگ (خدا کے) الفاظ کو ان کی اصلی جگھوں کے معیّن ہو جانے کے بعد بھی، اُن کی اپنی اصلی جگہ سے ہٹا کر بدل دیتے ہیں۔ اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر تمھیں یہی (بدلا ہوا) حکم دیا جائے تو مانو۔ اور اگر یہ حکم نہ دیا جائے تو اُس سے بچو۔ اب جسے اللہ ہی نے فتنہ (گمراہی) میں چھوڑ دینا چاہا ہو، تو اُس کو اللہ کی پکڑ سے بچانے کے لیے آپؐ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں کو اللہ نے پاک

کرنے کا ارادہ ہی نہیں فرمایا۔ ان کے لیے دُنیا میں بھی ذلّت ہے اور آخرت میں اُن کے لیے بڑی ہی سخت سزا ہے۔

یا جسے اللہ ہی نے گمراہی کی سزا دینا چاہا ہو۔

تفسیر

یہودیوں کا تکبّر اور تحریفات فی الاحکام

خدا کا فرمانا کہ: ''سننے والے دوسرے لوگ جو ابھی آپؐ کے پاس آئے نہیں ہیں۔'' سے مراد وہ یہودی علماء ہیں جو اپنے تکبّر کی وجہ سے خود بھی رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے پاس نہیں آتے، اور دوسروں کو بھی آنے سے روکتے ہیں۔ اور لوگوں کو خدا کے احکامات خود بدل بدل کر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر رسولؐ ایسا ہی حکم بتائیں تو تم قبول کرنا، اور اگر کچھ اور بتائیں تو قبول نہ کرنا۔ (ملخّص از شاہ ولی اللہ۔ شاہ رفیع الدّین۔ موضع القرآن۔ فصل الخطاب)

کچھ مفسّرین نے اِس کا اچھا مطلب لکھا ہے کہ:

''کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو آپؐ کے پاس آ کر آپؐ کی باتیں اس لیے بھی سُنتے ہیں کہ اُن لوگوں کو بھی سُنائیں جو آپؐ کے پاس نہیں آ سکے ہیں۔'' (جلالین)

کچھ مفسرین نے لکھا کہ:

''یہ وہ لوگ ہیں جو آپؐ کی باتیں اس لیے سُنتے ہیں تا کہ آپؐ پر جھوٹی تہمتیں لگائیں اور ''دوسروں کے لیے سُنتے ہیں'' کے معنی یہ ہیں کہ دوسروں کی جاسوسی کرتے ہیں۔ (تبیان) اور یہ مدینے کے یہودی تھے جو خیبر کے یہودیوں کی جاسوسی کرنے کے لیے آئے تھے۔ (انوار النجف ص ۱۱۰)

آیت نمبر ۴۲

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ

شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ

یہ کان لگا کر جھوٹ کو سُننے والے اور حرام مال کے کھانے والے ہیں۔ لہٰذا اگر یہ آپؐ کے پاس (مقدمات لے کر) آئیں تو آپؐ اُن کا فیصلہ کر دیں یا انکار کر دیں۔ اگر آپؐ انکار کر دیں گے تو وہ آپؐ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اور اگر فیصلہ کریں تو پھر اُن کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیجے۔ یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

تفسیر

''سُحْتِ'' کیا ہے؟ تفصیل ملاحظہ فرمائیں

''سُحْتِ'' کے لفظی معنی حرام کے ہیں لیکن اس لفظ کے اصلی معنی ''جڑ سے اُکھاڑ پھینکنا'' اور ''محروم کر دینا'' ہوتا ہے۔ کیونکہ حرام مال خدا کی برکت سے محروم کر دیتا ہے اور حرام کھانے والے کو خدا جڑ سے اُکھاڑ پھینکتا ہے۔ اس لیے حرام مال کو ''سُحْتِ'' کہتے ہیں (تفسیر صافی ص ۱۴۵)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے جب ''سُحْتِ'' کے معنی پوچھے گئے تو آپؑ نے فرمایا: ''وہ رشوت ہے کسی معاملے کے فیصلے کرنے میں لی جائے۔ نیز مُردار کی قیمت، کُتّے، شراب کی قیمت، زنا کرنے والی عورت کی خرچی، کاہن کی اُجرت غیر شکاری کتّوں کی قیمت (وغیرہ) یہ سب ''سُحْت'' ہے۔ نیز وہ مال بھی ''سُحْت'' ہے جو دھوکہ دے کر وصول کیا جائے اور یتیم کا مال (ناجائز طور پر کھانا) بھی سُحْت'' ہے۔ شراب یا نیند کی قیمت اور سود بھی ''سُحْت'' ہیں اور یہ خدا اور رسولؐ کے ساتھ کفر بھی ہیں۔'' (کافی)

مولائے متّقیان ابوالائمہؑ حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ سے روایت ہے کہ مولائے کائنات، سردارِ انبیاء جناب ابوالقاسم رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''سُحْت'' کھانے والوں سے وہ شخص بھی مراد ہے جو اپنے برادر مومن کا کوئی کام کرے اور اُس کے عوض ہدیہ قبول کرے۔'' (عیون اخبار الرضاؑ)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''جو حاکم (فیصلہ کرنے والے جج ومنصف) ظالم بادشاہ سے تنخواہ پاتے ہیں، اُن کی تنخواہ بھی ''سُحت'' ہے۔ (من لایحضرہُ الفقیہ)

(غرض کہ ہر مالِ حرام ''سُحت'' ہے۔)

حضرت امام محمد باقرؑ نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا کہ:

''مسلمان حاکم (قاضی) کے پاس جب اہلِ تورات وانجیل اپنے جھگڑے لے کر آئیں تو اُس کو اختیار ہے کہ چاہے تو اُن کا فیصلہ کردے اور چاہے تو انکار کردے۔'' (تفسیر صافی ص ۱۲۵ بحوالہ التہذیب)

غرض آیت میں یہ آصول بتایا جارہا ہے کہ اگر یہودی یا عیسائی، اسلامی عدالت میں اپنا مقدّمہ لائیں تو اُنھیں مقدّمہ لانے کی اجازت ہے۔ لیکن اگر وہ یہ چاہیں کہ اُن کے مقدمے کا فیصلہ اُن کی شریعت کے مطابق ہو تو اُن کو اختیار ہے کہ وہ اپنا مقدّمہ اپنے مذہبی علماء یا قاضیوں کے پاس لے جائیں۔ (مجمع البیان اور شاہ ولی اللہ)

یہودیوں اور منافقوں میں یہ صفت مشترک ہے کہ وہ جھوٹ اور باطل کے بہت سننے والے اور قبول کرنے والے ہوتے ہیں۔ (تفسیر کبیر۔ بیضاوی)

نتیجہ:۔ علماءِ اخلاق نے نتیجہ نکالا کہ ''اس آیت میں اُس شخص کی مذمّت نکل رہی ہے جو اہلِ علم کے پاس علم سیکھنے یا احکامات خداوندی پر عمل کرنے کے لیے نہیں آتا، بلکہ اِس اُمید پر علماء سے سوال کرتا رہتا ہے کہ اگر اُسے اُس کی مرضی کے مطابق کوئی فتویٰ مل گیا تو وہ اُس کو اپنے کسی جُرم کا بہانہ یا سِپر بنالے گا۔ (تھانوی)

تورات میں ہے:

''اپنے سارے فرقوں میں قاضی اور حاکم مقرّر کیجیو۔ وہ انصاف سے لوگوں کی عدالت کریں تو عدالت میں مقدّمہ مت بگاڑیو۔ طرفداری نہ کیجیو اور نہ رشوت لیجیو کہ رشوت دانشمند کی آنکھوں کو اندھا کردیتی ہے۔ اور صادق کی باتوں کو پھیر دیتی ہے۔ (استثناء ۱۶:۱۸، ۱۹)

آیت نمبر ۴۳

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۳

ترجمہ

اور وہ آخر آپؐ کو کیوں فیصلہ کرنے والا ثالث بناتے ہیں جبکہ تورات تو خود اُن کے پاس موجود ہے، جس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے۔ اور پھر بھی یہ لوگ اُس سے مُنھ موڑتے ہیں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ کسی بھی ابدی حقیقت کو نہیں مانتے۔

تفسیر

یہودی نہ تورات پر عمل کرنا پسند کرتے ہیں اور نہ قرآن کے فیصلے کو مانتے ہیں۔

دو دولت مند یہودیوں نے زنا کیا۔ جس کی سزا تورات میں سنگسار کرنا ہے۔ مگر کیونکہ وہ دونوں دولت مند تھے اس لیے یہودی علماء نے ان دونوں کو جناب رسولِ خداؐ کے پاس بھیج دیا۔ تاکہ شاید آپؐ اُن کو کوئی ہلکی سزا دے کر چھوڑ دیں۔ مگر آپؐ نے بھی اُن کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ نہ مانے تو آپؐ نے ایک بڑے یہودی عالم کو بُلا کر اقرار کروایا کہ تورات میں ایسے جُرم کی یہی سزا ہے۔ (مجمع البیان)

آیت نمبر ۴۴

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ

اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ

بیشک ہم نے تورات کو نازل کیا جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔(سارے) انبیاء جو خدا کے حکم کے سامنے سر جُھکا دینے والے تھے، اِسی کے مطابق یہودی بن جانے والوں کے مقدمات کے فیصلے کرتے تھے۔اور اسی طرح علماء اور مشائخِ یہود (فیصلے کرتے تھے) کیونکہ اُنھیں اِسی کتاب خدا کی حفاظت کا ذمّے دار بنایا گیا تھا۔اور وہ اس (حقیقت) کے گواہ بھی تھے۔تو (اے یہودیو!) تم لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرتے رہو۔ا۔ اور میری آیتوں کو تھوڑی سی رقم لے کر نہ بیچ ڈالو۔ اب جو بھی اللہ کے اُتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرے گا تو ایسے ہی لوگ تو ''کافر'' یعنی اللہ کے قانون اور اللہ کی کتاب کے انکاری ہیں۔

تفسیر

علماءِ یہود کس بات سے خوفزدہ تھے۔

ا یہودی وعیسائی علماء کا لوگوں سے ڈرنا یہ تھا کہ اگر ہم نے جناب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی اُس تصدیق کو بیان کر دیا جو تورات اور انجیل میں موجود ہے، تو ہمارے عوام ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔یہی وہ حُبِّ جاہ اور حُبِّ مال تھا جس کی وجہ سے اُنھوں نے تصدیق نہ کی۔کیونکہ اگر حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کر دی تو نذرانے ملنے بند ہو جائیں گے۔ (ماجدی)

* علماءِ یہود کا سب سے بڑا جُرم یہ تھا کہ وہ اپنے گھڑے ہوئے قوانین اور مسائل کو خدا کے احکامات بتا کر فتوے دیا کرتے تھے۔ایسے لوگوں کو کافر کہا جا سکتا تھا۔ (ابنِ جریر۔قرطبی)

* خدا کا یہ فرمانا کہ ''لوگوں سے نہ ڈرو'' حقیقت میں علماءِ یہود سے خطاب ہے جو بہت سی حقیقتوں کو اپنے فائدوں کی خاطر یا لوگوں کے خوف سے چھپاتے تھے۔ (مجمع البیان)

* امام رازی نے لکھا کہ جب تک کوئی آدمی کسی حکم خدا کو دل سے مان رہا ہے اور زبان سے اُس

کا اقرار کر رہا ہے، وہ کافر نہیں کہلا یا جا سکتا۔ اگر اُس کا عمل حکمِ خدا کے مخالف ہے، تو گناہگار ضرور کہلا یا جائے گا لیکن باغی یا منکر نہیں کہلا یا جا سکتا۔ (تفسیر کبیر، بقولہ عکرمہ)

* تفسیر صافی میں صادقین علیہا السّلام سے بروایت کافی منقول ہے کہ جو شخص دو درہموں کے متعلق بھی خدا کے نازل کردہ حکم کے خلاف فیصلہ کرے گا جس کے پاس حکومت کی لاٹھی اور تازیانہ ہو تو گویا شریعتِ محمدؐیہ کا اُس نے کفر کیا۔ (تفسیر انوار النجف ج ۵ ص ۱۱۳)

آیت نمبر ۴۵

وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ

اور ہم نے تو تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان لی جائے گی اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت، اور تمام زخموں میں برابر کا بدلہ ہوگا ۱۔ اب جو اس میں فیّاضی سے کام لے اور قصاص کو معاف کر دے ۲ تو یہ اُس کے لیے کفّارہ ہے۔ اور جو لوگ بھی اللہ کے اُتارے ہوئے احکام و قوانین کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہی لوگ ظالم یعنی زیادتی کرنے والے ہیں۔

تفسیر

بدلہ، (قِصاص) اور تَصَدَّق کا مطلب

۱ تورات میں یہودیوں پر قصاص فرض کیا گیا تھا کہ جان کے بدلے جان لی جائے گی، آنکھ کے بدلے آنکھ نکالی جائے گی، ناک کے بدلے ناک کاٹی جائیگی، کان کے بدلے کان کاٹا جائے گا، دانت کے بدلے دانت توڑا جائے گا۔ جو جیسا زخم لگائے گا، اُس کے بدلے میں ویسا ہی زخم اُس کو لگایا جائے گا۔ (تفسیر صافی ص ۱۲۰)

۲ *حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''زخموں وغیرہ سے جتنی مقدار کوئی شخص معاف کرے گا اللہ اُس مقدار کے مطابق اُس کے گناہ معاف کردے گا۔'' (تفسیر صافی ص ۱۳۶ بحوالہ کافی)

*غرض تورات میں بھی حکمِ قِصاص بھی وہی ہے جو اسلام میں ہے۔ (تبیان)

* یہاں فیّاضی سے کام لینے کا مطلب معاف کرنا ہے۔ (مجمع البیان)

* فیّاضی کے دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ قِصاص دینے کے لیے تیار ہوجائے اور خود کو عدالت میں پیش کردے۔ (جلالین)

* اب اگر قاتل خوشی سے قِصاص دینے کے لیے تیار ہوگیا تو آخرت میں اُس سے باز پُرس نہ ہوگی، مگر پہلی تفسیر زیادہ واضح ہے۔ یعنی قصاص لینے والا معاف کردے۔ (تبیان)

* موجودہ تورات میں بھی اتنی کچھ تحریفات کے باوجود لکھا ہے کہ:

''اگر وہ اس صدمے سے ہلاک ہوجائے تو جان کے بدلے میں جان لے اور آنکھ کے بدلے میں آنکھ۔ دانت کے بدلے دانت اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ۔ پاؤں کے بدلے پاؤں۔ جلانے کا بدلہ جلانا۔ زخم کا بدلہ زخم، چوٹ کا بدلہ چوٹ۔'' (خروج ۲۱: ۲۳ سے ۳۵)

* حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ:

''جُرم معاف کردینے کا ثواب بہت زیادہ ہے۔'' (صافی بروایت کافی بحوالہ تفسیر انوار النجف ۱۱۴)

آیت نمبر ۴۶

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۴۶

ترجمہ

اور پھر ہم نے اُن (پیغمبروںؑ) کے پیچھے مریمؑ کے بیٹے عیسٰیؑ کو بھیجا۔ وہ اس تورات میں سے جو کچھ اُس کے سامنے موجود تھا اُس کی تصدیق کرنے والا تھا۔ اور ہم ہی نے اُن کو انجیل دی جس میں صحیح رہنمائی اور ہدایت کی روشنی تھی۔ اور وہ تورات میں سے جو کچھ بھی اُس وقت موجود تھا، اُس کی تصدیق کرنے والی تھی۔ اور ''متّقین'' یعنی برائیوں سے بچنے والوں کے لیے سراسر ہدایت و نصیحت تھی۔

تفسیر

حضرت عیسٰی علیہ السلام تورات کے مصدِّق تھے۔

نتیجہ:۔ محققین نے نتیجہ نکالا کہ حضرت عیسٰیؑ تورات کی شریعت کو منسوخ کرنے نہیں آئے تھے۔ وہ تورات کی تصدیق کرنے والے بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اور خود انجیل میں بھی تورات کی تصدیق موجود ہے۔ (تبیان)

حضرت عیسٰیؑ نے فرمایا: ''یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے کے لیے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں، بلکہ اُن کو پورا کرنے آیا ہوں۔'' (متی ۵:۱۷)

یعنی میں انبیائے بنی اسرائیل کے نقشِ قدم پر چلنے اور چلانے کے لیے آیا ہوں۔ (ابن جریر)

آیت نمبر ۴۷

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴۷

ترجمہ

اور انجیل والوں کے لیے لازم ہے کہ وہ اُس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اُس میں اُتارا ہے۔ا۔ جو کوئی اللہ کے اُتارے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے گا، تو وہی لوگ ''فاسق ''(یعنی) بدکردار اور بداعمال ہوں گے۔

تفسیر

اہلِ انجیل کو کیا حکم دیا گیا تھا

ا انجیل کے لیے بھی خدا کا یہ فرمانا کہ: ''جو اللہ نے اس میں اُتارا'' اُس کی اصل کے لحاظ سے ہے۔یعنی جس حکم سے متعلق یہ آیت اُتری ہے، وہ حکم کے اصلی حالت میں ہونے کے اعتبار سے ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ قرآن کے نزول کے زمانے میں جن باتوں کی قرآن نے تصدیق کی ہے وہ آج تورات، انجیل میں موجود ہوں۔ اس لیے کہ ہر دور میں انجیل اور تورات میں تبدیلیاں ہوتی چلی آئی ہیں۔ (فصل الخطاب)

"وَلْيَحْكُمْ" سے مراد یہ ہے کہ جب ہم نے ان کو انجیل دی تھی تو ہم نے یہ حکم بھی ساتھ ساتھ دیا تھا کہ اے انجیل والو! لوگوں تک انجیل کے صحیح احکام پہنچانا' اور اُس وقت انجیل کے حکم ہی رائج و نافذ تھے۔ (یہ حکم قرآن نازل ہونے سے قبل تھا۔ کیونکہ قرآن نازل ہونے کے بعد دیگر آسمانی کتابوں کے احکام منسوخ اور احکام قرآن نافذ ہوئے) (تفسیر انوار النجف جلد ۵ ص ۱۱۵)

آیت نمبر ۴۸

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۙ﴿۴۸﴾

ترجمہ

اور ہم نے آپؐ پر یہ کتاب حق کے ساتھ اُتاری ہے، تصدیق کرتی ہوئی اُس کتاب کی جو اس سے پہلے ہے، اور اُس کی حفاظت بھی کرتی ہے۔ لہٰذا آپؐ لوگوں کے درمیان اِسی کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اُتارا ہے اور جو حق آپؐ کے پاس آ گیا ہے، اُس سے ہٹ کر اُن کی خواہشات کی پیروی ہرگز نہ کیجئے ۱۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور راستہ مقرر کر دیا ہے ۲۔ اور اللہ چاہتا تو سب کے سب کو (جبراً) ایک ہی گروہ بنا دیتا۔ لیکن جو کچھ بھی اُس نے تم کو دیا ہے، اُس میں تمھارا امتحان لیتا ہے۔ لہٰذا نیکیوں میں سبقت کرو۔ تم سب کو اللہ ہی کی طرف پلٹنا ہے۔ پھر وہ تم کو اصل حقیقت بتا دیگا جس میں کہ تم (لوگ ایکدوسرے سے) اختلاف کرتے تھے۔

تفسیر

اِس آیت کا مطلب یہ ہے

۱۔ کہ جناب رسولِ خداؐ تمام نازل شدہ کتابوں کے محافظ تھے۔ تاکہ اُن کی صحّت کی گواہی دیں۔ ان کو تغیر و تبدُّل سے پاک کریں۔

۲۔ ''شریعت'' اصل میں پانی کی طرف جانے والے راستے کو کہتے ہیں۔ خدا نے اپنے دین کو شریعت اس لیے کہا کہ یہ ابدی زندگی حاصل کرنے کا سبب ہے۔ جسے پانی دنیا کی زندگی قائم رکھنے کا سبب ہوتا ہے۔ (تفسیر صافی ص ۱۳۶)

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: ''جس وقت خدا نے کسی نبیؑ کی وہ دُعاء قبول کی جس کی خواہش اُس نبیؑ کی قوم نے کی تھی، تو خدا نے ہر ویسی قوم کے لیے ایک شریعت اور ایک طریقۂ زندگی مقرّر کر دیا۔ شریعت اور منہاج سے مراد وہی راستہ اور سُنّت ہے۔ پھر ہر نبیؑ کو حکم دیا کہ اس کی اُمّت اُس شریعت اور سُنت کی پیروی کرے۔ مثلاً جو شریعت اور سُنّت حضرت موسیٰؑ کے لیے معین کی تھی اُس میں ''سبت'' (ہفتہ) کے دن کا مقرّر کیا جانا بھی تھا۔ (کہ ہفتے کے دن کوئی کاروبار نہ کیا جائے۔) (تفسیر صافی س ۱۳۶ بحوالہ کافی)

غرض اس آیت میں اہلِ تورات، اہل انجیل اور مسلمانوں، سب سے مشترکہ طور پر خطاب فرمایا گیا کہ: ''ہم نے ہر ایک کے لیے ہر دور میں ایک شریعت اور ایک راستہ مقرّر کیا تھا۔ جب تورات بھیجی تھی تو اُس پر عمل لازمی تھا، پھر جب انجیل بھیجی تو انجیل پر عمل لازم ہو گیا۔ اب جبکہ قرآن بھیجا ہے تو قرآن پر عمل لازم ہے

کیونکہ قرآن سب سے آخری کتاب ہے۔ (مجمع البیان)

قرآن پچھلی تمام آسمانی کتابوں کے قانون اور تحریفات کو جانچنے کا معیار ہے (ملخص از تفسیر کبیر)

آیت نمبر ۴۹۔۵۰

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ

اَنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّصِیْبَھُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِھِمْ ؕ وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

اَفَحُکْمَ الْجَاھِلِیَّۃِ یَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ حُکْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

ترجمہ

لہٰذا تم اللہ کے اُتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ کرو اور اُنکی خواہشات کی پیروی نہ کرنا اور اُن سے ہوشیار رہنا کہ وہ کہیں تم کو کسی ایسے حکم سے ہٹانے کی کوشش نہ کریں جو اللہ نے تم پر اُتارا ہے اب بھی وہ اگر منھ موڑیں تو پھر جان لو کہ اللہ اُنھیں اُن کے کچھ گناہوں کی سزا دینا چاہتا ہے۔ کیونکہ یہ تو حقیقت ہے کہ زیادہ تر لوگ فاسق (بدکار) ہیں۔

تو کیا یہ لوگ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں اُن کے لیے اللہ سے بڑھ کر اچھا فیصلہ کس کا ہوگا؟

تفسیر

۱ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے دو فیصلے اہلِ کتاب کے جھگڑوں کے کیے تھے جو آپؐ کے پاس لائے تھے۔ ایک تو ایسے مرد کی زنا سے متعلق تھا جو اُس نے ایک شادی شدہ عورت کے ساتھ کیا تھا اور دوسرا قتل سے متعلق تھا جو اُن میں آپس میں واقع ہوا تھا۔ (تفسیر مجمع البیان)

''جاہلیت'' کے معنی اپنی مرضی کے فیصلے کرنا یا کرانا ہوتا ہے۔

یہودیوں نے خدائی احکامات کو نظر انداز کر کے مدینے میں اپنی مرضی کے قوانین نافذ کر رکھے تھے۔ (ملخص از ماجدی)

آیت نمبر ۵۱

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۱﴾

ترجمہ

اے ایمان لانے والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ یہ لوگ تو بس ایک دوسرے کے دوست ۲ ہیں اور تم میں سے جس کسی نے بھی اِن سے دوستی کی، تو وہ اُن ہی میں سے ہے ۲۔ یقیناً خدا ظالموں کو سیدھا راستہ دکھا کر منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

تفسیر

غیر مسلموں سے دوستی نہ کی جائے

۱ مطلب یہ ہے کہ غیر مسلموں اور اہلِ کتاب کی امداد پر دوستانہ اعتماد نہ کرو اور نہ ان کے ساتھ دوستانہ میل جول رکھو۔ جو شخص اُن سے دوستانہ مدد مانگے، وہ اُنھیں جیسا کافر سمجھا جائے گا۔ (تفسیر صافی ص ۱۳۶)

۲ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ ''جو شخص آلِ محمدؐ سے دوستی رکھے گا اور جیسی بزرگی اور عظمت اُن کو میری (جناب رسولِ خداؐ کی) قرابت کی وجہ سے حاصل ہے ویسے ہی اُنھیں تمام دوسرے آدمیوں سے بزرگ اور مقدّم سمجھے گا تو ہمارے (محمدؐ و آلِ محمدؐ) کے نزدیک بمنزلہ آلِ محمدؐ ہوگا۔ اور یہ بات حضرت ابراہیمؑ کے اس قول سے ثابت ہے کہ: فرمایا: "مَنِ اتَّبَعَنِیْ فَهُوَ مِنِّیْ" یعنی جو میری پیروی کرے گا وہ مجھ سے ہو جائے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو آلِ محمدؐ کی پیروی کریگا وہ اُن کے تابعداروں کے گروہ میں سمجھا جائے گا۔'' (تفسیر عیاشی)

آیت نمبر ۵۲

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ

تم دیکھتے ہو کہ جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ اُن کے حلقوں میں بڑی ہی تیزی سے دوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ ڈر ہے کہ کہیں ہم پر کوئی آفت نہ آ جائے اور عنقریب جب اللہ تمھیں پوری فتح بخشے گا، یا اپنی طرف سے کوئی اور بات دکھائے گا، تو پھر یہ لوگ اُس پر جو یہ اپنے دلوں میں چھُپائے ہوئے ہیں، بڑے ہی شرمندہ ہوں گے۔

تفسیر

منافقین کی ذہنیت

مطلب یہ ہے کہ منافق ہمیشہ اس بات کی اُمید رکھتے ہیں کہ مسلمان کسی گردش میں پھنس جائیں اور اُن کے معاملات خراب ہو جائیں اور کفّار اُن پر غالب آ جائیں۔

عبادہ بن صامت نے جناب رسولِ خداؐ سے پوچھا کہ بہت سے یہودی میرے اچھے دوست ہیں، مگر میں اُنکی دوستی کو خدا اور اُس کے رسولوں کی خاطر چھوڑتا ہوں، اور خدا اور اُس کے رسولؐ کی دوستی کو اختیار کرتا ہوں۔''

اس پر ابنِ اُبی نے کہا کہ: ''میں تو ایسا شخص ہوں جو زمانے کی گردش سے ڈرتا ہو۔ اس لیے میں اپنے دوستوں کی دوستی نہیں چھوڑتا''۔ اُس کی ردّ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر صافی ص ۱۳۶)

آیت نمبر ۵۳

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝۵۳

ترجمہ

تو اُس وقت اہلِ ایمان کہیں گے: ''کیا یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کے نام کی بڑی بڑی قسمیں کھا کھا کر ہمیں یقین دِلایا کرتے تھے کہ ہم تو تمھارے ہی ساتھ ہیں۔'' اب اُن کے تمام کے تمام کام اَکارت ہو گئے، اور وہ بڑا ہی نقصان اُٹھانے والے نامراد ہو کر رہے۔

تفسیر

منافقوں کا بُرا انجام

اس میں منافقوں کی آخرت کے بُرے انجام کو بتایا گیا ہے۔ یہ بات قیامت کے دن مومن کہیں گے۔ (شاہ ولی اللہ)

ممکن ہے کہ دُنیا ہی میں منافقوں کا راز فاش ہونے کے بعد مسلمان حیران ہو کر ایسا کہیں اب نقصان اُٹھانے کا مطلب پہلے معنی کے اعتبار سے آخرت کی سزا ہے۔ اور دوسرے معنی کے لحاظ سے نقصان اُٹھانے سے مراد منافقوں کا منصوبہ ناکام ہو جانا ہے۔ (جلالین۔تبیان)

منافقوں کے اعمال حبط ہونے کے معنی اُن کی ظاہری عبادتیں، اطاعتیں یا منافقانہ چالوں اور دورُخی کاروائیوں کا بھی برباد ہو جانا ہے، اور ظاہری نمازوں وخیراتوں کا بھی بے معنی ثابت ہو جانا ہے۔

آیت نمبر ۵۴

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ۫ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىِٕمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۴﴾

ترجمہ

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، اگر تم میں سے کوئی بھی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے)، خدا اور بہت سے ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا اور جو اُس سے محبت کرتے ہوں گے ۱۔ وہ ایمانداروں پر نرم و مہربان و متواضع ہوں گے اور منکرینِ حق کے مقابلے پر بڑے ہی سخت ہوں گے، وہ اللہ کی راہ میں سخت جہاد کریں گے، اور ملامت کرنے والوں کی ملامت سے خوفزدہ نہ ہوں گے ۲۔ اِن (اوصاف کا ہونا) اللہ کا خاص فضل و کرم ہے، جسے بھی وہ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تو بڑی سمائی والا، وسیع ذرائع کا مالک اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

تفسیر

اللہ، امیر المومنینؑ کے اوصاف کی نشاندہی فرما رہا ہے۔

۱ آیت کا حاصلِ مطلب یہ ہے کہ اگر تم دینِ اسلام سے پھر جاؤ گے تو ہرگز اللہ کے دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے۔ اِس لیے کہ خدا اپنے دین کو حمایت کرنے والوں سے خالی نہیں چھوڑتا۔ (تفسیر صافی ص ۱۳۶)

۲ بعض مفسّرین کا خیال ہے کہ اس آیت میں اُن مسلمانوں کی تعریف کی گئی ہے جنھوں نے روم اور ایران جیسے ملکوں کو فتح کیا۔ مگر کیا کیا جائے جو صفتیں اس آیت میں بیان کی جارہی ہیں، وہ اُن فاتحین پر منطبق ہی نہیں ہوتیں۔ تاریخ کے اعتبار سے یہ صفات جناب رسولِ خداؐ اور حضرت علیؑ کے اُن ساتھیوں پر منطبق ہوتی ہیں جنھوں نے بعدِ رسولؐ منافقین کے خلاف جہاد کیا۔ جنابِ رسولِ خداؐ نے بھی روزِ خیبر یہ صفت حضرت علیؑ ہی کے لیے بیان فرمائی تھی۔ آپؐ نے فرمایا تھا: ''میں کل اُس مرد کو علَم دوں گا، جو برھ بڑھ کر حملے کرنے والا ہوگا، اللہ اور اُسکا رسولؐ اُس سے محبت کرتے ہوں گے اور وہ خدا اور اُس کے رسولؐ سے محبت کرنے والا ہوگا۔'' (بخاری شریف، مجمع البیان)

لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلاً یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ کَرَّارًا غَیْرَ فَرَّارٍ لَا یَرْجِعُ حَتّٰی یَفْتَحُ اللّٰہُ عَلٰی یَدَیْہِ ثُمَّ اَعْطَاھَا اِیَّاہُ (الحدیث)

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت امام مہدیؑ اور اُن کے ساتھی ہیں، جو دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ (تفسیر علی ابن ابراہیم)

''تفسیر مجمع البیان میں ہے۔ جناب رسالتمآبؐ سے اسکے معنی دریافت کیے گئے ''فَسَوْفَ یَاْتِیَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ'' تو آپؐ نے سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: ''اسکے ساتھی مراد ہیں پھر فرمایا: ''لَوْ کَانَ الدِّیْنُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّا لَتَنَاوَلَہٗ رِجَالٌ مِّنْ اَبْنَآءِ فَارِس'' یعنی: اگر دین کو ثریا جیسی بلندی پر بھی لٹکا دیا جائے تب بھی اُس کو ایران کے لوگ حاصل کرلیں گے: (بحوالہ تفسیر انوار النجف جلد نمبر ۵ ص ۱۲۰)

آیت نمبر ۵۵

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ ﴿۵۵﴾

ترجمہ

تمھارا حاکم و سرپرست صرف اللہ ہے اور اُس کا رسول ہے اور وہ ایماندار لوگ ہیں جو نماز ادا کرتے ہیں اور اِس حال میں کہ وہ رُکوع میں ہوں خیرات دیتے ہیں۔

تفسیر

بے مثال ولی بے مثال نماز گذار، بے مثال رکوع میں بے مثال خیرات دینے والے بے مثال فرد علیؑ وصیِ نبیؐ

حضرت امام جعفر صادق ؑ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت علی ابن ابی طالبؑ ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ آپؑ کے بدن پر ایک حُلّہ یعنی بہت قیمتی لباس تھا۔ جس کی قیمت ایک ہزار دینار تھی۔ وہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے جناب رسولِ خداؐ کو بطور ہدیہ (تحفہ) دیا تھا۔ وہی لباس آپؐ نے حضرت علیؑ کو عطا فرما دیا تھا۔ حضرت علیؑ رکوع کے عالم میں تھے کہ ایک سوالی نے آ کر کہا: "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاوَلِیَّ اللّٰہِ وَاَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔" "(یعنی)" سلام ہو آپؑ پر اے اللہ کے دوست (ولی) اور اے وہ جو کہ مومنین کے نفوس پر اُن سے بھی زیادہ حقِّ تصرّف رکھتے ہیں۔" مجھ مسکین کو کچھ صدقہ دیجیے۔" آپؑ نے اُسی رکوع کے عالم میں اپنے لباس کے اوپر سے وہ حُلّہ اُتار پھینکا اور انگلی سے اُس کی طرف اشارہ کیا کہ اُسے اُٹھا لو۔ اِسی واقعے پر خدا نے یہ آیت اُتاری۔ اصل میں وہ سوال کرنے والا خدا کا بھیجا ہوا ایک فرشتہ تھا۔" (تفسیر صافی صافی ص ۷ ۱۳ بحوالہ کافی)

اہلِ سنّت کے مفسّرین نے اِس آیت کی شانِ نزول میں ایک طویل حدیث تحریر فرمائی ہے جس کو اختصار سے نقل کیا جاتا ہے: "جناب ابوذر غِفاریؓ فرماتے ہیں کہ واقعہ ظہر کی نماز میں اُس وقت ہوا جب ہم آنحضرتؐ کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک سائل نے سوال کیا، جب اُسے کچھ نہ ملا تو اُس نے خدا سے شکایت کی کہ اے خدا تُو گواہ رہیو، میں نے تیرے نبیؐ کی مسجد میں سوال کیا اور مجھے کسی نے کچھ نہ دیا۔ اُس وقت جناب امیر المومنین حضرت علیؑ نے سائل کو اپنی اُنگلی سے انگوٹھی اُتارنے کا اشارہ کیا۔ سائل نے انگوٹھی اُنگلی سے اُتار لی۔ اس کے بعد جب آنحضرتؐ کو اس کا علم ہوا تو آنحضرتؐ نے دُعا مانگی: "الٰہی میرے بھائی موسیٰؑ نے تجھ سے استدعاء کی تھی: "رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ۔۔۔ الخ (سورہ طٰہٰ)

"میرے پروردگار! میرے سینے کو کشادہ کر دے اور میرے کام کو آسان بنا دے اور میری زبان کی گرہ کو کھول دے تا کہ لوگ میری باتیں سمجھ سکیں اور میرے اہل سے میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر بنا دے تا کہ اُس کی وجہ سے میری کمر مظبوط ہو جائے اور میرے کام میں اُس کو میرا شریک بنا دے۔" پس اے اللہ! تُو نے اپنا فرمان اُن پر نازل فرمایا کہ: "ہم تیرے بھائی کی وجہ سے تیرے بازو قوی کر دیں گے اور تم دونوں کو غالب بنا دیں

گے اورتم دونوں کو غالب بنادیں گے۔'' الٰہی میں محمدؐ ہوں اور تیرا برگزیدہ نبی ہوں پس میرے سینے کو بھی کشادہ کردے اور میرے کارِرسالت کو آسان بنادے اور میرے اہل بیتؑ میں سے میرے بھائی علیؑ کو میرا وزیر بنادے اور اُس کی وجہ سے میری کمر کو مضبوط بنادے۔'' ابوذرؓ کہتے ہیں کہ یہ دعاء ختم نہ ہوئی تھی کہ یہ آیت نازل ہوئی اور علیؑ کو ولایت کی سند مل گئی۔ (تفسیر ثعلبی، اسباب نزول، تفسیر کشاف، سُنن نسائی، ابنِ حوزی، مناقب خوارزمی، تذکرۃ الخواص، ریاض النفرۃ بحوالہ روح القرآن ص ۱۹۴)

آیت نمبر ۵۶

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ

اور جو اللہ اور اُس کے رسولؐ اور ایمانداروں سے تولیٰ رکھے تو یقین رکھے کہ اللہ کا لشکر ہی غالب آنے والا ہے۔

تفسیر

اللہ اور رسولِ خداؐ اور اہل ایمان کو اپنا سرپرست بنانے والوں کو اللہ اور رسولؐ اور ایماندوں سے تولیٰ کرنے والا کہا جاتا ہے۔ یہی لوگ اللہ کا لشکر ہیں جو بالآخر امام مہدیؑ کی قیادت میں دُنیا پر غالب آکر رہیں گے۔ اور آج بھی وہ اپنے دلائل کے اعتبار سے غالب ہیں اور حقیقتاً غلبہ مومنین ہی کے لیے ہے اگرچہ خدا کی خاص حکمت اور امتحان کے سبب سے یہ ممکن ہے کہ دنیا میں کسی خاص وقت اُن کا ظاہری غلبہ اور سربلندی نمایاں نہ ہو۔ لیکن آخرت میں تو اُن کو غلبہ بہرحال ظاہر ہو کر ہی رہے گا۔ جو ابدی اور حقیقی غلبہ ہوگا۔

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اُس کے زور بازو کا
نگاہِ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ڈاکٹر اقبال

آیت نمبر ۵۷

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝۵۷

ترجمہ

اے ایماندارو! اُس جماعت میں سے جنھیں تم سے پہلے (آسمانی) کتاب دی گئی ہے جن لوگوں نے تمہارے دین کو کھیل اور مذاق سمجھ رکھا ہے، اور مُنکرینِ حق کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ ایسا کرتے ہوئے اللہ کے غضب سے ڈرو اگر تم (واقعی) ایمان والے ہو۔

تفسیر

دینِ خدا کا مذاق اڑانے والوں سے دوستی نہ کرو

کیونکہ اہلِ کتاب مسلمانوں کے دین کی ہنسی اُڑایا کرتے تھے اس لیے ان سے دوستی کی مخالفت کی گئی۔ یہ اس لیے کہ یہ بات خدا سے دوستی کے تقاضوں کے نہایت خلاف ہے کہ جو خدا کے دین کا مذاق اُڑائیں اُن سے دوستی رکھی جائے۔

یہ جو کہا گیا کہ ''وہ دین کا مذاق اُڑاتے تھے'' تو اس کے بارے میں روایات بتاتی ہیں کہ وہ لوگ نماز اور اذان تک کا مذاق اُڑاتے تھے۔ مدینے کا ایک یہودی اذان کے وقت جب رسولِ خداؐ کا نام آتا تھا تو کہتا تھا کہ (معاذ اللہ) ''اللہ جھوٹے کو جلائے''۔ چنانچہ ایک رات خود اس کا نوکر آگ لے کر اُس کے گھر میں داخل ہوا جبکہ اُس کے سارے گھر والے سو رہے تھے۔ آگ سے ایک چنگاری اُڑی جس نے مکان سمیت اُس کو اور اُس کے سارے گھروں کو جلا کر راکھ کر دیا۔ (خَس کم جہاں پاک) (تفسیر صافی ص ۱۳۸)

نتیجہ: فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ اس آیت نے اُن سب لوگوں سے قطع تعلّقات کو واجب قرار دیا ہے کہ جو دینِ حق کا مذاق اڑاتے ہیں۔ (تفسیر کبیر) اور مشرکوں سے بھی مدد لینا ناجائز ہے۔ (جصّاص)

آیت نمبر ۵۸۔۵۹

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

ترجمہ

اور جب تم نماز کے لیے اذان دیتے ہو تو وہ اُسے ہنسی کھیل اور مذاق بنا لیتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ بے عقل ہیں۔

کہہ دو کہ اے اہلِ کتاب! آخر تم ہماری کس بات پر ناراض ہو سوا اس کے کہ ہم نے اللہ کو مانا اور اُس کو مانا جو ہم پر اُتارا گیا اور اُس کو بھی جو پہلے اُترا تھا۔ حالانکہ تم میں سے اکثر نافرمان ہیں۔

تفسیر

آیت نمبر ۵۸ شروع میں تو بُت پرستوں کو کافر کہا جاتا تھا۔ کیونکہ وہ خدا اور رسولوں کو نہیں مانتے تھے۔ اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے ماننے والوں کو اہلِ کتاب کہا جاتا تھا۔ مگر کیونکہ بہت سے اہل کتاب نے جناب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اور قرآن کو نہ مانا، اِس لیے پھر وہ بھی کافروں میں شامل ہو گئے۔ اس لیے کہ کافر اُسی کو کہتے ہیں جو ابدی حقیقتوں کو ماننے سے انکار کر دے۔ (تبیان)

آیت نمبر ۵۹: مطلب یہ ہے کہ اے اہلِ کتاب! اگر تمھارے نزدیک ایمان لانا اور ہمارے اور کتاب

نازل ہونا بہت بُری باتیں ہیں تو اس سے کہیں زیادہ بُری باتیں تو وہ ہیں جو تمھارے اندر پائی جاتی ہین۔ گویا اُن کے ضمیر اور دل و دماغ کو جھنجوڑا جارہا ہے۔ (تفسیر کبیر)

آیت نمبر ۶۰

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾

ترجمہ

(پھر) کہو کہ کیا میں تم کو اُن لوگوں کی خبر دُوں جن کا انجام خدا کے ہاں فاسقوں اور بدکاروں سے بھی بدتر ہے؟ یہ وہ ہیں کہ جن پر خدا نے لعنت کی، جن پر اس کا غضب ٹوٹا، جن میں سے خدا نے کچھ کو بندروں اور سوروں کی شکل میں کر دیا، اور جس نے ''طاغوت'' (یعنی) باطل معبودوں، حاکموں کی بندگی کی، یہی لوگ بدترین درجہ اور جگہ (جہنّم) پانے والے اور سیدھے راستے سے بہت ہی زیادہ ہٹے ہوئے ہیں۔

تفسیر

خدا کی نافرمانی کا دنیا ہی میں بدترین انجام

روایات بتاتی ہیں کہ جن یہودیوں نے ''سَبْت'' یعنی ہفتے کے دن کے احکاماتِ خدا کی تعمیل نہ کی (یعنی ہفتے کے دن بھی شکار کیا، کاروبار کیا) وہ بندر بنا دیے گئے۔ اور جن لوگوں (عیسائیوں) نے اُس دسترخوان (مائدہ) کو جُھٹلا یا جو آسمان سے حضرت عیسیٰؑ پر اُترا تھا، اُنھیں سوّر بنا دیا گیا۔

''طاغوت'' سے مراد شیطان بھی ہے اور ہر وہ چیز بھی ہے کہ جس کی خدا کو چھوڑ کر بندگی اور اطاعت کی

جائے۔مثلاً حاکم، جابر وظالم، باطل کی قوتیں، دین دشمن حکومتیں وغیرہ ہیں۔(گویا خدا کے سوا ہر وہ طاقت جس کی اطاعت کی جائے اس میں کاہن، جادوگر، جھوٹے مذہبی اور سیاسی رہنما بھی شامل ہیں)(تفسیر صافی ص ۱۳۸)

آیت نمبر ۶۱۔۶۲

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾

ترجمہ

اور جب وہ تم لوگوں کے پاس آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو حق کو مانتے ہیں۔حالانکہ وہ کفر وانکار ہی لیے ہوئے داخل ہوئے تھے اور اُسی کے ساتھ باہر نکلے ہیں۔اور جو کچھ بھی وہ چُھپاتے ہیں اللہ اُسے خوب اچھی طرح جانتا ہے۔اور اُن میں سے بہت سوں کو تم دیکھو گے کہ وہ گناہ، ظلم اور زیادتی اور حرام خوری میں بڑی ہی تیزی دکھاتے ہیں۔کتنا بُرا کام وہ کر رہے ہیں۔

تفسیر

یہودی علماء کے نفاق، گناہ، عدوان اور حرام خوری پر سخت لے دے

(آیت نمبر ۶۱) یہ اُن یہودی منافقوں کا ذکر ہے جو دل میں کفر کے عقائد رکھتے تھے اور مسلمانوں کے سامنے خود کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔ (جلالین)

(آیت نمبر ۶۲) ''اِثم'' میں جھوٹ کی قسم کے سارے گناہ شامل ہیں۔ جو اپنی ذات تک محدود ہیں (کشاف ابن جریر)

''عدوان'' سے مراد ظلم، زیادتی، اور سرکشی ہے۔ یعنی وہ گناہ جو دوسروں سے تعلق رکھتے ہیں۔ (کشاف) اور ''حرامخوری'' سے مراد سود کھانا، رشوت کھانا، جبر یا مکر سے کسی کا مال ہتھیانا۔ یہ اکابر یہود (علماء) کا ذکر ہے۔ (قرطبی)

اصحاب رسولؐ کے نزدیک یہ آیت سخت ترین آیتوں میں سے ہے (بقول ابن عباسؓ)

آیت نمبر ۶۳

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾

ترجمہ

آخر اُن کو خدا پرست، خدا والے لوگ اور علماء جھوٹ بولنے اور حرام خوری سے کیوں نہیں روکتے؟ یہ کتنا بُرا کام ہے جو وہ کرتے رہتے ہیں۔

ترجمہ

امر بالمعروف اور نہی عَنِ الْمُنکَر سے گُریز پر علماء اور خدا پرست لوگ بھی عذاب سے نہ بچ سکے

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''تم سے پہلے خدا کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے ہلاک و برباد ہوئے۔ اُن کے علماء اُن کو گناہوں سے منع بھی نہ کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ اپنی نافرمانیوں سے بڑے جری اور سرکش ہو گئے۔ اور کیونکہ اُن کے علماء نے بھی اُن کو برائیوں سے نہ روکا اِس لیے اُن سب کے سب پر خدا کا عذاب نازل ہوا۔ لیکن سزا پانے کے بعد وہ لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بجالانے لگے۔ یعنی لوگوں کو اچھے کاموں کی ترغیب دینے لگے اور بُرے کاموں سے روکنے لگے'' (تفسیر صافی ۷ ۱۳)

اس سے پہلی آیت میں تو اہلِ کتاب کے عوام کے بارے میں کہا گیا تھا کہ: ''کتنا بُرا ہے جو وہ کرتے ہیں''۔ اب اس آیت میں اُن کے علماء اور خدا پرست لوگوں کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ علماء اور نیکوکار ہو کر بھی لوگوں کو نیکیوں کی ترغیب نہیں دیتے اور بُرائیوں سے نہیں روکتے۔ فی زمانہ علماء اسلام بھی نَعُوْذُ بِاللّٰہِ کے مصداق ہوتے جا رہے ہیں جس سے عوام میں قتل و غارت گری اور ڈکیتیاں نظر آ رہی ہیں۔

آیت نمبر ۶۴

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ

اور یہودیوں کا قول ہے کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ اُن ہی کے ہاتھ بندھیں اور اُن پر لعنت کی گئی، اس بات کی وجہ سے جو اُنھوں نے کہی۔ بلکہ اللہ کے ہاتھ تو کھلے ہوئے (کشادہ) ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے عطا کرتا ہے ۱۔ اور جو کچھ آپؐ پر آپؐ کے پالنے والے کی طرف سے اُتارا گیا ہے، وہ اُن میں سے بہت سوں کی سرکشی اور انکارِ حق میں مزید اضافہ ہی کرے گا۔ اور ہم نے اِن لوگوں کے درمیان بُغض و دشمنی کو قیامت تک کے لیے ڈال دیا ہے۔ وہ جب بھی جنگ کی آگ سُلگائیں گے اللہ اُس کو بجھا دے گا ۲۔ اور یہ لوگ تو زمین میں فساد ہی پھیلاتے پھرتے ہیں جبکہ

اللہ فساد پھیلانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

تفسیر

یہودیوں نے اللہ پر کتنا بڑا اِتّہام لگا دیا

۱۔ حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ: ''اِس آیت میں ہاتھ بندھے ہونے سے فقط یہ مراد نہیں کہ یہودیوں نے خدا کو کنجوس سمجھا، بلکہ اُن کا اصل مطلب یہ تھا کہ خدا نے جو کچھ کرنا تھا وہ کر چکا۔ اب نہ تو وہ کسی کی روزی بڑھاتا ہے اور نہ گھٹاتا ہے۔ خدا نے اس آیت سے اُن کے اس قول کی تردید کر دی۔ خدا جس طرح چاہے اور جس کو چاہے عطا فرماتا ہے۔

دوسری جگہ خود قرآن میں فرمایا: ''یَمْحُو اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتٰبِ'' (یعنی) اللہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے قائم رکھتا ہے، اور اُس کے پاس اُمّ الکتاب ہے۔'' (قرآن)

تفسیر علی ابنِ ابراہیم و تفسیر صافی ص ۱۳۸)

اس کے علاوہ اس فقرے کے دو مطلب اور بھی بتائے گئے ہیں:۔

(۱) جب خدا نے یہ حکم دیا کہ ''اللہ کو قرضِ حسنہ دو'' تو دولتمند یہودیوں نے خوب مذاق اُڑایا کہ لو، مسلمانوں کے خدا کے پاس پیسہ نہیں رہا ہے اس لیے وہ ہم سے قرض مانگ رہا ہے۔

(۲) یہ کہ مسلمانوں کی فقیری اور پریشان حالت دیکھ کر اُنھوں نے کہا کہ مسلمانوں کا خدا تو خود غریب ہے۔ اسی لیے اِن کو مال و دولت نہیں دے سکتا۔ (معاذ اللہ) (تفسیر تبیان)

اور خدا کا فرمانا کہ ''جب وہ لڑائی کے لیے آگ بھڑکاتے ہیں، خدا اُس کو بجھا دیتا ہے۔'' یعنی، یہودیوں کی شرارتیں چلنے نہیں دیتا۔ ان کی ہر تدبیر باطل کر دیتا ہے۔ اور عام طور سے اِس طرح کہ خود اُنہی کے لوگ اُن کی مخالفت میں اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ (بحر)

آیت نمبر ۶۵۔۶۶

وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْکِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَکَفَّرْنَا عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ

وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾

ترجمہ

اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور خدا سے ڈرتے ہوئے بُرائیوں سے بچتے، تو ہم خود ضرور اُن کی غلطیوں کو نظر انداز کر کے مٹا دیتے ۱۔ اور اُنھیں راحت اور نعمتوں والے باغوں میں ضرور داخل کر دیتے۔ (۶۵)

اور کاش اُنھوں نے تورات، انجیل اور اُن دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا جو اُن کے پروردگار کی طرف سے اُن کے پاس بھیجی گئی تھیں ۲۔ اگر وہ ایسا کرتے تو اُن پر اوپر سے بھی رزق برستا اور نیچے سے بھی رزق اُبلتا۔ اگرچہ اُن میں سے کچھ لوگ میانہ روی پر قائم ہیں، لیکن اُن کی اکثریت بہت ہی بُرے کام کر رہی ہے۔ (۶۶)

تفسیر

(آیت نمبر ۶۵) ۱۔ محققین نے نتیجہ نکالا ''ایمان لانے اور اپنے اعمال درست کر لینے سے پچھلی غلطیاں معاف ہو جاتی ہیں

آیت 66: تورات اور انجیل کی پابندی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کتابوں کے احکامات پر عمل کرتے اور اُن میں اپنی من مانی تبدیلیاں نہ کرتے (قرطبی)

آیت نمبر ۶۷

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ

اے رسولؐ! جو اللہ کی طرف سے آپؐ پر اُتارا گیا ہے، اُسے پہنچا دیجیے۔ اور اگر آپؐ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے خدا کا کوئی پیغام ہی نہیں پہنچایا۔ اور اللہ خود لوگوں سے آپؐ کی حفاظت کرے گا۔ بلاشبہ اللہ منکرینِ حق کو منزل مقصود تک نہیں پہنچایا کرتا۔ (۶۷)

تفسیر

حضرت علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کی ولایت کا اعلان

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ ''حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ کی ولات کا اعلان جناب رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جمعہ کے دن جو یوم عرفہ بھی تھا، فرمایا۔ آیتِ ولایت اُس دن نازل ہوئی تھی، اور دین تکمیل حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ کی ولایت کے اعلان پر ہوئی۔

جب خدا نے جناب رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو حکم دیا کہ علیؑ کی ولایت کا اعلان فرمائیں تو جناب رسولِ خداؐ نے عرض کی کہ میری اُمّت ابھی ابھی کفُر سے اسلام میں داخل ہوئی ہے۔ اگر میں اپنے چچا زاد بھائی کی ولایت کا اعلان کروں گا تو کوئی کچھ کہے گا اور کوئی کچھ باتیں بنائے گا۔ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ ''یہ بات میں نے اپنی زبان سے کسی سے نہیں کی تھی، صرف میرے دل میں ایسا خیال گذرا تھا کہ خدا کا دوسرا حکم آ گیا، جس میں مجھے ڈرایا گیا تھا کہ اگر میرے اس حکم کو نہ پہنچایا تو گویا کارِ رسالت ہی انجام نہ دیا۔''

یہ آیت سُنتے ہی اُسی وقت جناب رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا: ''اے لوگو! جو نبیؑ مجھ سے پہلے گذر چکے ہیں اُن میں سے ہر ایک کا خدا نے ایک وقت معیّن کر دیا تھا۔ جب خدا نے اُن کو بُلایا وہ چلے گئے۔ اب قریب ہے کہ میں بھی بُلایا جاؤں اور میں بھی چلا جاؤں، مجھ سے بھی سوال کیا جائے گا اور تم سے بھی۔ بتاؤ اُس وقت تم کیا کہو گے؟''

سب نے عرض کی کہ ''ہم گواہی دیں گے کہ آپؐ نے خدا کے سارے احکامات ہمیں پہنچائے اور ہماری بھلائی چاہی۔ جو کچھ آپؐ کے ذمّے تھا آپؐ کو تمام پیغمبروں سے افضل و برتر جزا عطا فرمائے۔''

جب جناب رسولِ خداؐ نے یہ جواب سُنا تو تین دفعہ فرمایا:

''اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ'' (یعنی) اے اللہ! تو گواہ رہنا۔ ''مَنْ کُنْتُ مولاہ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ۔ جس کا میں مولا ہوں یہ علیؑ بھی اُس کا مولا ہے''۔ یعنی یہ علیؑ میرے بعد تم سب کا ولی (سرپرست، حاکم) ہے۔ تم میں سے جو حاضر ہیں وہ حاضر نہ ہونے والوں کو یہ خبر ضرور پہنچا دیں۔''

پھر جناب امام محمد باقرؑ نے فرمایا: ''چونکہ جناب رسولؐ ساری مخلوق پر خدا کے علم اور اُس کے دین کے امین تھے جو اللہ نے اُن کو عطا فرمایا تھا، اس لیے اُنھوں نے امانت کا حق ادا فرمایا۔ اس طرح کہ خدا نے اپنے رسولؐ کو حضرت علیؑ کی ولایت کے پہنچانے کا حکم دیا اور اُن پر یہی آیت نازل فرمائی اور اس طرح اولی الامر (یعنی وہ لوگ جن کو خدا نے اپنے معاملات اور دین کی حفاظت کا کام سپرد کیا ہے، اور جو حکم دینے کے اہل ہیں) اس لیے اُن کی اطاعت واجب کی۔ مگر لوگ نہ سمجھے کہ ولایت کیا چیز ہے؟

اِس وجہ سے خدا نے اپنے رسولؐ کو حکم دیا کہ اُن کے لیے ولایت کی تفسیر ایسی کر دیں جیسی نماز روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد کی تفسیر کی تھی، جب خدا کا یہ حکم پہنچا تو جناب رسولِ خداؐ کو کچھ تردُّد ہوا۔ اُن کو ڈر یہ تھا کہ لوگ دین سے پھر جائیں گے اور مجھے جُھٹلا دیں گے۔ پس جناب رسولِ خداؐ نے خدا کے حکم کی فوراً تعمیل کی۔ (یہ آیت اُس وقت اُتری جب جناب رسولِ خداؐ اپنے آخری حج سے واپس ہو رہے تھے اور غدیرِ خُم کے مقام پر تھے۔)

آپ نے غدیرِ خُم پر ''الصلوٰۃ الجامعۃ'' سب کو پکارے جانے کا حکم ہوا۔ جب سب حاضر ہوئے تو علیؑ کے مولیٰ ہونے کا اعلان فرمایا۔ اور یہ حکم بھی دیا کہ جو حاضر ہیں وہ غائب کو اس بات کی خبر دیں۔'' اس اعلان سے پہلے آپؐ نے ایک طولانی خطبے میں حضرت علیؑ اور دیگر اہلِ بیتؑ رسولؐ کے فضائل اور اہمیت کو بیان فرمایا۔ (تفسیر صافی ص ۱۸۳ مع مفصّل خطبہ)

اہلِ سنّت کی تفاسیر میں بھی ابنِ ابی حاتم نے ابوسعید خدُری سے روایت کی ہے یہ آیت غدیرِ خُم میں حضرت علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی۔

ابن مردویہ نے ابنِ مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ جناب رسولِ خداؐ کے زمانے میں اس آیت کو اس طرح پڑھاتے تھے۔ یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَبِّکَ (اَنَّ عَلِیاً مَوْلَی الْمُومِنِیْنَ) وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَابَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ۔ (یعنی) اے رسولؐ جو حکم تمھارے پالنے والے مالک کی طرف سے تم پر اُتارا گیا ہے (کہ بلاشبہ علیؑ مومنین کے مولیٰ ہیں) اُسے پہنچادو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا تم نے رسالتِ خدا کا کوئی پیغام ہی نہ پہنچایا''۔۔۔۔۔ (تفسیر درِّمنثور علامہ جلال الدین سیوطی جلد ۲ ص ۲۹۸ سطر ۸ مطبوعہ مصر)

اِسی تفسیر درمنثور جلد ۲ ص ۲۹۸ پر ہے کہ: ''پھر آپؐ نے حضرت علیؑ کو قریب بلا کر ان کے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اتنا بلند زیر بغل کی سفیدی ظاہر ہوگئی۔ اس کے بعد فرمایا: ''مَنْ کُنْتُ مولاہ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ عَادِ مَنْ عَادَاہُ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَہُ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَہُ یعنی جس کا میں مولیٰ ہوں اُس کا یہ علیؑ بھی مولیٰ ہے۔

خدایا دوست رکھ اُس کو جو اس کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اُس کو جو اس کو دشمن رکھے اور مدد کر اُس کی جو اس کی مدد کرے اور چھوڑ دے اور ذلیل کر اُس کو جو اس کو چھوڑ دے۔'' اس کے بعد آپؐ نے علیؑ کو ایک خیمے میں مبارکباد لینے کے لیے بٹھادیا حضرت عمر فرماتے تھے'' مبارک ہو مبارک اے علیؑ ابن ابی طالبؑ کہ تم میرے اور تمام مومنین، مومنات کے آج سے مولا قرار پاگئے۔ (روضہ الصفا جلد ۲ ص ۲۱۵، اسباب النزول، ابونعیم، تفسیر کبیر، ثعلبی وغیرہ)

پس حضرت ابوبکرؓ نے بھی حضرت علیؑ کو مبارکباد دی اور کہنے لگے:

''بَخٍ بَخٍ لَکَ یَا ابنَ ابِی طالبٍ اَصْبَحْتَ وَاَمْسَیْتَ مَوْلَایَ وَمَوْلیٰ کُلِّ مُؤْمِنٍ وَّ مُؤْمِنٍ وَّ مِنَّۃٍ۔

یعنی: ''مبارک ہو مبارک ہو اے ابوطالبؑ کے بیٹے! آپ تو آج سے میرے اور کل مومنوں اور مومنات کے مولیٰ و سرپرست ہوگئے۔''

عبداللہ ابنِ عبّاسؓ نے وہیں کہدیا تھا کہ: ''خدا کی قسم اب یہ چیز لوگوں کی گردنوں میں پڑ گئی ہے۔ تو حسّانؓ بن ثابت نے عرض کی حضور! مجھے بھی اجازت مرحمت فرمایئے کہ میں علیؑ ابن ابی طالبؑ کی شان میں کچھ مدحیہ اشعار آپ کے سامنے پیش کروں۔ تو حضورؐ نے فرمایا: اللہ کی برکت سے کہو۔ حسّانؓ اُٹھے اور کہنے لگے کہ اے بزرگانِ قریش سُن لو کہ رسولِ خداؐ کے سامنے میرا قول ولایت کے معاملے میں ناقابلِ تردید ہوگا۔ اس کے بعد اپنا قصیدہ پیش کیا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

فَقَالَ لَہٗ قُمْ یَا عَلِیُّ فَاِنَّنِیْ
رَضِیْتُکَ مِنْ بَعْدِیْ اِمَاماً وَّھَادِیًا

یعنی ''حضورؐ نے فرمایا حضرت علیؑ سے کہ اے علیؑ! کھڑے ہوجاؤ میں تم کو اپنے بعد والوں کا امام اور ہادی

مقرّر کرتا ہوں۔ فَمَنْ کُنْتُ مولاہ فَھٰذَا وَلِیُّہ۔ پس جس کا میں مولیٰ اُس کا یہ علیؑ بھی ولی وسرپرست ہے۔''

حارث بن نعمان نے تو اللہ سے اپنے لیے یہ دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! اگر رسولؐ کا یہ عمل تیری جانب سے ہے تو مجھ پر عذاب کر۔ چنانچہ آسمان سے ایک شعلہ اُترا اور سر سے داخل ہو کر اُس کی مقعد سے نکل گیا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ (سورۃ المعارج) کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

آیت نمبر ۶۸

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰىۃَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ ؕ وَلَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ طُغْیَانًا وَّ کُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۶۸﴾

ترجمہ

کہہ دیجیے کہ اے اہلِ کتاب! تم ہرگز کسی بُنیاد پر نہیں ہو جبتک کہ تم تورات، انجیل اور جو کچھ بھی تمھارے پالنے والے کی طرف سے تمھاری طرف اُتارا گیا ہے، اُسے قائم نہ رکھو۔ مگر یہ ضرور ہوگا کہ جو کچھ آپؐ پر اُتار گیا ہے وہ اُن میں سے اکثر کی سرکشی اور کُفر کو اور بڑھا دے گا۔ مگر آپؐ کافروں (منکرینِ حق) کی حالت پر قطعاً افسوس نہ کریں۔ (۶۸)

تفسیر

مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کتابوں تورات اور انجیل میں جناب رسولِ خداؐ کے بارے میں جو بشارتیں اور خوشخبریاں آئی ہیں، اُن کی تصدیق کرو اور جناب رسول خداؐ کے احکامات پر یقین رکھو۔

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اہلِ کتاب کا حال تو یہ ہے کہ وہ خود اپنی کتابوں پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔ یعنی اُن

کتابوں کی بھی کوئی پرواہ نہیں کرتے جو خدا کی طرف سے اُن پر اُتاری گئی تھیں اس لیے آخر میں اُن کی سرکشی کی وجہ سے صاف صاف کافر یعنی حق کا منکر کہا گیا ہے۔ (فصل الخطاب)

آخر میں آنحضرتؐ کو اِن کی گمراہی پر زیادہ غم نہ کریں۔'' کہہ کر تسلّی دی جارہی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنی ضد اور حق دشمنی کی وجہ سے کسی ہمدردی کے مستحق نہیں۔ (ملخص از قرطبی وتفسیر کبیر)

آیت نمبر ۶۹۔۷۰

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَالصّٰبِـُٔوۡنَ وَالنَّصٰرٰی مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۹﴾

لَقَدۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ وَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡهِمۡ رُسُلًا ؕ کُلَّمَا جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌۢ بِمَا لَا تَهۡوٰۤی اَنۡفُسُهُمۡ ۙ فَرِیۡقًا کَذَّبُوۡا وَفَرِیۡقًا یَّقۡتُلُوۡنَ ﴿۷۰﴾

ترجمہ

یقین جانو کہ مسلمان ہوں یا یہودی، صابی ہوں یا عیسائی، جو بھی اللہ اور آخرت کے دن کو مانے گا اور اچھے کام کرے گا، تو بیشک اُس کے لیے نہ تو کوئی خوف ہوگا، اور نہ کوئی رنج وغم ہوگا ۱۔(۶۹)

یقین جانو ہم نے بنی اسرائیل سے پکا عہد ۲ لیا اور اُن کی طرف بہت سے پیغمبرؑ بھیجے۔ مگر جب بھی کوئی پیغمبرؑ اُن کے پاس ان کی خواہشوں کے خلاف کچھ بھی لے کر آیا، تو کسی کو تو اُنھوں نے جُھٹلایا اور کسی کو قتل کر دیا۔(۷۰)

تفسیر

مطلب یہ ہے کہ پہلے کچھ ہو لیکن اب معیار نجات سب کے لیے ایک ہے اور وہ اسلام کے اصول و فروع کو تسلیم کرنا اور اُن پر عمل کرنا ہے۔ جو یہ کرے گا وہ آخرت کے خوف اور رنج سے نجات پائیگا۔

لَقَدْ اَخَذْنَا"۔ ان سے توحید، نبوّت اور ولایت کا عہد لیا گیا تھا۔ کیونکہ ان نبیوں نے اُن لوگوں سے وہ میثاق لیا تھا، جو اُن پر مبعوث کیے گئے تھے اس لیے خدا اُن کے میثاق کو اپنی طرف منسوب کر رہا ہے (تفسیر صافی بحوالہ انا ور النجف ۱۴۷)

آیت نمبر ۷۱

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

ترجمہ

پھر اپنے نزدیک وہ یہ سمجھے کہ اب کوئی سزا نہ ملے گی۔ اس کے بعد اُن میں سے بہت سے اندھے اور بہرے بن گئے۔ پھر بھی اللہ نے اُنھیں معاف کر دیا اُس پر تو اُن میں سے اکثر اور زیادہ اندھے اور بہرے بنتے ہی چلے گئے۔ اللہ اُن کی یہ سب حرکتیں خوب دیکھتا رہا ہے۔

تفسیر

یہ لوگ آنکھوں کے اندھے، اور کانوں سے بہرے نہیں تھے بلکہ دل کے اندھے بہرے تھے

علامہ حسین واعظ کاشفی تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں نبوت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انکار کرنے والوں کا

حشر بتایا گیا ہے۔(تفسیر حسینی ص ۱۹۴)

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ رسول کریمؐ زندہ تھے تو یہ قدرے ٹھیک بھی تھے، آنحضرتؐ کے بعد اندھے بہرے بنے۔ پھر خدا نے ان کی توبہ قبول کر لی اور جب حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ ظاہری خلیفہ ہوئے اور اس کے بعد پھر ہمیشہ کے لیے کچھ لوگ اندھے اور بہرے رہے۔ (تفسیر صافی ص ۶ ۱۳ بحوالہ روح القرآن)

اندھے بہرے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت سے آنکھیں بند کر لیں اور حق کی آواز سُننے سے کان بند کر لیے۔ پھر اللہ سے توبہ تلاّ کی تو خدا نے معاف کر دیا۔ مگر اس کے بعد پھر وہی پُرانا طریقہ اختیار کر لیا'' وہی رفتار بے ڈھنگی جو پہلے تھی اب بھی ہے۔''

غرض وہی اندھے بہرے پن کا طریقہ اختیار کر لیا۔ (مجمع البیان)

''فتنہ'' کے ایک معنی سزا کے بھی ہوتے ہیں۔ (قاموس، راغب، معالم)

اہلِ تحقیق نے یہاں یہی معنی لکھے ہیں۔ زبور بھی اس کی تائید کرتی ہے: ''اے خداوند! شریر کب تک، ہاں شریر کب تک شادیانے بجائیں گے؟ وہ ڈکارتے اور گستاخی کی باتیں بولتے۔۔۔۔ اے خداوند! تیرے لوگوں کو پیس ڈالتے ہیں۔۔۔۔ وہ بیوہ اور پردیسی کو جان سے مار دیتے ہیں اور یتیم کو قتل کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ خداوند نہ دیکھے گا اور خدا ہرگز نہ سمجھ سکے گا۔ (یعنی ہرگز سزا نہ دے گا) (زبور ۹۴: ۳۔۷)

لیکن ''فتنہ'' کے عام معنی امتحان لینے کے ہیں۔ بعض مفسّرین نے یہی معنی لیے ہیں۔ (قرطبی)

آیت کا مقصد بہرحال یہ ہے کہ خدا کی دی ہوئی مہلت نے اُنھیں حق کے قبول کرنے سے روک دیا ہے اور غافل اور دین سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اس لیے ہدایت کی طرف سے وہ اندھے ہو گئے ہیں۔ لیکن اللہ اُن کو مناسب وقت پر سزا ضرور دیگا۔ (قرطبی۔ مدارک)

اِسی لیے حضرت داؤدؑ نے فرمایا: ''اے قوم کے بیوقوفو! اے جاہلو! تم کب ہوشیار ہو گئے؟ وہ جس نے کان بنا کر لگایا، کیا نہیں سنتا؟ وہ جس نے آنکھ بنائی، کیا نہیں دیکھتا؟ وہ جو قوموں کو تنبیہ دے کر اپنی سزا سے ڈراتا ہے، کیا سزا نہ دے گا؟ وہ جو انسان کو دانش سکھاتا ہے، کیا خود واقفیّت نہ رکھتا ہوگا۔؟'' (زبور ۹۴: ۹)

آیت نمبر ۷۲

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ

الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾

ترجمہ

یقین جانو کہ وہ لوگ کافر (حق کے منکر) ہو گئے جنھوں نے یہ کہا کہ مریمؑ کے بیٹے مسیحؑ ہی اللہ ہیں۔ا۔ جبکہ مسیحؑ نے تو یہ کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی پالنے والا ہے اور تمھارا بھی پالنے ولا اہے، بلاشُبہ جو بھی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کریگا اللہ نے اُس پر جنت کو حرام کر دیا ہے اُس کا ٹھکانا جہنّم کی آگ ہے۔اور ظالموں (یعنی حد سے بڑھنے والوں) کا کوئی مددگار بھی نہیں ہوگا۔

تفسیر

اللہ وحدہٗ کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ

ا بظاہر تو عیسائی لوگ حضرت عیسیٰؑ مسیحؑ کے علاوہ خدا کا انکار تو نہیں کرتے وہ بظاہر حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔پھر کہتے ہیں کہ:''باپ بیٹا اور روح القدس یہ تینوں خدا ہوتے ہوئے ایک ہیں۔'' قرآن نے بھی صاف صاف یہ نہیں کہا کہ عیسائی یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ ہی بس اللہ ہیں۔ بلکہ قرآن نے یوں کہا کہ:''جنھوں نے یہ کہا (یا)''جولوگ یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ ہی بس اللہ ہیں۔'وہ کافر ہیں'اس سے یہ مطلب نکلا کہ عیسائیوں کا کوئی فرقہ ہے جو حضرت عیسیٰؑ مسیح ہی کو خدا سمجھتا ہے۔اور وہ یہ کہتے ہیں کہ خدا حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ ذات کے لحاظ سے بھی متّحد ہو گیا۔ یعنی دونوں ایک ہو گئے۔ (تبیان۔مجمع البیان)

لیکن آج بھی جو معقول عیسائی ہیں وہ ایسے احمقانہ عقیدے کو قبول نہیں کرتے۔ہبرٹ جنرل (لندن) دُنیائے عیسائیت کا ایک بلند پایا سہ ماہی رسالہ اکتوبر ۱۹۳۴ء نمبر میں لکھتا ہے۔''تثلیث مسیحی کے عقیدے میں مسیح تمامتر خدا نہیں، جو عقیدہ عقل سے جتنا دور ہوتا ہے اُسی قدر خوش عقیدگی کے قریب ہوتا ہے۔''(ہرٹ جنرل لندن شمارہ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

مفسرین نے نتیجہ نکالا کہ ''اِس آیت میں صاف ردّ ہے خدا کے حلول کرنے اور خدا سے اتحاد کرنے کا۔'' یعنی خدا کسی دوسرے کے جسم میں داخل نہیں ہوتا اور نہ کسی سے متحد ہوتا ہے۔ یہ بعض جاہل غالی صوفیاء کا عقیدہ ہے۔ (تھانوی)

موجودہ محرَّف مسخ شدہ انجیل بھی ایک خدا کے عقیدے کی تائید کر رہی ہے۔ ''تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر۔ اور صرف اُسی کی عبادت کر۔'' (متی ۴:۱۰) (لوقا ء ۴:۸)

''یسوؔع نے اُس سے کہا تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں مگر ایک 'یعنی خدا''۔ (لوقا ۱۸:۱۹)

آیت نمبر ۷۳

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۷۳

ترجمہ

وہ لوگ بھی حق کے منکر ہو گئے کہ جنھوں نے کہا: اللہ تین میں کا ایک ہے۔ حالانکہ کوئی خدا (معبود) ہے ہی نہیں سوائے ایک اکیلے خدا کے۔ اب بھی اگر یہ اُس بات سے کہ جو یہ کہہ رہے ہیں باز نہ آئیں گے۔ تو پھر ان میں سے جو بھی اس کُفر پر قائم رہے گا تو اُس کو بڑی ہی تکلیف دہ سزا دی جائے گی۔

تفسیر

اللہ کی وحدانیت میں عیسائیوں کی تثلیث

یہ عام عیسائیوں کا عقیدہ تثلیث ہے۔ یعنی اللہ نمبر ۱، حضرت عیسیٰؑ نمبر ۲، اور روح القُدس یہ تینوں تین ہوتے ہوئے بھی ایک ہیں۔ یہ عقیدہ صریحی کُفر و شرک ہے۔ انھیں تینوں کو اقانیم ثلاثہ کہتے ہیں (تبیان)

شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا: ''وہ نصاریٰ میں دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ یہی تھا جو صورتِ مسیح میں

آیا ہے۔اور بعض کہتے ہیں (خدا) تین حصّے ہو گیا۔ایک اللہ رہا، ایک روح القُدس، اور ایک مسیحؑ ۔ یہ دونوں (باتیں) صریحی کفر ہیں۔'' (موضح القرآن)

غرض اس سے پہلی آیت پہلی قسم کے عیسائیوں کی ردّ تھی اور یہ آیت دوسری قسم کے عیسائیوں کی ردّ ہے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ سرے سے ایسے خدا کا کوئی وجود ہی نہیں جو صفتِ وحدانیت سے متّصف نہ ہو جس کا کوئی ثانی نہ ہو۔ (کشاف۔بحر)

آیت کے آخری الفاظ بتا رہے ہیں کہ عیسائیوں میں سے بہت سے لوگ اپنے مشرکانہ عقائد سے باز آ کر ایک خدا پر ایمان لے آئیں گے۔وہ اس سزا سے محفوظ رہیں گے۔ (معالم۔بیضاوی۔تفسیر کبیر)

انتباہ: مکائیہ فرقہ اگرچہ تین کا قائل نہ تھا بلکہ وہ ذاتِ واحد کے تین اقنوم یعنی مظہر صفات مانتے تھے۔لیکن چونکہ اُن کا عقیدہ تین کے اقرار کو مستلزم ہے۔اس لے ان کو قائلِ ثلاثہ کہا گیا۔

* حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ صفات کو عینِ ذاتِ الٰہی مانتے ہوئے فرماتے ہیں'' کمالِ توحید و اخلاص یہ ہے کہ اللہ سے صفتوں کی نفی کی جائے۔کیونکہ ہر صفت شاہد ہے کہ وہ اپنے موصوف کی غیر ہے اور ہر موصوف شاہد ہے کہ وہ صفت کے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔لہٰذا جس نے ذاتِ الٰہی کے علاوہ صفت مانے اُس نے ذات کا ایک دوسرا ساتھی مان لیا اور جس نے اُس کی ذات کا کوئی ساتھی مان لیا، اُس نے دوئی پیدا کی، اور جس نے دوئی پیدا کی، اُس نے اُس کے لیے جُز بناڈالا اور جو اُس کے لیے اجزاء کا قائل ہوا وہ اُس سے بے خبر رہا، اور جو بے خبر رہا، اُس نے اُسے قابلِ اشارہ سمجھ لیا اور جس نے اُسے قابلِ اشارہ سمجھا، اُس نے اُس کی حد بند کر دی، اور جو اُسے محدود سمجھا وہ اُسے دوسری چیزوں ہی کی قطار میں لے آیا۔۔۔الخ''

(مزید تفصیل کے لیے نہج البلاغہ خطبہ نمبر ا ص ۷۰،۱۷ پر ملاحظہ فرمائیں)

آیت نمبر ۷۴

اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰہِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَہٗ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۷۴﴾

ترجمہ

تو یہ لوگ آخر خدا سے توبہ کیوں نہیں کر لیتے اور اُس سے معافی کیوں نہیں مانگ لیتے ؟ کیوں کہ اللہ تو

بڑا ہی بخشنے والا، رحم کرنے والا۔

تفسیر

توبہ کی تعریف بزبانِ وحی ترجمان

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: ''خدا سے استغفار کرنے کے اصلی معنی اپنے گناہوں پر شرمندہ ہونا ہے۔'' ''اَلنَّدْمُ تَوْبَۃ''

امام غزالی نے لکھا ہے کہ گناہوں اور جرائم کا دھبہ صرف دو ہی چیزوں سے دُھل سکتا ہے (۱) یا جہنّم کی آگ اُس دھبّے کو مٹا سکتی ہے۔ (۲) یا شرمندگی کے آنسو۔ (احیاء العلوم)

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لیے
قطرے جو تھے مرے عَرَقِ اِنفعال کے

کافر یا مشرک کی توبہ کرنے کے معنی کفر و شرک کے عقیدے کو چھوڑ کر خدا اور رسولؐ اور اصول دین کو دل سے مان لینا ہے۔ اور ایمان لانے کے بعد اُس کے عملی تقاضوں کو پورا کرنا ہے یعنی فرائضِ الٰہیّہ کو ادا کرنا اور گناہوں سے بچتے رہنا۔ اور استغفار کرنے کے معنی اپنے گناہوں پر حقیقی معنی میں شرمندہ ہو کر خدا سے معافی کی درخواست کرنا ہوتا ہے۔ اس طرح جو کفر و شرک ظلم و گناہ ماضی میں کیا ہوتا ہے۔ وہ معاف ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ جس کا حق مارا ہو وہ ادا کر دیا جائے۔

آیت نمبر ۷۵

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۷۵

ترجمہ

مسیحؑ ابن مریمؑ اِس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ خدا کے ایک پیغمبرؑ تھے۔ اُن سے پہلے اور بھی بہت سے پیغمبرؑ گذر چکے تھے۔ اور اُن کی ماں قول وعمل کی بڑی سچی (صدیقہ) تھیں۔ اور وہ دونوں تو کھانا بھی کھاتے تھے (یعنی فرشتے نہ تھے بلکہ انسان تھے) دیکھو تو سہی ہم کس کس طرح اُن کے سامنے حقیقت کی نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھ لو کہ یہ لوگ کس طرف اُلٹے ہی پھرے جاتے ہیں۔

تفسیر

حضرت عیسٰیؑ صرف ایک پیغمبرِ خدا تھے عیسائیوں کے لیے عبرت کا مقام

اس آیت میں حضرت عیسٰیؑ کا صحیح مقام بتایا جارہا ہے۔ کہ خدا کے سچے رسولؑ تھے۔ (۲) اُن کی ماں (والدہ) حضرت مریمؑ بڑی باکردار پاکیزہ خاتون تھیں۔ اس طرح عیسایوں کے اُن عقائد کی ردّ ہوگئی جو وہ حضرت عیسٰیؑ کے بارے میں غُلو کرتے تھے اور یہودیوں کی ان بیہودہ باتوں کی ردّ ہوگئی جو وہ حضرت مریمؑ کے بارے میں بکا کرتے تھے۔ (۳) نیز یہ بتایا کہ حضرت عیسٰیؑ کھانا کھایا کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ خدا نہ تھے، بلکہ حضرت عیسٰیؑ اور حضرت مریمؑ دونوں بشر تھے۔ (فصل الخطاب)

ایک طرف اس میں ردّ آ گیا عیسائیوں کا جو حضرت عیسٰیؑ کو خدا، خدا کا بیٹا مظہر خدا، یا خدا کا اوتار سمجھتے ہیں، اور دوسری طرف یہودیوں کو بھی ردّ کر دیا جو حضرت عیسٰیؑ کو (معاذ اللہ) ایک چالاک شعبدہ باز جادوگر سمجھتے ہیں۔ (ماجدی)

(۴) حضرت عیسٰیؑ کو ابن مریمؑ کہہ کر یہ بتادیا کہ عیسٰیؑ تو ایک فانی عورت کے بطن سے پیدا ہوئے تھے اس لیے وہ خدا یا خدا کے بیٹے نہیں ہوسکتے۔ (ماجدی)

حضرت مریمؑ کو صدیقہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر گناہ سے بہت دور اور خدا کی اطاعت کے کمال

(درجے) پر فائز تھیں۔ اس میں ردّ ہے عیسائیوں کے اُس عقیدے کا، کہ وہ خدا ہیں۔ اور یہودیوں کا بھی کہ معاذ اللہ وہ بدکردار تھیں۔ (تفسیر کبیر)

(۵) جب وہ دونوں کھانا کھاتے تھے تو معلوم ہوا کہ ان کی زندگی کا دارومدار کھانے پر تھا پس وہ حادث بھی تھے اور محلِّ تغیّر بھی۔ اس طرح وہ نفع نقصان بھی پاتے تھے۔ اس لیے وہ محتاجِ طعام ہوتے ہوئے خدا کے رزق وروزی کے محتاج تھے، پھر وہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر قدرت نہ رکھتے تھے۔ بغیر خدا کے اجازت کے۔ کیونکہ قدرتِ مطلقہ صرف خدا کے لیے ہے۔

آیت نمبر ۷۶

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰہُ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۷۶﴾

ترجمہ

اُن سے کہیے کہ کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اُس چیز کی بندگی یا پرستش کرتے ہو جو نہ تو تمھیں کوئی نقصان ہی پہنچا سکتی ہے اور نہ کسی قسم کا کوئی فائدہ پہنچانے کا اختیار رکھتی ہے؟ اور اللہ تو سب کچھ سُننے والا اور خود جاننے والا ہے۔

تفسیر

معرفتِ خدا کی بہترین آیت

پہلے ماسوَی اللہ کی عاجزی دکھا کر اُن کی قدرت کی نفی کی گئی ہے اور پھر ذہن کو اُس اللہ کی طرف موڑا ہے جو ہر نقص سے پاک ہے، ہر بات سُننے والا ہے اور خوب اچھی طرح سے جاننے والا ہے۔ اگر یہ بات سمجھ میں آ جائے تو

(۱) غیر اللہ کے بارے میں تمام غلط عقائد کی نفی بھی ہو جائے۔

(۲) خدا کی بہترین معرفت بھی حاصل ہو جائے۔

(۳) اور عمل کی اصلاح کا بھی سامان ہو جائے۔ چھوٹی سی آیت ہے مگر معرفت کے باب میں کتنی مکمل اور جامع ہے۔ سبحان اللہ۔

خدا کا آخر میں یہ فرمانا کہ ''وہ سب کچھ سُننے اور جاننے والا ہے'' غلط عقیدوں اور غلط اعمال سے روک دینے کے نسخہ کیمیاء ہے۔

آیت نمبر 77

قُلْ یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ۝۷۷

ترجمہ

کہو، اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں ناحق غُلُوّ'' نہ کرو (یعنی حد سے نہ بڑھاؤ) ۱ اور اُن لوگوں کے خیالات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے خود گمراہ ہو چکے اور اُنھوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا ۲۔ اور سیدھے راستے بھٹک گئے۔

تفسیر

''دین میں غُلو نہ کرو'' کی تشریح

۱ ''غلُو'' کے معنی کسی کو اُس کے اصلی مرتبے سے بڑھا دینا ہے۔

دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ''دینی معاملات میں حد سے قدم آگے بڑھانا۔

اِن دونوں معنٰی میں عیسیائی اس طرح غُلو کرتے ہیں کہ وہ حضرت عیسٰیؑ کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ اور یہودی دینی معاملات میں حد سے اس طرح قدم بڑھاتے ہیں کہ حضرت عیسٰیؑ، حضرت مریمؑ اور حضرت محمدؐ کی تکذیب

اور توہین کرتے ہیں۔ (تبیان)

۲ یہ بھی ظاہر ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں نے کسی ذاتی تحقیق کی بنا پر یہ طریقہ اختیار نہیں کیا۔ بس باپ دادا کو یہی کرتے دیکھا تو اُنھیں کی پیروی کرنے لگے۔ (جلالین، مجمع البیان)

غرض یہاں وہ عیسائی خاص طور پر مراد ہیں جو رسول اللہؐ کے زمانے میں تھے۔ (تفسیر صافی ص ۱۴۴)

عیسائیوں کا غُلو یہ تھا کہ اُن کی مشہور کتاب ''اسرارِ الٰہیّات'' میں ہے: کہ

''باپ، بیٹا اور روح القدس تین جُدا جُدا اور مستقل اقنوم ہیں۔۔۔۔ عالمِ لاہوت میں تینوں کی وحدت ایک ہی خدا ہے، تین خدا نہیں۔۔۔۔۔ بیٹا ازل ہی میں باپ سے پیدا ہوا ہے۔۔۔۔ خدا ہونے میں تینوں اقنوم برابر کے شریک ہیں۔ ایک ایک پورا اور باقی دونوں اپنی اپنی جگہ جُزوی حصے دار ہیں۔۔۔ یہاں ترکیب سے وحدت پیدا ہوتی ہے اور وحدت کا نام ہی ترکیب ہے۔'' (مسیحیوں کی اسرارِ الٰہیات)

ایک طرف قرآن کا الٰہیات پر صاف سادہ سُتھرا بیان ملاحظہ فرمائیں، اور دوسری طرف اس گورکھ دھندے کو ملاحظہ فرمائیں۔ خوب کہا امام رازی نے کہا:

''عیسائیوں کے ایسے لغو اور مہمل عقیدے کی شاید دُنیا کے پردے پر کوئی مثال نہ ہو۔'' (تفسیر کبیر)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ: ''اپنے جوانوں کو غالیوں کی صحبت سے بچائے رہو۔ کیونکہ غالی لوگ اللہ کی بدترین مخلوق ہیں اگر یہ پلٹ کر واپس آئیں تو ہم ان کو قبول نہ کریں گے لیکن کوتاہی کرنے والے اگر ہم تک پہنچ جائے تو ہم اُس کو لے لیں گے۔ حضرت امام رضاؑ سے کسی نے حضرت علیؑ کے بارے میں غُلو کرنے والوں کے لیے پوچھا تو آپؑ نے بہت غصے سے فرمایا: کافروں کی بکواسوں سے خدا کی شان اجل ہے پھر فرمایا: ''کیا حضرت علیؑ کھانا نہیں کھاتے تھے۔ شادیاں نہیں کرتے تھے، نماز عاجزی سے نہیں پڑھتے تھے کہ ان کو خدا کہا گیا۔

آیت نمبر ۷۸

لُعِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ ؕ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوۡا وَّکَانُوۡا یَعۡتَدُوۡنَ ﴿۷۸﴾

ترجمہ

بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے حق کا انکار کیا ان پر داؤدؑ اور عیسٰیؑ ابن مریمؑ کی زبان سے لعنت کی گئی۔ کیونکہ وہ سرکش اور نافرمان ہو کر حد سے بڑھ گئے تھے۔

تفسیر

سخت نافرمان خدا اور انبیاؑ کی لعنت کے مستحق ہوتے ہیں

جناب امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: ''حضرت داؤدؑ نے ایلہ کے رہنے والوں پر لعنت کی کہ: ''اے خدا! تو اُن کو اپنی لعنت کا لباس اِس طرح پہنا دے جیسے کہ چادر کندھوں پر ہوتی ہے اور پٹکا کمر میں۔''

غرض حضرت داؤدؑ کی دُعا قبول ہوئی اور وہ لوگ بندر بنا دیے گئے۔

اور حضرت عیسٰیؑ نے اُن لوگوں پر لعنت کی تھی۔ جن (کی فرمائش) پر پہلے آسمان سے دسترخوان (مائدہ) نازل ہوا تھا مگر بعد میں اُس کے منکر ہو گئے تھے۔ حضرت عیسٰیؑ نے اس طرح (اُن کے لیے) بددعا کی تھی۔ ''اے خدا جنھوں نے آسمانی خوان سے کھانا کھانے کے بعد اُس کا انکار کیا ہے، اُن کو ایسا عذاب دے کہ پھر تُو تمام عالم میں کسی کو ویسا عذاب نہ دے، اور اُن پر ویسی ہی لعنت کر جیسی لعنت تُو نے اصحابِ سَبْت پر کی تھی۔''

اِس بددعاء کی وجہ سے سب سور یعنی خنزیر بنا دیے گئے اور وہ کل پانچ ہزار آدمی تھے۔ (الجوامع)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ ''کسی قوم کے اندر چاہے جُرم کچھ لوگ ہی کریں لیکن جب دوسرے لوگ تماشائی بن جائیں اور باوجود قدرت کے اُن کو نہ روکیں، تو پھر وہ سب کے سب خدا کی لعنت اور عذاب کے مستحق بن جاتے ہیں۔ اسی لیے امام حسینؑ کو سلام کرتے ہوئے امام جعفر صادقؑ نے بھی دشمنوں پر اس طرح لعنت کی: ''لعنت ہو اُن لوگوں پر اللہ کی، جنھوں نے آپؑ کو قتل کیا، اور لعنت ہو اللہ کی اُن پر جنھوں نے آپؑ پر ظلم کیا، اور لعنت ہو اللہ کی، اُن پر بھی کہ جنھوں نے آپؑ کے قتل کے واقعے کو سُنا اور اُس پر راضی ہوئے۔'' (زیارت وارث، مفاتیح الجنان وغیرہ)

''زبور میں اس لعنت کا ذکر اس طرح آیا ہے کہ: ''خداوند نے سُنا اور نہایت غصہ ہوا۔ اسی لئے یعقوبیہ میں ایک آگ بھڑکائی گئی اور اسرائیل پر قہر اُٹھا۔ کیونکہ اُنھوں نے خدا پر اعتماد نہ کیا۔ اور اُس کی قیامت پر اعتماد نہ رکھا۔''

(زبور ۷۸:۲۱ سے ۲۳)

یہ سب اس لیے ہوا کہ بجائے شرمندگی اور استغفار کے اُنھیں اپنے کفر وانکار پر شدید اصرار تھا اور وہ لوگوں کو بُرائی سے نہ روکتے تھے۔(ابن جریر، روح المعانی، تفسیر کبیر)

آیت نمبر ۷۹ تا ۸۱

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾

ترجمہ

اُنھوں نے (ایک دوسرے کو) بُرے کاموں سے روکنا تک چھوڑ دیا تھا۔ کیا ہی بُرا طرزِ عمل تھا جو وہ اختیار کیے ہوئے تھے۔(۷۹)

آج تم اُن میں سے بہت سے ایسے لوگ دیکھو گے جو منکرین حق سے دوستی رکھتے ہیں۔ یقیناً بہت ہی بُرا انجام ہے جس کی تیاری اُن کے نفسوں نے اُن کے لیے کی ہے اللہ اُن پر غضبناک ہو گیا ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کی سزا میں رہنے والے ہیں۔(۸۰)

اگر واقعاً یہ لوگ خدا اور اُس کے پیغمبرؑ اور اُس چیز کو مانتے جو پیغمبرؑ پر اُتری تھی تو وہ کبھی ہرگز کافروں کو

اپنا دوست نہ بنائے۔مگر (درحقیقت) اُن کے اکثر لوگ فاسق ہیں یعنی (خدا کی اطاعت کے دائر سے باہر نکل چکے ہیں)

تفسیر

یادرہے کہ اہلِ کتاب کے مقابلے پر جب کافروں کا لفظ آتا ہے تو اس سے مراد مشرکین ہوتے ہیں۔(مجمع البیان)

عجیب بات تھی کہ اہلِ کتاب آسمانی کتابوں اور رسولوں کو نہیں مانتے تھے۔جبکہ مشرک کسی نبی یا آسمانی کتاب کو نہیں مانتے تھے اس کے باوجود عیسائی اور یہودی مسلمانوں کے مقابلے میں مشرکوں کا ساتھ دیتے تھے۔اُن کے کردار کے اِسی تاریک پہلو کو یہاں بتایا جارہا ہے۔(فصل الخطاب)

آیت نمبر ۸۲

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ

یقیناً تم یہودیوں اور مشرکوں کو مسلمانوں کا سخت ترین دشمن پاؤ گے اور مسلمانوں سے محبت کرنے میں سب سے زیادہ قریب اُن کو پاؤ گے جو یہ کہتے ہیں کہ ''ہم نصرانی (عیسائی)'' ہیں۔یہ اس وجہ سے ہے کہ اُن میں عبادت گذار عالم اور راہب (تاریک الدُّنیا) ہیں اور بلاشُبہ اَن میں تکبّر نہیں ہوتا۔(۸۲)

تفسیر

نجاشی، بادشاہِ حبش کی تعریف

یہ آیت اُس وقت اُتری جب بہت سے مسلمان مکہ کے مشرکوں کے ظلم وستم سے تنگ آ کر حبش چلے گئے۔ جسے ''ہجرت'' اُولیٰ'' کہتے ہیں۔حبش کے عیسائی بادشاہ نجاشی نے اُنھیں اپنے ملک میں پناہ دی اور اُن کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔ اس لیے خدا نے مشرکوں کے مقابلے پر سچے حق پرست عیسائیوں کی تعریف کی ہے۔ (تفسیر علی ابن ابراہیم)



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَاِذَا سَمِعُوۡا

تفسیرِ مُبین

خلاصۃُ التفاسیر

پارہ نمبر (۷)

مختلف مکاتبِ فکر، قدیم وجدید، اہم تفاسیر کا خلاصہ
اور آسان اُردو ترجمہ

از

ڈاکٹر محمد حسن رضوی

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب۔۔۔

فہرست مضامین

عنوانات	نمبر شمار
سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ	12
آیت نمبر ۸۳	12
حضرت جعفر طیارؓ کی حالت خوف میں بحکم رسولؐ مکّہ سے حبشہ کی طرف ہجرت:	12
نتیجہ:	13
آیت نمبر ۸۴	13
نیک عمل کیے بغیر کسی شخص کا شمار صالحین بندوں میں نہیں ہوسکتا:	14
نتیجہ:	14
آیت نمبر ۸۵	14
مومن فاسق ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا:	15
نتیجہ:	15
آیت نمبر ۸۶۔۸۷	15
احکام خدا اور سنّت رسولؐ کے خلاف ،خود پسند شریعت اور رہبانیّت اسلام میں جائز نہیں:	16
آیت نمبر ۸۷:	16
آیت نمبر ۸۸۔۸۹	18
قسموں کا کفّارہ ادا کرو:	19
آیت نمبر ۸۹:	19
آیت نمبر ۹۰	20
شیطانی کاموں کی ممانعت:	20
آیت نمبر ۹۱	21
شیطان کی تو بڑی خواہش یہی ہے کہ وہ تم کو ذکر خدا اور نماز سے روک دے:	22
آیت نمبر ۹۲	23
اطاعت رسولؐ کے حکم میں آلؑ رسولؐ کی اطاعت بھی شامل ہے:	23
آیت نمبر ۹۳	24
حرمت آنے سے قبل جو کچھ کھا پی لیا اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا:	24
احسان اور تقویٰ کی مختصر تشریح:	25
آیت نمبر ۹۴	25
صلح حدیبیہ کے موقع پر امتحان:	26
آیت نمبر ۹۵	26
حالت احرام میں شکار مارنے پر نذر یا کفّارہ:	27
آیت نمبر ۹۶	28
سمندر کا شکار حلال قرار دیا گیا ہے:	29
آیت نمبر ۹۷	29
اللہ تعالیٰ نے کعبۂ محترم کو لوگوں کے فائدے کا سبب قرار دیا ہے:	30
آیت نمبر ۹۸	31

ایمان دو ۲ برابر حصّوں میں منقسم ہے:	31
آیت نمبر ۹۸:	31
آیت نمبر ۹۹۔۱۰۰	32
ناپاک وحرام چیز کثرت وخوبصورتی کے باوجود پاکیزہ وحلال چیز سے بہتر نہیں ہوسکتی:	33
نتیجہ:۱	33
آیت نمبر ۱۰۱	34
ایک ہی سوال کے بارے میں بار بار جرح کرنے سے منع کیا گیا ہے:	34
آیت نمبر ۱۰۲	35
آیت نمبر ۱۰۲:	36
آیت نمبر ۱۰۳	36
آیت نمبر ۱۰۳:	37
خلاصہ:	37
آیت نمبر ۱۰۴1	38
آیت نمبر ۱۰۵	38
اپنے کردار کی درستی میں لگے رہو:	39
آیت نمبر ۱۰۶	39
موت کے وقت وصّیت پر دو (۲) عادلوں کی گواہی کا حکم:	40
آیت نمبر ۱۰۷	41
آیت نمبر ۱۰۸۔۱۰۹	42
انبیاء سے پوچھا جائے گا:	43
آیت نمبر ۱۰۹:	43
نتیجہ:۔	44
نتیجہ:۲	44
آیت نمبر ۱۱۰	44
ضرورت معجزہ:	45
آیت نمبر ۱۱۱۔۱۱۲	46
حواریّوں کی فرمائش پر مائدہ (دسترخوان) کا نزول اوران کا انجام:	46
آیت نمبر ۱۱۳۔۱۱۴	47
عیسائیوں کی ناشکری پر قہر خداوندی:	48
آیت نمبر ۱۱۵۔۱۱۶	49
آیت نمبر ۱۱۶:	50
آیت نمبر ۱۱۷	50
فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ:	51
آیت نمبر ۱۱۸۔۱۱۹	51
اے جس دن سچوں کو ان کی سچائی فائدہ پہنچائیگی:	52
آیت نمبر ۱۱۹:	52
آیت نمبر ۱۲۰۔	53
سُوْرَۃُ الْاَنْعَامِ	54
آیت نمبر ۱	54

اس آیت میں تین ۳ قسم کے لوگوں کی تردید ہے۔	54
آیت نمبر ۲۔ ۳	55
مقرّرہ مدّت:	56
آیت نمبر ۴ تا ۶	56
آیت نمبر:۶	58
آیت نمبر ۷	58
نہ ماننے کے لاکھ بہانے:ا۔	58
آیت نمبر:۷	58
آیت نمبر ۸	59
آیت نمبر ۸:	59
آیت نمبر ۹	59
انبیاءؑ کو لباسِ بشری میں بھیجنا بھی مصلحت الٰہی ہے:	60
آیت نمبر ۱۰۔۱۱	61
انبیاءؑ کا مذاق اڑانا بدترین صفت ہے:	61
آیت نمبر ۱۲	62
اللہ ا۔ نے رحمت کو اپنے لیے لازم کرلیا ہے:	62
نتیجہ نمبرا:۔	63
نتیجہ نمبر ۲:	63
نتیجہ نمبر ۳:	64
آیت نمبر ۱۳	64
اللہ نے اپنی ہمہ گیری کا اعلان فرمایا ہے:	64
نتیجہ:	65
آیت نمبر ۱۴)	65
آنحضرتؐ اولِ مخلوق اور مسلم اول ہیں:	65
نتیجہ نمبرا:	66
نتیجہ نمبر ۲:	66
آیت نمبر ۱۵۔۱۶	67
آیت نمبر ۱۵:	67
آیت نمبر ۱۶:	67
آیت نمبر ۱۷	68
صرف اللہ پر اعتماد کرنا معرفت اور حقیقت توحید ہے:	68
آیت نمبر ۱۸	69
اللہ اپنی مکمل حاکمیت کا اعلان فرمارہا ہے:	69
آیت نمبر ۱۹	70
''مَنۢ بَلَغَ'' سے اوّلین مراد ائمہؑ اہل بیت ہیں:	70
نتیجہ:ا	71
گواہی کے معنی:	71
نتیجہ:۲۔	71
آیت نمبر ۲۰	71

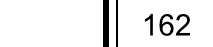
یہودی اور عیسائی آنحضرتؐ کو رسول خداؐ کی حیثیت سے پہچاننے کے باوجود منکر ہو گئے:	72
آیت نمبر ۲۱	73
اللہ پر تہمت لگانے والا سب سے بڑا ظالم ہے:	73
آیت نمبر ۲۲۔ ۲۳	74
وہ قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم ولاءِ علیؑ میں شرک نہ کرتے تھے:	74
آیت نمبر ۲۴	75
صرف خدا کو ماننا ان کو فائدہ نہ دیگا:	76
آیت نمبر ۲۵	76
اللہ نے ہر چیز کو اس کی فطرت پر پیدا کیا ہے:	77
آیت نمبر ۲۶	78
اس آیت کے تین معانی بیان کیے گئے ہیں:	79
آیت نمبر ۲۷	79
روز قیامت مخالفین دین کی حالت۔	80
آیت نمبر ۲۸۔ ۲۹	80
روز قیامت برے اعمال کی شکل:	81
آیت ۲۸ نمبر:	81
آیت نمبر ۲۹:	81
آیت نمبر ۳۰۔ ۳۱	82
آخرت کو جھٹلانے پر کمال ندامت:	83
آیت نمبر ۳۱۔ ا ے	83
آیت نمبر ۳۲	84
حیات دنیا مثل کھیل تماشے کے ناپائیدار و عارضی ہے:	84
آیت نمبر ۳۳	85
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب گویا خدا کی تکذیب ہے:	85
آیت نمبر ۳۴	86
''ہوتا آیا ہے کہ اچھوں کو برُا کہتے ہیں''	86
آیت نمبر ۳۵	87
آنحضرتؐ کی خواہش تو یہ تھی:	87
آیت نمبر ۳۶	88
بے بصیرت (مردہ دل) لوگ ایمان نہیں لاتے:	88
آیت نمبر ۳۷	89
ایمان نہ لانے کا یہ بھی ایک بہانہ تراشا ہے:	90
آیت نمبر ۳۸	90
روز جزا جانور اور پرندے بھی محشور ہوں گے۔	91
نتیجہ:۔	92

آیت نمبر ۳۹	92
خدا کا کوئی کام خلافِ عدل نہیں ہوتا:	93
آیت نمبر ۴۰	93
پھر تم مصیبت کے وقت اللہ کو کیوں پکارتے ہو؟	94
آیت نمبر ۴۱	94
مصیبت کے وقت خدا ہی یاد آتا ہے:	95
آیت نمبر ۴۲	95
بیماری و تکالیف دینے سے خدا کا مقصد؟	96
آیت نمبر ۴۳	97
حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا حکمت آموز کلام:	97
آیت نمبر ۴۴	98
جب انہوں ے امیر المومنینؑ کی ولایت کو چھوڑ دیا:	98
آیت نمبر ۴۵	99
دشمنان خدا پر خدا کا عذاب بھی نعمت ہے:	99
آیت نمبر ۴۶	100
اللہ تو بہر حال ہدایت کرتا رہا ہے:	100
آیت نمبر ۴۷	101
قرآن کی رواداری اور کلام کا ادب:	101
آیت نمبر ۴۸	102
بداعمالیوں پر افسوس اور ندامت فاسقوں فاجروں اور ظالموں کا حصہ ہے:	102
آیت نمبر ۴۹۔۵۰	103
رسولؐ، وحیِ الٰہی کا تابع اور از خود پوشیدہ امور پر مطّلع نہیں ہوتا:	104
آیت نمبر ۵۰:	104
ڈرنے والے لوگوں کو نافرمانی سے بچانے کا حکم:	105
آیت نمبر ۵۲	106
اصحاب صُفّہ کے بارے میں:	106
آیت نمبر ۵۳	107
اللہ کی نظر میں ایمان کی قدر ہے دولت کی نہیں:	107
آیت نمبر ۵۴	108
قرآن کی رو سے سلام کرنے کا طریقہ اور توبہ کی اہمیت:	109
آیت نمبر ۵۵۔۵۶	109
خدا کی نشانیاں نبیؐ یا امامؑ ہوتے ہیں:	110
آیت نمبر ۵۶:	110
آیت نمبر ۵۷	110
عذاب لانا یا معجزہ دکھانا، سب خدا کے اختیار میں ہے:	111
آیت نمبر ۵۸	111

میرے بعد ظالم میرے اہل بیتؑ پر ظلم کریں گے:	112
آیت نمبر ۵۹	112
حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام نے فرمایا:	113
آیت نمبر ۶۰	114
اللہ لوگوں کو نیند کے عالم میں اٹھالیتا ہے:	115
آیت نمبر ۶۱	115
ہمارے نگراں فرشتوں کی ذمے داریاں:	116
آیت نمبر ۶۲	116
روز قیامت پلک جھپکتے حساب ہوجائے گا:	117
آیت نمبر ۶۳	117
دعاء قبول کرنے والا کس انداز کو پسند کرتا ہے؟	118
آیت نمبر ۶۴	118
جس کا کھاؤ اسی کے گُن گاؤ۔ نمک حرامی نہ کرو:	119
آیت نمبر ۶۵	119
اللہ ہر قسم کا عذاب لانے پر قادر ہے:	120
پیغام:	120
میں تم پر ٹھیکیدار نہیں ہوں:	121
''ہر خبر کے ظاہر ہونے کا ایک وقت مقرر ہے''	121
آیت نمبر ۶۸	121
ایسے لوگوں کے پاس نہ بیٹھو جو.....؟	122
آیت نمبر ۶۹	123
نصیحت کرنا تو لازم ہے لیکن کسی کے پیچھے نہ پڑ جائیں:	123
محققین کا نتیجہ:	124
آیت نمبر ۷۹	124
دین کو کھیل تماشا بنانے والی اقوام:	125
آیت نمبر ۷۱	126
راہ ہدایت تو اللہ ہی کی رہنمائی سے حاصل ہوسکتی ہے۔	126
آیت نمبر ۷۲۔ ۷۳	127
جب بحکم خدا صور پھونکا جائے گا تو؟	128
آیت نمبر ۷۴	129
حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام تارُخ تھا:	129
آیت نمبر ۷۵	130
چشم بصیرت رکھنے والوں کو ہی خدا اور اس کا نظام سمجھ میں آسکتا ہے:	130
آیت نمبر ۷۶	131
حضرت ابراہیمؑ کا طریقۂ استدلال:	132
آیت نمبر ۷۷۔ ۷۸	132
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک اور لاجواب استدلال:	133

آیت نمبر ۷۹	134
حضرت ابراہیمؑ پیغمبر خدا تھے اس لیے توحید پرست تھے:	135
پیغمبرؑ خدا جھوٹ نہیں بول سکتا:	135
آیت نمبر ۸۰	136
حضرت ابراہیمؑ کی بے خوفی اور جرأتِ کردار:	137
آیت نمبر ۸۱	137
حضرت ابراہیمؑ کی قوم خدا کی منکر نہ تھی، بلکہ؟	138
آیت نمبر ۸۲	138
شرک سے بڑا کوئی ظلم نہیں، جو نا قابل معافی ہے:	139
آیت نمبر ۸۳	139
آیت نمبر ۸۳:	140
آیت نمبر ۸۴	140
اہم انبیاء علیہم السلام کا ذکر:	141
آیت نمبر ۸۵	142
ائمہ اہل بیتؑ کے اولاد رسولؐ ہونے کا ثبوت:	142
آیت نمبر ۸۶	143
''حضرت الیسع''	143
آیت نمبر ۸۷ تا ۸۹	144
کتاب، حکم اور نبوت کے معنی:	145
آیت نمبر ۹۰	145
انبیاءؑ کی پیروی محفوظ ترین راہ ہدایت ہے:	145
اَجرِ رسالت کا مقصد:	146
آیت نمبر ۹۱	147
خدا کی قدر نہ کرنے کا مطلب:	148
آیت نمبر ۹۲	149
خدا کا کلام بندوں پر نازل ہوسکتا ہے:	150
قرآن کی صداقت پر چار دلائل:	150
مکہ کو اُمّ القُریٰ کیوں کہتے ہیں:	151
آیت نمبر ۹۳	151
قرآن کے مذاق کرنے کا بدترین انجام:	152
آیت نمبر ۹۴	153
اے تم اپنی میتوں کو اچھا کفن دیا کرو، کیونکہ.....؟	153
آیت نمبر ۹۵	154
نشانیوں پر دعوتِ غور و فکر:	154
آیت نمبر ۹۶	155
شب و روز کا نظام شمس و قمر کا حساب:	155
آیت نمبر ۰۷	156
صاحبانِ علم کے لیے نشانیاں ہیں:	156
آیت نمبر ۹۸	157
ٹھہرنے کی جگہ اور سونپے جانے کا مقام:	158

ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھوتا کہ ایمانِ کامل کے ساتھ موت واقع ہو:	158
آیت کا پیغام:	159
آیت نمبر ۹۹	159
پھلوں اور بادلوں کی تخلیق پر غور کرو،	160
آیت نمبر ۱۰۰	160
جن کے معنی اور آیت میں مراد؟:	161
آیت نمبر ۱۰۱	161
آیت نمبر ۱۰۱:	162
آیت نمبر ۱۰۲۔ ۱۰۳	162
خدا کو خیال کی آنکھیں بھی نہیں دیکھ سکتیں:	163
خدا کا دیدار آخرت میں:	163
آیت نمبر ۱۰۴	165
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصل کام:	165
آیت نمبر ۱۰۵	166
قرآن کھرے اور کھوٹے انسان کی کسوٹی ہے:	166
آیت نمبر ۱۰۶۔ ۱۰۷	167
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمے داری کی حد:	167
آیت نمبر ۱۰۸	168
کسی کے جھوٹے خداؤں کو گالی نہ دو، ورنہ وہ تمہارے سچے خدا کو بُرا بھلا کہیں گے:	169
نتیجہ نمبر ۱:	170
تعلیم:	170
نتیجہ نمبر ۲:	171
آیت نمبر ۱۰۹	171
ہٹ دھرم لوگوں کا کوئی علاج نہیں:	171
آیت نمبر ۱۱۰	172
حق ناشناسی پر جمے رہے:	172
طلبِ حق کی اہمیت:	173



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پارہ نمبر ۷

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ

آیت نمبر ۸۳

وَاِذَاسَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ

اورجب وہ (قرآن کو) سنتے ہیں جورسولؐ پراُتارا گیاہے توتم دیکھوگے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرجاتی ہیں۔اے یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے ''حق کو'' پہچان لیاہے وہ پکاراُٹھتے ہیں کہ:اے ہمارے پالنے والے!(مالک!)ہم ایمان لے آئے' تو ہمارا نام (حق کی) گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔(۸۳)

تفسیر

حضرت جعفر طیارؓ کی حالت خوف میں بحکم رسولؐ مکّہ سے حبشہ کی طرف ہجرت:

آیت کی شان نزول یہ ہے کہ جب کفار مکہ نے حضور اکرمؐ اور مسلمانوں کو سخت تکالیف پہنچائیں تو آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ وہ حبشہ ہجرت کر جائیں۔اس حکم پر حضرت علیؑ کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیارؓ کی سرکردگی میں ستر ۷۰ مسلمان حبشہ روانہ ہو گئے۔اس قافلے میں حضرت عبداللہ ابن مسعود اور عثمان بن مظعون جیسے بزرگ اصحاب کرام بھی شامل تھے۔کفار مکہ نے عمرو عاص کی سرکردگی میں ایک وفد مسلمانوں کے تعاقب میں حبشہ بھیجا۔جس نے وہاں کے

بادشاہ کو کفار مکہ کی طرف سے بڑے قیمتی تحفے پیش کیے اور بادشاہ سے درخواست کی کہ مسلمانوں کو ہمارے حوالے کیا جائے، اس لیے کہ وہ مکہ کے رہنے والے ہیں۔ اور ہمارے مجرم ہیں۔

بادشاہ حبشہ انصاف پسند آدمی تھا اس نے مسلمان مہاجرین کو بلا کر ان کا جرم دریافت کیا۔ حضرت جعفر طیارؓ نے بڑی فصاحت و بلاغت اور پرعزم خطابت کے ساتھ اسلام کی بنیادی تعلیمات پیش کیں۔ پھر جب بادشاہ نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت جعفر طیارؓ نے سورۂ مریمؑ تلاوت فرمائی۔ یہ آیات سُن کر حبشہ کا نصرانی بادشاہ نجاشی بہت متاثر ہوا اور شدّت سے رونے لگا اور بولا کہ ''قرآن انجیل سے کس قدر مشابہ ہے اور یہ حقیقت پر مبنی ہے۔''

چنانچہ بادشاہ کے رونے اور اعتراف حق کو خدا نے اتنا پسند فرمایا کہ اس کی تعریف میں یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ (تفسیر صافی نمبر ۱۴۴، بحوالہ تفسیر عمی، تفسیر کبیر، ابن ہشام)

نتیجہ:

عارفین نے نتیجہ نکالا کہ رونا عارفین کی خصوصیت ہے۔ اہل علم کا تاثر اسی قسم کا ہوتا ہے۔ وہ ہائے وائے نہیں کرتے البتہ آنسو چلنے لگتے ہیں۔ (قرطبی)

چوتھے امام علی زین العابدینؑ نے فرمایا: خدا کو دو ۲ قطرے بہت پسند ہیں۔

(۱) وہ قطرہ جو رات میں خوف خدا کے سبب جاری ہو۔ اور (۲) دوسرا وہ خون کا قطرہ جو راہ خدا میں بہایا جائے۔ (بحار انوار جلد نمبر ۱۰۰ صفحہ ۱۰)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''جو قطرہ خوف خدا سے جاری ہو اس سے جہنم پناہ مانگتی ہے۔'' (مفاتیح الجنان)

توریت میں ہے کہ: ''سب لوگ شریعت کی باتیں سن کر روتے تھے۔'' (الخمیاہ ۸:۱۹)

آیت نمبر ۸۴

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾

ترجمہ

آخر ہم اللہ پر کیوں نہ ایمان لائیں اور اس حق بات کو کیوں نہ مانیں جو ہمارے پاس آئی ہے، جب کہ ہماری تو تمنا ہی بس یہ ہے کہ ہمارا پالنے والا مالک ہمیں نیک لوگوں میں شامل کر لے۔ (۸۴)

تفسیر

نیک عمل کیے بغیر کسی شخص کا شمار صالحین بندوں میں نہیں ہوسکتا:

جناب امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''مَنْ اَبْطَأَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ۔''

یعنی: ''جسے عمل پیچھے چھوڑ دے اسے نسب آگے نہیں بڑھا سکتا۔'' (نہج البلاغہ صفحہ، ۹۳۲)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''آلِ محمدؐ کی محبت پر اعتماد کر کے عمل صالح اور عبادت میں سعی و کوشش کو نہ چھوڑو۔'' (گفتار دلنشین، صفحہ، ۱۹۳)

نتیجہ:

محققین نے نتیجہ نکالا کہ عمل کے بغیر صرف یہ بات چاہنا کہ ''ہم قیامت میں نیک لوگوں کے ساتھ اٹھیں گے۔ کافی نہیں ہوتا۔ دنیا کا معمولی سے معمولی کام بھی فقط چاہنے سے نہیں ہوا کرتا۔ بھلا سب سے بڑی کامیابی فقط چاہنے اور بغیر عمل کیے کیسے حاصل ہوسکتی ہے۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: ''لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى'' ''انسان کے لیے اس کے سوا کچھ نہیں ہے جس کے لیے وہ کوشش کرے۔''

آیت نمبر ۸۵

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۸۵﴾

ترجمہ

اللہ نے ان کے اسی قول (یعنی حق کے قائل ہونے کی وجہ سے) ان کو (ایسے ایسے گھنے اور سرسبز) باغات عطا کیے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اَجر ہوتا ہے نیک کام کرنے والوں (محسنین) کا۔ (۸۵)

تفسیر

مومن فاسق ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا:

نتیجہ:

علم کلام کے ماہرین نے اس آیت سے یہ نتیجہ نکالا کہ ''مومنِ فاسق'' ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔'' وہ سزا بھگت کر جہنم سے نکل آئے گا۔ (تفسیر کبیر۔ امام فخر الدین رازی)

ثواب اور بدلہ صرف ان الفاظ کے کہنے پر دیا جا رہا ہے جو پچھلی آیت نمبر ۸۴ میں بیان ہوئے ہیں۔ یہ اس لیے کہ اُن کے الفاظ خلوص پر مبنی ہیں۔ یہی معرفت ہے جس کے لیے خدا خود فرماتا ہے کہ: ''یہ اس لیے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔'' پھر اُن کا رونا، اُن کے سچے خلوص کی دلیل اور اُن کے ایمان اور معرفت کو ثابت کرتا ہے۔ ایمان جب خلوص اور معرفت کے ساتھ ہو تو اُسی پر ثواب کا وعدہ کیا جا رہا ہے۔ (مجمع البیان)

بہر حال رونا معرفت کی دلیل ہے، اس لیے حضرت امام حسین علیہ السلام پر رونا بھی اہل بیتؑ کی محبت اور معرفت کی دلیل قرار پائے گا۔

آیت نمبر ۸۶۔۸۷

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا

تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾

ترجمہ

رہے وہ جنہوں نے ہماری نشانیوں کو ماننے سے انکار کر دیا اور انہیں جھٹلا دیا' تو وہی لوگ دوزخی ہیں۔(۸۶)اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! جو اچھی دل پسند چیزیں خدا نے تمہارے لیے حلال کی ہیں' انہیں (اپنے اوپر) حرام نہ کرلو' اور حد سے آگے نہ بڑھ جاؤ۔ اے یقیناً خدا حد سے آگے بڑھ جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔(۸۷)

تفسیر

احکام خدا اور سنّت رسولؐ کے خلاف 'خود پسند شریعت اور رہبانیّت اسلام میں جائز نہیں:

آیت نمبر ۸۷:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ آیت ان اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے یہ قسم کھائی کہ وہ رات کو سویا نہ کریں گے اور پوری رات عبادت میں بسر کریں گے۔ اور حضرت بلال نے قسم کھائی کہ وہ ہر دن کو روزہ رکھا کریں گے۔ اور حضرت عثمان بن مظعون نے قسم کھائی کہ وہ کبھی اپنی بیوی کے ساتھ نہ سوئیں گے۔ ان کی بیوی نے جو بہت خوبصورت تھیں' حضرت عائشہ سے اس بات کی شکایت کی جس پر حضور اکرمؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ: ''جو شخص میری سنت کو چھوڑ دے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔'' پھر ان لوگوں کو ایسی قسمیں کھانے منع فرمایا۔

صاحب تفسیر صافی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس خطاب سے ان حضرات کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس لیے کہ اسی قسم کا خطاب دوسرے موقعے پر خدا نے خود حضرت رسولؐ سے بھی فرمایا ہے کہ ''اے نبیؐ! تم نے ان

چیزوں کو کیوں حرام کرلیا ہے جو اللہ نے تمہارے لیے حلال قرار دی ہیں۔'' (تفسیر صافی ،صفحہ ۱۴۵ بحوالہ تفسیر مجمع البیان وتفسیر قمی)

تعجب ہے کہ علامہ طبرسیؒ اور شیخ طوسیؒ جیسے عظیم بزرگوں نے یہاں حضرت علیؑ کا نام بھی شامل کر دیا۔اور علی بن ابراہیمؒ نے ایک مرسل حدیث بھی لکھ دی۔لیکن حضرت علیؑ جیسا انسان جس نے آغوش رسالت میں تربیت پائی ہو،ایسی قسم کیسے کھاسکتے تھے۔(معلوم ہوتا ہے کہ یا تو اس میں کوئی گہری مصلحت تھی یا پھر یقیناً کوئی اشتباہ ہوا ہے۔)(فصل الخطاب)

غرض اس آیت میں دو ۲ باتوں کی تعلیم دی گئی ہے۔ایک یہ کہ خود حلال وحرام کے مختار نہ بن جاؤ۔حلال وحرام وہی ہے جو اللہ نے مقرر فرمایا ہے۔اگر تم اپنی مرضی سے حلال حرام مقرر کرو گے تو پھر خدا کی نہیں اپنے نفس کی اطاعت کرو گے۔عیسائی راہبوں، ہندو جوگیوں، بودھ بھکشوؤں اور اشراقی صوفیاء نے رہبانیت اور قطع لذات کا طریقہ خود ایجاد کیا تھا وہ اپنی نیک نیتی کی بناء پر یہ سمجھے کہ اگر نفس اور جسم کے حقوق ادا کیے جائیں گے تو روحانی ترقی رُک جائے گی۔اور وہ اس غلط نتیجے پر پہنچے کہ اپنے آپ کو تکلیف دینے اور لذّتوں سے محروم رہنے سے خدا کا قرب حاصل کرلیں گے۔حالانکہ یہ ساری نعمتیں تو خدا نے اپنے مومنین بندوں کے لیے خاص طور پر پیدا کی ہیں۔اس ذہنیت کے خلاف حضور اکرمؐ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا: کہ ''مجھے ایسی باتوں کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔تم پر تمہارے نفس کے بھی حقوق ہیں۔روزہ بھی رکھو اور کھاؤ پیو بھی۔راتوں کو نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی۔مجھے دیکھو میں سوتا بھی ہوں اور راتوں کو نماز کے لیے کھڑا بھی رہتا ہوں۔روزے رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا، گوشت بھی کھاتا ہوں اور گھی بھی۔پس جو میرے طریقے کو پسند نہیں کرتا وہ مجھ سے نہیں۔لوگو! آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم نے عورتوں، اچھے کھانوں، خوشبو، نیند اور دنیا کی لذّتوں کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے؟ میں نے تو تمہیں یہ تعلیم نہیں دی کہ تم راہب یا پادری بن جاؤ۔میرے ہاں روزہ ضبط نفس ہے۔رہبانیت کے سارے فائدے جہاد سے حاصل ہوتے ہیں۔اس لیے صرف اللہ کی بندگی کرو۔اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔حج اور عمرہ کرو، نمازوں کو پابندی سے ادا کرتے رہو۔زکوٰۃ دو۔ماہ رمضان کے روزے رکھو۔تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے وہ اسی لیے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اپنے اوپر سختی کی، جب انہوں نے اپنے اوپر سختی کی تو پھر خدا نے بھی ان پر سختی کی۔یہ انہی کے بقایہ جات ہیں جو خانقاہوں میں نظر آتے ہیں۔'' (الحدیث)

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیریؑ
کہ رسم خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

(اقبالؔ)

۱۔حد سے بڑھنا یہ ہے کہ شریعت کی حدوں کو توڑ دینا یا شریعت کی پابندیوں کو نا کافی سمجھ کر ان میں اپنی طرف سے اضافے کرنا یا ان کو زیادہ سمجھ کر اپنی طرف سے گھٹا دینا وغیرہ۔(قرطبی۔ابن کثیر)

متشدد وملاؤں اور بہت ڈھیل دینے والے اہل باطل صوفیاء انتہا پسندوں کی اس آیت میں ردّ ہے۔(قرطبی)

آیت نمبر ۸۸۔۸۹

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

ترجمہ

اور جو کچھ کہ اللہ نے تمہیں حلال اور اچھی چیزیں عطا کی ہیں اُن میں سے کھاؤ (پیو) مگر اللہ کو ناراض کرنے سے بچو جس کو تم اپنا پالنے والا مالک مانتے ہو۔(۸۸)

اللہ تمہاری مہمل قسموں پر تو کوئی مواخذہ نہیں کریگا۔مگر جو قسمیں تم جان بوجھ کر کھاتے ہو ان پر تم کو ضرور پکڑیگا۔(یہ کہ) تم دس ۱۰ غریبوں کو اس اوسط درجے کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا انہیں کپڑے پہناؤ' یا پھر ایک غلام آزاد کرو۔اب جو اتنا بھی نہ رکھتا ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے۔یہ ہے تمہاری قسموں کا کفارہ 'جب تم قسم کھا کر توڑ ڈالو۔(لہٰذا) اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔اس طرح اللہ اپنے احکامات تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے' تا کہ تم اس کا شکر ادا کرو۔(۸۹)

تفسیر

قسموں کا کفّارہ ادا کرو:

آیت نمبر ۸۹:

یہ کفارہ قسم توڑنے کے بعد واجب ہوگا۔اس سے پہلے نہیں۔خواہ قسم ارادتاً توڑی ہو یا بھول چوک سے ٹوٹ گئی ہو''کفارے'' کے معنی وہ چیز جو گناہ کو ڈھک لے۔

''حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ قسم توڑنے کا کفارہ یہ بھی ہے کہ: دس ۱۰ مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلایا جائے، یا کپڑا پہنایا جائے۔اور اگر یہ کچھ نہ ہو سکے تو تین ۳ روزے رکھے جائیں۔''اوسط درجے کا کھانا یہ ہے کہ روغن زیتون یا سرکہ (مراد سالن) سے روٹی کھلائیں اور اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ گوشت اور روٹی کھلائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فی کس ایک مد گیہوں دے دیے جائیں۔''(تفسیر صافی صفحہ ۱۴۵)

(نوٹ: ایک مد چودہ چھٹانک کے برابر ہوتا ہے۔اگر کپڑے دیے جائیں تو فی کس دو ۲ جوڑے دیے جائیں)

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا:''جس کو اپنے بال بچوں کے خرچ کے بعد کچھ نہیں بچتا وہ ان میں داخل ہے جن کے لیے آیت میں کہا گیا ہے کہ''اب جو اتنا بھی نہ رکھتا ہو وہ تین دن کے روزے رکھے۔''

(کافی)

حضرت امام جعفرصادق علیہ السلام نے فرمایا:''کفارہ قسم کے روزوں میں فاصلہ جائزنہیں۔''(یعنی تینوں روزے مسلسل رکھے)(تفسیرصافی صفحہ ۱۴۶)

محقّقین نے نتیجہ نکالا کہ حقیقی شکرخدا کے احکامات پرعمل کرنا ہے۔قسموں کی حفاظت کے معنی قسموں کا خیال رکھنا ہے۔اورصرف صحیح موقعے پرقسم کھانا ہے۔اورقسم کھا کراسے یادرکھانااورپورا کرنا ہے۔اوراگرپورانہ کرسکے تومذکورہ کفارہ ادا کرنا ہے۔

آیت نمبر ۹۰

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝۹۰

ترجمہ

اے ایمان لانے والو!شراب‘جوابت یاباطل خداؤں کے نشانات‘اورجوئے میں استعمال ہونے والے تیر‘یہ سب گندے شیطانی کام ہیں‘ان سے بچو۔تاکہ تم مکمل کامیابی حاصل کرلو۔(۹۰)

تفسیر

شیطانی کاموں کی ممانعت:

حضرت امام محمدؑ باقرعلیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ سے پوچھا گیا کہ''مَیْسِر''کیاچیزہے؟''آپؐ نے فرمایا:''ہروہ چیز مَیْسِر ہے جس پرہارجیت کاکھیل ہو۔حتیٰ کہ اخروٹ ہی کیوں نہ ہو۔''پھرپوچھا گیا:''انصاب کیاچیز ہے''؟فرمایا:''وہ جانورجوجھوٹے معبودوں‘بتوں وغیرہ کے نام پرذبح کیے جاتے ہیں۔''پوچھا گیا کہ:''ازلام کیاہوتاہے؟''فرمایا:''وہ تیرجن کے ذریعے سے جوئے کی کمائی تقسیم کی جاتی ہے۔'' (تفسیرصافی،صفحہ۱۴۶بحوالہ کافی)

جوئے کے تحت نرد اور شطرنج بلکہ ہر قمار بازی کا داخل کیا گیا ہے۔(تفسیر علی بن ابراہیم)

اسی بناء پر گیرم، تاش وغیرہ کو بھی فقہاء حرام سمجھتے ہیں۔ (فصل الخطاب)

حضور اکرمؐ نے فرمایا: ''اللہ نے لعنت فرمائی ہے شراب پر، اس کے پینے اور پلانے والے، خریدنے، بیچنے والے، کشید کرنے اور کشید کرانے والے پر۔ اور اٹھا کر لے جانے والے پر، جس کے لیے اٹھا کر لیجائی جائے اس پر لعنت ہے۔ نیز فرمایا: ''اس دسترخوان سے کھانا نہ کھاؤ جس پر شراب پی جارہی ہو۔ شراب کے برتن بھی استعمال نہ کرو۔

نیز: ''جس چیز کی کثیر مقدار نشہ پیدا کردے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔'' (الحدیث)

آیت نمبر ۹۱

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾

ترجمہ

شیطان تو بس یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے درمیان دشمنی اور دلی نفرت کے بیج بودے۔ اور تمہیں خدا کی یاد اور نماز سے روک دے۔ پھر کیا تم (نماز اور ذکر خدا سے) رُک جاؤ گے؟ (۹۱)

تفسیر

شیطان کی تو بڑی خواہش یہی ہے کہ وہ تم کو ذکر خدا اور نماز سے روک دے:

علامہ طبرسیؒ نے لکھا کہ اس آیت سے شراب اور جوئے کا حرام ہونا چار وجوہات سے ثابت ہے۔

(۱) انہیں نجاست کہا گیا ہے۔ (۲) انہیں شیطانی کام کہا گیا ہے۔ (۳) ان سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (۴) ان سے بچنے پر دنیوی واُخروی حقیقی اور ابدی کامیابی کا مژدہ سنایا گیا ہے۔ (مجمع البیان)

ماہرین جدید کے نزدیک بھی شراب پینے اور جوا کھیلنے کا بڑے بڑے جرائم مثلاً قتل، زنا، چوری، ڈاکے سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ تاریخ بھی گواہ ہے کہ بڑے بڑے طاقتور تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ معاشرے جوئے اور شراب کی لت کی وجہ سے اپنی عزت طاقت، شان وشوکت، دوست، غرض سب کچھ گنوا بیٹھے۔ اسی لیے احادیث میں شراب کو ''امّ الخبائث'' یعنی تمام خباثتوں کی جڑ کہا گیا ہے۔

شراب اور جوئے کی وجہ انسان خدا کے عائد کیے ہوئے فرائض سے غافل ہوجاتا ہے حلال وحرام کی تمیز کھو بیٹھتا ہے۔ قتل، زنا، جھوٹ، گالی گلوچ، چوری، ڈاکے جیسے جرائم میں ملوّث ہوجاتا ہے۔ اسی لیے حضرت علی علیہ السلام نے شراب پینے پر اسی (۸۰) کوڑے مارنے کی سزا دی۔

جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ: ''شراب پینے والے کو تعزیر دی جائے گی، اگر دوبارہ پیے تو پھر تعزیر اور تیسری مرتبہ بھی تعزیر، لیکن چوتھی مرتبہ اس کو قتل کر دیا جائے گا'' اور فرمایا ''بروز محشر شرابی کے لیے حرام کار عورتوں کی شرمگاہوں سے خارج ہونے والا بدبودار پیپ اور غلیظ خون دوزخ میں غذا ہوگی، جس کی بدبو سے تمام اہل جہنم پناہ مانگیں گے۔ (تفسیر صافی)

قرآن میں شراب کا سب سے بڑا نقصان خانہ جنگی کو بتایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کو جھگڑے کرنا کتنا ناپسند ہے۔

اب جبکہ شراب کو خواہ اسی لیے حرام قرار دیا ہے دیا کہ اسے پی کر لوگ لڑتے جھگڑتے ہیں، اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں پی کر نہ لڑوں گا، تو بھی حرمت قائم رہے گی۔ یہ اصول تمام ان احکامات پر جاری رہے گا جن کی بناء پر احکام کلیہ جاری کیے گئے ہیں۔ اب ان کی حرمت کو ماننا واجب ہے۔ (فصل الخطاب)

خدا کا فرمانا کہ ''جوا اور شراب خدا کی یاد اور نماز سے روک دیتے ہیں۔'' اس سے نماز کی اہمیت بھی معلوم

ہوگئی اور شراب اور جوئے کا دوسرا بڑا نقصان بھی معلوم ہوگیا۔(بیضاوی۔مدارک)

جوئے کی حرمت کی بنیاد پر فقہائے اسلام نے شطرنج اور تمام نیم قماری کھیلوں کو حرام قرار دیا ہے۔ (جصاص۔قرطبی)

آیت نمبر ۹۲

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾

ترجمہ

اور اللہ اور (اس کے) رسولؐ کی بات مان لو۔اور ان چیزوں سے باز آجاؤ۔اگر اس کے بعد بھی تم نے حکم نہ مانا تو پھر یہ بھی جان لو کہ ہمارے رسولؐ پر تو فقط صاف صاف حکم پہنچا دینے ہی کی ذمّے داری ہے (حکم کو منوانے کی نہیں)۔(۹۲)

تفسیر

اطاعت رسولؐ کے حکم میں آلؐ رسولؐ کی اطاعت بھی شامل ہے:

''اطاعت رسولؐ'' کے حکم میں آلؐ رسولؐ کی اطاعت بھی شامل ہے' اس لیے کہ خود جناب رسول خداؐ نے قرآن کے ساتھ ساتھ آلؐ رسولؐ سے تمسّک کا حکم دیا ہے۔

آپؐ نے فرمایا: ''میں تم دو (۲) گرانبہا' چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ایک قرآن اور دوسرے میرے اہل بیتؑ۔جب تک تم ان دونوں سے تمسّک اختیار کرتے رہو گے' ہرگز گمراہ نہ ہو گے' اور یہ دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ مجھ سے حوض کوثر پر نہ مل جائیں۔'' (ترمذی شریف)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''خدا کی قسم! تم میں سے کوئی ہلاک نہیں ہوا اور نہ قائم آل محمدؐ

کے آنے تک کوئی ہلاک ہوگا، مگر اس وجہ سے کہ وہ ہماری ولایت کو ترک کر دے اور ہمارے حق کا انکار کرے۔''

پھر امامؑ نے فرمایا: ''جناب رسول خداؐ اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے جب تک اس اُمّت پر ہمارا حق لازم نہ کر دیا۔'' (تفسیر صافی صفحہ ۱۴۶، بحوالہ کافی)

آیت نمبر ۹۳

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ

اب جنہوں نے حکم مان لیا اور وہ نیک کام کرنے لگے تو جو کچھ کہ انہوں نے پہلے کھایا پیا تھا اس پر ان کی کوئی پکڑ دھکڑ نہ ہوگی بشرطیکہ وہ آئندہ ان چیزوں سے بچتے رہیں جو حرام کی گئی ہیں۔ ۱؎ اور اپنے ایمان پر قائم رہیں اور اچھے کام کرنے لگیں۔ پھر خدا سے ڈرتے ہوئے مکمل نیک رویّہ اختیار کر لیں۔ تو اللہ احسان کرنے والے نیک کردار لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ ۲؎ (۹۳)

تفسیر

حرمت آنے سے قبل جو کچھ کھا پی لیا اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا:

۱؎۔ روایتوں میں آتا ہے کہ جب شراب اور جوئے کی حرمت کا حکم آیا تو لوگوں نے سوال کیا کہ پھر ان لوگوں کو حشر کیا ہوگا جو اب تک شراب پیتے رہے اور جوئے کا مال کھاتے رہے؟ اب وہ زندہ بھی نہیں ہیں کہ توبہ کر لیں۔ اس کے جواب میں یہ آیت اتری۔ ایسا ہی سوال تحویل قبلہ کے وقت بھی کیا گیا تھا کہ اب ان نمازوں کا کیا بنے گا جو بیت المقدّس کی طرف ہم پڑھ چکے ہیں؟ (جصاص)

خدا نے جواباً فرمایا۔''مومنین جو کچھ حکم حرمت آنے سے پہلے کھا پی چکے ہیں اب اس کا مواخذہ نہیں ہوگا، بشرطیکہ وہ بعد میں ان احکامات کی پابندی کریں۔'' (جلالین۔شاہ ولی اللہ)

احسان اور تقویٰ کی مختصر تشریح:

۲۔عرفاء کے نزدیک ''احسان'' سلوک وعرفان یا نیک اعمال کی آخری منزل کا نام ہے۔اس کے معنی اچھے کام کو اچھی نیت سے بہت اچھے طریقے، دل وجان، بھرپور طریقے سے انجام دینا ہے، سرسری طور پر انجام دینا احسان نہیں۔

احسان کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ کسی کو اُس کا حق اُس کے استحقاق سے زیادہ دیا جائے۔احسان عدل کے بعد کی منزل ہے۔''عدل'' کے معنی یہ ہیں کہ کسی کا حق اُس کے استحقاق کے برابر دیا جائے۔اور''احسان یہ ہے کہ اُس کا حق اُس کے استحقاق سے زیادہ دیا جائے۔

اور''احسان'' کی تعریف حدیثِ نبویؐ میں اس طرح ہے:''اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ''۔یعنی:''احسان کا درجہ یہ ہے کہ خدا کی عبادت اس طرح کرگویا کہ تو اس کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔''اور اس کو ایقان بھی کہا جاتا ہے۔

تقویٰ کو ایمان سے مقدم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ایمان تقوٰی کی وجہ سے قوت وطاقت حاصل کرتا ہے۔یعنی جس قدر تقوٰی زیادہ ہوگا ایمان بھی زیادہ ہوگا۔اور اس آیت مجیدہ میں جو تکرار تقوٰی ہے۔پہلی مرتبہ اِتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا۔ تقوٰی عام اور ایمان کا پہلا درجہ مراد ہے۔ثُمَّ اِتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا جب دوبارہ استعمال ہوا تو اس سے مراد تقوٰی خاص اور ایمان کا دوسرا درجہ یعنی عین الیقین اور تیسری مرتبہ تقوٰی خاص الخاص اور ایمان کا تیسرا درجہ الیقین ہے۔اسی لیے اس کو احسان سے تعبیر فرمایا ہے۔ثُمَّ اِتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا۔ (تفسیر انوار النجف جلد ۵، صفحہ ۱۶۶)

آیت نمبر ۹۴

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾

ترجمہ

اے ایمان لانے والو! اللہ تمہارا امتحان اس شکار کے ذریعے سے لیتا ہے جس کو تمہارے ہاتھ اور نیزے پالیں، یہ دیکھنے کے لیے کہ کون ان دیکھے خدا سے ڈرتا ہے پھر جو اس کے بعد بھی اللہ کی مقرر کی ہوئی حد سے آگے بڑھا، تو اس کے لیے بڑی سخت تکلیف دینے والی سزا ہے۔ (۹۴)

تفسیر

صلح حدیبیہ کے موقع پر امتحان:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی۔ جب خدا نے تمام جانور جناب رسول خداؐ کے لیے وہاں بھیج دیے تھے یہاں تک کہ مسلمانوں کے ہاتھ اور نیزے بآسانی ان تک پہنچ سکتے تھے۔ (تفسیر قمی، الکافی)

کیونکہ اصحاب کرام شکار کے عادی تھے اس لیے ان کی اطاعت اور قوت ضبط کا خاص طور پر امتحان ہو رہا تھا۔ اور یہ کہ کر "بِشَیۡءٍ" "اللہ تمہارا تھوڑا سا امتحان اس شکار کے ذریعے سے لیتا ہے۔" یہ بتایا کہ کوئی سخت امتحان نہیں ہے۔ معمولی سا امتحان ہے۔ (بیضاوی۔ کشاف)

بہرحال اس شکار سے وہ جانور بہرحال مستثنیٰ ہیں جن کو مارنا حدیث سے ثابت ہے یا دوسری آیتوں سے ثابت ہے۔ جیسے دریائی جانور، سانپ، بچھو، بھیڑیا، کاٹنے والا کتا وغیرہ۔ (جصّاص بقول ابن عبّاسؓ)

آیت نمبر ۹۵

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡتُلُوا الصَّیۡدَ وَاَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ وَمَنۡ قَتَلَهٗ مِنۡکُمۡ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثۡلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحۡکُمُ بِهٖ ذَوَا عَدۡلٍ مِّنۡکُمۡ هَدۡیًۢا بٰلِغَ الۡکَعۡبَةِ اَوۡ کَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰکِیۡنَ اَوۡ

عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

ترجمہ

اے ایمان لانے والو!تم حالت احرام میں ہوتو شکار نہ مارو۔اب جو اسے جان بوجھ کر مارے ‘تو جو جانور اس نے مارا ہو‘اسی کے جیسا ایک جانور مویشیوں میں سے اسے نذر دینا ہوگا۔جس کا فیصلہ تم میں دو(۲)عادل آدمی کریں گے۔اور یہ نذرانہ کعبہ تک پہنچایا جائے گا۔یا اس گناہ کے کفارے میں اسے چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا۔یا اس کے بدلے روزے رکھنے ہوں گے۔تاکہ وہ اپنے کیے کا مزہ چکھے ۔پہلے جو کچھ بھی ہو چکا ہے‘وہ تو خدا نے معاف کر دیا۔لیکن جو پھر ایسا کرے گا‘ تو اللہ اس سے بدلہ لے گا۔اور اللہ تو سب پر غالب‘زبردست بدلہ لینے والا ہے۔(۹۵)

تفسیر

حالت احرام میں شکار مارنے پر نذر یا کفّارہ:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے جناب رسول خداؐ نے فرمایا:’’جب تم حالت احرام میں ہو تو ہر جانور کے قتل کرنے سے بچو۔سوا سانپ‘بچھو اور چوہے کے۔کیونکہ چوہا مشک کو کاٹ ڈالتا ہے اور مکان یا خیمے میں آگ لگا دیتا ہے۔یہی حکم دیوانے کتے اور درندے کے لیے بھی ہے۔کوّے یا چیل کو پتھر وغیرہ سے صرف اُڑا دینا چاہیے۔ (تفسیر صافی۔بحوالہ التہذیب)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ’’ہرن کے بدلے بکری اور گورخر کے بدلے گائے‘اور شترمرغ کے بدلے پانچ برس کا اونٹ ذبح کیا جائے اور گائے کے بدلے گائے ذبح کی جائے۔(تفسیر صافی صفحہ ۱۴۷۔بحوالہ التہذیب)

مطلب یہ ہے کہ جس طرح کے جانور کا اس نے شکار حالت احرام میں کیا ہے' ویسا ہی جانور کعبہ میں لے جا کر ذبح کرے۔ یہاں جنس میں مماثلت مراد ہے۔ (جلالین، شاہ ولی اللہ)

اور قیمت کے لحاظ سے مماثلت مقصود ہے۔ (امام ابوحنیفہ)

اب قرآن کا یہ کہنا کہ ''اس کا فیصلہ دو عادل شخص کریں گے۔'' یہ بتاتا ہے کہ قیمت کے لحاظ سے مماثلت بھی مراد ہے۔ کیونکہ گائے کے بدلے گائے' اور بکری کے بدلے بکری مراد ہوتی تو پھر اس میں فیصلہ کرنے کا کیا سوال باقی رہا؟ البتہ قیمت کے معاملے میں دھاندلی ہوسکتی ہے۔ اس لیے فیصلہ کرنے والوں کی ضرورت ہے۔

لیکن بعض اوقات اس جنس کا جانور جس کا شکار کیا گیا ہے' میسر نہ ہو تو پھر جنس سے لحاظ سے قریب تر کون سے جانور کا فیصلہ کرنا ہے۔ یہ فیصلہ ہر آدمی نہیں کرسکتا۔ (تبیان' مجمع البیان' فصل الخطاب)

آیت کے آخری دونوں لفظوں نے کہ ''اللہ سب پر غالب' اپنے زور پر کام کرنے والا' عزت والا' زبردست' اور بدلہ لینے والا ہے۔'' ان الفاظ سے جاہلی قوموں کے اس عقیدے کو یکسر باطل قرار دے دیا کہ ''خدا ہر قسم کی فعالیت سے محروم' بالکل بے حس اور جامد ہے۔ (معاذ اللہ)

آیت نمبر ۹۶

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۹۶

ترجمہ

تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال قرار دیا گیا ہے۔ تاکہ وہ تمہارے لیے اور قافلے والوں کے لیے فائدے کا ذریعہ ہو۔ لیکن جب تک تم احرام باندھے ہو' تو اس وقت تم پر خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے۔ پس بچو خدا کی نافرمانی سے جس کی پیشی کے لیے تم سب کے سب کو گھیر گھیر کر خدا کے سامنے حاضر کیا جائے گا۔ (۹۶)

تفسیر

سمندر کا شکار حلال قرار دیا گیا ہے:

اس سے پہلے والی آیت میں کہا گیا تھا کہ، شکار کے ذریعے سے تمھاری آزمائش کی جائے گی۔ اس کی تفصیل بیان ہوگئی۔ کہ وہ خشکی کا شکار ہے جو حرام ہے۔

لیکن دریائی شکار جیسے مچھلی، حرام نہیں۔،، بحر، میں تالاب اور جھیل کی مچھلیاں بھی شامل ہیں، اس لیے کہ ''بحر' خشکی کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے۔ اس لیے یہاں اس کے معنی تری کے ہیں۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ ایسے شکار کا کھانا بھی حلال ہے۔ (تفسیر تبیان، ابن جریر، جصاص، معالم)

آیت نمبر ۹۷

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾

ترجمہ

اللہ نے کعبہ کو، جو محترم گھر ہے سب لوگوں کے فائدے کا سبب (۱) قرار دیا ہے۔ اور اسی طرح محترم (۲) مہینے اور قربانی کے جانوروں اور ان جانوروں کو بھی کہ جن کے گلے میں پٹا ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ تمھیں یہ بات معلوم ہوجائے کہ اللہ آسمانوں اور زمین کے تمام حالات کو خوب خوب جانتا ہے۔ اور اسے ہر ہر چیز کا علم ہے۔ (۹۷)

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے کعبۂ محترم کو لوگوں کے فائدے کا سبب قرار دیا ہے:

ا۔عربوں کو کعبے کے پاس جمع ہونے میں تجارتی منافع بھی تھا۔

سعید ابن جبیرؓ نے کہا کہ اس سے دنیوی فائدہ بھی مراد ہے۔یہی کچھ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے۔(مجمع البیان)

کیونکہ قبائل عرب حدودحرم میں آکر کھینچی ہوئی تلواروں کو نیام میں رکھ لیتے تھے۔حج کے مہینے میں لڑائیاں رک جاتی تھیں۔جب کسی قافلے میں قربانی کے جانور دیکھ لیتے تھے تو اس کو لوٹتے نہ تھے اس لیے خدا نے ارشاد فرمایا:''خدا نے اس محترم گھر کو ان تمام چیزوں اور لوگوں کے لیے حالات کی درستگی اور تنظیم کا مرکز بنایا۔''(مجمع البیان۔بقول ابن عباس)

عرب میں کعبے کی حیثیت محض ایک مقدس عبادت گاہ ہی نہ تھی' بلکہ اپنی مرکزیت کی وجہ سے پورے ملک کی معاشی اور تمدنی زندگی کا سہارا بنا ہوا تھا۔حج اور عمرے کی وجہ سے سارا عرب آتا تھا۔اس طرح عربوں میں وحدت کا ایک رشتہ پیدا ہوتا تھا۔تمدنی روابط شاعری کے مقابلے' زبان اور ادب کی ترقی' تجارتی لین دین' اور سارے ملک کی معاشی ضروریات پوری ہوتی تھیں۔محترم مہینوں کی وجہ سے عربوں کو سال بھر کے ایک تہائی عرصے میں امن نصیب ہوتا تھا۔اس زمانے میں تجارتی قافلے ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک آتے جاتے تھے۔(تفہیم)

کعبہ کے معنی''بلند مقام'' کے ہیں۔یہ بلندی ظاہری بھی ہے اور باطنی بھی۔(تفسیر کبیر)

کعبہ کو''بیت''اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں چھت اور دیواریں ہیں۔'اس لیے کہ اس میں کوئی رہتا ہے۔(قرطبی)

کیونکہ خدا نے کعبے کو ساری انسانیت کے فائدے کا سبب قرار دیا ہے'اس لیے محققین نے یہ نتیجہ نکالا کہ''جب تک کعبہ موجود ہے انسانوں کی آبادی باقی رہے گی۔انسانیت کی سانس اسی کے وجود سے باقی رہے گی۔''(قرطبی۔تفسیر کبیر۔روح)

بیت سے زیادہ اہم اہلِ بیت ہیں جن کی وجہ زمین و آسمان قائم ہیں۔(بقول امام جعفر صادق علیہ السلام)(اصول کافی)

۲۔محترم مہینوں سے حرمت والے چار مہینے مراد ہیں جو تمام عرب جانتے اور مانتے تھے۔ چاروں مہینوں کے لیے دو الفاظ استعمال فرما دیے۔(قرطبی۔تفسیر کبیر۔جصاص)

خدا نے اس آیت سے پہلے بھی اپنی رحمت اور ربوبیت کو بیان فرمایا تھا۔پھر درمیان میں عقاب کا ذکر آ گیا۔اگر آیت کا خاتمہ اپنی صفت مغفرت اور رحمت پر فرمایا۔اس میں یہ نکتہ نکلا کہ خلق کی ابتداء بھی رحمت ہی سے ہوئی ہے اور انشاء اللہ خاتمہ بھی رحمت ہی پر ہوگا۔(رازی۔تفسیر کبیر)

آیت نمبر ۹۸

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾

ترجمہ

جان لو کہ خدا سزا دینے میں بھی بہت ہی سخت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ خدا بہت ہی معاف کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا بھی ہے۔ا۔(۹۸)

تفسیر

ایمان دو ۲ برابر حصّوں میں منقسم ہے:

آیت نمبر ۹۸:

ا۔آیت میں خدا کا خود کو ''غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' فرمانا امید اور خوف دونوں پہلوؤں کو لیے ہوئے جو ایمان کے دو ۲ حصّے ہیں۔

جناب رسول خداؐ نے فرمایا:''ایمان دو ۲ برابر حصّوں میں تقسیم ہے۔آدھا خوف اور آدھا (خدا کی رحمت سے) امید۔'' (الکافی)

خدا فرماتا ہے کہ''جو چھوٹا یا بڑا کوئی گناہ کرے اور اس کا یہ ایمان ہو کہ مجھے اس کے عذاب کرنے

اورمعاف کرنے کااختیارہے تومیں اس کومعاف کردیاکرتاہوں۔''(حدیث قدسی فی صافی)(بحوالہ انوارالنجف،۵صفحہ،۱۸۳)

آیت نمبر ۹۹۔۱۰۰

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾

قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

ترجمہ

رسولؐ پرتوصرف (خداکے پیغام کو) پہنچادینے ہی کی ذمے داری ہے۔مگراللہ (تمہارے ان تمام حالات کو) خوب جاننے والاہے جنہیں تم ظاہرکرتے ہو یاچھپاتے ہو۔(۹۹)

آپ کہہ دیجیے کہ ناپاک اور پاک چیز برابرنہیں ہے۔چاہے ناپاک چیز کازیادہ ہوناتمہارے دل کوخوب لبھائے۔۱۔پس اے عقل والو۔۲۔!اللہ کی ناراضگی سے بچوتاکہ ہرطرح کی بہتری اوربھرپورکامیابی حاصل کرلو۔(۱۰۰)

تفسیر

ناپاک وحرام چیز کثرت وخوبصورتی کے باوجود پاکیزہ وحلال چیز سے بہتر نہیں ہوسکتی:

مطلب یہ ہے کہ حالت احرام میں شکار کو ممنوع قرار پانے سے تمہارا دل نہ دکھے کہ افسوس اللہ کی ان نعمتوں سے محروم ہو گئے۔ کیونکہ حرام غذا اچاہے بہت سی ہو وہ کسی کام کی نہیں جبکہ اس کا کھانا خدا کو پسند نہ ہو۔ اس کے مقابلے میں وہ کم غذا اچھی ہے جو پاک اور حلال ہو۔

نتیجہ:۱

دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہاں ''برے'' ''اچھے'' سے'' کافر اور مومن ''لوگ مراد ہیں۔ کثرت اور جمہور کی طاقت کی کوئی قیمت نہیں جب کہ وہ حق کے خلاف ہوں۔ (تفسیر تبیان)

یہ آیت حقیقت میں قدر و قیمت کا ایک الگ معیار پیش کرتی ہے۔ ظاہر میں نظروں میں سو (۱۰۰) روپے بڑی چیز ہے اور پانچ روپے معمولی چیز ہے۔ مگر آیت بتاتی ہے کہ سو (۱۰۰) روپے اگر خدا کی نافرمانی کر کے حاصل کیے گئے ہوں تو وہ ناپاک ہیں۔ اور پانچ روپے اگر خدا کی اطاعت کر کے جائز طریقوں سے کمائے گئے ہوں تو وہ پاک ہیں۔ اور ناپاک چیز مقدار میں کتنی ہی زیادہ ہو بہرحال وہ کسی طرح بھی پاک کے برابر نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ غلاظت کا ڈھیر عطر کے ایک قطرے کے برابر نہیں ہوسکتا۔ پیشاب سے بھری ہوئی نالی صاف و پاک پانی کے ایک چلّو کے برابر نہیں کہی جاسکتی۔ اس لیے صاحب عقل وہ ہے جو حلال پر قناعت کرتا ہے خواہ وہ کتنا ہی قلیل کیوں نہ ہو۔ اور شریف آدمی کبھی حرام کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا خواہ وہ بظاہر کتنا ہی کثیر اور شاندار ہو۔ (تفہیم)

۲۔ ''لُبّ'' کے معنی خالص عقل کے ہوتے ہیں جو ہر قسم کی گندگی سے پاک ہو۔ عقل خدا کی عظیم الشان نعمت ہے۔ حضرت امام محمدّ باقر علیہ السلام نے فرمایا: جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''خدا نے عقل کو پیدا کیا۔ پھر اسے حکم دیا؛ آگے آؤ۔، وہ آگے آئی پھر فرمایا؛ پیچھے ہٹو۔ وہ پیچھے ہٹی،، (معلوم ہوا کہ عقل وہ چیز ہے جو خدا کے حکم پر ہر کام کرتی ہے اور اس کے روکنے پر رک جاتی ہے) عقل کی اس فرمانبرداری پر خدا نے ارشاد فرمایا: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم ہے کہ میں نے تجھ (عقل) سے زیادہ پسندیدہ کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ مین تجھ ہی

سے حساب لوں گا، تجھ ہی کو ثواب دوں گا اور تجھ ہی کو سزا دوں گا۔،، (الکافی)

(حاصل کلام) مطلب یہ ہے کہ پاکیزگی کی راہ اختیار کرو، بدی اور گندگی کی کثرت یا ظاہری خوبصورتی سے متاثر ہو کر ادھر جھک نہ پڑو۔ (کشاف)

اس لئے اہل حق کے مقابلے میں اہل رسوم اور اہل کفر و نفاق و بدعت کی کثرت سے کبھی دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔ (تھانوی)

آیت نمبر ۱۰۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ

اے ایمان لانے والو! ایسی چیزوں کے متعلق سوال ہی نہ کیا کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں تو نہیں ناگوار ہوں۔ اے (کیونکہ) اگر تم ان کے بارے میں پوچھو گے جب کہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو وہ باتیں تم پر ظاہر کر دی جائیں گی (خیر جو کچھ تم نے پوچھ لیا) اسے تو اللہ نے معاف کر دیا۔ اللہ تو ہے ہی بڑا بخشنے والا بڑا برداشت کرنے والا۔ (۱۰۱)

تفسیر

ایک ہی سوال کے بار بار جرح کرنے سے منع کیا گیا ہے:

''اے لوگو! جو ایمان لا چکے ہو تم ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو۔''

اے۔ اس سوال نہ کرنے کے سلسلے میں امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ علیہ السلام سے روایت ہے

کہ: جناب رسول خداؐ ایک مرتبہ خطبہ فرما رہے تھے۔آپؐ نے فرمایا: ''اللہ نے تم پر حج کو واجب قرار دیا ہے۔'' عکاشہ ابن مومن نے (اور دوسری روایت کے مطابق سراقہ بن مالک نے) پوچھا کہ کیا ہر سال حج واجب ہے؟''

آنحضرتؐ نے یہ سن کر منہ پھیر لیا۔اس نے دو تین دفعہ یہی سوال دہرایا۔آپؐ نے ہر بار منہ پھیر پھیر لیا۔پھر فرمایا: ' وائے ہو تجھ پر' اگر میں ہاں کہہ دوں تو پھر کیا ہو؟ خدا کی قسم اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال کے لیے واجب ہو جاتا۔اور پھر تم ہر سال حج نہ کر سکتے۔اور جب نہ کر سکتے تو کافر ہو جاتے۔پس جب میں کوئی بات چھوڑ دیا کر دوں تو تم اس کا پیچھا نہ کیا کرو۔اس لیے کہ تم سے پہلے بہت سے لوگ (بے جا) سوالات کرنے کی وجہ سے اور پھر انبیاء سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔پس جس بات کا حکم دوں اس کو جہاں تک ہو سکے بجالاؤ۔اور جس کام سے روک دوں' رک جاؤ۔'' (صافی صفحہ ۱۴۸، مجمع البیان، ترمذی)

آیت کا پیغام یہ ہے کہ خواہ مخواہ خود سے کھوج لگا لگا کر سوال نہ پوچھا کرو کہ اس کا حکم کیا ہے؟ اس طرح خواہ مخواہ بے ضرورت پوچھنے سے بہت ممکن ہے کہ تم پر کوئی سخت پابندی عائد ہو جائے۔جب تک کسی چیز کا حکم نہیں دیا گیا یا کسی چیز کو حرام نہیں فرمایا گیا' اس وقت تک تمہارے لیے بڑی آسانی ہے۔کیونکہ اصل میں ہر چیز حلال ہے جب تک کہ اس کو حرام نہ قرار دیا جائے۔(فصل الخطاب)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آیت احکام شریعت سے تعلق رکھتی ہے۔(مجمع البیان)

غرض آیت میں ایسے سوالات کرنے کی ممانعت ہو رہی ہے جو فضول' غیر متعلق اور لایعنی ہوں۔اگر کوئی ایسا سوال ہو جو ہماری معاشی یا معادی زندگی سے وابستہ ہو' تو وہ ضرور پوچھنا چاہیے۔صرف دور دور کے احتمالات پیدا کر کے سوال کرنا' وہ بھی صرف سوال کرنے کے لیے' ایسے سوالوں کی ممانعت کی گئی ہے۔بخاری شریف میں یہ بھی ہے کہ صرف مذاق کے طور پر سوال کیا کرتے تھے۔

ایسے سوالات کرنے سے شاید اس لیے روکا گیا ہے کہ اس سے وقت ضائع ہوتا ہے۔دین کی توہین ہوتی ہے، اور علماء کو تکلیف ہوتی ہے۔(تھانوی)

آیت نمبر ۱۰۲

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

ترجمہ

تم سے پہلے کچھ لوگوں نے ایسی ہی باتوں کا سوال کیا تھا' پھر وہ لوگ انہی باتوں کی وجہ سے حق کے منکر بھی ہو گئے۔(۱۰۲)

تفسیر

آیت نمبر ۱۰۲:

یعنی خواہ مخواہ پوچھ پوچھ کر تو احکامات دریافت کیے اور جب پابندیاں لگائی گئیں تو ان کی مخالفت کی۔ (جلالین)

جس سے طرح حضرت عیسیٰؑ سے دسترخوان (مائدہ) کے نزول کا سوال کیا اور پھر کافر ہو گئے تو اللہ نے ان کو سور (خنزیر) کی شکلوں میں مسخ کر دیا اسی طرح دیگر انبیاءؑ کی قوموں نے کیا' اور پھر وہ بھی اپنے کفر کی وجہ سے مورد عذاب ہوئے۔(تفسیر انوار النجف جلد ۶، صفحہ ۱۷۴)

آیت نمبر ۱۰۳

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَحِيۡرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيۡلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ ؕ وَاَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ

اللہ نے نہ تو ''بحیرہ'' مقرر کیا ہے ''نہ سائبہ'' نہ ''وصیلہ'' اور نہ ''حام'' لیکن جو کافر ہیں وہ خدا پر جھوٹی

تُہمت لگاتے ہیں۔اے کیونکہ ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔(۱۰۳)

تفسیر

آیت نمبر ۱۰۳:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا:''زمانہ جاہلیت میں جب کوئی اونٹنی دو ۲ بچے جنتی تھے تو اس کو''وصیلة'' کہتے تھے پھر نہ تو اس کو ذبح کرنا جائز سمجھتے تھے اور نہ اس کا گوشت کھاتے تھے۔اور جو اونٹنی دس ۱۰ بچے جن چکی ہوئی تھی اس کو''سائبة'' کہتے تھے۔اس کی پیٹھ پر سوار ہونا اور اس کو کھانا حرام سمجھتے تھے۔اور اونٹوں کے نر (سانڈ) کو''حَامٍ'' کہتے تھے۔اس پر سوار ہونا اور کھانا حرام سمجھتے تھے۔''اسی لیے خدا نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان تمام باتوں کو حلال قرار دیا۔''(تفسیر صافی،صفحہ ۱۴۸ بحوالہ معانی الاخبار)

جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ''عمرو بن لحی ابن قمعہ ابن جندب مکہ کا بادشاہ تھا۔جسنے دین اسماعیلؑ کو بدلا اور بتوں کی عبادت شروع کی۔ بحیرہ،سائبہ،وصیلہ،حام وغیرہ کی رسمیں شروع کیں۔میںؐ نے اسے دوزخ میں اس حال میں دیکھا کہ دوزخ والے اس کی جلتی ہڈیوں کی بدبو سے اذیت پاتے ہیں۔'' (تفسیر صافی صفحہ ۱۴۸)

اے۔خدا نے 'از خود لگائی ہوئی پابندیوں کو کذب ''اور افترا''فرمایا ہے۔اب ہمارے ملک میں بھی نذر و نیاز کے ذیل میں بعض الٹی سیدھی پابندیاں لگائی جاتی ہیں جن کو کوئی اصلیت شرع میں نہیں۔جب کہ قرآن نے ایسی خود ساختہ پابندیوں کی مذمت کی ہے۔(فصل الخطاب)

خلاصہ:

غرض آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے تو انہوں نے خود خدا کے احکام میں موشگافیاں کیں۔اور ایک ایک چیز کے متعلق خواہ مخواہ سوالات کر کر کے پابندیوں کا ایک جال اپنے لیے تیار کر لیا۔پھر ریشم کے کیڑے کی طرح خود اسی جال میں اُلجھ کر اعتقادی گمراہیوں اور علمی نافرمانیوں میں پھنس کر رہ گئے۔اس گروہ سے خاص طور پر مراد یہودی ہیں۔اور پھر مسلمان متکلمین بھی بڑی حد تک اسی ذیل میں آتے ہیں۔(تفہیم)

آیت نمبر ۱۰۴

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ

اورجب ان سے کہاجاتاہے کہ اس قانون کی طرف آؤجوخدانے اُتاراہے۔اے اور(اس کے)رسولؐ کی طرف آؤ،تووہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو بس وہی طریقہ کافی ہے جس پرہم نے اپنے باپ دادا کو پایاہے۔چاہےان کے باپ دادانہ تو کچھ علم ہی رکھتے ہوں اورنہ ہدایت پرہوں۔(۱۰۴)

تفسیر

دینی معاملات میں آباواجداد کی تقلید کا حوالہ دنیا کفار کا طریقہ تھا۔(مشرکین)(تفسیر تبیان)

اے۔آیت میں یہ فرمانا کہ:''اس قانون کی طرف آؤ''اس ثابت ہوا کہ قرآن کافی نہیں' بلکہ رسولؐ کی زندگی اورارشادات کو ماننا بھی ضروری ہے،جوقرآن کی تفسیراورمعنی ہیں اسی بنیاد پرجمہوراُمّت نے کتاب اورسنّت کواحکام الٰہی کا مآخذ مانا ہے۔اب یہ کہنا کہ کتاب کافی ہے خودقرآن کے خلاف ہے۔ (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۰۵

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

تَعْمَلُوْنَ﴿۱۰۵﴾

ترجمہ

اے ایمان لانے والو! تم پر خود تمہاری ذمے داری ہے۔ اگر تم سیدھے راستے پر ہو، تو کسی دوسرے کی گمراہی سے تمہارا کچھ نہیں بگڑتا (کیونکہ) تم سب کو اللہ ہی کی طرف تو پلٹنا ہے۔ پھر وہ (خود) تمہیں بتادے گا کہ تم کیا کچھ کیا کرتے تھے۔ (۱۰۵)

تفسیر

اپنے کردار کی درستی میں لگے رہو:

اس آیت کا مطلب یہ ہے: ''تم اپنی اصلاح کی فکر کرو۔ دوسروں کے عیب نہ نکالو۔ کیونکہ اگر تم خود نیک بن جاؤ گے تو دوسروں کی گمراہی تم کو نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ (تفسیر قُمی)

اس لیے دوسروں کی گمراہی کے غم میں مرنے کی ضرورت نہیں۔ اور نہ دوسروں پر بہت زیادہ اعتراض کرنے کی ضرورت ہے۔ بس اپنی اصلاح کی زیادہ فکر کونی چاہیے۔ عام طور پر لوگ دوسروں کے عیب خوب نکالتے ہیں۔ دوسروں کی آنکھ کا تنکا بھی ان کو شہتیر سے بڑا دکھائی دیتا ہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر بھی دکھائی نہیں دیتا۔

البتہ اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کی اصلاح کی بھی کوئی فکر نہ کرو۔ اس سلسلے میں اعتدال اور احتیاط ضروری ہے۔ سب سے پہلے اپنی اور پھر اپنے آدمیوں کی اور پھر دوسروں کی فکر کرو۔ (تفسیر تبیان) غرض انتہا پسندانہ نقطۂ نظر غلط ہے۔ (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۰۶

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ

اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِیْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِیْنَ ﴿۱۰۶﴾

ترجمہ

اے ایمان لانے والو! جب تم میں سے کسی پر موت کا وقت آجائے اور وہ وصیّت کر رہا ہو، تو تمہارے درمیان گواہی کے لیے تم میں سے دو (۲) عادل آدمی گواہ بنائے جائیں۔ ہاں اگر تم سفر میں ہو اور اس حالت میں تم پر موت آجائے، تو دو (۲) گواہ غیروں میں سے بنالو، پھر اگر تمہیں شک ہو جائے تو دونوں گواہوں کو نماز کے بعد کھڑا کرو، اور وہ خدا کی قسم کھا کر کہیں کہ: ہم اس گواہی کی کوئی قیمت نہیں لے رہے ہیں۔ (یعنی) ہم اپنے کسی ذاتی فائدے کے بدلے اپنی گواہی بیچنے والے نہیں ہیں، چاہے وہ ہمارا رشتے دار ہی کیوں نہ ہو، اور نہ خدا کے واسطے کی گواہی کو ہم چھپانے والے ہیں، (کیونکہ) اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم گناہگاروں میں شمار ہوں گے۔

تفسیر

موت کے وقت وصّیت پر دو (۲) عادلوں کی گواہی کا حکم:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا: ''دو عادل آدمی'' ''ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ'' سے مراد دو (۲) مسلمان ہیں۔ اور ''غیروں میں سے دو (۲) گواہ'' ''اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِكُمْ'' سے مراد اہل کتاب میں سے دو شخص ہیں۔ اگر اہل کتاب میسر نہ ہوں تو مجوسی کو گواہ بنالو۔ وہ خدا کی قسم کھالیں کہ ''ہم اس قسم کو کسی بات کے عوض فروخت نہ کریں گے، چاہے طرفین میں سے کوئی ہمارا رشتے دار ہی کیوں نہ

ہو۔اہم خدا کی گواہی کو نہ چھپائیں گے ۔کیونکہ اس صورت میں ہم گناہگار ہوجائیں گے۔'' پھر اگر میت کے وارثوں کو ان دونوں کی گواہی پر شک ہو اور ان کو کسی طرح معلوم ہوجائے کہ ان دونوں نے جھوٹی گواہی دی ہے تو ان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ان دونوں کی گواہی کو توڑ ڈالیں' جب تک کہ دو(۲) ایسے گواہ نہ لائیں جو قسم کھا کر کہیں کہ ''ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی سے زیادہ سچی ہے۔اور ہم نے کوئی زیادتی نہیں۔ورنہ ہم یقیناً ظالموں میں سے ہوجائیں گے۔'' اگر انہوں نے ایسا کیا تو پھر پہلی دونوں گواہیاں ٹوٹ جائیں گی اور بعد والے دونوں کی گواہیاں جائز قرار پائیں گی۔(تفسیر صافی ،صفحہ ۱۴۹۔بحوالہ کافی ومن لایحضرہُ الفقیہ،التہذیب)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ مسلمانوں کے معاملات میں غیر مسلم کو گواہ بنانا صرف اس حالت میں درست ہے جب کوئی مسلمان گواہ بننے کے لیے موجود نہ ہو۔

دوسرا نتیجہ یہ نکالا کہ قرآن صرف اخلاق نامہ ہی نہیں بلکہ قانون حیات بھی سکھاتا ہے۔کیونکہ قرآن ایک مکمل ہدایت نامہ اور دستور العمل ہے۔قرآن اسی جگہ قانون وراثت اور وصیّت کے مختلف پہلوؤں کو بیان کر رہا ہے۔(ماجدی)

تیسرا نتیجہ یہ نکالا کہ حالت سفر میں اگر مسلمان اور عادل اوصیاء نہ مل سکیں تو غیر مسلموں کو گواہ بنایا جائز ہے۔(قرطبی۔بقول ابن عباسؓ وسفیان ثوری وامام احمد بن حنبل وغیرہ)

آیت نمبر ۱۰۷

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ

لیکن اگر یہ پتہ چل ہی جائے کہ ان دو(۲) گواہوں نے اپنے آپ کو گناہ میں مبتلا کیا ہے' تو پھر ان کی جگہ دو(۲) اور شخص جن کا حق ان سے چھینا گیا ہے' کھڑے ہوں' جو گواہی دینے کے ان سے زیادہ اہل بھی ہوں اور وہ خدا کی قسم کھا کر کہیں کہ ہماری گواہی ان کی گواہی سے زیادہ صحیح

ہے۔اور ہم نے اپنی گواہی میں ذرا سی بھی زیادتی نہیں کی ہے۔اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً ہم ظالموں میں سے ہوں گے۔(۱۰۷)

تفسیر

امام ابوحنیفہ نے اس آیت سے ذمیوں کے آپس کے معاملات میں ان کی گواہی کو جائز ثابت کیا ہے۔(قرطبی)

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تم سفر کر رہے ہو اور اس حالت میں تم پر موت آجائے تو دو (۲) نیک شریف آدمیوں کو اپنا وصی مقرر کر دو۔وہ دونوں تمہارا مال سامان لے کر تمہارے وارثوں کے پاس جائیں۔اگر وارثوں کو ان کی گواہی میں شک پیدا ہو جائے تو اب چاہیے کہ نماز کے بعد ان دونوں گواہوں کو مسجد میں روک لو اور ان سے قسم لے کر پوچھ۔یعنی وارثوں کو شبہ پڑے تو قسم دینے کا حکم رکھا۔اس لیے کہ شاید قسم سے ڈر کر اول ہی جھوٹ ظاہر کر دیں۔پھر اگ ان کی بات جھوٹ نکلے تو وارث قسم کھائیں۔یہ بھی اس واسطے کہ وہ قسم میں دغا نہ کریں۔جانیں کہ ہماری قسم الٹی پڑی گی۔ (موضح القرآن۔شاہ عبدالقادر صاحب)

آیت نمبر ۱۰۸۔۱۰۹

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۱۰۸

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝۱۰۹

ترجمہ

اس طریقے سے زیادہ توقع کی جاسکتی ہے کہ لوگ ٹھیک ٹھیک گواہی دیں گے۔ یا کم سے کم اس بات ہی سے ڈریں گے کہ ان کی قسموں کے بعد دوسری قسموں سے کہیں ان کی تردید نہ ہوجائے۔ پس اللہ کے غصے سے بچو اور (وصیت کو ٹھیک ٹھیک) سنو۔ (کیونکہ) اللہ حکم نہ ماننے والے بدکاروں کو منزل مقصود تک نہیں پہنچایا کرتا۔ (۱۰۸)

جس دن اللہ سب رسولوں کو جمع کر کے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا؟ تو وہ عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ خبر نہیں، آپ خود تمام پوشیدہ حقیقتوں کو جاننے والے ہیں۔ (۱۰۹)

تفسیر

انبیاء سے پوچھا جائے گا:

آیت نمبر ۱۰۹:

انبیاء کرامؑ کے فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ ''ہم تو صرف اس محدود اور ظاہری جواب کو جانتے ہیں جو ہماری قوم ہماری زندگی میں دیا کرتی تھی۔ باقی رہی یہ بات کہ ہماری تبلیغ کا کتنا اثر کہاں، کس صورت میں کتنا ہوا، اس کا صحیح علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہوسکتا۔ (تفہیم)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا: ''خدا پیغمبروںؑ سے ان کے اوصیاؑء کے بارے میں دریافت کرے گا جن کو وہ اپنی امتوں پر خلیفہ مقرر کر کے گئے تھے، کہ تمہارے حکم کی کہاں تک تعمیل کی گئی؟ انبیاؑء جواب دیں گے کہ ''ہماری امتوں نے جو کچھ کیا، اس کا ہمیں علم نہیں۔'' (تفسیر صافی صفحہ ۱۴۹، بحوالہ کافی)

''اصل میں یہ انبیاؑء کرام کا کمال ادب ہی ہے کہ علم خدا کے سامنے کس طرح عاجزی سے کہہ رہے ہیں کہ ''ہمیں کچھ خبر نہیں، بس غیب داں تیری ہی ذات والا صفات ہے۔''

نتیجہ:۔

ا۔ آیت کا دوسرا پیغام یہ ہے کہ قوم کے لبیک کہنے نہ کہنے کی ذمے داری پیغمبروں پر نہیں ہوا کرتی۔ اور اپنے علم کی نفی اس لیے کی جارہی ہے کہ انہیں ذاتاً صرف اپنے سامنے کے عمل کا علم ہوتا ہے۔ اور قلبی ایمان لانے نہ لانے کا علم بھی خدا ہی کو ہوتا ہے۔ خدا کے دیے ہوئے علم میں سے انبیاءؑ غیب کا علم حاصل کرتے ہیں۔ غرض عبودیت کا تقاضا یہی تھا کہ خدا کے مقابلے پر اپنے کم علم کی نفی کی جائے۔ کیونکہ انبیاءؑ کا علم بھی ذاتی نہیں ہوتا۔ خدا کی عطا سے ہوتا ہے۔

اب اس آیت کا مصداق سب سے زیادہ اس آخری امّت کا عمل ہے کو اس نے جناب رسول خداؐ کے بعد آل رسولؐ سے روا رکھا۔ ممکن ہے کہ آیت سے مراد اس امت کی تنبیہ ہو کہ دیکھنا اب تم رسولؐ خدا کے بعد اہل بیت رسولؐ سے کیا سلوک کرتے ہو؟ (فصل الخطاب)

نتیجہ:۲

آخر میں خدا کا یہ فرمانا کہ ''اللہ تمام چھپی ہوئی باتوں کا خوب جاننے والا ہے۔''

امام رازی نے لکھا ہے کہ ''قرآن مجید کا اسلوب بیان ہی یہ ہے کہ وہ احکامات کو بیان کرنے کے بعد اپنی کسی صفت کو جو حکم سے متعلق ہوتی ہے، بیان کرتا ہے، تاکہ ہمارا دل خدا کی اطاعت کی طرف راغب ہو۔'' (تفسیر کبیر)

آیت نمبر ۱۱۰

اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِیْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى

بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ

پھراس وقت کاتصورکروکہ جب اللہ فرمائے گا کہ ''مریمؑ کے بیٹے عیسٰیؑ !یادکرومیری اس نعمت کوجومیں نے تمہیں اورتمہاری ماں کوعطا کی تھی۔میں نے روح القدس کے ذریعے تمہاری مددکی۔تم گہوارے میں بھی (اسی طرح) لوگوں سے باتیں کرتے تھے(جس طرح)بڑی عمرمیں۔میں نے تمہیں کتاب' حکمت' تورات اورانجیل کی تعلیم دی۔تم میری اجازت سے مٹی کا پتلا پرندے کی شکل کا بناتے اوراس میں پھونک مارتے تووہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا۔ تم پیدائشی اندھے اورکوڑھی کومیری اجازت سے اچھا کردیتے تھے۔تم میری اجازت سے مردوں کو(قبروں سے زندہ) نکالتے تھے۔پھرجب تم بنی اسرائیل کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لیکر پہنچے' توان میں جوحق کے منکر تھے کہنے لگے کہ ''یہ نشانیاں کھلے ہوئے جادو کے سوا کچھ بھی تونہیں ہیں۔'' تومیں نے تم کوان سے بچالیا۔(۱۱۰)

تفسیر

ضرورت معجزہ:

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا: ''چونکہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں جادوکا زورتھااس لیے اللہ نے ان کوایسا معجزہ عطافرمایا جوجادوگروں کے بس سے باہرتھا۔حضرت عیسٰیؑ کے دورمیں طب کی ضرورت تھی پس ان کو یہ معجزے عطافرمائے اورجناب رسول خداؐ کے عہد میں خطابت کا چرچا تھااس لیے آپؐ کوقرآن مجید عطافرمایا۔''

(تفسیر برہان)

آیت نمبر ۱۱۱۔۱۱۲

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

ترجمہ

اور جب میں نے حواریوں کی طرف پیغام بھیجا کہ مجھ پر اور میرے پیغمبرؑ پر ایمان لاؤ۔ تو انہوں نے کہا کہ: ہم ایمان لائے اور گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔

جب حواریوں نے کہا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا آپ کا پالنے والا یہ قدرت رکھتا ہے کہ ہم پر آسمان سے کھانے کا ایک خوان اتار دے؟ تو (عیسیٰ نے) کہا: ''اللہ سے ڈرو اگر تم اللہ کو مانتے ہو۔''

تفسیر

حواریّوں کی فرمائش پر مائدہ (دسترخوان) کا نزول اور ان کا انجام:

۱۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے رویت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ ''جناب عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ ''تم تیس (۳۰) دن روزے رکھو۔'' جب وہ روزے رکھ چکے تو کہنے لگے کہ اگر ہم نے کسی آدمی کا کوئی کام کیا ہوتا تو وہ ہمیں کھانا کھلاتا۔ ہم نے روزے رکھے اور بھوکے مرے۔ اب آپؑ اللہ سے دعاء کیجئے کہ ایک دسترخوان آسمان سے ہم پر اتار دے۔ چنانچہ فرشتے ایک خوان لے کر آ گئے جس میں سات بڑی بڑی روٹیاں

تھیں اور سات رکابیاں تھیں۔ وہ سب کے سامنے رکھا گیا اور سب نے کھایا۔

پھر ان سے کہہ دیا گیا کہ یہ خوان تمہارے لیے اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ تم اس میں خیانت نہ کرو گے اور کچھ اٹھا کر نہ چھپاؤ گے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو میں تم کو سزا دوں گا۔''

حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ: ''پھر ایک دن بھی گزرا کہ انہوں نے اٹھایا بھی اور چھپایا بھی۔'' (تفسیر صافی صفحہ، ۱۵۰، بحوالہ تفسیر مجمع البیان)

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ یہ دسترخوان چالیس دن تک اُترتا رہا۔ جب تک لوگ کھاتے رہتے بچھا رہتا' جب فارغ ہو جاتے تو بلند ہو جاتا۔ جب تک اس کی پرچھائیں رہتی لوگ اسے دیکھتے رہتے' یہاں تک کہ نظروں سے غائب ہو جاتا۔ وہ ایک دن آتا تھا اور دوسرے دن نہ آتا تھا۔

پھر خدا نے حضرت عیسٰیؑ کو وحی کی کہ یہ دسترخوان صرف محتاجوں اور فقیروں کے لیے مخصوص کر دو۔ امیروں کو نہ دو۔ یہ بات امیروں کو ناگوار گذری۔ انہوں نے شکایتیں کیں تو حضرت عیسٰیؑ نے دعاء کی کہ: ''خدایا: اگر تو انہیں سزا دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر انہیں معاف کر دے تو بے شک تو ہر چیز پر غالب ہے۔ اور گہری مصلحتوں کے مطابق بالکل ٹھیک ٹھیک کام کرنے والا ہے۔'' نتیجہ یہ ہوا کہ ۳۳۳ آدمی جو رات کو اپنی اپنی عورتوں کے پاس سو رہے تھے صبح کو مسخ ہو کر سوّر (خنزیر) بن گئے۔ جو راستوں اور کوڑے کرکٹ پر دوڑتے پھرتے تھے گندگی کھاتے تھے۔ وہ لوگ اسی حالت میں تین دن زندہ رہ کر ہلاک ہو گئے۔

نتیجہ: اس آیت سے علامہ طبرسیؒ نے یہ نتیجہ نکالا'' کہ کسی پیغمبرؑ یا کسی انسان سے روزی طلب کرنا شرک نہیں ہوتا۔ یہ آیت دلیل ہے کہ بندے بھی ایک دوسرے کے رازق ہوتے ہیں۔ اور خدا کا یہ فرمانا کہ: ''خدا تمام رزق دینے والوں سے بہتر ہے۔'' ثابت کرتا ہے کہ رازق اور بھی ہیں خدا نے خود کو خیر الرّازقین فرمایا ہے۔ (یعنی بہترین روزی دینے والا ہے خدا ہے۔) (تبیان)

آیت نمبر ۱۱۳۔ ۱۱۴

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

ترجمہ

انہوں نے کہا: ''ہم تو بس یہ چاہتے ہیں کہ اس (خوان) سے کھانا کھائیں تاکہ ہمارے دلوں کو اطمینان حاصل ہوجائے۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہوجائے کہ آپؑ نے ہم سے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے اور ہم اس پر گواہ بن جائیں۔ (۱۱۳)

(اس پر) مریمؑ کے بیٹے عیسیٰ نے دعا کی: ''اے خدا! اے ہمارے پالنے والے! مالک! ہم پر آسمان سے ایک خوان اُتار دے۔ جو ہمارے لیے اور ہمارے اگلے پچھلوں کے لیے ''عید'' قرار پائے۔ اور وہ تیری طرف سے ایک نشانی بھی ہو۔ اور ہمیں رزق دے اور تو تو رزق عطا کرنے والوں میں سب سے بہتر رزق عطا کرنے والا ہے۔ (۱۱۴)

تفسیر

عیسائیوں کی ناشکری پر قہرِ خداوندی:

عیسائیوں کی ناشکرگذاری یہ تھی کہ دسترخوان آتا تھا اور سب لوگ مل جل کر کھانے کھاتے تھے اور خدا کا شکر ادا کرتے تھے۔ مگر کچھ دن کے بعد مالدار لوگوں نے کہا کہ ہم غریبوں اور فقیروں کے ساتھ بیٹھ کر نہیں کھائیں گے۔ اس لیے ہمارے لیے الگ خوان آنا چاہیے۔ اس کفرانِ نعمت پر خدا کا قہر جوش میں آیا اور دسترخوان اترنا بند ہوگیا۔ اور ایسا کہنے والوں کو بندروں کی شکل میں مسخ کر دیا گیا۔ (تفسیر علی بن ابراہیم) (ان کو سوَروں کی شکلوں میں مسخ کیا گیا تھا) یہ زیادہ صحیح ہے۔

آیت نمبر ۱۱۵۔۱۱۶

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۱۵﴾

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

ترجمہ

اللہ نے جواب دیا: ''بیشک میں اسے تم پر اتار دوں گا۔لیکن اب اس کے بعد بھی جو تم میں سے حق سے انکار کی روش اختیار کریگا، تو پھر یقیناً میں اس کو ایسی سخت سزا دوں گا جیسی کائنات میں کسی کو بھی نہ دی گئی ہوگی۔''(۱۱۱۵)

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب اللہ کہے گا۔اے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ! کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ اللہ کے علاوہ مجھے اور میری ماں کو بھی خدا بنالو؟ تو وہ کہیں گے کہ: ''ہر عیب سے پاک ہے تیری ذات، مجھے یہ حق ہی نہ تھا کہ میں وہ بات کہتا جو میرے لیے مناسب نہیں ہے۔اگر میں نے ایسی کوئی بات کہی ہوتی تو آپ کو اس کا ضرور علم ہوتا۔آپ تو میرے دل تک کی بات کو جانتے ہیں، جب کہ میں آپ کے ذاتی علم کو نہیں جانتا۔یقیناً آپ تو تمام پوشیدہ حقیقتوں کو جاننے والے ہیں۔(۱۱۶)

تفسیر

آیت نمبر ۱۱۶:

یہ اس لیے پوچھا گیا کہ عیسائیوں نے گمان کیا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ نے ان سے فرمائش کی تھی کہ مجھے اور میری ماں کو خدا کے علاوہ معبود بنالو۔ خدا قیامت کے دن عیسائیوں کے سامنے یہ سوال حضرت عیسیٰؑ سے کریگا۔ جس کا جواب حضرت عیسیٰؑ یہ دیں گے جو اوپر آیت میں مذکور ہے، (تفسیر صافی صفحہ ۱۵۰، بحوالہ تفسیر قمی)

آیت نمبر ۱۱۷

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ

میں نے تو ان سے اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہا تھا جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا۔ کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی مالک اور پالنے والا ہے اور تمہارا بھی مالک اور پالنے والا ہے۔ میں تو صرف اسی وقت تک ان پر گواہ تھا جب تک کہ میں ان میں تھا۔ جب آپ نے میری مدت پوری کردی۔ اے تو پھر آپ ہی ان پر نگراں تھے اور آپ تو ہر چیز پر نگراں ہیں۔ (۱۱۷)

تفسیر

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ:

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ یعنی ''پھر جب تو نے مجھے (آسمان کی طرف) اٹھالیا'' یا ''پھر جب تو نے میری مدت پوری کردی'' ''تَوَفّٰی'' کے اصل معنی کسی چیز کو پورا پورا لے لینے کے ہوتے ہیں۔موت بھی وفات کی ایک قسم ہے۔خدا فرماتا ہے کہ: ''اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت پوری طرح لے لیتا ہے اور جو نہیں مرتے ان کو نیند کے وقت لے لیتا ہے۔'' (سورۃ ۴۲، الزمر آیت ۴۲) (تفسیر صافی صفحہ ۱۵۰)

حضرت عیسیٰؑ کا کمال ادب اور کمال عبدیت ملاحظہ فرمائیں کہ آپؑ نے پیغام توحید کو بھی اپنی طرف منسوب نہ فرمایا' بلکہ کہا: ''میں نے تو وہی کہا تھا جو آپ نے حکم دیا تھا۔'' (تفسیر کبیر)

آیت نمبر ۱۱۸۔۱۱۹

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾

ترجمہ

اب اگر آپ انہیں سزا دیں تو بیشک وہ آپ ہی کے تو بندے ہیں اور اگر انہیں معاف فرمادیں' تو بلاشبہ آپ ہر چیز پر غالب اور گہری مصلحتوں کے مطابق ٹھیک ٹھیک کام کرنے والے

ہیں۔(۱۱۸)

تب خدا کہے گا: ''یہ وہ دن ہے کہ جس دن سچوں کو ان کی سچائی فائدہ پہنچائے گی اور ان کے خوب خوب کام آئے گی۔ اِن کے لیے ایسے ایسے سرسبز و شاداب باغات ہیں کہ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ یہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ ہی سے راضی ہوئے۔ یہی تو عظیم کامیابی ہے۔(۱۱۹)

تفسیر

ا۔ جس دن سچوں کو ان کی سچائی فائدہ پہنچائیگی:

آیت نمبر ۱۱۹:

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: ''جب تمام خلائق کو محشور کیا جائے گا تو سب سے پہلے جناب رسول خداؐ کے نام ندا آئے گی اور حضورؐ دربار الٰہی میں حاضر ہوں گے۔ پس عرش کے دائیں جانب قیام فرمائیں گے۔ پھر حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ حاضر ہوں گے اور آنحضرتؐ کے بائیں جانب کھڑے ہوں گے۔ اس کے بعد تمام امّت اسلامیہ حضرت امیر المومنینؑ کے بائیں طرف کھڑی ہوگی۔ پھر باقی تمام انبیاءؑ کو ان کی امّتوں کے ساتھ بلایا جائیگا اور وہ عرش کے بائیں جانب قیام کریں گے۔ سب سے پہلے قلم سے، پھر لوح سے، پھر اسرافیلؑ سے سوال ہوگا اور وہ جواب دیں گے۔ حتیٰ کہ نبی آدمؑ میں سب سے پہلے جناب رسالتمآبؐ سے پوچھا جائے گا کہ: ''آپؐ کو جبریل نے سب کچھ پہنچایا؟ آپؐ اقرار کریں گے۔ پھر سوال ہوگا کہ کیا آپؐ نے اپنی امت تک میرا پیغام پہنچایا؟ آپؐ اقرار کریں گے۔ اور تمام ملائکہ اور اخیار اُمّت اس کی گواہی دیں گے۔''

پھر ارشاد ربّ العزت ہوگا: ''کیا آپؐ نے اپنے بعد کے لیے اپنی امت کا کوئی امام مقرر کیا تھا جو آپؐ کے بعد میری حجت اور خلق پر میرا خلیفہ ہو؟'' تو آپؐ عرض کریں گے، ہاں اے پروردگار! میں نے اپنے بھائی، اپنے وزیر اور اپنے وصی علیؑ بن ابی طالبؑ کو اپنی امّت میں اپنا خلیفہ و جانشین مقرر کیا تھا اور لوگوں کو اس کی اطاعت کا بھی حکم دیا تھا۔ پس حضرت علی ابن ابی طالبؑ کو پروردگار عالم کا ارشاد ہوگا: ''اے علیؑ! کیا تم کو خلافت دی گئی تھی اور جانشین

مقرر کیا گیا تھا' اور تم نے اپنے فرائض کو ادا کیا تھا۔؟ تو حضرت علیؑ عرض کریں گے: ''بیشک اے پروردگار! مجھے جناب رسول خداؐ نے اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا لیکن امت نے انکار کیا تھا اور میرے حق کو دبا لیا تھا اور دوسروں کو آگے بڑھا دیا تھا' میں نے جہاد بھی کیا تا انیکہ میں قتل کر دیا گیا۔'' پھر سوال ہوگا کہ تم نے اپنے بعد کس کو حجت مقرر کیا تھا؟ تو آپؑ عرض کریں گے: حسنؑ کو۔ پھر تمام ائمہؑ سے سوال ہوگا اور وہ جواب دیں گے۔'' اس آیت میں اسی دن کے بارے میں ارشاد ہو رہا ہے کہ: ''اس دن سچے لوگوں کو ان کی سچائی فائدہ دے گی اور وہ ہمیشہ ہی جنت میں رہیں گے۔[1] (تفسیر صافی، تفسیر انوار النجف)

آیت نمبر ۱۲۰۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾

ترجمہ

اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کی سلطنت اور وہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام کی مدد مانگتے ہوئے (شروع کرتا ہوں) اجو سب کو فیض اور فائدے پہنچانے والا بڑا ہی مہربان ہے۔

آیت نمبر ۱

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ①

ترجمہ

سب کی سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور روشنی اور اندھیرے قرار دیے۔ پھر بھی جنھوں نے حق کو نہیں مانا وہ دوسروں کو اپنے مالک اور پالنے والے کے برابر قرار دیتے ہیں۔ (۱)

تفسیر

اس آیت میں تین ۳ قسم کے لوگوں کی تردید ہے۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا: ، یہ آیت تین ۳ قسم کے لوگوں کی تردید کرتی ہے۔

(۱) جب خدا نے اس آیت میں فرمایا: سب کی سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو

پیدا کیا۔'' ان الفاظ نے دہریوں کے نظریات کو رد کر دیا' جو یہ کہتے ہیں کہ کائنات کی ابتداء (کرنیوالا)

یہ کائنات (ازخود) یونہی ہمیشہ سے چلی آرہی ہے۔(۲) پھر جب اس آیت میں فرمایا: ''اور (خدا نے) روشنی اور اندھیرے قرار دیے۔'' تو اس سے مجوسیوں کی تردید ہوگئی' جو یہ کہتے کہ نور اور ظلمات (یعنی روشنی اور اندھیرے) دونوں ملکر عالم کے خالق بھی ہیں اور مدبّر بھی۔(۳) پھر جب اس آیت میں فرمایا: ''جنہوں نے حق کو نہیں مانا وہ دوسروں کو اپنے پالنے والے مالک کے برابر قرار دیتے ہیں۔'' (تفسیر صافی صفحہ ۱۵۱، بحوالہ احتجاج طبرسیؒ)

محقّقین نے لکھا کہ:۔'' خدا نے نور (روشنی) کو تو واحد استعمال کیا اور ظلمات یعنی اندھیروں کو جمع استعمال کیا۔ یہ اس لیے کہ دنیا میں باطل کی کثرت ہے اور حق کم ہے۔ (جلالین)

اس سے ثابت ہوا کہ کسی چیز کا زیادہ ہونا حقانیّت کی دلیل نہیں۔ ممکن ہے کہ باطل ہونے کی دلیل ہو۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بس ایک راہ صحیح ہے اور اس کے سوا سب راہیں غلط ہیں۔ (موضح القرآن)

راہ حق ایک ہی ہے۔ اس لیے کہ دو (۲) نقطوں کے درمیان ٹیڑھے خطوط کئی ہوتے ہیں مگر خط مستقیم ایک ہی ہوتا ہے۔

حقیقت ابدی ہے مقام شبیریؑ
بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی وشامی

(اقبالؔ)

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ خدا نے زمین و آسمان کے لیے ''خلق'' یعنی پیدا کرنے کا لفظ استعمال کیا اور روشنی اور اندھیروں کے لیے ''جعل'' یعنی قرار دینے کا لفظ استعمال کیا اس سے معلوم ہوا کہ زمین و آسمان تو وجودی اور حقیقی چیزیں۔ لیکن اندھیروں اور روشنی میں روشنی (نور) تو یقیناً وجودی چیز ہے لیکن اندھیرے عدمی چیز ہیں۔ یعنی اس کا اصل کوئی وجود نہیں۔ وہ روشنی کے نہ ہونے کا نام ہے۔ (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۲۔۳

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝۲

وَهُوَاللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ ؕ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۳

ترجمہ

وہ خداوہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر تمہارے لیے ایک مدّت مقرر کردی۔ اور ایک اور بھی مدّت سے جو اس کے ہاں طے شدہ ہے۔ مگر تم لوگ تو شک ہی میں پڑے ہوئے ہو۔ ۱؎ (۲) اور وہی آسمانوں میں بھی ہے اور زمین میں بھی ہے۔ وہ تمہارے چھپے اور کھلے تمام حالات کو خوب خوب جانتا ہے اور اسے بھی جانتا ہے کو کچھ کہ تم لوگ کیا کرتے ہو۔ ۲؎ (۳)

تفسیر

مقرّرہ مدّت:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا ''ایک مقرر کیا ہوا وقت تو وہ ہے جسے اللہ نے حتمی طور پر طے فرما دیا ہے جو آگے پیچھے نہیں ہوسکتا۔ اور دوسرا مسمّٰی مدت (مقررہ مدت) وہ ہے جو آگے پیچھے ہوسکتا ہے۔ جس میں بداء واقع ہوسکتا ہے۔ یعنی خدا موت کو آگے یا پیچھے کردیتا ہے۔'' (تفسیر قمی)

۲؎۔ خدا کی ان ''نشانیوں'' میں تشریعی اور تکوینی دونوں قسم کی نشانیاں (آیات) آگئیں۔ ہر نشانی اس میں شامل ہے۔ (قرطبی)

آیت نمبر ۴ تا ۶

وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ۴
فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ یَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۝۵

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ۝۶

ترجمہ

اوران کے پالنے والے مالک کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ایسی نہیں ہے جوان کے سامنے آئی ہواورانہوں نے اس سے منہ نہ موڑا ہو۔(۴)

اسی لیے اب جوحق بات ان کے پاس آئی تو اسے بھی انہوں نے جھٹلا یا۔اب بہت جلدی انہیں اس بات کے متعلق خبریں پہنچ جائیں گی جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔(۵)

کیاانہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم ان سے پہلے کتنی ایسی قوموں کو ہلاک وبرباد کر چکے ہیں جن کا ان کے اپنے زمانے میں بڑا دور دَورہ رہاہے؟ہم نے ان کوزمین میں وہ حکومت اوروہ اقتدار بخشا تھا جوتمہیں بھی نہیں بخشا۔ان پرتوہم نے آسمان سے خوب خوب موسلا دھار بارشیں برسائی تھیں،اوران کے (پیروں کے) نیچے نہریں بہادی تھیں۔پھران کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے انہیں برباد کرڈالا۔اوران کی جگہ دوسری نسلوں اورقوموں کواٹھایا۔ا ے(۶)

تفسیر

آیت نمبر:۶

اے۔مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے تم سے پہلی قوموں مثلاً عاد وثمود کو ہلاک کر دیا اور ان کے بدلے میں تمہیں پیدا کر دیا' اسی طرح تمہارے گناہوں کی وجہ سے تمہیں ہلاک کر دیا جائے گا اور دوسری قوموں کو تمہاری جگہ پیدا کر دیا جائے گا اور تمہارے ساتھ بھی بالکل وہی سلوک کیا جائے گا جو تم سے پہلوں کے ساتھ کیا گیا تھا۔ (تفسیر صافی، صفحہ ۱۵۲)

آیت نمبر ۷

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷

ترجمہ

اور اگر ہم تم پر کوئی کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب بھی اتار دیتے' اور وہ لوگ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے' تو بھی جن لوگوں نے ہمیشہ حق کا انکار ہی کیا ہے' وہ تو یہی کہتے کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔اے (۷)

تفسیر

نہ ماننے کے لاکھ بہانے:اے

آیت نمبر:۷

حق کے انکاریوں نے ایک بہانہ رسول کو نہ ماننے کا یہ بھی بنایا کہ قرآن لکھا ہوا آسمان سے کیوں نہ اُترا؟

اگر لکھی لکھائی کتاب اُتر جاتی تو یہ کہہ دیتے کہ یہ سب جادو ہے، یا نظر بندی وغیرہ سے ہم کو دھوکا دیا جا رہا ہے۔ (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۸

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝۸

ترجمہ

اور انہوں نے کہا کہ اس (نبیؐ) پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُترتا؟ اگر ہم فرشتہ ہی اُتار دیتے تو پھر اُن کا فیصلہ ہی ہو جاتا پھر انہیں کوئی مہلت نہ دی جاتی۔ ۲؎ (۸)

تفسیر

آیت نمبر ۸:

۲؎۔ یوں تو رسولؐ پر فرشتے اُترتے ہی تھے مگر کافروں کا مطلب یہ تھا کہ ہم تو خود اپنی آنکھوں سے فرشتے کو رسولؐ پر اُترتا دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ اُتریں اور ہمیں رسولؐ کے سچے ہونے کی گواہی دیں تب ہم غور فرمائیں گے۔ (جلالین۔ مجمع)

مگر خدا کی سنت یہی رہی ہے کہ جب فرمائشی معجزے دکھائے جاتے ہیں اور پھر انکار کیا جاتا ہے تو فوراً عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے اور پھر مہلت نہیں ملا کرتی۔ (بیان۔ فصل الخطاب)

آیت نمبر ۹

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝۹

ترجمہ

نیز یہ کہ اگر ہم فرشتے کو بھی اُتارتے تو اُسے انسان ہی کی شکل میں اُتارتے اور اس طرح انہیں پھر ایسا ہی شک کرنے کا موقع دے دیتے۔ جیسے شک وہ اب کر رہے ہیں۔(۹)

تفسیر

انبیاءؑ کو لباسِ بشری میں بھیجنا بھی مصلحت الٰہی ہے:

خدا کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ: ''اگر ہم فرشتے کو بھی نبی بنا کر بھیجتے تو وہ بھی انسانی شکل ہی میں بھیجتے۔ کیونکہ اُس کا مقصد انسانوں کو ہدایت کرنا ہی تو ہوتا۔ فرشتے کا جسمِ لطیف تو انسان کو نظر ہی نہ آتا۔ انسانوں کی ہدایت کے لیے ضروری تھا کہ اُسے جسمِ کثیف دیا جائے تاکہ وہ ہمیں دکھائی دے سکے۔ پھر یہ کافر یہ کہتے کہ فرشتے کو بھیجنے کا کیا فائدہ؟

بقول غالبؔ:

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق ،
آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا؟

غرض خدا کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے بھیجنا ہماری سنت اور حکمت کے خلاف ہے۔ انسان کے لیے انسان ہی نمونۂ عمل بن سکتا ہے، فرشتہ نمونۂ عمل نہیں بن سکتا۔ نبیؐ کے بھیجنے کا مقصد نمونۂ عمل بھیجنا ہوتا ہے تاکہ اُس کی پیروی کی جا سکے..... محققین نے نتیجہ نکالا کہ انبیاء کرامؑ اور ائمہ معصومینؑ حقیقت میں بشر یا انسان ہی ہوتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ وہ حقیقت میں فرشتے ہوں یا کوئی اور نوع کے افراد ہوں، صرف صورت انسانوں سے ملتی جلتی ہو۔ اس لیے کہ جو حکمت الٰہی فرشتوں کو رسول بنانے سے روک رہی ہے، وہی حکمت، وہی مصلحت کسی دوسری جنس کو نبی یا امام بھیجنے سے روکے گی۔ حکمت الٰہی یہی ہے کہ نبی یا اس کا وصی عام انسانوں کی جنس کا فرد ہو۔ ہاں اُس کے اوصاف، اوصاف علم، فکر و عمل کا معیار اتنا بلند ہو کہ جو اُس کا امتیاز بن جائے۔ وہ وحی یا خاص قسم کا قوی اور واضح الہام وصول کرنے کا اہل ہو اور تمام انسانوں کے لیے نمونۂ عمل بن سکے۔ (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۰۔۱۱

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۱

ترجمہ

اور آپؐ سے پہلے بہت سے پیغمبروںؑ کا مذاق اڑایا گیا۔تو جن لوگوں نے اُن کا مذاق اڑایا تھا ،انہیں اُسی سزا نے آ گھیرا جس کا کہ وہ مذاق اڑاتے تھے۔ا۔(۱۰)

اُن سے کہو، ذرا زمین میں چل پھر کر تو دیکھیں کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ ۲۔(۱۲)

تفسیر

انبیاءؑ کا مذاق اڑانا بدترین صفت ہے:

ا۔''پچھلے انبیاءؑ کا بھی اُن کی قوموں نے خوب خوب مذاق اُڑایا تھا۔'' بائیبل میں ہے :''لیکن اُنہوں نے خدا کے پیغمبروںؑ کو ٹھٹھے میں اڑا دیا۔''(۲۔تواریخ ۳۰)

''اہل اللہ'' کا مذاق اُڑانا کفر و نفاق' تکذیب و تحقیر سے بھی بدتر درجے کی برائی ہے کیونکہ یہ کبر و نخوت کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔غیر محتاط شعراء اکثر اس جرم کے مرتکب پائے گئے ہیں۔مثلاً بقول غالب

تو آتش دوزخ سے ڈراتا ہے انہیں
جو آگ کو پی جاتے ہیں پانی کر کے

ممکن ہے کہ یہ تمسخر کبر کا نتیجہ نہ ہو، مگر پھر بھی تمسخر کی قسم سے باہر نہیں ہے۔

۲۔ گذری ہوئی قوموں کے آثار اور اُن کے تاریخی افسانے گواہی دے رہے ہیں کہ صداقت اور حقیقت سے منہ موڑنے سے اور باطل پرستی پر اصرار کرنے کے نتیجے میں قوموں کو کیسے بھیانک اور عبرتناک انجام کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ زین پر چل پھر کر دیکھنے سے ہی عبرتیں حاصل ہوں گی۔ اُن کے انجام کو تماشے کی غرض سے نہ دیکھیں۔

آیت نمبر ۱۲

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

ترجمہ

اُن سے پوچھو، آسمان اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ کس کا ہے؟ کہو کہ سب اللہ ہی کا ہے۔ اُس نے رحم و کرم کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے ا۔ قیامت کے دن وہ یقیناً تم سب کو ضرور جمع کرے گا۔ یہ بالکل ایک غیر مشتبہ حقیقت ہے، مگر جن لوگوں نے خود اپنا ہی نقصان کیا ہے وہ حق کو کبھی نہیں مانیں گے۔ (۱۲)

تفسیر

اللہ ا نے رحمت کو اپنے لیے لازم کرلیا ہے:

خدا نے رحم و کرم کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔ یعنی اُس نے اپنی ذات پر یہ بات لازمی قرار دے دی ہے

کہ وہ (۱) اپنی معرفت کی طرف ہدایت کرے گا۔ (۲) اپنی توحید کا علم محکم بنیادوں پر عطا فرمائے گا۔ (۳) ۔اپنی کتابیں اُتارے گا۔ انبیاءؑ بھیجے گا۔ (۴) ۔تمہیں اتنی مہلت عطا فرمائے گا کہ تم اپنے کفر، شرک، گناہوں سے معافی مانگ کر اصلاح کرلو۔ اور اپنے نیک اعمال سے اُن برائیوں کا تدارک کرسکو جو تم کر چکے ہو۔ یہ وہ مہربانیاں ہیں جو سارے کے سارے انسانوں پر محیط ہیں۔ (تابعداری کرنے والوں پر تو مہربانیوں کی کوئی انتہا ہی نہیں) (تفسیر صافی ص ۱۵۲، تفسیر تبیان)

مومنوں پر یہ مہربانی بھی ہے کہ اُن کی نیکیوں کی وجہ سے بھی اُن کے گناہ معاف کردے گا اور خود اپنی رحمت اور اللہ والوں کی شفاعت کے سبب سے بھی اُن کو نجات عطا فرمائے گا۔

میں گنہگار ، سیہ کار ،خطاکار مگر
کس کو بخشے تری رحمت جو گنہگار نہ ہو ؟

نتیجہ نمبر ۱:۔

امام فخر الدین رازی نے نتیجہ نکالا خدا کی ذاتی صفت تو رحمانیت اور رحیمیت ہی ہے۔ باقی رہا قہر و غضب، تو یہ صرف عادی مجرموں کے لیے ہوتا ہے۔ بُرا ہو مسیحی اہل قلم کا، کہ انہوں نے قرآن کے خدا کو ایک ڈراؤنا خدا بنا کر پیش کیا ہے۔ (تفسیر کبیر)

بیان کا یہ ایک لطیف انداز ہے کہ پہلے تو حکم ہوا کہ ان مشرکوں سے پوچھو کہ زمین اور آسمانوں کو کس نے بنایا ہے؟ اب کیونکہ عرب کے مشرکین اس بات کے قائل تھے کہ سب کچھ اللہ کا ہے، پھر بھی وہ جواب دینے کی جرأت نہیں کرسکتے تھے، کیونکہ جواب دنیا اُن کے مشرکانہ عقائد پر بھاری ضرب ہوتا۔ اس لیے وہ خاموش رہے، تب حکم ہوا کہ اب تم خود کہہ دو کہ سب کچھ اللہ کا ہے۔ (تفہیم)

نتیجہ نمبر ۲:

آیت اپنے اطلاق سے اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ خدا کی رحمت سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس لیے خدا کا کوئی غضب بھی ایسا نہیں جس میں کچھ رحمت شامل نہ ہو۔ جبکہ بے پناہ رحمتیں ایسی ہیں کہ جن میں ذرا بھی غضب کو دخل نہیں۔ (تھانوی)

نتیجہ نمبر ۳:

آخر میں خدا کا فرمانا: فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ''یعنی پھر بھی وہ ایمان نہ لائے اس میں حرف ''ف'' نے ثابت کر دیا کہ اُن کا ایمان نہ لانا اُن کی غفلت اور حق سے منہ موڑنے کی وجہ سے تھا۔ یا ہوا و ہوس کی پیروی اور باپ دادا کی اندھی تقلید کی وجہ سے تھا۔ (بیضاوی)

آیت نمبر ۱۳

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬

ترجمہ

اور، رات کے اندھیرے اور دن کی روشنی میں جو کچھ بھی سکونت پذیر ہے، سب کا سب اللہ ہی کا ہے، اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ (۱۳)

تفسیر

اللہ نے اپنی ہمہ گیری کا اعلان فرمایا ہے:

''رات کے اندھیرے اور دن کی روشنی میں جو کچھ سکونت پذیر ہے، وہ سب کا سب اللہ کا ہے۔'' یہاں خدا نے ''سکن'' کا لفظ استعمال فرمایا، جو سکون (سکونت) سے ہے۔ جو چیز حرکت کر سکتی ہے اگر وہ حرکت نہ کرے تو اُس کو سکون کہتے ہیں۔ (تاج العروس۔ قاموس)

''سکن'' کے معنی ٹھہرا، فروکش ہوا (ابن اعرابی)

ثعلب نے کہا کہ ساکن ہونے کا لفظ جانداروں کے لیے خاص طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اس کے معنی ٹھہرنے، رکنے، بسنے کے ہیں اور یہاں اس کے معنی پیدا کرنے کے بھی ہیں۔ (لغات القرآن نعمانی جلد ۳، ص ۲۲۱ و تفسیر صافی، ص ۱۵۲)

نتیجہ:

پہلی آیت میں ''جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ کس کا ہے؟ فرما کر اللہ کے اقتدار کی ہمہ گیری اور وسعت کو بتایا گیا۔ اور دوسری آیت میں یہ فرما کر کہ ''رات کے اندھیرے اور دن کی روشنی میں جو کچھ بھی سکونت پذیر ہے، سب کا سب خدا کا ہے۔'' خدا کی ہمہ گیری کو ظرف زمان میں بھی ثابت کر دیا۔ (مجمع البیان)

آیت نمبر ۱۴)

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ

کہو، پھر کیا اللہ کو چھوڑ کر میں کسی اور کو اپنا سرپرست بنالوں؟ اُس خدا کو چھوڑ کر جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا بھی اور جو روزی دیتا ہے مگر روزی لیتا نہیں ا؎؟ کہو کہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اُس (خدا) کے آگے اپنا سر اطاعت کے ساتھ جھکا کر مسلم اول رہوں، اور (یہ کہ) تمہیں مشرکوں میں سے ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ (۱۴)

تفسیر

آنحضرتؐ اولِ مخلوق اور مسلم اول ہیں:

''فاطر'' کے معنی مبدع، یعنی تخلیق کی ابتدا کرنے والا۔ (راغب از ابن عباسؓ)

یہاں بتایا جا رہا ہے کہ اے مشرکو! جن کو تم خدا مان رہے ہو، اللہ اُن کا بھی خالق ہے اور انہیں نیست سے

ہست میں لانے والا ہے اور وہی ساری مخلوق کو رزق دینے والا ہے اور کیونکہ پیغمبرؐ اپنی اُمت کے لیے نمونہ اور پیشوا ہے، اس لیے وہ اہل ایمان کی ہر صفت میں سب سے آگے ہے، یہ اولیت قوم اور زمانے، دونوں اعتبار سے ہے۔ (قرطبی، بیضاوی)

۱۔ خدا کے سوا جتنے بھی خدائی کے دعویدار ہیں وہ لوگوں کو رزق تو کیا دے سکتے ہیں وہ تو خود لوگوں سے رزق پاتے ہیں۔ کوئی فرعون اُس وقت تک خدائی کا دعویٰ نہیں کر سکتا جب تک لوگوں سے ٹیکس وصول نہ کرے۔'' ۔ مانگنے والا گدا ہے، شاہ مانگے یا فقیر۔'' کوئی دیوتا اس وقت تک دیوتا بن ہی نہیں سکتا جب تک لوگ اُس کا بُت بنا کر نہ سجائیں۔

غرض اللہ کے سوا سارے معبودانِ باطل خود انسانوں کے محتاج ہیں۔ صرف اللہ کی ذات ہی وہ ہے جو خود اپنے بل پر قائم ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں اور سب ہر اعتبار سے اُس کے محتاج ہیں۔ (تاجدی)

غرض یہ بات کرنے کی ایک ادا ہوتی ہے کہ جس غلطی پر دوسروں کو تنبیہ کرنی ہو اس غلطی کو خود اپنے اوپر رکھ کر کہہ دیا جائے تاکہ دوسروں کو ناگوار نہ ہو۔ اس لیے کہا گیا: ''کہو پھر کیا اللہ کو چھوڑ کر میں کسی اور کو اپنا سرپرست بنالوں؟'' (فصل الخطاب)

رسول خداؐ کا یہ فرمانا کہ: ''میں اول (درجے کا) مسلم ہوں'' (انا اول من اسلم) اس کے معنی اکثر مفسرین ''پہلا مسلم'' قرار دیتے ہیں۔ یعنی اولیت زمانے کے اعتبار سے۔ اس لیے وہ اس کا مطلب ''سب سے پہلا مسلمان'' بناتے ہیں۔ (تفسیر تبیان)

نتیجہ نمبر ۱:

کیونکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ''سب سے پہلے رسولؐ کا نور خلق ہوا۔ وہی اول مخلوق بھی ہیں اور اول مسلم بھی۔ آدمؑ اور دیگر نبیؑ اُن کے بعد خلق ہوئے۔

کیونکہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا: ''اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ'' خدا نے سب سے پہلے میرا نور خلق کیا۔ اور فرمایا: ''انا وعَلِیٌّ مِّنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ'' میںؐ اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں۔'' (حیات القلوب۔ بحار الانوار)

نتیجہ نمبر ۲:

آیت کے آخری الفاظ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ، مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اُس (خدا) کے آگے اپنا سر تسلیم و اطاعت جھکا کر اول درجے کا فرماں بردار بنوں۔'' ان الفاظ سے نتیجہ نکلا کہ تکالیفِ شریعہ کسی سے بھی ساقط نہیں ہوتیں۔ یہاں تک کہ انبیاء کرام سے بھی۔ (تھانوی)

آیت نمبر ۱۵۔۱۶

قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵﴾

مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَىٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۶﴾

ترجمہ

کہو، اگر میں اپنے پالنے والے مالک کی نافرمانی کروں تو ڈرتا ہوں کہ ایک بڑے (ہی خوفناک) دن مجھے سزا بھگتنی پڑے۔ا۔(۱۵)

وہ سزا کہ جو شخص اُس دن اُس سزا سے بچ گیا، تو اُس پر تو خدا نے بڑا ہی رحم فرمایا۔ اور یہی تو (حقیقی) کھلی ہوئی کامیابی ہے۔(۱۶)

تفسیر

آیت نمبر ۱۵:

ا۔ محققین نے نتیجہ نکالا کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا معصوم نبیؐ بھی قانونِ الٰہی کی ہمہ گیری سے باہر نہیں۔

قیامت کو روزِ عظیم اُن عظیم واقعات کے لحاظ سے فرمایا ہے جو اس دن واقع ہوں گے۔ کیونکہ وہ ابدی اور بہت بڑے فیصلے ہوں گے۔

(تفسیر روح المعانی)

آیت نمبر ۱۶:

خدا کا فرمانا کہ: ''اور یہی، (حقیقی) کھلی ہوئی کامیابی ہے۔'' یعنی جہنم کی سزا سے بچ جانا ہی کامل نجات،

رحمتِ الٰہی کا حصول اور کھلی ہوئی کامیابی ہے۔ (قرطبی۔ بیضاوی)

آیت نمبر ۱۷

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

ترجمہ

(توحید کی حقیقت یہ ہے کہ) اور اگر اللہ تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچائے، تو پھر اُس کے سوا کوئی بھی تو نہیں ہے، جو تمہیں نقصان سے بچا سکے۔ اور اگر وہ تمہیں کوئی فائدہ پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(۱۷)

تفسیر

صرف اللہ پر اعتماد کرنا معرفت اور حقیقت توحید ہے:

بے شک خدا ہر چیز پر قادر ہے لیکن وہ اپنی قدرت سے اندھا دھند کام نہیں کرتا، اس لیے کہ وہ حکیم بھی ہے۔ (تفسیر تبیان)

اس آیت میں توحید کی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ ''پیدا کرنا بھی خدا ہی کے اختیار میں ہے، اور ہر قسم کا فائدہ پہنچانا، نقصان پہنچانا، تکلیف دینا، آرام پہنچانا، تکالیف سے نجات دینا، اس طرح کے سارے کے سارے اختیارات تمام تر صرف اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ کوئی خدا کے ارادے درمیان حائل نہیں ہوسکتا، اور نہ اُس کی اجازت کے بغیر سفارش کرسکتا ہے۔ اس میں تمام چھوٹے بڑے خداؤں کی نفی آ گئی۔ (قرطبی۔ ماجدی) (اگر اہل اللہ سے خدا کی اجازت سے شفاعت کرنے اور عطا کرنے والا سمجھ کر مدد طلب کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔)

اسی بناء پر عارفین نے سب سے زیادہ زور حقیقت توحید کو سمجھنے پر دیا ہے اور جو اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے وہ ہر چیز سے کٹ کر صرف اللہ پر اعتماد کرتا ہے۔ جو شخص دنیا اور آخرت کی سلامتی چاہتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ خدا

کی رضا پر صبر کرے، خدا پر اعتراض نہ کرے، اپنی تمام خواہشات کو صرف اللہ سے طلب کرے اور سب سے کٹ کر صرف اللہ ہی سے خوشی اور کامیابی کی تمام توقعات وابستہ رکھے۔

آیت نمبر ۱۸

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ⑱

ترجمہ

اور وہ اپنے بندوں پر پورے پورے اختیارات رکھتا ہے اور وہ حکیم (یعنی) تمام گہری مصلحتوں کا جاننے والا، بالکل ٹھیک ٹھیک کام کرنے والا، اور تمام باتوں سے پوری پوری طرح باخبر ہے۔(۱۸)

تفسیر

اللہ اپنی مکمل حاکمیت کا اعلان فرما رہا ہے:

''قاھر'' بمعنی مکمل غلبے والا۔

ربوبیت اور حاکمیت کے لیے جن جن اوصاف کی ضرورت ہے وہ سب کی سب خدا کی ذات میں جمع ہیں۔ اب اس سے بڑی حماقت کوئی تصور نہیں کی جاسکتی کہ ایسی کامل ذات کے ساتھ کسی کو شریک سمجھا جائے کیونکہ خدا کی قدرت اور علم ہر اعتبار سے کامل ہے اور یہ صفات خدا کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتیں۔ قدرت اور قوت کے لحاظ سے خدا ساری مخلوقات پر غالب ہے۔ ''قھر'' کے معنی غلبۂ حاکمانہ کے ہوتے ہیں۔ (تفسیر کبیر)

خدا کا فرمانا کہ: ''خدا اپنے بندوں پر پورے پورے اختیارات رکھتا ہے۔'' اس میں خدا کی حکومت کی شدت، قدرت اور بلندی کو بتایا جا رہا ہے۔ (قرطبی۔ تفسیر کبیر)

خدا فرماتا ہے کہ تمام بندوں پر غالب و قاہر صرف میں ہوں اور تمام اپنی مخلوق کی ہر حالت اور کیفیت سے ہر وقت مطلع میں ہی ہوں اور میرا فیصلہ اور ہر کام حکمت ہی کے ماتحت ہوا کرتا ہے۔

آیت نمبر ۱۹

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ۫ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۫ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ

(اُن سے) پوچھو کہ کونسی چیز گواہی میں سب سے بڑی (اہم) ہے؟ کہو میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے۔ اور یہ بھی کہ میری طرف قرآن کی وحی بھیجی گئی ہے تاکہ تمہیں اور جس جس تک یہ (پیغام) پہنچے اس کو متنبہ کردوں۔ کیا واقعی تم اس بات کی گواہی دے سکتے ہو کہ خدا کے ساتھ دوسرے خدا بھی ہیں؟ کہو کہ میں تو اس بات کی ہرگز گواہی نہیں دے سکتا۔ کہو کہ خدا تو بس وہی ایک ہے، اور میں اُس شرک سے جو تم کرتے ہو قطعاً لاتعلق بیزار ہوں۔ (۱۹)

تفسیر

''مَنْۢ بَلَغَ ؕ'' سے اوّلین مراد ائمّہؑ اہل بیت ہیں:

۱۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''جس تک پیغام پہنچے'' (مَنْۢ بَلَغَ ؕ) سے اولین مراد ''آلِ محمدؐ'' میں سے وہ ائمہؑ ہیں۔ جو خدا کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔ وہ آنحضرتؐ کے بعد قرآن کے ذریعے لوگوں کو اسی طرح ان کے بُرے انجام سے ڈرائیں، سمجھائیں گے اور خدا کے احکامات پہنچائیں گے جس طرح خود آنحضرتؐ پہنچایا کرتے تھے۔'' (تفسیر صافی، صفحہ ۱۵۳، بحوالہ تفسیر مجمع البیان و کافی و تفسیر عیاشی)

پہلے فرمایا کہ ''ان سے پوچھو کہ کون سی ''چیز'' گواہی میں سب سے بڑی ہے؟'' پھر جواباً فرمایا: ''اللہ'' گواہ ہے۔'' اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کی ذات کے لیے ''شَیْءٌ'' کا لفظ کہنا درست ہے۔ (تفسیر تبیان، تفسیر کبیر، روح المعانی)

نتیجہ:۱

خدا کا فرمانا: ''تا کہ تمہیں اور جس جس تک یہ پیغام پہنچے'' بتاتا ہے کہ: جناب رسول خداؐ کی رسالت زمان ومکان کے اعتبار سے ہمہ گیر ہے۔ اس کا دائرہ کسی جغرافیائی حدود میں مقید نہیں اور نہ کسی خاص زمانے کے ساتھ مخصوص ہے۔ (مجمع البیان)

گواہی کے معنی:

اصل میں کسی چیز کی گواہی دینے کے لیے صرف قیاس یا گمان کافی نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے لیے علم ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جس کی بنیاد پر انسان گواہی دے سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا واقعی تمہیں علم ہے کہ اس کائنات میں خدا کے سوا کوئی اور غالب طاقت حاکم ہے جو بندگی کی مستحق ہے؟ (تفہیم)

اللہ کے گواہ ہونے سے قرآن مجید کی گواہی بھی مراد ہوسکتی ہے۔ اس لیے کہ قرآن خدا کا کلام اور خدا کا معجزہ ہے اور وہ اپنے کلام، زبان، تعلیمات غرض ہر اعتبار سے بے مثال ہے۔ نیز توحید پر جو قرآن نے دلائل پیش کیے ہیں وہ لاجواب اور بے مثال ہیں۔ (قرطبی)

نتیجہ:۲

خدا کے اس قول سے کہ ''تا کہ ہمیں اور جس جس تک یہ پیغام پہنچے اس کو متنبہ کردوں۔'' (مَنْۢ بَلَغَ) سے محققین نے نتیجہ نکالا کہ قرآن صرف اپنے زمانے ہی کے لوگوں کو مخاطب نہیں کرتا، بلکہ قیامت تک پیدا ہونے ہر شخص کو مخاطب کرتا ہے۔ (معالم)

آیت نمبر ۲۰

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ

اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

ترجمہ

جن لوگوں کوہم نے کتاب دی ہے وہ اس بات کواس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔مگر جنہوں نے اپنے آپ کونقصان میں ڈال ہی دیا ہے،وہ اس بات کو ہرگز نہیں مانیں گے۔(۲۰)

تفسیر

یہودی اورعیسائی آنحضرتؐ کورسول خداؐ کی حیثیت سے پہچاننے کے باوجود منکر ہو گئے:

(تفسیر صافی صفحہ، ۱۵۳) میں ہے کہ یہودی اورعیسائی آنحضرتؐ کوان کے حلیے اوران علامات سے فوراً پہچان لیا کرتے تھے جوتوریت اورانجیل میں مذکور ہیں۔

اس لیے یہ آیت یہودیوں اورنصرانیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔خدانے ان کونہ صرف رسول خداؐ کی صفات بتادی تھیں بلکہ ان کے اصحاب،مہاجرین وانصار کی خصوصیات تک بتادی تھیں۔مگراس کے باوجود''جب وہ آیا جس کووہ پہنچانتے تھے،توانہوں نے اس کاانکارکردیا پس ایسے انکارکرنے والوں پرخدا کی لعنت ہو۔''(قرآن)(تفسیرقمی)

اب خدا کا فرمانا کہ''وہ رسولؐ کواس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔''اس کا مطلب یہ ہے کہ یہودی نصرانی رسول خداؐ کی رسالت کواچھی طرح سے جانتے پہچانتے تھے۔ان کی نبوت اوررسالت کوبھی خوب جانتے تھے۔(قرطبی۔تفسیرکبیر بقول حسن،قتادہ)

یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مرادقرآن ہو۔یعنی وہ قرآن کی صداقت اورحقانیّت کوخوب پہچانتے تھے۔(روح المعانی،قرطبی)

آیت نمبر ۲۱

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ

اوراس شخص سے بڑھ کرظالم کون ہوگا جواللہ پرجھوٹی تہمت لگائے یااللہ کی نشانیوں کوجھٹلائے۔اس میں توکوئی شک ہی نہیں ہے کہ جوظالم ہوں،وہ کسی بھی طرح کی حقیقی بھلائی یا کامیابی حاصل نہیں کرسکتے۔(۲۱)

تفسیر

اللہ پرتہمت لگانے والاسب سے بڑا ظالم ہے:

قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت کا معیاراورادب اورنفسیاتی احتیاط کااندازملاحظہ فرمائیں کہ کھل کرنہیں فرمایاکہ تم ظالم ہو بلکہ ان کے ضمیرکوجھنجوڑکر بیدارکرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اگرمیں رسالت کا جھوٹادعویٰ کرتاتوبیشک مجھ سے بڑاکوئی ظالم نہ ہوتا۔لیکن اگرمیں سچا ہوں تو اس سے بڑاظالم کون ہے جومیری تکذیب کرے۔(فصل الخطاب)

خدا کی ساری انفس وآفاق کی نشانیاں ایک ہی حقیقت کبریٰ کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ ساری کائنات کا خالق ومالک پالنے والااصرف ایک ہے،اورباقی سب کے سب اس کے ادنیٰ غلام اورمحتاج ہیں۔اب جوشخص کسی علمی دلیل کے بغیرصرف اپنے باپ دادا کے کہنے کی وجہ سے کسی ایسے کوجوخدانہیں ہے،خدابناتا ہے،تواس سے بڑاظالم کوئی نہیں ہوسکتا۔وہ حقیقت اورصداقت پرظلم کرتاہے۔وہ خوداپنے اوپراورکائنات کی ہراس چیزپرظلم کرتاہے جوبرملاایک مالک پالنے والے معبوحقیقی کی گواہی دے رہی ہے۔ (تفہیم)

آیت نمبر ۲۲۔۲۳

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴿۲۲﴾

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴿۲۳﴾

ترجمہ

جس دن ہم ان سب کو میدان حشر میں اکٹھا کر دیں گے۔ پھر جنہوں نے شرک کیا تھا ان سے پوچھیں گے کہ اب تمہارے وہ شریک کہاں ہیں جن کو تم اپنا خدا سمجھتے تھے۔؟(۲۲)

تو پھر ان کے پاس نہ تو کوئی شرارت اور نہ کوئی عذر باقی رہے گا۔ سوا اس کے کہ وہ یہ کہیں کہ خدا کی قسم اے ہمارے مالک! ہم تو مشرک نہیں تھے۔(۲۳)

تفسیر

وہ قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم ولاءِ علیؑ میں شرک نہ کرتے تھے:

۱۔ ''وَ اللّٰهِ رَبِّنَا'' تفسیر برہان میں صادقین علیہما السلام سے مروی ہے کہ ''وہ قسم اٹھا کر کہیں گے کہ ہم ولاءِ علیؑ میں شرک کرتے تھے۔'' منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے عرض کی، کہ مجھے قرآن میں شک ہے۔ آپؑ نے پوچھا: وہ کیسے؟ عرض کیا کہ ایک جگہ ارشاد قدرت ہے کہ ''اس دن روبہ رو فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے اور کوئی نہ بول سکے گا مگر وہ جس کو رحمٰن کی اجازت ہوگی اور درست بولے گا۔'' اور دوسری جگہ فرماتا ہے کہ ''جھوٹ بولیں گے اور کہیں گے کہ ہم تو مشرک نہ تھے۔'' پھر ایک اور جگہ فرماتا ہے

کہ ''بعض کا کفر کریں گے اور ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔'' اور پھر فرمایا کہ: ''حکم ہوگا کہ میرے پاس جھگڑا مت کرو۔'' پھر ایک جگہ فرماتا ہے کہ: ''ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ بولیں گے اور پاؤں گواہی دیں گے۔''

اب آپؐ ہی بتایئے حقیقت کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''وہ پچاس ہزار برس کا ایک دن ہوگا' اور اس میں کئی موقف ہوں گے۔ ایک موقف پر مومن ایک دوسرے سے محبت کریں گے اور باہم خوشی سے ملیں گے اور گنہگار جنہوں نے دنیا میں ایک دوسرے کی ظلم و عدوان پر مدد کی تھی وہ ایک دوسرے پر لعنت ملامت کریں گے۔ اس کے بعد دوسرا موقف ہوگا جہاں نفسی نفسی کی پکار ہوگی اور بھائی اپنے بھائی سے، ماں باپ اپنی اولاد سے اور اولاد اپنے والدین سے اور زوجہ اپنے شوہر سے بیزار ہوں گے۔

پھر تیسرا موقف وہ ہوگا جہاں لوگوں پر گریہ طاری ہوگا اور خون روئیں گے' اگر اہل دنیا وہ آوازیں سنتے تو مدہوش ہو جاتے۔ پھر چوتھا موقف وہ ہوگا جہاں لوگ سامنے کے عذاب کا مشاہدہ کر کے اپنے گناہوں کا انکار کر دیں گے، اس وقت ان کی زبانوں پر مہر لگ جائے گی اور ہاتھ بولیں گے اور پاؤں اور چمڑے ان کے کرتوتوں کے گواہ ہوں گے، پھر جب زبانوں سے مہر اٹھے گی تو پوچھیں گے اپنے اعضاء سے کہ تم نے کیوں گواہی دی؟ تو جواب دیں گے کہ ہم کو اللہ نے بولنے کی طاقت دی تو ہم نے سچ بات بیان کر دی۔ پھر پانچواں موقف وہ آئیگا جہاں سوائے اذن پروردگار کے اور کوئی نہ بول سکے گا۔ پھر چھٹا موقف آئیگا کہ جہاں لوگ ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے اور اپنے اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے اور ان کا فیصلہ ہوگا اور حساب ہوگا اور حساب کے بعد ہر ایک اپنے ٹھکانے لگ جائے گا۔'' ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ تہتر (۷۳) فرقوں میں سے ناجی فرقہ صرف وہی ہے جو ہمارے ساتھ محبت کریگا اور ہمارے دشمنوں سے بیزاری کریگا کیونکہ ہم قرآن کے ساتھ اور قرآن ہمارے ساتھ ہے اور ایک دوسرے سے قیامت تک جدا نہ ہوں گے۔ اور باقی بہتر فرقے ابلیس اور اس کے ساتھیوں کے پیرو ہیں اور وہ محشر کے روز کہنے والے ہوں گے کہ قسم ہے پروردگار کی ہم مشرک نہ تھے۔ (برہان۔ بحوالہ انوار النجف، صفحہ ۱۹۹، ۲۰۰)

آیت نمبر ۲۴

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ

اب دیکھ لو کہ وہ کس کس طرح اپنے واسطے جھوٹ باندھنے لگے' مگر وہاں ان کے سارے جھوٹ ان سے گم ہو گئے۔(۲۴)

تفسیر

صرف خدا کو ماننا ان کو فائدہ نہ دیگا:

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ علیہ السّلام نے فرمایا کہ:

''یہ ان لوگوں کا بھی ذکر ہے جو دنیا میں بظاہر توحید کے قائل تھے۔ مگر صرف خدا کو ماننا ان کو کچھ فائدہ نہ پہنچائے گا۔ کیونکہ وہ رسولوںؑ کے مخالف تھے اور رسولوںؑ کے پیغامات پر شک کرتے تھے اور انبیاء کے اوصیاء (ائمہ) کے بارے میں جو عہد رسولوں نے ان سے لیا تھا اس کو توڑتے رہتے تھے۔'' اور اچھی چیزوں کو گھٹیا چیزوں سے بدلتے رہتے تھے۔ اسی لیے خدا نے ان کے ایمان لانے کے جھوٹے وعدے کو جھوٹ قرار دیا۔'' (تفسیر صافی صفحہ ۱۵۳، بحوالہ احتجاج طبرسیؒ)

اس آیت میں ایسے لوگوں کا انجام بتاتا گیا ہے کہ وہ باطل امیدیں دلوں میں پالے ہوئے تھے اور وہ امیدیں عین قیامت کے دن انہیں کیسا جواب دے گئیں اور ان کے جھوٹے خدا اور سفارشی ان کے کچھ کام نہ آئے۔(ماجدی)

ع''

جھوٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

آیت نمبر ۲۵

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ

حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ

اوران میں سے ایسے بھی ہیں کہ جوآپؐ کی بات بڑے غورسے سنتے ہیں،مگرہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں۔اسی لیے وہ اسے سمجھتے نہیں۔اوران کے کانوں پر بھاری پن یا گرانی پڑی ہوئی ہے وہ چاہے کوئی بھی نشانی دیکھ لیں،اس کو مانیں گے نہیں۔یہاں تک کہ وہ جب آپ کے پاس جھگڑتے (بحث کرتے) ہوئے آئیں گے،توبھی یہ حق کے انکاری بس یہی کہیں گے کہ یہ سب کچھ اگلے لوگوں کے قصّوں کے سوا کچھ بھی تونہیں۔(۲۵)

تفسیر

اللہ نے ہر چیز کو اس کی فطرت پر پیدا کیا ہے:

اسے۔خدا کا یہ فرمانا کہ:''ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں۔''تو قانون فطرت کے تحت جو کچھ بھی دنیا میں واقع ہوتا ہے،اسے اللہ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔کیونکہ قانون فطرت کا خالق یا بنانے والا خدا ہی ہے اب جو نتائج اس قانون کے تحت رونما ہوتے ہیں،وہ حقیقتاً خدا کے اذن اور ارادہ ہی سے رونما ہوتے ہیں۔اب جو لوگ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے حق بات کو نہیں سنتے تو پھر قانون فطرت یہ ہے کہ ان کے دل و دماغ کے دروازے بند ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔اس لیے کہ خدا کی توفیقات ان سے ہٹالی جاتی ہیں۔اس بات کو خدا اس طرح فرماتا ہے کہ:''ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں۔''

کیونکہ ہم صرف واقعہ بیان کرتے ہیں اور اللہ حقیقت واقعہ بیان فرماتا ہے۔(تفہیم)

دوسری بات جو اس آیت میں بیان ہوئی ہے وہ یہ کہ:''جب کوئی نبی پیغام لاتا ہے تو منکرین کہتے ہیں کہ یہ تو سب وہی پرانی باتیں ہیں۔''گویا ان احمقوں کا نظریہ یہ ہے کہ کسی بات کے حق ہونے کے لیے نیا ہونا ضروری

ہے۔اور جو بات پرانی ہے وہ سچ ہے۔حالانکہ سچ ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے اور ہمیشہ ایک ہی رہے گا۔(تفہیم)

بقول ڈاکٹر اقبالؔ:۔

حقیقت ابدی ہے مقام شبیریؑ
بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی

محققین نے نتیجہ نکالا کہ اگر سچی باتوں کو اس پکے ارادے سے سنا جائے کہ سچ کو قبول نہ کردوں گا، تو ایسا سننا کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔

یہ بیان ایسے ہی منکرین حق کی حق دشمنی کا ہے کہ کوئی دلیل انہیں حق کے قبول کرنے پر آمادہ نہ کرسکی۔(تفسیر کبیر، بقول ابن عباسؓ)

اسی لیے وہ رسولؐ سے بحث مباحثے اور لڑائی جھگڑے کے لیے آتے تھے حق سننے یا سمجھنے کے لیے آتے ہی نہ تھے اور قرآن جیسی عظیم کتاب کی تکذیب کرتے تھے۔یہ ان کی حق دشمنی کی انتہا تھی کہ وہ قرآن جیسی عظیم کتاب کو پچھلے پرانے قصّے کہانیاں کہہ کر ٹال دیتے اور اس پر غور نہ کرتے تھے۔(کشاف۔قرطبی)

آیت نمبر ۲۶

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾

ترجمہ

اور یہ لوگ دوسروں کو بھی اس (قرآن کے سننے) سے روکتے ہیں اور خود تو الگ تھلگ رہتے ہی۔اس طرح یہ لوگ اپنے آپ ہی کو تباہ کرتے ہیں اور سمجھتے ہی نہیں۔(۲۶)

تفسیر

اس آیت کے تین معانی بیان کیے گئے ہیں:

اس آیت مجیدہ کے تین معانی بیان کیے گئے ن ہیں۔

(۱) وہ لوگوں کو جناب رسول خداؐ کی اتباع سے روکتے ہیں اور خود بھی ان سے دور رہتے ہیں۔

(۲) وہ لوگوں کو قرآن کے سننے سے روکتے ہیں اور خود بھی دور بھاگتے ہیں۔

(۳) وہ لوگوں کو جناب رسول خداؐ کی ایزارسانی سے روکتے ہیں لیکن خود ان پر ایمان نہیں لاتے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ انھیں لوگوں کا ذکر ہے جن کے تاریک کردار کا پہلے (انوار النجف ۲۰۰ ؎) سے ذکر ہو رہا ہے۔ وہی لوگ دوسروں کو رسول اکرمؐ کے پاس آنے سے روکتے ہیں اور خود بھی رسول خداؐ سے دور رہتے ہیں۔ مگر اس کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں جو روایات میں بیان ہوئے ہیں کہ! کچھ بنی ہاشم کے لوگ خاندانی حمیت کی وجہ سے رسولؐ کی حفاظت کرتے تھے۔ گویا رسولؐ کو دشمنوں کی تکلیفوں سے بچاتے تھے۔ مگر خود رسولؐ پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ (تفسیر علی ابن ابراہیم)

نہج البلاغتہ،، میں حضرت علیؑ کے ایک خطبے سے بھی اس مطلب کی تائید ہوتی ہے۔ اس طرح دونوں مطلب درست ہیں۔

آیت نمبر ۲۷

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ

کاش تم دیکھو جب وہ جہنم کی آگ کے اوپر کھڑے کیے جائیں گے۔ تب وہ کہیں گے کہ کاش ہم (دنیا کیطرف) پلٹا دیے جاتے اور پھر اپنے پالنے والے مالک کی نشانیوں کو نہ جھٹلاتے اور ماننے

والوں میں ہوجاتے۔(۲۷)

تفسیر

روز قیامت مخالفین دین کی حالت۔

شاہ عبدالقادر صاحب نے خوب لکھا،

یعنی دوزخ کے کنارے پہنچ کر حکم ہوگا کہ ٹھہراؤ،تو کافروں کو توقع پڑے گی کہ شاید ہم کو پھر دنیا میں بھیجیں،تو اب کی بار کفر نہ کریں (گے) اور ایمان لاویں (گے) سو اللہ فرماتا ہے کہ اس واسطے ان کو نہیں ٹھیرایا، بلکہ اس تدبیر سے ان کے منہ سے اقرار کرالیا کہ ہم نے کفر (انکار حق) کیا تھا۔(موضع،القآن)

علامہ طبرسیؒ نے لکھا کہ، یہ معنی ہی نہیں کہ وہ کھڑے کیے جائیں گے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ جہنم میں داخل کر دیے جائیں گے۔کیونکہ ''وُقِفُوْا'' معنی کھڑا کیے جانے کے نہیں، بلکہ واقف کیے جانے کے ہیں۔یعنی وہ جہنم میں جا کر جہنم سے واقف ہوجائیں گے۔(مجمع البیان)

عربی اسلوب میں ایسے موقعے پر،،یعنی کاش،کا جواب محذوف کرنے سے بیان کی عظمت اور اہمیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔(قرطبی)

آیت نمبر ۲۸۔۲۹

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ

بلکہ اب ان پر وہ سب کچھ ظاہر ہوگیا جو وہ پہلے چھپاتے تھے۔اے (لیکن اگر) اب بھی وہ

پلٹا دیے جائیں، تو پھر وہی کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا ہے۔ (کیونکہ) وہ تو ہیں ہی بڑے جھوٹے۔(۲۸)

اور وہ کہا کرتے تھے کہ زندگی جو کچھ بھی ہے وہ تو بس یہی دنیا کی زندگی ہے اور ہم مرنے کے بعد ہرگز بھی نہ اٹھائے جائیں گے۔(۲۹)

تفسیر

روز قیامت برے اعمال کی شکل:

آیت ۲۸ نمبر:

یعنی مرنے کے بعد اور قیامت کے دن تمام اچھے برے اعمال کی اصل شکل دکھائی دے گی۔ بُرے اعمال کی اصل شکل نہایت خوفناک، سخت بھیانک ہوگی۔ (اس لیے کہ موت اور قیامت کشفِ حقائق کا نام ہے۔ اس لیے بُرے لوگوں کے بُرے اعمال جو دنیا میں چھپے رہے تھے، اب انہیں علانیہ بے نقاب نظر آنے لگیں گے، وہ بھی اپنی اصل بدنما شکل میں۔ (کشاف۔ تفسیر کبیر)

آیت نمبر ۲۹:

یہ عام دہریوں کا عقیدہ ہے جو ہر دور میں خدا اور آخرت کا انکار کرتے رہے ہیں اور اگر زبان سے اعلان نہیں کرتے تو اپنے اعمال سے اس عقیدے کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اگر آخرت سے دنیا میں پلٹا بھی دیے جائیں تو بھی یہ دنیا میں آ کر وہی کچھ کہیں گے جو اب تک کہتے آئے تھے کہ بس جو کچھ ہے یہی دنیا ہے۔ اس سے آگے کچھ نہیں ؎

بابر بہ عیش کوش کہ ایں عالم دوبارہ نیست

آیت نمبر ۳۰۔۳۱

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۳۰

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝۳۱

ترجمہ

کاش تم وہ منظر دیکھ لو جب یہ اپنے مالک کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے۔ اُس وقت اُن کا مالک (خدا) اُن سے پوچھے گا: کیا یہ (جہنم اور قیامت) حقیقت نہیں؟ وہ کہیں گے: ''ہاں ہمارے مالک! یہ حقیقت ہے'' تو خدا فرمائے گا: ''تو اب حق سے انکار کرنے کی سزا کا مزہ بھی چکھ لو۔'' (۳۰)

(غرض) بڑا ہی نقصان اٹھایا انہوں نے، اللہ سے اپنی ملاقات کو جھٹلاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب اچانک وہ وقت آ جائے گا تو وہ کہیں گے ہائے افسوس! ہم نے اس معاملے میں کتنی سخت کوتاہی اور غلطی کی۔ اب تو اُن کا حال یہ ہوگا کہ وہ اپنے گناہوں کا بوجھ اپنی پیٹھوں پر اُٹھا رہے ہوں گے۔ کیا ہی بُرا بوجھ ہے جو وہ اب اٹھا رہے ہیں۔ (۳۱)

تفسیر

آخرت کو جھٹلانے پر کمال ندامت:

آیت نمبر ۳۱۔ا ے

''آخرت کے معاملے میں سخت کوتاہی کرنے'' کے معنی یہ ہیں کہ: ''نہ تو ہم نے ابدی حقیقتوں کو دل سے مانا تھا اور نہ وہ کام کیے جو آج ہمارے کام آتے' اور نہ فرائض الٰہی کو ادا کیا' اور نہ برائیوں سے رکے۔ (تفسیر تبیان' کشاف)

یادرہے کہ آخرت میں اعمال اور عقائد مادی چیزوں کی طرح باوزن ہوں گے اور شکل اختیار کرلیں گے۔(ماجدی)

''السّاعة''(وقت ملاقات) سے قیامت کا دن بھی مراد ہے' اور موت کا وقت بھی۔ کیونکہ موت مقدمات قیامت میں سے ہے۔اس لیے بھی موت مراد ہوسکتی ہے۔''مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَ قِیَامَتَهٗ'' جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہوگئی'' اور اللہ سے ملاقات سے اعمال کی جزا ملنے کا وقت مراد ہے۔ (کشّاف۔روح۔قرطبی)

آیت کا انداز بیان شدت کے ساتھ افسوس کرنے کا ہے۔جس میں سخت ندامت، حسرت، اور بے چینی کی کیفیت ہوتی ہے۔ (تفسیر کبیر، قرطبی)

''اَوْزَارَ'' کے معنی گناہ ہیں' جن کا بوجھ وہ اپنی پیٹھوں پر اٹھا رہے ہوں گے۔ (قرطبی ،ابن جریر، تفسیر کبیر، بقول ابن عباسؓ)

رہا یہ سوال کہ گناہ غیر مادی چیزیں ہیں وہ پیٹھ پر کیسے لدے ہوں گے؟ تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہاں یہ بات محض عربی محاورے کی زبان میں فرمائی گئی ہے۔ (قرطبی)

لیکن اس کے ماننے میں کونسی دشواری ہے کہ آخرت میں مجرد اور غیر مادّی چیزیں شاید مادّی شکل اختیار کرلیں اور باوزن ہوجائیں۔یعنی اعمال جسم کی شکل اختیار کرلیں۔بہت سے اہل سنّت کے مفسرین تجسیم اعمال کے قائل ہیں۔اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ جب حقیقی معنی لے جاسکتے ہیں تو پھر مجازی معنی کیوں لیے جائیں۔(تفسیر روح

المعانی، بحر)

آیت نمبر ۳۲

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۳۲

ترجمہ

دنیا کی زندگی تو بس ایک کھیل تماشا ہے اور حقیقت میں آخرت کا گھر تو ان کے لیے جو نقصان سے بچنا چاہتے ہیں، کہیں بہتر ہے تو کیا تم کبھی عقل سے کام ہی نہ لو گے؟ (۳۲)

تفسیر

حیات دنیا مثل کھیل تماشے کے ناپائیدار و عارضی ہے:

دنیا کی زندگی کو کھیل تماشا کہنے کا ہرگز مطلب یہ نہیں ہے کہ اس زندگی کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقی اور پائیدار زندگی کے مقابلے میں دنیا کی زندگی بس ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص کچھ دیر کھیل تفریح سے دل بہلائے اور پھر اپنے اصل کام یا کاروبار کی طرف واپس چلا لائے۔

نیز دنیا کی زندگی کو کھیل تماشا اس لیے بھی کہا گیا ہے کہ دنیا میں غافل لوگ دنیا کی لذتوں ہی کو زندگی کا حاصل سمجھ لیتے ہیں اور آخرت کو بھلا بیٹھتے ہیں۔ اس قسم کی زندگی کھیل تماشا بن کر رہ جاتی ہے۔ مثلاً اگر ڈرامے یا تھیٹر میں کوئی شخص بادشاہ بنا ہوا ہو تو وہ حقیقتاً بادشاہ نہیں بن جاتا۔ بلکہ حقیقتاً بادشاہی کی تو اس کو ہوا بھی نہیں لگتی۔ دنیا کے بادشاہ، دانشمند، امیر کبیر، اسی طرح کا تماشا ہیں۔ اصل حقیقت، اصل دولت ایمان اور عمل صالح کے سوا کچھ نہیں۔ (تفہیم)

اصل میں جس دنیا کی مذمت کی جارہی ہے، وہ وہی دنیا ہے جو مقصود بالذّات ہوجائے۔ جیسی کہ

ملحدوں، کافروں، دہریوں اور مادہ پرستوں کی ہوتی ہے۔ (قرطبی۔تفسیر کبیر)

مومن کی زندگی آخرت کی تیاری کے لیے ہوتی ہے اس لیے مومن کی دنیاوی زندگی قابل مذمّت نہیں۔ وہ توعین مطلوب ہے۔ (کشّاف۔قرطبی)

آیت نمبر ۳۳

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ

جو باتیں وہ لوگ بناتے ہیں وہ سب ہمیں معلوم ہیں اور یہ بھی کہ تمہیں ان سے رنج پہنچتا ہے۔ لیکن حقیقتاً وہ تم کو نہیں جھٹلاتے، بلکہ یہ ظالم تو اصل میں اللہ کی نشانیوں کا جان بوجھ کر انکار کر رہے ہیں۔ (۳۳)

تفسیر

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب گویا خدا کی تکذیب ہے:

حضرت علی ابن ابی طالبؑ علیہ السلام نے فرمایا: ''خدا کی قسم کافروں نے رسول اکرمؐ کو جھٹلانے میں بڑی ہی سختی اور شدت سے کام لیا۔ مگر یہاں مطلب یہ ہے کہ وہ کوئی غلط بات ایسی پیش نہ کرسکیں گے کہ جس سے تمہاری (یعنی رسول اکرمؐ کی) سچی باتیں جھوٹ ثابت ہوسکیں۔'' (تفسیر صافی صفحہ، ۱۵۴، بحوالہ کافی وتفسیر عیاشی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''یعنی کافر کوئی ایسا حق نہ لاسکیں گے کہ جس سے تمہارا (مراد رسولِ اکرمؐ کا) حق باطل کرسکیں۔'' (تفسیر قمیؒ)

یعنی انؐ کی سچی باتوں کو جھوٹا ثابت کرسکیں۔

حضرت امام محمدؑ باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''یعنی وہ رسول اکرمؐ کے قول کو باطل کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے۔''

(تفسیر عیاشی) محققین نے نتیجہ نکالا کہ بلند انسانوں کے لیے تلوار، خنجر وغیرہ اتنی تکلیف نہیں پہنچاتے جتنی جاہلوں کی بدتمیزیاں تکلیف پہنچاتی ہیں۔ اسی لیے ارشاد ہوا کہ آپؐ کو جو صدمہ ان احمقوں سے کی باتوں سے ہوتا ہے وہ بالکل فطری ہے مگر حقیقتاً یہ لوگ آپؐ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ تو خدا کو جھوٹا سمجھ رہے۔ (معاذ اللہ) اس لیے کہ وہ خدا کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۳۴

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ

اور تم سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر جھٹلائے جا چکے ہیں۔ اے مگر انہوں نے اپنی تکذیب پر اور ان تکلیفوں پر جو ان کو دی گئیں، صبر کیا۔ یہاں تک کہ ہماری مدد ان کے پاس آن پہنچی۔ اللہ کے قانون کبھی بدلا نہیں کرتے۔ اور تم کو چند پیغمبروں کی خبریں تو پہنچ ہی چکی ہیں۔ (۳۴)

تفسیر

''ہوتا آیا ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں''

اے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''خدا اپنے رسولؐ سے فرما رہا ہے کہ: ''تمہیں ہر معاملے میں صبر سے کام لینا اور نرمی اختیار کرنی چاہیے۔ رسول اکرمؐ نے یہی طریقہ اختیار کیا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے آنحضرتؐ پر ہڈیاں پھینکیں جس سے آپ کا سینہ (دل) تنگ ہوا، جس پر خدا نے پہلے تو یہ فرمایا: ''حقیقت ہم جانتے ہیں جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے تمہارا سینہ تنگ ہو جاتا ہے۔ پس آپؐ

اپنے پالنے والے مالک کی پاکی بیان کرتے رہیں (تسبیح پڑھتے رہیں) اور سجدے (شکر ادا) کرنے والوں میں سے ہوجائیں۔'' لوگوں نے پھر تکذیب کی تو آپؐ کا دل تنگ ہوا۔ اس پر خدا نے یہ دوسری آیت اتاری۔ اسی لیے آنحضرتؐ نے صبر کرنا اپنے اوپر لازم قرار دے لیا۔ (تفسیر صافی صفحہ، ۱۵۴، بحوالہ کافی)

خدا کی سنّت ہی یہ ہے کہ وہ پہلے ظالموں کو خوب گل کھلانے، کھلکھلانے، کھیل کود کھانے کا موقع دیتا ہے اور انبیاءؑ کو صبر و برداشت کا حکم دیتا ہے۔ پھر آخر میں اپنے انبیاءؑ کی مدد کرتا ہے اور اس طرح ظالموں کو ان کے منطقی انجام تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ (تفسیر تبیان)

آیت نمبر ۳۵

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ

اور اگر تم سے ان کی بے رخی برداشت ہی نہیں ہوتی تو پھر تم زمین میں گھس کر کوئی سرنگ ڈھونڈ نکالو یا پھر آسمان پر کوئی سیڑھی لگا سکو تو لگا لو۔ اور اس طرح ان کے پاس کوئی معجزہ لے آؤ۔ اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو سیدھے راستے پر جمع کر دیتا۔ لہٰذا نادان نہ بنو۔ (۳۵)

تفسیر

آنحضرتؐ کی خواہش تو یہ تھی:

حضرت امام محمدؑ باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت ابوالائمہ امام الامام علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا کہ حضور اکرمؐ سرکار دو عالم چاہتے تھے کہ قریش کا سردار حرث (حارث) بن عامر بن نوفل بن

عبد مناف اسلام قبول کر لے۔ آپؐ نے اسے دعوت دی اور بہت کوشش بھی کی، مگر وہ نہ مانا (ایمان نہ لایا) آنحضرتؐ کو یہ بات بہت گراں گذری پس یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر صافی صفحہ، ۱۵۴ بحوالہ تفسیر قمی)

محققین نے اس آیت سے یہ نتیجہ نکالا کہ آیت میں اس بات کا اظہار بھی ہے کہ ''رسولؐ'' کی شفقت کافروں اور منکروں پر کتنی زیادہ تھی کہ آپؐ کے اختیار میں ہوتا تو آپؐ ان کو ہر فرمائشی معجزہ دکھانے کو تیار تھے تا کہ کسی طرح وہ نجات پا جائیں۔ (کشاف)

مگر ایسی ہدایت جبری ہدایت کے ذیل میں آتی ہے جو مشیّت الٰہی کے منافی ہے۔ (تفسیر کبیر) بقول شاعر:۔''

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ بر دشمناں نظر داری

آیت نمبر ۳۶

اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰی یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾

ترجمہ

حق بات تو بس وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں۔ رہے مردے تو ان کو تو جب خدا (قبروں سے) اٹھائے گا، تب کہیں وہ اس کی طرف پلٹ کر جائیں گے۔ (۳۶)

تفسیر

بے بصیرت (مردہ دل) لوگ ایمان نہیں لاتے:

مطلب یہ ہے کہ: ''اے رسولؐ! آپؐ کا کام زندہ لوگوں کو سمجھانا ہے، بے حس مردہ جسموں کو تھوڑی آپؐ سمجھا سکتے

ہیں۔

مردوں کو زندہ کرنا تو خدا کا کام ہے جو وہ قیامت میں انجام دے گا۔ منکرین حق کی بے حسی کی وجہ سے ان کو مردہ جسم فرمایا ہے۔

غور سے نہ سننے اور فائدہ نہ اٹھانے کی وجہ سے کافروں کو مردہ جسموں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ (تفسیر مجمع البیان)

ورنہ اگر وہ واقعاً مردہ جسم ہوتے تو ان پر نہ سننے کا جرم کیسے عائد ہوتا۔؟ (فصل الخطاب)

آیت میں سننے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے ضمیر زندہ اور عقلیں سلامت ہیں۔ جو عقلوں کو معطل کر کے بند نہیں رکھتے، بلکہ عقل سے کام لیتے ہیں۔ دلوں پر تکبّر اور جمود کے قُفل نہیں چڑھا لیتے۔ ان کے مقابلے پر مردہ جسم وہ ہیں جو لکیر کے فقیر بنے اندھوں کی طرح چلے چلے جا رہے ہیں۔ اس لکیر سے ہٹ کر کوئی بات سننے کو تیاری نہیں، چاہے وہ حق کی آواز ہی کیوں نہ ہو۔ (تفہیم)

محقّقین نے لکھا کہ ''قبول حق کی پہلی اور بنیادی شرط ہی یہ ہے کو حق کہ بلا عناد، بلا قصد مخالفت برائے مخالفت، خالی ذہن کے ساتھ سنا جائے تب کہیں حق بات اثر کرتی ہے۔ اس لیے عقل وفہم کے ساتھ حق کو سننا ضروری ہے۔ (قرطبی۔ روح المعانی)

آیت نمبر ۳۷

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۷

ترجمہ

اور وہ کہتے ہیں کہ اس نبیؐ پر آخر کوئی معجزہ کیوں نہیں اترتا؟ کہہ دیجیے کہ بیشک اللہ تو کسی بھی معجزے کو اتارنے پر قادر ہے۔ مگر ان میں کے اکثر کچھ بھی تو نہیں جانتے۔ (۳۷)

تفسیر

ایمان نہ لانے کا یہ بھی ایک بہانہ تراشا ہے:

معجزات تو رسولؐ کے ہاتھوں پر ہوا ہی کرتے تھے مگر کفار اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے یہ رٹ لگائے رہتے تھے کہ آخر کوئی اور معجزہ کیوں نہیں آتا۔ گویا معجزہ کیا ہوا بچوں کا کھیل ہو گیا۔ (تفسیر تبیان)

لوگ یہ بات نہیں جانتے کہ جب خدا کی طرف سے کوئی معجزہ ان کے پاس آجائے گا اور وہ پھر بھی ایمان نہ لائیں گے، تو فوراً ہلاک کر دیے جائیں گے۔ (تفسیر صافی ۱۵۴ بحوالہ تفسیر قمی)

جواباً کہا گیا کہ خدا کا ہر کام حکمت اور مصلحت کی بناء پر ہوتا ہے۔ وہ احمقوں کی فرمائشوں کا پابند نہیں۔ (فصل الخطاب)

دوسرا مطلب) یہ ہے کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ اگر معجزات آ گئے اور پھر انھوں نے نہ مانا تو عذاب کے آنے میں کچھ دیر نہ لگے گی۔ اس مطلب کی تائید قرآن کی اور بہت سی آیتوں سے ہوتی ہے (تفسیر علی بن ابراہیم)

ایسے فرمائشی معجزوں کے طلب کرنے والوں پر انجیل میں بھی سخت لتاڑ کی گئی ہے:

اگر اس زمانے کے برے اور زنا کار لوگ نشان (معجزہ) طلب کرتے ہیں،، (متی:۱۶:۱۴)

میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانے کے لوگوں کو کوئی (معجزہ) نشان نہ دیا جائے گا:، (مرقس ۸۔۱۱:۱۳)

آیت نمبر ۳۸

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

ترجمہ

زمین پر چلنے والے کسی بھی جانور اور ہوا میں پروں سے اڑنے والے کسی بھی پرندے ہی کو دیکھ لو ۔یہ سب تمھاری ہی قسم کے گروہ ہیں۔ہم نے ان کی تقدیر کے لکھنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔پھر یہ سب کے سب اپنے مالک پالنے والے کی طرف سمیٹے جائیں گے۔(۳۸)

تفسیر

روز جزا جانور اور پرندے بھی محشور ہوں گے۔

یعنی تمام چرند و پرند کو بھی محشور کیا جائے گا اور ان میں بعض کا بعض سے بدلہ لیا جائے گا،اور حیوانات پر انسانی مظالم کی باز پرس بھی ہوگئی،اور حساب کتاب کے بعد ان کو مار دیا جائے گا اور جنت ،دوزخ صرف انسانو ں کے لیے ہوگی۔(تفسیر انوار النجف جلد ۲۱۶۵)

مطلب یہ ہے کہ جانور، پرندے تمھاری طرح کی مخلوق ہیں اور تمھاری طرح پیدا کیے گئے ہیں۔ان سب کے پیدا کرنے کا مقصد خدا کی قدرت کے کمال،اس کے علم کی وسعت اور کمال تدبیر کو سمجھانا ہے۔(تفسیر قمی)

آیت کا آخری مطلب یہ ہے،کہ(۱) خالق کا نظام حکومت تمام کائنات پر حاوی ہے۔(جلالین)

(۲) تم بھلا اس کے دائرۂ حکومت سے کیونکر نکل سکو گے؟ کوئی مخلوق خدا کی حکومت کے دائرے سے نہیں نکل سکتی۔

(۳) خدا کی لکھی ہوئی تقدیر یعنی ،لوح محفوظ،، میں کوئی چیز نظر انداز نہیں کی گئی ہے۔(شاہ ولی اللہ)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر تمہیں تماشے دیکھنے کا شوق نہیں ہے اور حق کو سمجھنے کا شوق ہے تو آنکھیں کھول کر دیکھو، تمہارے چاروں طرف خدا کی نشانیاں ہی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں۔جانوروں ہی کو دیکھ لو۔اُن کی جبلت،اُن کی فطری ضرورتوں کے عین مطابق بنائی گئی ہے۔اُن کی روزی کا پورا پورا انتظام کیا گیا ہے۔اُن کی تقدیر (خصوصیات) مقرر کی گئی ہیں۔ ہر کیڑے، ہر جانور کی خبر گیری اور رہنمائی کی جارہی ہے۔ہر پرندہ، کیڑا، مکوڑا ایک ضابطے کا پابند ہے۔اُن میں تناسل کا نظام، نظام ہاضمہ (Nervous System) سب اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔خدا کی صرف

اسی ایک نشانی پر غور کرلو گے تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ رسول کا پیغام عین حق ہے۔ مگر تم حق کو پہچاننا کب چاہتے ہو۔ تم تو تماشے دیکھنا چاہتے ہو۔ سو ان کا دکھانا ہمارا کام نہیں۔ (تفہیم)

مطلب یہ ہے کہ ساری کی ساری مخلوقات قیامت کے دن جمع کی جائیں گی۔ (قرطبی، بقول حضرت ابوذرؓ، ابوہریرہ، الحسن وغیرہ)

نتیجہ:۔

جب حیوانوں، پرندوں تک کے لیے ضروری ٹھہرا کہ قیامت میں حاضر ہوں تو بھلا انسان جو پوری طرح ذمے دار اور صاحبِ عقل وارادہ واختیار کیونکر قیامت کی حاضری سے بچ سکتا ہے؟

''کِتٰب'' سے مراد لوحِ محفوظ کا خدائی رجسٹر ہے جس میں ہر چھوٹی سے چھوٹی معلومات درج ہیں۔ یہ کتاب اللہ کے پاس ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

مطلب یہ ہے کہ ہر جاندار کا رزق مقدر ہے اور مرنے کا وقت معین ہے۔ اُن کے بدن خدا نے پیدا کیے ہیں اور اُن کی روحوں کی خدا پرورش کر رہا ہے۔ (تفسیر صافی)

آیت نمبر ۳۹

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾

ترجمہ

اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں، وہ (حقیقتاً) بہرے اور گونگے ہیں، اور اندھیروں میں پڑے رہتے ہیں۔ غرض اللہ جسے چاہتا ہے (اسی طرح) گمراہی میں چھوڑ دیا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستے پر لگا دیتا ہے۔ (۳۹)

تفسیر

خدا کا کوئی کام خلافِ عدل نہیں ہوتا:

مندرجہ ذیل آیتوں سے اس آیت کی وضاحت ہوتی ہے کہ ''خدا خواہ مخواہ نہ کسی کی ہدایت میں اضافہ کرتا ہے اور نہ کسی کو مخواہ مخواہ گمراہی میں چھوڑ دیا کرتا ہے، اس کا دارو مدار ہماری کوششوں پر ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خدا عینِ عدل ہے۔ خدا کا کوئی کام خلافِ عدل نہیں۔ (فصل الخطاب)

یاد رہے کہ خدا کا چاہنا کبھی بلا وجہ نہیں ہوا کرتا۔ ہمیشہ انسان کے اپنے کردار پر سزا یا جزا کے طور پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ دوسری آیتوں میں ارشاد ہوا: (۱) ''یُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیْنَ''۔ یعنی ''خدا ظالموں کو گمراہی میں چھوڑ دیا کرتا ہے۔ (یا) ظالموں کو گمراہ قرار دیتا ہے۔'' (۲) ''وَالَّذِیْنَ اھْتَدَوْا زَادَھُمْ ھُدًی۔'' یعنی: ''جو لوگ ہدایت حاصل کرتے ہیں، خدا اُن کی ہدایت میں اضافہ کر دیا کرتا ہے۔'' (۳) یَھْدِیْ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ''۔ یعنی ''جو خدا کی خوشی حاصل کرنے کے لیے اُس کے (حصول کے لیے اُس کا) پیچھا کرتے ہیں، اُنہیں اللہ اُن (کی کوششوں) کے ذریعے سلامتی کی راہوں پر لگا دیتا ہے۔

''خدا کا گمراہی میں چھوڑ دینا'' یہ ہوتا ہے کہ: ضدی منکر انسان سے خدا کی نشانیوں پر غور و فکر کرنے کی توفیق سلب کر لی جائے۔ اور اللہ کی ہدایت یہ ہے کہ طالب حق کو علم کے ذریعے سے فائدے اٹھانے کی توفیق دی جائے تا کہ حقیقت تک رسائی ہو۔

آیت نمبر ۴۰

قُلْ اَرَءَیْتَکُمْ اِنْ اَتٰىکُمْ عَذَابُ اللّٰہِ اَوْ اَتَتْکُمُ السَّاعَۃُ اَغَیْرَ اللّٰہِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۴۰﴾

ترجمہ

اُن سے کہو! اچھا ذرا غور کر کے تو بتاؤ کہ اگر اللہ کی طرف سے تم پر کوئی بڑی مصیبت آ جاتی ہے یا

(تمہاری) آخری گھڑی آن پہنچتی ہے، تو اُس وقت کیا تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتے ہو، (بولو) اگر تم سچے ہو؟ (۴۰)

تفسیر

پھر تم مصیبت کے وقت اللہ کو کیوں پکارتے ہو؟

شیخ طوسیؒ نے اپنی تفسیر ''تبیان'' میں اور علامہ طبرسیؒ نے اپنی تفسیر ''مجمع البیان'' میں اس آیت پر بڑی پیچیدہ اور طویل بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ بس یہ ہے کہ:

''خدا کا فرمانا ''قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ'' یعنی: اچھا ذرا غور کر کے تو بتاؤ۔'' کہنا عربی کا ایک محاورہ ہے جو اہل زبان بولتے ہیں۔ (فصل الخطاب)

کیا تم نے دیکھا اپنے تئیں؟ (شاہ رفیع الدین)

آیا دیدیدہ؟ (شاہ ولی اللہ)

بس یہ ایک ادا ہے طلب حق پیدا کرنے اور ضمیر کو جھنجوڑنے کی۔ (تفسیر تبیان) مطلب یہ ہے کہ اگر واقعی تم خلوصِ دل سے اپنے جھوٹے خداؤں کے قائل ہو تو انتہائی نازک اور مشکل وقتوں پر اُنہیں (جھوٹے خداؤں کو) کیوں نہیں پکارتے؟ (پکار کر دیکھو وہ کچھ کام آنے والے نہیں)۔ (ماجدی)

یعنی فطری طور پر تو اللہ ہی یاد آتا ہے مگر ہٹ دھرمی حائل و مانع ہوتی ہے کہ اُس کو قبول بھی کر لیں اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ کے قائل ہو جائیں۔

آیت نمبر ۴۱

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾

ترجمہ

اس وقت تو تم صرف اللہ ہی کو پکارتے ہو۔ پھر اگر وہ چاہتا ہے تو اس مصیبت کو تم سے ہٹا دیتا ہے۔ ایسے موقعوں پر تم انہیں جن کو تم خدا کے ساتھ شریک کرتے ہو بالکل ہی بھول جاتے ہو۔(۴۱)

تفسیر

مصیبت کے وقت خدا ہی یاد آتا ہے:

محققین نے لکھا کہ خدا کے وجود خدا کی قدرت اور حکمت کی پہلی دلیل تو تمام کائنات اور تخلیقات ہیں۔ اور دوسری دلیل خود ہمارا اپنا نفس ہے بڑے بڑے کافر، مشرک اور دہریے موت کا چہرہ دیکھ کر صرف خدا ہی کو پکارتے ہیں۔ توحید کی یہ شہادت ہر نفس انسانی کے اندر موجود ہے۔ (ماجدی)

ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کو اسی نشانی کے مشاہدے سے ایمان کی توفیق ملی۔ جب مکہ پر نبیؐ کریم کا غلبہ ہو گیا تو عکرمہ جدّہ بھاگا اور کشتی پر بیٹھ کر حبش کی راہ لی۔ راستے میں سخت طوفان نے آگھیرا۔ سب نے ملکر دیوی دیوتاؤں کو گڑگڑا کر پکارا مگر طوفان نہ تھما اور ڈوب جانے کا یقین ہو گیا تو اب خدا یاد آیا۔ چنانچہ خدا کو مدد کے لیے پکارا جانے لگا۔ طوفان ختم ہو گیا تو اب عکرمہ کی آنکھیں کھلیں۔ اس کے دل نے آواز دی کہ یہی تو وہ بات ہے جو اللہ کا وہ نیک بندہ (رسولؐ) ہمیں بیس ۲۰ سال سے سمجھا رہا ہے اور ہم ہیں کہ خواہ مخواہ اس کو جھٹلائے جا رہے ہیں۔ یہ عکرمہ کی زندگی کا فیصلہ کن لمحہ تھا۔ اس نے خدا سے عہد کیا کہ اگر میں طوفان سے بچ گیا تو سیدھا محمدؐ کے پاس جا کر اسلام قبول کروں گا۔ غرض اس نے اپنے عہد پورا کیا اور باقی عمر اسلام کے لیے جہاد کرتے ہوئے گزار دی۔ (تفہیم)

آیت نمبر ۴۲

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ

اور ہم نے آپؐ سے پہلے بہت سی قوموں کی طرف پیغام لے جانے والے بھیجے اور ان قوموں کو طرح طرح کی سختیوں، تنگیوں، بیماریوں تکلیفوں اور بلاؤں میں گرفتار کیا، تاکہ وہ عاجزی کے ساتھ ہمارے سامنے جھک جائیں۔(۴۲)

تفسیر

بیماری وتکالیف دینے سے خدا کا مقصد؟

یہاں صاف لفظوں میں مصیبتوں میں ڈالنے کی غرض بیان کردی کہ سخت دل والوں کے دلوں میں نرمی، خدا کی طرف توجہ اور خوف خدا پیدا کرنا ہوتا ہے تاکہ تکبر ٹوٹے اور انکساری دلوں میں پیدا ہو۔(تفسیر کبیر)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ سختیوں، افلاس، بیماریوں اور سخت مصائب میں گرفتار کرنے میں خدا کی کئی مصلحتیں ہوتی ہیں۔(۱) مومن کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔(۲) نیکوں کے درجات بلند ہوتے ہیں۔(۳) ہر شخص کا امتحان ہوتا ہے۔اور ایک مصلحت یہ بھی ہوتی ہے کہ(۴) انسان اپنی عاجزی اور کمزوریوں کو جان کر خدا کی طاقت کو پہچانے اور اپنی اصلاح کرے۔امام الامام حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ یعنی: ''میں نے اپنے رب کو ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا ہے۔'' جب کوئی انسان کوئی ارادہ کرتا ہے مگر وہ پورا نہیں ہوتا، تب وہ سمجھتا ہے کہ ضرور کوئی بالادست طاقت ہے جو اس کے ارادوں پر بھی حکمرانی کررہی ہے۔

مگر انسان کی کج فطری یہ ہے کہ وہ اپنی بداعمالیوں کی سزا پاکر بجائے اپنی اصلاح کرنے کے اور بدکار ہوجاتا ہے اور شیطانی کاموں کو اچھے کام سمجھنے لگتا ہے۔یہ برائی کا بدترین درجہ ہے۔ (ماجدی)

آیت نمبر ۴۳

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ

پس جب ہماری طرف سے ان پر سختی آئی تو انہوں نے عاجزی کیوں اختیار نہ کی؟ بلکہ ان کے دل (اور) سخت ہوگئے۔ (کیونکہ) شیطان نے ان کے سامنے ان کے کاموں کا خوب خوب سجا کر پیش کیا۔(۴۳)

تفسیر

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا حکمت آموز کلام:

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ فرماتے ہیں کہ: ''اگر لوگ اس وقت جب ان پر خدا کا عذاب نازل ہو رہا ہو، اور نعمتیں ان سے سلب ہو رہی ہوں' سچے دل سے خدا سے معافی طلب کر لیں' تو خدا ہر وہ چیز ان کو واپس کر دے گا جو ان سے چھین لی گئی ہے اور جو کچھ بگڑ گیا ہے اس کو درست کر دے گا۔'' (نہج البلاغہ)

اس آیت میں منکرین حق سے سوال کیا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ عذاب آنے پر منکرین حق کا عاجزی سے پیش نہ آنا ایسا برا عمل تھا جس کا کوئی عذر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے عاجزی کا اظہار عذاب آنے پر بھی اس لیے نہ کیا کہ ان کے دل سخت ہو چکے تھے۔ شیطان نے ان کے بُرے اعمال خوبصورت بنا کر دکھائے تھے' اس لیے وہ خود کو بڑا عقلمند اور نیک سمجھتے تھے۔ (تفسیر صافی صفحہ ۱۵۵)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ بجز حق دشمنی' تکبر اور قساوت قلب کے اور کوئی چیز ان کو خدا کے سامنے گڑگڑانے سے نہیں روکتی۔ اصل میں وہ لوگ اپنے دلوں کی سختی کی وجہ سے اپنے کفر اور گناہوں پر قائم رہے۔ (معلوم ہوا کہ

دلوں کی سختی سے بدتر کوئی چیز نہیں ہوتی)

''بجز ارادہ پرستی خدا کو کیا جانے: وہ بدنصیب جسے بخت نارسا نہ ملا۔'' (تفسیر کبیر۔قرطبی)

آیت نمبر ۴۴

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ

تو جب انہوں نے ان باتوں ہی کو بھلا دیا جن کے متعلق ان کو نصیحت کی گئی تھی، تو پھر ہم نے ہر طرح کی خوشحالیوں کے دروازے ان پر کھول دیے۔ یہاں تک کہ جب وہ ان بخششوں میں خوب مست و مگن ہو گئے تو اچانک ہم نے انہیں پکڑ لیا۔ تو اب ان کا حال یہ تھا کہ ایک دم ہر چیز سے بالکل ہی مایوس ہو گئے۔ (۴۴)

تفسیر

جب انہوں نے امیر المومنینؑ کی ولایت کو چھوڑ دیا:

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''اس آیت کا ایک اطلاق یہ بھی ہے کہ جب ان لوگوں نے حضرت علی علیہ السّلام کی ولایت کو چھوڑ دیا، حالانکہ ان کو اس کا ماننے کا حکم دیا گیا تھا، تو خدا نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے۔ یعنی دنیا کی دولت کی فراوانی کر دی۔ پھر انہیں امام مہدی علیہ السّلام کے زمانے میں اچانک پکڑ لیا جائے گا۔ اس وقت انہیں معلوم ہوگا کہ انہیں گویا کبھی تسلط حاصل ہی نہ ہوا تھا۔''

پھر فرمایا: یہ آیت خاص طور پر بنی عباس کے بارے میں نازل ہوئی ہے (تفسیر صافی صفحہ ۱۵۵، بحوالہ تفسیر قمی، تفسیر عیاشی)

حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا: ''اے آدمؑ کی اولاد! جب تو خدا (کی عطا) کو دیکھے کہ وہ مسلسل تجھے نعمتوں پر نعمتیں دیے چلا جا رہا ہے' تو خدا سے ڈر۔'' (یعنی گناہوں اور نافرمانیوں سے بچ) (مجمع البیان)

آیت نمبر ۴۵

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ

اس طرح ان لوگوں کو' جنہوں نے ظلم اور زیادتی کی تھی' جڑ اور نسل تک کاٹ کر پھینک دی گئی (کیونکہ) تمام تعریفیں اے تو اس اللہ ہی کے لیے ہیں' جو تمام جہانوں کا مالک اور آقا ہے۔ (یعنی ظالموں کی جڑ کاٹ دینا) صفحۂ ہستی سے مٹانا نہایت ہی قابل تعریف کام ہے۔) (۴۵)

تفسیر

دشمنان خدا پر خدا کا عذاب بھی نعمت ہے:

۱۔ یہ مومنوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ دشمنان خدا کی عذاب میں گرفتاری اور دین خدا کی ترقی پر حمد خدا بجا لائیں۔ کیونکہ یہ بھی اس کی ایک نعمت ہے۔

آخر میں الحمدللہ رب العالمین کا جملہ بتاتا ہے کہ وہ قومیں جو تباہ کی گئیں' انسانیت کے دامن پر ایک بدنما دھبہ تھیں۔ ایک وبال تھیں جن کا تباہ ہونا انسانیت کے لیے نعمت عظیم ہے۔ اور بجائے خود خدا کا ایک احسان ہے۔ (فصل الخطاب)

فضیل بن عیاض نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پرہیز گاری کے معنیٰ دریافت کیے تو آپؑ نے فرمایا: ''پرہیز گاری' اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچنے کا نام ہے اور جو شخص شبہے کے مقام سے گریز نہ کریگا تو وہ فعل حرام کا نادانستہ طور پر ارتکاب کر بیٹھے گا۔ اور انسان جب برائی کو دیکھے اور باوجود طاقت کے انکار نہ کرے۔ یعنی نہی

عن المنکر کا فریضہ نہ بجالائے تو گویا وہ اللہ کی نافرمانی کو دوست رکھتا ہے اور اللہ سے اعلانیہ دشمنی کرتا ہے، اور جو شخص ظالم لوگوں کی زندگی کو پسند کرے تو گویا وہ گناہوں کو پسند کرتا ہے حالانکہ خداوند کریم نے ظالموں کو مبتلائے عذاب کرنے کے بعد خود اپنی ہی حمد و تعریف کی ہے۔ (تفسیر نوار النجف جلد ۵، صفحہ ۲۱۹، تفسیر برہان و مجمع البیان)

آیت نمبر ۴۶

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

ترجمہ

آپؐ ان سے کہیے کہ کیا تم نے یہ بھی سوچا کہ اللہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں تم سے چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے ا؎ تو اللہ کے سوا کون خدا ہے جو یہ سب چیزیں تم کو واپس دلا سکے؟ دیکھ لیجیے کہ: کس کس طرح ہم بار بار اپنی نشانیوں (حقیقتوں) کو ان کے سامنے پیش کرتے ہیں، اور پھر یہ لوگ کس کس طرح ان سے منہ پھیر پھیر کر نظریں چرا جاتے ہیں۔ ۲؎ (۴۶)

تفسیر

اللہ تو بہر حال ہدایت کرتا رہا ہے:

ا؎۔ دلوں پر مہر لگانے سے مراد عقل و شعور کی طاقت کا سلب کر لینا ہے۔ جس کے بعد انسان کچھ سوچ سمجھ نہیں سکتا۔ (جلالین۔ تفسیر تبیان)

۲؎۔ ''نظر چرانے'' سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ ان تمام باتوں پر غور ہی نہیں کرتے جن پر غور کرنے سے

توحید کی حقیقت سمجھ میں آسکتی ہے۔یا جن باتوں پر غور کرنے سے انسان توحید کی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے۔(قرطبی۔بقول ابن عباس،حسن،مجاہد،قتادہ،سدی وغیرہ)

خدا کا فرمانا کہ:''ہم کس طرح گھما گھما کر بار بار حقیقتوں کو ان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔''یعنی پھرا پھر کر بار بار حقیقتوں کو مختلف مثالوں، پیرایوں،اندازوں اور دلیلوں کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ کسی طرح یہ بدمست ہوش کے ناخن لیں۔غرض ہر طرح کی ان کو ترغیب دیتے ہیں۔ایک ایک بات کو سو(۱۰۰) سو(۱۰۰) رنگ میں پیش کرتے ہیں تا کہ یہ لوگ حقیقت کو سمجھ لیں۔(تفسیر،کبیر)

آیت نمبر ۴۷

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾

ترجمہ

کہو کہ کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر تم پر اچانک یا ظاہر بہ ظاہر خدا کا عذاب آہی جائے تو کیا ظالم لوگوں کے سوا کوئی اور ہلاک و برباد ہوگا؟(۴۷)

تفسیر

قرآن کی رواداری اور کلام کا ادب:

قرآن کی رواداری دیکھیے کہ سخت بات کو بھی اس طرح کہا گیا ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ نرمی پیدا ہوجائے۔اسی لیے تباہی کے موقعے پر کافروں کو براہ راست مخاطب نہیں کیا،بلکہ یوں فرمادیا کہ:''تو کیا ظالموں کے سوا کوئی اور ہلاک ہوگا؟''ذرا سے انداز کلام کے بدلنے سے تلخی کتنی کم ہوگئی۔اس سے رواداری اور دوسروں کے احساسات کا خیال کرنے کی تعلیم ملتی ہے۔(فصل الخطاب)

محققین نے نتیجے نکالے کہ(۱)عذاب الٰہی کی خصوصیت ہی یہ ہوتی ہے کہ اس کا شکار مجرمین ہی ہوتے

ہیں اور مطیعین اس سے بچالیے جاتے ہیں۔فرمایا:''حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ''یعنی :''مومنین کو بچالینا ہمارا حق ہے(ہم پر لازم)''(۲) اور یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ عذاب کسی بھی قسم کا ہو،اس کو دفع کرنے کی قوت اور قدرت صرف اور صرف اللہ کو حاصل ہے۔اور(۳) آیت کا مقصود یہ بھی ہے کہ مومن کے لیے بدحالی اور خوشحالی دونوں خدا کی نعمتیں ہیں۔کیونکہ مومن کی بدحالی اس کے گناہوں کا کفّارہ ہوجاتی ہے یا اس کے مراتب کو بڑھانے کا سبب بنتی ہے۔ (تفسیر کبیر۔قرطبی)

آیت نمبر ۴۸

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۴۸

ترجمہ

اور ہم جو رسولؑ بھیجتے ہیں وہ اسی لیے تو بھیجتے ہیں کہ وہ نیک کام کرنے والوں کو خوشخبری دینے والے اور بڑے کام کرنے والوں کو ڈرانے والے ہوں۔پھر جو لوگ ان کی بات مان لیں اور اپنی برائیوں کی اصلاح کرلیں تو ان کے لیے نہ تو کوئی آئندہ کا خوف ہوگا اور نہ کوئی پچھلے نقصانات پر افسوس ہوگا۔ا۔(۴۸)

تفسیر

بداعمالیوں پر افسوس اور ندامت فاسقوں فاجروں اور ظالموں کا حصہ ہے:

ا۔خاصان خدا کو دنیا میں بلاشبہ خوف اور غم کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔یہاں جس خوف کی نفی کی گئی ہے وہ انجام کی تباہی کا خوف ہے۔جو ضمیر کی بے اطمینانی کا نتیجہ ہوتا ہے اور جس غم کی نفی کی گئی ہے وہ اپنے اعمال پر افسوس اور شرمندگی کا غم ہے،جو خاص طور پر فاسقوں فاجروں،ظالموں کا حصّہ ہے۔ایماندار لوگ اپنے انجام سے بڑی حد تک

مطمئن رہتے ہیں اور اپنے اعمال پر مکمل طور پر پشیمان نہیں ہوتے۔ اسی وجہ سے ان کو ایک خاص قسم کا قلبی سکون بھی حاصل ہوتا ہے۔ اور اسی لیے وہ اپنے ایمان اور موقف پر ثابت قدم رہتے ہیں۔ (فصل الخطاب)

ع

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے

(غالبؔ)

• خوف کا تعلق مستقبل سے ہے۔ اور حزن (غم) کا تعلق ماضی سے ہے۔

• ایمان کا تعلق قلب سے ہوتا ہے اور اصلاح کا تعلق اعضاء ظاہری سے ہوتا ہے۔

(تفسیر کبیر)

آیت نمبر ۴۹۔۵۰

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾
قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ
اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ قُلْ هَلْ
يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾

ترجمہ

مگر جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا' وہ اپنی نافرمانیوں کی سزا بھگت کر ہی رہیں گے۔ (۴۹)

آپؐ کہہ دیجیے کہ میں تم سے یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ ۱؎ اور نہ میں (از خود) غیب کی چھپی ہوئی باتوں کا علم رکھتا ہوں۔ اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر اتاری جاتی ہے۔ ۲؎ پھر ان سے پوچھو کہ بھلا کیا اندھا اور آنکھوں والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ آخر تم لوگ غور و فکر کیوں نہیں کرتے۔؟ (۵۰)

تفسیر

رسولؐ، وحیِ الٰہی کا تابع اور از خود پوشیدہ امور پر مطّلع نہیں ہوتا:

آیت نمبر ۵۰:

۱۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ:''حضرت موسیٰؑ نے خدا سے عرض کی کہ مجھے اپنے خزانے دکھا:''اللہ نے فرمایا:''موسیٰؑ! میرے خزانے یہ ہیں کہ میں جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہوں تو اسے کہتا ہوں کہ ہوجا۔اور وہ فوراً ہوجاتا ہے۔''(تفسیر صافی صفحہ،۱۵۵،بحوالہ التوحید،معافی الاخبار،المجالس)

۲۔حضرت امام رضا علیہ السّلام نے فرمایا:''خدا کے رسولؐ کا یہ کام نہیں ہوتا کہ وہ خدا کے حلال کیے ہوئے کو حرام ،اور حرام کیے ہوئے کو حلال قرار دے۔نہ وہ خدا کے احکامات اور واجبات کو بدل سکتا ہے۔وہ تو خدا کا تابع فرمان،اس کے احکامات کو دل وجان سے ماننے والا اور اس کی طرف سے اس کے پیغامات اور احکامات پہنچانے والا ہوتا ہے۔اسی لیے آپؐ نے خود فرمایا کہ:''میں تو صرف خدا کے پیغام (وحی) کی پیروی کرتا ہوں''اور جو کچھ رسولؐ کو پیغام دیا جاتا تھا وہ اسے بلا کسی قسم کی کمی بیشی کے بالکل اسی طرح پہنچا دیتے تھے۔''(عیون اخبار الرضاؑ)

''اندھے سے مراد جاہل اور بصیر (آنکھوں والے) سے مراد عالم۔اور بصیر سے اوّلین مراد اہل بیت رسولؐ ہیں۔''(تفسیر صافی صفحہ،۱۵۵،بحوالہ تفسیر قمّی)

رسول خداؐ کو جو اقتدار اور جو علم حاصل ہوتا ہے وہ خدا کا دیا ہوا ہوتا ہے۔غیب کی وہ باتیں جن کو خدا نے صرف اپنے لیے مخصوص کر رکھا ہے اس کا علم انبیاءؑ کو نہیں ہوتا۔ (مجمع البیان،تبیان)

نتیجہ:۔مطلب یہ ہوا کہ ذاتی اعتبار سے نبیؐ کے قبضے میں کچھ بھی نہیں ہوتا جو کچھ اور جتنا کچھ علم یا اقتدار نبیؐ کے پاس ہوتا ہے وہ سب کا سب خدا کی عطا سے ہوتا ہے۔اس لیے نبیؐ یا رسولؐ یا امامؑ (معاذ اللہ) خدا کے برابر یا مدّ مقابل نہیں ہوتے۔اس لیے خدا کی مرضی یا اجازت کے بغیر وہ معجزے کرامتیں نہیں دکھاتے۔ (مجمع البیان)

آیت کے تین فقیروں میں مشرکوں کے تین عقیدوں کو رد کیا گیا ہے اور اس سے مسیحیت کو بھی رد کیا گیا ہے

جس میں حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر اور ہم پلّہ بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً انجیل میں ہے: ''باپ بیٹے سے محبت رکھتا ہے۔ اور اس نے سب چیزیں اس کے ہاتھ دیدی ہیں۔ (یوحنا ۳:۳۶)

''میں اور باپ ایک ہیں'' (یوحنا ۱۰:۳۰)۔ ''جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے'' (یوحنا ۱۶:۱۵)

آیت نمبر ۵۱

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾

ترجمہ

اور تم اس (علم وحی) کے ذریعے سے ان لوگوں کو خدا کی نافرمانی سے بچاؤ جو اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ وہ اپنے پالنے والے مالک کے سامنے اس حال میں اکٹھے کیے جائیں گے کہ اس کے سوا وہاں ان کا نہ تو کوئی سرپرست ہی ہوگا' اور نہ کوئی سفارشی ہوگا، شاید اس طرح وہ خدا ترسی اور برائیوں سے بچنے کی روش اختیار کرلیں۔ (۵۱)

تفسیر

ڈرنے والے لوگوں کو نافرمانی سے بچانے کا حکم:

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دنیا کی زندگی میں ایسے مدہوش ہیں کہ انہیں اپنی موت یاد ہی نہیں رہی ہے۔ ان پر تو یہ نصیحت بالکل، اثر نہ کرے گی۔ اور ان لوگوں پر بھی یہ نصیحت کام نہ کرے گی جو اس سہارے پر جی رہے ہیں کہ دنیا میں ہم جو چاہیں کرلیں، آخرت میں ہمارا کوئی بال بیکا نہیں کرسکتا۔ اس لیے کہ ہم فلاں فلاں بزرگ کے ماننے والے ہیں۔ وہ ہمارے سفارشی ہیں۔ وہ ہمارے سارے گناہ معاف کرادیں گے۔ ایسے لوگوں کو چھوڑ کر تم صرف انہی سے تعلق رکھو جو خدا کے سامنے حاضر ہونے کی فکر رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہی لوگ حقیقتاً طالبانِ حق ہیں۔ (تفہیم)

اور خدا کا یہ فرمانا کہ: ''وہاں ان کا کوئی سفارشی نہ ہوگا؛'' شفاعت کے غلط عقیدے کو رد کرتا ہے۔ جو یہودیوں اور عیسائیوں میں عام تھا۔ اسلام میں شفاعت کا عقیدہ یہ ہے کہ نیک لوگ خدا کی اجازت سے شفاعت کریں گے۔ یہ شفاعت خدا کے مقابلے پر نہ ہوگی، بلکہ خدا ہی کی رحمت کا نتیجہ ہوگی۔ یعنی خدا کی طرف سے نیابتاً ہوگی۔ (تفسیر کبیر، امام رازی)

آیت نمبر ۵۲

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ

اور جو لوگ اپنے پالنے والے مالک کو رات دن پکارتے رہتے ہیں اور اس کو راضی رکھنے کی طلب میں لگے رہتے ہیں، انہیں اپنے سے دور نہ پھینکو۔ تم پر ان کے حساب و کتاب کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور نہ ان پر تمہارے محاسبے کی کوئی ذمہ داری پس اگر تم ان کو دور پھینکو گے، تو ظالم اور زیادتی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ (۵۲)

تفسیر

اصحاب صُفّہ کے بارے میں:

آیت کی شان نزول یہ ہے کہ: ''مدینہ میں ایک گروہ محتاج مومنین کا تھا جو اصحاب صفہ (چبوترے والے) کہلاتے تھے۔ وہ آنحضرتؐ کے حکم سے ایک چبوترے پر رہتے تھے۔ آنحضرتؐ خود ان کی خبر گیری کیا کرتے تھے۔ خود ان کیلئے کھانا لاتے تھے۔ جب وہ لوگ حضور اکرمؐ کے پاس حاضر ہوتے تو آپؐ ان کو اپنے قریب بٹھاتے تھے۔ دیر تک ان سے پیار محبت کی باتیں فرماتے تھے۔ لیکن مالدار طبقے کو یہ بات پسند نہ تھی۔ وہ لوگ ان فقراء سے

ہٹ کر بیٹھتے تھے۔حضورؐ نے ان سے فرمایا کہ آگے آیئے۔تو ایک انصاری نے آپؐ کے حکم کی تعمیل نہ کی۔حضورؐ نے فرمایا: شاید تم اس بات سے ڈر گئے ہو کہ فقیری تم سے چمٹ جائے گی۔،،اس پر اس نے کہا آپؐ ان فقراء کو اپنے پاس سے نکال کیوں نہیں پھینکتے ؟۔اسی پر یہ آیت نازل ہوئی۔(تفسیر صافی ۱۵۵۔بحوالہ تفسیر قمی،تفسیر تبیان)

اس آیت میں پانچوں وقت کی نمازیں،روزے ،حج ،زکوٰۃ،اور دوسرے فرائض کا بھی ذکر ہے۔ (کشاف،قرطبی بقول ابن عباسؓ،مجاہد،حسن)

آیت نمبر ۵۳

وَ كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝۵۳

ترجمہ

اور اسی طرح ہم نے کچھ لوگوں کا امتحان کچھ اور لوگوں کے ذریعے سے لیا ہے۔تا کہ وہ انہیں دیکھ کر کہیں کہ: کیا ہمارے درمیان یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر اللہ نے بڑا احسان فرمایا ہے؟ کیا اللہ شکر کرنے والوں کو خوب اچھی طرح سے جاننے والا نہیں ہے۔؟ (۵۳)

تفسیر

اللہ کی نظر میں ایمان کی قدر ہے دولت کی نہیں:

رسول اکرمؐ سے امیروں (دولتمندوں) کا یہ مطالبہ کہ ''غریبوں کو اپنے پاس سے نکال پھینکیے''اصل میں ایک طرح کے حسد کا نتیجہ بھی تھا۔کیونکہ وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ ان غریبوں کو یہ مرتبہ کیوں حاصل ہو گیا کہ یہ فقیراء رسولؐ سے ملے بیٹھے ہیں۔یہ مرتبہ تو ہمیں ملنا چاہیے تھا کہ ہم دولتمند ہیں۔یہی حسد ان کا امتحان بن گیا۔'' (مجمع البیان)

امیروں (دولتمندوں) کے اس مطالبے کا جواب آیت کے آخری حصّے میں دیا گیا ہے کہ: کیا کیا جائے، یہی وہ غریب لوگ ہیں جو رسولؐ کی تعلیمات کی قدر کرتے ہیں اور اس لیے یہی لوگ شکر گذار ہیں، تو کیا اللہ شکر ادا کرنے والوں کو تم ناشکروں کی خاطر نظر انداز کر دے؟ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ (فصل الخطاب)۔ محقّقین نے نتیجہ نکالا کہ ''(طبقاتی تقسیم کا مقصد امتحان لینا ہوتا ہے۔ اس امتحان میں دولتمند لوگ اکثر ناکام ہوجاتے ہیں۔ (قرطبی) (کیونکہ یہ متکبر ہوتے ہیں) بقول میر انیسؒ: ''

عزت جسے دیتا ہے خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جاء دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثناء آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہو صدا دیتا ہے

آیت نمبر ۵۴

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾

ترجمہ

اور جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں، جو ہماری باتوں یا نشانیوں کو مانتے ہیں، تو ان سے کہو سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۔ یعنی تم پر سلامتی ہو۔ تمہارے پالنے والے مالک نے (تم پر) رحم کرنے کو اپنے اوپر لازمی قرار دیدیا ہے، اس طرح اگر تم میں سے کوئی نادانی کے ساتھ کوئی برا کام کر بیٹھے، پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کر کے خود کو درست کرلے، تو یقیناً خدا بڑا ہی بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔ (۵۴)

تفسیر

قرآن کی رو سے سلام کرنے کا طریقہ اور توبہ کی اہمیت:

یہاں قرآن مجید کی رو سے سلام کرنے کا طریقہ جو سکھایا جا رہا ہے وہ ''سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ'' ہے۔ مگر قرآن کی رو سے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہنا بھی درست ہے۔ (فصل الخطاب)

آیت کی شان نزول یہ ہے کہ ایک گروہ حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بڑی عاجزی سے عرض کی: ''ہم سے گناہ بہت سرزد ہوئے ہیں۔'' آپؐ یہ بات سن کر خاموش رہے۔ اسی پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر صافی صفحہ ۱۵۶)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''یہ آیت توبہ کرنے والوں کے حق نازل ہوئی ہے۔ اس بات کی تائید آیت کا آخری حصّہ کر رہا ہے۔'' (تفسیر مجمع البیان)

آیت نمبر ۵۵۔۵۶

وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾
قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ
اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ

اسی طرح ہم اپنی نشانیوں کو کھول کھول کر تفصیل کے ساتھ پیش کرتے ہیں تاکہ مجرموں کا طریقۂ کار پوری طرح واضح ہو جاتے۔ (۵۵)

کہہ دیجیے کہ مجھے اس بات سے روک دیا گیا ہے کہ میں ان کی بندگی کروں جنہیں تم اللہ کے سوا خدا کہہ کر پکارتے ہو۔ کہہ دیجیے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کروں گا۔ اگر میں نے

ایسا کیا تو میں گمراہ ہوجاؤں گا۔ ۲۔اور سیدھا راستہ یا منزل مقصود پانے والوں میں سے نہ رہوں گا۔(۵۶)

تفسیر

خدا کی نشانیاں نبیؐ یا امامؑ ہوتے ہیں:

۱۔حضرت امام حسن عسکریؑ نے فرمایا کہ:''حجت خدا (امامؑ یا نبیؐ) سے بڑھ کر خدا کی کوئی نشانی نہیں'' یہ خدا کی بولتی نشانیاں ہیں۔(تحف العقول)

آیت نمبر ۵۶:

۲۔اس بات سے معلوم ہوا کہ لوگوں کی گمراہی کا اصل سبب اپنی خواہشات کی پیروی کرنا ہوتا ہے۔یہ لوگ نہ کسی دلیل کی پیروی کرتے ہیں اور نہ کسی ہدایت کی۔بس جو چاہتے ہیں وہ کرتے ہیں۔اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جو حق پر ہوتا ہے وہ ضرور کسی دلیل کا تابع ہوگا' وہ اپنی غلط خواہشات اور ہوا وہوس کا تابع نہ ہوگا۔(تفسیر صافی صفحہ ۱۵۶)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ:''خود ساختہ پرداختہ عبادتیں درست ہونے کی سند نہیں رکھتیں۔ (مجمع البیان)

آیت نمبر ۵۷

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ﴿۵۷﴾

ترجمہ

کہہ دیجیے کہ میں تو اپنے پالنے والے مالک کی طرف سے کھلی ہوئی روشن ''دلیل'' پر قائم ہوں جب کہ تم نے اسے جھٹلایا ہے۔ میرے پاس وہ نہیں ہے جس کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو۔ فیصلہ کرنے کا سارا اختیار تو صرف اللہ کو ہے۔ وہی صحیح اور حق باتیں بیان کرتا ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ (۵۷)

تفسیر

عذاب لانا یا معجزہ دکھانا، سب خدا کے اختیار میں ہے:

بَیِّنَةٍ (یعنی کھلی ہوئی روشن دلیل) کے اصل معنی واضح بیان کے ہیں۔ مگر عربی محاورے میں اس کے معنی روشن اور واضح دلیل کے ہو جاتے ہیں جو عام ہیں۔ (ابن جریر، معالم)

''خدا کا فرمانا کا: ''فیصلہ کرنے کا سارے کا سارا اختیار تو صرف اللہ کو ہے۔'' یعنی کائنات میں حاکمانہ تصرف تو صرف اور صرف خدا کر سکتا ہے میں (رسولؐ) جو کچھ کر سکتا ہوں وہ خدا ہی کے دیے ہوئے اختیار اور اجازت سے کر سکتا ہوں اس لیے میں تم پر عذاب اپنی مرضی سے نہیں لا سکتا۔ عذاب لانے کا اختیار تو اللہ کو ہے' وہ چاہے تو جلد عذاب لے آئے۔ اور چاہے تو تمہیں ابھی اور سوچنے سمجھنے اور اپنی اصلاح کرنے کی مہلت عطا فرمائے۔ (قرطبی۔ ابن جریر۔ ابن کثیر)

آیت نمبر ۵۸

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ۵۸

ترجمہ

کہہ دیجیے کہ اگر میرے قبضہ اختیار میں وہ (عذاب یا معجزہ) ہوتا جس کے لیے تم جلدی مچاتے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ مگر اللہ زیادہ بہتر طور پر جانتا ہے کہ ظالموں کے ساتھ کیا سلوک کیا جانا چاہیے (کیونکہ) وہ ظالموں کو بہت اچھی طرح جاننے والا ہے۔

تفسیر

میرے بعد ظالم میرے اہل بیتؑ پر ظلم کریں گے:

اس آیت کی تاویل میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا: ''میں تم کو بتلائے دیتا ہوں کہ تم اپنے دلوں میں یہ بات چھپائے ہوئے ہو کہ مجھے جلدی موت آجائے اور تم میرے بعد میرے اہل بیتؑ پر ظلم کرو۔ اس وقت تمہاری مثال اس شخص جیسی ہو جائے گی جس کے لیے خدا نے فرمایا کہ: ''جب اس پر روشنی پڑتی ہے تو چل پڑتا ہے' اور جب اندھیرا ہوتا ہے تو رک جاتا ہے۔''

''لیکن بالآخر نور محمدیؐ سے تمام زمین اسی طرح روشن ہوگی جیسے سورج سے روشن ہوتی ہے۔'' (تفسیر صافی صفحہ ۱۵۶، بحوالہ کافی)

آیت کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ خوب اچھی طرح سے' ہم سے بہتر طور پر جانتا ہے کہ ظالموں سے کس طرح نمٹا جائے۔ خدا جلد بازی نہیں کرتا کیونکہ خدا صاحب حکمت ہے اور حلیم ہے وہ اپنے بندوں کو طویل مہلتیں دیا کرتا ہے تاکہ اصلاح کا زیادہ سے زیادہ موقع ملے اور حجت تمام ہو جائے۔ (تاکہ وہ پورے طور پر جزاء یا سزا کے مستحق ہو جائیں۔ پھر انہیں عذر تراشی کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔) (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۵۹

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ

وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾

ترجمہ

اوراسی کے پاس چھپے ہوئے خزانوں کی چابیاں ہیں، جنہیں اس کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔اوروہ ہراس چیز کو جانتا ہے جو خشکی یا تری میں ہے۔درخت سے گرنے والا کوئی پتّا بھی تو ایسا نہیں ہے جس کا اسے علم نہ ہو۔زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ ایسا نہیں ہے جس کی اسے خبر نہ ہو۔خشک وتر سب کا سب ایک کھلی ہوئی کتاب (یعنی علم الٰہی یا لَوحِ محفوظ) میں لکھا ہوا ہے۔(۵۹)

تفسیر

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام نے فرمایا:

اس آیت مجیدہ کی تاویل میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ:''وَرَقَةٍ (پتا گرنے) سے مراد وہ بچہ بھی ہے جو ولادت سے پہلے ساقط ہوجاتا ہے۔اور''حَبَّةٍ''(بیج) سے مراد وہ بچہ بھی ہے جو ابھی ماں کے پیٹ میں ہو اور اس کے سر کے بال اُگ آئے ہوں اور پھر ساقط ہوجائے۔اور''رَطْبٍ''(تر) سے مراد گوشت کا وہ گیلا ٹکڑا بھی ہے جو رحم مادر میں ہو اور ابھی اس کی خلقت پوری نہ ہوئی ہو اور ابھی وہ حرکت بھی نہ کرسکتا ہو۔اور''يَابِسٍ''(خشک) سے مراد وہ بچہ بھی ہے کہ جس کی خلقت پوری ہوچکی ہو اور وہ صحیح و سالم پیدا ہوا ہو۔اور''كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ''(کھلی ہوئی کتاب) سے اصل مراد''امام مبین'' ہے۔'' (تفسیر صافی صفحہ،۱۵۶ بحوالہ تفسیر عیاشی)

حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ''خدا نے علیؑ کے بارے میں فرمایا ہے:''(تفسیر صافی ۱۵۶ بحوالہ تفسیر عیاشی) فرمایا ہے:''قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ'' یعنی:تم کہدو کہ میرے اور تمارے درمیان گواہی دینے کے لیے خدا کافی ہے، اور وہ کافی ہے جس کے پاس کتاب

کا (پورا) علم ہے۔،،

اور علیؑ کے بارے میں یہ بھی فرمایا: ’’لَا رَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ‘‘ یعنی: ،کوئی خشک وتر ایسا نہیں ہے کہ جو کتاب مبین (یعنی امامِ مبین) میں موجود نہ ہو۔،، (احتجاج طبرسیؒ)

غرض اصل میں یہ خداوند عالم کے علم کی وسعت کا بیان ہے۔ مگر عام طور پر یہ فقرہ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے پڑھا جانے لگا کہ قرآن میں ہر چیز کا بیان موجود ہے۔ اس کا ماٰخذ معلوم نہیں۔ (فصل الخطاب)

خدا کی قدرت کاملہ کا تو کیا ٹھکانہ مگر علم کامل بھی اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ سارے مذاہب کے ماننے والوں نے خدا کی حیات، قدرت اور علم ان تینوں صفات کے بارے میں سخت ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اسی لیے قرآن نے ان تینوں صفات کو بار بار تاکید اور تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ تینوں صفات توحید اور خدا کی معرفت کے بارے میں کلیدی مقام رکھتے ہیں۔

دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ تمام غیب کا مالک خدا ہی ہے۔ چاہے ’’مفاتیح‘‘ کے معنی کنجیاں لی جائیں یا خزانے لیے جائیں۔ (کشاف، تفسیر کبیر)

’’کتاب مبین‘‘، کھلی ہوتی کتاب، سے مراد ’’لوح محفوظ‘‘ بھی ہے جو علم الٰہی کی متشکل صورت کا نام ہے۔ (ابن جریر۔ تفسیر کبیر)

آیت نمبر ۶۰

وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ

اور وہی (خدا تو) ہے جو رات کو تمہاری روحیں لے لیتا ہے اور جو کچھ بھی تم نے دن میں کیا ہوتا ہے، اسے خوب جانتا ہے۔ پھر دوسرے دن وہ تمہیں واپس بھیج دیتا ہے تاکہ تمہاری

زندگی کی مقررہ مدت پوری ہوجائے ۔پھراسی طرح تمہارا(خدا کی طرف) پلٹنا ہوگا۔پھروہ (خود)تمہیں بتادے گا کہ کیا کچھ کیا کرتے تھے۔(۶۰)

تفسیر

اللہ لوگوں کو نیند کے عالم میں اٹھالیتا ہے:

''وفات''(تَوَفّٰی) کے معنیٰ موت ہی کے نہیں۔اس کے اصل معنیٰ ''لے لینے'' کے ہیں۔یا''اٹھالینے'' کے ہیں۔اسی لحاظ سے یہ لفظ یہاں رات کی نیند کے لیے استعمال ہوا ہے'اس لیے کہ نیند کے عالم میں انسان کی روح (نفس) کو اٹھالیا جاتا ہے۔(جلالین۔شاہ ولی اللہ)

آیت کا پیغام یہ ہے کہ اے کافرو!تم ایک مرتبہ مرکردوبارہ زندہ ہونے کا انکار کررہے ہو۔حالانکہ مرکردوبارہ زندہ ہونے کا کمال توتم روزدیکھتے ہوکہ تم سوکر پھراٹھ جاتے ہو۔پھرخدا کے لیے بھلا کیا مشکل ہے کہ وہ روز قیامت تمہیں اٹھا کر کھڑا کردے۔(ماجدی)

آیت نمبر ۶۱

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾

ترجمہ

اوروہ اپنے بندوں پر پورا پورا قابو رکھتا ہے۔اورتم پرنگراں (فرشتے)اس کی جان نکال لیتے ہیں۔اوروہ اپنے کام میں ذراسی بھی کوتاہی نہیں کرتے۔(۶۱)

تفسیر

ہمارے نگراں فرشتوں کی ذمے داریاں:

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا: ''ان فرشتوں سے مراد وہ فرشتے ہیں ۔جوتمہاری حفاظت بھی کرتے ہیں اورتمہارے اعمال بھی لکھتے ہیں۔اورتم سے شیطانوں اورجانوروں اور ہرقسم کی آفتوں کو ہٹاتے رہتے ہیں۔اورتم جوکچھ بھی کرتے ہووہ اسے لکھتے رہتے ہیں۔'' نیز فرمایا: ''بندوں کے اعمال لکھنے میں یہ حکمت ہے کہ اگرلوگوں کو یہ معلوم جائے گا کہ ان کے اعمال لکھے جاتے ہیں' اور پھروہ ایک بڑے مجمع میں پڑھ کرسنائے بھی جائیں گے' تووہ بہت سی بدکاریوں سے رک جائیں گے۔لیکن جب بندہ اپنے مالک کی مہربانیوں پر بھروسہ کرلیتا ہے تو پھروہ کسی خوف سے اطاعت نہیں کرتا، بلکہ خوشی خوشی اس کی اطاعت کرتا ہے۔'' (تفسیر صافی صفحہ،۱۵۶،بحوالہ تفسیر قمیؒ)

نیز فرمایا: خدامخلوق کا حساب آنکھ جھپکتے میں لے لے گا جیسے وہ سب کوایک ساتھ روزی دیتا ہے۔اسی طرح ایک وقت میں ایک ساتھ سب کا حساب بھی لے لینے پر قادر ہے۔(تفسیر صافی ۱۵۶)

آیت نمبر ۶۲

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۫ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾

ترجمہ

پھروہ لوگ پلٹائے جاتے ہیں اللہ کی طرف جوان کا حقیقی مالک ہے تو ہوشیارا ورخبردار ہوجاؤ کہ فیصلہ کرنے کے تمام اختیارات اسی (خدا) کوحاصل ہیں،اوروہ سب سے زیادہ تیزی سے حساب لینے والا ہے۔(۶۲)

تفسیر

روز قیامت پلک جھپکتے حساب ہو جائے گا:

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تمام مخلوقات کا حساب آنکھ کے ایک بار جھپکنے میں لے لے گا۔ وہ تمام اولین وآخرین سے ایک ساتھ خطاب فرمائے گا اور ایک ہی دفعہ سب کا حال سن لے گا۔ جبکہ ہر شخص یہ محسوس کر رہا ہوگا کہ اس وقت خداوند بزرگ برتر صرف مجھ ہی سے خطاب فرما رہا ہے، کسی اور سے نہیں۔ کیونکہ خداوندِ اعالم کا سب کو ایک ساتھ خطاب کرنا، اس بات سے روک نہیں سکتا کہ دوسرے سے خطاب نہ فرمائے۔ (تفسیر صافی، ص ۱۵۶، الاعتقادات)

امام فخر الدین رازی نے لکھا کہ ''اس آیت میں مصیبت زدہ انسان کے لیے چار صفات پیدا کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ (۱) دعا کرے، (۲) خدا کے سامنے گریہ وزاری کرے۔ (۳)۔ خلوصِ قلب پیدا کرے۔ یعنی اللہ کی خالص اطاعت کا جذبہ بیدار کرے۔ (۴)۔ جو نعمتیں ملی ہیں اُن پر شکر ادا کرے۔ (تفسیر کبیر)

آیت نمبر ۶۳

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾

ترجمہ

اُن سے پوچھے کہ صحرا اور سمندروں کے اندھیروں (یعنی دنیا کی سخت ہولناک تکلیفوں) میں کون تمہیں خطرات سے بچاتا ہے؟ کون ہے جسے تم گڑگڑا، گڑگڑا کر چپکے چپکے پکارتے ہو؟ کہ اگر اس عذاب (بلا) سے تو نے ہمیں بچا لیا تو ہم ضرور تیرے شکرگزاروں میں سے ہوں گے۔ (۶۳)

تفسیر

دعاء قبول کرنے والا کس انداز کو پسند کرتا ہے؟

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ ''بہترین دعا، وہ ہے جو یکسوئی سے چپکے چپکے مانگی جائے، اور بہترین رزق وہ ہے جو کافی ہو جائے۔

آپؐ ایک قوم کے پاس سے گزر رہے تھے، جو با آوازِ بلند دعاء مانگ رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: ''تم کسی بہرے یا دور بسنے والے کو نہیں پکار رہے ہو، بلکہ تم تو اُسے پکارتے ہو، جو سمیع، قریب ہے (سننے والا قریب ہے) ۔یعنی چپکے سے دعا مانگنا زیادہ بہتر ہے۔ (تفسیر مجمع البیان، انوار النجف)

عربی محاورے کے اعتبار سے ''اندھیروں سے چھٹکارا دینے'' کے معنی سخت ہولناک تکلیفوں سے نجات دینا ہے۔ (تبیان)

عُرفاء نے نتیجہ نکالا کہ اس آیت میں ہر قسم کے خفی جلی، قلبی لسانی، اور عملی فکری ذکر کی تلقین کی گئی ہے۔ (تھانوی)

آیت نمبر ۶۴

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ

کہو کہ اللہ ہی تمہیں اُس بلا سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے۔ پھر بھی تم دوسروں ہی کو اُس کا شریک ٹھہراتے ہو۔ (۶۴)

تفسیر

جس کا کھاؤ اسی کے گُن گاؤ۔ نمک حرامی نہ کرو:

یہ حقیقت بتائی جارہی ہے کہ خدا ہی صرف قادر مطلق ہے۔ اور وہی تمام اختیارات کا مالک ہے۔ تمہاری بھلائی، برائی کا مختارِ کل ہے اُسی کے ہاتھ میں تمہاری قسمتوں کی باگ ڈور ہے۔ اس کی گواہی خود تمہارے اپنے نفس میں موجود ہے۔ اس طرح کہ جب کوئی سخت وقت آتا ہے اور اسباب کے بندھن ٹوٹتے نظر آتے ہیں، پھر تم خود ہی بے اختیار خدا ہی کی طرف رجوع کرتے ہو۔ اتنی واضح علامت کے ہونے کے باوجود پھر بھی تم خدا کی خدائی میں بلا ثبوت دوسروں کو شریک بنائے رہتے ہو۔ پلتے ہو خدا کے رزق پر، اور گن گاتے ہو دوسروں کے، مدد پاتے ہو خدا کے فضل و کرم سے، مگر حامی اور ناصر ٹھہراتے ہو دوسروں کو، غلام اُس کے ہو مگر بندگی دوسروں کی بجالاتے ہو، کام وہ آتا ہے اور گڑگڑاتے کسی اور کے سامنے ہو۔ (تفہیم)

عرض آیت میں عام انسانوں کی خباثت نفس کا بیان ہے کہ مصیبت کے وقت کم ظرف انسان رونے گڑگڑانے چلانے لگتا ہے اور ادھر مصیبت ختم ہوئی، تو پھر اکڑنے اور ظلم کرنے لگتا ہے۔ (ماجدی)

آیت نمبر ۶۵

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

ترجمہ

کہو کہ وہ تو اس پر بھی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے، یا تمہارے قدموں ہی کے نیچے سے اُٹھا دے، یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا

مزہ چکھوا دے۔ اب دیکھ لو کہ ہم کس کس طرح بار بار مختلف طریقوں سے اپنی نشانیاں اُن کے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں تا کہ شاید یہ حقیقت کو سمجھ لیں۔ (۶۵)

تفسیر

اللہ ہر قسم کا عذاب لانے پر قادر ہے:

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا: ''اوپر والا عذاب آسمانی دھواں اور چیخ ہے۔ پیروں کے نیچے والا عذاب پاؤں کا زمین میں دھنس جانا (اور زلزلے) ہیں۔'' اور ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزہ چکھا دینا'' تمہارا ایک دوسرے کو قتل کرنا ہے۔ اور یہ سب کچھ مسلمانوں میں بھی ہوگا۔'' (تفسیر عیاشی و تفسیر قمی)

قرطبی نے لکھا کہ: ''ہمارا تو آنکھوں دیکھا ہوا مشاہدہ ہے کہ ہمارے ہی بھائی بندوں نے ہمارے گلے کاٹے، ہمارا مال لوٹا، ایک دوسرے کی جان مال عزت آبرو کو حلال سمجھا۔'' (قرطبی)

پیغام:

غنیمت سمجھو کہ اللہ نے تمہیں مہلتِ فکر و عمل دے رکھی ہے۔ اور وہ خود اپنی نشانیوں پر نشانیاں تمہارے سامنے پیش کر رہا ہے تا کہ تم حق کو پہچان کر سیدھا راستہ اختیار کر لو۔ (لہٰذا اس مہلت سے فائدہ اٹھاؤ) (تفہیم)

آیت نمبر ۶۶۔۶۷

وَ كَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾
لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۫ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ

مگر تمہاری قوم نے تو اُس کو خوب خوب جھٹلایا، حالانکہ وہ سچی حقیقت ہے۔ کہہ دیجیے کہ میں تم پر کوئی

ٹھیکیدار نہیں ہوں۔(٦٦)

ہر خبر کے ظاہر ہونے کا ایک وقت مقرر ہے۔تم کو بھی عنقریب اپنا انجام معلوم ہو جائے گا۔(٦٧)

تفسیر

میں تم پر ٹھیکیدار نہیں ہوں:

''میں تمہارا ٹھیکیدار نہیں۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ: نبیؐ کی حیثیت سے میرا کام صرف تبلیغ کر دینا ہے۔اب تم مانتے ہو یا نہیں، عمل کرتے ہو یا نہیں، اس کی ذمے داری مجھ پر نہیں۔ (فصل الخطاب)

یعنی میرا یہ کام نہیں ہے کہ جو کچھ تم دیکھنے کی کوشش نہیں کر رہے ہو، میں اُسے زبردستی تمہیں دکھاؤں اور جو کچھ تم سمجھنا ہی نہیں چاہتے، میں بہ زور تمہارے دماغ میں اُتار دوں۔ یہ میرا کام نہیں ہے میرا کام صرف حق اور باطل کو الگ الگ کر کے پیش کر دینا ہے۔اب اگر تم نہیں مانتے تو اسے نہ ماننے کا بدترین انجام اپنے وقت پر خود تمہارے سامنے آ جائے گا۔(تفہیم)

''ہر خبر کے ظاہر ہونے کا ایک وقت مقرر ہے''

یعنی تمہاری مدت ابھی پوری نہیں ہوئی ہے۔اس سے یہ سمجھنا کہ بات ٹل گئی، چھٹی ہو گئی۔نہیں بلکہ جو کچھ کہا ہے، وہ صرف حرف بہ حرف پورا ہو کر رہے گا۔ یہ اور بات ہے کہ ابھی اُس کا وقت نہیں آیا۔اُس کا وقت خدا کی حکمت کے تقاضوں کے مطابق مقرر ہے۔بس صرف اتنی سی بات ہے کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا۔صرف اس لیے تم پر ابھی تک عذاب نہیں آیا۔ (تفسیر تبیان)

آیت نمبر ٦٨

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ؕ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ

بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٨﴾

ترجمہ

اور جب تم دیکھو کہ لوگ ہماری نشانیوں (باتوں) پر نکتہ چینیاں اور لایعنی اعتراضات کر رہے ہیں تو اُن کے پاس سے ہٹ جاؤ جب تک کہ وہ دوسری باتوں میں نہ لگ جائیں اور اگر کبھی شیطان تم کو بھلا دے، تو یاد آ جانے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ (٦٨)

تفسیر

ایسے لوگوں کے پاس نہ بیٹھو جو.....؟

جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ ''جو شخص خدا اور روزِ قیامت کو دل سے مانتا ہے وہ اُس محفل میں ہرگز نہیں بیٹھے گا جس میں (دین یا) امامؑ کو بُرا بھلا کہا جا رہا ہو۔ یا کسی مسلمان کی غیبت کی جا رہی ہو۔'' پھر جناب رسولِ خداؐ نے اس آیت کو تلاوت فرمایا۔ (تفسیر قمی)

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا: ''تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ جس کے ساتھ چاہو اُٹھو بیٹھو کیونکہ خدا فرماتا ہے۔'' پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

(علل الشرائع)

اس آیت میں جناب رسول خداؐ سے تخاطب ماننا ضروری نہیں۔ اکثر جگہ اسی طرح واحد کے صیغے استعمال ہوئے ہیں، مگر ان آیتوں کا مخاطب غیر متعین ہوتا ہے۔ یعنی کوئی بھی ہو اس کو ایسا ہی کرنا چاہیے کہ جہاں دینی حقائق کا مذاق اڑایا جا رہا ہو وہاں شرکت نہ کرے لیکن اگر بھولے سے شریک ہو جائے تو دوبارہ ایسا نہ کرے۔

(تبیان، فصل الخطاب)

آیت نمبر ۶۹

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾

ترجمہ

اُن کے حساب میں سے کسی بھی چیز کی ذمے داری اُن لوگوں پر نہیں ہے جو برائیوں سے بچنے والے ہیں، سوا اس کے، کہ اُن کو نصیحت کر دیں (یعنی) اُن کی بھلائی چاہتے ہوئے اُن کو سمجھا دیں، تا کہ شاید وہ غلط کاموں سے بچ جائیں۔ (۶۹)

تفسیر

نصیحت کرنا تو لازم ہے لیکن کسی کے پیچھے نہ پڑ جائیں:

مطلب یہ ہے کہ کفار اپنے اعمال کے خود ذمے دار ہیں۔ مسلمانوں پر کافروں کے اعمال کی کوئی ذمے داری نہیں۔ البتہ مسلمانوں اور نیک لوگوں پر نصیحت کرنا فرض ہے، عمل کریں یا نہ کریں، یہ اُن کا کام ہے۔ (فصل الخطاب)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب اس سے پہلے والی آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے پوچھا کہ کافر تو ہر وقت ایسی ہی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ تو کیا ہم مسجد الحرام جا کر کعبہ کا طواف کرنا ہی بند کر دیں؟ اُن کو جواب میں کہا جا رہا ہے کہ نہیں تم تو وہاں اپنے کام یعنی عبادت کے لیے گئے ہو۔ وہ جو وہاں بکواس کرتے ہیں اُس کی ذمے داری تم پر نہیں ہے۔ تم خاص طور پر کان لگا کر دلچسپی کے ساتھ اُن کی باتیں نہ سنو۔ ہاں اگر موقع مناسب ہو تو اُن کو اتنا سمجھا دو کہ ایسی باتیں اچھی نہیں ہوتیں۔ ایسی باتوں کا انجام بہت بُرا ہوتا ہے۔ (تفسیر تبیان)

محققین کا نتیجہ:

نکالا کہ اگر اہل باطل حق کو نہ مانیں ،تو اہل حق پر یہ فرض نہیں کہ وہ اُن کی اصلاح پر اپنی تمام تر توانائیاں خرچ کر دیں اور بس اُن کی اصلاح کی فکر میں لگے رہیں۔ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ وہ طالبان حق کی مزید ہدایت کا بندوبست کریں، اہل باطل کو سمجھا کر چھوڑ دیں۔ (ماجدی)

آیت نمبر ۷۹

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝

ترجمہ

اورجن لوگوں نے اپنے دین کوکھیل تماشا بنارکھاہے(کیونکہ)ان کودنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھاہے،ان کوانہی کے حال پرچھوڑ دو۔البتہ ان کونصیحت کرتے رہوتاکہ کوئی بے بسی (لاعلمی)کے عالم میں اپنی بداعمالیوں میں گرفتارنہ ہوجائے۔ ایسا گرفتار کہ پھراسے اللہ سے بچانے والانہ توکوئی مددگار ہواورنہ کوئی سفارشی ہو۔اگروہ ہرطرح کا ہرممکن معاوضہ بھی دے کرجان چھڑانا چاہےتووہ بھی اس قبول نہ کیاجائے ۔کیونکہ ایسے لوگ توخوداپنے کمائے ہوئے برے کاموں کے نتیجے میں پکڑے گئے اوربے بسی کے ساتھ ہلاک وبرباد ہوئے۔اسی انکارحق

کے سبب سے ان کے لیے کھولتا ہوا پانی' اور دردناک عذاب ہوگا۔(۷۰)

تفسیر

دین کو کھیل تماشا بنانے والی اقوام:

دین کو کھیل تماشا بنانے کی بہترین مثال ہندوؤں کی بھی ہے کہ انہوں نے ہولی جیسے بزعم خود مقدس تہوار کو ناچ' گانے' گالیاں بکنے' شراب پینے پر خرچ کیا اور دیوالی جیسے یادگار تہوار کو جوئے' چراغوں' سوانگ اور ناٹک کے نذر کر دیا۔عیسائیوں نے کرسمس کے پاک دن کو بدمستی' شراب نوشی اور بدکاری میں ڈبو دیا۔اور مسلمانوں نے اپنی مقدس عیدوں کو عیاشیوں' تفریحوں' ناچ رنگ اور موسیقی کے حوالے کر دیا۔ عید کا مطلب خدا کی نعمتوں کا شکر' غریبوں کی امداد، دوسروں کے لیے قربانی دینا' اور عبادات کے ذریعے خدا کی خوشنودی حاصل کرنا تھا' جو روزوں کا مقصد اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم تھی' اس کا حشر کیا ہوا' آپ خود عیدوں کے موقعوں پر ملاحظہ فرمالیں' سینما گھروں میں تل دھرنے کی جگہ نہ ملے گی اور دوسری طرف عبادت گاہیں خالی نظر آئیں گی۔

خدا کا فرمانا:،البتہ ان کو قرآن سنا کر نصیحت کرتے رہو۔تاکہ کوئی بے بسی (یعنی لاعلمی) کے عالم میں اپنی بداعمالیوں میں گرفتار نہ ہو جائے۔،،مطلب یہ ہے کہ تم اسلام کی تعلیمات دیتے رہو تاکہ کوئی خدا کے سامنے یہ دلیل پیش نہ کر سکے کہ ہم تو بے بس تھے۔ہمیں کوئی بتانے والا ہی نہ تھا۔(مجمع البیان)

اس لیے رسولؐ کے لئے اور آج خاص طور پر علماء دین اور پھر ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات دوسروں کو بتاتے رہیں تاکہ جو مخالفت کرے وہ جان بوجھ کر کرے۔،،

پہلی بے بسی کا جو ذکر تھا وہ لاعلمی کی بے بسی کا جو ذکر ہے وہ خدا کی سزا اٹھاتے وقت کی بے بسی ہے۔کیونکہ جب خدا کی طرف کی سزا ملتی ہے تو پھر نہ رشوت چلتی ہے، نہ چالبازی کام آتی ہے۔کیونکہ یہ بے بسی بدکاروں کے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے، اس لیے سزا ملنے والا انسان قابل رحم نہیں ہوتا۔(فصل الخطاب)

''اس طرح تو ہوتا ہے، اس طرح کے کاموں میں۔''

آیت نمبر ۷۱

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۖ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۷۱﴾

ترجمہ

ان سے پوچھ کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کو پکاریں جو نہ تو ہمیں کوئی فائدہ ہی پہنچا سکتی ہیں؟ جبکہ خدا تو ہمیں سیدھا راستہ دکھا چکا ہے۔ تو کیا اب ہم الٹے پاؤں پھر جائیں؟ کیا ہم اپنی حالت اس آدمی کی سی کر لیں جسے شیطان صحراؤں میں حیران و پریشان پھرائیں۔ جبکہ اس کے ساتھی اسے سیدھے راستے کی طرف بلا رہے ہوں کہ ادھر ہماری طرف آ جا؟ کہہ دیجیے کہ صحیح رہنمائی تو صرف اللہ ہی کی ہدایت ہے۔ اسی کی طرف سے ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ تمام کائنات کے پالنے والے آقا کے سامنے سر اطاعت جھکا دیں۔ (۷۱)

تفسیر

راہ ہدایت تو اللہ ہی کی رہنمائی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

آیت کا پیغام یہ ہے کہ: ہدایت کی راہ وہی ہوتی ہے جو خدا دکھائے۔ محدود نظر رکھنے والوں کے ناقص نظریات اور جذباتی فیصلے ہدایت کا معیار نہیں بن سکتے۔ (تفسیر کبیر)

عقل کم مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہو ظن و تخمین تو زبوں کار حیات

(اقبالؔ)

آیت نمبر ۷۲۔۷۳

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾
وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ
فَيَكُوْنُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ
الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

ترجمہ

اور یہ کہ نماز قائم کریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں۔ اور وہی تو ہے جس کی طرف تم سب اکٹھے سمٹ کر جاؤ گے۔ (۷۲)

اور وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بالکل صحیح، ٹھیک ٹھیک پیدا کیا ہے اور جس دن وہ کہے گا (حشر) ہو جا، تو فوراً وہ ہو جائے گا۔ اس کا حکم بالکل سچ ہے۔ جس دن صور پھونکا جائے گا اور اس دن ساری کی ساری بادشاہی صرف خدا کی ہوگی۔ وہ ان دیکھی اور دیکھی سب کی سب باتوں کا اچھی طرح جاننے والا ہے اور وہی بالکل ٹھیک ٹھیک کام کرنے والا اور ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے۔ (۷۳)

تفسیر

جب بحکم خدا صور پھونکا جائے گا تو؟

جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ: صور، نور کا ایک آلہ ہے جسے اسرافیل منہ میں لیے ہوئے ہیں۔ خدا جیسے ہی حکم دے گا وہ اسے پھونک دیں گے۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ اس آلے میں تمام انسانوں کی تعداد کے مطابق سوراخ ہیں۔ جس میں ہر انسان کی روح ہے۔ ان میں کچھ سوراخ کھلے کھلے ہیں اور کچھ تنگ ہیں۔'' (تفسیر صافی صفحہ، ۱۵۷)

تفسیر برہان میں منقول ہے کہ اسرافیل کے پاس جو صور ہے اس کے دو (۲) رُخ ہیں۔ ایک آسمان کی طرف اور دوسرا زمین کی طرف۔ چنانچہ جب پہلی دفعہ صور پھونکا جائے گا تو اس کا رخ زمین کی طرف ہوگا اور تمام زمین کے ذی روح مرجائیں گے۔ پھر جب اسرافیل اس کا رخ آسمان کی طرف کرکے پھونکیں گے تو تمام اہل آسمان لقمہ اجل ہوجائیں گے۔ اور پھر بحکم پروردگار اسرافیلؑ بھی مرجائیں گے۔ پس ایک نامعلوم وقت تک سناٹا چھایا رہے گا۔ آسمان مضطرب اور زمین میں سنسنی سی مسلط ہوگی۔ پھر زمین ایک چٹیل میدان کی صورت میں ہوگی اور صدائے توحید ہر چہار سو گونجے گی ''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (آج کس کی بادشاہت ہے) خدا خود ہی فرمائے گا ''لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ'' (سب ملک صرف اللہ کا ہے جو اپنی ہی قدرت سے سب پر غالب وقاہر ہے)۔ پھر امر پروردگار سے دوبارہ سب مخلوق زندہ کردی جائے گی اور حساب کے لیے پیش ہوگی۔ (تفسیر برہان، انوار النجف صفحہ، ۱۳۵، جلد ۱۲)

کائنات کی پیدائش کی ابتداء ''نظام اسباب'' کے ساتھ ہوئی۔ اس لیے فرمایا: ''آسمانوں اور زمین کو خدا نے پیدا کیا'' اور قیامت کے دن جو سب کو ایک ساتھ اچانک زندہ کیا جائے گا، وہ خدا کے ''نظام امر'' کے تحت ہوگا۔ یعنی اسباب کو دخل نہ ہوگا۔ حکم ہوتے ہی سب زندہ ہوجائیں گے۔ اس لیے اس دن کے لیے فرمایا: ''وہ دن جب وہ کہے گا کہ ''ہوجا'' تو سب کچھ ہوجائے گا۔'' اسی کو عالم امر کہتے ہیں۔ (جلالین)

خدا کا فرمانا کہ ''خدا کہے گا 'ہوجا' وہ (قیامت) ہوجائے گی۔'' اور اس کے یہ معنی بھی کہے گئے ہیں کہ ''اصل میں کوئی خطاب نہ ہوگا، بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ کا ''ارادہ'' ہوگا۔ اس ارادے میں الفاظ کا گذر نہیں ہے کہ خدا الفاظ جاری کرے گا، بلکہ وہ صرف ارادہ ہوگا اور قیامت برپا ہوجائے گی۔ (تفسیر کبیر)

آیت نمبر ۷۴

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾

ترجمہ

اورابراہیمؑ کاواقعہ یادکروجب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزرسے کہا کہ کیاتم بتوں کومعبود بناتے ہو؟ میں تمہیں اورتمہاری قوم والوں کوکھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہاہوں۔(۷۴)

تفسیر

حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام تارُخ تھا:

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے والد کا نام تارخ تھا۔وہ مسلمان تھے۔مگران کا انتقال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بچپنے ہی میں ہوگیا تھا۔ان کے خاندان کے ایک عزیز آزر نے ان کو پالا تھا۔پالنے کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ اس کو باپ کہا کرتے تھے۔(تبیان)

مجاہدؒ،ابنؒ جریراورسدیؒ کی روایات میں آزرکوحضرت ابراہیمؑ کا چچا کہا گیاہے۔(درمنشورسیوطی)

یادرہے کہ عرب کے لوگ حضرت ابراہیمؑ کواپناسب سے بڑاپیشوامانتے تھے۔خاص کرقریش کوتواسی بات پرفخرتھا کہ وہ اپنے دادحضرت ابراہیمؑ کےتعمیرکردہ کعبہ کے خادم ہیں۔اسی لیے خداوندعالم نے حقیقت توحیدکوحضرت ابراہیمؑ کےحوالے سے بیان فرمایااوران کا جھگڑامشرکوں سے دکھایاہےاوراس طرح قریش کوسمجھایاہے کہ تم جس کے وارث بنتے ہووہ توتوحیدکاعلمبردارتھااورشرک کاسخت مخالف تھا۔حضرت ابراہیمؑ کی ساری جدوجہدشرک کےخلاف تھی اسی حوالے سےان کا استدلال بھی بیان فرمایاجونہایت معقول اوردل میں اترنے والا ہے۔اسی انداز بیان کوفصاحت اور بلاغت کہتے ہیں۔ (تفہیم)

آیت نمبر ۷۵

وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾

ترجمہ

اسی طرح ہم نے ابراہیم کوآسمانوں اورزمین کانظام سلطنت دکھایا تاکہ وہ یقین رکھنے والوں میں سے ہوں۔(۷۵)

تفسیر

چشم بصیرت رکھنے والوں کوہی خدا اوراس کا نظام سمجھ میں آ سکتا ہے:

یعنی جس طرح تم لوگوں کے سامنے آثار کائنات زمین اورآسمانوں کی شکل میں نمایاں ہیں' بالکل اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے سامنے بھی یہی آثار اورتخلیقات خدا موجود تھیں۔مگرتم خدا کی ان نشانیوں کودیکھ کرغوروفکرنہیں کرتے 'مگرحضرت ابراہیمؑ نے خدا کی نشانیوں کوآنکھیں کھول کر(یعنی چشم بصیرت واکرکے)دیکھا۔یہی چاندسورج تمہیں جیسا گمراہ اورغافل چھوڑکرغروب ہوجاتے ہیں'ایسا ہی غافل تمہیں اس وقت پاتے ہیں جب وہ طلوع ہوتے ہیں۔مگرانہی کوچشم بصیرت رکھنے والے انسان نے دیکھااوراپنے مالک وخالق وآقا کو پہچان لیا۔

بقول ڈاکٹراقبالؔ:۔

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

جدید تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی قوم میں جوشرک تھا وہ محض ایک مذہبی عقیدہ یا صرف عبادتوں کا مجموعہ ہی نہ تھا' بلکہ اس قوم کی پوری معاشی' معاشرتی' سیاسی' اخلاقی زندگی کا سارا نظام اسی عقیدۂ

شرک پر مبنی تھا۔اسی کے مقابلے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام جو توحید کا پیغام لے کر اٹھے تھے اس کا اثر صرف بتوں کی پوجا پاٹ پر ہی نہیں پڑتا تھا' بلکہ شاہی خاندان کی حاکمیت' معبودیت' پجاریوں اور اونچے طبقوں کی معاشی و معاشرتی حیثیت اور پوری قوم کی اجتماعی زندگی اس کی زد پر آتی ۔ان کے پیغام کو قبول کرنے کے معنی یہ تھے کہ نیچے سے اوپر تک ساری سوسائٹی کی عمارت اُدھیڑ ڈالی جائے۔اور اس کو از سر نو توحید کے عقیدے پر اٹھایا جائے۔اسی لیے جب حضرت ابراہیمؑ نے توحید کی آواز بلند کی تو سارے عوام وخواص' امیر و حکام سب کے سب ایک ساتھ اس کو دبانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ (تفہیم)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے زمین و آسمان پر خدا کی حکومت قاہرہ کا مشاہدہ کیا۔جس کی وجہ سے انکے دل پر توحید کا نقش کامل بیٹھ گیا۔اور اس طرح معرفت کی زیادتی نے انہیں ''یقین'' کی منزل تک پہنچا دیا۔(تفسیر کبیر)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ:''خدا نے آج تک یقین سے زیادہ بڑی چیز کسی کو عطا نہیں فرمائی۔'' (تحف العقول)

خدا نے ''امامت عظمیٰ کی علامت ہی ''یقین'' کو قرار دیا ہے۔''

فرمایا:''اور ہم نے ان میں امام مقرر کیے تا کہ وہ ہمارے حکم سے ہدایت کریں۔جب انہوں نے صبر کیا اور ہماری دلیلوں پر ''یقین'' کیا۔'' (قرآن)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا:''ایک گھنٹہ (ساعت) اللہ کی تخلیقات پر غور وفکر کرنا ستر سال کی عبادت سے افضل ہے۔''(قرآن میں،۷۵ آیات میں غور وفکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے)۔(اصول کافی)

آیت نمبر ۷۶

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾

ترجمہ

توجب رات کااندھیرااان پر چھا گیا(ابراہیمؑ)توانہوں نے ایک تارادیکھاتوکہا:یہ میراپالنے والاما لک ہے۔مگرجب وہ تاراڈوب گیاتوانہوں نے کہا کہ میں ڈوبنے والوں کو پسندنہیں کرتا۔(۷۶)

تفسیر

حضرت ابراہیمؑ کا طریقۂ استدلال:

جدیدتحقیقات سے معلوم ہواہے کہ قدیم جاہلی قوموں میں سب سے زیادہ زوروشور سے مشتری (Jupitor) ستارے اورزہرہ (venus) نامی ستارے کی پرستش ہوتی تھی۔عجیب اتفاق ہے کہ قدیم مفسرین نے بھی یہی لکھا ہے۔(روح المعانی بقول ابن عباسؓ وقتادہ)

آیت کے انداز بیان ہی سے معلوم ہورہاہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مخاطب کا قول نقل فرما کر استدلال فرمارہے ہیں۔بحث ومباحثہ میں آج بھی یہ دستور قائم ہے کہ مخالف کے قول کو بجنسہ دہرایا جاتا ہے۔خود قرآن ہی میں خدا قیامت کے حال میں فرماتا ہے:

''اینَ شُرَکَآءِی اللہ؟''''یعنی اللہ قیامت کے دن خودفرمائے گا''آج اللہ کے شریک کہاں ہیں؟''اس کا ایک ہی مطلب ہوسکتا ہے کہ وہ کہاں ہیں جن کوتم مشرک لوگ خدا کا شریک سمجھتے ہو؟اس بیان سے کوئی احمق سے احمق بھی یہ استدلال نہیں کرسکتا کہ خدانے اپنے شریکوں کوتسلیم کرلیا۔اس لیے حضرت ابراہیمؑ کے اس استدلال سے یہ ثابت کرنا کہ وہ خود پہلے مشرک تھے(معاذ اللہ)غلط ہے۔(تفسیرکبیر۔بحر)

آیت نمبر ۷۷۔۷۸

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ﴿۷۷﴾

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾

ترجمہ

پھر جب چاند کو چمکتے دیکھا تو کہا کہ یہ ہے میرا پالنے والا مالک۔ مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا، اگر میرا حقیقی پالنے والا مجھے سیدھے راستے پر نہ رکھتا تو میں تو گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا۔ (۷۷)

پھر جب سورج کو چمکتے دیکھا تو کہا بس یہ ہے میرا پالنے والا آقا۔ یہ تو سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو (ابراہیمؑ) پکار اُٹھے: اے میری قوم والو! یقین جانو کہ میں اُن سب سے بیزار ہوں جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ (۷۸)

تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک اور لاجواب استدلال:

آیت نمبر ۷۸: حضرت ابراہیمؑ نے جب ہوش سنبھالا تھا تو اُن کے چاروں طرف بڑے دھوم سے چاند، سورج، ستاروں کی پوجا پاٹ ہو رہی تھی، اس لیے حضرت ابراہیمؑ نے بھی ہدایت کے کام کا آغاز اسی نقطے سے کیا کہ، کیا واقعی ان میں سے کوئی ہمارا خالق و مالک پالنے والا ہو سکتا ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے اسی استدلال سے تارے، چاند اور سورج کی خدائی کو باطل ثابت کر دیا، بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ ان میں سے کسی میں شانِ ربوبیت کا کوئی (صفت) عنصر بھی موجود نہیں۔ رب تو وہ ہوتا ہے جو سب کو پیدا کرے اور سب کو باقی رکھے۔ جو خود ہی غارت ہو جائے وہ بھی کیا کسی کا رب بن سکتا ہے؟ جو خود کسی کے بنائے ہوئے قانون پر دن رات دوڑ بھاگ رہا ہو وہ بھلا کہاں عالمین کا مالک کہلانے کا مستحق بن سکتا ہے؟

ملاحظہ فرمائیں کہ اسی آیت میں حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: ''ھما تشرکون'' یعنی ''جو شرک تم کیا کرتے ہو۔'' یہ نہ فرمایا کہ ''جو شرک میں کیا کرتا تھا'' اور اب اُس سے بحمد للہ نکل آیا۔'' یہ فرمایا کہ ''میں اُس شرک سے بیزار

ہوں جو تم کیا کرتے ہو۔'' اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ کبھی مشرک نہ رہے تھے۔ (ماجدی)

حضرت ابراہیمؑ کا چاند تارے سورج کو دیکھ کر یہ فرمانا کہ: ''کیا یہ میرا رب ہے؟'' تو کیا اس کہنے وہ عارضی طور پر شرک میں مبتلا ہو گئے؟ جو اس کا جواب یہ ہے کہ: ''اصل میں یہ ایک مفروضہ تھا جسے اُنہوں نے سمجھانے کے لیے موضوع بحث بنایا تھا۔ معلم جب کسی مفروضے پر گفتگو کرتا ہے تو اصل اعتبار اُن منزلوں کا نہیں ہوتا جن سے لے کر وہ طالب علم کو گزرتا ہے، بلکہ اصل اعتبار اس سمت کا ہوتا ہے جس کی طرف وہ بڑھ رہا ہوتا ہے اور اصل اعتبار اُس آخری نتیجے کا ہوتا ہے جس پر وہ گفتگو ختم کرتا ہے۔ درمیانی منزلوں سے مدرس کو گزرنا ضرور پڑتا ہے، تاکہ طالب علم جب اُس مفروضے کو باطل ہوتا دیکھے تو اصل سبق کی حقانیت پر یقین پیدا کر سکے۔ درمیانی منزلوں پر ٹھہرنا تلاش اور جستجو کے لیے ہوتا ہے، نہ کہ بصورت فیصلہ اصل میں یہ ٹھہراؤ سوالی اور استفہامی ہوتا ہے نہ کہ حکمی۔ اُستاد جب ان درمیانی منزلوں سے طالب علم کو لے کر گزرتا ہے تو یہ اُس کی آخری رائے نہیں ہوا کرتی، بلکہ سمجھانے کے لیے درمیانی منزلوں سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ (تاکہ مقصد تک پہنچنے اور سمجھانے میں آسانی ہو۔) (ملخص از تفہیم)

آیت نمبر ۷۹

اِنِّیۡ وَجَّہۡتُ وَجۡہِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۷۹﴾

ترجمہ

میں نے تو ہر چیز اور ہر طرف سے ہٹ کر اپنا چہرہ (اپنی توجہ کو) صرف اُس ہستی کی طرف موڑ لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ (یعنی توحید پرست ہوں) (۷۹)

تفسیر

حضرت ابراہیمؑ پیغمبر خدا تھے اس لیے توحید پرست تھے:

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ ''میں یکسوئی کے ساتھ، سب سے کٹ کر، صرف خدا کی اطاعت کا عہد کرتا ہوں۔ اور صرف اور صرف اللہ کی طرف جھکتا ہوں۔ (تفسیر کبیر)

یاد رہے کہ سارے مکالمات میں حضرت ابراہیمؑ نے کوئی ایک حرف بھی ایسا نہیں فرمایا کہ جس سے یہ شائبہ بھی ہو سکے کہ کبھی آپؑ نے بھی شرک کیا تھا۔ اور اب بعد میں توحید کا عقیدہ قبول فرمایا۔ (ماجدی) (بھلا غور طلب بات ہے کہ جب خدا کی طرف سے بھیجا ہوا ہی خدا پرست نہ ہو اور وہ بُت پرست ہو جائے اور خدا کی توحید کی تبلیغ نہ کرے اور مشرکوں کی ہاں میں ہاں کرنے لگے تو پھر توحید پرست کون ہوگا؟)

چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

پیغمبرؑ خدا جھوٹ نہیں بول سکتا:

عام مفسرین نے اس پورے واقعے کو ایک حقیقی قصے کے طور پر لکھا ہے۔ اس لیے یہ بھی لکھ ڈالا کہ حضرت ابراہیمؑ نے (معاذ اللہ) تین ۳ دفعہ جھوٹ بولا۔ لیکن یہ بات کو نہ سمجھنا ہے۔ وہاں کوئی عالمی کانفرنس نہیں ہو رہی تھی کہ جو رات سے شروع ہوئی ہو اور صبح سورج نکلنے تک جاری رہی ہو۔ اور اُس کانفرنس میں ستارہ پرست، بُت پرست، سورج پرست سب کے سب جمع ہوئے بیٹھے ہوں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تحقیقات سن رہے ہوں۔ اصل میں یہ اثبات حق کا ایک نہایت ہی بلیغ اور مؤثر اندازِ بیان تھا جو فنِ تعلیم کے عین مطابق، نہایت منطقی استدلال کے طور پر تھا، جو آج کی سائنسی تحقیقات میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس طریقۂ کار میں پہلے ایک مفروضہ قائم کیا جاتا ہے، پھر اس کو یا تو ثابت کیا جاتا ہے، یا رد کر دیا جاتا ہے۔ یہی طریقۂ تحقیق یہاں استعمال ہوا ہے۔ اس طریقۂ تحقیق میں مخالف کا دعویٰ بعینہٖ پیش کرنا جھوٹ نہیں ہوا کرتا۔ اُس کے قول کو رد کرنے کے لیے اُس کا قول دہرانا پڑتا ہے۔ خود قرآن نے کافروں، مشرکوں، دہریوں، منافقوں، منکروں کے اقوال بار بار دہرائے ہیں۔ اس لیے یہ کوئی حقیقی واقعہ نہ تھا بلکہ صرف ایک طریقہ استدلال اور طرزِ بیان تھا۔

رہ گیا جھوٹ بولنے کا سوال، تو یہ اصول یاد رہے کہ کوئی بات اگر کسی واقعے کو بیان کرنے کے لیے کی جائے

تو اُس میں سچ اور جھوٹ کا سوال پیدا ہوتا ہے۔لیکن جو بات استدلال کے طور پر مخالف کا قول رد کرنے کے لیے بطور مفروضہ کہی جاتی ہے اُس میں جھوٹ سچ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔یہ بات علمی دنیا میں بہت عام ہے۔ (فصل الخطاب)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے کہنا کہ شرک کیا:

دراصل اللہ کے بھیجے ہوئے اولوالعزم پیغمبرؑ پر بہتان ہے اور اللہ کے انتخاب پر اعتراض ہے۔

آیت نمبر ۸۰

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾

ترجمہ

اس پر اُن کی قوم اُن سے جھگڑنے لگی تو انہوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم اللہ کے معاملے میں مجھ سے جھگڑتے ہو؟ حالانکہ اسی نے تو مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے۔اور میں اُن چیزوں سے نہیں ڈرتا جنہیں تم نے خدا کا شریک ٹھہرایا ہے،سوا اس کے کہ اگر میرا مالک کوئی بات چاہے۔میرے پالنے والے آقا کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے۔آخر تم ہوش میں کیوں نہیں آتے اور نصیحت کیوں قبول نہیں کرتے؟(۸۰)

تفسیر

حضرت ابراہیمؑ کی بے خوفی اور جرأتِ کردار:

معلوم ہوتا ہے کہ مشرکوں نے حضرت ابراہیمؑ کو دھمکی دی تھی کہ تم ہمارے بتوں کو برا کہتے ہو، دیکھنا تمہارا کیا حشر ہوتا ہے۔ (کشاف، معالم، مجمع البیان)

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ میں تمہارے جھوٹے خداؤں سے نہیں ڈرتا۔ جو کچھ ہونا ہوگا وہ میرے ہی خدا کے حکم سے ہوگا۔ (فصل الخطاب)

حضرت ابراہیمؑ کے آخری الفاظ کا مفہوم یہ تھا کہ تم جو کچھ بھی کر رہے ہو، تمہارا اصلی مالک اُس سے بے خبر نہیں، کیونکہ اُس کا علم ساری کائنات پر وسیع ہے۔ پھر کیا اس حقیقت کو جاننے کے بعد بھی تم ہوش میں نہ آؤ گے؟ (تفہیم) .....حضرت ابراہیمؑ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ ''تمہارے دیوتا نہ صفتِ حیات رکھتے ہیں اور نہ قدرت۔ پھر اُن سے مجھے ڈرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ (تھانوی)

آیت نمبر ۸۱

وَ كَيْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾

ترجمہ

آخر میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے خدا کے شریکوں سے (کیوں) کیسے ڈروں جب کہ تم لوگ تو خدا کے ساتھ اُن چیزوں کو شریک ٹھہرانے تک سے نہیں ڈرتے، جن کے متعلق خدا نے تم پر نہ تو کوئی دلیل اُتاری ہے، نہ سند؟ تو ہم دونوں فریقوں میں سے کون ہے جو بے خوفی اور مطمئن رہنے کا

زیادہ حقدار ہے (بتاؤ) اگر تم کچھ بھی علم رکھتے ہو۔ (۸۱)

تفسیر

حضرت ابراہیمؑ کی قوم خدا کی منکر نہ تھی، بلکہ؟

یہ آیتیں واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کی قوم زمین و آسمان کے ایک خالق کے تصور کی منکر نہ تھی۔ بلکہ اُن کا اصلی جرم یہ تھا کہ وہ دوسروں کو خدائی صفات اور خداوندانہ حقوق میں شریک قرار دیتے تھے۔ اول تو آیت ہی میں خود حضرت ابراہیمؑ فرما رہے ہیں کہ: ''تم اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہو۔'' پھر یہ کہ آپؑ کا اندازِ بیان ہی ایسا ہے کہ جو بتا رہا ہے کہ آپؑ اُن لوگوں سے بحث فرما رہے ہیں جو اللہ کے وجود کے منکر نہیں ہیں۔ (تفہیم)

حضرت ابراہیمؑ کے فرمانے کا مطلب یہ تھا کہ ''احمقو! تم مجھے ڈرا رہے ہو، جبکہ میں توحید جیسے سچے عقیدے پر قائم ہوں۔ پھر بھی میں ڈروں، اور تم جو شرک جیسے سب سے بڑے گناہ پر قائم ہو، بے خوف بنے رہو! عجیب احمقانہ بات ہے۔ (ماجدی)

آیت نمبر ۸۲

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ

حقیقت میں امن وسکون تو صرف انہی لوگوں کے لیے ہے اور صحیح سیدھے راستے پر بھی وہی لوگ ہیں جو خدائے واحد کو مانیں اور پھر اپنے اس ایمان میں ظلم (یعنی شرک) کی ملاوٹ بھی نہ کریں۔ (۸۲)

تفسیر

شرک سے بڑا کوئی ظلم نہیں، جو نا قابل معافی ہے:

حضرت ابن مسعود روایت ہے کہ:

جب یہ آیت اُتری تو لوگوں نے جناب رسول خداؐ سے پوچھا کہ ہم میں ایسا کون ہے جس نے (گناہ کر کے) اپنے اوپر ظلم نہیں کیا ہو؟ آپؐ نے فرمایا: آیت کا وہ مطلب نہیں جو تم سمجھ رہے ہو، بلکہ اس ظلم سے مراد شرک ہے۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ کا ایک نیک بندہ (حضرت لقمانؑ) فرمایا کرتا تھا۔ ''یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ۝ (سورۃ لقمان آیت ۱۳) یعنی ''اے میرے بیٹے! کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہراؤ، حقیقتاً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

کسی نے حضرت امام محمد باقرؑ سے پوچھا: ''آیا زنا بھی اس ظلم میں داخل ہے؟'' فرمایا: ''میں زنا سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ مگر اس آیت میں جو ظلم کے معنی ہیں اس میں زنا داخل نہیں۔ کیونکہ زنا ایک ایسا گناہ ہے جس سے بندہ جس وقت توبہ کر لے اللہ اس کو قبول فرما کر معاف کر دیتا ہے۔'' (تفسیر عیاشی) (گناہ خرابی نفس کے سبب سے ہوتا ہے خدا سے بغاوت کے سبب نہیں ہوتا)۔ ''انسان اپنے ضمیر اور وجود پر سب سے بڑا ظلم اسی وقت کرتا ہے جب وہ خدائے حقیقی کے ساتھ اس کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک قرار دیتا ہے۔ قرآن نے شرک ہی کو ظلم عظیم قرار دیا ہے۔ (ابن جریر۔ تفسیر کبیر وغیرہ)

آیت نمبر ۸۳

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝۸۳

ترجمہ

اور یہ ہماری وہ دلیل تھی۔ اے جو ہم نے ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے مقابلے پر عطا کی تھی۔ ہم جسے

چاہتے ہیں درجوں میں بلندی عطا کرتے ہیں' حقیقتاً تمہارا پالنے والا مالک بالکل ٹھیک ٹھیک کام کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔(۸۳)

تفسیر

آیت نمبر ۸۳:

۱۔فقہاء اور محققین نے نتیجہ نکالا کہ جو لوگ علم کلام کی بحثوں میں مشغول رہتے ہیں ان کا شرف اس آیت سے ثابت ہوگیا۔اوران لوگوں کا ردّ بھی ہوگیا جو مناسب موقعے پر بھی بحث ومباحثہ کو لاحاصل سمجھتے ہیں۔(تفسیر کبیر۔جصاص)

آیت نمبر ۸۴

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۙ﴿۸۴﴾

ترجمہ

پھر ہم نے ابراہیم ۲۔کو اسحاق اور یعقوب جیسی اولاد دی' اور ہر ایک کو سیدھا راستہ بھی دکھایا۔اور اس سے پہلے نوح کو بھی ہم نے سیدھی راہ دکھائی تھی۔ ۳۔اور انہی کی اولاد سے ہم نے داؤد،سلیمان' ایّوب' یوسف' موسیٰ اور ہارون کو بھی (سیدھی راہ دکھائی تھی) اسی طرح ہم نیک لوگوں کو ان کی نیکی کا صلہ دیا کرتے ہیں۔

تفسیر

اہم انبیاء علیہم السلام کا ذکر:

۲۔حضرت ابراہیمؑ حضرت نوحؑ کی گیارھویں پشت میں تھے۔آپؑ کا وطن عراق کے دوآبہ دجلہ وفرات کے درمیان تھا۔آپؑ کا زمانہ ۱۹۹۸ء قبل مسیح سے ۲۹۴۸ء قبل مسیح سمجھا گیا ہے۔

۳۔سوال یہ ہے کہ آیت ۸۴ میں کسی کی اولاد کا ذکر ہے؟

اس سے مراد حضرت نوح علیہ السّلام بھی ہو سکتے ہیں۔کیونکہ ان کا ذکر سب سے قریب ہے اور اس لیے بھی کہ بعد میں جن کا ذکر آیا ہے وہ سب حضرت نوح علیہ السّلام ہی کی اولاد ہیں۔(معالم)

لیکن بعض مفسرین نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی اولاد مراد لی ہے۔اس لیے کہ یہاں اصل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے فضائل خدا نے بیان فرمائے ہیں۔نیز یہ کہ اولاد میں اولاد دختری بھی شامل ہے۔(تفسیر روح المعانی)

حضرت داؤد بن یسی علیہ السلام بنی اسرائیل میں بڑے شان وشوکت کے بادشاہ تھے۔آپؑ کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السّلام تھے خود انبیاءؑ کرام میں سب سے بڑے بادشاہ گزرے ہیں۔یہ دونوں ۹۳۲ء سے ۹۶۲ء قبل مسیح گزرے ہیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام فلسطین کی مشرقی سرحد پر رہتے تھے۔بائیل کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی نسل میں پانچویں پشت میں تھے۔آپؑ کی عمر ۲۱۰ سال بیان کی گئی ہے۔

(حضرت یعقوبؑ کے بیٹے حضرت یوسفؑ مصر کے اور کنعان (فلسطین) کے بادشاہ ہوئے۔آپ کا زمانہ ۱۸۰۰ء تا ۱۹۱۰ء قبل مسیح تھا)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جن پر توریت اُتری اسرائیلیوں کے مشہور ترین پیغمبر ہیں جو ۱۴۰۰ قبل مسیح ہوئے۔آپ کے بھائی حضرت ہارونؑ آپؑ سے تین سال بڑے تھے۔آپؑ کو قبیلے کی سرداری اور وجاہت دنیا بھی حاصل ہوئی۔(ماجدی)

آیت نمبر ۸۵

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۙ﴿۸۵﴾

ترجمہ

اور پھر اسی کی اولاد سے) ذکریاؑ، یحییٰؑ اور الیاسؑ کو بھی (سیدھا راستہ دکھایا) ان میں سے ہر ایک نیک لوگوں میں سے تھا۔(۸۵)

تفسیر

ائمہ اہل بیتؑ کے اولاد رسولؐ ہونے کا ثبوت:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''خدا کی قسم! اللہ نے حضرت عیسیٰؑ بن مریمؑ کا نسب اس آیت میں بیٹی (یعنی حضرت مریمؑ) کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے ملا دیا۔'' پھر امامؑ نے اسی آیت کو تلاوت فرمایا۔(اس سے معلوم ہوا کہ بیٹی سے بھی نسب ملتا ہے۔اسی لیے حضرت فاطمہ کی اولاد جناب رسول خداؐ کی اولاد ہے)(تفسیر صافی بحوالہ۔تفسیر عیاشی)

حضرت امام علی رضا علیہ السّلام نے فرمایا کہ: (مرے پدر گرامی) حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے خلیفہ ہارون الرشید نے پوچھا کہ آپؑ خود کو کیسے رسول خداؐ کی اولاد بتلاتے ہیں جب کہ آپؐ تو حضرت علیؑ کی اولاد ہیں۔؟ اس پر حضرت امامؑ نے اسی آیت کو تلاوت فرما کر اس کا جواب دیا۔فرمایا'' کیونکہ اس آیت میں خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو حضرت مریمؑ ہی کے ذریعے سے انبیاءؑ کی اولاد میں شامل فرمایا ہے، اسی طرح ہم بھی انبیاءؑ کی اولاد ہیں اور ہمیں بھی خدا نے حضرت فاطمہؑ کے ذریعے سے اولاد رسولؐ میں شامل فرمایا ہے۔'' (عیون اخبار الرضاؑ)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ بیٹی کی اولاد بھی ذریت میں شامل ہوتی ہے۔(جلالین)

قرآن نے انبیاءؑ کرامؑ کو صالحین فرمایا ہے جب کہ اہل کتاب نے جی بھر کے ان کی سیرتوں کو داغدار بنایا صالحین کے معنی صالحیت میں کامل ترین۔(بیضاوی)

آیت نمبر ۸۶

وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۸۶﴾

ترجمہ

اور (پھر اسی کی اولاد میں سے) اسمٰعیل اور الیسع، یونس اور لوطؑ کو بھی (سیدھا راستہ دکھایا) ان میں سے ہر ایک کو ہم نے تمام جہانوں سے زیادہ عطا کیا۔(۸۶)

تفسیر

''حضرت الیسع''

کے لیے لکھا گیا ہے کہ وہ حضرت الیاسؑ کے خلیفہ تھے اور نبی تھے بعض مفسرین نے لکھا کہ الیسعؑ حضرت الیاسؑ یا حضرت خضرؑ ہی کا دوسرا نام ہے مگر یہ درست نہیں ہے۔ رہا یہ بعض روایات میں ہے کہ: حضرت خضرؑ پانی پر مقرر ہیں اور حضرت الیسع خشکی پر۔ اور دونوں ہر رات سدّ سکندری پر ملاقات کرتے ہیں۔

اور یہ بھی روایات میں کہ ہے حضرت الیاسؑ اور حضرت الیسع ہر سال موسم حج میں اکٹھے ہوتے ہیں زمزم پیتے ہیں۔ لیکن یہ سب باتیں جعلی ہیں اور ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ (لغات القرآن نعمانی جلد ۱ صفحہ ۲۳۴)

حضرت ابراہیمؑ کو بڑے صاحبزادے حضرت اسمٰعیلؑ ۱۹۳۳ء سے ۲۰۷۰ء قبل مسیح ہوئے الیسعؑ۔ حضرت الیاسؑ کے جانشین تھے۔ حضرت یونسؑ بن متی ''نینوا'' جسے آجکل ''موصل'' کہتے ہیں کے نبی تھے۔ ان کا زمانہ ۷۴۱ سے ۸۱۰ء قبل مسیح کا تھا۔ حضرت لوطؑ بن ہارانؑ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے۔ بحر لوط جسے آج، کر بحر مردار (DEAD SEA) کہتے ہیں، اس کے کنارے حضرت لوطؑ کی قوم آباد تھی۔ جو ہم جنس پرستی اور چوری وغیرہ کے بدترین کاموں میں مشہور تھی، ان پر ۲۰۶۱ء قبل مسیح عذاب آیا۔ (ماجدی)

آیت نمبر ۸۷ تا ۸۹

وَمِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

ترجمہ

نیز ان کے آباؤاجداؤاوران کی اولاداوران کے بھائیوں میں سے بھی (ہم نے منتخب کیا) اورانہیں سیدھے راستے کی ہدایت کی۔(۸۷)

یہ اللہ کی خاص ہدایت ہے جس کے ذریعے سے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت فرماتا ہے۔اوراگر وہ لوگ بھی خدا کے ساتھ کسی کوشریک ٹھہراتے توان کا سب کیا کرایا اکارت ہوجاتا۔(۸۸)

یہی وہ لوگ تھے جن کوہم نے کتاب،حکم وحکمت اورنبوت عطا کی۔اب اگر یہ لوگ اس کے ماننے سے انکارکرتے ہیں توہم نے بھی اس نعمت کوکچھ ایسے لوگوں کے حوالے کیا ہے جو اس کا انکارنہیں کریں گے۔(۸۹)

تفسیر

کتاب، حکم اور نبوت کے معنی:

۱۔انبیاء ؑکو تین چیزیں عطا کی گئیں۔(۱)''کتاب''یعنی خدا کا''پیغام نامہ''ہدایت نامہ(۲)''حکم''یعنی اس کے بتائے ہوئے اصولوں کو عملی زندگی پر منطبق کرنے کی صلاحیت اور الجھے ہوئے مسائل میں فیصلے کی رائے قائم کرنا۔

(۳)''نبوت''یعنی وہ اس ہدایت نامے کو لوگوں تک پہنچائیں اور ان لوگوں کی رہنمائی فرمائیں۔(تفہیم)

آیت نمبر ۹۰

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝۹۰

ترجمہ

یہ میں وہ جنہیں اللہ نے اپنا راستہ دکھایا ہے۔تو ان ہی کی ہدایت کی پیروی کیجیے۔۱؎اور کہہ دیجیے کہ میں اس پر کوئی معاوضہ یا اُجرت نہیں مانگتا۔۲؎یہ تو تمام جہانوں کے لیے نصیحت (یعنی) ان کی بھلائی چاہنا ہے۔(۹۰)

تفسیر

انبیاءؑ کی پیروی محفوظ ترین راہ ہدایت ہے:

۱۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا:''عقلمندوں کے لیے (نبی اکرمؐ کی) پیروی کرنے سے

زیادہ محفوظ کوئی راستہ نہیں۔اس لیے کہ یہ راہ کھلی ہے اورمنزل اورمقصدصحیح اورواضح ہے۔اسی لیے خداوندعالم نے حضوراکرمؐ سے فرمایاہے:''اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ط''یعنی:یہی وہ لوگ ہیں جن کی خدانے ہدایت فرمائی ہے۔پس ان کی ہدایت کی پیروی کیجیے۔''

اگرخداکے دین کے لیے کوئی اورراستہ(انبیاءؑ کی)پیروی کرنے سے بہتر ہوتاتو خداوہی راستہ اختیارکرنے کی تاکیدفرماتا:''(تفسیرصافی صفحہ ۱۵۹،بحوالہ مصباح الشرائع)

جناب رسول خداؐ نے فرمایا:''سب سے بہتر ہدایت انبیاءؑ کی ہدایت ہے۔''(تفسیرقمی)

حضرت علیؑ نے فرمایا:''تم اپنے نبیؐ کی ہدایت کی پیروی کرو۔کیونکہ وہ سب سے افضل (ہدایت)ہے۔''(نہج البلاغہ)

اَجرِ رسالت کا مقصد:

۲۔اب جورسولؐ نے اجررسالت طلب کیاتھااوروہ اجراپنے اقرباء سے محبت تھی جوسورۂ شوریٰ کی اس آیت میں طلب کیاگیاتھا'کہ''قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى''(شوریٰ ۴۲،آیت ۲۳)

یعنی:''(اے رسولؐ!)کہہ دیجیے کہ میں تم سے کسی اجرکا سوال نہیں کرتا'سوااس کے کہ(میرے)اقرباء سے محبت کرو۔''تواب بتایاجارہاہے کہ جواجرمیں نے تم سے اقرباء کی محبت کی شکل میں طلب کیاتھا'وہ کوئی میں نے اپنے فائدے کے لیےنہیں طلب کیاتھا۔وہ تومیں نے تمام عالمین کے فائدے کے لیےطلب کیاتھا۔کیونکہ اہل بیتؑ رسولؐ کی محبت میں تمہاری ہی بہتری ہے۔ (فصل الخطاب)

اہل بیتؑ رسولؐ کی محبت کے سبب سےتم ان کے پاکیزہ اوصاف کی پیروی کروگے'اوریہ جذبۂ محبت تمہیں ہرقسم کے ظلم اورزیادتی سے بچائے گا۔اس طرح تمہیں دنیااورآخرت کی تمام بھلائیاں حاصل ہوجائیں گی۔اسی لیے دوسری جگہ فرمایا:''مَاسَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ''یعنی''میں نے جواجرتم سے مانگاہے'وہ تمہاری ہی فائدے کے لیے مانگاہے۔''(قرآن)

نیازؔ اندرقیامت بے سروساماں نہ خواہی شد
کہ ازحبّ وتولائے علیؑ داری توسامانی

نیازیہ سلسلے کے باقی(نیازؔ بریلوی)فرماتے ہیں کہ:''نیازؔ!توقیامت کے دن بے سروسامان نہ رہے گا۔اس لیے کہ توعلیؑ کی محبت جیساقیمتی سامان اپنے ساتھ رکھتاہوگا:''

فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ تعلیم قرآن اور روایت حدیث جیسی خدمات دینی پر معاوضہ طلب کرنا درست نہیں۔(مدارک).....محققین نے نتیجہ نکالا کہ قرآن قصہ کہانی وغیرہ کی کتاب نہیں۔یہ تو تمام تر ہدایت نامہ اور زندگی کا دستور العمل ہے۔اور اس کی تعلیمات سارے عالم کے لیے ہیں۔ (تفسیر کبیر۔روح)

آیت نمبر ۹۱

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾

ترجمہ

اورانہوں نے اللہ کی حقیقی شان اور نعمتوں کو نہ تو سمجھا اور نہ اس کی قدر کی اے جب انہوں نے یہ کہا کہ اللہ نے کسی انسان پر کچھ بھی تو نازل نہیں کیا۔ان سے پوچھو کہ پھر وہ کتاب کس نے اُتاری تھی جسے موسیٰ لے کر آئے تھے؟ جو تمام انسانوں کے لیے روشنی اور ہدایت تھی اور جسے تم الگ الگ کاغذوں کے ٹکڑوں میں کر کے رکھتے ہو' کچھ تو لوگوں کو دکھاتے ہو اور زیادہ تر حصّہ چھپا جاتے ہو' اور جس کے ذریعے سے تم کو وہ علم دیا گیا جو نہ تو خود تمہیں ہی حاصل تھا' اور نہ تمہارے باپ دادا کو۔کہہ دیجئے کہ اللہ' پھر انہیں چھوڑ دیجیے' (تا کہ) وہ اپنی بے تکی دلیلوں اور اعتراضات سے خوب کھیل کود مچاتے رہیں۔(۹۱)

تفسیر

خدا کی قدر نہ کرنے کا مطلب:

۱۔حضرت امام جعفرصادق ؑ نے فرمایا:''انہوں نے نہ تو خدا کی نعمتوں کو سمجھا اور نہ اس کی قدر کی۔خدا کی جتنی بھی تعریف کی جائے وہ اس سے اعظم ہی ثابت ہوگا۔ (الکافی)

غرض''انہوں نے اللہ کو اس کی واقعی شان کے ساتھ نہیں سمجھا۔(کیونکہ انہوں نے یہ نہ مانا کہ خدا نے ہماری ہدایت کے لیے کتاب اُتاری ہے)اس لیے انہوں نے خدا کی قدر نہ کی۔(تفسیر علی بن ابراہیم، تفسیر تبیان)

جیسا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ''خدا کا وصف بیان نہیں کیا جا سکتا۔پس جس قدر بھی خدا کی تعریف کی جائے گی وہ اس سے بلند ترین ہوگا۔''

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ علیہ السّلام نے فرمایا:''اوّل دین خدا کی معرفت ہے،اور معرفت کا کمال(وجود اور عظمت خدا کی) تصدیق کرنا ہے۔اور تصدیق کا کمال، توحید کا صحیح عقیدہ ہے(جبکہ اس میں شرک کا کوئی شائبہ نہ پایا جائے)پس توحید کا کمال، اخلاص فی التوحید ہے،اور اخلاص کا کمال، نفی صفات ہے(یعنی یہ ماننا کہ خدا کے صفات اس کی ذات کا عین ہیں،اس سے الگ نہیں)کیونکہ ہر صفت اپنے موصوف سے الگ الگ ہوتی ہے،اور ہر صفت شہادت دیتی ہے کہ وہ غیر موصوف ہے۔اور ہر موصوف شہادت دیتا ہے کہ غیر صفت ہے۔پس اگر خدا کو صفت اور موصوف کا مجموعہ سمجھا جائے گا تو وہ مرکب ثابت ہوجائے گا۔پس توحید رخصت ہوجائے گی۔خدا ذات وصفات کا مرکب یا مجموعہ نہیں، بلکہ اس کی تمام صفات عین ذات ہیں(کیونکہ)اس کی ذات بسیط مطلق اور مجرد مطلق ہے اس میں کسی قسم کی ترکیب یا تجزیہ نہیں۔

(اس لیے)جس نے خدا کی صفتوں کو اس کی ذات پر زائد جانا،اور اسے ذات وصفات کا مجموعہ سمجھا،اس نے خدا وحدہ لاشریک کے ساتھ ایک اور چیز ملا دی،اور جس نے اس طرح خدا کے ساتھ ایک اور چیز کو شامل کرایا،اس نے اسے دو(۲)کہہ دیا،اور جس نے دو(۲)چیزوں سے اس طرح ایک مرکب مان لیا،اس نے خدا اَجُز وجز وبنا دیا،جس نے خدا کے اس طرح جز وجُز وقرار دیے وہ خدا کی معرفت سے جاہل رہا،جو اس سے جاہل رہا،اس نے اسے قابل اشارہ سمجھ لیا،اور جس نے اُسے قابل اشارہ سمجھ لیا،اس نے اس کی حد بندی کر دی،اور جو اسے محدود سمجھ بیٹھا وہ اسے دوسری چیزوں(مخلوق خدا کی)کی قطار میں لے آیا،جس نے یہ کہا کہ وہ کس چیز میں ہے،اس

نے اسے کسی چیز کے اندر (ضمن میں) مان لیا' اور جس نے یہ کہا کہ وہ کس چیز پر ہے' اس نے دوسری جگہیں اس سے خالی سمجھ لیں' وہ (خود سے) ہے' ہوا نہیں' وہ موجد ہے' مگر عام سے وجود میں نہیں آیا' وہ ہر شے کے ساتھ ہے جسمانی اتصال کے ساتھ نہیں' وہ ہر شے سے الگ ہے جسمانی دوری کے ساتھ نہیں' وہ فاعل ہے مگر حرکات وآلات کا محتاج نہیں' وہ اس وقت بھی دیکھنے والا تھا جبکہ مخلوقات میں کوئی چیز دکھائی دینے کے قابل ہی نہ تھی' وہ یگانہ ہے اس لیے کہ اس کا کوئی ساتھی ہی نہیں ہے جس سے وہ مانوس ہو اور اسے کھو کر پریشان ہو جائے.....'' (نہج البلاغہ)

یہودی توریت کو کاغذ کے ٹکڑوں پر الگ الگ لکھتے تھے تاکہ جو حصہ چاہیں لوگوں کو دکھائیں اور جو چاہیں نہ دکھائیں۔ (جلالین) (چھپالیں تاکہ حق بات ظاہر نہ ہو سکے اور ان کی چودھراہٹ باقی رہے)

اس آیت پر یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ یہودی تو خود تورات کو ایک انسان (حضرت موسیٰؑ) پر نازل شدہ کتاب مانتے تھے' پھر وہ یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ خدا نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا؟

اصل میں یہ یہودیوں کی ضد اور ہٹ دھرمی کی انتہا تھی کہ وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی رسولؐ کی تکذیب کر رہے تھے' خواہ اس سے خود ان کی مسلمہ صداقتوں پر ہی ضرب کیوں نہ پڑے۔ وہ تو رسول اسلامؐ کی مخالفت کے جوش میں اس قدر مدہوش کور اندھے ہو گئے تھے کہ وہ رسول خداؐ کی تردید کرتے خود رسالت ہی کی تردید کرنے لگے۔ انسان دشمنی میں حدوں سے گزر جاتا ہے۔ (فصل الخطاب)

آیت نمبر ۹۲

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

ترجمہ

اور (اسی کتاب کی طرح) یہ بھی ایک کتاب ہے جسے ہم نے ہی اُتارا ہے۔ یہ بڑی خیر و برکت والی ہے۔ یہ ہر اس چیز کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے آئی ہے۔ اور یہ اس لیے اُتاری گئی ہے تاکہ

آپؐ اس کے ذریعے سے بستیوں کے اس مرکز (مکہ) ۲؎ اور اس کے چاروں طرف رہنے والوں (یعنی پوری دنیا والوں) کو برائی کے انجام سے متنبہ کریں اور ان سب کو بھی (متنبّہ کریں) جو آخرت کو مانتے ہیں اس کتاب کو بھی مانتے ہیں اور اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ (۹۲)

تفسیر

خدا کا کلام بندوں پر نازل ہوسکتا ہے:

۱؎۔اس آیت میں حقیقتاً خداوندعالم نے یہ ثابت کیا ہے کہ بشر پر خدا کا کلام نازل ہوسکتا ہے اور عملاً ہوا بھی ہے۔پہلی دلیل تو پچھلی آیت میں یہ دی کہ حضرت موسیٰؑ پر توراۃ نازل ہوئی۔اور کیونکہ جواب یہودیوں کو دیا جارہا ہے اس لیے اُسی کتاب کو دلیل میں پیش فرمایا ہے جس کو وہ خود خدا کی کتاب مانتے ہیں۔

قرآن کی صداقت پر چار دلائل:

دوسری دلیل یہ کلام ہے جو قرآن کی شکل میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ آلہ وسلّم پر نازل ہوا۔اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کہ یہ قرآن خدا کا کلام ہے۔ ۴ چار دلیلیں پیش کی گئی: (۱) یہ کتاب بڑی خیر و برکت والی ہے یعنی اس میں عالم انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے بہترین اصول پیش کیے گئے ہیں۔اس میں بھلائیوں اور اچھے کاموں کا حکم بھی ہے اور ترغیب بھی۔پاکیزہ زندگی گزارنے کی ہدایت بھی ہے اور جہالت، خودغرضی تنگ نظر، ظلم اور فحاشی، بلکہ ہر قسم کی برائی سے روکا بھی گیا ہے۔

(۲)۔دوسرا ثبوت اس کتاب کی صداقت کا یہ ہے کہ یہ کتاب پچھلی آئی ہوئی خدا کی کتابوں سے ہٹ کر کوئی مختلف پیغام نہیں پیش کرتی، بلکہ یہ پچھلی ہدایتوں کی تائید کرتی ہے۔

(۳)۔تیسرے یہ کہ یہ کتاب اسی مقصد کو لیکر نازل ہوئی ہے جو مقصد ہر زمانے میں اللہ کی طرف سے آنے والی کتابوں کا رہا ہے یعنی خدا اور آخرت سے غافل لوگوں کو چونکانا اور بُرے کاموں کے بُرے انجام سے باخبر کرنا۔

(۴)۔چوتھی دلیل اس کتاب کی صداقت کی یہ ہے کہ اس کتاب نے ان لوگوں کی بالکل تائید نہیں کی، جو دنیا پر حکمرانی کررہے تھے، اور اپنی خواہشات کے بندے تھے۔بلکہ اس کتاب نے ان لوگوں کو اپنے گرد جمع کیا جو پاک سیرت اور حق کے متلاشی تھے۔کیا یہ نتائج کسی ایسی کتاب کے ہوسکتے ہیں جسے کسی جھوٹے

(معاذ اللہ) نفس پرست انسان نے از خود گھڑ لیا ہو؟ اس کو خدا کی کتاب بنا کر پیش کرنے کی مجرمانہ جسارت کر سکتا ہو؟ (تفہیم)

مکہ کو اُمّ الْقُرٰی کیوں کہتے ہیں:

مکہ کو اُمّ الْقُرٰی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ بستیوں کا مرکز ہے۔ بعض نے کہا' اس لیے اُمّ الْقُرٰی کہتے ہیں کہ مکہ ہی سے ساری روحانی پرورشوں کا سامان ہوا۔ بعض نے لکھا کہ قدیم جغرافیہ کے اعتبار سے مکہ آباد دنیا کے وسط میں تھا۔ بعض نے لکھا کہ یہ شہر دنیا کی تہذیبوں کا سنگم تھا۔ اور اس کے اردگرد جو آبادی ہے اس سے مراد ساری دنیا ہے۔ (بیضاوی)

آیت نمبر ۹۳

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ

اور اس سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹی تہمت لگائے یا کہے کہ میری طرف وحی اُتری ہے جب کہ اس پر کوئی وحی نہ اُتری ہو' یا جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسی ہی چیز اتار کر دکھا دوں گا۔ اے کاش تم ظالموں کو اس حال میں دیکھ سکو جب وہ موت کی حالت سکرات میں ڈبکیاں کھا رہے ہوتے ہیں اور فرشتے ہاتھ بڑھا بڑھا کر کہہ رہے ہوتے ہیں کہ لاؤ! نکالو اپنی روح' آج

تمہیں ذلّت کی سزا اس بات پر دی جارہی ہے کہ تم اللہ پر جھوٹی تہمتیں رکھ کر اس کی نسبت سے غلط باتیں کہا کرتے تھے۔ اور اس کی آیتوں کے مقابلے پر تکبر کیا کرتے تھے۔ (۹۳)

تفسیر

قرآن کے مذاق کرنے کا بدترین انجام:

ا۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت کہ یہ آیت ابن ابی سرح کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہی وہ شخص ہے جسے حضرت عثمان نے مصر کا گونر مقرر کیا تھا۔ اس کا خون آنحضرتؐ نے فتح مکہ کے دن مباح فرمایا تھا۔ یہ شخص شروع میں آنحضرتؐ کا کاتب تھا۔ (اور قرآن میں جہاں چاہتا تھا ردو بدل کر دیا کرتا تھا، مثلاً) جہاں قرآن میں اِنَّ اللهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ نازل ہوتا تھا وہاں یہ اِنَّ اللهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ لکھ دیا کرتا تھا۔'' بعد میں کہنے لگا کہ میں قرآن اپنے ذوق کے مطابق لکھ سکتا ہوں۔ (تفسیر صافی ص ۱۵۹ بحوالہ کافی و تفسیر عیاشی و تفسیر علی ابن ابراہیم و تفسیر قمی)

نیز امامؑ نے فرمایا: ''جو شخص (خدا کی طرف سے) امام نہ ہو (اور پھر بھی امامت کا دعویٰ کرے) وہ بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہے۔'' (تفسیر عیاشی)

نیز امامؑ نے فرمایا: ''عَذَابَ الْهُوْنِ'' ''ذلت کے عذاب'' سے مراد قیامت کے دن کی سخت پیاس کا عذاب بھی ہے۔'' (تفسیر عیاشی)

ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ''یہ آیت مسیلمہ کذاب کے بارے میں اُتری تھی جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا، اور کچھ تک بندیاں کر کے اسے قرآن کے مقابل پیش کیا تھا۔'' (تفسیر تبیان، بقول حضرت امام محمد باقرؑ)

حضرت رسول اکرمؐ کے زمانے میں کچھ ایسے بدبخت بھی تھے جو قرآن کو خدا کا کلام نہیں سمجھتے تھے۔ اُن کے نام نضر بن حارث، سعد بن ابی سرح بتائے گئے ہیں۔ (قرطبی بقول عکرمہ)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ اگر کوئی شخص خواب تراشے، یا اپنے خیالات کو الہام غیبی کہے، وہ بھی اسی آیت کے ضمن میں آتا ہے۔ فقہاء نے لکھا کہ جو شخص خود کو فقہ اور سنت سے مستغنی سمجھے اور ان کے مقابلے میں اپنی رائے پر عمل کرے، وہ اسی وعید کے تحت آتا ہے۔ (قرطبی، تھانوی)

فرشتوں کا ایسے مجرم سے یہ کہنا کہ ''اپنی جان نکال'' بطور طنز ہے۔ ورنہ جان تو فرشتے نکال ہی رہے ہوں گے۔ جان کا نکالنا کسی آدمی کے بس کی بات نہیں۔ (تفسیر کبیر)

آیت نمبر ۹۴

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۹۴

ترجمہ

(اب اللہ فرمائے گا) تو تم اب ہمارے پاس ایسے ہی اکیلے آئے ہو جیسے کہ ہم نے پہلی بار تم کو پیدا کیا تھا۔ اور جو کچھ ہم نے تمہیں دنیا میں دیا تھا وہ سب کا سب تم پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ اور اب ہم تمہارے ساتھ تمہارے اُن سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے، جن کے متعلق تم سمجھتے تھے کہ وہ تمہارے بارے میں ہمارے ساتھ شریک ہیں۔ اب تمہارے ایک دوسرے سے تمام تعلقات اور رابطے ٹوٹ گئے۔ اور جو کچھ کہ تم غلط خیال کیا کرتے تھے وہ بھی تمہارے پاس سے گم ہو گئے۔ (۹۴)

تفسیر

۱۔ تم اپنی میتوں کو اچھا کفن دیا کرو، کیونکہ.....؟

جب آنحضرتؐ نے یہ آیت حضرت فاطمہؑ بنت اسد (والدہ حضرت علیؑ) کے سامنے تلاوت فرمائی، تو انہوں نے فرمایا: ''ہائے خرابی! کیا خدا کے حضور ہم برہنہ محشور ہوں گے؟ پھر آنحضرتؐ نے اُن کے لیے خدا سے دعا

فرمائی کہ خداوند! ان کو کفن کے ساتھ محشور فرمانا۔ خدا نے دعا قبول فرمالی۔'' (الخرائج)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''تم لوگ اپنی میتوں کو اچھا کفن دیا کرو۔ کیونکہ تم اپنے کفنوں میں اٹھائے جاؤ گے۔'' (الکافی)

(معلوم ہوتا ہے کہ کافر قیامت میں برہنہ محشور ہوں گے)

یہ خطاب کافروں سے روزِ قیامت ہوگا کہ اب وہ تمہارے ساتھ جو پارٹیاں اور ورکروں کے لشکر تھے جن پر تمہیں بڑا گھمنڈ تھا، وہ سب کہاں ہیں؟ اب تم اکیلے جیسے بھیجے گئے تھے ویسے ہی آئے ہو۔ (قرطبی، روح المعانی)

آیت نمبر ۹۵

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾

ترجمہ

یقیناً اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔ وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مُردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے۔ پھر تم کدھر بھٹکتے پھرتے ہو؟ (۹۵)

تفسیر

نشانیوں پر دعوتِ غور و فکر:

تفسیر برہان میں مفضل بن عمر سے روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس کی تاویل یہ منقول ہے کہ حَبٌّ (دانے سے) مراد ہے ''مومن'' اور ''نویٰ'' (گٹھلی) سے مراد ہے کافر''۔ اور اسی طرح زندہ سے مراد ''مومن'' اور ''مردہ'' سے مراد ''کافر'' بھی مروی ہے۔ یعنی مومنوں سے کافر پیدا ہو جاتے ہیں اور کافر سے مومن پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور آیت کے ظاہری معنی کے لحاظ سے مقصد یہ ہے کہ خدا دانے اور گٹھلی کو شگافتہ کرتا ہے پس دانہ

اور گٹھلی جواز قسم جمادات ہیں، اُن سے زندہ پودے اُگاتا ہے جواز قسم نباتات ہیں، اور انہی پودوں سے دانے اور گٹھلیوں کو پھر پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح منی سے انسان کو پیدا کرتا ہے اور انسان سے منی کو پیدا کرتا ہے۔ انڈوں سے پرندے اور پرندوں سے انڈے پیدا کرتا ہے۔'' (تفسیر انوار النجف جلد ۵، ص ۲۲۲، بحوالہ تفسیر برہان)

مطلب یہ ہے کہ خدا کی تخلیق، مرد عورتوں کی تفریق، نسلوں کے بعد نسلوں کا پیدا ہوتے رہنا، بچے کا ماں کے رحم میں قرار پانے سے لے کر قبر تک پہنچ جانے کا طویل سفر کے دوران خدا کی بے شمار نشانیاں اور دلیلیں انسان کے سامنے آتی ہیں جن سے اگر وہ چاہے تو خدا کو پہچان سکتا ہے مگر یہ پہچان غور وفکر اور سمجھ بوجھ رکھنے والوں کے لیے ہے۔ .....(ملخص تفسیر تبیان)

آیت نمبر ۹۶

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾

ترجمہ

پردے کو پھاڑ کر وہی صبح کو نکالنے والا ہے۔ اُسی نے رات کو آرام وسکون کا وقت بنایا ہے۔ اُسی نے چاند اور سورج کو حساب کا ذریعہ بنایا ہے۔ یہ اُسی زبردست قدرت اور علم رکھنے والے کے ٹھہرائے ہوئے اندازے اور مقرر کیا ہوا نظام ہے۔ (۹۶)

تفسیر

شب وروز کا نظام شمس وقمر کا حساب:

سورج کے طلوع وغروب سے دن اور رات بنتے ہیں جن سے ہفتے، مہینے اور پھر سال بنتے ہیں۔ اسی طرح چاند کے نکلنے یا نہ نکلنے سے بھی مہینے اور سال بنتے ہیں۔ اس لیے خدا نے دونوں کو حساب میں داخل کیا۔ مگر قرآن نے

اس حساب کے سلسلے میں چاند کو اہمیت دی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اسلام میں قمری تاریخیں معتبر ہیں۔ (فصل الخطاب)

مطلب یہ ہے کہ یہ سارا عظیم الشان کارخانۂ حیات، یہ سارا نظام ارضی و نظام فلکی یونہی اٹکل پچو نہیں چل رہا ہے۔ یہ سب اُسی قانون اور ضابطے کے ماتحت چل رہا ہے جو اُس غالب اور قادرِ مطلق نے مقرر فرما دیا ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر غالب (عزیز) ہے، (اس لیے اُس کے کاموں کی کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔ اور کیونکہ وہ ہر چیز کا پوری طرح جاننے والا (علیم) ہے اس لیے اُس کا ہر عمل، ہر جنبش تکوینی بے انتہا حکمتوں اور مصلحتوں سے پُر ہے۔ غرض ''عزیز'' سے اُس کی کمال قدرت کی طرف اشارہ ہے، اور ''علیم'' سے اُس کے کمال علم کی طرف اشارہ ہے۔ (تفسیر کبیر) ''حُسْبَاناً'' یعنی سورج اور چاند کو حساب سے رکھا ہے۔ یعنی مصالحِ خلق کے عین تناسب کے مطابق قرار دیا ہے۔ (قرطبی)

آیت نمبر ۹۷

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾

ترجمہ

وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستاروں کو مقرر کیا ہے تاکہ تم اُن سے صحرا اور سمندر کے اندھیروں میں صحیح راستہ معلوم کرو۔ ہم نے علم رکھنے والوں کے لیے اپنی باتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں۔ (۹۷)

تفسیر

صاحبانِ علم کے لیے نشانیاں ہیں:

ستاروں سے صرف وہی لوگ رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں جو اُن کے مقامات، علامتوں اور چالوں کو جانتے

ہیں۔اسی لیے آخر میں فرمایا:''اُن کے لیے جو جاننے والے ہوں۔'' (تفسیر تبیان)

آیت کا مقصد یہ ہے کہ خدا کی نشانیوں سے اس حقیقت کو سمجھنا کہ اس کائنات کا صرف ایک ہی مالک اور پالنے والا ہے،صرف صاحبانِ علم کا کام ہے۔ان نشانیوں سے توحید کی حقیقت تک پہنچنا جاہلوں کے بس کی بات نہیں۔ یہ بات صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو علمی نقطۂ نظر سے آثار کائنات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔(تفہیم).....اسی لیے قرآن میں دوسری جگہ فرمایا:اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ''حقیقتاً اللہ سے صرف صاحبانِ علم ہی ڈرتے ہیں۔

آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ تمام اجرام سماوی خود انسان کو نفع پہنچانے کے لیے رات دن تگنی کا ناچ ناچ رہے ہیں۔ خادموں کی طرح دوڑ بھاگ رہے ہیں۔تم اُلٹے اُن ہی کی پوجا پاٹ کرنے میں لگے ہوئے ہو،تم نے خادموں کو مخدوم سمجھ رکھا ہے۔

اور جاننے سے یہاں مراد عقل وفکر اور استدلال ہے۔

(۱۔سورۃ الفاطر ۳۵،آیت ۲۸)(تفسیر کبیر)

آیت نمبر ۹۸

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾

ترجمہ

اور وہ خدا وہی تو ہے جس نے ایک شخص سے تم کو پیدا کیا پھر ہر ایک کے لیے ایک ٹھہرنے کی جگہ (باپ پشت) اور سونپے جانے کا مقام (شکم مادر یا قبر) مقرر کیا۔ہم نے تفصیل کے ساتھ باتیں بیان کردی ہیں اُن لوگوں کے لیے جو سمجھنا چاہتے ہیں۔(۹۸)

تفسیر

ٹھہرنے کی جگہ اور سونپے جانے کا مقام:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا: ''اللہ نے انبیاءؑ کو نبوت پر پیدا کیا۔ پس وہ سوائے نبی کے کچھ نہیں، اور مومنین کو ایمان پر پیدا کیا (یعنی اُن کو ایمان کی صلاحیت عطا کی) اس لیے وہ سوائے مومنین کے کچھ نہیں ہوں گے۔ اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اُن کا ایمان عاریتاً (عارضی) ہے۔ پھر اگر خدا چاہے گا تو اُن کے ایمان کی تکمیل کر دے گا اور چاہے گا تو اُن کا ایمان سلب کر لے گا (اس کا دارومدار اُن کے طرزِ عمل پر ہوگا)۔ پس اس آیت کا حکم مُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ یعنی (ایمان کے) ٹھہرنے کی جگہ اور سونپے جانے کا مقام ''ایسے ہی لوگوں پر نافذ ہوگا۔''

پھر امامؑ نے یہ بھی فرمایا کہ: ''فلاں شخص کو ایمان سپرد کیا گیا تھا، مگر جب اُس نے ہمارا نام لے کر جھوٹ بولا، تو اُس کا ایمان سلب کر لیا گیا۔'' (تفسیر صافی ص ۱۶، بحوالہ الکافی)

غرض ''مُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ'' ٹھہرنے کی جگہ اور سونپنے کی جگہ'' کے سلسلے میں متعدد اقوال ہیں جن کو علامہ طبرسیؒ نے اپنی ''تفسیر مجمع البیان'' میں لکھا ہے: قریبی مفہوم یہ ہوسکتا ہے ''مستقر'' ''ٹھہرنے کی جگہ'' سے مراد ''صلبِ'' پدر ہے اور ''مستودع'' ''سونپنے کی جگہ'' سے مراد ''رحمِ مادر'' ہے یا اس کے برعکس۔ (جلالین، فصل الخطاب، قرطبی، تفسیر کبیر)

صافی میں معصومین علیہم السلام سے مروی ہے کہ ''مستقر'' سے مراد ''ایمان ثابت'' ہے اور ''مستودع'' سے مراد وہ ایمان ہے جو موت سے پہلے سلب ہو جائے۔ (بحوالہ انوار النجف، ج ۵، ص ۲۴۳)

ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھو تا کہ ایمانِ کامل کے ساتھ موت واقع ہو:

تفسیر برہان میں تہذیب سے مروی ہے کہ سلیمان دیلمی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ مجھے ایسی دعا تعلیم فرمایئے کہ بدولت خدا مجھے ''ایمان مستقر'' عطا فرمائے اور کامل الایمان ہو کر مروں۔

آپؑ نے فرمایا: ''ہر جس کی نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرو:'' ''رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّ بِالْقُرْاٰنِ کِتَاباً وَّ بِالْکَعْبَۃِ قِبْلَۃً وَّ بِعَلِیٍّ وَّلِیًّا اِمَاماً وَّ بِالْحُسْنِ وَالْحُسَیْنِ وَالْاَئِمَّۃِ صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْہِمْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ رَضِیْتُ بِہِمْ اَئِمَّۃً فَارْضَنِیْ لَھُمْ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْ

ءٍ قَدِیْرٌ۔''

آیت کا پیغام:

یہ ہے کہ (۱) انسان کی تخلیق (۲) اُس کے اندر مرد وزن کی تفریق (۳) توالد وتناسل کا طویل سلسلہ (۴) رحم مادر میں بچے کا قرار پانا (۵) قبر میں سونپے جانے تک کی زندگی کے مختلف ادوار میں خدا کی بے شمار واضح نشانیوں پر غور وفکر کرنے سے خدا کی قدرت نظر آتی ہے اور اُس کی معرفت صاحبانِ عقل کو ہوسکتی ہے۔ (ملخص از تفہیم)

آیت نمبر ۹۹

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰی ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾

ترجمہ

اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اُس کے ذریعے سے ہر قسم کی نباتات اُگائی۔ پھر اُس سے ہرے بھرے کھیت اور درخت پیدا کیے۔ پھر اُن سے تہ در تہ ایک دوسرے سے گُتھے دانے نکالے اور کھجور کے شگوفوں میں سے پھلوں کے گُچھے کے گُچھے پیدا کر دیے، جو زمین کی طرف جُھکے پڑتے ہیں اور انگور، زیتون اور انار کے باغ لگا دیے، جو ایک دوسرے سے بظاہر ملتے جلتے بھی ہیں، پھر ہر ایک کی خصوصیات اور مزے مختلف ہیں جب یہ درخت پھل دیتے ہیں تو اُن میں پھل آنے اور پھر اُن کے پکنے کی حالت کو ذرا غور وفکر کی نظر سے تو دیکھو۔ ان چیزوں میں خدا

کی دلیلیں اور نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لانا چاہیں۔(۹۹)

تفسیر

پھلوں اور بادلوں کی تخلیق پر غور کرو،

''پھلوں کے پیدا ہونے میں کیسی کیسی حکیمانہ باریکیاں ہیں۔کس قدر باریک کیمیاوی اور طبعی تغیرات اور مرکبات سے کام لیا گیا ہے۔پھر اُن کی خوشبو، مزہ، رنگ، جسامت اور غذائیت پر نظر ڈالنا کس قدر سبق آموز ہے۔'' یہاں ''دیکھنے'' سے مراد غور وفکر کرنا سبق لینے کے لیے۔(قرطبی۔مدارک)

آیت نمبر ۱۰۰

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۱۰۰

ترجمہ

(اس کے باوجود بھی) لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرادیا ہے۔حالانکہ خدا ہی نے تو اُن کو بھی پیدا کیا ہے۔اور انہوں نے بے جانے بوجھے جہالت سے خدا کے بیٹے اور بیٹیاں تک تصنیف کردیں (گھڑ ڈالیں)۔حالانکہ وہ (خدا) تو پاک ومنزہ ہے اور بلند تر ہے اُن باتوں سے جو یہ لوگ (اُس کے لیے) کہتے ہیں۔(۱۰۰)

تفسیر

جن کے معنی اور آیت میں مراد؟:

۱۔''اس آیت میں ''جن'' سے مراد فرشتے بھی لیے گئے ہیں۔(کیونکہ ''جن'' ہر اُس مخلوق کو کہتے ہیں جو دکھائی نہ دے) یہ اس لیے فرمایا کہ کافروں نے فرشتوں کو خدا کا شریک ٹھہرایا تھا اور وہ فرشتوں کی عبادت کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔''.....ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہاں جنوں سے مراد شیاطین ہیں کیونکہ کفار جنوں کی ایسی اطاعت کرتے تھے جیسی خدا کی اطاعت کی جانی چاہیے، اور انہیں کے بہکانے سے بتوں کو پوجتے تھے اور کہتے تھے کہ خدا خیر کا خالق ہے اور ابلیس شر کا خالق ہے۔(تفسیر صافی، ص ۱۲۰)

بعض کہتے ہیں کہ آیت مجیدہ میں مجوس کے عقیدے کی تردید ہے جنہوں نے دو(۲) خدا مانے تھے۔ یزداںؔ اور اہرمنؔ۔ یعنی فائدے مند اور اچھی چیزوں کا خالق یزداںؔ ہے۔ اور نقصان دہ چیزوں کا خالق اہرمنؔ یعنی شیطان ہے۔ تو انہوں نے خلق میں اہرمنؔ کو یزداںؔ کا شریک مان لیا۔ جس طرح ثنویہ گروہ نور(۱) اور ظلمت کو دو(۲) خدا مانتے ہیں کہ نور تو خیر کا خالق ہے اور ظلمتؔ شر کی خالق ہے۔ (لیکن اللہ تو ان سب بیہودگیوں سے منزہ و پاک ہے)۔ تفسیر انوار النجف، ج ۵، ص ۲۴۴)

آیت نمبر ۱۰۱

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ

وہ تو آسمانوں اور زمین کا ایجاد کرنے والا ہے۔ اس کا کوئی بیٹا کیسے ہوسکتا ہے جب کہ اس کی کوئی بیوی (صاحبہ) ہی نہیں ہے۔ جب کہ اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ تو ہر ہر چیز کا جاننے

والا ہے۔(۱۰۱)

تفسیر

آیت نمبر ۱۰۱:

محققین نے نتیجہ نکالا کہ خدا کا ہر چیز کے خالق ہونے اور اس سے متعلق ہر چیز کے عالم ہونے کا تعلق ہے۔ کیونکہ وہ ہر چھوٹی بڑی چیز کا خالق بھی ہے اور ہر چیز کا علم بھی رکھتا ہے۔ خدا سے باپ ہونے کے رشتے کا قیاس کرنا' حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ وہ ہر چیز کا خالق' مالک اور پالنے والا ہے۔ اگر خدا کی بیوی (صاحبہ) ہوتی تو ابتک اس سے بیشمار خدا کے بیٹے خدا ہی پیدا ہو جاتے۔ جیسے اس کی مخلوق ارضی کی اولاد انسانوں سے انسان، جنوں سے جن' جانور سے جانور پیدا ہوتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۰۲۔۱۰۳

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿۱۰۲﴾

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ

یہ ہے تمہارا پالنے والا مالک' اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہ ہر ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ تو اسی کی بندگی اختیار کرو۔ وہی ہر چیز کا وکیل' کام بنانے والا اور نگہبان ہے۔(۱۰۲)

اسے نگاہیں پا ہی نہیں سکتیں اور وہ سب نگاہوں کو پالیتا ہے۔ اور وہ جسم و جسمانیات اور مادّیات

سے بری، بڑا خبر رکھنے والا ہے۔(۱۰۳)

تفسیر

خدا کو خیال کی آنکھیں بھی نہیں دیکھ سکتیں:

۱۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا:''اس آیت میں''ابصار''(یعنی)''نگاہوں''سے مراد''احاطۂ وہم وخیال''ہے۔کیا تو نے نہیں دیکھا کہ خدا نے فرمایا:''تمہارے پاس خدا کی بصیرتیں(ابصار)آ چکی ہیں۔''

غرض اس سے مراد صرف آنکھوں کی بنیائی نہیں،اور نہ اس سے آنکھوں کا اندھا ہونا مراد ہے،بلکہ اس سے مراد''احاطۂ وہم وخیال ہے''۔(تفسیر صافی صفحہ ۱۶۱)

خدا کا دیدار آخرت میں:

حضرت امام علی رضا علیہ السّلام سے ایسے لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا جو خدا کو دیکھنے کے قائل ہیں حضرت امامؑ نے فرمایا:''جس شخص نے خدا کی صفتیں اس طرح بیان کیں جس طرح خدا نے اپنی ذات کے لیے بیان نہیں فرمائیں تو اس نے خدا پر بہت بڑا بہتان باندھا۔خدا نے اپنے لیے یہ فرمایا ہے کہ''اسے نگاہیں پا ہی نہیں سکتیں''نگاہوں سے مراد صرف آنکھیں ہی نہیں،بلکہ احاطۂ وہم وخیال بھی ہے۔یعنی،خدا کو نہ تو ظاہری آنکھیں پا سکتی ہیں اور نہ دل کی آنکھیں۔یعنی وہم وخیال تک اس کی ذات وصفات تصور نہیں کر سکتے۔(تفسیر مجمع البیان وتفسیر عیاشی)

اے برتر از گمان و خیال و نگاہ و وہم
ما ہرچہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم

یعنی :اے وہ ذات جو گمان وخیال ونگاہ ووہم سے بلند تر ہے۔جو کچھ ہم نے کہا سنا یا پڑھا ہے وہ(خدا)اس سے کہیں ارفع واعلیٰ بلند وبرتر وبالا ہے۔

دِغْلَف یمانی نے امیرالمومنین علیہ السّلام سے سوال کیا:یا امیرالمومنینؑ !کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: (تمہارے خیال میں) کیا میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جسے میں نے

دیکھا تک نہیں؟ اس نے عرض کیا: آپ کیونکر اسے دیکھتے ہیں؟

آپؑ نے ارشاد فرمایا: (سنو!) ''لَاتَرَاهُ الْعُيُونُ بِمُشَاهَدَةِ الْعِيَانِ وَلٰكِنْ تُدْرِكُهُ الْقُلُوبُ بِحَقَائِقِ الْاِيْمَانِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْاَ شْيَآءِ غَيْرُمُلَاصِقٍ بَعِيْدٌ مِّنْهَاغَيْرُ مُبَايِنٍ مُتَكَلِّمٌ لَّا بِرَوِيَّةٍ مُّرِيْدٌلَّا بِهِمَّةٍ صَانِعٌ لَّا بِجَارِحَةٍ لَطِيْفٌ لَّا يُوْصَفُ بِالْخَفَآءِ كَبِيْرٌ لَّايُوْصَفُ بِالْجَفَآءِ بَصِيْرٌ لَّايُوْصَفُ بِالْحَآسَّةِ رَحِيْمٌ لِّا يُوْصَفُ بِالرِّقَّةِ تَعْنُوا الْوُجُوْهُ لِعَظَمَتِهٖ وَتَجِبُ الْقُلُوْبُ مِنْ مَّخَافَتِهٖ۔'' (نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۷۷)

یعنی: ''آنکھیں اسے کھلّم کھلا نہیں دیکھتیں، لیکن جسمانی اتصال کے طور پر نہیں، وہ ہر شے (پہچان، سمجھ لیتے) ہیں۔ وہ ہر چیز سے قریب ہے لیکن جسمانی اتصال کے طور پر نہیں، وہ ہر شے سے دور ہے، مگر الگ نہیں، وہ غور وفکر کیے بغیر کلام کرنے والا، اور بغیر آمادگی کے قصد وارادہ کرنے والا ہے اور بغیر اعضاء (کی مدد) کے بنانے والا ہے۔ وہ لطیف ہے، لیکن پوشیدگی سے اسے متصف نہیں کیا جاسکتا۔ وہ بزرگ وبرتر ہے، مگر تندخوئی اور بدخلقی کی صفت اس میں نہیں۔ وہ دیکھنے والا ہے، مگر حواس سے اسے موصوف نہیں کیا جس سکتا ہے۔ وہ رحم کرنے والا ہے مگر اس صفت کو نرم دلی سے تعبیر نہیں کیا جس سکتا۔ چہرے اس کی عظمت کے سامنے ذلیل وخوار اور دل اس کے خوف سے لرزاں وہراساں ہیں۔'' (ترجمہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ: اس آیت نے قطعی فیصلہ کر دیا کہ خدا کو نہ تو دنیا ہی میں دیکھا جاسکتا ہے اور نہ آخرت میں۔ صرف خدا کی نشانیوں اور دلیلوں کے ذریعے سے خدا کو پہچانا جاسکتا ہے۔ یہی وہ عقل کا امتحان ہے جس میں کامیابی پر انسان کے تمام کمالات کا دارومدار ہے کیونکہ اس آیت کے مطابق خدا نے خود کو ''لطیف'' فرمایا ہے: یعنی اُس کی ذات اتنی لطیف (Abstrect) ہے کہ نگاہیں تو کیا اُسے پائیں گی، وہ کسی کے وہم وخیال بھی نہیں آسکتا۔ اب یہ کہنا کہ ''قیامت میں نگاہیں اُسے پالیں گی۔'' تو کیا قیامت کے دن خدا کی ذات وصفات بدل جائیں گی؟ قیامت خدا پر نہیں، مخلوق پر آئے گی۔

''اس لیے عقلاً اور نقلاً یہی سمجھ میں آتا ہے کہ کوئی مخلوق کبھی خدا کو نہیں دیکھ سکتی۔''

''نگاہیں اسے نہیں پاسکتیں۔'' اس میں دنیا وآخرت کی کوئی قید نہیں۔ مگر شاہ ولی اللہ نے خود اپنی طرف سے ترجمے میں بڑھا دیا: (در دنیا)۔ مگر سوال یہ ہے کہ قیامت کے دن خدا وہ خدا نہیں رہے گا جو پہلے تھا، کیا قیامت کے دن خدا کا کمال ختم ہوجائے گا اور اُس کا جلال کم ہوجائے گا؟ (ملخص از فصل الخطاب)

آیت نمبر ۱۰۴

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ؕ وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ

تمہارے پاس تمہارے پالنے والے مالک کی طرف سے بصیرت کی روشنیاں آ گئی ہیں۔اب جو ان پر نظر کرتے ہوئے بینائی سے کام لے گا، وہ خود اپنے ہی کو فائدہ پہنچائے گا۔اور جو اندھا بنا رہے گا ، وہ خود اپنا نقصان کرے گا ۔ اور میں کوئی تمہارا پہرے دار (ذمے دار) تو نہیں ہوں۔(۱۰۴)

تفسیر

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصل کام:

اے۔''میں تم پر پاسبان نہیں ہوں۔''

یعنی : میرا کام بس اتنا ہے کہ خدا کی بھیجی ہوئی روشنی تمہارے سامنے پیش کردوں۔اس کے بعد آنکھیں کھول کر دیکھنا یا نہ دیکھنا تمہارا اپنا کام ہے۔میرے سپرد یہ کام نہیں کیا گیا ہے کہ جن لوگوں نے خود اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں،اُن کی آنکھیں زبردستی کھولوں اور جو کچھ وہ نہیں دیکھنا سمجھنا چاہتے وہ انہیں دکھا سمجھا کر ہی دم لوں۔ (تفہیم)

قرآن کے دلائل اور رسولؐ کے معجزات سب کے سب ''بَصَآىِٕرُ'' میں داخل ہیں۔(قرطبی۔ابن کثیر)

اس آیت سے عرفاء نے یہ طرز اختیار کیا ہے کہ وہ راہ حق دکھانے کے بعد کسی کے پیچھے نہیں پڑتے۔ (تھانوی)

آیت نمبر ۱۰۵

وَ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

ترجمہ

اور اسی طرح ہم طرح طرح سے بار بار حق کی باتیں بیان کرتے ہیں تا کہ وہ یہ کہیں کہ واقعی آپؐ نے (اُن کو ہمارے سامنے) خوب خوب پڑھا ہے، اور اس لیے بھی کہ ہم اُس (حقیقت) کو صاف صاف بیان کر دیں، اُن لوگوں کے لیے جو جاننا چاہتے ہیں۔ (۱۰۵)

تفسیر

قرآن کھرے اور کھوٹے انسان کی کسوٹی ہے:

خدا کے فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ قرآن لوگوں کے لیے امتحان کا ذریعہ بن گیا ہے جس سے کھوٹے اور کھرے انسان کی تمیز ہو جاتی ہے۔ ایک قسم کے انسان تو وہ ہیں جو قرآن کو پڑھ کر یا سن کر اُس کے مقصد اور تعلیمات پر غور و فکر کرتے ہیں اور اُن کو عملی جامہ پہنانے کی حتی الامکان کوشش کرتے ہیں۔ اور دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو بجائے قرآن پر غور و فکر کرنے کے اس ٹٹول میں لگ جاتے ہیں کہ آخر یہ ''اُمّی'' انسان ایسے اعلیٰ مضامین کہاں سے لے آیا؟ اور کیونکہ وہ اپنی تحقیق کو تنگ نظری اور تعصب سے شروع کرتے ہیں، اس لیے سوا اس بات کو ماننے کے، کہ یہ کتاب خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے، وہ ہر دوسرے تیسرے چوتھے امکان کو تجویز کرتے چلے جاتے ہیں۔ (کبھی کہتے ہیں کہ معاذ اللہ) کوئی ایرانی انہیں پڑھا جاتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ پرانی کتابوں کا نچوڑ یا پرانے قصے کہانیاں ہیں۔ وغیرہ وغیرہ) اور پھر اپنی احمقانہ تحقیق کو عالمانہ انداز سے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ گویا وہ بڑے محقق اعظم ہیں کہ انہوں نے قرآن کے مآخذ کو معلوم کر لیا ہے۔ (تفہیم)

آیت نمبر ۱۰۶۔۱۰۷

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۶﴾

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ

آپ تو اس وحی کی پیروی کیجیے، جو آپ کے پالنے والے کی طرف سے آپؐ پر اُتری ہے۔ کیونکہ اُس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے اور ان مشرکوں سے اعراض فرمائیے۔ (۱۰۶)

اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے۔ اور ہم نے آپ کو اُن کے اوپر کوئی پہرے دار مقرر نہیں کیا ہے۔ اور نہ آپؐ اُن کے ٹھیکیدار ہیں۔ ا؎ (۱۰۷)

تفسیر

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمے داری کی حد:

ا؎۔ آیت نمبر ۱۰۷: آیت کا مقصد رسولؐ کو تسلی دینا ہے کہ اگر مشرک اور کافر حق بات نہیں مانتے تو اُن کے افعال کی ذمے داری آپؐ پر نہیں ہے۔ آپؐ صرف اپنا فریضہ انجام دیتے رہیں۔ اس سے کوئی مطلب ہی نہ رکھیں کہ وہ مانتے ہیں یا نہیں مانتے۔ خدا کو بہر حال جبر سے کام نہیں لینا۔ اگر اُسے جبر سے کام لینا ہی ہوتا تو دنیا میں ایک بھی مشرک نہ ہوتا۔ (تفسیر تبیان)

آیت کا پیغام یہ ہے کہ: اے رسولؐ! تمہاری جوابدہی اور ذمے داری میں یہ بات ہرگز شامل نہیں ہے کہ

کیوں کوئی شخص تمہاری قوم میں باطل پرست باقی رہ گیا؟

اس لیے اس فکر میں گھلنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ اندھوں کو کس طرح حق دکھایا جائے اور جو لوگ آنکھیں کھول کر دیکھنا ہی نہیں چاہتے اُن کی آنکھیں کس طرح کھولی جائیں۔ اگر اللہ کو یہی مقصود ہوتا کہ دنیا میں کوئی شخص باطل پرست نہ رہے تو اللہ کو تمہیں بھیجنے کی ضرورت کیا تھی؟ یہ کام تو ایک ادنیٰ تکوینی اشارے ہی پر ہو جاتا اور کسی کو باطل پرستی کی اجازت ہی نہ ملتی۔

اللہ کا مقصد تو یہ ہے کہ ہر شخص کو حق اور باطل کے انتخاب کی اجازت دی جائے پھر حق کو اُس کے سامنے پیش کیا جائے۔ اور پھر اس کی عقل اور عمل کا امتحان لیا جائے کہ وہ کس کا انتخاب کرتا ہے۔ لہٰذا تم حق کی روشنی پھیلاتے رہو اور جو تمہاری دعوت قبول کر لیں اُن کو سینے سے لگاتے رہو، خواہ وہ لوگ دنیوی اعتبار سے کتنے ہی حقیر کیوں نہ ہوں۔ اور جو باطل کی طرف جانے پر مُصر ہیں اُن کی راہ چھوڑ دو۔ کیونکہ تم اُن کے ٹھیکیدار یا حوالہ دار نہیں ہو۔ (تفہیم)

آیت کا حاصل یہ ہے کہ: ''اے رسولؐ! فرطِ محبت اور شفقت کی وجہ سے ان ضدی حق دشمنوں کے حال پر زیادہ غم نہ فرمائیں۔ آپؐ اپنی توجہ قرآن اور وحی کی طرف مرکوز رکھیں۔ مشرکوں کی زیادہ فکر نہ فرمائیں۔ اللہ کی عبادت فرمائیں اور اپنا کار تبلیغ۔ (قرطبی)

تفسیر اہل بیتؑ میں ہے کہ: ''اگر خدا چاہتا تو سب لوگ مومن و معصوم ہوتے اور کوئی گہنگار نہ ہوتا۔ پھر جنت و دوزخ کی احتیاج نہ ہوتی پس اُس نے استحقاق ثواب و عتاب کے لیے انسانوں کو کرنے اور نہ کرنے کی طاقت بھی دی، اختیار بھی دیا اور حجت بھی تمام کی اور اپنے اوامر و نواہی سے بھی اُن کو آگاہ کر دیا۔ (بحوالہ تفسیر انوار النجف، ج ۵، ص ۲۴۶)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ مشرک خدا کی مشیت تکوینی سے باہر نہیں۔ (قرطبی مدارک)

آیت نمبر ۱۰۸

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ

یہ لوگ اللہ کے سوا خدا سمجھ کر جن کو پکارتے ہیں، انہیں گالیاں نہ دو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنی جہالت کی بناء پر وہ اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔ یوں ہی ہم نے ہر قوم کے کردار کو سنوارا ہے۔ (یعنی عقلی دلیلوں اور شائستگی سے اُن کی اصلاح کی جائے) پھر اُنہیں اپنے رب کی طرف پلٹ کر آنا بھی تو ہے۔ اُس وقت انہیں بتادے گا، جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ (۱۰۸)

تفسیر

کسی کے جھوٹے خداؤں کو گالی نہ دو، ورنہ وہ تمہارے سچے خدا کو بُرا بھلا کہیں گے:

حضرت امام جعفر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا: ''جس شخص نے اللہ کے مقرر کیے ہوئے انسان کو گالی دی، اُس نے خدا کو گالی دی۔'' (تفسیر عیاشی)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''جس نے خدا کے کسی دوست کو بُرا بھلا کہا تو اُس نے خدا کو بُرا کہا۔ (الاعتقادات)

آیت نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہم دوسروں کے جھوٹے خداؤں اور رہنماؤں کو علانیہ بُرا بھلا نہ کہیں کیونکہ اگر ہم ایسا کریں گے تو ہمارے دشمن جسارت کر کے ہمارے خدا اور ہمارے نبیؐ یا ائمہ کو گالیاں دیں گے۔ پھر ان گالیوں کی ذمے داری ہم پر ہوگی۔

حضور اکرمؐ نے فرمایا: ''تم میں بہت بُرا وہ شخص ہے جو اپنے باپ کو گالیاں دے۔''

لوگوں نے عرض کیا: حضورؐ! اپنے باپ کو تو کوئی بھی گالیاں نہیں دیتا۔

آپؐ نے فرمایا: ''اگر تم دوسرے کے باپ کو گالیاں دو گے تو وہ بھی تمہارے باپ کو گالیاں دے گا۔ (تو یہ ایسا ہی ہے گویا تم نے اپنے باپ کو گالیاں (دیں) دلوائیں۔'' (الحدیث)

بروایت تفسیر عیاشی: آنحضرتؐ نے فرمایا: یا علیؑ! جو تمہیں سب کرے (گالی دے) گویا اُس نے مجھے سب کیا، (جس نے مجھےؐ سب کیا اُس نے) گویا اللہ کو سب کیا، اور ایسا شخص اُلٹے منہ دوزخ کے حوالے کر دیا جائیگا۔ (بحوالہ انوار النجف، ج ۵، ص ۲۴۶)

نتیجہ نمبر ۱:

نتیجہ یہ نکلا کہ دشمنانِ خدا اور رسولؐ سے بیزار ہونا عین ایمان ہے لیکن دشمنانِ خدا اور رسولؐ کے سامنے ایسی بات کرنا جو توہین آئمہؑ اور سبکی مذہب حقہ کی موجب ہو جائز نہیں ہے۔ (تفسیر انوار النجف، ج ۵، ۲۴۶)

خدا کا فرمانا: ''یوں ہی ہم نے ہر قوم کے کردار کو سنوارا ہے۔''

یعنی: ہم ہمیشہ صحیح طرزِ عمل اور اچھے کردار ہی کی تعلیم دیتے ہیں۔ (مجمع البیان)

اس کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ''جو لوگ گالم گلوچ کرتے ہیں۔'' ہم نے بھی اُنہیں ایسا کرنے کے لیے چھوڑ رکھا ہے۔ اور اس طرح اُن کے اعمال اُن کو درست نظر آتے ہیں۔'' اگر یہ ترجمہ کیا جائے تو بھی درست ہوگا۔ یہاں اللہ نے اُن کو اس لیے چھوڑ دیا ہے کہ انہوں نے اپنے اختیار کو غلط استعمال کیا۔ اسی لیے آخر میں فرمایا: ''پھر انہیں اپنے رب کی طرف پلٹ کر آنا بھی ہے۔'' یعنی اُس وقت اُن کو سزا دی جائے گی۔ (تفسیر علی ابن ابراہیم)

تعلیم:

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں رسول اکرمؐ کے ماننے والوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ تبلیغِ اسلام کے جوش میں بے قابو ہو کر مناظرے سے آگے بڑھ کر منکروں کے پیشواؤں کو گالیاں دینے پر نہ اُتر آئیں کیونکہ یہ چیز اُن کو حق کے قریب لانے کے بجائے اور دور کر دے گی، اور یہ افراط ہے، یعنی حدِ اعتدال سے آگے بڑھ جانا ہے۔

رہا خدا کا یہ فرمانا کہ: ''یوں ہی ہم نے ہر گروہ کے لیے اُس کے عمل کو خوشنما بنا دیا ہے۔'' اس میں خدا نے بظاہر گمراہی کی نسبت اپنی طرف ضرور دی ہے، یعنی اس کو اپنا فعل قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آزادیِ عمل اور اختیارِ عمل کا نظام خدا ہی نے بنایا ہے اس لیے جو کچھ بھی ہو رہا ہے خدا ہی کے اس قانون کی تکوینی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اس لیے خدا نے اسی بات کو یوں فرمایا ہے کہ: ''ہم نے ایسا کیا ہے۔'' یعنی ہم نے ایسا قانون وضع کیا ہے۔ (تفہیم)

نتیجہ نمبر ۲:

اس آیت سے فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ جو اطاعت واجب نہ ہو، اور کسی گناہ کا سبب بنے، اُس کو ترک کر دینا چاہیے۔ (قرطبی، ابن عربی)

کیونکہ بُتوں کو بُرا کہنا مباح ہے، مگر جب وہ کسی کارِ حرام کا سبب بن جائے تو قبیح ہو جائے گا۔ اس لیے یہ قاعدہ بنایا گیا کہ اگر کوئی کارِ مباح، حرام کا سبب بنے، تو وہ حرام ہو جاتا ہے۔ (جصاص، تھانوی)

آیت نمبر ۱۰۹

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

ترجمہ

اور انہوں نے تمام ممکنہ صورتوں کے ساتھ بڑی بڑی قسمیں کھا کھا کر کہا تھا کہ اگر کوئی معجزہ ان کے پاس آئیگا تو وہ ضرور اس کو مان لیں گے۔ کہیے کہ معجزے تو بس اللہ ہی کے پاس ہیں اور تم لوگوں کو کیا خبر کہ معجزے آ بھی جائیں، تو بھی یہ ایمان لانے والے نہیں۔ (۱۰۹)

تفسیر

ہٹ دھرم لوگوں کا کوئی علاج نہیں:

اتنے کچھ معجزات، دلائل، ہدایات کے آجانے کے بعد بھی ان کا نہ ماننا اور یہ کہنا کہ معجزہ آئے تو ہم ایمان لائیں، دھاندلی (ہٹ دھرمی) کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اسی لیے فرمایا: ''کہیے کہ نشانیاں اور معجزے تو بس اللہ کے پاس

ہیں، یعنی ایسے معجزے صبح وشام دکھاتے رہنا میرے بس کی بات نہیں۔ (فصل الخطاب)

نشانی سے مراد ہمیشہ کوئی ایسا واضح معجزہ ہوتا ہے جسے دیکھ کر نبیٔ اکرمؐ کی صداقت اور آپؐ پر خدا کی طرف سے مقرر کیے ہوئے نبی ہونے کو مان لینے کے سوا کوئی چارۂ کار ہی نہ رہے۔

آیت کا اصل خطاب مسلمانوں سے ہے کہ جو بیتاب ہو ہو کر تمنا کرتے رہتے تھے کہ خدا کرے کوئی ایسی نشانی ظاہر ہو جائے کہ یہ گمراہ لوگ کسی طرح سیدھے ہو جائیں۔ ان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ آخر تمہیں کس طرح سمجھایا جائے کہ ان لوگوں کا ایمان لانا کسی نشانی پر موقوف نہیں۔ (تفہیم)

آیت نمبر ۱۱۰

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ

اور اسی طرح ہم ان کے دلوں اور نگاہوں کو پھیر رہے ہیں جس طرح یہ پہلی مرتبہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے اور انہیں چھوڑ دیں گے ان کی سرکشی میں، تاکہ پھر وہ اندھے بنے پھرتے ہی رہیں گے۔ (۱۱۰)

حق ناشناسی پر جمے رہے:

کیونکہ انہوں نے حق کی تلاش اپنے اندر پیدا ہی نہیں کی، اس لیے وہ بھٹکے رہے۔ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ اگرچہ ان میں حق طلبی کی صلاحیت موجود تھی مگر انہوں نے اس صلاحیت سے قطعاً کوئی کام لینا گوارا نہ کیا۔ اسی لیے انہوں نے اپنی آنکھوں، کانوں، دلوں اور دماغوں کو حق طلبی کے تقاضوں سے ہٹائے رکھا۔ خدا نے شاید جمع کا صیغہ اس لیے استعمال فرمایا ہے کہ یہ اشارہ ہے سلسلۂ علل واسباب کی بے شمار کڑیوں کی طرف۔

غرض انہوں نے اپنی گمراہی کے اسباب خود مرتب کیے۔ حق سے خود دل ونگاہ کو پھیرے رکھا۔ حقائق کی طرف توجہ ہی نہ دی، بلکہ حقائق کی طرف سے لاپرواہی اور بے التفاتی برتی، عقل کو استعمال کرنے کے بجائے اُس کو تمسخر کے لیے استعمال کرتے رہے۔ ناحق معجزے طلب کرتے رہے کیونکہ وہ خود ارادتاً حق سے پھرے رہے، اس لیے خدا نے بھی اُن کو

حق سے پھرا ہوا چھوڑ دیا۔ معلوم ہوا کہ خدا کا کسی کو گمراہی میں چھوڑ دینا خود اُس کے اپنے طرزِ عمل پر منحصر ہوا کرتا ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ انسان اپنے طرزِ فکر و عمل میں خود مختار ہے مجبور نہیں۔ غرض آیت کا پیغام یہ ہے کہ ان منکرین حق کے اندر اب بھی وہی ذہنیت کام کر رہی ہے جس کی بنیاد پر انہوں نے پہلی مرتبہ سنتے ہی رسول اکرمؐ کے پیغام کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کی فکر میں اب بھی کوئی تبدیلی نہیں آ سکی ہے۔ (کتے کی دم ٹیڑھی کی ٹیڑھی رہتی ہے) وہی عقل کا پھیر اور نظر کا بھینگا پن جو انہیں اُس وقت سوچنے سمجھنے اور حق کو قبول کرنے سے روک رہا تھا، آج بھی اُن پر اُسی طرح مسلط ہے۔ (تفہیم)

طلبِ حق کی اہمیت:

کیونکہ کافروں نے تلاشِ حق کے جذبے سے کام ہی نہیں لیا اس لیے یہ ہزار معجزے بھی دیکھ لیں، ہدایت نام کی چیز اُن کو میسر نہ ہوگی۔ یہ لوگ یونہی بھٹکتے رہیں گے۔ ان کی اسی ضد کی وجہ سے اُن کے دل حق طلبی کی طرف سے ہٹا دیے جائیں گے۔ خدا کی طرف سے دلوں کو ہٹانے کی نسبت صرف اس لیے ہے کہ خدا تمام تکوینی سلسلوں کا مسبب الاسباب ہے۔ (مدارک) محققین نے نتیجہ نکالا کہ خوارق عادت اور معجزات کا طلب کرتے رہنا، طریق ہدایت نہیں، طریق ہدایت صرف اتباع بینات ہے۔ (تھانوی)

والحمدللہ☆ ساتواں پارہ ختم ہوا☆

رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ وَھُوَ حَسْبِیْ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔